اثمار الھدایۃ

علی الھدایۃ

ھدایہ ثالث

۵۱۱ھ - ۵۹۳ھ

دسویں جلد

اس شرح میں ہر ہر مسئلے کے لئے تین تین حدیثیں ہیں

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

ناشر

زم زم پبلیشر ، کراچی، پاکستان

Mobile (0092) 3351111326

نام کتاب............................اثمارالھد ایہ

نام شارح......................مولاناثمیر الدین قاسمی

ناشر............................زم زم پبلیشر، کراچی

نگراں..............مولانا حذیفہ، صاحب کراچی

طباعت باراول.................دسمبر ٢٠٢٢ء

قیمت.............................دوجلدیں 15 پونڈ

شارح کا پتہ
Maulana Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street
Old Trafford - Manchester
England M16 9LL

E samiruddinqasmi@gmail.com

mobile (0044)7459131157

زمزم پبلیشر، کراچی کا پتہ
مولانا رفیق صاحب
زمزم پبلیشر، شاہ زیب سینٹر
اردو بازار، نزد مقدس مسجد، کراچی، پاکستان

Mobile (0092) 3351111326

ملنے کے پتے

زم زم پبلیشر، کراچی کا پتہ
مولانا رفیق صاحب
زمزم پبلیشر، شاہ زیب سینٹر
اردو بازار، نزد مقدس مسجد، کراچی، پاکستان

Mobile (0092) 3351111326

ثاقب بک ڈپو
مقام، پوسٹ دیوبند ضلع سہارنپور
یوپی۔انڈیا
پین کوڈ 247554
tel 09412 496688

ہم اثمار الھدایہ ہی کو کیوں پڑھیں ؟

(۱)	اس شرح میں ہر جگہ اصول لکھے گئے ہیں جن سے مسئلہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور اصول بھی یاد ہو جاتے ہیں
(۲)	اس شرح میں ہر مسئلے کے تحت تین حدیثیں، تین حوالے ہیں جس سے دل کو سکون ہو جاتا ہے کہ کس مسئلے کے لئے کون سی حدیث ہے۔
(۳)	کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحاح ستہ ہی سے لائی جائے، تا کہ حدیث مضبوط ہوں۔
(۴)	صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں اس کی مکمل دو تخریج پیش کی گئی ہے۔
(۵)	ایک ایک مسئلے کو چار چار بار مختلف انداز سے سمجھایا ہے، جس سے مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔
(۶)	بلا وجہ اعتراض و جوابات نہیں لکھا گیا ہے۔
(۷)	سمجھانے کا انداز بہت آسان ہے۔
(۸)	پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان مثلا گرام وغیرہ کو لکھ دیا گیا ہے، جس سے پرانا اور نیا دونوں وزنوں سے واقفیت ہوتی ہے۔
(۹)	امام شافعیؒ کا مسلک انکی کتاب الام سے نقل کیا گیا ہے، اور انکی دلیل بھی صحاح ستہ سے دی گئی ہے۔

فہرست مضامین اثمار الہدایہ جلد عاشر

فہرست مضامین اثمار الھدایہ جلد عاشر

﴿کِتَابُ الدَّعْوَی﴾

﴿کتاب الدعوی﴾

ضروری نوٹ: دو باتیں ضروری ہیں

(۱) ایک یہ ہے کہ دعوی کرنے والا مدعی کون ہے، اور جس پر دعوی کیا جا رہا ہے، مدعی علیہ کون ہے، ۔ یہ مدعی اور مدعی علیہ کا پہچاننا ایک مشکل کام ہے، نیچے کی عبارت میں یہی بیان کیا جائے گا

(۲) اور دوسری بات یہ ہے کہ جو مدعی ہے اس پر گواہ دینا ضروری ہے، اور گواہ نہ ہو تو جو مدعی علیہ ہے اس پر قسم کھانا ضروری ہے، اگر اس نے قسم کھالی تو یہ چیز اس کو دے دی جائے گی۔

وجہ: ایک حدیث میں ہے (۱) **عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال: البينة علی من ادعی، واليمين علی من انكر. الا فی القسامة** . (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات وغیرہ، ج ۴ ص ۱۱۴، نمبر ۳۱۹۰) اس حدیث میں ہے کہ جو دعوی کرے اس پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے، اور جو انکار کرے اس پر گواہ نہ ہو تو قسم کھانا ضروری ہے (۲) ایک قول تابعی میں بھی ہے۔ **عن شريح انه قال فصل الخطاب الشاهدان علی المدعی و اليمين علی من انكر** . (مصنف عبد الرزاق، باب البیعان یختلفان، ج ۸، ص ۲۷۲، نمبر ۱۵۱۹۰) اس قول تابعی میں ہے کہ مدعی پر دو گواہ ہیں، اور منکر پر قسم ہے

(۳) **كتب الی ابن عباس ان رسول الله قضی باليمين علی المدعی عليه** (ابوداؤد شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ص ۱۵۳ نمبر ۳۶۱۹ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۲) اس حدیث میں ہے کہ مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ (۴) **ثم ان الاشعث ابن قيس خرج الينا....فقال رسول الله ﷺ شاهداک او يمينه** . (بخاری شریف، باب اذا اختلف الراھن والمرتھن ونحوہ فالبینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۳۴۲ نمبر ۲۵۱۵ / ۲۵۱۶ / ابوداؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمہ فیما غاب عنہ ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۳)

ان چاروں حدیثوں میں یہ مشترک طور پر ہے کہ مدعی پر گواہ پیش کرنا ضروری ہوگا، اور اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے تب جا کر مدعی علیہ، جس کو منکر کہتے ہیں، اس پر قسم کھانا ہے، اگر وہ قسم کھا لیتا ہے تو چونکہ ثابت کرنے کے لئے مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے اس لئے قسم کے ساتھ منکر کی بات مان لی جائے گی، اور وہ چیز منکر کو دے دی جائے گی

نوٹ: یہ چار حدیثیں اس بحث میں بار بار کام آئیں گی، ان کو یاد رکھیں

لغت: الخصومۃ : مقدمے میں جو دونوں طرف سے جھگڑا کرتے ہیں اس کو خصومت کہتے ہیں۔ مدعی: کسی چیز کو لینے کے لئے دعوی دائر کرنے والے کو مدعی، کہتے ہیں ۔۔۔ مدعی علیہ: جس پر دعوی دائر کیا جاتا ہے، اس کو مدعی علیہ، کہتے ہیں، اسی کو منکر، بھی کہتے ہیں، یعنی اس بات کا انکار کرنے والا،

(٦٨٥) قَالَ: (الْمُدَّعِي مَنْ لَا يُجْبَرُ عَلَى الْخُصُومَةِ إِذَا تَرَكَهَا وَالْمُدَّعَى عَلَيْهِ مَنْ يُجْبَرُ عَلَى الْخُصُومَةِ) ١ وَمَعْرِفَةُ الْفَرْقِ بَيْنَهُمَا مِنْ أَهَمِّ مَا يُبْتَنَى عَلَيْهِ مَسَائِلُ الدَّعْوَى، وَقَدِ اخْتَلَفَتْ عِبَارَاتُ الْمَشَايِخِ فِيهِ. ٢ فَمِنْهَا مَا قَالَ فِي الْكِتَابِ، وَهُوَ حَدٌّ عَامٌّ صَحِيحٌ. ٣ وَقِيلَ: الْمُدَّعِي: مَنْ لَا يَسْتَحِقُّ إِلَّا بِحُجَّةٍ كَالْخَارِجِ، وَالْمُدَّعَى عَلَيْهِ: مَنْ يَكُونُ مُسْتَحِقًّا بِقَوْلِهِ مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ كَذِي الْيَدِ.

ترجمہ: (٦٨٥) صاحب قدوریؒ نے فرمایا کہ مدعی اس کو کہتے ہیں کہ اگر وہ جھگڑا چھوڑ دینا چاہے تو اس کو جھگڑا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے، اور مدعی علیہ اس کو کہتے ہیں کہ (اگر وہ نہ بھی چاہے) تب بھی اس کو جھگڑا کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

تشریح: مدعی کس کو کہیں گے، اور مدعی علیہ، کس کو کہیں گے، اس کی تعریف میں یہاں چار قول ہیں۔ پہلا قول صاحب قدوری کا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ جو آدمی جب چاہے، جھگڑا چھوڑ دے، اس کو جھگڑا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے، اس کو مدعی کہتے ہیں، اور جو آدمی جھگڑا چھوڑنا چاہے تو جھگڑا نہ چھوڑ سکے اس کو مجبوراً جھگڑے کا جواب دینا ہی ہوگا، اس کو مدعی علیہ، کہتے ہیں۔

ترجمہ: ١ مدعی اور مدعی علیہ میں فرق کرنا دعوی کا اہم مسئلہ ہے، اور مشائخ نے اس کی تعریف کرنے میں مختلف عبارتیں پیش کی ہیں۔

تشریح: مدعی کس کو کہتے ہیں اور مدعی علیہ کس کو کہتے ہیں، اس کی تعریف کے بارے میں مشائخ کی کئی عبارتیں ہیں، صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ مدعی کون ہے اور مدعی علیہ کون ہے اس کو پہچاننے پر ہی دعوی کے مسائل کا مدار ہے۔

ترجمہ: ٢ ان عبارتوں میں سے ایک تو متن میں ہے، اور یہ مدعی اور مدعی علیہ کی پوری تعریف ہے، اور صحیح تعریف ہے۔

تشریح: ایک تعریف تو متن میں ہے، کہ مدعی اس کو کہتے ہیں جسکو جھگڑا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہو، وہ چاہے تو جھگڑا چھوڑ سکتا ہے، اور مدعی علیہ اس کو کہتے ہیں کہ وہ جھگڑا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہو، وہ جھگڑا چھوڑنا چاہے تب بھی جھگڑا نہیں چھوڑ سکتا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ تعریف صحیح بھی ہے اور موزوں تعریف ہے۔

ترجمہ: ٣ بعض حضرات نے مدعی کی یہ تعریف بھی کی ہے کہ، جو گواہ کے بغیر چیز کا مستحق نہ ہو، جیسے جس کے ہاتھ میں وہ چیز نہ ہو، اور مدعی علیہ اس کو کہتے ہیں کہ اس کے کہنے سے ہی، بغیر گواہ کے اس چیز کا مستحق ہو جائے، جیسے جس کے قبضے میں وہ چیز موجود ہو۔

تشریح: یہ مدعی اور مدعی علیہ کی دوسری تعریف ہے۔ جس کے ہاتھ میں وہ چیز ہو اس کو مدعی علیہ، کہتے ہیں، کیونکہ اس کو لینے کے لئے اس پر گواہ لازم نہیں ہوتا، بلکہ وہ قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ یہ چیز میری ہے تو اس سے ہی وہ چیز اس کی ہو جاتی ہے۔ اور مدعی، اس کو کہتے ہیں کہ وہ چیز اس کے ہاتھ میں نہ ہو، اور اس کو حاصل کرنے لئے گواہ پیش کرنا پڑے۔

لغت: خارج: جس کے قبضے میں وہ چیز نہ ہو اس کو خارج، کہتے ہیں۔ ذی الید: جس کے قبضے میں وہ چیز ہو اس کو ذی الید، کہتے ہیں، یعنی قبضے والا۔

٤ وَقِيلَ: الْمُدَّعِي: مَنْ يَتَمَسَّكُ بِغَيْرِ الظَّاهِرِ، وَالْمُدَّعَى عَلَيْهِ: مَنْ يَتَمَسَّكُ بِالظَّاهِرِ ٥ وَقَالَ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ: الْمُدَّعَى عَلَيْهِ هُوَ الْمُنْكِرُ، وَهَذَا صَحِيحٌ، ٦ لَكِنَّ الشَّأْنَ فِي مَعْرِفَتِهِ وَالتَّرْجِيحُ بِالْفِقْهِ عِنْدَ الْحُذَّاقِ مِنْ أَصْحَابِنَا؛ لِأَنَّ الِاعْتِبَارَ لِلْمَعَانِي دُونَ الصُّوَرِ، فَإِنَّ الْمُودَعَ إذَا قَالَ: رَدَدْتُ الْوَدِيعَةَ، فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ الْيَمِينِ وَإِنْ كَانَ مُدَّعِيًا لِلرَّدِّ صُورَةً؛ لِأَنَّهُ يُنْكِرُ الضَّمَانَ مَعْنًى.

(٦٨٦) قَالَ: (وَلَا يُقْبَلُ الدَّعْوَى حَتَّى يَذْكُرَ شَيْئًا مَعْلُومًا فِي جِنْسِهِ وَقَدْرِهِ)؛ ١ لِأَنَّ فَائِدَةَ الدَّعْوَى

ترجمہ: ٤ بعض حضرات نے مدعی کی تعریف یہ کی ہے کہ جو ظاہر کے خلاف سے استدلال کرے وہ مدعی ہے، اور جو ظاہر سے استدلال کرے وہ مدعی علیہ ہے۔

تشریح: یہ مدعی اور مدعی علیہ کی تیسری تعریف ہے۔ مثلا زید کے ہاتھ میں بکری ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ یہ بکری میری ہے تو یہ ظاہر کے مطابق استدلال کر رہا ہے اس لئے یہ مدعی علیہ ہے، اور بکر کے ہاتھ میں بکری نہیں ہے پھر بھی وہ کہتا ہے کہ یہ میری ہے تو یہ ظاہر کے خلاف دعوی کر رہا ہے اس لئے یہ مدعی ہے۔

ترجمہ: ٥ امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں فرمایا کہ مدعی اس کو کہتے ہیں جو انکار کرتا ہو، اور ان کی یہ تعریف صحیح ہے

تشریح: فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے منکر کو مدعی علیہ کہا ہے، اور ان کی یہ تعریف صحیح ہے

ترجمہ: لیکن مدعی کو پہچاننا ایک بڑا کام ہے، اور ہمارے ساتھیوں میں جو فقہ میں ماہر ہے وہ اس بات کو ترجیح دیں گے کہ مدعی کون ہے اور مدعی علیہ کون ہے، اس لئے کہ الفاظ کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ معانی کا اعتبار ہے، مثلا امانت رکھنے والا کہتا ہے کہ میں نے امانت لوٹا دی ہے، تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جاتی ہے، حالانکہ صورت کے اعتبار سے وہ مدعی ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے وہ منکر ہے، اس لئے کہ معنوی اعتبار سے وہ ضمانت دینے کا انکار کر رہا ہے

تشریح: صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ اصل اعتبار معنی کا ہے، اس کی ایک مثال دی ہے، کہ اپنے پاس امانت رکھنے والا یوں کہے کہ میں نے امانت واپس کر دی ہے تو ظاہری اعتبار سے یہ مدعی ہے، لیکن اندر خانے یہ ضمان کے واجب ہونے کا انکار کر رہا ہے اس لئے یہ منکر ہے اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی، یہاں معنی کا اعتبار کیا گیا ہے، اس لئے یہ دیکھنا ہوگا کہ معنی کے اعتبار سے یہ کیا ہے، اس کا اعتبار ہے۔ اور عبارت کی گہرائی سے یہ سمجھنا کہ کون مدعی ہے، اور کون منکر ہے یہ ذہین اور سمجھدار آدمی ہی کا کام ہے۔

ترجمہ: (٦٨٦) دعوی مقبول نہیں ہوگا یہاں تک کہ ذکر کرے معلوم چیز جنس کے اعتبار سے اور مقدار کے اعتبار سے۔

تشریح: مقدمے میں دعوی اس وقت تک مقبول نہیں ہوگا جب تک کہ چیز کی جنس نہ بیان کرے مثلا وہ گائے ہے یا بھینس ہے اور اگر وہ عددی یا کیلی چیز ہے تو اس کی مقدار بیان کرے کہ کتنا کیلو ہے۔ تا کہ دعوی کو واضح کیا جا سکے اور چیز متعین ہو جائے۔

وجہ: (١) قاضی کو جب تک یہ پتہ نہیں چلے گا کہ کس چیز کے بارے میں دعوی ہے تو وہ کیسے فیصلہ کرے گا، اس لئے دعوی میں یہ

الْإِلْزَامُ بِوَاسِطَةِ إِقَامَةِ الْحُجَّةِ، وَالْإِلْزَامُ فِي الْمَجْهُولِ لَا يَتَحَقَّقُ.

(٦٨٧) .(فَإِنْ كَانَ عَيْنًا فِي يَدِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ: كُلِّفَ اِحْضَارُهَا يُشِيْرُ اِلَيْهَا بِالدَّعْوَى لِ وَكَذَا فِي الشَّهَادَةِ وَالِاسْتِحْلَافِ– لِأَنَّ الْإِعْلَامَ بِأَقْصَى مَا يُمْكِنُ شَرْطٌ، وَذَلِكَ بِالْإِشَارَةِ فِي الْمَنْقُولِ؛ لِأَنَّ

ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس کی جنس کیا ہے، یعنی یہ کیا چیز ہے، اوراس کی مقدار کیا ہے (۲) اس حدیث میں اس کی وضاحت ہے.
عن علقمة بن وائل حجر الحضرمی ....قال الحضرمی یا رسول الله ان هذا غلبنی علی ارض کانت لابی (ابوداؤدشریف کتاب القضاء، باب الرجل یحلف علی علمه فیما غاب عنه، ص ۵۲۰، نمبر ۳۶۲۳ رترمذی شریف، نمبر ۱۳۴۰) اس حدیث میں ہے کہ میرے باپ کی زمین تھی جس پر کندی نے قبضہ کیا ہے۔ زمین کی چوحدی بیان کی اور زمین کا تعارف کروایا اور جنس بھی بیان کی کہ وہ زمین ہے جس کا مجھے دعوی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ چیز کی جنس اور مقدار بیان کرنا ضروری ہے۔

ترجمه : لے اس لئے کہ دعوی کا فائدہ یہ ہے کہ حجت قائم کر کے مدعی علیہ پر کوئی چیز لازم کرے، اور مجہول چیز میں یہ بات نہیں ہوسکتی ہے، اس لئے اس کی جنس اور مقدار کو ذکر کرنا ضروری ہوگا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمه : (٦٨٧) پس اگر وہ چیز بعینہ مدعی علیہ کے قبضے میں ہے تو اس کو مجبور کیا جائے گا اس کو حاضر کرے تا کہ دعوی کے وقت اس کی طرف اشارہ کر سکے۔

تشریح : اگر وہ چیز مدعی علیہ کے پاس بعینہ موجود ہو تو کہا جائے گا کہ اس کو مجلس قضا میں حاضر کرے تا کہ دعوی کے وقت اس کی طرف اشارہ کر سکے اور اگر حاضر نہ کر سکتا ہو تو چیز کی قیمت بیان کرے۔

وجہ: دعوی یا گواہی کے وقت اشارہ کرنے سے چیز متعین ہوگی اس لئے اس کو حاضر کرنے کو کہا جائے گا۔

اصول: چیز کو متعین کرنے کے لئے ممکن کوشش کی جائے گی، تا کہ دعوی واضح ہو جائے۔

ترجمه : لے ایسے ہی گواہی لیتے وقت اور مدعی علیہ کو قسم کھلاتے وقت دعوی کی چیز کو حاضر کرنا ضروری ہے، اس لئے جتنا ہو سکے اتنا واضح کرنا شرط ہے، اور یہ وضاحت منقولی چیز میں اس کی طرف اشارہ کرنے سے ہوتا ہے، اور متعارف کرنے میں اشارہ کرنا زیادہ بلیغ ہے۔

تشریح : دعوی کی چیز کو مجلس قضا میں حاضر کرنے کے لئے یہ دلیل عقلی ہے۔ ایک تو یہ بتایا کہ دعوی کرتے وقت جس چیز کا دعوی ہے اس کو حاضر کرنا ضروری ہے، دوسری بات یہ بتا رہے ہیں کہ جس وقت مدعی سے گواہی لی جا رہی ہو، یا جس وقت مدعی علیہ سے قسم لی جا رہی ہو اس وقت بھی اس چیز کو مجلس قضا میں حاضر کرنا ضروری ہے۔

وجه: اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنا ہو سکے چیز کی وضاحت کرنی ضروری ہے، اور وہ چیز سامنے موجود ہوگی تو اس کی طرف اشارہ کر سکے گا جس سے پوری وضاحت ہو جائے گی، اس لئے دعوی کرتے وقت، گواہی لیتے وقت، اور مدعی علیہ سے قسم لیتے وقت اس چیز کو مجلس میں حاضر کرنا ضروری ہے۔

النَّقْلَ مُمْكِنٌ، وَالْإِشَارَةُ أَبْلَغُ فِي التَّعْرِيفِ. ٢ وَيَتَعَلَّقُ بِالدَّعْوَى وُجُوبُ الْحُضُورِ، وَعَلَى هَذَا الْقُضَاةُ مِنْ آخِرِهِمْ فِي كُلِّ عَصْرٍ .وَوُجُوبُ الْجَوَابِ إِذَا حَضَرَ؛ لِيُفِيدَ حُضُورُهُ وَلُزُومُ إِحْضَارِ الْعَيْنِ الْمُدَّعَاةِ –لِمَا قُلْنَا– وَالْيَمِينُ إِذَا أَنْكَرَهُ، وَسَنَذْكُرُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

(٦٨٨)قَالَ: (وَإِنْ لَمْ تَكُنْ حَاضِرَةً ذَكَرَ قِيمَتَهَا). ١ لِيَصِيرَ الْمُدَّعَى مَعْلُومًا لِأَنَّ الْعَيْنَ لَا تُعْرَفُ بِالْوَصْفِ، وَالْقِيمَةُ تُعْرَفُ بِهِ وَقَدْ تَعَذَّرَ مُشَاهَدَةُ الْعَيْنِ وَقَالَ الْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ: يُشْتَرَطُ مَعَ بَيَانِ

ترجمہ : ٢ دعوی کرنے کے بعد چار کام اور کرنا ہوتا ہے، جس کا ذکر متن میں نہیں ہے[١] دعوی کے بعد مدعی علیہ کو مجلس قضا میں حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے، ہر زمانے کے قاضی یہی کرتے چلے آئے ہیں ۔[٢] جب مدعی علیہ مجلس میں حاضر ہو جائے تو وہ ہاں، یا نا سے جواب دے، تا کہ اس کی حاضری کا فائدہ ہو[کیونکہ وہ اسی لئے مجلس میں بلایا گیا ہے] [٣] جس چیز کا دعوی ہے اس کو بھی مجلس قضا میں حاضر کرنا ضروری ہوتا ہے، اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ۔[٤] مدعی کے پاس ثابت کرنے کے لئے گواہ نہیں ہے تو مدعی علیہ پر قسم لازم ہوتا ہے، اس کی بھی ضرورت ہے، اس کا ذکر ان شاء اللہ آگے ہوگا۔

تشریح : دعوی دائر کرنے کے بعد مجلس قضا میں اور بھی چار باتیں کرنی پڑتی ہیں، جس کا تذکرہ متن میں نہیں ہے، اس لئے صاحب ہدایہ ان کو ذکر کر رہے ہیں ۔[١] دعوی کے بعد مدعی علیہ کو مجلس قضا میں حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے، ہر زمانے کے قاضی یہی کرتے چلے آئے ہیں ۔[٢] جب مدعی علیہ مجلس میں حاضر ہو جائے تو وہ ہاں، یا نا سے جواب سے، تا کہ اس کی حاضری کا فائدہ ہو[کیونکہ وہ اسی لئے مجلس میں بلائے گئے ہیں] [٣] جس چیز کا دعوی ہے اس کو بھی مجلس قضا میں حاضر کرنا ضروری ہوتا ہے، اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ۔[٤] مدعی کے پاس ثابت کرنے کے لئے گواہ نہیں ہے تو مدعی علیہ پر قسم لازم ہوتا ہے، اس کی بھی ضرورت ہے، اس کا ذکر ان شاء اللہ آگے ہوگا۔ یہ چار باتیں مجلس قضا میں کرنی ضروری ہیں اس کے بعد ہی فیصلہ کر سکے گا

وجہ : مدعی علیہ کو مجلس میں حاضر ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم اذا فریق منھم معرضون. (آیت ٤٨، سورۃ النور ٢٤) اس آیت کے اشارہ میں ہے کہ فیصلہ کے لئے بلائے تو اعراض کرتے ہیں، جس کا مطلب یہ نکلا کہ فیصلہ کے لئے مجلس میں حاضر ہونا چاہئے۔

ترجمہ: (٦٨٨) اگر کسی وجہ سے عین چیز حاضر نہ کر سکے تو اس کی قیمت کا ذکر کرے[کہ اس کی قیمت کتنی ہے]

ترجمہ : ١ تا کہ جس چیز کا دعوی کیا ہے وہ معلوم ہو جائے، اس لئے کہ چیز کی صفت بیان کرنے سے متعارف نہیں ہوتی، اس لئے قیمت سے اس کی تعریف ہو سکے گی، اور عین کو حاضر کرنا ناممکن ہے تو اب اس کی قیمت ہی کا ذکر کر دے، اور حضرت فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا کہ قیمت ذکر کرنے کے ساتھ اس کا بھی ذکر کر دے کہ وہ چیز مذکر ہے، یا مونث ہے۔

تشریح : بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ عین چیز کو قضا کی مجلس میں حاضر نہیں کر سکتا، اور صفت بیان کرنے سے بھی اس کا تعین نہیں ہو سکتا، تو اس کی قیمت بیان کر دے، کیونکہ صفت بعض مرتبہ مشترک ہوتی ہے اس لئے قیمت بیان کرنے سے اس کا تعین ہو جائے گا، اور حضرت فقیہ ابو اللیثؒ قیمت بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی بیان کرواتے تھے کہ وہ چیز مذکر ہے، یا مونث ہے، یہ

الْقِيمَةِ ذِكْرُ الذُّكُورَةِ وَالْأُنُوثَةِ.
(٦٨٩) قَال (فَإِنْ ادَّعَى عَقَارًا حَدَّدَهُ وَذَكَرَ أَنَّهُ فِي يَدِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ وَأَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِهِ) ١ لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ التَّعْرِيفُ بِالْإِشَارَةِ لِتَعَذُّرِ النَّقْلِ فَيُصَارُ إلَى التَّحْدِيدِ فَإِنَّ الْعَقَارَ يُعْرَفُ بِهِ، ٢ وَيَذْكُرُ الْحُدُودَ الْأَرْبَعَةَ، وَيَذْكُرُ أَسْمَاءَ أَصْحَابِ الْحُدُودِ وَأَنْسَابَهُمْ، ٣ وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ الْجَدِّ لِأَنَّ تَمَامَ التَّعْرِيفِ

اس وقت ہے جب کہ وہ چیز مذکر، یا مونث بن سکتی ہو، ورنہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: (٦٨٩) اگر زمین کا دعوی کیا تو اس کی حدود بیان کرے اور یہ بھی ذکر کرے کہ مدعی علیہ کے قبضے میں ہے اور وہ اس کا مطالبہ کرتا ہے۔

تشریح: زمین کا دعوی کرے تو چار باتوں کا ذکر کرے [١] پہلی بات۔ زمین کو مجلس قضا میں حاضر نہیں کر سکتا ہے اس لئے اس کی حدود اربعہ بیان کرے کہ اس زمین کے مشرق، مغرب، جنوب اور شمال میں کون کون لوگ ہیں۔ اس دور میں یہ بھی بیان کرے کہ زمین کا کھاتہ نمبر کیا ہے اور خسرہ نمبر کیا ہے تا کہ زمین متعین ہو جائے۔ [٢] دوسری بات یہ ذکر کرے کہ۔ یہ مدعی علیہ کے قبضے میں ہے۔ کیونکہ مدعی علیہ کے قبضے میں نہیں ہے بلکہ خود مدعی کے قبضے میں ہے تو دعوی کرنے کا کیا مطلب ہے۔ [٣] اور تیسری بات یہ ذکر کرے اس زمین کو یا منقولی جائداد کو واپس لینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اگر واپس لینا نہیں چاہتا ہے تو دعوی کرنے اور مقدمہ کرنے کا کیا حاصل ہوگا۔

وجہ: حدیث مذکور میں تھا کہ یہ زمین میرے والد کی ہے جس سے اس کی حدود اربعہ معلوم ہوئی۔ حدیث یہ ہے۔ فقال الحضرمی یا رسول الله ان هذا غلبنی علی ارض کانت لابی. (ابو داؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمہ فیما غاب عنہ ص ۱۵۴، نمبر ۳۶۲۳ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹، نمبر ۱۳۴۰) اور اس حدیث سے مطالبہ کرنا بھی معلوم ہوا

ترجمہ: ١ چونکہ زمین کو منتقل کرنا ناممکن ہے اس لئے اس کی طرف اشارہ کر کے متعارف کرانا متعذر ہے اس لئے اس کی حدود بیان کی جائیں گی، اس لئے کہ زمین اسی سے متعارف ہوتی ہے۔

تشریح: زمین کو مجلس قضا میں لانا مشکل ہے، اس لئے اس کی چاروں حدود بیان کر کے اس کو متعین کیا جائے گا۔ کیونکہ زمین کا تعارف حدود اربعہ سے ہوتا ہے۔

ترجمہ: ٢ زمین کے چاروں حدود بیان کئے جائیں گے، اور حد والوں کا نام بھی ذکر کیا جائے گا اور اس کا نسب بھی ذکر کیا جائے گا۔

تشریح: اس زمین کے چاروں طرف جو لوگ ہیں ان سب کا نام اور اس کا نسب بھی بیان کیا جائے گا تا کہ زمین متعین ہو جائے، آج کل حدود کے علاوہ زمین کا کھاتہ اور خسرہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔

ترجمہ: ٣ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زمین کے حدود کو ذکر کرنا زمین کی پوری تعریف ہے، جیسا کہ دوسری جگہ پر بیان کیا

بِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ عَلَى مَا عُرِفَ هُوَ الصَّحِيحُ، وَلَوْ كَانَ الرَّجُلُ مَشْهُورًا يَكْتَفِي بِذِكْرِهِ، ٤ فَإِنْ ذَكَرَ ثَلَاثَةً مِنَ الْحُدُودِ يُكْتَفَى بِهَا عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ لِوُجُودِ الْأَكْثَرِ، ٥ بِخِلَافِ مَا إِذَا غَلِطَ فِي الرَّابِعَةِ لِأَنَّهُ يُخْتَلَفُ بِهِ الْمُدَّعَى وَلَا كَذَلِكَ بِتَرْكِهَا، ٦ وَكَمَا يُشْتَرَطُ التَّحْدِيدُ فِي الدَّعْوَى يُشْتَرَطُ فِي الشَّهَادَةِ. ٧ وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ وَذَكَرَ أَنَّهُ فِي يَدِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ لَا بُدَّ مِنْهُ لِأَنَّهُ إِنَّمَا

ہے،اور صحیح یہی ہے۔اور اگر حد والا مشہور ہو تو صرف اس کا نام ذکر کرنا بھی کافی ہے۔

تشریح: یہاں دو باتیں بیان کر رہے ہیں[۱] ایک یہ کہ زمین کے چاروں حدود کا ذکر کرنا امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ضروری ہے، کیونکہ اسی سے زمین کا تعارف ہوتا ہے۔[۲] اور دوسری بات یہ ہے کہ حد والے کے باپ اور دادے کا نام بیان کرنا بھی ضروری ہے، تا کہ نسب کا بھی پتہ چل جائے، لیکن اگر حد والا مشہور آدمی ہو تو صرف اس کا نام ذکر کر دینا کافی ہے، اس کے باپ کا نام نہیں لیا تب بھی چل جائے گا، کیونکہ وہ آدمی مشہور ہے، جیسے کہہ دیا کہ امام محمدؒ کی کھیت دکھن جانب ہے تب بھی چل جائے گا، کیونکہ امام محمد مشہور آدمی ہیں۔

ترجمہ: ٤ اگر زمین کے تین حدود کو ذکر کیا تو ہمارے نزدیک اس سے زمین کی حد بیان کرنا کافی ہے، امام زفرؒ اس کے خلاف ہے، ہمارے نزدیک اس لئے کافی ہے کہ اکثر حد بیان کرنا پایا گیا۔

تشریح: زمین کی چار حد بیان کرنا چاہئے، لیکن تین ہی بیان کیں تب بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کافی ہے اس سے تعارف ہو جائے گا، لیکن امام زفرؒ اس کے خلاف ہے، انکے نزدیک چاروں حدود کا بیان کرنا ضروری ہے۔

ترجمہ: ٥ بخلاف اگر چوتھے حد میں غلطی کر لی تو حد صحیح نہیں ہوگی اس لئے کہ اس سے دعوی کی ہوئی چیز الگ ہو جاتی ہے۔

تشریح: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ تین حد کو بیان کیا تب بھی دعوی صحیح ہو جائے گا، لیکن اگر چوتھی حد کو بیان کیا، لیکن کسی اور کا نام تھا اور کسی دوسرے کا نام ذکر کر دیا تو اب دعوی صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ چوتھے آدمی کا نام غلط بیان کرنے کی وجہ سے جس زمین کا دعوی کیا تھا وہ الگ ہو گیا اس لئے اب دعوی صحیح نہیں ہوگا۔ لیکن اگر چوتھے آدمی کا نام چھوڑ دیا تو اس سے وہی زمین باقی رہے گی اس لئے دعوی صحیح ہو جائے گا۔

ترجمہ: ٦ جس طرح دعوی میں حدود بیان کرنا شرط ہے، اسی طرح گواہی دیتے وقت بھی حدود بیان کرنا شرط ہے۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ، جس طرح دعوی کرتے وقت مدعی پر ضروری ہے کہ زمین کی حدود اربعہ بیان کرے، اسی طرح گواہ کے لیے گواہی دیتے وقت بھی ضروری ہے کہ اسی حدود کو بیان کرے، تا کہ پتہ چل جائے کہ یہ اسی مذکورہ زمین کی گواہی دے رہے ہیں۔

ترجمہ: ٧ متن میں جو یہ ذکر کیا ہے کہ مدعی اس کا بھی ذکر کرے کہ یہ زمین مدعی علیہ کے قبضے میں ہے، تو اس کا ذکر کرنا ضروری ہے، کیونکہ مدعی علیہ اس وقت خصم بنے گا جبکہ چیز اس کے قبضے میں ہو۔

يَنْتَصِبُ خَصْمًا إذَا كَانَ فِي يَدِهِ، ۸ وَفِي الْعَقَارِ لَا يُكْتَفَى بِذِكْرِ الْمُدَّعِي وَتَصْدِيقِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ أَنَّهُ فِي يَدِهِ بَلْ لَا تَثْبُتُ الْيَدُ فِيهِ إلَّا بِالْبَيِّنَةِ أَوْ عِلْمِ الْقَاضِي هُوَ الصَّحِيحُ نَفْيًا لِتُهْمَةِ الْمُوَاضَعَةِ إذْ الْعَقَارُ عَسَاهُ فِي يَدِ غَيْرِهِمَا بِخِلَافِ الْمَنْقُولِ لِأَنَّ الْيَدَ فِيهِ مُشَاهَدَةٌ . ۹ وَقَوْلُهُ وَأَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِهِ لِأَنَّ الْمُطَالَبَةَ حَقُّهُ فَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهِ، وَلِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مَرْهُونًا فِي يَدِهِ أَوْ مَحْبُوسًا بِالثَّمَنِ فِي يَدِهِ،

تشريح::واضح ہے۔

لغت:ینتصب :نصب سے مشتق ہے، متعین ہوگا۔انتصب خصما: کا ترجمہ ہے کہ وہ خصم متعین ہوگا۔

ترجمہ: ۸ مدعی نے ذکر کیا اور مدعی علیہ نے اس کی تصدیق کی کہ یہ زمین مدعی علیہ کے قبضے میں ہے اس سے مدعی علیہ کا قبضہ ثابت نہیں ہوگا، بلکہ گواہ کے ذریعہ سے ثابت کرنا ہوگا کہ یہ زمین مدعی علیہ کے قبضے میں ہے، یا قاضی جانتا ہو کہ یہ زمین مدعی علیہ کے قبضے میں ہے، تا کہ ساز باز کی نفی ہو سکے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ زمین کسی تیسرے کے ہاتھ میں ہے [اور یہ دونوں تصدیق کر کے قاضی سے اپنے نام فیصلہ کروانا چاہتے ہوں، برخلاف منقولی چیز کے اس لئے کہ وہ چیز تو قبضے میں نظر آتی ہے اور ہر آدمی اس کو دیکھتا ہے۔

تشریح: عام چیز کے بارے میں دعوی صحیح ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ مدعی کہے کہ یہ چیز مدعی علیہ کے قبضے میں ہے، اور مدعی علیہ اس کی تصدیق کر دے کہ ہاں یہ چیز میرے قبضے میں ہے۔لیکن زمین کے بارے میں دونوں کی تصدیق کرنا کافی نہیں ہوگا، بلکہ مدعی گواہ کے ذریعہ ثابت کرے کی یہ زمین مدعی علیہ کے قبضے میں ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین ہاتھ میں تو ہوتی نہیں ہے وہ تو اپنی جگہ پر ہوتی ہے، اس لئے یہ ممکن ہے کہ زمین کسی تیسرے کے قبضے میں ہو اور قاضی کے پاس اس معاملے کو لیجا کر اپنے نام پر زمین کروانا چاہتے ہوں، اور پھر دونوں تقسیم کرنا چاہتے ہوں، اس لئے یہاں یہ بھی ضروری ہے کہ گواہ کے ذریعہ یہ ثابت کرے کہ یہ زمین ابھی بھی مدعی علیہ کے قبضے میں ہے۔

لغت: مواضعۃ: وضع سے مشتق ہے۔اس کا ترجمہ ہے، دونوں نے ساز باز کر لیا۔

ترجمہ: ۹ متن میں یہ بھی جملہ ہے کہ مدعی زمین لینے کا مطالبہ کرے، اس لئے کہ مطالبہ کرنا مدعی کا حق ہے اس لئے اس کا مطالبہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ چیز مدعی علیہ کے قبضے میں رہن کے طور پر رکھی ہوئی ہو، یا قیمت نہ چکانے کی وجہ سے مدعی علیہ کے ہاتھ میں محبوس ہو، اور مطالبہ کرنے سے یہ شبہ زائل ہو جائے گا۔ چنانچہ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ منقولی چیز کے بارے میں مدعی یہ کہہ دے کہ مدعی علیہ کے قبضے میں بغیر حق کے ہے تو رہن کے طور پر رکھنے اور قیمت کے بدلے میں رکھنے کا شبہ ختم ہو جائے گا۔

تشریح: متن میں جملہ ہے،''انه يطالبه به''اس کی تشریح فرما رہے ہیں۔کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مثلا زید کی بکری ہے، لیکن اس نے عمر سے سو درہم قرض لیا جس کی وجہ سے عمر کے پاس بکری رہن پر رکھ دیا، اس صورت میں سو درہم ادا کئے بغیر زید عمر سے بکری

وَبِالْمُطَالَبَةِ يَزُولُ هَذَا الِاحْتِمَالُ، وَعَنْ هَذَا قَالُوا فِي الْمَنْقُولِ يَجِبُ أَنْ يَقُولَ فِي يَدِهِ بِغَيْرِ حَقٍّ.

(٦٩٠)قَالَ (وَإِنْ كَانَ حَقًّا فِي الذِّمَّةِ ذُكِرَ أَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِهِ) ل لِمَا قُلْنَا، وَهَذَا لِأَنَّ صَاحِبَ الذِّمَّةِ قَدْ حَضَرَ فَلَمْ يَبْقَ إلَّا الْمُطَالَبَةُ ٢ لَكِنْ لَا بُدَّ مِنْ تَعْرِيفِهِ بِالْوَصْفِ لِأَنَّهُ يُعْرَفُ بِهِ.

(٦٩١)قَالَ (وَإِذَا صَحَّتِ الدَّعْوَى سَأَلَ الْقَاضِي الْمُدَّعَى عَلَيْهِ عَنْهَا) (لِيَنْكَشِفَ وَجْهُ الْحُكْمِ)(فَإِنِ اعْتَرَفَ قُضِيَ عَلَيْهِ بِهَا) ل ؛ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ مُوجِبٌ بِنَفْسِهِ فَيَأْمُرُهُ بِالْخُرُوجِ عَنْهُ

واپس نہیں لے سکتا، یا زید نے عمر سے بکری خریدی، لیکن زید نے بکری کی قیمت ادا نہیں کی جس کی وجہ سے عمر نے بکری روک لی، تو قیمت ادا کئے بغیر زید عمر سے بکری واپس نہیں لے سکتا، اس لئے دعوی کرتے وقت یہ بھی کہنا ہوگا، کہ میں اس کو مدعی علیہ سے واپس لینا چاہتا ہوں تب جا کر دعوی صحیح ہوگا۔ بلکہ علما نے یہ کہا ہے کہ مدعی یوں کہے کہ یہ بکری مدعی علیہ کے قبضے میں ناحق ہے، تو اس سے یہ شبہ ختم ہو جائے گا کہ یہ بکری مدعی عمر کے ہاتھ میں رہن کے طور پر ہے، یا قیمت نہ ادا کرنے کی وجہ سے محبوس ہے۔

ترجمہ: (٦٩٠)اور اگر اس کے ذمے حق ہو تو ذکر کرے کہ وہ اس کا مطالبہ کرتا ہے۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ ذمہ والا حاضر ہو گیا ہے اس لئے اب مطالبے کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا۔

تشریح: مثلا دعوی یہ تھا کہ زید کے ذمے بیس درہم میرا قرض ہے تو قرض ہونا ذمے میں حق ہوا۔ تو اس صورت میں بھی دعوی کے ساتھ یہ ذکر کرے کہ میں اس قرض کا مطالبہ کرتا ہوں تا کہ معلوم ہو کہ صرف حق کا اقرار نہیں کروانا چاہتا بلکہ اس کا مطالبہ بھی کر رہا ہے۔

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ معروف اور متعین چیز کا دعوی ہوتا ہے مجہول کا دعوی نہیں ہوتا۔

ترجمہ: ٢ لیکن یہ ضروری ہے کہ ذمہ والی چیز کی صفت بیان کرے، کیونکہ صفت سے ہی اس کا تعین ہوگا۔

تشریح: ذمہ میں جو قرض ہے اس کے بارے میں بھی مدعی یہ بیان کرے کہ اس کی صفت کیا ہے، مثلا یہ کہے کہ یہ بیس درہم ہیں، یا ایک سو دینار ہیں، تا کہ دعوی کی چیز متعین ہو جائے۔

ترجمہ: (٦٩١) پس جب دعوی صحیح ہو جائے تو قاضی مدعی علیہ سے اس کے بارے میں پوچھے [تا کہ فیصلے کا طریقہ کھل جائے]۔ پس اگر اس نے اعتراف کر لیا تو اس پر اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: ل کیونکہ اقرار سے خود ہی چیز ثابت ہو جاتی ہے، اس لئے قاضی اب اس کو ادا کرنے کا حکم دے گا۔

تشریح: مدعی کے دعوی دائر کرنے کے بعد قاضی مدعی علیہ سے پوچھے گا کہ کیا واقعی مدعی کا دعوی صحیح ہے؟ اگر وہ اس کا اعتراف کر لے کہ واقعی مدعی کا میرے ذمے حق ہے تو قاضی اس کا فیصلہ کر دے گا۔ اب گواہ یا قسم کی ضرورت نہیں ہے۔ اب قاضی مدعی علیہ کو یہ حکم دے گا کہ اس چیز کو مدعی کی طرف ادا کر دے۔

وجہ: (١) جب مدعی علیہ نے اعتراف کر لیا تو اب گواہ کی یا مدعی علیہ کی قسم کی کیا ضرورت رہی (٢) اثر میں ہے۔ عن ابن

(۶۹۲) (وَإِنْ أَنْكَرَ سَأَلَ الْمُدَّعِي الْبَيِّنَةَ) ل لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ " أَلَکَ بَيِّنَةٌ؟ فَقَالَ لَا، فَقَالَ: لَکَ يَمِينُهُ " سَأَلَ وَرَتَّبَ الْيَمِينَ عَلَى فَقْدِ الْبَيِّنَةِ فَلَا بُدَّ مِنَ السُّؤَالِ لِيُمْكِنَهُ الِاسْتِحْلَافُ
(۶۹۳) .قَالَ (وَإِنْ أَحْضَرَهَا قُضِيَ بِهَا) ل لِانْتِفَاءِ التُّهْمَةِ عَنْهَا

سیرین قال: اعترف رجل عند شریح بامر ثم انکرہ فقضی علیہ باعترافه فقال اتقضی علی بغیر بینة؟ فقال شهد علیک ابن اخت خالک (مصنف عبدالرزاق، باب الاعتراف عندالقاضی ج ثامن، ص۲۳۴ نمبر ۱۵۳۸۰) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ مدعی علیہ کے اعتراف سے فیصلہ کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۶۹۲) اور اگر انکار کرے تو طلب کرے مدعی سے البینہ۔

ترجمہ: ل حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ، کیا تمہارے پاس گواہ ہے تو مدعی نے کہا کہ میرے پاس گواہ نہیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم کو مدعی علیہ سے قسم لینے کا حق ہے۔ اس حدیث میں حضورؐ نے پہلے گواہ مانگا، اور گواہ نہ ہونے پر کہا کہ تم کو مدعی علیہ سے قسم لینے کا حق ہے، اس لئے قاضی کے لئے ضروری ہے کہ پہلے گواہ پیش کرنے کے لئے کہے، تا کہ اس کے نہ ہونے پر قسم کھلانا ممکن ہو۔

تشریح: قاضی نے مدعی علیہ سے مدعی کے دعوی کے بارے میں پوچھا تو مدعی علیہ نے انکار کر دیا تو مدعی سے اپنے دعوی پر گواہ مانگا جائے گا، پس اگر دعوی کے ثبوت کے لئے دو گواہ پیش کر دیئے تو مدعی کے دعوی کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ گواہ نہ ہو تب جا کر مدعی علیہ سے قسم کھلانے کا حق ہوتا ہے، کیونکہ حدیث میں یہ ہے کہ گواہ پیش نہ کر سکے تب جا کر حضورؐ نے قسم لینے کا حق دیا۔

وجہ: آیت میں ہے۔ واستشهدوا شهيدين من رجالکم فان لم يکونا رجلين فرجل و امرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذکر احداهما الاخری (آیت ۲۸۲ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ دو مرد گواہ بنائے یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنائے (۲) حدیث میں گزرا۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحضرمی الک بينة؟ قال لا ، قال فلک يمينه قال يا رسول الله !ان الرجل فاجر لا يبالی علی ما حلف عليه و ليس يتورع من شیء قال ليس لک منه الا ذالک (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۳۲۴، نمبر ۱۳۴۰/ ابو داؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمہ فیما غاب عنہ ص ۵۴ انمبر ۳۶۲۳) اس حدیث میں حضورؐ نے حضرت حضرمی سے گواہ مانگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ گواہ پیش کر دیتے تو آپؐ فیصلہ کر دیتے، اور گواہ پیش نہ کرنے پر آپ نے مدعی علیہ سے قسم لینے کا حق دیا (۳) ایک حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قضی بيمين و شاهد. (ابو داؤد شریف، باب القضاء بالیمین والشاھد ص ۱۵۲ نمبر ۳۶۰۸/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الیمین مع الشاھد ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۳) اس حدیث میں ایک گواہ اور خود مدعی کی گواہی سے فیصلہ فرمایا تو اگر دو گواہ ہوں تو بدرجہ اولی قاضی گواہی کے بعد فیصلہ فرمائیں گے۔

ترجمہ: (۶۹۳) اگر مدعی نے گواہ حاضر کر دئے تو قاضی اس کے مطابق فیصلہ کر دے گا۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ تہمت نہیں رہی۔

(۶۹۴) (وَإِنْ عَجِزَ عَنْ ذَلِكَ وَطَلَبَ يَمِينَ خَصْمِهِ اسْتَحْلَفَهُ (عَلَيْهَا) ۱؎ لِمَا رَوَيْنَا، وَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهِ لِأَنَّ الْيَمِينَ حَقُّهُ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ كَيْفَ أُضِيفَ إِلَيْهِ بِحَرْفِ اللَّامِ فَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهِ.

تشریح: تشریح: واضح ہے۔

وجہ: (۱) کیونکہ مدعی کے پاس گواہ موجود ہے اور اس کو پیش کر دیا، اس لئے اب قاضی یہ فیصلہ کریں گے کہ یہ چیز اس کی ہے
(۲) عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال البينة على من ادعى ، و اليمين على من انكر . الا فی القسامة ۔(دار قطنی، کتاب الحدود والدیات وغیرہ، ج ۴، ص ۱۱۴، نمبر ۳۱۹۰) اس حدیث میں ہے کہ جو دعوی کرے اس پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے

ترجمہ: (۶۹۴) اگر بینہ حاضر کرنے سے عاجز ہو گیا اور طلب کرے اپنے مد مقابل کی قسم تو اس پر قسم لے گا۔

تشریح: مدعی کو گواہ پیش کرنے کو کہا اس پر وہ گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو گیا اور گواہ نہیں پیش کر سکا تو مدعی سے کہا جائے گا کہ اب آپ مدعی علیہ سے اس پر قسم لے سکتے ہیں۔ پس اگر مدعی مدعی علیہ سے قسم لینا چاہے تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔ پس اگر وہ قسم کھا لے تو مدعی علیہ کے کہنے کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

وجہ: حدیث میں گزرا کہ آپ ﷺ نے حضرت حضرمی سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس گواہ ہے؟ فرمایا نہیں! تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر تو آپ کو کندی سے قسم لینے کا حق ہے۔ فقال النبی ﷺ للحضرمی الک بينة؟ قال لا! قال فلک يمينه .قال يا رسول الله انه فاجر ليس يبالی ما حلف ليس يتورع من شیء فقال ليس لک منه الا ذلک (ابو داؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمہ فیما غاب عنہ ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۳ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۰) اس حدیث میں ہے کہ اگر آپ کے پاس بینہ نہیں ہے تو آپ کو کندی سے قسم لینے کا حق ہے۔

لغت: خصم: مد مقابل، مقدمے میں دوسرا فریق۔

ترجمہ: ۱؎ مدعی علیہ سے اس وقت قسم لی جائے گی جبکہ وہ قسم کا مطالبہ کرے، اس لئے کہ قسم لینا مدعی کا حق ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ حدیث میں لک کے لفظ کے ساتھ نسبت کی ہے، اس لئے مدعی کا طلب کرنا ضروری ہے۔

تشریح: چونکہ گواہ نہ ہونے پر مدعی علیہ سے قسم لینا مدعی کا حق ہے، اس لئے وہ مطالبہ کرے گا تو قسم لی جائے گی ورنہ نہیں۔

وجہ: اوپر حدیث گزری جس میں فلک يمينه، ہے کہ تم کو یمین کا حق ہے، اور حق کے بارے میں پہلے گزرا کہ وہ مطالبہ کرے تو اس کو حق ملے گا، اور مطالبہ نہیں کرے گا تو اس کو حق نہیں ملے گا۔ حدیث یہ تھی، قال فلک يمينه قال يا رسول الله ! ان الرجل فاجر لا يبالی علی ما حلف عليه و ليس يتورع من شیء قال ليس لک منه الا ذالک (ترمذی شریف، باب ما جاء فی ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۳۲۴، نمبر ۱۳۴۰ / ابو داؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمہ فیما غاب عنہ ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۳)

﴿بَابُ الْيَمِينِ﴾

(٦٩٥)(وَإِذَا قَالَ الْمُدَّعِي لِي بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ وَطَلَبَ الْيَمِينَ لَمْ يُسْتَحْلَفْ) ۱عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَؒ، مَعْنَاهُ حَاضِرَةٌ فِي الْمِصْرِ ۲وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يُسْتَحْلَفُ لِأَنَّ الْيَمِينَ حَقُّهُ بِالْحَدِيثِ الْمَعْرُوفِ، فَإِذَا

﴿باب الیمین﴾

ترجمہ: (٦٩٥)اگر مدعی نے کہا میرے گواہ حاضر ہیں پھر بھی قسم طلب کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قسم نہیں کھلائی جائے گی۔

ترجمہ: ۱ اس کا معنی یہ ہے کہ گواہ شہر میں موجود ہے [مجلس قضا میں موجود نہیں ہے]

تشریح: مدعی کہتا ہے کہ میرے گواہ شہر میں ہیں ان کو پیش کر سکتا ہوں لیکن پھر بھی گواہ نہ پیش کر کے مدعی علیہ سے قسم لے کر فیصلہ کروانا چاہے تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں کروا سکتا ہے۔ اس کے پاس گواہ موجود ہیں تو اب مدعی علیہ سے قسم نہیں لے سکتا۔ گواہی دلوا کر فیصلہ کروانا ہوگا۔

وجہ: (۱) کیونکہ مدعی علیہ سے قسم کھلوانے کا حق اس وقت ہے جب مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں۔ یا ہوں تو اتنی دوری پر رہتے ہوں کہ ان کو پیش کرنے میں دشواری ہو تب مدعی علیہ سے قسم لے سکتا ہے۔ اور یہاں گواہ قریب میں موجود ہیں (۲) حدیث میں ہے کہ گواہ نہ ہوں تب قسم کھلوا سکتا ہے۔ حضرت حضرمی والی حدیث میں حضور ﷺ نے پوچھا ہے کہ کیا آپ کے پاس گواہ ہیں۔ انہوں نے فرمایا نہیں! تب فرمایا کہ اب کندی سے قسم لے سکتے ہیں۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **قال علقمة بن وائل بن حجر الحضرمی عن ابیہ ... فقال النبی ﷺ للحضرمی الک بینة؟ قال لا! قال فلک یمینہ** (ابو داؤد شریف، نمبر ٣٦٢٣ رترمذی شریف، نمبر ١٣٤٠) اس حدیث میں فرمایا گواہ نہیں ہیں تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو قسم لینے کا حق ہے۔ اس لئے جب تک گواہ پیش کرنے کی گنجائش ہو تو مدعی علیہ سے قسم نہیں لے سکتے۔

ترجمہ: ۲ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ گواہ شہر میں موجود ہو پھر بھی قسم کھلائی جا سکتی ہے، کیونکہ مشہور حدیث کی وجہ سے قسم لینا مدعی کا حق ہے، پس جب اس نے قسم طلب کی تو قسم کھلوائی جائے گی۔

تشریح: صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ گواہ موجود ہوں پھر بھی ان کو پیش نہ کر کے مدعی علیہ سے قسم لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ اس کو دونوں کا اختیار ہے

وجہ: (۱) وہ فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث میں اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **ثم ان الاشعث بن قیس خرج الینا فقال ما یحدثکم ابو عبد الرحمن ... فقال رسول اللہ ﷺ شاھداک او یمینہ** (بخاری شریف، باب اذا اختلف الراھن والمرتھن ونحوہ فالبینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ٣٤٢ نمبر ٢٥١٦ رمسلم شریف، باب

طَالَبَهُ بِهِ يُجِيبُهُ ٣ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ ثُبُوتَ الْحَقِّ فِي الْيَمِينِ مُرَتَّبٌ عَلَى الْعَجْزِ عَنْ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ لِمَا رَوَيْنَا فَلَا يَكُونُ حَقُّهُ دُونَهُ، كَمَا إِذَا كَانَتِ الْبَيِّنَةُ حَاضِرَةً فِي الْمَجْلِسِ . ٤ وَمُحَمَّدٌ مَعَ أَبِي يُوسُفَ فِيمَا ذَكَرَهُ الْخَصَّافُ، وَمَعَ أَبِي حَنِيفَةَ فِيمَا ذَكَرَهُ الطَّحَاوِيُّ .

(٢٩٦) قَالَ (وَلَا تُرَدُّ الْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعِي) ١ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ "الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي، وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ" قَسَمَ وَالْقِسْمَةُ تُنَافِي الشَّرِكَةَ، وَجَعَلَ جِنْسَ الْأَيْمَانِ عَلَى الْمُنْكِرِينَ وَلَيْسَ وَرَاءَ الْجِنْسِ شَيْءٌ،

وعيد من اقتطع حق مسلم بیمین فاجرۃ بالنار ص ۸۰ نمبر ۱۳۸/۳۵۶) اس حدیث میں دونوں اختیار دیئے گئے ہیں یا تمہارے دو گواہ ہوں یا اس کی قسم ہو۔ چونکہ دو میں سے ایک کا اختیار ہے اس لئے گواہ موجود رہتے ہوئے قسم لے سکتا ہے۔ (۲) عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال: البينة على من الدعی واليمين على من انکر الا فی القسامة (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۸۸ نمبر ۳۱۶۵) اس حدیث سے بھی دونوں میں سے ایک کا اختیار معلوم ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۳ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ گواہ قائم کرنے سے عاجز ہو تب قسم کھلانے کا حق ملتا ہے، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے روایت پیش کی اس لئے عاجز ہونے سے پہلے مدعی کو قسم کھلانے کا حق نہیں ہوگا، جیسے گواہ مجلس میں حاضر ہو تو قسم لینے کا حق نہیں ملتا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث سے پتہ چلا کہ گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو تب قسم لینے کا حق ملتا ہے، اس لئے گواہ شہر میں موجود ہو تو قسم لینے کا حق نہیں ملے گا۔ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۴ حضرت خصافؒ نے ذکر کیا ہے کہ امام محمدؒ اس مسئلے میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں، اور امام طحاویؒ نے ذکر کیا کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۹۶) اور نہیں وارد ہوگی قسم مدعی پر۔

ترجمہ: ١ حضور ﷺ کی حدیث کی وجہ سے کہ مدعی پر گواہ ہے، اور انکار کرنے والے، یعنی مدعی علیہ پر قسم ہے، اور دونوں کے حقوق الگ الگ کر دئے تو ایک دوسرے میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اور قسم کی جنس منکر پر کیا ہے اور جنس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے، اس لئے منکر پر گواہی نہیں ہے۔

تشریح: اس مسئلے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مدعی کے پاس ایک گواہ ہو۔ اب دوسرے گواہ کے بدلے قسم کھائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسا نہیں کر سکتا۔ یا تو دو گواہ لائے یا پھر مدعی علیہ سے قسم لے۔

وجہ: (۱) حدیث میں تقسیم ہے کہ مدعی پر صرف گواہ پیش کرنا ہے اور وہ نہ ہو تو مدعی علیہ پر قسم ہے۔ اس لئے مدعی پر قسم نہیں ہوگی۔ حدیث یہ ہے۔ عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبی ﷺ قال فی خطبته البينة على

۲ وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ.

(۶۹۷) قَالَ (وَلَا تُقْبَلُ بَيِّنَةُ صَاحِبِ الْيَدِ فِي الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ وَبَيِّنَةُ الْخَارِجِ أَوْلَى)

المدعى واليمين على المدعى عليه (ترمذی شریف، باب ما جاء فی ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۱/دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۸۸ نمبر ۳۱۶۶) اس حدیث میں تقسیم کر دیا ہے کہ مدعی پر بینہ ہوگا اور مدعی علیہ پر قسم ہوگی (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قضى باليمين على المدعى عليه۔ مسلم شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ص ۷۴ نمبر ۱۷۱۱/۴۴۷۱/ابوداؤد شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ۱۵۳ نمبر ۳۶۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے کہ قسم تو صرف مدعی علیہ پر ہوگی۔ اس لئے مدعی پر قسم نہیں ہوگی۔ (۳) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة عن النبى ﷺ قال البينة على من الدعى و اليمين على من انكر الا فى القسامة (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۸۸ نمبر ۳۱۶۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدعی پر بینہ ہے اس لئے وہ قسم کھانے میں شریک نہیں ہو سکتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی کے پاس دو گواہ ہیں اور دو گواہ پیش بھی کر دیئے تو کیا اس کے باوجود مدعی قسم بھی کھائے کہ یہ چیز میری ہے؟ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مدعی کو اب قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر تو صرف گواہ پیش کرنا تھا جو کر دیا۔

وجہ: اوپر کی حدیثیں ان کی دلیلیں ہیں۔

ترجمہ: ۲ اور اس بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو دوسرے گواہ کے بدلے مدعی قسم کھائے گا اور یہ قسم دوسرے گواہ کے درجے میں ہو جائے گی۔ جس کی بنیاد پر قاضی مدعی کے حق میں میں فیصلہ کریں گے۔

وجہ: ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قضى بيمين و شاهد (ابوداؤد شریف، باب القضاء بالیمین والشاهد ص ۱۵۲ نمبر ۳۶۰۸/ترمذی شریف، باب ما جاء فی الیمین مع الشاهد ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک گواہ کے ساتھ مدعی قسم کھائے تو فیصلہ کر سکتا ہے۔

امام شافعیؒ دوسری صورت میں فرماتے ہیں کہ قاضی چاہے تو اطمینان کے لئے گواہ کی پیشگی کے بعد بھی مدعی سے قسم کھلائے۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ صحابی کا عمل ہے۔ ان عليا كان يرى الحلف مع البينة۔ (۲) اور دوسری روایت میں ہے۔ عن ابن سيرين ان رجلا ادعى قبل رجل حقا و اقام عليه البينة فاستحلفه شريح فكانه يابى اليمين فقال شريح بئس ما تثنى على شهودك (سنن للبیہقی، باب من رای الحلف مع البینۃ ج عاشر ص ۴۴۱ نمبر ۲۱۲۴۸/۲۱۲۴۹) اس قول صحابی اور قول تابعی سے معلوم ہوا کہ مدعی کے بینہ کے باوجود اس سے قسم لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔

ترجمہ: (۶۹۷) نہیں قبول کیا جائے گا قبضے والے کا بینہ ملک مطلق میں۔

تشریح: یہاں تین اصطلاح ہیں جن کو پہلے سمجھیں۔

لے وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُقْضَى بِبَيِّنَةِ ذِى الْيَدِ لِاعْتِضَادِهَا بِالْيَدِ فَيَقْوَى الظُّهُورُ وَصَارَ كَالنِّتَاجِ وَالنِّكَاحِ

[١] ذی الید: جس کے قبضے میں دعوی کی چیز ہو اس کو ذی الید کہتے ہیں۔ چونکہ اس سے چیز لینے کا مطالبہ ہے اس لئے اس کو مدعی علیہ کہتے ہیں۔

[۲] خارج: جس کے قبضے میں دعوی کی چیز نہ ہو اس کو خارج کہتے ہیں۔ چونکہ وہ چیز لینے کا مطالبہ کر رہا ہے اس لئے وہ مدعی بھی ہے۔

[۳] ملک مطلق: آدمی دعوی کرے کہ یہ چیز میری ہے لیکن یہ بیان نہ کرے کہ میری ملکیت کس سبب سے ہوئی ہے۔ خریدا ہے یا ہبہ کیا ہے یا اس کے گھر پیدا ہوئی ہے؟ مالک ہونے کے سبب کو بیان نہ کرے تو اس کو ملک مطلق کہتے ہیں۔ اور مالک بننے کا سبب بیان کرے تو اس کو ملک مقید کہتے ہیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ خارج اور ذی الید دونوں دعوی کرتے ہیں کہ یہ چیز میری ہے اور میری ہونے کا سبب بیان نہیں کرتے بلکہ ملک مطلق کا دعوی کرتے ہیں۔ پھر دونوں اپنے اپنے گواہ پیش کرتے ہیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خارج کے بینہ کو مانیں گے اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ: (۱) چیز کی ملکیت کا سبب بیان نہیں کرتے اس لئے کسی ایک کے ہونے کی وجہ نہیں معلوم ہو سکی۔ اس لئے اب دارو مدار صرف بینہ پر ہوگا (۲) پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ مدعی یعنی خارج کے بینہ کا اعتبار ہے۔ کیونکہ ذی الید یعنی مدعی علیہ پر تو قسم ہے نہ کہ اس پر بینہ۔ حضرت حضرمی والی حدیث میں حضرت حضرمی اور کندی دونوں نے زمین کا دعوی کیا اور زمین کس طرح ان کی ہے اس کا سبب بیان نہیں فرمایا یعنی ملک مطلق کا دعوی کیا تو آپؐ نے حضرت حضرمی یعنی خارج کے بینہ کا اعتبار کیا اور ذی الید یعنی کندی کے بینہ کا اعتبار نہیں کیا بلکہ ان پر قسم لازم کی۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **فقال النبی ﷺ للحضرمی الک بینة؟ قال لا! قال فلک یمینه.** دوسری روایت میں ہے. **ان النبی ﷺ قال فی خطبته البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۰/۱۳۴۱/ ابوداؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمه فیما غاب عنہ ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۳) اس حدیث میں حضرت حضرمی جو خارج بھی ہیں اور مدعی بھی ہیں ان کے بینہ کا اعتبار کیا اور حضرت کندی جو ذی الید ہے جس کے قبضے میں زمین ہے اور مدعی علیہ ہے اس کے بینہ کا اعتبار نہیں کیا بلکہ اس پر قسم لازم کی۔ اس لئے ہمارے یہاں ملک مطلق میں خارج کے بینہ اور گواہ کو ترجیح دی جائے گی۔

ترجمہ: لے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قبضے والے کے گواہ سے فیصلہ کیا جائے گا، اس لئے کہ قبضہ کی وجہ سے اس کا گواہ مضبوط ہو گیا تو ظاہر ہونا بھی قوی ہو جائے گا، اور نتاج، اور نکاح، اور آزاد کرنے کے ساتھ ملک کا دعوی کرنے، اور ام ولد بنانے کے ساتھ ملک کا دعوی کرنے، اور مدبر بنانے کے ساتھ ملک کا دعوی کرنے کی طرح ہو گیا۔

تشریح: پہلے پانچ الفاظ کی تحقیق یاد کیجئے، تب مسئلہ سمجھ میں آئے گا۔

[۱] نتاج: زید دعوی کرتا ہے کہ، یہ بکری میری ہے، اور میرے یہاں پیدا ہوئی ہے اور اس پر گواہی دی، اور عمر کہتا ہے کہ بکری میری ہے اور میرے یہاں پیدا ہوئی ہے، اور اس پر گواہی دی، یعنی دونوں نے ملک کا بھی دعوی کیا، اور ملک ہونے کی وجہ بھی

بتائی کہ یہ میرے یہاں پیدا ہوئی ہے، اور بکری زید کے قبضے میں ہے تو چونکہ دونوں کا دعوی برابر ہے اور دونوں کی گواہی برابر ہے اس لئے جس کا قبضہ ہے اس کے بارے میں فیصلہ ہوگا، پس جس طرح یہاں قبضے والے کے لئے فیصلہ ہوا ملک مطلق میں بھی قبضے والے کے لئے فیصلہ ہوگا۔

[۲] نکاح: زید دعوی کرتا ہے کہ عائشہ میرے نکاح میں ہے، اور عمر دعی کرتا ہے کہ میرے نکاح میں ہے، اور دونوں نے گواہی دی ،اور عورت زید کے قبضے میں ہے تو جس کے قبضے میں ہے اس کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

[۳] دعوی الملک مع العتاق: زید نے ایک غلام کے بارے میں دعوی کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور میں نے اس کو آزاد کیا ہے، اور عمر دعوی کرتا ہے کہ میرا غلام ہے اور میں نے آزاد کیا ہے، اور وہ غلام زید کے قبضے میں ہے تو زید کے بارے میں فیصلہ ہوگا، کیونکہ دونوں کی گواہی برابر ہے اس لئے قبضے کو ترجیح دی جائے گی۔

[۴] الاستیلاد: زید ایک باندی کے بارے میں دعوی کرتا ہے کہ یہ باندی میری ہے، اور میں نے اس کو ام ولد بنایا ہے، اور عمر کہتا ہے کہ یہ باندی میری ہے، اور میں نے اس کو ام ولد بنایا ہے، اور دونوں نے گواہی دی تو قبضے والے کے لئے فیصلہ کیا جائے گا۔

[۵] التد بیر:: زید ایک غلام کے بارے میں دعوی کرتا ہے کہ یہ غلام میرا ہے، اور میں نے اس کو مدبر بنایا ہے، اور عمر کہتا ہے کہ یہ غلام میرا ہے، اور میں نے اس کو مدبر بنایا ہے، اور دونوں نے گواہی دی تو قبضے والے کے لئے فیصلہ کیا جائے گا۔

پس جس طرح ان پانچ مسئلوں میں قبضے والے کے لئے فیصلہ کیا گیا، اسی طرح ملک مطلق کا دعوی ہو تو بھی جس کا قبضہ ہوگا اسی کے لئے فیصلہ کیا جائے گا

وجہ : :(۱) اس کے قبضے میں چیز ہے تو قبضہ ہونا قوت کی دلیل ہے۔ کیونکہ گواہ دونوں کے پاس ہیں اور قبضہ ہونا ایک قسم کی زیادہ قوت ہونا ہے اس لئے ذی الید کے بینہ کو ترجیح ہوگی۔ اور اسی کے بینہ کے مطابق چیز ذی الید کی ہوگی (۲) حدیث میں ہے۔ **عن جابر بن عبد الله ان رجلین تداعیا بدابة فاقام کل واحد منهما البینة انها دابته فقضی بها رسول الله ﷺ للذی فی یدیه** (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدهما ویقیم کل واحد منهما علی ذلک بینة ج عاشر ص ۴۳۳ نمبر ۲۱۲۲۳) اس حدیث میں ہے کہ دونوں نے دعوی کیا اور مطلق ملک کا دعوی کیا اور بینہ بھی پیش کیا تو آپ ﷺ نے قبضے والے کے لئے فیصلہ کیا۔

اور اگر ملک مقید کا دعوی کرے مثلا دونوں کہیں کہ یہ اونٹنی میری ملکیت ہے کیونکہ میرے یہاں پیدا ہوئی ہے تو بالاتفاق اس صورت میں ذی الید کے بینہ کو ترجیح دی جائے گی۔

وجہ : (۱) حدیث میں ہے۔ **عن جابر ان رجلین اختصما الی النبی ﷺ فی ناقة فقال کل واحد منهما نتجت هذه الناقة عندی واقام بینة فقضی بها رسول الله ﷺ للذی هی فی یدیه** . (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدهما ویقیم کل واحد منهما علی ذلک بینة ج عاشر ص ۴۳۳ نمبر ۲۱۲۲۴) اس حدیث میں ہے کہ ملک کے دعوی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ اونٹنی میرے یہاں پیدا ہوئی ہے اس لئے یہ میری ملکیت ہے اس لئے یہ ملک مقید کا دعوی

وَدَعْوَى الْمِلْكِ مَعَ الْإِعْتَاقِ اَوِ الاسْتِيلَادِ اَوِ التَّدْبِيرِ. ٢ وَلَنَا أَنَّ بَيِّنَةَ الْخَارِجِ أَكْثَرُ إِثْبَاتًا أَوْ إِظْهَارًا لِأَنَّ قَدْرَ مَا أَثْبَتَهُ الْيَدُ لَا يُثْبِتُهُ بَيِّنَةُ ذِي الْيَدِ، إِذْ الْيَدُ دَلِيلُ مُطْلَقِ الْمِلْكِ، ٣ بِخِلَافِ النِّتَاجِ لِأَنَّ الْيَدَ لَا تَدُلُّ عَلَيْهِ، وَكَذَا عَلَى الْإِعْتَاقِ وَأُخْتَيْهِ وَعَلَى الْوَلَاءِ الثَّابِتِ بِهَا.

(٦٩٨) قَالَ (وَإِذَا نَكَلَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ عَنِ الْيَمِينِ قُضِيَ عَلَيْهِ بِالنُّكُولِ وَأَلْزَمَهُ مَا ادَّعَى عَلَيْهِ)

ہوا۔اوراس میں ذی الید کے لئے آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا (٢) یوں بھی جب مالک ہونے کا سبب بیان کیا تو یقین ہو گیا کہ چیز اس کی ہے اور بینہ بھی پیش کیا اور قبضہ بھی ہے اس لئے ان تینوں علامتوں کی وجہ سے قبضے والے کے لئے فیصلہ کر دیا گیا۔

ترجمہ : ٢ ہماری دلیل یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں چیز نہیں ہے اس کی دلیل سے زیادہ ثابت ہوتا ہے اور زیادہ ظاہر ہوتا ہے، اس لئے کہ قبضے نے جتنا ثابت کیا، قبضے والے کی دلیل نے اتنا ثابت نہیں کیا ہے، اس لئے کہ قبضہ مطلق ملک کی دلیل ہے

تشریح : یہاں عبارت پیچیدہ ہے، غور سے سمجھیں۔جس کا قبضہ ہے اس کی ملکیت قبضے کی وجہ سے پہلے ثابت ہے، گواہی دینے سے صرف اسی ملکیت کو مضبوط کرنا ہوگا، ملکیت کو ثابت کرنا نہیں ہوگا، کیونکہ ملکیت تو پہلے ہی سے ثابت ہی ہے۔اور جس کا قبضہ نہیں ہے، یعنی خارج، اس کی گواہی سے ملکیت ثابت ہوگی، کیونکہ پہلے سے اس کی ملکیت ثابت نہیں ہے، اس لئے خارج کی گواہی کو ترجیح دی جائے گی اور اسی کے لئے فیصلہ ہوگا۔

ترجمہ : ٣ بخلاف پیدائش کے اس لئے کہ قبضہ پیدائش پر دلالت نہیں کرتا، ایسے ہی آزادگی اور جو اس کے ساتھ ہے، قبضہ اس پر بھی دلالت نہیں کرتا، اور ولاء پر بھی قبضہ دلالت نہیں کرتا۔

تشریح: یہاں کہنا تو یہ چاہتے ہیں کہ پیدائش والی صورت، آزاد کرنے والی صورت، ام ولد اور مدبر بنانے والی صورت میں دونوں کی گواہی برابر ہیں، اس لئے قبضے سے ایک کو ترجیح دی گئی۔یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ قبضہ نتاج پر، غلام آزاد کرنے پر، ام ولد بنانے پر، اور مدبر بنانے پر دلالت نہیں کرتا، اس لئے قبضے سے وہ ثابت نہیں ہوا، اس لئے قبضے والے کی گواہی کو ترجیح دی گئی ہے۔

ترجمہ : (٦٩٨) اگر انکار کر دے مدعی علیہ قسم سے تو فیصلہ کیا جائے گا اس پر انکار کرنے کی وجہ سے اور لازم کر دے اس پر وہ جس کا اس پر دعوی تھا۔

تشریح: مدعی کے پاس گواہ نہیں تھے اس لئے اس نے مدعی علیہ کو قسم کھانے کے لئے کہا لیکن مدعی علیہ نے بھی قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اس کے انکار کے بعد قاضی فیصلہ کر دے گا کہ یہ چیز مدعی کی ہے۔اب دوبارہ مدعی سے قسم نہیں کھلائی جائے گی۔

وجہ : پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ مدعی سے قسم نہیں لی جائے گی۔اس پر تو گواہ ہے قسم نہیں ہے اس لئے اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔اور مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کے دو مطالب ہیں۔ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہ چیز تو میری ہی ہے لیکن اللہ کے محترم نام کے ساتھ میں قسم نہیں کھانا چاہتا۔چلو یہ مدعی کو دے دیتا ہوں ایسا کرنے کو باذل کہتے ہیں۔یعنی میں نے مدعی

[۱] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لا يُقْضَى بِهِ بَلْ يَرُدُّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعِي، فَإِذَا حَلَفَ يَقْضِي بِهِ لِأَنَّ النُّكُولَ يَحْتَمِلُ التَّوَرُّعَ عَنِ الْيَمِينِ الْكَاذِبَةِ وَالتَّرَفُّعَ عَنِ الصَّادِقَةِ وَاشْتِبَاهَ الْحَالِ فَلَا يَنْتَصِبُ حُجَّةً مَعَ

پر اپنی چیز خرچ کردی۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ دبے زبان اقرار کرتا ہوں کہ یہ چیز حقیقت میں مدعی کی ہی ہے اس لئے قسم نہیں کھاتا۔ تاہم دونوں صورتوں میں مدعی علیہ نے مدعی کو چیز دینے کی رضامندی ظاہر کردی ہے اس لئے قسم سے انکار کیا اس لئے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عن النبی ﷺ قال اذا ادعت المرأة طلاق زوجها فجاء ت علی ذلک بشاهد عدل استحلف زوجها فان حلف بطلت شهادة الشاهد وان نکل فنکوله بمنزلة شاهد آخر وجاز طلاقه (ابن ماجہ شریف، باب الرجل یجحد الطلاق ص ۲۹۲ نمبر ۲۰۳۸ ر دار قطنی ، کتاب الوکالۃ ج رابع ص ۹۶ نمبر ۴۲۹۵) اس حدیث میں ہے کہ قسم کھانے سے انکار کرنا دوسرے گواہ کے درجے میں ہے اور اس سے فیصلہ کر دیا جائے گا۔

اصول : بذل: کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیز تو میری ہے، لیکن اللہ کا نام جیسے محترم چیز کی قسم نہیں کھانا چاہتا، اس لئے چلو یہ چیز تم لے لو، اس کو بذل، کہتے ہیں، مال میں یہ جائز ہے، لیکن جان میں ایسا کرنا جائز نہیں۔۔

اصول : اقرار: قسم کھانے سے انکار کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ دبے زبان یہ اقرار کرتا ہوں کہ یہ چیز مدعی کی ہے، اس لئے میں جھوٹی قسم کھا کر یہ چیز نہیں لینا چاہتا۔

یہ دو اصول یاد رکھیں، اس پورے باب میں ان دونوں اصولوں سے کام لیا جائے گا۔

ترجمه : [۱] امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ کے انکار کرنے سے فیصلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ دوبارہ مدعی پر قسم پیش کیا جائے گا، اگر وہ قسم کھالے تو مدعی کے لئے فیصلہ کر دیا جائے گا، اس لئے کہ مدعی علیہ کا انکار کرنا یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ جھوٹی قسم سے بچنا چاہتا ہے، اور اس کا احتمال ہے کہ سچی قسم سے بھی پرہیز کرنا چاہتا ہے، اس لئے مدعی علیہ کا حال مشتبہ ہو گیا اس لئے اس احتمال کی وجہ سے حجت نہیں بنے گا، اور مدعی جب قسم کھائے گا تو یہ ظاہر ہونے کی دلیل ہے اس لئے مدعی سے قسم کھلوانے کی طرف لیجایا جائے گا۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ نے قسم سے انکار کیا تو ابھی فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ مدعی کو قسم کھلائیں گے۔ وہ قسم کھالیں گے کہ یہ چیز میری ہے تب اس چیز کا فیصلہ مدعی کے لئے کریں گے۔

وجه : (۱) دلیل عقلی یہ ہے کہ مدعی علیہ نے جو قسم کھانے سے انکار کیا اس کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ یہ چیز میری نہیں ہے اس لئے جھوٹی قسم کھا کر میں اس کو لینا نہیں چاہتا، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ چیز تو میری ہے، اور قسم کھانا سچ ہے، لیکن سچی قسم سے بھی میں بچنا چاہتا ہو، اب یہ دو احتمال ہیں اس لئے مدعی علیہ کا قسم نہ کھانا اس کے لئے دلیل نہیں بنے گی، اس لئے اب مدعی سے قسم کھلوائیں گے، اب اگر وہ قسم کھالے گا تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

(۲) **وجه** : ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قضی بیمین و شاهد (ابوداؤد شریف،

الِاحْتِمَالِ، وَيَمِينُ الْمُدَّعِي دَلِيلُ الظُّهُورِ فَيُصَارُ إِلَيْهِ. ۲ وَلَنَا أَنَّ النُّكُولَ دَلَّ عَلَى كَوْنِهِ بَاذِلًا أَوْ مُقِرًّا، إِذْ لَوْلَا ذَلِكَ لَأَقْدَمَ عَلَى الْيَمِينِ إِقَامَةً لِلْوَاجِبِ وَدَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْ نَفْسِهِ فَيَتَرَجَّحُ هَذَا الْجَانِبُ. ۳ وَلَا وَجْهَ لِرَدِّ الْيَمِينِ عَلَى الْمُدَّعِي لِمَا قَدَّمْنَاهُ.

باب القضاء باليمين والشاھد ص۱۵۲ نمبر ۳۶۰۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الیمین مع الشاھد ص ۲۴۹ نمبر۱۳۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک گواہ کے ساتھ مدعی قسم کھائے اس لئے اگر مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے تب بھی مدعی قسم کھائے گا۔(۳) قول صحابی میں ہے کہ مدعی بینہ پیش کردے تب بھی مدعی کو قسم کھلائیں گے تب فیصلہ کیا جائے گا۔جب گواہ پیش کردے تو مدعی کو قسم دیتے ہیں اور یہاں مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کردیا تو اور شبہ پیدا ہو گیا اس لئے اس پر قیاس کرتے ہوئے بدرجہ اولی مدعی کو قسم کھلائیں گے تاکہ پوری وضاحت ہو جائے کہ یہ چیز مدعی کی ہے قول صحابی یہ ہے۔ **ان علیا کان یری الحلف مع البینة** (سنن للبیہقی، باب من رای الحلف مع البینۃ ج عاشر ص۴۴۱ نمبر ۲۱۲۴۸) اس اثر کی وجہ سے مدعی پر قسم ہوگی۔

لغت : النکول : قسم کھانے سے انکار کرنا۔ التورع: پرہیز گاری، قسم سے بچنا چاہتا ہے۔ الترفع: اٹھانا، یہاں مراد ہے قسم کھانا سچ ہے پھر بھی میں اس کو نہیں کھانا چاہتا۔ ینتصب: نصب سے مشتق ہے، متعین ہونا، یہاں مراد ہے حجت قائم ہونا۔

ترجمہ : ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ مدعی نے جو قسم کھانے سے انکار کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ قسم سے پرہیز کرنا چاہتا ہے، یا اقرار کرنا چاہتا ہے کہ یہ چیز مدعی کی ہے، اس لئے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو واجب کو قائم کرنے کے لئے اور اپنے آپ سے نقصان دفع کرنے کے لئے مدعی علیہ قسم کھا لیتا اس لئے اسی جانب ترجیح دی جائے گی کہ اس نے بچنے کے لئے قسم نہیں کھائی۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ مدعی علیہ نے یا اس لئے قسم نہیں کھائی کہ یہ چیز میری ہے، لیکن میں اس کو مدعی کو دیتا ہوں، یا اس لئے کہ یہ چیز مدعی ہی کی ہے، پس یہ قرار دیا جائے گا کہ یہ چیز میری ہے، لیکن میں مدعی کو دیتا ہوں اسی وجہ سے اس نے قسم نہیں کھائی، اس لئے اس سے مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ کردیا جائے گا۔

لغت : باذل: بذل سے مشتق ہے، خرچ کرنے والا، یہاں مراد ہے کہ یہ چیز میری ہے، لیکن میں اس کو مدعی کو دیتا ہوں۔ مقرا: اقرار سے مشتق ہے، اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ چیز مدعی کی ہے۔

ترجمہ: ۳ پہلے جو حدیث بیان کی کہ اس کی وجہ سے مدعی پر قسم نہیں دے سکتا۔

تشریح: اوپر حدیث گزری کہ مدعی پر گواہ ہے اور مدعی علیہ پر قسم ہے، اس تقسیم کی وجہ سے مدعی پر ہم قسم نہیں دے سکتے، صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ قال البینة علی من الدعی و الیمین علی من انکر الا فی القسامة** (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۸۸ نمبر ۳۱۶۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدعی پر بینہ ہے اس لئے وہ قسم کھانے میں شریک نہیں ہو سکتا۔

(۶۹۹) قَالَ (وَيَنْبَغِي لِلْقَاضِي أَنْ يَقُولَ لَهُ إِنِّي أَعْرِضُ عَلَيْكَ الْيَمِينَ ثَلَاثًا، فَإِنْ حَلَفْتَ وَإِلَّا فَقَضَيْتُ عَلَيْكَ بِمَا ادَّعَاهُ) ١ وَهَذَا الْإِنْذَارُ لِإِعْلَامِهِ بِالْحُكْمِ إِذْ هُوَ مَوْضِعُ الْخَفَاءِ

(۷۰۰) قَالَ (فَإِذَا كَرَّرَ الْعَرْضَ عَلَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قُضِيَ عَلَيْهِ بِالنُّكُولِ) ١ وَهَذَا التَّكْرَارُ ذَكَرَهُ الْخَصَّافُ لِزِيَادَةِ الِاحْتِيَاطِ وَالْمُبَالَغَةِ فِي إِبْلَاءِ الْعُذْرِ، فَأَمَّا الْمَذْهَبُ أَنَّهُ لَوْ قُضِيَ بِالنُّكُولِ بَعْدَ

ترجمه: (۶۹۹) قاضی کے لئے مناسب ہے کہ اس سے کہے کہ میں تم پر قسم تین بار پیش کرتا ہوں، پس اگر تم نے قسم کھالی تو ٹھیک ہے ورنہ تمہارے خلاف فیصلہ کروں گا اس کے مطابق جس کا مدعی دعوی کرتا ہے۔

ترجمه: ١ اوراس کی وجہ یہ ہے کہ قسم سے انکار پر مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ ہو جائے گا، بعض مرتبہ مدعی علیہ کو اس کا پتہ نہیں ہوتا ہے۔[اس لئے قاضی تین مرتبہ مدعی علیہ پر قسم پیش کرے گا]

تشریح: ایک مرتبہ بھی قاضی مدعی علیہ پر قسم پیش کردے اور وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو قاضی کے لئے گنجائش ہے کہ وہ مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ کردے۔ کیونکہ اوپر کی احادیث میں ایک مرتبہ کے انکار سے فیصلہ کا اشارہ ملتا ہے۔لیکن چونکہ مدعی علیہ کے سامنے معاملہ نہیں ہے اور ہوسکتا ہے کہ قانون سے واقف نہ ہو اس لئے بہتر ہے کہ قاضی پہلے سے آگاہ کردے کہ میں تم پر تین مرتبہ قسم پیش کروں گا۔ اگر تم نے قسم کھالی تو تمہارے موافق فیصلہ ہوگا کیونکہ مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے۔اور اگر تم نے تینوں مرتبہ قسم کھانے سے انکار کیا تو تمہارے خلاف فیصلہ کروں گا جس کا دعوی مدعی کررہا ہے۔

وجہ:: ممکن ہے کہ مدعی علیہ کو قانون کا پتا نہ ہو کہ قسم سے انکار کے بعد میرے خلاف فیصلہ ہو جائے گا اس لئے اس کو پہلے سے بتادے کہ تین مرتبہ قسم پیش کروں گا۔اور قسم سے انکار کے بعد تمہارے خلاف فیصلہ ہوگا۔اور تین مرتبہ احتیاط کے لئے ہے ورنہ ایک مرتبہ قسم پیش کردے اور وہ انکار کرے تو قاضی کو فیصلے کی گنجائش ہے۔۔الخفاء: پوشیدہ ہونا۔

ترجمه: (۷۰۰) جبکہ قسم پیش کی مکرر تین مرتبہ تو فیصلہ کیا جائے گا اس کے خلاف انکار کی وجہ سے۔

تشریح: قاضی نے مدعی علیہ پر تین مرتبہ قسم پیش کی، مدعی علیہ نے تینوں مرتبہ قسم کھانے سے انکار کردیا تو قاضی اب اس کے خلاف فیصلہ کریں گے۔تفصیل گزر چکی ہے۔

ترجمه: ١ حضرت خصاف نے ذکر کیا ہے کہ یہ تین مرتبہ پیش کرنا عذر کو ظاہر کرنے کے لئے زیادہ احتیاط اور مبالغے کے لئے ہے، ورنہ مذہب یہ ہے کہ ایک مرتبہ پیش کیا اور مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کردیا اور اس پر قاضی نے فیصلہ کردیا تب بھی جائز ہے۔اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کی [کہ حدیث میں ایک مرتبہ کا ہی ذکر ہے] اور صحیح وہی ہے، لیکن پہلی روایت [تین مرتبہ پیش کرنا] زیادہ بہتر ہے۔

تشریح: واضح ہے

الْعَرْضِ مَرَّةً جَازَ لِمَا قَدَّمْنَاهُ هُوَ الصَّحِيحُ وَالْأَوَّلُ أَوْلَى ٢ ثُمَّ النُّكُولُ قَدْ يَكُونُ حَقِيقِيًّا كَقَوْلِهِ لَا أَحْلِفُ، وَقَدْ يَكُونُ حُكْمِيًّا بِأَنْ يَسْكُتَ، وَحُكْمُهُ حُكْمُ الْأَوَّلِ إِذَا عَلِمَ أَنَّهُ لَا آفَةَ بِهِ مِنْ طَرَشٍ أَوْ خَرَسٍ هُوَ الصَّحِيحُ .

(١٠٧) قَالَ (وَإِنْ كَانَتِ الدَّعْوَى نِكَاحًا لَمْ يُسْتَحْلَفِ الْمُنْكِرُ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَؒ، ١ وَلَا يُسْتَحْلَفُ عِنْدَهُ فِي النِّكَاحِ وَالرَّجْعَةِ وَالْفَيْءِ فِي الْإِيلَاءِ وَالرِّقِّ وَالِاسْتِيلَادِ وَالنَّسَبِ وَالْوَلَاءِ وَالْحُدُودِ

ترجمہ : ٢ پھر انکار کرنا کبھی حقیقی ہوتا ہے، مثلا زبان سے یہ کہے کہ میں قسم نہیں کھاتا، اور کبھی حکمی ہوتا ہے مثلا وہ قسم کھانے سے چپ رہے، لیکن چپ رہنے کا حکم بھی پہلے کی طرح ہے، جبکہ یہ معلوم ہو کہ مدعی علیہ نہ بہرا ہے، اور نہ گونگا ہے، صحیح بات یہی ہے۔

تشریح : قسم کھانے سے انکار کی دو صورتیں ہیں [١] حقیقی زبان سے یہ کہے کہ میں قسم نہیں کھاتا، اعور صورت ہے حکمی، مثلا چپ رہے، اگر مدعی علیہ بہرا اور گونگا نہیں ہے تو چپ رہنے کا حکم بھی صراحت سے انکار کرنے کی طرح ہے، یعنی قاضی مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ دے دے گا۔

ترجمہ: (١٠٧) اگر دعوی نکاح کا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک منکر سے قسم نہیں لی جائے گی۔

تشریح: مثلا شوہر عورت پر دعوی کرے کہ میرا تم سے نکاح ہوا ہے اور اس پر شوہر کے پاس بینہ نہیں ہے اور عورت نکاح کا انکار کرتی ہے تو عورت کو قسم نہیں کھلائیں گے کہ نکاح ہوا یا نہیں ہوا۔ بلکہ بغیر قسم کے ہی نکاح کا ثبوت ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک قسم کھلائیں گے۔ اگر عورت نے قسم کھالی کہ نکاح نہیں ہوا ہے تو نکاح نہیں ہوگا، اور قسم کھانے سے انکار کیا تو یہ اقرار کے درجے میں ہوگا اور نکاح ثابت کر دیا جائے گا۔

وجہ: ان نو مسئلوں کی دلیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ : ١ اور قسم نہیں لی جاتی ہے (١) نکاح میں (٢) رجعت میں (٣) ایلاء سے رجوع کرنے میں (٤) غلامی میں (٥) ام ولد کرنے میں (٦) نسب میں (٧) ولاء میں (٨) حدود میں (٩) اور لعان میں۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ قسم لی جائے گی ان تمام میں سوائے حدود اور لعان کے۔

تشریح: یہ نو مسئلے دو اصول پر متفرع ہیں۔ ایک اصول امام اعظمؒ کا ہے اور دوسرا اصول صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا ہے۔

اصول: مدعی علیہ کو قسم کھلائے اس وقت قسم کھانے سے انکار کرے تو پہلے گزر چکا ہے کہ انکار کے دو مطلب ہیں۔ [١] ایک بذل جو امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔ [٢] اور دوسرا اقرار جو صاحبین کا مسلک ہے۔ اور انہیں پر نو مسائل متفرع ہیں۔ بذل : کا مطلب یہ ہے کہ مدعی علیہ کہہ رہا ہے کہ یہ چیز تو میری ہی ہے لیکن خدا کے نام کی تعظیم کی وجہ سے قسم نہیں کھاتا، اس لئے چلو یہ تم کو دے دیتا ہوں۔ اس میں میری چیز جائے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

وجہ: (١) اس قول صحابی میں بذل کی دلیل ہے۔ وقد كانت هذيل خلعوا خليعا لهم في الجاهلية ... فقال

(عمرؓ) يقسم خمسون من هذيل ما خلعوا قال فاقسم منهم تسعة واربعون رجلا وقدم رجل منهم من الشام فسألوه ان يقسم فافتدى يمينه منهم بالف درهم فادخلوا مكانه رجلا آخر فدفعه الى اخى المقتول . (بخاری شریف، باب القسامۃ ص١٠١٨ نمبر ٦٨٩٩) اس اثر میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نکال باہر کرنے پر پچاس آدمی سے قسم لیں، انچاس آدمیوں سے قسم لی۔ پھر ایک آدمی شام سے آیا اس سے قسم کھانے کے لئے کہا تو اس نے قسم نہیں کھائی اور قسم نہ کھانے کے فدیہ میں ایک ہزار درہم دیئے اسی کو بذل کہتے ہیں۔ یعنی چیز تو میری ہی ہے لیکن چلو تم کو دے دیتا ہوں اور قسم نہیں کھاتا ہوں (۲) دوسرے قول تابعی میں ہے۔ سئل الزهری عن الرجل يقع عليه اليمين فيريد ان يفتدى يمينه قال قد كان يفعل قد افتدى عبيد السهام فى امارة مروان واصحاب رسول الله ﷺ بالمدينة كثير افتدى يمينه بعشرة آلاف (مصنف عبد الرزاق، باب من یجب علیہ التکفیر ج ثامن ص ٥٠٢ نمبر ١٦٠٥٤ / دار قطنی، کتاب فی الاضحیۃ والاحکام ج رابع ص ١٥٨ نمبر ٤٥٥٠) اس قول تابعی میں تذکرہ ہے کہ اصحاب رسول قسم کے بدلے دس ہزار درہم کا فدیہ دیتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ قسم سے انکار کرنا بذل ہے اور فدیہ ہے۔

فائده : صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ قسم کھانے سے انکار کرنا اقرار کرنا ہے، گویا کہ دبے زبان میں اقرار کر رہا ہے کہ یہ چیز حقیقت میں آپ ہی کی ہے اسی لئے میں قسم نہیں کھاتا ہوں۔ اور جب آپ کی ہے تو آپ کو قاضی دے دیں۔

وجہ: (۱) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده عن النبى ﷺ قال اذا ادعت المرأة طلاق زوجها فجاء ت على ذلك بشاهد عدل استحلف زوجها فان حلف بطلت شهادة الشاهد وان نكل فنكوله بمنزلة شاهد آخر وجاز طلاقه (ابن ماجہ شریف، باب الرجل یجحد الطلاق ص ٢٩٢ نمبر ٢٠٣٨ / دار قطنی، کتاب الوکالۃ ج رابع ص ٩٦ نمبر ٤٢٩٥) اس حدیث میں ہے کہ مدعی علیہ کا قسم سے انکار کرنا اقرار کرنے کے درجے میں ہے اور دوسری گواہی کی درجے میں ہے۔ ان دونوں اصولوں کو سامنے رکھ کر نو مسائل کا حل اس طرح ہے۔

[۱] نکاح : نکاح کی صورت یہ ہے کہ مثلا شوہر دعوی کرے کہ فلاں عورت سے میری شادی ہوئی ہے اور عورت اس کا انکار کرتی ہے۔ اور شوہر کے پاس بینہ نہیں ہے۔ اب عورت کو قسم کھلائیں۔ اور اس نے قسم کھانے سے انکار کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ نکاح تو نہیں ہوا ہے لیکن چلو میری شرمگاہ تم استعمال کرو۔ اور شرعی اعتبار سے ایسا نہیں کر سکتی کہ بغیر نکاح کے اپنے آپ کو بذل کے طور پر استعمال کرنے دے۔ اس لئے عورت کو قسم ہی نہیں دیں گے بلکہ بینہ نہ ہونے کی وجہ سے نکاح ثابت ہی نہیں کریں گے۔

فائده : صاحبینؒ کے نزدیک قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اقرار کرتی ہوں کہ شوہر کی بات صحیح ہے اور نکاح ہوا ہے۔ اور جب اقرار کر لیا نکاح ہوا ہے تو اپنے آپ کو استعمال کرنے بھی دے گی۔ اس لئے صاحبینؒ کے نزدیک مدعی علیہا کو قسم کھلائیں گے۔

[۲] رجعت : رجعت کی صورت یہ ہوگی کہ شوہر نے بیوی کو طلاق رجعی دی۔ عدت گزر جانے کے بعد شوہر دعوی کرتا ہے کہ میں نے عدت کے اندر رجعت کر لی تھی۔ اور عورت انکار کرتی ہے کہ رجعت نہیں کی تھی۔ شوہر کے پاس بینہ نہیں ہے۔

اب امام صاحب کے نزدیک عورت کو قسم نہیں کھلائیں گے بلکہ بغیر قسم کے ہی فیصلہ کر دیں گے کہ رجعت نہیں ہوئی تھی۔

وجہ: اگر قسم کھلائیں اور عورت قسم کھانے سے انکار کر جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رجعت تو نہیں ہوئی ہے اور نہ میں تمہاری بیوی ہوں۔لیکن چلو بذل کے طور پر تم مجھے استعمال کرتے رہو۔اور رجعت نہ ہو تو بذل کے طور پر اور فدیہ کے طور پر اپنے آپ کو استعمال کرنے نہیں دے سکتی۔اس لئے قسم ہی نہیں لی جائے گی۔

نوٹ: اگر جسم کے بجائے مال ہوتا تو بذل کے طور پر اس کو استعمال کرنے دینا جائز ہے اس لئے وہاں قسم کھلائی جائے گی۔

فائدہ: صاحبین کے نزدیک قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ میں دبے زبان اقرار کرتی ہوں کہ شوہر نے عدت میں رجعت کی تھی اور میں اس کی بیوی ہوں۔اس لئے صاحبینؒ کے نزدیک رجعت میں عورت سے قسم لی جائے گی۔

نوٹ: اگر عدت کے اندر شوہر نے کہا کہ میں نے رجعت کی ہے اور عورت نے انکار کیا تو اگر چہ اس سے پہلے رجعت نہیں ہوئی ہے لیکن ابھی شوہر کے کہنے سے ہی رجعت ہو جائے گی۔

[٣] ایلاء میں فئ: شوہر نے بیوی سے کہا کہ میں چار ماہ تک تمہارے قریب نہیں جاؤں گا اس کو ایلاء کہتے ہیں۔ اب اگر چار ماہ کے اندر بیوی کے پاس نہیں گیا تو بیوی کو طلاق بائنہ واقع ہوگی اور نکاح ختم ہو جائے گا۔چار ماہ کے اندر بیوی کے پاس نہ جانے کو فئ کہتے ہیں۔عدت گزر جانے کے بعد شوہر کہتا ہے کہ میں نے چار ماہ کے اندر فئ کی تھی۔بیوی انکار کرتی ہے۔شوہر کے پاس بینہ نہیں ہے تو بیوی کو اس بارے میں قسم نہیں کھلائیں گے۔کیونکہ قسم سے انکار کرنے کا معنی بذل ہوگا۔یعنی میں تمہاری بیوی تو نہیں ہوں کیونکہ چار ماہ کے اندر فئ نہیں کی۔لیکن چلو اپنے آپ کو استعمال کرنے دیتی ہوں۔چونکہ نکاح کے بغیر اپنے آپ کو استعمال کرنے نہیں دے سکتی اس لئے حنفیہ کے نزدیک عورت پر قسم نہیں ہوگی۔

فائدہ: صاحبین کے نزدیک قسم سے انکار کا مطلب اقرار ہے۔یعنی دبے زبان اقرار کر رہی ہے کہ واقعی آپ نے چار ماہ کے اندر فئ کی تھی اور میں آپ کی بیوی ہوں اس لئے ان کے نزدیک ایلاء کے فئ میں قسم کھلائیں گے۔

نوٹ اگر چار ماہ کے اندر شوہر کہے کہ میں نے فئ کی ہے تو پہلے فئ نہیں ہوئی البتہ ابھی اس کہنے سے فئ ہو جائے گی۔

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ نکاح برقرار رہے بغیر اپنے آپ کو سپرد نہیں کر سکتی، جسم مال نہیں ہے کہ بذل کر دے۔

[٤] الرق: غلام ہونے یا غلام بننے کا دعوی۔ایک آدمی مجہول الحال ہے۔اس کے بارے میں ایک آدمی کہتا ہے کہ یہ میرا غلام ہے اور مجہول الحال آدمی اس کا انکار کرتا ہے۔دعوی کرنے والے کے پاس بینہ نہیں ہے۔اب غلام سے قسم کھلائیں اور وہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں تمہارا غلام تو نہیں ہوں لیکن چلو اپنے آپ کو تمہاری غلامیت میں دے دیتا ہوں۔لیکن کوئی بھی آدمی اپنے آپ کو غلام نہیں بنا سکتا، جسم مال نہیں ہے کہ بذل کر دے۔اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غلام کو قسم نہیں دے سکتا۔

فائدہ: صاحبینؒ کے نزدیک قسم کھانے سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ دبے زبان اقرار کرتا ہوں کہ میں اس کا غلام ہوں اور پہلے سے غلام ہو تو اس کا اقرار کر سکتا ہے۔

[٥] الاستیلاد : استیلاد کی صورت یہ ہے کہ باندی کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ کیونکہ میں نے اس کو تم سے پیدا کیا ہے۔ اور آقا انکار کرے۔ عورت کے پاس بینہ نہ ہو۔ اب آقا کو قسم دے اور وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بذل ہوگا یعنی یہ بچہ آپ کا تو نہیں ہے لیکن چلو آپ سے نسب ثابت کر دیتا ہوں۔ اور نسب ثابت کرنے کا مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ بچہ اس کا نہ بھی ہو پھر بھی اس سے نسب ثابت کر دے۔ اس لئے آقا سے استیلاد کے سلسلے میں قسم نہیں کھلائی جائے گی۔

فائدہ : صاحبینؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں دبے زبان سے اقرار کرتا ہوں کہ بچہ آپ کا ہی ہے۔ جب بچہ حقیقت میں آقا کا ہو تو اس سے نسب ثابت کرنے میں کائی حرج نہیں ہے۔

[٦] النسب : ایک آدمی دعوی کرے کہ یہ آدمی میرا لڑکا ہے اور میں اس کا باپ ہوں۔ اور وہ اس کا انکار کرے اور دعوی کرنے والے کے پاس گواہ نہ ہو تو اس آدمی کو قسم نہیں کھلائیں گے، کیونکہ قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ میں تمہارا بیٹا تو نہیں ہوں لیکن چلو بیٹا بن جاتا ہوں۔ اور بیٹا نہ ہو اور بذل کے طور پر نسب ثابت کر دے تو جائز نہیں ہے۔ حدیث میں منع فرمایا ہے۔ اس لئے نسب کے سلسلے میں لڑکے کو قسم نہیں دی جائے گی۔

فائدہ : صاحبین کے نزدیک قسم سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ دبے زبان اقرار کر رہا ہے کہ حقیقت میں میں آپ کا بیٹا ہوں اس لئے لڑکے سے قسم لے سکتا ہے۔

[٧] الولاء : آزاد کردہ غلام مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو وہ مال آزاد کرنے والے آقا کو ملتا ہے اس مال کو ولاء کہتے ہیں۔ یہاں ولاء کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی پر دعوی کرے کہ یہ میرا آزاد کردہ غلام ہے اور اس کا ولاء مجھے ملے گا۔ وہ اس کو انکار کرے کہ میں اس کا آزاد کردہ غلام نہیں ہوں اور نہ میری ولاء اس کو ملے گی۔ دعوی کرنے والے کے پاس بینہ نہیں ہے۔ اب مدعی علیہ کو قسم کھلائیں اور وہ قسم کھانے سے انکار کر جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں تمہارا آزاد کردہ غلام تو نہیں ہوں لیکن چلو بن جاتا ہوں۔ تو شرعی اعتبار سے ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ آزاد جان کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔ اس لئے مدعی علیہ کو ولاء کی قسم بھی نہیں کھلا سکتا۔

فائدہ : صاحبینؒ کے نزدیک قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ دبے زبان اس کا اقرار کرتا ہوں کہ میں اس کا آزاد کردہ غلام ہوں اور میری ولاء ان کو ملنی چاہیئے۔ اور حقیقت میں آزاد کردہ غلام ہو تو قسم دی جا سکتی ہے۔

[٨] الحدود : کوئی آدمی کسی آدمی پر دعوی کرے کہ میرا تمہارے اوپر حد قذف ہے۔ اور دوسرا آدمی اس کا انکار کرے اور دعوی کرنے والے کے پاس گواہی نہیں ہے تو مدعی علیہ کو قسم نہیں کھلوائیں گے۔ کیونکہ قسم کھانے سے انکار کر جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجھ پر آپ کا حد قذف تو نہیں ہے لیکن چلو اسی ٨٠ کوڑے مار لیں۔ ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ جسم ایسی چیز نہیں ہے جس کو بذل کے طور پر کوڑے اور حد لگانے کے لئے پیش کیا جا سکے (٢) دوسری وجہ یہ ہے کہ حد قذف میں حد کا شائبہ ہے اور حدود شبہ سے بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ اس لئے قسم سے انکار کے بعد بھی حد ساقط ہو جائے گی۔

فائدہ : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ دبے زبان اقرار کرتا ہوں کہ مجھ پر حد قذف ہے۔ اور دبے

وَاللِّعَانِ .وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفُ وَمُحَمَّدٌ : يُسْتَحْلَفُ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ إِلَّا فِي الْحُدُودِ وَاللِّعَانِ .٣ وَصُورَةُ الِاسْتِيلَادِ أَنْ تَقُولَ الْجَارِيَةُ أَنَا أُمُّ وَلَدٍ لِمَوْلَايَ وَهَذَا ابْنِي مِنْهُ وَأَنْكَرَ الْمَوْلَى، لِأَنَّهُ لَوْ ادَّعَى الْمَوْلَى ثَبَتَ الِاسْتِيلَادُ بِإِقْرَارِهِ وَلَا يُلْتَفَتُ إِلَى إِنْكَارِهَا .٤ لَهُمَا أَنَّ النُّكُولَ إِقْرَارٌ لِأَنَّهُ يَدُلُّ عَلَى كَوْنِهِ كَاذِبًا فِي الْإِنْكَارِ عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ، إِقْرَارًا أَوْ بَدَلًا عَنْهُ، وَالْإِقْرَارُ يَجْرِي فِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ

زبان اقرار میں عدم اقرار کا شبہ ہے اور شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

[۹] لعان : اس کی صورت یہ ہے کہ عورت شوہر پر دعوی کرتی ہے کہ آپ نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور آپ پر لعان ہے۔اور شوہر اس کا انکار کرتا ہے۔عورت کے پاس بینہ نہیں ہے تو شوہر سے قسم نہیں لی جائے گی۔

وجہ:(۱) کیونکہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ لعان تو نہیں ہے لیکن چلو کر لیتا ہوں اور ایسا کر نہیں سکتا (۲) نیز لعان مرد کی جانب سے حد کے درجے میں ہے اور حد شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے اس لئے لعان بھی ساقط ہو جائے گا۔ اس لئے شوہر سے قسم نہیں لی جائے گی۔ یہ مسئلہ بھی بالاتفاق ہے۔

ترجمہ:٣ ام ولد بنانے کی صورت یہ ہے کہ باندی کہے کہ میں اپنے آقا کی ام ولد ہوں اور یہ بچہ جو پیدا ہوا ہے وہ میرے آقا سے پیدا ہوا ہے، اور آقا اس کا انکار کرے۔اور اگر آقا نے اقرار کر لیا کہ یہ بچہ میرا ہے تو باندی اس کی ام ولد بن جائے گی، اور باندی کے انکار کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔

تشریح : یہاں صورت یہ ہے کہ آقا اقرار کر لے کہ یہ لڑکا میرا ہے تو باندی اس کی ام ولد بن جائے گی اور باندی کے انکار سے کچھ نہیں ہوگا، اس لئے صورت یہ بتا رہے ہیں کہ باندی دعوی کرے اور آقا انکار کرے کہ یہ باندی میری ام ولد نہیں ہے، اور باندی کے پاس اس پر گواہ نہیں ہے تو آقا کو قسم نہیں کھلایا جائے گا، کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ لڑکا میرا تو نہیں ہے، لیکن چلو یہ اپنا نسب مجھ سے ثابت کر لے، اور یہ نہیں کر سکتا، اس لئے آقا سے قسم بھی نہیں کھلا سکتا۔

ترجمہ:٤ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کیا تو وہ اقرار کرنا ہے کہ مدعی کی بات سچ ہے، اس لئے کہ یہ دلالت کرتی ہے کہ انکار کرنے میں میں جھوٹا ہوں جیسے کہ پہلے گزر گیا، اس لئے یہ اقرار ہے، یا اقرار کا بدلہ ہے، اور ان چیزوں میں اقرار جاری ہوتا ہے۔لیکن اس اقرار میں شبہ ہے اور حدود شبہات سے ختم ہو جاتی ہے اور لعان بھی حد کے معنی میں ہے، [اس لئے حد اور لعان میں بالاتفاق قسم نہیں کھلائی جائے گی۔

تشریح : اوپر گزر چکا ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک مدعی علیہ کے قسم کھانے سے انکار کا مطلب ہوتا ہے کہ ہاں یہ چیز تمہاری ہے، اس لئے میں قسم نہیں کھا رہا ہوں، اور ان سات چیزوں میں مدعی کے لئے اقرار کر سکتا ہے اس لئے اس میں قسم کھلائی جائے گی۔البتہ مدعی کے لئے اقرار صراحت کے ساتھ نہیں ہے اس میں شبہ ہے، اور حدود شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے اس لئے حدود میں قسم نہیں کھلائی جائے گی، اور لعان بھی حدود کے درجے میں ہے اس لئے لعان میں بھی قسم نہیں کھلائی جائے گی۔

لَكِنَّهُ إِقْرَارٌ فِيهِ شُبْهَةٌ، وَالْحُدُودُ تَنْدَرِءُ بِالشُّبُهَاتِ، وَاللِّعَانُ فِي مَعْنَى الْحَدِّ ۵ وَلِأَبِي حَنِيفَةَؒ أَنَّهُ بَذْلٌ لِأَنَّ مَعَهُ لَا يَبْقَى الْيَمِينُ وَاجِبَةً لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ وَإِنْزَالُهُ بَاذِلًا أَوْلَى كَيْ لَا يَصِيرَ كَاذِبًا فِي الْإِنْكَارِ .وَالْبَذْلُ لَا يَجْرِي فِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ ٦ وَفَائِدَةُ الِاسْتِحْلَافِ الْقَضَاءُ بِالنُّكُولِ فَلَا يُسْتَحْلَفُ، ۷ إِلَّا أَنَّ هَذَا بَذْلٌ لِدَفْعِ الْخُصُومَةِ فَيَمْلِكُهُ الْمُكَاتَبُ وَالْعَبْدُ الْمَأْذُونُ بِمَنْزِلَةِ الضِّيَافَةِ الْيَسِيرَةِ، وَصِحَّتُهُ فِي الدَّيْنِ بِنَاءً عَلَى زَعْمِ الْمُدَّعِي وَهُوَ يَقْبِضُهُ حَقًّا لِنَفْسِهِ، وَالْبَذْلُ مَعْنَاهُ هَاهُنَا

ترجمہ:۵ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قسم کھانے سے انکار کرنا، یوں ہے کہ یہ چیز تمہاری نہیں ہے، لیکن چلو لے لو، یونکہ بذل کریں تو اس کی وجہ سے قسم کھانا ضروری نہیں رہتا، کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا کہ جھگڑا ختم ہو گیا، اور مدعی علیہ کو باذل قرار دینا زیادہ بہتر ہے تا کہ انکار کرنے میں مدعی علیہ جھوٹا نہ ہو، اوران چیزوں میں بذل نہیں چلتی [اس لئے قسم بھی نہیں کھلائی جائے گی

لغت : بذل: کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیز تیری نہیں ہے، لیکن چلو میں اس کو دے دیتا ہوں۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں جھگڑا ختم کرنا مقصود ہے، اور بذل سے بھی جھگڑا ختم ہو جائے گا اس لئے مدعی علیہ کے انکار کو بذل پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے، اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اس صورت میں مدعی علیہ جھوٹا قرار نہیں پائے گا، اوران چیزوں میں بذل نہیں ہوسکتا، یعنی نہیں ہوسکتا کہ نکاح تو نہیں ہوا ہے، لیکن چلو میرے جسم کو استعمال کر لو، اس لئے ان ساتوں معاملوں میں قسم نہیں کھلائی جائے گی۔

ترجمہ : ٦ قسم کھلانے کا فائدہ یہ ہے کہ مدعی علیہ کے انکار پر مدعی کے لئے اس چیز کے ہونے کا فیصلہ کر دیا جائے، اور یہاں وہ چیز مدعی کے لئے جائز نہیں ہے اس لئے قسم بھی نہیں کھلائی جائے گی۔

تشریح : اوپر کی سات چیزیں مدعی کے لئے جائز نہیں ہیں، اور قسم کھلانے فائدہ یہ تھا کہ مدعی علیہ کے انکار کے بعد یہ سات چیزیں مدعی کے لیے فیصلہ کر دئے جائیں، لیکن جب حلال ہی نہیں ہیں تو فیصلہ کیسے کریں گے، اس لئے قسم بھی نہیں کھلائی جائے گی۔

ترجمہ : ۷ لیکن بذل جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے ہے اس لئے مکاتب غلام اور ماذون غلام بھی اس کو کر سکے گا، جیسے یہ لوگ تھوڑی بہت مہمانی کر سکتے ہیں۔

تشریح : یہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ مکاتب اور وہ غلام جس کو تجارت کی اجازت دی گئی ہے، وہ آقا کے مال میں بذل نہیں کر سکتے، اور نہ اس کو دے سکتے ہیں تو یہ دونوں قسم کھانے سے انکار بھی نہیں کر سکتے۔ تو اس کا جواب دیا کہ یہاں بذل جھگڑا ختم کرنے کے لئے ہے، اور مکاتب کو ماذون غلام کو جھگڑا ختم کرنے کی اجازت ہے اس لئے انکو اجازت ہوگی کہ قسم کھانے سے انکار کر دیں۔ جیسے تھوڑی بہت مہمانی کرنے کی اجازت ہے ایسے ہی قسم کھانے سے انکار کرنے کی بھی اجازت ہوگی۔

ترجمہ : ۸ اور قرض میں قسم کھانے سے انکار کرنا اس لئے صحیح ہے کہ مدعی کے گمان میں یہ ہے کہ میں اپنے حق پر قبضہ کر رہا ہوں ، اور یہاں بذل کا معنی یہ ہے کہ مدعی کو میں لینے سے روک نہیں رہا ہوں، اور مال کا معاملہ آسان ہے اس لئے یہ چل جائے گا۔

تَرْكُ الْمَنْعِ وَأَمْرُ الْمَالِ هَيِّنٌ .
(۷۰۲) قَالَ (وَيُسْتَحْلَفُ السَّارِقُ فَإِنْ نَكَلَ ضَمِنَ وَلَمْ يُقْطَعْ) لِ لِأَنَّ الْمَنُوطَ بِفِعْلِهِ شَيْئَانِ: الضَّمَانُ وَيَعْمَلُ فِيهِ النُّكُولُ . وَالْقَطْعُ وَلَا يَثْبُتُ بِهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا شَهِدَ عَلَيْهِ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ .
(۷۰۳) قَالَ (وَإِذَا ادَّعَتِ الْمَرْأَةُ طَلَاقًا قَبْلَ الدُّخُولِ اُسْتُحْلِفَ الزَّوْجُ، فَإِنْ نَكَلَ ضَمِنَ نِصْفَ الْمَهْرِ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا) لِ لِأَنَّ الِاسْتِحْلَافَ يَجْرِي فِي الطَّلَاقِ عِنْدَهُمْ لَا سِيَّمَا إِذَا كَانَ

تشریح : یہ جملہ بھی ایک اشکال کا جواب ہے۔اشکال یہ ہے کہ بذل تو اس میں ہوتا ہے، کہ کوئی عینی چیز کسی کو دے دے، جیسے کسی کو گیہوں، یا چاول دے دیا، اور قرض تو کوئی عینی چیز نہیں ہے وہ تو معنوی چیز ہے جو مقروض کے ذمے میں ہوتا ہے، اس لئے قرض کے معاملے میں قسم کھانے سے انکار نہیں ہونا چاہئے۔تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہاں بذل کا معنی ہے کہ مدعی کو اپنی چیز لینے سے میں روک نہیں رہا ہوں، وہ اپنی چیز پر قبضہ کر سکتا ہے، اور مدعی سمجھ رہا ہے کہ میں نے اپنی چیز پر قبضہ کیا، اور معنویات میں اس طرح کا قبضہ جائز ہے، اس لئے قرض وغیرہ کے معاملے میں بھی قسم کھانے سے انکار کر سکتا ہے، اور مال کا معاملہ تو آسان ہے اس لئے اس میں یہ بذل چل جائے گا۔

ترجمہ :(۷۰۲) چور کو بھی قسم کھلائی جائے گی، اگر وہ انکار کر دے تو وہ مال کا ضامن ہوگا، لیکن اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ :لِ اس لئے کہ اس کی چوری کے دو مطلب ہیں [۱] ایک ہے مال کا ضمان، قسم کھانے سے انکار پر مال کا ضمان لازم ہوگا۔[۲] اور دوسرا ہے ہاتھ کاٹنا، قسم کھانے سے انکار پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، تو ایسا ہو گیا کہ چوری پر ایک مرد اور دو عورتوں نے گواہی دی [تو اس میں مال لازم ہوتا ہے، لیکن ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔

تشریح: چوری کرنے کی دو حیثیتیں ہیں۔[۱] ایک تو یہ ہے کہ چوری کرنے سے مال لازم ہوتا ہے، پس اگر چور نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اس پر چوری کا مال لازم ہو جائے گا، کیونکہ یہ مال کا معاملہ ہے اس میں بذل چلتا ہے۔[۲] اس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے یہ حد ہے، اور حد شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے، اس لئے چور قسم کھانے سے انکار کرے تو اس سے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔جس طرح ایک مرد اور دو عورتوں نے چوری کی گواہی دی تو اس سے چور پر مال لازم ہو جائے گا، لیکن ہاتھ نہیں کاٹا جائے، ایسا ہی یہاں ہوگا۔

لغت: منوط: ناط سے مشتق ہے، متعلق ہے۔

ترجمہ:(۷۰۳) عورت نے دخول سے پہلے طلاق دینے کا دعوی کیا تو شوہر سے قسم لی جائے گی، پس اگر قسم کھانے سے انکار کر دیا تب بھی شوہر آدھے مہر کا ضامن ہوگا۔

ترجمہ:لِ یہ معاملہ بالاتفاق ہے اس لئے کہ سب کے نزدیک طلاق میں قسم لی جاتی ہے، خاص طور پر اگر دعوی کا مقصد مال وصول کرنا ہو۔

الْمَقْصُودُ هُوَ الْمَالُ، ٢ وَكَذَا فِي النِّكَاحِ إِذَا ادَّعَتْ هِيَ الصَّدَاقَ لِأَنَّ ذَلِكَ دَعْوَى الْمَالِ، ثُمَّ يَثْبُتُ الْمَالُ بِنُكُولِهِ وَلَا يَثْبُتُ النِّكَاحُ، ٣ وَكَذَا فِي النَّسَبِ إِذَا ادَّعَى حَقًّا كَالْإِرْثِ وَالْحِجْرِ فِي

اصول : یہاں دو باتوں کا دعوی ہے، ایک دعوی ہے، براہ راست مال وصول کرنے کا، اور اس میں بذل چلتا ہے، اس لئے سب کے نزدیک شوہر کو قسم کھلائی جائے گی، اور قسم کھانے سے انکار کرنے پر مال لازم ہو جائے گا۔ اور دوسرا دعوی ہے طلاق، نکاح، نسب، پائے ہوئے بچے کو گود لینا، نفقہ، ہبہ میں رجوع کرنا، اس میں قسم کھانے سے انکار کرنے پر طلاق بھی لازم ہو جائے گی۔ اور باقی چیزیں لازم نہیں ہوگی۔

تشریح : یہاں متن اور شرح میں ملا کر چھ مسئلوں کا ذکر کر رہے ہیں، اور سب کی بنیا یہ ہے کہ ہر مسئلے میں دو قسم کا دعوی ہے، ایک دعوی ہے مال کا جو بذل ہے، قسم کھانے سے انکار پر وہ لازم ہو جائے گا، دوسرا دعوی ہے، طلاق، نکاح، نسب، پائے ہوئے بچے کو گود لینا، نفقہ، ہبہ میں رجوع کرنا، ان میں سے قسم کھانے سے انکار میں طلاق ثابت ہو جائے گی، باقی ثابت نہیں ہوگی۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ، عورت نے دخول سے پہلے طلاق دینے کا دعوی کیا، اس کے پاس گواہ نہیں تھے اس لئے شوہر سے قسم کھانے کے لئے کہا، شوہر نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو طلاق بھی واقع ہو جائے گی، اور اس پر آدھا مہر لازم ہوگا۔

وجہ : طلاق میں سب کے نزدیک قسم ہے، اس لئے قسم کھلائی جائے گی، اور قسم کھانے سے انکار پر مال لازم ہوگا، اور طلاق بھی لازم ہو جائے گی۔

ترجمہ : ٢ ایسے نکاح میں بھی شوہر سے قسم کھلائی جائے گی، اگر عورت مہر کا دعوی کرتی ہو، اس لئے کہ یہاں مال کا دعوی ہے اور مال قسم کھانے سے انکار سے ثابت ہو جاتا ہے، لیکن نکاح ثابت نہیں ہوگا۔

تشریح : یہ دوسرا مسئلہ ہے۔ بیوی نے مہر کا دعوی کیا، جس کی وجہ سے ساتھ یہ بھی دعوی ہو جائے گا کہ اس نے مجھ سے نکاح کیا ہے، اب عورت کے پاس گواہ نہیں تھا اس لئے شوہر کو قسم کھانے کے لئے کہا، شوہر نے قسم کھانے سے انکار کیا تو اس سے مہر ثابت ہو جائے گا، لیکن نکاح ثابت نہیں ہوگا۔

وجہ : مال میں بذل چلتا ہے اس لئے قسم سے انکار سے وہ ثابت ہو جائے گا، لیکن اپنے جسم کو دوسرے کو دینے میں بذل نہیں چلتا، اس لئے قسم سے انکار کرنے سے نکاح ثابت نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ٣ ایسے ہی جب دعوی کرے ایسے حق کا جس میں نسب بھی ثابت ہو جاتا ہو [تو نسب ثابت نہیں ہوگا، لیکن مال لازم ہو جائے گا، اس کی چار مثالیں ہیں] [١] مثلا وارث ہونے کا دعوی کرے۔ [٢] یا پائے ہوئے بچے کے گود لینے کا دعوی کرے، [٣] یا نفقہ کا دعوی کرے۔ [٤] یا ہبہ کو واپس لینے کا حق نہیں، اس کا دعوی کرے، اس لئے کہ ان تمام میں مقصود مال ہے۔

اصول : یہاں چار مسئلوں کو ایک ساتھ بیان کئے ہیں، اور سب کی بنیاد یہ ہے کہ نسب میں بذل جائز نہیں ہے، اس لئے قسم کھانے سے انکار کرنے سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اور دوسری چاروں صورتوں میں بذل جائز ہے، اس لئے وہ سب ثابت ہو جائیں گے۔

الـلَّقِيطِ، وَالنَّفَقَةِ وَامْتِنَاعِ الرُّجُوعِ فِي الْهِبَةِ، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هَذِهِ الْحُقُوقُ . ؎۴ وَإِنَّمَا يُسْتَحْلَفُ فِي النَّسَبِ الْمُجَرَّدِ عِنْدَهُمَا إِذَا كَانَ يَثْبُتُ بِإِقْرَارِهِ كَالْأَبِ وَالِابْنِ فِي حَقِّ الرَّجُلِ

تشریح :[**پہلا مسئلہ**] مثلا زید نے عمر پر دعوی کیا کہ خالد ہم دونوں کے والد ہیں، اور والد کا انتقال ہو گیا ہے، اور والد کا مال عمر کے پاس ہے اس لئے اس میں مجھکو وراثت دلوائی جائے، زید کے پاس گواہ نہیں تھا اس لئے عمر سے قسم کھانے کے لئے کہا، اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اس پر وراثت کی تقسیم لازم ہوگی، کیونکہ اس میں بذل جائز ہے، لیکن والد خالد سے نسب ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ نسب ثابت کرنے میں بذل جائز نہیں ہے

[۲] **دوسرا مسئلہ** ۔ الحجر فی اللقیط: عورت گود کا دعوی کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ زید کو ایک چھوٹا بچہ راستے میں ملا، ایک آزاد نے دعوی کیا یہ میرا بھائی ہے، اس لئے اس کو پرورش کرنے کے لئے مجھے دیا جائے، عورت کے پاس بھائی ہونے پر گواہ نہیں تھا، اس لئے زید سے قسم کھانے کے لئے کہا، زید نے قسم کھانے سے انکار کیا، تو یہ بچہ عورت کو دے دیا جائے گا، کیونکہ اس میں بذل جائز ہے، لیکن اس کے باپ سے نسب ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں بذل جائز نہیں ہے۔

[۳] **تیسرا مسئلہ** ؛ نفقہ: اس کی صورت یہ ہے کہ زید اپاہج نے عمر پر دعوی کیا کہ میں اس کا بھائی ہوں اور اپاہج ہوں اس لئے اس پر میرا نفقہ ہے، زید نے قسم کھانے سے انکار کیا تو اس پر نفقہ لازم ہو جائے گا، کیونکہ یہ مال ہے، جس میں بذل جائز ہے، لیکن اس کے باپ سے نسب ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں بذل جائز نہیں ہے۔

[٤] **امتناع الرجوع فی الھبة**: ہبہ کو واپس نہیں لے سکتا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ عمر نے زید کو گائے ہبہ میں دی، اب عمر زید سے گائے واپس لے سکتا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ رشتہ دار سے ہبہ واپس نہیں لے سکتا، اب زید نے دعوی کیا کہ میں عمر کا بھائی ہوں اس لئے گائے واپس لینے کا حق نہیں ہے، زید کے پاس گواہ نہیں تھا اس لئے عمر سے قسم کھانے کے لئے کہا، اس نے انکار کیا تو عمر گائے واپس نہیں لے سکتا، کیونکہ یہ مال ہے جس میں بذل جائز ہے، لیکن اس کے باپ سے نسب ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں بذل جائز نہیں ہے۔ یہ چار مسئلے ہیں جو یہاں ایک ساتھ بیان کر دئے گئے ہیں۔ انکو غور سے یاد رکھیں

ترجمہ :؎۴ صاحبینؒ کے یہاں نسب مجرد میں قسم لی جا سکتی ہے، نسب مجرد کا مطلب یہ ہے کہ جب خود اس کے اقرار سے نسب ثابت ہو جاتا ہو، جیسے باپ ہونے کا اقرار کرلے، یا بیٹا ہونے کا اقرار کرلے۔ یا عورت کے باپ ہونے کا دعوی کرے

تشریح: یہاں صاحبین اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان اختلاف کا ذکر فرما رہے ہیں۔ عبارت پیچیدہ ہے غور سے سمجھیں۔

لغت : النسب المجر د: زید اقرار کرے کہ عمر میرا بھائی ہے تو یہ نسب المجر د نہیں ہے، کیونکہ بھائی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میرے باپ کا بیٹا ہے، اس میں دوسرے پر [یعنی باپ پر] نسب ہونے کا الزام ہے، لیکن زید کہے کہ عمر میرا بیٹا ہے، تو اس میں خود اپنے ساتھ نسب ثابت کرنا ہے۔ یا عمر اقرار کرے کہ زید میرا باپ ہے، تو عمر اپنا نسب زید سے ثابت کر رہا ہے، ان دو صورتوں کو نسب المجر د، کہتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے یہاں نسب المجر د، اور غیر مجرد دونوں میں قسم لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں بذل جائز نہیں ہے۔ اور صاحبینؒ کے

۵ وَالْأَبِ فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ، لِأَنَّ فِي دَعْوَاهَا الِابْنَ تَحْمِيلَ النَّسَبِ عَلَى الْغَيْرِ ۶ وَالْمَوْلَى وَالزَّوْجِ فِي حَقِّهِمَا.

یہاں نسب المجرد، یعنی باپ ہونے یا بیٹا ہونے میں قسم لی جاسکتی ہے، کیونکہ دوسرے پر نسب کا ثبوت نہیں ہے، لیکن نسب غیر مجرد میں قسم لینا انکے یہاں بھی جائز نہیں ہے۔ مثلا زید دعوی کرے کہ عمر میرا باپ ہے، اور اس کو ثابت کرنے کے لئے زید کے پاس گواہ نہیں ہیں تو صاحبینؒ کے نزدیک عمر کو قسم کھلائی جائے گی، اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو زید کا نسب عمر سے ثابت ہو جائے گا۔

وجہ: یہ نسب مجرد ہے، یعنی باپ اقرار کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس سے بیٹا ہونا ثابت ہو جائے گا، اور قسم کھانے سے انکار کرے تو یہ بھی صاحبینؒ کے یہاں بذل کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اقرار کرنے کے معنی میں ہے، اور براہ راست اقرار کرنے سے یہ نسب ثابت ہوتا ہے، اس لئے قسم کھانے سے اقرار کرنے سے بھی یہ نسب ثابت ہو جائے گا۔

اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں قسم سے انکار کرنا بذل کے معنی میں ہے، اور نسب میں بذل نہیں کر سکتا، اس لئے باپ اور بیٹے کی صورت میں بھی قسم نہیں کھلائی جائے گی۔

ترجمہ: ۵ عورت باپ ہونے کا دعوی کرے [تو باپ کو قسم کھلائی جائے گی] اس لئے کہ بیٹا ہونے کا دعوی کرے تو دوسرے پر نسب کو ڈالنا ہے [اس لئے قسم نہیں کھلائی جائے گی]۔

تشریح: عورت کہے کہ زید میرا باپ ہے، اور عورت کہے کہ خالد میرا بیٹا ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے اس کو بیان کر رہے ہیں۔۔ عورت یوں دعوی کرے کہ زید میرا باپ ہے تو یہ نسب مجرد ہے، باپ اقرار کر لے کہ یہ عورت میری بیٹی ہے تو وہ بیٹی ہو جائے گی، اس میں دوسرے پر نسب ڈالنا نہیں ہے، اس لئے اگر عورت کے پاس گواہ نہیں ہے تو زید سے قسم لی جاسکتی ہے لیکن اگر عورت یہ دعوی کرے کہ خالد میرا بیٹا ہے، تو ساتھ ہی اس نے یہ بھی دعوی کیا کہ میرے شوہر کے ساتھ اس کا نسب ثابت ہے، اس میں غیر پر نسب کا ڈالنا ہے، اور یہ نسب مجرد نہیں ہے، اس لئے صاحبینؒ کے نزدیک بھی خالد سے قسم نہیں لی جائے گی۔

لغت: تحميل النسب على الغير: دوسرے پر نسب ڈالنا، یعنی ایسا دعوی کرے جس سے دوسرے سے نسب ثابت ہو جائے، جیسے زید کہے کہ عمر میرا بھائی ہے تو زید عمر کا نسب اپنے باپ سے ثابت کر رہا ہے، اسی کو تحمیل النسب علی الغیر، کہتے ہیں۔ یہاں عورت جب یہ کہہ رہی ہے کہ خالد میرا بیٹا ہے، تو خالد کا نسب اپنے شوہر سے ثابت کر رہی ہے، کیونکہ نسب شوہر سے ثابت ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۶ آقا کا اقرار کرے یا شوہر کا اقرار کرے یہ بھی انہیں دونوں کے حق میں ہے، دوسرے پر نسب ڈالنا نہیں ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ نسب کا ثبوت نہ ہو بلکہ کسی اور تعلق ہونے کا دعوی ہو تو غیر پر نسب ڈالنا نہیں ہے، اس لئے قسم کھانے سے انکار کرنے والے سے وہ تعلق ثابت ہو جائے گا۔

تشریح: یہاں تین صورتیں ہیں۔ ہر ایک کو غور سے سمجھیں۔

[۱] زید دعوی کرتا ہے کہ عمر میرا آقا ہے، اور اس کو ثابت کرنے کے لئے زید کے پاس گواہ نہیں ہیں تو عمر کو قسم کھلائی جائے گی، اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو عمر زید کا آقا ثابت ہو جائے گا۔

(۴۰۷) قَالَ (وَمَنِ ادَّعَی قِصَاصًا عَلَی غَیْرِہِ فَجَحَدَہُ اُسْتُحْلِفَ) (بِالْإِجْمَاعِ) (ثُمَّ إِنْ نَکَلَ عَنْ

وجہ:(۱) آقا کا ثابت کرنا، یا آقا ہونے کا اقرار کرنا دوسرے پر نسب ڈالنا نہیں ہے، بلکہ خود کا آقا بننا یا آقا بنانا ہے، اس لئے یہ قسم سے انکار کرنے پر آقا ہونا ثابت ہو جائے گا۔(۲) دوسری بات یہ ہے کہ آقا ہونا، یا شوہر ہونا نسب نہیں ہے، بلکہ ایک تعلق کا اظہار ہے، اس لئے تحمیل النسب علی الغیر نہیں ہے۔

[۲] عورت دعوی کرتی ہے کہ زید میرا شوہر ہے، تو اس میں دوسرے پر نسب ڈالنا نہیں ہے، بلکہ اپنے حق میں شوہر بنانا ہے، اس لئے عورت کے پاس گواہ نہ ہو تو شوہر سے قسم کھلائی جائے گی، اور قسم کھانے سے انکار کرے تو شوہر بن جائے گا، دلیل پہلے گزر چکی ہے۔

[۳] زید دعوی کرتا ہے کہ عائشہ میری بیوی ہے، اور اس کو ثابت کرنے کے لئے اس کے پاس گواہ نہیں ہے، تو عائشہ سے قسم لی جائے گی، اگر قسم کھانے سے انکار کیا تو بیوی بن جائے گی، کیونکہ اس میں دوسرے پر نسب ڈالنا نہیں ہے۔

ترجمہ:(۴۰۷) کسی نے دوسرے پر قصاص کا دعوی کیا۔ پس اس نے انکار کیا تو سب کے نزدیک قسم کھلائی جائے گی۔ پس اگر قسم سے انکار کیا جان کے علاوہ میں تو اس کو قصاص لازم ہوگا۔ اور اگر انکار کیا جان کے بارے میں تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ اقرار کرے یا قسم کھائے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عضو بعض مقام پر مال کے درجے میں ہے۔ اور جان کسی حال میں بھی مال کے درجے میں نہیں ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک عضو مال کے درجے میں نہیں ہے۔ آگے کا مسئلہ اسی اصول پر متفرع ہے۔

تشریح: ایک آدمی نے دوسرے آدمی پر قصاص کا دعوی کیا۔ دعوی کرنے والے کے پاس بینہ نہیں ہے تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔ پس اگر قسم کھانے سے انکار کر جائے تو دیکھیں کہ جان کے قصاص کے بارے میں دعوی ہے یا اعضاء کے قصاص کے بارے میں دعوی ہے۔ پس اگر جان کے علاوہ یعنی اعضاء کے قصاص کے بارے میں دعوی ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اعضاء کا درجہ مال کا درجہ ہے اس لئے جس طرح مال میں بذل کر سکتا ہے یعنی قسم کھانے سے انکار کرے تو یوں سمجھا جائے گا کہ یہ مال تمہارا نہیں ہے لیکن چلو دے دیتا ہوں۔ اسی طرح اعضاء کے بارے میں بھی ہوگا کہ اعضاء میں قصاص تو نہیں ہے لیکن چلو قصاص کے لئے اس عضو کو کاٹ لو یہ کر سکتا ہے۔ جیسے آپریشن کے وقت عضو کاٹنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ ایسے ہی قصاص کے لئے کاٹنے کی اجازت دے سکتا ہے اور بذل کر سکتا ہے۔ اس لئے مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کا مطلب بذل ہوگا کہ مجھ پر قصاص تو نہیں ہے لیکن چلو میرا عضو کاٹ لو۔

اور اگر قصاص کا دعوی جان کے بارے میں ہے تو جان مال کے درجے میں نہیں ہے۔ اس میں بذل نہیں چلتا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھ پر قصاص تو نہیں ہے لیکن چلو میری جان مار دو۔ اس لئے جان کے قصاص کے بارے میں قسم کھلائے اور قسم سے انکار کر جائے تو ابھی قصاص لازم نہیں ہوگا بلکہ مدعی علیہ کو قید کیا جائے گا تاکہ یا قصاص کا اقرار کرے یا قسم کھا کر کہے کہ مجھ پر قصاص نہیں ہے۔ تاکہ اگر اقرار کیا تو قصاص لازم ہوگا اور قسم کھا کر انکار کر دیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔

الْيَمِينِ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ يَلْزَمُهُ الْقِصَاصُ، وَإِنْ نَكَلَ فِي النَّفْسِ حُبِسَ حَتَّى يَحْلِفَ أَوْ يُقِرَّ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، ١ وَقَالَا: لَزِمَهُ الْأَرْشُ فِيهِمَا لِأَنَّ النُّكُولَ إِقْرَارٌ فِيهِ شُبْهَةٌ عِنْدَهُمَا فَلَا يَثْبُتُ بِهِ الْقِصَاصُ وَيَجِبُ بِهِ الْمَالُ، خُصُوصًا إِذَا كَانَ امْتِنَاعُ الْقِصَاصِ لِمَعْنًى مِنْ جِهَةِ مَنْ عَلَيْهِ ٢ كَمَا إِذَا أَقَرَّ بِالْخَطَأِ وَالْوَلِيُّ يَدَّعِي الْعَمْدَ. ٣ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْأَطْرَافَ يُسْلَكُ بِهَا مَسْلَكَ

ترجمہ: ١ اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ دونوں صورتوں میں اس کو دیت لازم ہوگی۔ اس لئے کہ قسم کھانے سے انکار کرنے میں اقرار کرنے کا شبہ ہے، اور قصاص شبہ سے ثابت نہیں ہوتا، اور قسم کھانے سے انکار کی وجہ سے مال واجب ہوگا۔ اس کی خاص وجہ یہ بھی ہے کہ جس پر دعوی تھا اس کی جانب سے انکار ہے۔

تشریح: صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قصاص چاہے عضو کا ہو چاہے پوری جان کا ہو ہے قصاص ہی۔ اور قصاص شبہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ جب مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دبے زبان اقرار کرتا ہوں کہ مجھ پر قصاص ہے۔ اور دبے زبان اقرار کرنے میں شبہ ہے کہ قصاص کا اقرار کرتا ہوں۔ اور شبہ سے نہ جان کا قصاص ثابت ہوگا اور نہ عضو کا قصاص ثابت ہوگا۔ البتہ دبے زبان سے مدعی کی بات کا اقرار کیا ہے اس لئے جان یا عضو کے بدلے دیت لازم ہوگی۔ اور دیت چونکہ مال ہے اس لئے اقرار میں شبہ ہے پھر بھی لازم ہو جائے گی۔ کیونکہ مال شبہ کے ساتھ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ اس کی وجہ بیان کرتے ہیں مدعی علیہ نے دبے زبان اقرار کیا ہے اس لئے اس میں شبہ ہو گیا، اس لئے قصاص لازم نہیں ہے۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کیا ہے اس لئے اس پر مال لازم ہو رہا ہے، اس لئے یہ مال مدعی علیہ کی غلطی سے لازم ہو رہا ہے۔

لغت: خصوصا اذا کان امتناع القصاص لمعنی من جهة من علیه: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مدعی علیہ کے انکار کی وجہ سے قصاص لازم نہیں ہوا ہے، اس لئے اس پر مال تو لازم ہوگا ہی۔ الارش: عضو کی دیت، عضو کے بدلے مال۔

ترجمہ: ٢ جیسے مدعی علیہ اقرار کرتا کہ میں نے غلطی سے عضو کو کاٹا ہے، اور مقتول کا ولی دعوی کرتا کہ تم نے جان کر کاٹا ہے۔ تو اس میں مال لازم ہوتا، اسی طرح یہاں بھی مال ہی لازم ہوگا۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کی جانب سے مثال ہے۔ اگر مدعی علیہ، یعنی قاتل اقرار کرتا کہ میں نے غلطی سے زید کا ہاتھ کاٹا ہے۔ اور زید کا ولی دعوی کرتا کہ قاتل نے جان کر ہاتھ کاٹا ہے تو اس میں قصاص لازم نہیں آتا ہے، بلکہ اس کی دیت لازم ہوتی ہے۔ اسی طرح اوپر کے مسئلے میں دیت لازم ہوگی، قصاص لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ٣ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عضو بعض جگہ پر مال کے درجے میں ہے اس لئے اس میں بذل کر سکتا ہے، بخلاف جان کے، کیونکہ وہ مال کے درجے میں نہیں ہے، چنانچہ اگر کسی نے کہا کہ میرا ہاتھ کاٹ لو اور اس نے ہاتھ کاٹ لیا تو کاٹنے والے پر ضمان نہیں ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ عضو میں بذل جائز ہے۔

الْأَمْوَالِ فَيَجْرِي فِيهَا الْبَذْلُ، بِخِلَافِ الْأَنْفُسِ فَإِنَّهُ لَوْ قَالَ اقْطَعْ يَدِي فَقَطَعَهُ لَا يَجِبُ الضَّمَانُ، وَهَذَا إِعْمَالٌ لِلْبَذْلِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يُبَاحُ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ، وَهَذَا الْبَذْلُ مُفِيدٌ لِانْدِفَاعِ الْخُصُومَةِ بِهِ فَصَارَ كَقَطْعِ الْيَدِ لِلْآكِلَةِ وَقَلْعِ السِّنِّ لِلْوَجَعِ ؏ وَإِذَا امْتَنَعَ الْقِصَاصُ فِي النَّفْسِ وَالْيَمِينُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کے اصول سے معلوم ہوتا ہے کہ عضو مال کے درجے میں ہے، اور ابھی اوپر گزرا کہ مال میں بذل ہے، اس لئے عضو کے بارے میں قسم کھانے سے انکار کیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ترجمہ:۴ لیکن اگر فائدہ نہ ہو تو عضو کا کٹوانا مباح نہیں ہے، اور یہاں جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے مفید ہے [اس لئے قسم سے انکار کر کے عضو کٹوانے کے لئے کہا جا سکتا ہے] جیسے ہاتھ میں کیڑے پڑ گئے ہوں ہو تو کاٹنے کی اجازت دے سکتا ہے، یا تکلیف ہو تو دانت اکھاڑنے کی اجازت دے سکتا ہے [ایسے ہی یہاں ہے]

تشریح : یہاں امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ عضو مال کے درجے میں ہے تو مال ہی کی طرح اس کو ہر موقع پر کٹوانے کی اجازت دے دینی چاہئے، تو اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ جہاں کٹوانے میں فائدہ ہو وہیں کٹوانے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ اور یہاں کٹوانے سے جھگڑا ختم ہونے کا فائدہ ہے اس لئے یہاں اجازت دی جا سکتی ہے، اس کی دو مثال دیتے ہیں [۱] جیسے ہاتھ میں کیڑے پڑ گئے ہوں تو ہاتھ کو کٹوانے کی اجازت دے سکتا ہے، [۲] یا دانت میں درد ہو تو دانت اکھڑوانے کی اجازت دے سکتا ہے، اسی طرح یہاں بھی فائدے کی وجہ سے عضو کٹوانے کی اجازت دے سکتا ہے۔

لغت : اندفاع الخصومۃ: جھگڑے کو دور کرنا۔ الآکلۃ: اکل، کا ترجمہ ہے کھانا، ہاتھ میں ایسا زخم ہوتا ہے جس میں کیڑا پڑ جاتا ہے، اور کیڑا گوشت کھانے لگتا ہے، اس کو آکلہ، کہتے ہیں، اس بیماری میں ہاتھ کو کٹوانا جائز ہے، ورنہ یہ زخم اور سرایت کرے گا۔ قلع: دانت اکھڑوانا۔

ترجمہ:۵ جان کے بارے میں قصاص تو رک گیا، لیکن مدعی علیہ پر قسم کھانا واجب ہے اس لئے اس کو قید کیا جائے گا [تا کہ یا قسم کھائے، یا جرم کا اقرار کرے] جیسے قسامہ میں ہوتا ہے۔

تشریح : جان قتل کرنے کے بارے میں دعوی تھا مدعی کے پاس گواہ نہیں تھا، اس لئے مدعی علیہ سے قسم کھانے کے لئے کہا، اس نے قسم کھانے سے انکار کیا، اس پر قصاص تو نہیں لیا جائے گا، لیکن قسم کھانا، یا جرم کا اقرار کرنا اس پر واجبی حق ہے، اس لئے اس کو جیل میں ڈالا جائے گا، تا کہ یا قتل کا اقرار کرے، یا قسم کھائے۔ اس کی مثال دیتے ہیں کہ جیسے قسامہ میں ہوتا ہے۔

لغت : قسامۃ: کسی محلے میں زید کو نا معلوم شخص نے قتل کر دیا، تو اس محلے والے کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی، لیکن اگر وہ قسم کھانے سے انکار کریں تو ان لوگوں کو جیل میں ڈال دیا جائے گا، کہ یا تو قسم کھائیں کہ ہم نے نہ تو قتل کیا ہے اور نہ قاتل کو جانتے ہیں، یا پھر اقرار کریں کہ فلاں آدمی نے قتل کیا ہے، کیونکہ یہ ان پر واجبی حق ہے۔ اسی طرح یہاں مدعی علیہ قسم کھانے

يُحْبَسُ بِهِ كَمَا فِي الْقَسَامَةِ.

(٧٠٥) قَالَ (وَإِذَا قَالَ الْمُدَّعِي لِي بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ قِيلَ لِخَصْمِهِ: أَعْطِهِ كَفِيلًا بِنَفْسِك ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ) لِ كَيْ لَا يَغِيبَ نَفْسُهُ فَيَضِيعَ حَقُّهُ وَالْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ،

سے انکار کرے تو اسکو جیل میں ڈال دیا جائے گا، یہاں تک کہ قسم کھائیں یا جرم کا اقرار کریں۔

ترجمہ:(٧٠٥) اگر مدعی نے کہا میرا بینہ حاضر ہے تو اس کے خصم سے کہا جائے گا کہ اس کو تین دن تک کے لئے کفیل بالنفس دیں۔

ترجمہ:لِ تا کہ مدعی علیہ اپنے آپ کو غائب نہ کرلے اور مدعی کا حق نہ ضائع ہو جائے، اور ہمارے نزدیک کفالہ بالنفس جائز ہے، اور اس کی تحقیق کتاب الکفالہ میں گزر چکی ہے۔

تشریح: اصول تو یہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ کو قسم کھلائے اور وہ قسم کھا جائے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دے لیکن یہاں گواہ ہے۔لیکن شہر میں ہے اس لئے لانے میں دیر ہوگی۔اس لئے صرف دعوی سے مدعی علیہ کو کفیل بالنفس دینے پر مجبور کیا جائے گا تا کہ گواہ لاتے لاتے مدعی علیہ کہیں بھاگ نہ جائے۔اس لئے تین دن تک کے لئے کفیل بالنفس دے تا کہ مدعی علیہ کہیں چلے جائے تو کفیل اس کو تلاش کر کے مجلس قضا میں حاضر کرے۔امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین دن تک اس لئے ہے کہ ایک دن گواہ لانے جائے، دوسرا دن واپس آئے اور تیسرا دن گواہ پیش کرے۔آج کل تو کئی کئی سال تک لوگ ضمانت پر چھوٹتے ہیں۔

وجہ:(١) کفیل بالنفس کی دلیل کتاب الکفالۃ میں گزر چکی ہے وہ یہ ہے۔**سمعت ابا امامة قال سمعت رسول الله ﷺ ... ثم قال العارية موداة، والمنحة مردودة والدين مقضى والزعيم غارم.** (ابو داؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ، ص ١٤٥، نمبر ٣٥٦٥ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان العاریۃ موداۃ، ص ٢٣٩، نمبر ١٢٦٥) اس حدیث میں الزعیم غارم سے مراد یہ ہے کہ کفیل ذمہ دار ہے چاہے انسان کے حاضر کرنے کا کفیل ہو یا مال دینے کا کفیل ہو (٢) بخاری شریف میں کفیل بالنفس کے بارے میں قول صحابی ہے۔**عن محمد بن حمزة بن عمرو الاسلمی عن ابيه ان عمر بعثه مصدقا فوقع رجل على جارية امرأته فاخذ حمزة من الرجل كفلاء حتى قدم على عمر وكان عمر قد جلده مائة جلدة فصدقهم وعذرهم بالجهالة وقال جرير والاشعث لعبد الله بن مسعود فى المرتدين استتبهم وكفلهم فتابوا وكفلهم عشائرهم. وقال حماد اذا تكفل بنفس فمات فلا شىء عليه** (بخاری شریف، باب الکفالۃ فی القرض والدیون بالابدان وغیرھا ص ٣٠٥ نمبر ٢٢٩٠) ان آثار میں کفیل بالنفس لینے کا تذکرہ ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ جان حاضر کرنے کا کفیل لیا جا سکتا ہے۔

اور تین دن تک کے اندر اندر کفیل دے اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔**سمعت حبيبا الذى كان يقدم الخصوم الى شريح، قال خاصم رجل ابنا لشريح الى شريح كفل له برجل عليه دين فحبسه شريح فلما كان الليل قال اذهب الى عبد**

۲ وَأَخْذُ الْكَفِيلِ بِمُجَرَّدِ الدَّعْوَى اسْتِحْسَانٌ عِنْدَنَا لِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا لِلْمُدَّعِي وَلَيْسَ فِيهِ كَثِيرُ ضَرَرٍ بِالْمُدَّعَى عَلَيْهِ وَهَذَا لِأَنَّ الْحُضُورَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ بِمُجَرَّدِ الدَّعْوَى حَتَّى يُعَدَّى عَلَيْهِ وَيُحَالُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَشْغَالِهِ فَيَصِحُّ التَّكْفِيلُ بِإِحْضَارِهِ ۳ وَالتَّقْدِيرُ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مَرْوِيٌّ عَنْ أَبِي

الله بفراش وطعام وكان ابنه يسمه عبد الله. (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الکفالۃ ببدن من علیہ حق ج سادس ص ۱۲۸ نمبر ۱۱۴۱۸) اس قول تابعی میں ہے کہ رات تک کفالت کے لئے بند رکھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مجلس قضا کے بعد تک کفیل لے سکتا ہے جس کی مدت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین دن ہے (۲) اوپر بخاری شریف کے اثر میں بھی یہ جملہ تھا۔ فاخذ حمزة من الرجل كفلاء حتى قدم على عمر جن سے معلوم ہوا کہ اتنی دیر تک کفیل بالنفس لیا کہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ صرف مجلس قضاء تک کفیل نہیں بنائے گا بلکہ ضرورت کے موقع پر اس سے زیادہ بھی کفیل بنانے کا مطالبہ کرے گا۔

ترجمہ :۲ صرف مدعی کے دعوی کی وجہ سے مدعی علیہ سے کفیل لینے میں یہ ہمارے نزدیک استحسان کے طور پر ہے [ورنہ قاعدے کے اعتبار سے گواہ پیش کرنے کے بعد اس سے کفیل لے] استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مدعی کو فائدہ ہے [کہ مدعی علیہ نہیں بھاگے گا] اور مدعی علیہ کو اس میں زیادہ نقصان نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ محض دعوی کرنے سے مدعی علیہ کا حاضر ہونا ضروری ہے، تاکہ حاکم سے مدد لی جائے، اور مدعی علیہ کو کوئی ایسا کام نہ کرنے دیا جائے جس سے مدعی کا نقصان ہوتا ہو، اس لئے حاضر ہونے پر کفیل لیا جائے گا۔

تشریح: صرف دعوی کی وجہ سے کفیل لینا یہ استحسان ہے، ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ صرف دعوی کرنے سے مدعی علیہ پر کفیل دینا لازم نہ ہو، کیونکہ مدعی انکار کر رہا ہے۔

وجہ:: استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مدعی کو دو فائدے ہیں [۱] کفیل دے دیا تو اس سے مدعی کو یقین آگیا کہ مدعی علیہ اب نہیں بھاگے گا۔ [۲] اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ حاکم سے مدد لے کر مدعی علیہ سے اپنا حق وصول کر سکے گا، اور مدعی علیہ کا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے، اس لئے محض دعوی کی وجہ سے مدعی علیہ سے کفیل لیا جائے گا۔

لغت :یعدی علیہ: یہ عداء سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے دشمنی کرنا، لیکن اس کے صلے میں علی آیا ہے اس لئے یہاں اس کا معنی مدد طلب کرنا ہے۔ یحال بینہ وبین اشغالہ: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حاکم مدعی علیہ کو کوئی ایسا کام نہیں کرنے دے گا جس سے مدعی کو نقصان ہوتا ہو۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے کہ حاکم مدعی علیہ کی مشغولیت کے درمیان حائل ہوگا۔

ترجمہ: ۳ اور تین دن تک کفیل دینا یہ امام ابوحنیفہؒ کی روایت ہے۔ اور وہی صحیح ہے۔

تشریح :مدعی علیہ سے اس طرح کفیل لیا جائے گا کہ تین دن میں یہ معاملہ نمٹے گا اس لئے تین دن کے لئے کفیل دو، امام ابو حنیفہؒ سے یہی مروی ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ قاضی دوسری مجلس میں بیٹھے گا اور اس معاملے کو نمٹائے گا، اس وقت کے لئے کفیل دیں۔

حَنِيفَةَؒ، وَهُوَ الصَّحِيحُ، ۴؎ وَلا فَرْقَ فِي الظَّاهِرِ بَيْنَ الْخَامِلِ وَالْوَجِيهِ وَالْحَقِيرِ مِنْ الْمَالِ وَالْخَطِيرِ، ۵؎ ثُمَّ لا بُدَّ مِنْ قَوْلِهِ لِي بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ لِلتَّكْفِيلِ وَمَعْنَاهُ فِي الْمِصْرِ، حَتَّى لَوْ قَالَ الْمُدَّعِي لَا بَيِّنَةَ لِي أَوْ شُهُودِي غُيَّبٌ لا يُكْفَلُ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ .

(۷۰۶) قَالَ (فَإِنْ فَعَلَ وَإِلَّا أُمِرَ بِمُلَازَمَتِهِ) ۱؎ كَيْ لَا يَذْهَبَ حَقُّهُ

(۷۰۷) (إِلَّا أَنْ يَكُونَ غَرِيبًا فَيُلَازِمَ مِقْدَارَ مَجْلِسِ الْقَاضِي) ۱؎ وَكَذَا لَا يُكْفَلُ إِلَّا إِلَى آخِرِ الْمَجْلِسِ، فَالِاسْتِثْنَاءُ مُنْصَرِفٌ إِلَيْهِمَا لِأَنَّ فِي أَخْذِ الْكَفِيلِ وَالْمُلَازَمَةِ زِيَادَةً عَلَى ذَلِكَ إِضْرَارًا

ترجمه : ۴؎ ظاہر روایت میں یہ ہے کہ ناقدرے اور وجاہت والوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اور حقیر مال اور کثیر مال کے درمیان بھی کوئی فرق نہیں ہے [یعنی ہر ایک میں تین دن کی ہی کفالت لی جائے گی]۔

تشریح : ظاہر روایت میں یہی ہے کہ حقیر ہو یا وجاہت والا ہو، اسی طرح مال کم ہو یا زیادہ ہو ہر حال میں تین دن کے لئے کفیل لیا جائے گا۔ امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مدعی علیہ ایسا وجیہ آدمی ہو کہ اپنے آپ کو شہر میں چھپا نہیں سکتا تو ایسے آدمی سے کفیل لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

لغت : خامل: خمل سے مشتق ہے، گم نام۔ وجیہ: وجہ سے مشتق ہے، چہرہ والا، مراد ہے، قدر والا۔ خطیر: خطرہ سے مشتق ہے۔ اتنا زیادہ مال جو دل میں کھٹکتا رہے۔

ترجمه : ۵؎ پھر کفیل لینے کے لئے یہ کہنا ضروری ہے کہ میرا گواہ شہر میں حاضر ہے،، اور اگر مدعی نے کہا کہ میرے پاس گواہ نہیں ہے، یا میرا گواہ غائب ہے، تو مدعی علیہ سے کفیل نہیں لیا جائے گا، کیونکہ کفیل لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

تشریح : مدعی کہے کہ میرے پاس گواہ ہے، لیکن شہر میں ہے، اس کو لانے میں دیر لگے گی تب مدعی علیہ سے کفیل لیا جائے گا، لیکن اگر کہے کہ میرے پاس گواہ ہی نہیں ہے، یا گواہ تو تھے لیکن وہ غائب ہو گئے، اب وہ مل بھی نہیں رہے ہیں تو اس صورت میں کفیل نہیں لیا جائے گا، کیونکہ کفیل لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ترجمه : (۷۰۶) پس اگر ایسا کر لیا تو ٹھیک ہے ورنہ حکم دیا جائے گا اس کی نگرانی کرنے کا

ترجمه : ۱؎ تا کہ مدعی کا حق ضائع نہ ہو جائے۔

تشریح : اگر مدعی علیہ نے کفیل دے دیا تب تو ٹھیک ہے، اور کسی وجہ سے نہیں دے سکا تو مدعی سے کہا جائے گا کہ مدعی علیہ کے پیچھے لگے رہو، تا کہ اس کا حق ضائع نہ ہو جائے۔

ترجمه : (۷۰۷) لیکن اگر مدعی علیہ مسافر ہو تو قاضی کی مجلس کی مقدار ہی اس کا پیچھا کیا جائے گا۔

ترجمه : ۱؎ اور قاضی کی مجلس کی مقدار ہی اس کو کفیل دینے کے لئے کہا جائے گا۔ اور الا سے جو استثناء کیا گیا ہے وہ دونوں امور کی طرف پھیرا گیا ہے۔ اس لئے کہ قاضی کے بیٹھنے سے زیادہ کفیل لینا، یا اس کے پیچھے لگا رہنے سے مسافر کو زیادہ نقصان

بِهِ بِمَنْعِهِ عَنِ السَّفَرِ وَلَا ضَرَرَ فِي هَذَا الْمِقْدَارِ ظَاهِرًا، ٢ وَكَيْفِيَّةُ الْمُلَازَمَةِ نَذْكُرُهَا فِي كِتَابِ الْحَجْرِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

﴿ فَصْلٌ فِي كَيْفِيَّةِ الْيَمِينِ وَالِاسْتِحْلَافِ ﴾

(٧٠٨) قَالَ (وَالْيَمِينُ بِاللَّهِ عَزَّوَجَلَّ دُونَ غَيْرِهِ) ١ لِقَوْلِهِ ﷺ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَذَرْ وَقَالَ ﷺ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ.

(٧٠٩) (وَقَدْ يُؤَكَّدُ بِذِكْرِ أَوْصَافِهِ)

ہوگا، کہ اس کو سفر سے روکے گا، اور قاضی کے بیٹھنے کی مقدار میں ظاہری طور پر زیادہ نقصان نہیں ہے۔

تشریح : اگر پردیسی مسافر ہے تو تین دن تک کفیل نہیں لیا جائے گا، اور نہ تین دنوں تک اس کا پیچھا کیا جائے گا، کیونکہ اس کی وجہ سے وہ سفر نہیں کر پائے گا، بلکہ قاضی کے بیٹھے رہنے تک ہی کفیل لیا جائے گا، یا اس کا پیچھا کیا جائے گا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ، الا، سے دو باتوں کا استثناء ہے، ایک پیچھا کرنے کا۔ اور دوسرا کفیل لینے کا، یعنی قاضی کی مجلس تک ہی کفیل لیا جائے گا۔ اور قاضی کی مجلس تک ہی اس کا پیچھا کیا جائے گا

ترجمہ: ٢ اور پیچھا کرنے کی کیفیت کا ذکر ہم کتاب الحجر میں کریں گے، ان شاء اللہ۔

﴿ فصل فی کیفیۃ الیمین ﴾

ترجمہ: :(٧٠٨) قسم اللہ کے ساتھ ہو نہ کہ اس کے علاوہ کے ساتھ۔

ترجمہ: ١ حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ جو تم میں سے قسم کھانا چاہے وہ اللہ کی قسم کھائے، یا پھر چھوڑ دے۔ اور حضور نے یہ بھی فرمایا کہ جس نے اللہ کے علاوہ کے ساتھ قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

تشریح: دار القضاء میں مدعی علیہ کو کس طرح قسم کھلائے اس کا طریقہ بتا رہے ہیں، اللہ ہی کی قسم کھلائی جائے

وجہ :۔صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ ادرک عمر بن الخطاب وهو يسير في ركب يحلف بابيه فقال الا ان الله ينهاكم ان تحلفوا بآبائكم من كان حالفا فليحلف بالله او ليصمت** (بخاری شریف، باب لا تحلفوا بآبائکم ص ۹۸۳ نمبر ۶۶۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی قسم کھائے اور کی قسم نہ کھائے۔ (۲) دوسری حدیث یہ ہے۔ **ان ابن عمر سمع رجلا يقول لا والكعبة فقال ابن عمر لا تحلف بغير الله فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول من حلف بغير الله فقد كفر او اشرك** ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان من حلف بغیر اللہ فقد اشرک، ص ۲۷۲، نمبر ۱۵۳۵) اس حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ کے علاوہ کے ساتھ قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

ترجمہ: :(٧٠٩) اللہ کی صفت کو ذکر کر کے قسم کی تاکید بھی کی جا سکتی ہے۔

١ وَهُوَ التَّغْلِيظُ، ٢ وَذَلِکَ مِثْلُ قَوْلِهِ: قُلْ وَاللَّهِ الَّذِی لا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، الَّذِی يَعْلَمُ مِنَ السِّرِّ وَالْخِفَاءِ مَا يَعْلَمُ مِنَ الْعَلَانِيَةِ، مَا لِفُلَانٍ هَذَا عَلَيْکَ وَلَا قِبَلَکَ هَذَا الْمَالُ الَّذِی ادَّعَاهُ وَهُوَ كَذَا وَكَذَا وَلَا شَیْءَ مِنْهُ. ٣ وَلَهُ أَنْ يَزِيدَ فِی التَّغْلِيظِ عَلَى هَذَا وَلَهُ أَنْ يُنْقِصَ مِنْهُ، إِلَّا أَنَّهُ يَحْتَاطُ كَیْ لَا يَتَكَرَّرَ عَلَيْهِ الْيَمِينُ لِأَنَّ الْمُسْتَحَقَّ يَمِينٌ وَاحِدَةٌ، ٤ وَالْقَاضِی بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ غَلَّظَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يُغَلِّظْ فَيَقُولُ: قُلْ بِاللَّهِ أَوْ وَاللَّهِ، وَقِيلَ: لَا يُغَلِّظُ عَلَى الْمَعْرُوفِ بِالصَّلَاحِ

ترجمه:١ اسی کوتغلیظ ، کہتے ہیں۔

تشریح:اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کی مزید صفت بیان کر کے اللہ کی قسم میں تاکید اور تغلیظ پیدا کرے، اس کی گنجائش ہے

وجه: اورصفات ذکر کر کے تاکید کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن البراء بن عازب ان رسول الله ﷺ دعا رجلا من علماء اليهود فقال انشدک بالذی انزل التوراة علی موسی (ابن ماجہ شریف، باب بما یستحلف اھل الکتاب ص ۳۳۳ نمبر ۲۳۲۷ / ابوداؤد شریف، باب الذی کیف یستحلف ؟ ص ۵۱۴ نمبر ۳۶۲۴) اس حدیث میں بالذی انزل التوراة علی موسی کی صفات ذکر کر کے یہود کو قسم کی تاکید کی ہے۔

نوٹ : یہ جائز ہے کہ مخاطب جس چیز کی اہمیت رکھتا ہو اللہ کی اسی صفت کو ذکر کر کے قسم کی تاکید کرے۔

ترجمه:٢ مثلا کہلوائے۔ والله الذی لا اله الا هو عالم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم الذی يعلم السر والخفاء ما يعلم من العلانية ما لفلان هذا عليک ولا قبلک هذا المال الذی دعاه وهو كذا وكذا ولا شیء منه۔

ترجمه: اس ذات کی قسم جسکے سوا کوئی معبود نہیں، وہ حاضر اور غائب کا جاننا والا ہے، وہی رحمٰن اور رحیم ہے، جو پوشیدہ اور باطن کو علانیہ اور ظاہر کی طرح جانتا ہے کہ فلاں شخص کا کوئی حق نہیں ہے اور تمہاری جانب سے جس مال کا دعوی کرتے ہو کوئی حق نہیں ہے، اور وہ مال اتنا اتنا ہے، یا اتنا مال نہیں ہے۔

تشریح: اوپر جو الفاظ ذکر کئے ان الفاظ کے ساتھ قسم کھلائی جا سکتی ہے۔

ترجمه : ٣ قاضی کو یہ بھی حق ہے کہ ان الفاظ سے کمی کرے، اور اس کا بھی حق ہے کہ ان سے کچھ زیادہ کرے، لیکن اس کا احتیاط کرے کی قسم دوبارہ نہ ہو جائے، اس لئے کہ ایک ہی بار قسم لینا جائز ہے۔

تشریح:::اصل مقصود ہے مدعی علیہ سے ایک بار قسم کھلانا، وہ پورا ہو گیا، اس کے بعد الفاظ میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔

ترجمه : ٤ قاضی کو یہ بھی اختیار ہے کہ چاہے تغلیظ کرے چاہے نہ کرے، صرف اتنا کہے، باللہ، واللہ، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو آدمی صلاح اور تقوی میں مشہور ہو اس پر تغلیظ نہ کرے، اور دوسروں پر تغلیظ کرے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ زیادہ مال ہو تو اس میں تغلیظ کرے، اور حقیر مال ہو تو اس میں تغلیظ نہ کرے۔

وَيُغَلِّظُ عَلَى غَيْرِهِ، وَقِيلَ: يُغَلِّظُ فِي الْخَطِيرِ مِنَ الْمَالِ دُونَ الْحَقِيرِ.

(١٠٧) قَالَ وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِالطَّلَاقِ وَلَا بِالْعِتَاقِ ١؎ لِمَا رَوَيْنَا، ٢؎ وَقِيلَ فِي زَمَانِنَا إِذَا أَلَحَّ الْخَصْمُ سَاغَ لِلْقَاضِي أَنْ يَحْلِفَ بِذَلِكَ لِقِلَّةِ الْمُبَالَاةِ بِالْيَمِينِ بِاللَّهِ وَكَثْرَةِ الِامْتِنَاعِ بِسَبَبِ الْحَلِفِ بِالطَّلَاقِ.

(١١٧) قَالَ (وَيُسْتَحْلَفُ الْيَهُودِيُّ بِاللَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلَى مُوسَىٰ، وَالنَّصْرَانِيُّ بِاللَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ الْإِنْجِيلَ عَلَى عِيسَى) ١؎ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِابْنِ صُورِيَّا الْأَعْوَرِ: أَنْشُدُكَ بِاللَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلَى مُوسَى أَنَّ حُكْمَ الزِّنَا فِي كِتَابِكُمْ هَذَا وَلِأَنَّ الْيَهُودِيَّ يَعْتَقِدُ نُبُوَّةَ مُوسَى وَالنَّصْرَانِيَّ نُبُوَّةَ

تشریح:: واضح ہے۔

ترجمہ:: (۱۰۷) قسم نہ لی جائے طلاق کی اور آزاد کرنے کی۔

ترجمہ: ١؎ اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے حدیث کی روایت کی۔

وجہ: حدیث یہ ہے۔ان بن عمر سمع رجلا یقول لا والکعبة فقال ابن عمر لا تحلف بغیر الله فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول من حلف بغیر الله فقد کفر او اشرک۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان من حلف بغیر اللہ فقد اشرک، ص ۳۷۲، نمبر ۱۵۳۵) اس حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ کے علاوہ کے ساتھ قسم کھائی اس نے شرک کی۔

تشریح: یوں قسم نہ کھلائے کہ ایسا نہیں کیا تو میری بیوی کو طلاق یا میرا غلام آزاد۔

وجہ: اوپر حدیث آئی کہ اللہ کے علاوہ کی قسم نہ کھائے یا اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے۔اس لئے طلاق اور عتاق کی بھی قسم نہ کھلائے۔

ترجمہ: ٢؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ مدعی علیہ نے زیادہ مبالغہ کیا تو قاضی کے لئے گنجائش ہے کہ طلاق کی قسم کھلائے، کیونکہ اللہ کی قسم کھانے سے کم پرواہ کرتے ہیں، اور طلاق کی قسم کھانے سے زیادہ رکتے ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۱۱۷) یہودی سے قسم لی جائے اس اللہ کی قسم جس نے حضرت موسی علیہ السلام پر تورات نازل کی۔اور عیسائی کو اس اللہ کی قسم جس نے حضرت عیسی علیہ السلام پر انجیل نازل کی۔

ترجمہ: ١؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے، ابن صوریا الاعور کو آپ نے اس طرح قسم دی، اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسی علیہ السلام پر تورات اتارا، کہ تمہاری کتاب میں زنا کا حکم یہ ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہودی حضرت موسی علیہ السلام کی نبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں، اور نصرانی حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں اس لئے ان دونوں قوموں کو ان کی اس کتاب کے ساتھ قسم دی جائے جو انکے نبی پر اتاری گئی ہے

تشریح: جو آدمی جس چیز کا اعتقاد رکھتا ہے اللہ کی اسی صفت کے ساتھ قسم دی جا سکتی ہے۔جیسے یہودی یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ حضرت موسیؑ پر تورات نازل کی اس لئے یہودی کو اس طرح قسم دے کہ اس اللہ کی قسم جس نے حضرت موسی علیہ السلام پر

عِیسَی – عَلَیْهِمَا السَّلَامُ – فَیُغَلِّظُ عَلَی کُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِذِکْرِ الْمُنَزَّلِ عَلَی نَبِیِّه
(۱۲۱۷)(وَ) یُحْلِفُ الْمَجُوسِیُّ بِاللَّهِ الَّذِی خَلَقَ النَّارَ) ۱؎ وَهَکَذَا ذَکَرَ مُحَمَّدٌ فِی الْأَصْلِ . ۲؎ وَیُرْوَی عَنْ أَبِی حَنِیفَةَ أَنَّهُ لَا یَسْتَحْلِفُ أَحَدًا إلَّا بِاللَّهِ خَالِصًا . وَذَکَرَ الْخَصَّافُ أَنَّهُ لَا یَسْتَحْلِفُ غَیْرَ الْیَهُودِیِّ وَالنَّصْرَانِیِّ إلَّا بِاللَّهِ، وَهُوَ اخْتِیَارُ بَعْضِ مَشَایِخِنَا لِأَنَّ فِی ذِکْرِ النَّارِ مَعَ اسْمِ اللَّهِ تَعَالَی تَعْظِیمَهَا وَمَا یَنْبَغِی أَنْ تُعَظَّمَ، بِخِلَافِ الْکِتَابَیْنِ لِأَنَّ کُتُبَ اللَّهِ مُعَظَّمَةٌ

تورات نازل کی۔

وجه:(۱)عن البراء بن عازب ان رسول الله ﷺ دعا رجلا من علماء الیهود فقال انشدک بالذی انزل التوراة علی موسی (ابن ماجہ شریف، باب بما یستحلف اھل الکتاب ص۳۳۳ نمبر ۲۳۲۷/ابوداؤد شریف، باب الذمی کیف یستحلف؟ ص۱۵۴ نمبر ۳۶۲۴)(۲) دوسری حدیث یہ ہے۔عن عکرمة ان النبی ﷺ قال له یعنی لابن صوریا اذکر کم بالله الذی نجاکم من آل فرعون واقطعکم البحر وظلل علیکم الغمام وانزل علیکم المن والسلوی وانزل علیکم التوراة علی موسی اتجدون فی کتابکم الرجم ؟ قال ذکرتنی بعظیم ولا یسعنی ان اکذبک (ابوداؤد شریف، باب الذمی کیف یستحلف؟ ص۱۵۴ نمبر ۳۶۲۶) اس حدیث میں ہے کہ یہودی کو کس طرح قسم دے اور اس پر قیاس کر کے عیسائی اور مجوسی کو قسم دیں۔ کیونکہ عیسائی حضرت عیسی علیہ السلام پر انجیل اترنے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

ترجمہ:(۱۲۱۷) اور مجوسی کو قسم کھلائے گا، اس خدا کی قسم جس نے آگ پیدا کیا۔

ترجمہ:۱؎ امام محمدؒ نے کتاب الاصل [مبسوط] میں اسی طرح ذکر کیا۔

تشریح: مجوسی چونکہ آگ کی پوجا کرتے ہیں، اس لئے اس طرح ذکر کرے گا کہ جس خدا نے آگ کو پیدا کیا اس خدا کی قسم کھاتا ہوں۔

ترجمہ : ۲؎ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ ہر ایک کو صرف اللہ کی قسم کھلائے گا، اور خصافؒ نے ذکر کیا ہے کہ یہودی اور نصرانی کے علاوہ کو صرف اللہ کی قسم کھلائے گا، ہمارے بعض مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے، اس لئے کہ اللہ کے نام کے ساتھ آگ کا ذکر کرنے میں اس کی تعظیم ہے، اور آگ کی تعظیم کرنا مناسب نہیں ہے، بخلاف اہل کتاب کے [کتاب کی قسم کھلائی جاسکتی ہے،] کیونکہ اللہ کی کتاب کی تو عظمت ہے۔

تشریح : اللہ کے ساتھ کسی صفت کو بڑھانے کے بارے میں دو نظریہ ہیں۔[۱] امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ ہر ایک کو صرف اللہ کی قسم کھلائی جائے، اس کے ساتھ کسی صفت کا اضافہ نہ کیا جائے۔[۲] حضرت خصافؒ کا نظریہ ہے کہ یہودی اور نصرانی کو قسم کھلاتے وقت اس کی کتاب کا اضافہ کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ اللہ کی کتاب ہیں اور اس کی عظمت ہے، اس لئے اللہ کے نام کے ساتھ اس کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن دوسری چیزوں کی عظمت نہیں ہے، اس لئے اس کا اضافہ نہ کیا جائے، خاص طور پر آگ کا ذکر کرنا ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ اللہ کے ساتھ آگ کے ذکر کرنے میں اس کی عظمت ہے، اور اللہ کے ساتھ کسی اور چیز کی عظمت ٹھیک نہیں ہے، اس لئے مجوسی کو قسم کھلاتے وقت میں آگ کا ذکر کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

(۷۱۳) (وَالْوَثَنِيُّ لَا يَحْلِفُ إِلَّا بِاللَّهِ) لِ لِأَنَّ الْكَفَرَةَ بِأَسْرِهِمْ يَعْتَقِدُونَ اللَّهَ تَعَالَى، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (لقمان: 25)

(۷۱۴) قَالَ (وَلَا يَحْلِفُونَ فِي بُيُوتِ عِبَادَتِهِمْ) لِ لِأَنَّ الْقَاضِيَ لَا يَحْضُرُهَا، بَلْ هُوَ مَمْنُوعٌ عَنْ ذَلِكَ.

(۷۱۵) قال (وَلَا يَجِبُ تَغْلِيظُ الْيَمِينِ عَلَى الْمُسْلِمِ بِزَمَانٍ وَلَا مَكَانٍ) لِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ تَعْظِيمُ

ترجمہ:(۷۱۳)اور بت پرست کوصرف اللہ کی قسم کھلائی جائے گی۔

ترجمہ:لِ اس لئے کہ سب کافراللہ کااعتقادتو رکھتے ہی ہیں،خوداللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ولأن سألتهم من خلق السموات و الارض ليقولن الله ۔(آیت۲۵،سورۃ لقمان۳۱)

ترجمہ ::اگرآپ کفار سے پوچھیں گے کہ زمین اورآسمان کس نے پیدا کیا ہےتو کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بت پرست بھی اللہ کو مانتے ہیں،اس لئے بت پرست سے بھی صرف اللہ کی قسم کھلائی جائے گی۔

تشریح::واضح ہے۔

ترجمہ::(۷۱۴) اورقسم نہ دی جائے ان کوان کے عبادت خانوں میں۔

ترجمہ::لِ اس لئے کہ قاضی انکے عبادت خانوں میں نہیں جائے گا، بلکہ اس کووہاں جاناممنوع ہے۔

تشریح : یہودی کو یہودی کے عبادت خانے میں جا کراورعیسائی کوعیسائی کے عبادت خانے میں جا کر یا مجوسی کومجوسی کے عبادت خانے میں جا کرقسم نہ دیں۔

وجہ: قاضی کے لئے ان لوگوں کے عبادت خانے میں جاناممنوع ہےاس لئے ان کے عبادت خانے میں جا کر کیسےقسم دیں گے

ترجمہ:(۷۱۵)اورضروری نہیں ہے قسم کو پختہ کرنا مسلمان پرزمان اورمکان کے ساتھ۔

ترجمہ:لِ اس لئے کہ مقصد یہ ہے کہ جس خدا کی قسم کھارہا ہےاس کی تعظیم ہو،اوروہ زمان اورمکان کے ذکر کئے بغیر بھی حاصل ہے[اس لئے زمان اورمکان کوذکر کرنے کی ضرورت نہیں] دوسری بات یہ ہے کہ زمان اورمکان کوواجب کرنے میں قاضی پرحرج ہے،اس لئے کہ قاضی کووہاں جانا پڑے گا،اورحرج مدفوع ہے[اس لئے زمان اورمکان کے ساتھ تاکید کرنے کی ضرورت نہیں ہے]

تشریح : کسی جگہ پرلے جا کرقسم دینایا کسی خاص وقت مثلا مسجد میں لیجا کرقسم دینا،یاعصر کے بعدقسم دینا تاکہ قسم میں تغلیظ ہوجائے یہ ضروری نہیں ہے۔البتہ ایسا کرےتو بہتر ہے۔

وجہ:(ا)قسم تواللہ کی دے دی تواب مسجد یاعصر کے وقت کی قید ضروری نہیں رہی، کیونکہ قاضی کوعصر کے وقت کاانتظار کرنا پڑے گا،یامسجد میں قسم دے گا تومسجد میں جانا پڑے گا جس سے قاضی کوحرج ہوگااس لئے زمانے کے ساتھ،یامکان کے ساتھ موکد کر کےقسم دیناضروری نہیں ہے۔

الْمُقْسَمِ بِهِ وَهُوَ حَاصِلٌ بِدُونِ ذَلِكَ، وَفِي إِيجَابِ ذَلِكَ حَرَجٌ عَلَى الْقَاضِي حَيْثُ يُكَلَّفُ حُضُورَهَا وَهُوَ مَدْفُوعٌ.

(٧١٦) قَالَ (وَمَنِ ادَّعَى أَنَّهُ ابْتَاعَ مِنْ هَذَا عَبْدَهُ بِأَلْفٍ فَجَحَدَ اسْتُحْلِفَ بِاللَّهِ مَا بَيْنَكُمَا بَيْعٌ قَائِمٌ فِيهِ وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِاللَّهِ مَا بِعْتَ) ١ لِأَنَّهُ قَدْ يُبَاعُ الْعَيْنُ ثُمَّ يُقَالُ فِيهِ. ٢ وَيُسْتَحْلَفُ فِي الْغَصْبِ

البتہ ایسا کرے تو بہتر ہے۔(۱) چنانچہ آپؐ کے منبر کے پاس قسم دینے سے تغلیظ کا تذکرہ حدیث میں ہے۔ **سمع جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ من حلف بيمين آثمة عند منبری هذا فليتبؤ مقعده من النار ولو علی سواک اخضر** (ابن ماجہ شریف، باب الیمین عند مقاطع الحقوق ص ۳۳۳ نمبر ۲۳۲۵ /ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی تعظیم الیمین عند منبر النبی ج ثانی ص ۱۰۷ نمبر ۳۲۴۶) اس حدیث میں **عند منبری** سے پتا چلا کہ مقام کے پاس قسم کھلا کر تغلیظ کی جائے۔(۲) اور زمانے کے ساتھ تغلیظ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة رجل منع ابن السبيل فضل ماء عنده، ورجل حلف علی سلعة بعد العصر يعنی كاذبا** (ابوداؤد شریف، باب فی منع الماء ص ۱۳۵ نمبر ۳۴۷۴ کتاب البیوع /ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الایمان فی الشراء والبیع ص ۳۱۶ نمبر ۲۲۰۷) اس حدیث میں ہے کہ عصر کے بعد قسم کھائے جس سے معلوم ہوا کہ زمانے سے بھی قسم میں تغلیظ ہوتی ہے۔

لغت: تعظیم مقسم بہ: جس کی قسم کھا رہا ہے اس کی تعظیم، اس سے مراد اللہ کی تعظیم، کیونکہ اسی کی قسم کھا رہا ہے۔

ترجمہ: (۷۱۶) کسی نے دعوی کیا کہ خریدا ہے اس سے اس کے غلام کو ہزار کے بدلے میں، پس اس نے انکار کیا تو قسم کھلائیں گے کہ خدا کی قسم تم دونوں کے درمیان ابھی بیع قائم نہیں ہے۔ اور یوں قسم نہیں کھلائیں گے کہ خدا کی قسم میں نے نہیں بیچا ہے۔

ترجمہ: ١ یہ بہت ممکن ہے کہ پہلے بیچا ہو پھر [اقالہ کر لیا ہو] بیع توڑ دیا ہو]

اصول: حاصل کلام پر قسم کھلائی جائے گی، تا کہ توریہ نہ کر لے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قسم کھلانے کا یہ احتیاطی پہلو ہے تا کہ مشتری چکما دے کر نکل نہ جائے اور توریہ کر کے قسم نہ کھالے۔ اس لئے یوں قسم دے گا کہ خدا کی قسم ابھی تم دونوں کے درمیان بیع قائم نہیں ہے۔

وجہ: کیونکہ ہوسکتا ہے کہ پہلے بیچا ہو لیکن بیع توڑ دی ہو تو یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے ابھی تو نہیں بیچا میں نے تو بہت پہلے بیچا تھا اس لئے قسم کھا سکتا ہے کہ ابھی نہیں بیچا۔ اور یوں قسم کھلائیں کہ ابھی بھی بیع قائم ہے تو توریہ نہیں کر سکتا اور توریہ کر کے قسم نہیں کھا سکتا۔ اس لئے وہ معاملات جو بعد میں ٹوٹ سکتے ہوں حاصل کلام پر قسم کھلائیں گے۔ معاملات کرنے پر قسم نہیں کھلائیں گے۔

ترجمہ: ٢ اور غصب کے بارے میں [خدا کی قسم تم مال لوٹانے کا حقدار نہیں ہو] اس طرح قسم کھلائی جائے گی، اور یوں قسم نہیں کھلائی جائے کہ میں نے غصب نہیں کیا ہے، اس لئے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غصب کرتا ہے، پھر ہبہ کر کے، یا مغصوب چیز خرید کر کے غصب کو ختم کر دیتا ہے۔

بِاللّٰهِ مَا يَسْتَحِقُّ عَلَيْکَ رَدَّهُ وَلَا يَحْلِفُ بِاللّٰهِ مَا غَصَبْتُ) لِأَنَّهُ قَدْ يَغْصِبُ ثُمَّ يَفْسَخُ بِالْهِبَةِ وَالْبَيْعِ (۱۷ے) (وَفِي النِّكَاحِ بِاللّٰهِ مَا بَيْنَكُمَا نِكَاحٌ قَائِمٌ فِي الْحَالِ) لِأَنَّهُ قَدْ يَطْرَأُ عَلَيْهِ الْخُلْعُ (۱۸ے) (وَفِي دَعْوَى الطَّلَاقِ بِاللّٰهِ مَا هِيَ بَائِنٌ مِنْکَ السَّاعَةَ بِمَا ذَكَرْتَ وَلَا يَسْتَحْلِفُ بِاللّٰهِ مَا طَلَّقَهَا) لـ لِأَنَّ النِّكَاحَ قَدْ يُجَدَّدُ بَعْدَ الْإِبَانَةِ

تشریح: یہ ممکن ہے کہ پہلے غصب کیا تھا، بعد میں مالک نے مغصوب چیز کو غاصب کو ہبہ کر دیا، اور وہ اس کا مالک بن گیا، اس لئے اب غصب نہیں رہا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مالک نے مغصوب چیز کو غاصب کے ہاتھ میں بیچ دیا، جس کی وجہ سے غاصب اب اس چیز کا مالک بن گیا، اور اب غصب نہیں رہا۔ اب اس میں توریہ کر سکتا ہے کہ میں نے ابھی غصب نہیں کیا ہے۔ اس لئے یوں قسم نہیں کھلائی جائے گی کہ میں نے غصب نہیں کیا، بلکہ یوں قسم کھلائی جائے گی کی یہ مال واپس لینے کا حقدار نہیں ہے۔

ترجمہ: (۱۷ے) اور نکاح میں قسم کھلائیں گے خدا کی قسم تم دونوں میں ابھی نکاح قائم نہیں ہے۔

ترجمہ: لـ اس لئے کہ ایسا ہوتا ہے کہ نکاح ہوتا ہے، پھر خلع کر کے اس کو توڑ دیا جاتا ہے۔

تشریح: نکاح کا دعوی کیا۔ عورت کہتی ہے کہ نکاح ہوا ہے اور مرد اس کا انکار کرتا ہے۔ عورت کے پاس گواہ نہیں ہے۔ اب قسم کھلانا ہے تو یوں قسم کھلائیں گے کہ ابھی تمہارے درمیان نکاح قائم نہیں ہے۔ یوں قسم نہیں کھلائیں گے کہ میں نے نکاح نہیں کیا تھا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نکاح کے بعد خلع کر لیا ہو اور توریہ کر کے قسم کھا سکتا ہو کہ نکاح نہیں کیا ہے۔

لغت: توریہ: ایک لفظ کے دو معنی ہوں، ایک معنی عام ہو جس کو مخاطب سمجھتا ہو، اور دوسرا معنی اتنا مشہور نہ ہو، قسم کھانے والا اسی دوسرے معنی کو لیکر قسم کھا لے، اس کو توریہ، کہتے ہیں۔ مثلا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی کے بارے میں ظالم بادشاہ سے کہا تھا کہ یہ میری بہن ہے، اور مراد یہ لیا تھا کہ یہ اسلامی بہن ہے، اور بادشاہ نے یہ سمجھا کہ یہ حقیقی بہن ہے، یہ توریہ ہوا۔

ترجمہ: (۱۸ے) اور طلاق کے دعوی میں قسم کھائے گا کہ خدا کی قسم ابھی تم سے بائنہ نہیں ہوئی ہے، اور یوں قسم نہیں کھائے گا کہ میں نے تم کو طلاق نہیں دی ہے۔

ترجمہ: لـ اس لئے کہ طلاق کے بعد دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس طرح قسم کھانے میں مدعی کا نقصان ہو اس طرح قسم نہیں کھلوائی جائے گی، بلکہ جس طرح قسم کھانے میں مدعی کا نقصان نہ ہو اس طرح کی قسم کھلوائی جائے گی۔

تشریح: یہاں سے ایک پیچیدہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں۔ ایک ہے سیدھا کہہ دینا کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے، اس کو کہتے ہیں سبب پر قسم کھانا ہے، امام ابو یوسفؒ کے یہاں اسی سبب پر قسم کھلائی جائے گی۔ لیکن اس سے سامنے والے کو نقصان ہو جائے گا، کیونکہ ہوسکتا ہے طلاق دے کر پھر دوبارہ اس سے نکاح کر لیا ہو تو یہ قسم کھانے میں سچ ہے، اس لئے یوں قسم کھائے گا کہ یہ عورت مجھ

۲ فَيَحْلِفُ عَلَى الْحَاصِلِ فِي هَذِهِ الْوُجُوهِ، لِأَنَّهُ لَوْ حَلَفَ عَلَى السَّبَبِ يَتَضَرَّرُ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ، وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. ۳ أَمَّا عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ يَحْلِفُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ عَلَى السَّبَبِ إِلَّا إِذَا عَرَّضَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ بِمَا ذَكَرْنَا فَحِينَئِذٍ يَحْلِفُ عَلَى الْحَاصِلِ. ۴ وَقِيلَ: يَنْظُرُ إِلَى إِنْكَارِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ إِنْ أَنْكَرَ السَّبَبَ يَحْلِفُ عَلَيْهِ، وَإِنْ أَنْكَرَ الْحُكْمَ يَحْلِفُ عَلَى الْحَاصِلِ ۵ فَالْحَاصِلُ هُوَ الْأَصْلُ عِنْدَهُمَا إِذَا كَانَ سَبَبًا يَرْتَفِعُ بِرَافِعٍ إِلَّا إِذَا كَانَ فِيهِ تَرْكُ النَّظَرِ فِي جَانِبِ الْمُدَّعِي فَحِينَئِذٍ

سے ابھی بائنہ نہیں ہے۔اس کو کہتے ہیں حاصل کلام پر قسم کھانا۔امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے یہاں اسی پر قسم کھلائی جائے گی۔

ترجمہ : ۲ اس لئے ان تمام صورتوں میں حاصل کلام پر قسم کھلائے گا، اس لئے کہ اگر سبب پر قسم کھلائے گا تو مدعی علیہ کو نقصان ہوگا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ، اور امام محمدؒ کا قول ہے۔

تشریح::اوپر چار صورتیں گزریں [بیع، غصب، نکاح، اور طلاق] ان چاروں صورتوں میں حاصل کلام پر قسم کھلائیں گے، تا کہ مدعی علیہ کو نقصان نہ ہو، یا مدعی علیہ توریہ کر کے قسم نہ کھا سکے۔

ترجمہ::۳ امام ابو یوسفؒ کے قول پر تو ان تمام صورتوں میں سبب پر قسم کھائے گا، مگر مدعی علیہ ان صورتوں میں تعریض کرے [یعنی توریہ کر کے بچ جائے] تو اس وقت حاصل پر قسم لی جائے گی۔

لغت :سبب: یہاں دو باتیں سمجھنا ضروری ہیں، یہ دونوں منطقی محاورے ہیں۔[۱] بیع کرنا، نکاح کرنا، غصب کرنا، یہ سبب ہے، منطقی اعتبار سے اس کو سبب، کہتے ہیں۔[۲] اور ان چیزوں کا برقرار رہنا، اس کو حاصل، کہتے ہیں۔آگے انہیں دونوں الفاظ پر بحث ہوگی۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ کے نزدیک معاملے کا جو سبب ہے اس پر قسم لی جائے گی، حاصل کلام پر قسم نہیں لی جائے گی، لیکن ایسی صورت ہو کہ مدعی علیہ توریہ کر کے نکل سکتا ہو، جس سے مدعی کو نقصان ہوگا تو اس وقت سبب پر قسم کھلوائی جائے گی۔

ترجمہ ::۴ بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ یہ دیکھا جائے گا کہ مدعی علیہ کس کا انکار کرتا ہے، اگر سبب کا انکار کرتا ہے تو سبب پر قسم کھلوائی جائے گی۔اور اگر حکم کا انکار کرتا ہے تو حاصل کلام پر قسم کھلوائی جائے گی۔

تشریح::واضح ہے۔

ترجمہ :۵ اگر سبب کو توڑنے سے ٹوٹ سکتا ہو تو صاحبینؒ کے یہاں حاصل اصل ہے ، ہاں اگر اس میں مدعی کی رعایت نہیں ہو رہی ہو تو اس وقت بالا جماع سبب پر قسم کھلوائی جائے گی، اس کی مثال یہ ہے کہ تین طلاق دی ہوئی عورت عدت گزار رہی تھی، اور شوہر شافعی مذہب کا تھا جو تین طلاق والی عورت کا نفقہ کا قائل نہیں تھا تو سبب پر قسم کھلوائی جائے گی۔، یا پڑوسی ہونے کی وجہ سے شفعہ کا دعوی کیا، اور مشتری شفعہ کا اعتقاد نہیں رکھتا تھا[تو سبب پر قسم کھلائی جائے گی

یَحلِفُ عَلَی السَّبَبِ بِالْإِجمَاعِ، وَذٰلِکَ مِثل أَنْ تَدَّعِیَ مَبْتُوتَۃٌ نَفَقَۃَ الْعِدَّۃِ وَالزَّوْجُ مِمَّنْ لا یَرَاھَا، أَوْ ادَّعَی شُفْعَۃً بِالْجِوَارِ وَالْمُشْتَرِی لا یَرَاھَا، لِأَنَّہُ لَوْ حَلَفَ عَلَی الْحَاصِلِ یَصْدُقُ فِی یَمِینِہِ فِی مُعْتَقَدِہِ فَیَفُوتُ النَّظَرُ فِی حَقِّ الْمُدَّعِی، ۶؎ وَإِنْ کَانَ سَبَبًا لا یَرْتَفِعُ بِرَافِعٍ فَالتَّحْلِیفُ عَلَی السَّبَبِ بِالْإِجمَاعِ

تشریح::دوقسم کے معاملے ہیں[۱]ایک وہ جو توڑنے سے نہیں ٹوٹتا، جیسے مسلمان غلام ایک مرتبہ آزاد ہو جائے تو پھر وہ کبھی غلام نہیں بنتا، اس میں تو سبب پر قسم کھائے گا۔[۲] اوپر کی چار چیزیں توڑنے سے ٹوٹ جاتی ہیں[۱] بیع اقالہ سے ٹوٹ جاتی ہے[۲] غصب کی ہوئی چیز کو ہبہ کردے تو غصب ٹوٹ جاتا ہے[۳] نکاح خلع سے ٹوٹ جاتا ہے[۴] طلاق دی ہوئی عورت سے نکاح کرلے تو طلاق ختم ہو جاتی ہے، اس لئے ان چاروں میں صاحبینؒ کے یہاں حاصل کلام پر ہی قسم لی جائے گی ہاں اگر حاصل کلام پر قسم لینے سے مدعی کی رعایت نہ ہوتی ہو تو پھر سبب پر قسم لی جائے گی، اس کی ایک مثال دی ہے کہ عورت کو تین طلاق دی، اور شوہر شافعی مذہب کا ماننے والا تھا، جس میں یہ ہے کہ تین طلاق والی کو نفقہ نہیں دیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ عورت کے نفقہ کا قائل نہیں تھا اس لئے یہاں حاصل پر قسم نہیں لی جائے گی، یعنی یوں قسم نہیں کھائے گا کہ مجھ پر اس کا نفقہ نہیں ہے، کیونکہ یہ تو اس کے اعتقاد میں سچ ہے،، لیکن اس میں عورت مدعیہ کی رعایت نہیں ہے، بلکہ یہاں سبب پر قسم کھائے گا، کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے۔ دوسری مثال دی ہے کہ زید عمر کا پڑوسی تھا، زید نے عمر کے گھر پر شفعہ کا دعوی کیا،، اور عمر شافعی مذہب کا ماننے والا تھا، شافعیؒ کے یہاں پڑوسی کو شفعہ کا حق نہیں ہے۔ اب عمر کو یوں قسم کھلوائے کہ زید کو شفعہ کا حق نہیں ہے تو وہ اس میں سچا ہے، [کیونکہ شافعی المذہب کے یہاں پڑوسی کو شفعہ کا حق نہیں ہے] اس صورت میں مدعی زید کی رعایت نہیں ہوگی، اس لئے یہاں صاحبینؒ کے یہاں بھی سبب پر قسم کھلائی جائے گی کہ میں نے گھر نہیں بیچا ہے۔

ترجمہ : ۶؎ اگر ایسا سبب ہے جو اٹھا دینے سے نہیں اٹھتا ہو تو سب کے نزدیک سبب پر قسم کھلائی جائے گی، جیسے مسلمان غلام آقا کے اوپر آزاد کردینے کا دعوی ہو[تو سبب پر قسم کھلائی جائے گی۔

تشریح:: قاعدہ یہ ہے کہ مسلمان غلام ایک مرتبہ آزاد ہو جائے تو پھر وہ غلام نہیں بنتا، اور توڑنے سے نہیں ٹوٹتا ہے، اس لئے سب کے نزدیک سبب پر قسم کھلائی جائے گی، یعنی یوں قسم کھلائی جائے گی کہ میں نے آزاد نہیں کیا۔ حاصل کلام پر قسم نہیں کھلائی جائے گی، کہ وہ ابھی آزاد نہیں ہے، کیونکہ ایک مرتبہ آزاد ہونے کے بعد مسلمان غلام دوبارہ غلام نہیں بن سکتا۔

لغت : لا یرتفع برافع: کسی توڑنے والے سے وہ نہیں ٹوٹے۔ مثلا کافر غلام ہے، اگر وہ آزاد ہو جائے، لیکن پھر بھی وہ غلام بن سکتا ہے، مثلا وہ دار الحرب میں جا ملے، اور مسلمانوں کا دار الحرب پر قبضہ ہو جائے تو یہ آزاد غلام دوبارہ غلام بن جائے گا تو یہاں توڑنے سے آزادگی ٹوٹ گئی۔ دوسری مثال، یہ ہے کہ باندی آزاد ہوئی، لیکن بعد میں مرتد ہو کر دار الحرب چلی گئی، اور مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو یہ آزاد باندی دوبارہ باندی بن جائے گی، تو چونکہ یہاں دوبارہ غلام اور باندی بن سکتا ہے، اور توڑنے سے ٹوٹ سکتا ہے، اس لئے حاصل کلام پر قسم کھلائی جائے گی، یعنی آقا یوں قسم کھائے گا کہ یہ ابھی آزاد نہیں ہے۔

(كَالْعَبْدِ الْمُسْلِمِ إذَا ادَّعَى الْعِتقَ عَلَى مَوْلَاهُ، ے بِخِلَافِ الْأَمَةِ وَالْعَبْدِ الْكَافِرِ) لِأَنَّهُ يَتَكَرَّرُ الرِّقَّ عَلَيْهَا بِالرِّدَّةِ وَاللِّحَاقِ وَعَلَيْهِ بِنَقْضِ الْعَهْدِ وَاللِّحَاقِ، وَلَا يُكَرِّرُ عَلَى الْعَبْدِ الْمُسْلِمِ.

(۷۱۹) قَالَ: (وَمَنْ وَرِثَ عَبْدًا وَادَّعَاهُ آخَرُ يَسْتَحْلِفُ عَلَى عِلْمِهِ) لے لِأَنَّهُ لَا عِلْمَ لَهُ بِمَا صَنَعَ الْمُوَرِّثُ فَلَا يَحْلِفُ عَلَى الْبَتَاتِ.

(۷۲۰) (وَإِنْ وَهَبَ لَهُ أَوْ اشْتَرَاهُ يَحْلِفُ عَلَى الْبَتَاتِ) لے لِوُجُودِ الْمُطْلَقِ لِلْيَمِينِ إذْ الشِّرَاءُ سَبَبٌ

ترجمہ : ے بخلاف باندی ہو، یا کافر غلام ہو تو اگر وہ مرتد ہو جائے، اور دار الحرب چلا جائے تو ان پر دوبارہ غلامیت آسکتی ہے [اس لئے اس پر حاصل کلام پر قسم لی جائے گی] اور مسلمان غلام پر دوبارہ غلامیت نہیں آسکتی [اس لئے اس پر سبب پر قسم لی جائے گی]

تشریح :: باندی اور کافر غلام آزاد ہونے کے بعد، اگر دار الحرب چلے جائیں، اور اس پر مسلمانوں کا غلبہ ہو جائے تو وہ دوبارہ غلام باندی بن سکتے ہیں، اس لئے ان کے آقا سے یوں قسم کھلائی جائے گی کہ یہ آزاد نہیں ہیں، یوں قسم نہیں کھلائی جائے گی کہ ان کو میں نے آزاد نہیں کیا۔ اس کے برخلاف مسلمان غلام کو ایک مرتبہ آزاد کرنے کے بعد دوبارہ غلام نہیں بن سکتا، اس لئے اس کے بارے میں اس کے آقا کو سبب پر قسم کھلائی جائے گی، یعنی میں نے اس کو آزاد نہیں کیا

نوٹ : یہ سب صرف لفظی بحث ہے۔

ترجمہ: (۷۱۹) زید غلام کا وارث بنا، اور عمر نے دعوی کیا کہ یہ غلام میرا ہے، تو زید سے اپنے علم کے مطابق قسم کھلائی جائے گی۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ مرنے والے نے کیا کیا ہے وارث کو اس کا علم نہیں ہے، اس لئے یقینی قسم نہیں لی جائے گی۔

اصول :قسم کھانے والے کو جس چیز کا علم نہ ہو اس پر یقینی قسم نہیں لی جائے گی، کیونکہ اس کو اس کا علم نہیں ہے۔

تشریح: مثلا خالد کا انتقال ہوا، زید کو خالد کا غلام وراثت میں ملا، اب عمر کہتا ہے کہ یہ غلام میرا ہے، اب زید کو معلوم نہیں ہے کہ یہ غلام خالد کے پاس کس طرح آیا تھا، یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ یہ غلام خالد کی ملکیت تھی یا نہیں، اور زید کو یقینی طور پر یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ یہ غلام زید ہی کی ملکیت ہے یا نہیں، اس لئے اپنی ملکیت ہونے پر زید یقینی قسم نہیں کھائے گا

وجہ: کیونکہ زید کو خالد کی ملکیت ہونے کا یقینی علم نہیں ہے۔

لغت:بتات: قطعی علم، یقینی علم۔

ترجمہ: (۷۲۰) اگر زید کو کسی نے ہبہ کیا، یا زید نے اس کو خریدا تو اپنی ملکیت یقینی ہونے پر قسم کھائے گا۔

ترجمہ : لے اس لئے کہ قسم کھانے کے لئے مطلق ملکیت موجود ہے، اس لئے کہ ملکیت حاصل کرنے کے لئے خریدنا موجود ہے۔، ایسے ہی ہبہ کرنا بھی ملکیت حاصل کرنے کے لئے ہے۔

اصول :خریدنا اور ہبہ میں کسی چیز کا پانا مالک ہونے کے لئے کافی ہے، اس لئے اگر خریدا، یا ہبہ میں کوئی چیز ملی تو یقینی طور پر یہ قسم کھا سکتا ہے کہ یہ غلام میرا ہے۔

لِثُبُوتِ الْمِلْکِ وَضْعًا وَكَذَا الْهِبَةُ.

(۲۱۷) قَالَ (وَمَنْ ادَّعَى عَلَى آخَرَ مَالًا فَافْتَدَى يَمِينَهُ أَوْ صَالَحَهُ مِنْهَا عَلَى عَشْرَةِ دَرَاهِمَ فَهُوَ جَائِزٌ) ل وَهُوَ مَأْثُورٌ عَنْ عُثْمَانَ (وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَسْتَحْلِفَهُ عَلَى تِلْکَ الْيَمِينِ أَبَدًا) لِأَنَّهُ أَسْقَطَ حَقَّهُ.

تشریح: خریدنا اور ہبہ میں پانا مالک ہونے کے لئے یقینی سبب ہے، اس لئے اگر غلام کو خریدا، یا ہبہ میں پایا تو قسم کھا سکتا ہے کہ یہ میرا غلام ہے۔

ترجمہ: (۲۱۷) زید نے عمر پر دعوی کیا ، اور عمر نے قسم کا فدیہ دے دیا، یا دس درہم دے کر صلح کر لی تو یہ جائز ہے۔

ترجمہ: ل اور حضرت عثمانؓ سے فدیہ دینا منقول ہے، اور اب زید کے لئے یہ حق نہیں ہے کبھی اس پر قسم کھلائے ، اس لئے کہ زید کا حق ساقط ہو چکا ہے۔

اصول: قسم کا فدیہ دے دیا ہو اور مدعی نے اس کو قبول کر لیا تو اب مدعی کا حق ساقط ہو گیا اس لئے اب دوبارہ قسم کھلانے کا حق نہیں رہے گا۔

تشریح: زید نے عمر پر غلام کا دعوی کیا، زید کے پاس گواہ نہیں تھا اس لئے عمر سے قسم کھانے کے لئے کہا، عمر نے قسم کے بدلے دس درہم دیکر صلح کر لی، یا قسم کا فدیہ دے دیا اور زید نے اس کو قبول کر لیا تو اب زید کا حق ساقط ہو گیا، اس لئے اب دوبارہ قسم کھلانے کا حق نہیں رہا، حضرت عثمانؓ نے قسم کا فدیہ دیا تھا۔

وجہ: فدیہ والا مضمون حضرت جبیر بن مطعمؓ کا مجھے ملا، وہ یہ ہے۔(۱) عن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیه انه فدى يمينه بعشرة آلاف درهم ثم قال ورب هذا المسجد ، و رب هذا القبر لو حلفت صادقا و ذالک انه شیء افتديت به يميني۔ (دار قطنی، کتاب الاقضیۃ والاحکام، ج رابع ص ۱۵۸، نمبر ۴۵۵۰) اس قول صحابی میں ہے کہ انہوں نے اپنی قسم کے بدلے میں دس ہزار درہم دئے۔ (۲) بخاری شریف میں ایک لمبی حدیث ہے، جس کا ٹکڑا یہ ہے۔و قد كانت هذيل خلعوا خليعا.....و قد رجل منهم من الشام فسألوه ان يقسم فافتدى يمينه منهم بالف درهم ۔(بخاری شریف، باب القسامۃ ص ۱۱۸۹، نمبر ۶۸۹۹) اس حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے ایک ہزار درہم کے بدلے قسم کا فدیہ دیا۔

﴿بَابُ التَّحَالُفِ﴾

(۲۲۷) قَالَ: (وَإِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ فِي الْبَيْعِ فَادَّعَى أَحَدُهُمَا ثَمَنًا وَادَّعَى الْبَائِعُ أَكْثَرَ مِنْهُ أَوْ اعْتَرَفَ الْبَائِعُ بِقَدْرٍ مِنَ الْمَبِيعِ وَادَّعَى الْمُشْتَرِي أَكْثَرَ مِنْهُ وَأَقَامَ أَحَدُهُمَا الْبَيِّنَةَ قَضَى لَهُ بِهَا) ۱؎ لِأَنَّ

﴿باب التحالف﴾

ضروری نوٹ: اس باب میں ایسی صورت پیش کر رہے ہیں، جن میں دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن جاتے ہیں، جس کی وجہ سے دونوں پر قسم، یا دونوں پر گواہ ہے۔اب جس کا گواہ زیادہ مضبوط ہوگا، اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔اس باب میں یہی بیان کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۲۷) بائع اور مشتری نے اختلاف کیا بیع میں۔پس مشتری نے دعوی کیا ایک ثمن کا اور بائع نے دعوی کیا اس سے زیادہ کا۔یا اعتراف کیا بائع نے مبیع کی ایک مقدار کا اور مشتری دعوی کرے اس سے زائد کا۔اور دونوں میں سے ایک نے بینہ قائم کیا تو اسی کے لئے اس کا فیصلہ ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ دوسری جانب صرف دعوی ہے، اور ایک جانب گواہ ہے جو اس سے زیادہ مضبوط ہے [اس لئے گواہ کی جانب فیصلہ ہوگا۔

تشریح: یہ دونوں مسئلے اس اصول پر ہیں کہ یہاں بائع اور مشتری دونوں مدعی بھی بن سکتے ہیں اور مدعی علیہ بھی بن سکتے ہیں۔چونکہ دونوں مدعی ہیں اس لئے جو بھی بینہ قائم کرے گا اس کے بینہ کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا اور دوسرے کو مدعی علیہ قرار دیا جائے گا۔مثلا مشتری دعوی کرتا ہے کہ دس درہم میں یہ بکری خریدی ہے اس لئے یہ بکری دے دو تو مشتری مدعی ہوا اور بائع مدعی علیہ ہو گیا۔اس صورت میں مشتری کا بینہ قبول کرنا چاہئے اور بائع پر قسم ہوگی۔لیکن بائع اس سے زیادہ کا دعوی کرتا ہے مثلا بارہ درہم کا دعوی کرتا ہے کہ مجھے بارہ درہم دیں اور بکری لے جائیں۔اس اعتبار سے بائع مدعی ہوا اور مشتری مدعی علیہ ہو گیا۔اس لئے بائع کا بینہ قبول کرنا چاہئے۔اس لئے جو بھی بینہ پیش کرے گا اس کو مدعی مان کر اس کی گواہی قبول کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

دوسرے مسئلے میں بائع دعوی کرتا ہے ایک متعین مقدار بیع کا مثلا بائع کہتا ہے کہ دس درہم میں دس کیلو گیہوں بیچا ہوں۔اس لئے دس درہم دو اور دس کیلو گیہوں لے جاؤ۔اس اعتبار سے بائع مدعی ہوا اور مشتری مدعی علیہ ہوا اس لئے بائع کے بینہ کا اعتبار ہونا چاہئے۔اور مشتری اس سے زیادہ مبیع کا دعوی کرتا ہے مثلا کہتا ہے کہ دس درہم میں بارہ کیلو گیہوں کی بات ہوئی تھی۔اس اعتبار سے مشتری مدعی ہوا اور بائع مدعی علیہ ہوا۔اس لئے مشتری کے بینہ کو قبول کرنا چاہئے۔

وجہ: (۱) ان دونوں مسئلوں میں دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن سکتے ہیں اس لئے جو بھی بینہ قائم کرے گا اس کے بینہ کو قبول کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔(۲) حدیث گزر چکی ہے۔عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده ان

فِي الْجَانِبِ الْآخَرِ مُجَرَّدَ الدَّعْوَى وَالْبَيِّنَةُ أَقْوَى مِنْهَا

(٧٢٣) (وَإِنْ أَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةً كَانَتْ الْبَيِّنَةُ الْمُثْبِتَةُ لِلزِّيَادَةِ أَوْلَى) لـ لِأَنَّ الْبَيِّنَاتِ لِلْإِثْبَاتِ وَلَا تَعَارُضَ فِي الزِّيَادَةِ

(٧٢٤) (وَلَوْ كَانَ الِاخْتِلَافُ فِي الثَّمَنِ وَالْمَبِيعِ جَمِيعًا فَبَيِّنَةُ الْبَائِعِ أَوْلَى فِي الثَّمَنِ وَبَيِّنَةُ الْمُشْتَرِي أَوْلَى فِي الْمَبِيعِ) لـ نَظَرًا إلَى زِيَادَةِ الْإِثْبَاتِ .

(٧٢٥) (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةٌ قِيلَ لِلْمُشْتَرِي إمَّا أَنْ تَرْضَى بِالثَّمَنِ الَّذِي ادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَإِلَّا فَسَخْنَا الْبَيْعَ، وَقِيلَ لِلْبَائِعِ إمَّا أَنْ تُسَلِّمَ مَا ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِي مِنْ الْمَبِيعِ وَإِلَّا فَسَخْنَا الْبَيْعَ) لـ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ قَطْعُ الْمُنَازَعَةِ، وَهَذَا جِهَةٌ فِيهِ لِأَنَّهُ رُبَّمَا لَا يَرْضَيَانِ بِالْفَسْخِ

النبی ﷺ قال فی خطبته البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ،ص ۲۴۹،نمبر ۱۳۴۱)اس حدیث میں ہے کہ مدعی پر گواہ اور مدعی علیہ پر قسم ہے۔

ترجمہ :(۷۲۳)پس اگر دونوں میں سے ہر ایک نے بینہ قائم کیا تو زیادتی ثابت کرنے والے کا بینہ زیادہ اولی ہوگا۔

ترجمہ :لـ اس لئے کہ گواہ ثابت کرنے کے لئے ہوتا ہے،اور گواہ کے ذریعہ زیادہ ثابت کر دیا تو اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

تشریح : چونکہ ان مسئلوں میں دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ ہیں اس لئے دونوں بینہ قائم کر سکتے ہیں۔اب دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو کس کے بینہ کو ترجیح دیں گے۔تو فرماتے ہیں کہ جس کا بینہ زیادتی کو ثابت کرتا ہو وہ اصل میں زیادتی کا مدعی ہے اور دوسرا اس کا انکار کرتا ہے اس لئے وہ منکر اور مدعی علیہ ہے۔اس لئے زیادتی کو ثابت کرنے والے کے بینہ کو قبول کر کے فیصلہ کریں گے۔مثلا پہلے مسئلے میں بائع زیادہ ثمن کا دعوی کرتا ہے اس لئے اس کے گواہ مقبول ہوں گے۔اور دوسرے مسئلے میں مشتری زیادہ مبیع کا دعوی کرتا ہے اس لئے اس کے گواہ مقبول ہوں گے۔

ترجمہ : (۷۲۴)اگر ثمن اور مبیع دونوں میں اختلاف ہو جائے تو ثمن کے بارے میں بائع کی گواہی زیادہ بہتر ہے،اور مبیع کے بارے میں مشتری کی گواہی زیادہ بہتر ہے۔

ترجمہ :لـ اس لئے کہ وہی زیادہ کو ثابت کر رہا ہے۔

تشریح :یہاں اصل قاعدہ یہ ہے کہ مدعی کون ہے،اس کی گواہی کا اعتبار ہے،یہاں ثمن کے بارے میں بائع مدعی ہے اس لئے اس کی گواہی کا اعتبار ہوگا،اور مبیع کے بارے میں مشتری مدعی ہے اس لئے اس کی گواہی کا اعتبار ہوگا۔

ترجمہ : (۷۲۵)پس اگر دونوں میں سے کسی کے لئے بینہ نہ ہو تو مشتری سے کہا جائے گا کہ یا راضی ہو جائے اس قیمت پر جس کا بائع دعوی کرتا ہے ورنہ تو ہم بیع فسخ کر دیں گے۔اور بائع سے کہا جائے گا یا مان لے اس بات کو جس کا مشتری دعوی کرتا ہے مبیع میں سے ورنہ تو ہم بیع فسخ کر دیں گے۔

ترجمہ :لـ اس لئے کہ جھگڑے کو ختم کرنا مقصود ہے،اور یہ جھگڑا ہے [اس لئے اس کو ختم ہی کرنا چاہئے]کبھی ایسا بھی ہوتا

فَإِذَا عَلِمَا بِهِ يَتَرَاضَيَانِ.
(٧٢٦) (فَإِنْ لَمْ يَتَرَاضَيَا اسْتَحْلَفَ الْحَاكِمُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى دَعْوَى الْآخَرِ)

ہے کہ دونوں فسخ کرنے پر راضی نہیں ہوتے، پس جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کو فسخ کر دے گا تو موجودہ صورت پر راضی ہو جاتے ہیں۔

تشریح : اگر دونوں میں سے کسی کے پاس بینہ نہیں ہے تو حاکم پہلے مسئلے میں مشتری سے کہے گا کہ یا تو بائع جتنا کہتا ہے مثلا بارہ درہم کا دعوی ہے تو بارہ درہم کو مان لو اور بکری لے لو ورنہ بیع فسخ کر دیں گے۔

وجہ :(۱) یہ اس لئے کہے گا تا کہ ہوسکتا ہے کہ فسخ کے ڈر سے مشتری مان لے اور بیع باقی رکھے۔اسی طرح دوسرے مسئلے میں بائع سے کہے گا کہ یا تو مشتری جتنے مبیع کا دعوی کرتا ہے مثلا دس درہم میں بارہ کیلو گیہوں کا تو اس کو مان لو اور بیع باقی رکھو ورنہ تو بیع فسخ کردوں گا۔ (۲)قال عبد الله فانی سمعت رسول الله ﷺ يقول اذا اختلف البيعان و ليس بينهما بينة فهو ما يقول رب السلعة او يتتاركان ۔(ابوداود شریف، باب اذا اختلف البیعان والمبیع قائم ،ص ۵۰۶،نمبر ۳۵۱۱ رنسائی شریف، باب خلاف المتبایعین فی الثمن ،ص ۶۴۰،نمبر ۴۶۵۲)اس حدیث میں ہے کہ کسی کے پاس بینہ نہ ہو تو بائع جو کچھ کہے اس کو مان لو، یا بیع فسخ کر دو۔

لغت: تسلم : بات مان لے،تسلیم کرلے۔

ترجمہ :(۷۲۶)پس اگر دونوں راضی نہ ہوں تو حاکم دونوں میں سے ہر ایک سے قسم لے دوسرے کے دعوی پر۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ، یہاں صلب بیع میں اختلاف ہے،اس لئے بائع اور مشتری دونوں مدعی بھی ہے،اور دونوں منکر بھی ہے اس لئے بینہ نہ ہونے کی شکل میں دونوں سے قسم لی جائے گی

دوسرا اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مبیع موجود ہو،اور بائع اور مشتری میں اصل بیع میں اختلاف ہو جائے،اور کسی کے پاس گواہ نہ ہو تو دونوں کو قسم کھلائیں گے،اور دونوں قسم کھا لیں تو بیع توڑ دی جائے گی،اور اس کے آگے قول تابعی ہے،جس میں ہے کہ مبیع موجود ہو تو دونوں کو قسم کھلا کر بیع توڑ دی جائے گی

وجہ :(۱)چونکہ دونوں مدعی ہیں،اور مدعی علیہ بھی ہیں اور مدعی کے پاس بینہ نہیں ہے اس لئے دونوں کو دوسرے کے دعوی پر قسم کھلائیں گے۔اور چونکہ دونوں کو قسم کھلایا اور کوئی ترجیح کی چیز نہیں ہے اور نہ یہ کر سکتے ہیں کہ دونوں کے درمیان آدھے آدھے کا فیصلہ کر دیں۔اس لئے آخری صورت یہ ہے کہ بیع کو فسخ کر دیا جائے (۲)۔ سألت حمادا عن رجل اشترى سلعة فاختلفا و قد هلكت السلعة ، قال بينة البائع ، او يمين المشترى ، فان كانت السلعة بعينها استحلفا و رد البيع ۔(مصنف عبد الرزاق، کتاب البیوع، باب البیعان یختلفان، ج ۸،ص ۲۷۲،نمبر ۱۵۱۸۷) اس قول تابعی میں ہے کہ اگر اختلاف ہوا ہو اور سامان قائم ہو تو دونوں قسم کھائیں گے،اور بیع رد ہو جائے گی

(۳)حدیث میں ہے کہ دونوں کے پاس بینہ نہ ہو تو دونوں قسم کھائیں۔عن ابی هريرة ان رجلين اختصما فی متاع الی النبی

۱؎ وَهٰذَا التَّحَالُفُ قَبْلَ الْقَبْضِ عَلَى وِفَاقِ الْقِيَاسِ، لِأَنَّ الْبَائِعَ يَدَّعِي زِيَادَةَ الثَّمَنِ وَالْمُشْتَرِي يُنْكِرُهُ، وَالْمُشْتَرِيَ يَدَّعِي وُجُوبَ تَسْلِيمِ الْمَبِيعِ بِمَا نَقَدَ وَالْبَائِعَ يُنْكِرُهُ، فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُنْكِرٌ فَيَحْلِفُ؛ ۲؎ فَأَمَّا بَعْدَ الْقَبْضِ فَمُخَالِفٌ لِلْقِيَاسِ لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ لَا يَدَّعِي شَيْئًا لِأَنَّ الْمَبِيعَ سَالِمٌ لَهُ فَبَقِيَ دَعْوَى الْبَائِعِ فِي زِيَادَةِ الثَّمَنِ وَالْمُشْتَرِي يُنْكِرُهَا فَيُكْتَفَى بِحَلِفِهِ، لَكِنَّا عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ وَهُوَ

ﷺ **ليس لواحد منهما بينة فقال النبي ﷺ استهما على اليمين ما كان احبا ذلک او کرھا.** (ابوداؤد شریف، باب الرجلین یدعیان شیئا ولیس بینھما بینۃ ص ۵۱۳،نمبر ۳۶۱۶ /ابن ماجہ شریف، باب الرجلان یدعیان السلعۃ ولیس بینھما بینۃ ص ۳۳۳ نمبر ۲۳۲۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں مدعی اور مدعی علیہ ہوں اور دونوں کے پاس بینہ نہ ہو تو دونوں قسم کھائیں گے۔

ترجمہ :۱؎ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے دونوں جانب سے قسم کھانا قیاس کے مطابق ہے، اس لئے کہ بائع زیادہ ثمن کا مطالبہ کرتا ہے اور مشتری اس کا انکار کرتا ہے، اسی طرح جتنا ثمن دیا ہے اس کے بدلے میں مشتری مبیع مانگ رہا ہے، اور بائع اس کا انکار کرتا ہے، اس لئے دونوں منکر ہیں، اس لئے دونوں کو قسم کھلوائی جائے گی۔

تشریح : مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بائع بھی مدعی ہے اور مشتری منکر ہے، اور مشتری بھی مدعی ہے اور بائع منکر ہے، کیونکہ بائع زیادہ ثمن مانگتا ہے، اور مشتری اس کا انکار کرتا ہے اس لئے وہ منکر ہوا۔ اور مشتری دعوی کرتا ہے کہ اسی رقم میں مجھے مبیع دو اور بائع اس کا انکار کرتا ہے، اس اعتبار سے بائع منکر ہوا، اس لئے دونوں منکر ہیں، اس لئے گواہ نہ ہونے کی صورت میں دونوں کو قسم کھلائی جائے گی۔

ترجمہ :۲؎ لیکن مبیع پر قبضے کے بعد تو دونوں کو قسم کھلانا قیاس کے خلاف ہے، اس لئے کہ مشتری اب کسی چیز کا دعوی نہیں کرتا ہے ، اس لئے کہ مبیع اس کو صحیح سالم مل گئی ہے، اس لئے اب صرف بائع کا دعوی ثمن کے زیادتی کے سلسلے میں باقی رہا، اور مشتری اس کا انکار کر رہا ہے، اس لئے صرف مشتری کو قسم کھلانا چاہئے، لیکن حدیث سے ہمیں پتہ چلا ہے کہ دونوں کو قسم کھلاؤ اس لئے ہم دونوں کو قسم کھلاتے ہیں، حدیث یہ ہے۔ کہ بائع اور مشتری دونوں اختلاف کریں، اور مبیع بعینہ موجود ہو تو دونوں قسم کھائیں اور مبیع واپس کر دیں۔

تشریح : مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا تو اب اس کا کوئی دعوی نہیں رہا، اس لئے اب بائع منکر نہیں رہا، بلکہ صرف بائع مدعی رہا اور صرف مشتری منکر رہا، اس لئے اب صرف ایک جانب سے منکر رہا، دونوں جانب سے منکر نہیں رہا اس لئے دونوں کو قسم نہیں کھلانا چاہئے ، لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ حدیث میں اس صورت میں بھی دونوں کو قسم کھلانے کا حکم ہے اس لئے اس صورت میں دونوں کو قسم کھلائیں گے۔

وجہ :(۱) صاحب ہدایہ کا قول تابعی اس طرح ہے۔ **سألت حمادا عن رجل اشتری سلعة فاختلفا و قد هلكت السلعة ، قال بينة البائع ، او يمين المشتری ، فان كانت السلعة بعينها استحلفا و رد البيع** ۔(مصنف عبد الرزاق، کتاب البیوع، باب البیعان یختلفان، ج ۸، ص ۲۷۲، نمبر ۱۵۱۸۷) (۲) **عن ابن سيرين قال اذا اختلف البائعان فی البيع حلفا جميعا فان حلفا رد البيع ، وان نكل احدهما و حلف الآخر فهو للذی**

قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ وَالسِّلْعَةُ قَائِمَةٌ بِعَيْنِهَا تَحَالَفَا وَتَرَادَّا.
(٢٧) قَالَ (وَيَبْتَدِءُ بِيَمِينِ الْمُشْتَرِى) ل وَهٰذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَأَبِى يُوسُفَ آخِرًا، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِى حَنِيفَةَ، وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الْمُشْتَرِى أَشَدُّهُمَا إِنْكَارًا لِأَنَّهُ يُطَالَبُ أَوَّلًا بِالثَّمَنِ وَلِأَنَّهُ يَتَعَجَّلُ فَائِدَةَ

حلف، و ان نكلا رد البيع ۔(مصنف عبد الرزاق، کتاب البیوع، باب البیعان یختلفان، ج ٨، ص ٢٧٢، نمبر ١٥١٨٨)
ان دونوں اقوال تابعی میں ہے کہ اگر اختلاف ہوا ہو اور سامان قائم ہو تو دونوں قسم کھائیں گے، اور بیع رد ہو جائے گی۔
نوٹ: اس قول تابعی میں یہ ہے کہ بائع اور مشتری دونوں قسمیں کھائیں۔لیکن یہ قول تابعی حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ مدعی پر گواہ ہے اور مدعی علیہ پر قسم ہے، یہاں دونوں پر قسم لازم ہو رہا ہے، اس لئے قول تابعی حدیث کے خلاف ہے، چنانچہ اس قول کی بنا پر آگے بہت پیچیدہ پیچیدہ بحثیں آ رہی ہیں

(٣) یہ حدیث بھی اس کی تائید میں ہے ۔عن ابی هريرة ان رجلين اختصما فی متاع الی النبی ﷺ ليس لواحد منهما بينة فقال النبی ﷺ استهما علی اليمين ما كان احبا ذلک او كرها. (ابوداؤد شریف، بالرجلین یدعیان شیئا و لیس بینھما بینۃ ص ١٥٣، نمبر ٣٦١٦/ابن ماجہ شریف، باب الرجلان یدعیان السلعۃ و لیس بینھما بینۃ ص ٣٣٣، نمبر ٢٣٢٩)،
اس حدیث میں ہے کہ دونوں قسم کھانے پر قرعہ ڈالیں جس سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ دونوں قسم کھائیں۔

ترجمہ :(٢٧) اور پہلے مشتری سے قسم کھلائیں گے۔

ترجمہ : ل یہ امام محمدؒ، اور امام ابو یوسفؒ کا آخری قول ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت ہے اور وہی صحیح ہے، اس لئے کہ مشتری کا انکار شدید ہے، اس لئے کہ پہلے اسی سے ثمن مانگا جاتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے انکار کا فائدہ فوری ظاہر ہو گا، اور وہ یہ ہے کہ اس پر ثمن لازم ہو جائے گا۔اور اگر پہلے بائع کو قسم کھلائیں تو جب تک مشتری ثمن نہ دے مبیع سونپنے کا مطالبہ موخر ہو جائے گا۔[اس لئے پہلے مشتری سے قسم کھلاؤ۔

تشریح :امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کی آخری روایت، اور امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ جب بائع اور مشتری دونوں کو قسم کھلانا ہے تو مشتری کو پہلے قسم کھلاؤ۔

وجہ : اس کی دو وجہ ہیں۔(١) پہلی وجہ یہ ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ پہلے مشتری سے ثمن کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اس کے بعد بائع کو مبیع دینے کے لئے کہا جاتا ہے، تو چونکہ مشتری سے پہلے مطالبہ ہے اس لئے مشتری ہی کو پہلے قسم کھلائی جائے گی۔(٢) دوسری وجہ یہ ہے کہ مشتری کو پہلے قسم کھلائیں گے تو اس کے انکار پر فورا اس پر ثمن لازم ہوگا۔اور بائع کو قسم کھلائیں گے تو اس کے انکار پر اس پر مبیع سپرد کرنا لازم نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد وہ ثمن کا مطالبہ کرے گا، مشتری ثمن دے گا پھر اس سے مبیع سپرد کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔تو چونکہ بائع کو قسم کھلانے سے مبیع مانگنے کا مطالبہ موخر ہوگا، اور مشتری کو قسم کھلانے سے ثمن کا مطالبہ جلدی ہو گا، اس لئے بھی مشتری کو پہلے قسم کھلائی جائے گی۔

النُّكُولِ وَهُوَ إِلْزَامُ الثَّمَنِ، وَلَوْ بُدِءَ بِيَمِينِ الْبَائِعِ تَتَأَخَّرُ الْمُطَالَبَةُ بِتَسْلِيمِ الْمَبِيعِ إِلَى زَمَانِ اسْتِيفَاءِ الثَّمَنِ.
٢ وَكَانَ أَبُو يُوسُفَ يَقُولُ أَوَّلًا: يَبْدَأُ بِيَمِينِ الْبَائِعِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ فَالْقَوْلُ مَا قَالَهُ الْبَائِعُ خَصَّهُ بِالذِّكْرِ، وَأَقَلُّ فَائِدَتِهِ التَّقْدِيمُ.
(٧٢٨) (وَإِنْ كَانَ بَيْعُ عَيْنٍ بِعَيْنٍ أَوْ ثَمَنٍ بِثَمَنٍ بَدَأَ الْقَاضِي بِيَمِينِ أَيِّهِمَا شَاءَ) لِاسْتِوَائِهِمَا ١ (وَصِفَةُ الْيَمِينِ أَنْ يَحْلِفَ الْبَائِعُ بِاللَّهِ مَا بَاعَهُ بِأَلْفٍ وَيَحْلِفَ الْمُشْتَرِي بِاللَّهِ مَا اشْتَرَاهُ بِأَلْفَيْنِ) ٢ قَالَ فِي

لغت: یتعجل فائدۃ النکول: قسم سے انکار کرنے کا فائدہ جلدی ہوگا، کہ مشتری پر جلدی سے ثمن لازم ہو جائے گا۔

ترجمہ : ٢ اور امام ابو یوسفؒ پہلے فرماتے تھے کہ پہلے بائع قسم کھائے گا اس لئے کہ حضور نے فرمایا کہ بائع اور مشتری اختلاف کرے تو بائع کے قول کا اعتبار ہوگا، پس حضورؐ نے خاص طور پر بائع کا ذکر کیا [اس لئے اس کا کم سے کم فائدہ یہ ہوگا کہ بائع کو پہلے قسم کھلائی جائے گی]

تشریح : امام ابو یوسفؒ پہلے بائع کو اس لئے قسم کھلانے کے قائل ہیں کہ حدیث میں بائع کو قسم کھلانے کا ذکر ہے۔ اس لئے اس کا کم سے کم فائدہ یہ ہے کہ بائع کو قسم کھلانے میں مقدم کرو۔

وجه : حدیث یہ ہے۔ (٣) عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ اذا اختلف البیعان و لا شهادة بینهما استحلف البائع ثم کان المبتاع بالخیار ان شاء اخذو ان شاء ترک۔ (دار قطنی، باب البیوع، ج ثالث، ص ١٥، نمبر ٢٨٣١) اس حدیث میں کہ بینہ نہ ہو تو بائع قسم کھائے گا۔ اس لئے امام ابو یوسفؒ کے یہاں بائع پہلے قسم کھائے گا۔

ترجمہ : (٧٢٨) اگر عین چیز کی بیع عین چیز کے ساتھ ہو، یا ثمن کی بیع ثمن کے ساتھ ہو، تو قاضی جسکو چاہے پہلے قسم کھلائے، کیونکہ دونوں برابر درجے میں ہیں۔

تشریح : مثلا گیہوں کی بیع جو کے ساتھ ہو تو دونوں عینی چیز ہیں، یا سونے کی بیع چاندی کے ساتھ ہو تو دونوں ثمن ہیں، اور دونوں بائع ہیں اور دونوں مشتری ہیں اس لئے قاضی جس کو چاہے پہلے قسم کھلائے، اور جس کو چاہے بعد میں قسم کھلائے۔ کیونکہ دونوں برابر درجے میں ہیں۔

ترجمہ : ١ اور قسم کھلانے کا طریقہ یہ ہے کہ۔ بائع قسم کھائے، خدا کی قسم میں نے ایک ہزار میں نہیں بیچا ہے، اور مشتری قسم کھائے۔ خدا کی قسم میں نے دو ہزار میں نہیں خریدا ہے۔

تشریح : قسم کھانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ صرف نفی کا ذکر کرے، اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نفی اور اثبات دونوں کا ذکر کرے، مبسوط میں یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ صرف نفی کا ذکر کرے، اثبات کا ذکر نہ بھی کرے تب بھی کافی ہے، اور بائع یوں کہے۔ خدا کی قسم میں نے ایک ہزار میں نہیں بیچا ہے۔ اور مشتری یوں قسم کھائے۔ خدا کی قسم میں نے دو ہزار میں نہیں خریدا ہے۔ اس کے اثبات کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ : ٢ زیادات میں یہ ہے کہ بائع یوں قسم کھائے۔ خدا کی قسم ایک ہزار میں نہیں بیچا ہے، بلکہ دو ہزار میں بیچا ہے۔ اور مشتری

الـزِّيَادَاتِ: يَحْلِفُ بِاللَّهِ مَا بَاعَهُ بِأَلْفٍ وَلَقَدْ بَاعَهُ بِأَلْفَيْنِ، يَحْلِفُ الْمُشْتَرِي بِاللَّهِ مَا اشْتَرَاهُ بِأَلْفَيْنِ وَلَقَدْ اشْتَرَاهُ بِأَلْفٍ يُضَمِّنُ الْإِثْبَاتُ إِلَى النَّفْيِ تَأْكِيدًا، ٣ـ وَالْأَصَحُّ الِاقْتِصَارُ عَلَى النَّفْيِ لِأَنَّ الْأَيْمَانَ عَلَى ذَلِكَ وُضِعَتْ، دَلَّ عَلَيْهِ حَدِيثُ الْقَسَامَةِ. بِاللَّهِ مَا قَتَلْتُمْ وَلَا عَلِمْتُمْ لَهُ قَاتِلًا.

(٤٢٩) قَالَ (فَإِنْ حَلَفَا فَسَخَ الْقَاضِي الْبَيْعَ بَيْنَهُمَا) ١ـ وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَا يَنْفَسِخُ بِنَفْسِ التَّحَالُفِ

یوں قسم کھائے۔خدا کی قسم دو ہزار میں نہیں خریدا ہے ، بلکہ ایک ہزار میں خریدا ہے، تاکید کے لئے اثبات کو نفی کے ساتھ ملائے گا۔

تشریح :امام محمدؒ کی کتاب زیادات میں یہ قسم کھلانے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ اثبات اور نفی دونوں کو قسم کھانے میں ملائے گا، اور اس کی شکل اوپر گزر گئی۔

ترجمہ : ٣ـ صحیح بات یہ ہے کہ قسم میں صرف نفی پر اکتفاء کرے گا۔کیونکہ قسامہ کی حدیث میں اسی طرح کی قسم ہے۔خدا کی قسم نہ تم نے قتل کیا اور نہ تم قاتل کو جانتے ہو۔

تشریح : قسامہ میں جو قسم کھلانے کا طریقہ ہے اس میں صرف نفی کے ساتھ قسم ہے، اس میں اثبات کو نہیں ملایا گیا ہے، اس لئے صرف نفی کے ساتھ قسم کھالینا کافی ہے۔

وجہ:قسامہ والی حدیث یہ ہے۔ عن عبد الرحمن بن بجيد قال ان سهلا والله . اوهم الحديث ان رسول الله ﷺ كتب الى يهود انه قد وجد بين اظهركم قتيل فدوه فكتبوا يحلفون بالله خمسين يمينا، ما قتلناه و ما علمنا قاتلا ۔(ابوداود شریف، باب ترک القود بالقسامة ،ص ٦٤٠ ،نمبر ٤٥٢٥)اس حدیث میں ہے کہ صرف نفی پر قسم کھائی کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے، اور نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں۔

لغت:کسی محلے میں مقتول پڑا ہوا ہو اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو تو اس محلے کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی، کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں، اس کو قسامہ کی قسم، کہتے ہیں۔

ترجمہ :(٤٢٩) اگر دونوں نے قسم کھالی تو قاضی بیع کو فسخ کردے گا۔

تشریح :بائع اور مشتری دونوں کے پاس بینہ نہیں تھا، دونوں کو قسم کھانے کے لئے کہا، لیکن دونوں نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اب قاضی کسی ایک کی جانب فیصلہ نہیں کرسکتا، اس لئے اب وہ بیع کو فسخ کردے گا۔

ترجمہ :١ـ قاضی کا باضابطہ فسخ کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صرف قسم کھانے سے بیع فسخ نہیں ہوگی[بلکہ قاضی کو فسخ کرنا پڑے گا] اس کی وجہ یہ ہے کہ قسم نہ کھانے کی وجہ سے دونوں میں سے کسی کا دعوی ثابت نہیں ہوا اس لئے بیع مجہول باقی رہا اس لئے جھگڑا ختم کرنے کے لئے قاضی اس کو ختم کردے گا۔

تشریح : متن میں ہے کہ تحالف کے بعد قاضی بیع فسخ کرے، اس کا مطلب یہ نکلا کہ صرف قسم سے انکار کرنے سے بیع فسخ نہیں ہوگی، بلکہ اس کے بعد قاضی کے فسخ کرنے سے بیع فسخ ہوگی۔

وجہ :بیع فسخ کرنے کی دو وجہ بیان کررہے ہیں[١] ایک وجہ یہ ہے کہ جب دونوں نے قسم کھالی تو جو دعوی کررہا تھا وہ ثابت

لِأَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ مَا ادَّعَاهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَيَبْقَى بَيْعٌ مَجْهُولٍ فَيَفْسَخُهُ الْقَاضِي قَطْعًا لِلْمُنَازَعَةِ. ٢ أَوْ يُقَالُ إِذَا لَمْ يَثْبُتِ الْبَدَلُ يَبْقَى بَيْعًا بِلا بَدَلٍ وَهُوَ فَاسِدٌ وَلَا بُدَّ مِنَ الْفَسْخِ فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ.

(٧٣٠) قَالَ: (وَإِنْ نَكَلَ أَحَدُهُمَا عَنِ الْيَمِينِ لَزِمَهُ دَعْوَى الْآخَرِ) ١ لِأَنَّهُ جُعِلَ بَاذِلًا فَلَمْ يَبْقَ دَعْوَاهُ مُعَارِضًا لِدَعْوَى الْآخَرِ فَلَزِمَ الْقَوْلُ بِثُبُوتِهِ.

(٧٣١) قَالَ (وَإِنِ اخْتَلَفَا فِي الْأَجَلِ أَوْ فِي شَرْطِ الْخِيَارِ أَوْ فِي اسْتِيفَاءِ بَعْضِ الثَّمَنِ فَلَا تَحَالُفَ

نہیں ہوا، اس لئے بیع مجہول رہ گئی، اس لئے جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے قاضی بیع کو ختم کر دے گا۔

ترجمہ : ٢ یا یوں کہا جائے کہ قسم کھانے کی وجہ سے بدل ثابت نہیں ہوئی، اس لئے بیع بغیر بدل کے باقی رہی، اور بیع بغیر بدل کے فاسد ہے، اور فاسد بیع کو فسخ کرنا ضروری ہے [اس لئے قاضی اس کو فسخ کر دے گا]

تشریح : قاضی اس بیع کو فسخ کر دے اس کے لئے یہ دوسری وجہ ہے، کہ جب دونوں نے قسم کھالی تو مبیع کے بدلے میں ثمن، اور ثمن کے بدلے میں مبیع ثابت نہیں ہوئی، اس لئے بیع بغیر بدل کے رہ گئی، اور بیع بغیر بدل کے فاسد ہوتی ہے، جس کو فسخ کرنا ضروری ہے، اس لئے قاضی اس کو فسخ کر دے گا۔

ترجمہ : (٧٣٠) پس اگر دونوں میں سے ایک قسم سے انکار کرے تو اس پر دوسرے کا دعوی لازم ہوگا۔

تشریح : ایک نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوسرے کا دعوی صحیح ہے، اس لئے دوسرے کا دعوی لازم ہو جائے گا، اور اس کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

وجہ : حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده عن النبی ﷺ قال اذا ادعت المرأة طلاق زوجها فجاء ت علی ذلک بشاهد عدل استحلف زوجها فان حلف بطلت شهادة الشاهد وان نکل فنکوله بمنزلة شاهد آخر وجاز طلاقه. (ابن ماجہ شریف، باب الرجل یجحد الطلاق ص ٢٩٢ نمبر ٢٠٣٨ / دار قطنی، کتاب الوکالۃ ج رابع ص ٩٦ نمبر ٤٢٩٥) اس حدیث میں ہے کہ قسم سے انکار کرنا دوسرے گواہ کے درجے میں ہے۔ اور اس سے مدعی کے دعوی کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

ترجمہ : ١ اس لئے کہ اس قسم کھانے سے انکار کرنا خوشی سے دے دینا قرار دیا جائے گا، اور اس کا دعوی دوسرے کے معارض نہیں رہا، اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ دوسرے کی بات ثابت ہے۔

لغت : باذل: کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیز ہے تو میری، لیکن اب اللہ کے نام کی قسم کون کھاتا ہے، اس لئے چلو میں نے یہ چیز سامنے والے کو دے دیا۔ لزم القول بثبوتہ: قسم سے انکار کرنے والے نے دوسرے کی بات مان لی۔

تشریح : جس نے قسم کھانے سے انکار کیا گویا کہ اس نے یوں کہا کہ یہ چیز میری ہے لیکن چلو میں اس کو دے دیتا ہوں، اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ انکار کرنے والے نے پہلے کا دعوی مان لیا اس لئے اس کے لئے فیصلہ کر دیا جائے گا۔

ترجمہ : (٧٣١) اور اگر دونوں نے اختلاف کیا مدت میں یا خیار شرط میں یا بعض قیمت وصول کرنے میں تو دونوں سے

بَیْنَهُمَا) ل لِأَنَّ هٰذَا اخْتِلَافٌ فِی غَیْرِ الْمَعْقُودِ عَلَیْهِ وَالْمَعْقُودِ بِهِ، فَأَشْبَهَ الِاخْتِلَافَ فِی الْحَطِّ

قسم نہیں لے جائے گی، بات اس کی مانی جائے گی جو خیار شرط اور مدت کا انکار کرتا ہو قسم کے ساتھ۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر اصل ثمن یا اصل مبیع میں اختلاف ہو تو دونوں بائع اور مشتری دونوں مدعی، اور دونوں منکر ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے دونوں کو قسم کھلائی جاتی ہے، لیکن اگر اصل مبیع اور اصل ثمن میں اختلاف نہ ہو بلکہ مبیع اور ثمن سے باہر اختلاف ہو جیسے خیار شرط لینے میں اختلاف ہو، یا مدت لی ہے یا نہیں اس میں اختلاف، ہو، یا بعض ثمن وصول کرنے میں اختلاف ہو تو یہ اصل مبیع اور ثمن میں اختلاف نہیں ہے، بلکہ فروعی باتوں میں اختلاف ہے، اس لئے ایک آدمی مدعی ہے، اور دوسرا منکر ہے، اس لئے صرف ایک آدمی منکر کو قسم کھلائی جائے گی۔

لغت: الاجل: مدت۔ استیفاء: وفی سے مشتق ہے وصول کرنا۔ تحالف: باب مفاعلہ سے ہے دونوں طرف سے قسم لینا۔

تشریح: یہاں تین اختلاف بیان کر رہے ہیں [۱] پہلا اختلاف یہ ہے کہ ایک کہتا ہے کہ ثمن دینے کے لئے مدت لی ہے، اور دوسرا کہتا ہے کہ ثمن دینے کے لئے مدت نہیں لی ہے۔

[۲] دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ایک کہتا ہے کہ خیار شرط لی ہے، اور دوسرا کہتا ہے کہ خیار شرط نہیں لی ہے۔

[۳] تیسرا اختلاف یہ ہے کہ ایک کہتا ہے کہ کچھ ثمن وصول کیا ہے، اور دوسرا کہتا ہے کہ کل ثمن وصول کیا ہے، تو ان تینوں صورتوں میں بائع اور مشتری دونوں کو قسم نہیں کھلائی جائے گی، جو مدت کا انکار کرتا ہے، یا خیار شرط کا انکار کرتا ہے، یا جو بعض ثمن کے وصول کرنے کا انکار کرتا ہے وہ منکر ہے صرف اسی کو قسم کھلائی جائے گی۔

وجہ: (۱) کیونکہ یہاں دونوں منکر نہیں ہے، بلکہ صرف ایک منکر ہے۔ (۲) حدیث میں ہے۔ **کتب الی ابن عباس ان رسول اللہ قضی بالیمین علی المدعی علیه** (ابوداؤد شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ص ۱۵۳ نمبر ۳۶۱۹ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۲) اس حدیث میں ہے کہ مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

(۳) اس حدیث میں بھی ہے۔ **عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال البینة علی من ادعی، و الیمین من انکر، الا فی القسامة۔** (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات وغیرہ، ج ۴، ص ۱۱۴، نمبر ۳۱۹۰) اس حدیث میں ہے کہ جو دعوی کرے اس پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے، اور جو انکار کرے اس پر گواہ نہ ہو تو قسم کھانا ضروری ہے (۴) اس قول تابعی میں بھی ہے۔ **عن شریح انه قال فصل الخطاب الشاھدان علی المدعی و الیمین علی من انکر۔** (مصنف عبد الرزاق، باب البیعان یختلفان وعلی من، ج ۸، ص ۲۷۲، نمبر ۱۵۱۹۰) اس قول تابعی میں ہے کہ مدعی پر دو گواہ ہیں، اور منکر پر قسم ہے

ترجمہ: ل اس لئے کہ یہ اختلاف مبیع اور ثمن میں نہیں ہے تو ایسا ہو گیا کہ ثمن کے کم کرنے میں، یا معاف کرنے میں اختلاف ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نہ بھی ہو تب بھی بیع کے عقد میں خلل نہیں ہوتا ہے۔

تشریح: دونوں کو قسم نہ کھلانے کی یہ وجہ ہے۔ کہ مدت اور خیار شرط، اور بعض ثمن کو وصول کرنے کی بات نہ بھی ہو تو تب بھی بیع ہو جاتی ہے، اس لئے صلب عقد میں اختلاف نہیں ہوا اس لئے دونوں منکر نہیں ہوئے، اور یہ اختلاف ایسا ہو گیا کہ ثمن معاف

وَالْإِبْرَاءِ، وَهَذَا لِأَنَّ بِانْعِدَامِهِ لا يَخْتَلُّ مَا بِهِ قِوَامُ الْعَقْدِ، ٢ بِخِلَافِ الِاخْتِلَافِ فِي وَصْفِ الثَّمَنِ أَوْ جِنْسِهِ حَيْثُ يَكُونُ بِمَنْزِلَةِ الِاخْتِلَافِ فِي الْقَدْرِ فِي جَرَيَانِ التَّحَالُفِ لِأَنَّ ذَلِكَ يَرْجِعُ إِلَى نَفْسِ الثَّمَنِ فَإِنَّ الثَّمَنَ دَيْنٌ وَهُوَ يُعْرَفُ بِالْوَصْفِ، ٣ وَلَا كَذَلِكَ الْأَجَلُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِوَصْفٍ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ الثَّمَنَ مَوْجُودٌ بَعْدَ مُضِيِّهِ.

(۷۳۲) (وَالْقَوْلُ قَوْلُ مَنْ يُنْكِرُ الْخِيَارَ وَالْأَجَلَ مَعَ يَمِينِهِ) ١ لِأَنَّهُمَا يَثْبُتَانِ بِعَارِضِ الشَّرْطِ

کرنے، یا اس کو کم کرنے میں اختلاف ہوا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ ثمن کم کرنے، یا اس کو معاف کرنے میں اختلاف ہو جائے تو ایک آدمی منکر بنتا ہے، دونوں نہیں، اسی طرح یہاں ایک آدمی منکر بنے گا، اور اس کو قسم کھلائی جائے گی، دونوں کو نہیں۔

لغت : معقود علیہ: جس پر عقد ہوا ہو، یعنی مبیع۔ معقود بہ: جس کے ذریعہ عقد ہوا ہو، یعنی ثمن۔ حط: کم کرنا۔ ابراء: بری کر دینا، معاف کر دینا۔ یختل: خلل واقع ہونا۔ قوام العقد: اصل عقد۔

ترجمہ : ٢ اس کے برخلاف اگر ثمن کی صفت میں، یا اس کی جنس میں اختلاف ہو جائے تو وہ قسم کھانے کے معاملے میں ثمن کی مقدار میں اختلاف کی طرح ہے، اس لئے کہ یہ نفس ثمن کی طرف لوٹتا ہے، اس لئے کہ ثمن ادھار ہو تو اس کی صفت سے ہی ثمن کی مقدار کا پتہ چلتا ہے ۔

تشریح : ثمن کی صفت میں اختلاف ہو جائے، مثلا ایک کہے کہ کھرا درہم پر بیع طے ہوئی تھی، اور دوسرا کہے کہ کھوٹا درہم پر بات طے ہوئی تھی، تو اس مین دونوں منکر بنیں گے، کیونکہ صلب عقد میں اختلاف ہو گیا۔ اسی طرح ثمن کی جنس میں اختلاف ہو گیا، مثلا ایک کہے کہ درہم پر بیع ہوئی تھی، اور دوسرا کہے کہ دینار پر بیع ہوئی تھی تو یہ اصل عقد میں اختلاف ہے اس لئے دونوں منکر بنیں گے۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ ثمن کی صفت، یا ثمن کی جنس یہ نفس ثمن ہے، کیونکہ ثمن ادھار ہو تو صفت سے ہی ثمن کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، اس لئے صفت میں اختلاف سے اصل عقد میں اختلاف ہوا اس لئے دونوں منکر بنیں گے۔

ترجمہ : ٣ لیکن مدت کا معاملہ ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ وہ صفت کے درجے میں نہیں ہے،، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ مدت گزر جائے پھر بھی ثمن باقی رہتی ہے۔

تشریح : متن میں جو مدت کے بارے میں بات آئی تو اس کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ مدت ثمن کی صفت کے درجے میں نہیں ہے، اور وہ اصل عقد میں شامل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ مدت گزر جائے پھر بھی مشتری پر ثمن باقی رہتا ہے، اس لئے مدت کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو دونوں کو منکر قرار نہیں دیا جائے گا، بلکہ صرف ایک منکر ہوگا۔ اور ایک ہی سے قسم لی جائے گی۔

ترجمہ : (۷۳۲) اور قسم کے ساتھ اس کی بات مانی جائے گی جو اختیار لینے کا انکار کرتا ہو، یا مدت لینے کا انکار کرتا ہو

ترجمہ : ١ اس لئے کہ یہ دونوں شرط والی عارضی چیز کو ثابت کر رہے ہیں، اور قاعدہ یہ ہے کہ قسم کے ساتھ اس کی بات مانی جائے گی جو عوارض کا انکار کرتا ہو

وَالْقَوْلُ لِمُنْكِرِ الْعَوَارِضِ.

(٧٣٣) قَالَ: (فَإِنْ هَلَكَ الْمَبِيعُ ثُمَّ اخْتَلَفَا لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يَتَحَالَفَانِ وَيُفْسَخُ الْبَيْعُ عَلَى قِيمَةِ الْهَالِكِ) ١ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ،

تشریح :ایک آدمی کہتا ہے کہ بیع میں خیار شرط لی گئی تھی، یا کہتا ہے کہ بیع میں تاخیر کر کے ثمن دینے کی مدت لی گئی تھی، دوسرا اس کا انکار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ نہیں خیار شرط نہیں لی گئی تھی، یا تاخیر کر کے ثمن دینے کی بات نہیں ہوئی تھی،، اور مدعی کے پاس اس کے لئے گواہ نہیں ہے، تو اس کی بات مانی جائے گی جو خیار شرط، اور مدت لینے کا انکار کرتا ہے

وجه ، یہاں صلب بیع میں اختلاف نہیں ہے، بلکہ عارضی چیز میں اختلاف ہے، کیونکہ مبیع اور ثمن یہ صلب بیع ہیں، اور خیار شرط کا لینا، یا تاخیر کے ساتھ ثمن دینا، یہ عارضی چیز ہیں، صلب بیع نہیں ہیں، اس لئے ان عارضی چیزوں کا جو انکار کرتا ہے،، اور مدعی کے پاس گواہ نہیں ہو، تو منکر کی ہی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی (۲)۔**عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبى ﷺ قال فى خطبته البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۱/ دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۸۸ نمبر ۳۱۶۶) اس حدیث میں تقسیم کر دیا ہے کہ مدعی پر بینہ ہو گا اور مدعی علیہ پر قسم ہو گی

ترجمه : (۷۳۳) اگر مبیع ہلاک ہو گئی پھر دونوں میں ثمن میں اختلاف کیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قسم نہیں کھلائیں گے۔ اور ثمن کے بارے میں مشتری کی بات مان لی جائے گی۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں قسمیں کھائیں گے اور بیع ہلاک شدہ کی قیمت پر فسخ ہو گی۔

ترجمه :١ یہی رائے امام شافعیؒ کی بھی ہے

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مبیع کے ہلاک ہونے کے بعد دونوں مدعی، اور دونوں منکر نہیں رہے

دوسرا اصول یہ ہے کہ تابعی کے قول میں ہے کہ مبیع کے ہلاک کے بعد اختلاف ہوا ہو تو صرف مشتری پر قسم لازم ہے، دونوں پر قسم نہیں ہے۔

وہ قول تابعی یہ ہے۔**سألت حمادا عن رجل اشترى سلعة فاختلفا و قد هلكت السلعة ، قال بينة البائع ، او يمين المشترى.** (مصنف عبد الرزاق، کتاب البیوع، باب البیعان یختلفان، ج ۸، ص ۲۷۲، نمبر ۱۵۱۸۷) اس قول تابعی میں ہے کہ مبیع ہلاک ہو گئی ہو تو بائع پر گواہ ہے، اور مشتری پر قسم ہے

تشریح : مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا اور اس کے پاس ہلاک ہو گئی اس کے بعد ثمن کے بارے میں اختلاف ہوا مثلا بائع کہتا ہے کہ بارہ درہم بکری کی قیمت تھی اور مشتری کہتا ہے کہ دس درہم تھی تو شیخین کے نزدیک گواہ نہ ہونے پر بائع اور مشتری دونوں کو قسم نہیں کھلائیں گے۔ بلکہ صرف مشتری کو قسم کھلا کر جتنی قیمت وہ کہتا ہے یعنی دس درہم، اس کی بات مان لی جائے گی۔

۲؎ وَعَلَى هَذَا إِذَا خَرَجَ الْمَبِيعُ عَنْ مِلْكِهِ أَوْ صَارَ بِحَالٍ لَا يَقْدِرُ عَلَى رَدِّهِ بِعَيْبٍ . ۳؎ لَهُمَا أَنَّ كُلَّ

اورامام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ بائع اور مشتری دونوں قسم کھائیں گے، پھر بیع کو فسخ کر دیں گے، اور جو مبیع ہلاک ہوگئی ہے، اس کی بازاری قیمت کیا ہے وہ قیمت مشتری واپس کرے گا، اور بائع وہ ثمن واپس کرے گا جو اس نے مشتری سے لیا تھا

وجہ ۔(۱)سألت حمادا عن رجل اشترى سلعة فاختلفا و قد هلكت السلعة ، قال بينة البائع ، او يمين المشترى ، ۔(مصنف عبد الرزاق، کتاب البیوع، باب البیعان یختلفان، ج ۸، ص ۲۷۲، نمبر ۱۵۱۸۷) اس قول تابعی میں ہے کہ مبیع ہلاک ہو چکی ہو تو صرف مشتری قسم کھائے گا (۲) دوسری وجہ یہ ہے مبیع ہلاک ہو چکی ہے، اس لئے اب دونوں مدعی، اور دونوں منکر نہیں رہے، صرف مشتری منکر ہے، اس لئے صرف اسی پر قسم ہے

(۳)اخبرنی من سمع ابراهيم يقول : اذا اختلف البيعان و قد هلكت السلعة فالقول قول المشترى الا ان يجى البائع بينة ۔ (مصنف عبد الرزاق، کتاب البیوع، باب البیعان یختلفان، ج ۸، ص ۲۷۲، نمبر ۱۵۱۸۹) اس قول تابعی میں ہے کہ مبیع ہلاک ہو چکی ہو تو صرف مشتری قسم کھائے گا

ترجمہ : ۲؎ اسی قاعدے پر ہے (کہ صرف مشتری قسم کھائیں گے) جبکہ مبیع مشتری کی ملکیت سے نکل چکی ہو، یا عیب کی وجہ سے مبیع کی حالت ایسی ہو چکی ہو کہ مشتری اس کو بائع کی طرف واپس نہیں کر سکتا ہو

تشریح : مثلا مشتری نے مبیع بیچ دی، یا ہبہ کر دی جس کی وجہ سے اب مشتری مبیع کو بائع کی طرف واپس نہیں کر سکتا ہے، یا مبیع میں ایسا عیب پیدا ہو گیا ہے کہ اب مبیع کو بائع کی طرف واپس نہیں کر سکتا ہے، اس کے بعد ثمن کی مقدار میں اختلاف ہوا تو ان صورتوں میں بھی اب صرف مشتری قسم کھائے گا، دونوں قسم نہیں کھائیں گے

ترجمہ : ۳؎ امام محمد، اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ بائع اور مشتری دونوں اس عقد کے علاوہ کا دعوی کر رہے ہیں جس کا دوسرا آدمی دعوی کر رہا ہے، اور گویا کہ دوسرا اس کا انکار کر رہا ہے، اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو زیادہ ثمن کا دعوی کر رہا ہے وہ دینا ہوگا، اس لئے دونوں قسمیں کھائیں، جیسے اگر مبیع ہلاک ہو جائے، اور ثمن کی جنس ہی میں اختلاف ہو جائے تو دونوں قسمیں کھاتے ہیں۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مقدار ثمن میں اختلاف بھی جنس ثمن میں اختلاف کی طرح صلب عقد میں اختلاف ہے

تشریح : امام محمد، اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب ایک کہتا ہے کہ بارہ درہم میں بکری بکی ہے، اور دوسرا کہتا ہے کہ دس درہم میں بکی ہے، تو ایسا ہو گیا کہ بائع اور مشتری دونوں الگ الگ دعوی کر رہے ہیں، اور دونوں دوسرے کی بات کا انکار کر رہے ہیں، اس لئے دونوں منکر بن گئے اس لئے دونوں پر قسم ہے، جیسے دونوں ثمن کی جنس میں اختلاف کرتے تو چونکہ یہ صلب عقد میں اختلاف ہو جاتا تو دونوں منکر بن جاتے، اسی طرح یہاں مقدار ثمن میں اختلاف کیا تو یہ بھی صلب عقد میں اختلاف کی طرح ہے، اس لئے دونوں منکر بن جائیں گے اور اس کو قسم کھلانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر بائع قسم کھانے سے انکار کر دے تو مشتری کو زیادہ ثمن نہیں دینا پڑے گا

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مبیع ہلاک ہونے کے بعد ثمن کی مقدار میں بھی اختلاف ہونا جنس ثمن میں اختلاف کی طرح صلب عقد میں اختلاف ہے (۲) ان کی دلیل قول تابعی ہے۔ عن ابن سيرين قال اذا اختلف

وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَدَّعِي غَيْرَ الْعَقْدِ الَّذِي يَدَّعِيهِ صَاحِبُهُ وَالْآخَرُ يُنْكِرُهُ وَأَنَّهُ يُفِيدُ دَفْعَ زِيَادَةِ الثَّمَنِ فَيَتَحَالَفَانِ؛ كَمَا إِذَا اخْتَلَفَا فِي جِنْسِ الثَّمَنِ بَعْدَ هَلَاكِ السِّلْعَةِ، ٤ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ أَنَّ التَّحَالُفَ بَعْدَ الْقَبْضِ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ لِمَا أَنَّهُ سَلَّمَ لِلْمُشْتَرِي مَا يَدَّعِيهِ وَقَدْ وَرَدَ الشَّرْعُ بِهِ فِي حَالِ قِيَامِ السِّلْعَةِ وَالتَّحَالُفُ فِيهِ يُفْضِي إِلَى الْفَسْخِ، وَلَا كَذَلِكَ بَعْدَ هَلَاكِهَا لِارْتِفَاعِ الْعَقْدِ فَلَمْ يَكُنْ فِي مَعْنَاهُ ٥ وَلِأَنَّهُ لَا يُبَالِي بِالِاخْتِلَافِ فِي السَّبَبِ بَعْدَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ،

البائعان فی البیع حلفا جمیعا ، فان حلفا رد البیع و ان نکل احدھما و حلف الآخر فھو للذی حلف و ان نکلا رد البیع ۔(مصنف عبد الرزاق، کتاب البیوع، باب البیعان یختلفان، ج ۸، ص ۲۷۲، نمبر ۱۵۱۸۸) اس قول تابعی میں ہے کہ مبیع میں اختلاف ہوا ہو تو بائع اور مشتری دونوں قسم کھائیں گے، اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ سامان ہلاک ہونے کے بعد اختلاف ہوا ہو یا پہلے، اس لئے دونوں حالتوں میں بائع اور مشتری دونوں قسمیں کھائیں گے۔

ترجمہ : ٤ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد بائع اور مشتری قسم کھائیں یہ خلاف قیاس ہے، اس لئے کہ مشتری جس مبیع کا دعوی کرتا ہے وہ تو صحیح سالم مل چکی ہے، البتہ دونوں کو قسم کھلانے کا جو معاملہ ہے وہ مبیع موجود ہو تو اس کی موجودگی میں شریعت یعنی قول تابعی میں یہ ہے کہ قسم کھلائیں گے، اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ قسم کھانے کے بعد بیع ٹوٹ جائے گی، اور مبیع واپس ہو جائے گی، لیکن مبیع ہلاک ہونے کے بعد اب تو مبیع واپس نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ عقد ختم ہو گیا ہے، اس لئے مبیع کے ہلاک ہونے کے بعد مبیع کے موجود ہونے کے معنی میں نہیں ہے

تشریح : مصنف حضرت ابوحنیفہ، اور امام ابو یوسفؒ کی جانب سے یہ دلیل دے رہے ہیں، جب مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا تو اب بائع اور مشتری دونوں سے قسم کھلانا خلاف قیاس ہے، لیکن چونکہ شریعت، یعنی قول صحابی میں ہے کہ مبیع موجود ہو تو دونوں کو قسم کھلائی جائے گی، اس لئے خلاف قیاس ہونے باوجود قول صحابی ہونے کی وجہ سے قسم کھلائی، لیکن اب مبیع ہلاک ہو چکی ہے، اور اس کی صورت مبیع موجود ہونے کی صورت نہیں ہے، اس لئے دونوں کو قسم نہیں کھلوائی جائے گی، صرف مشتری سے قسم لی جائے گی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مبیع موجود ہو تو دونوں کو قسم کھلانے کا فائدہ یہ ہے کہ بیع ٹوٹ جائے گی، اور مبیع ابھی موجود ہے اس لئے یہ مبیع بائع کی طرف واپس ہو جائے گی، لیکن اگر مبیع ہلاک ہو چکی ہے، تو بیع توڑیں بھی تب بھی مبیع بائع کی طرف واپس نہیں ہو پائے گی، اس لئے دونوں کو قسم کھلا کر بیع توڑنے کا فائدہ نہیں ہے

ترجمہ :٥ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بیع کا مقصد تھا صحیح سالم مبیع پر قبضہ وہ حاصل ہو گیا، اب اس کے حاصل ہونے کے بعد اس کا سبب کیا ہے اس میں اختلاف ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے یہ دوسرا جواب ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ بیع کرنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ مشتری کو صحیح سالم مبیع مل جائے، قبضہ کرنے کے بعد وہ مل گئی، اور مبیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے مکمل طور پر مبیع اس کی ہو گئی، یہ اور

٦ وَإِنَّمَا يُرَاعَى مِنْ الْفَائِدَةِ مَا يُوجِبُهُ الْعَقْدُ، وَفَائِدَةُ دَفْعِ زِيَادَةِ الثَّمَنِ لَيْسَتْ مِنْ مُوجَبَاتِهِ ٧ وَهَذَا إذَا كَانَ الثَّمَنُ دَيْنًا، فَإِنْ كَانَ عَيْنًا يَتَحَالَفَانِ لِأَنَّ الْمَبِيعَ فِي أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ قَائِمٌ فَيُوَفَّرُ فَائِدَةُ الْفَسْخِ ٨ ثُمَّ يَرُدُّ مِثْلَ الْهَالِكِ إنْ كَانَ لَهُ مِثْلٌ أَوْ قِيمَتَهُ إنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مِثْلٌ.

بات ہے کہ مبیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے مکمل طور پر مشتری کی ہوئی ہے، بہر حال کسی بھی طریقے سے اس کی ہوئی، لیکن ہوگئی اور مقصود حاصل ہوگیا، اس لئے اب یہ اختلاف ایسا ہوگیا کہ جنس ثمن میں اختلاف نہیں ہے بلکہ مقدار ثمن میں اختلاف ہے، اس لئے دونوں قسم نہیں کھائیں گے، بلکہ صرف مشتری قسم کھائے گا

ترجمہ : ٦ صرف اس فائدے کا اعتبار ہے جو عقد کا تقاضہ ہے، اور مشتری پر جو زیادہ ثمن دینا ہوگا یہ عقد بیع کا تقاضہ نہیں ہے (یہ فروعی مسئلہ ہے، اس لئے دونوں قسم نہیں کھائیں گے، بلکہ صرف مشتری قسم کھائے گا)

تشریح : یہ جملہ بھی امام محمدؒ، اور امام شافعیؒ کو جواب ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ، انہوں نے کہا تھا کہ بائع اور مشتری دونوں کو قسم کھلانے کا فائدہ یہ ہے کہ بائع جو زیادہ ثمن کا دعوی کر رہا ہے، وہ اب مشتری کو نہیں دینا پڑے گا، اس لئے دونوں کو قسم کھلاؤ۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ مشتری پر جو زیادہ ثمن کا دعوی ہے وہ عقد بیع کا تقاضہ نہیں ہے، عقد بیع کا تقاضہ تو صرف اتنا تھا کہ بائع کو صرف طے شدہ ثمن مل جائے، یہ زیادہ ثمن کا مطالبہ یہ عقد کے صلب میں داخل نہیں ہے، یہ فروع ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ صلب عقد میں اختلاف ہو جائے تو دونوں کو قسم کھلاتے ہیں، یہاں فروع میں اختلاف ہے اس لئے صرف مشتری کو قسم کھلائیں گے

لغت: موجباتہ: ثمن کی زیادتی کا مطالبہ عقد بیع کے ضمن میں نہیں ہے ، یہ فروع میں سے ہے

ترجمہ : ٧ یہ سارا اختلاف اس وقت ہے جب کہ ایک جانب مبیع ہو اور دوسری جانب ثمن درہم، یا دینار ہو، لیکن بیع میں دونوں ہی جانب عینی چیز یعنی سامان ہوں تو مبیع کے ہلاک ہونے کے باوجود بائع اور مشتری دونوں قسمیں کھائیں گے، اس لئے کہ ابھی ایک ہی جانب مبیع ہلاک ہوئی ہے، لیکن دوسری جانب مبیع موجود ہے، اس لئے قسم کھلانے کے بعد بیع فسخ ہو جائے گی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک جانب بھی مبیع موجود ہے تب بھی بائع، اور مشتری دونوں قسمیں کھائیں گے

تشریح: اوپر کا اختلاف اس وقت تھا جبکہ ایک جانب مبیع سامان ہے، اور اس کا ثمن درہم، یا دینار ہے، لیکن اگر دونوں جانب سامان ہیں، مثلا چاول کے بدلے گیہوں خریدا ہے، اب گیہوں ہلاک ہو گیا، اس کے بعد ثمن کی مقدار میں اختلاف ہوا ہے، تو یہاں ابھی چاول موجود ہے وہ ہلاک نہیں ہوا ہے، اور وہ بھی مبیع بن سکتا ہے، اس لئے یوں کہا جائے گا کہ ابھی بھی مبیع موجود ہے، اس لئے دونوں قسمیں کھائیں گے، اور بیع ختم کر دی جائے گی

ترجمہ : ٨ پھر جو مبیع ہلاک ہو چکی ہے اگر اس کی مثل موجود، یعنی وہ مثلی چیز ہے، تو وہ مثلی چیز دی جائے گی، اور اگر وہ مثلی نہیں ہے، ذوات القیم ہے، یعنی اس کی قیمت لگانے والی چیز ہے تو اس کی بازاری قیمت دلوائی جائے گی

تشریح : دونوں نے قسم کھائی، جس کی وجہ سے بیع توڑ دی گئی، اب جو مبیع ہلاک ہوگئی ہے، اگر وہ مثلی ہے، مثلا دس

(٣٤٧) قَالَ (وَإِنْ هَلَكَ أَحَدُ الْعَبْدَيْنِ ثُمَّ اخْتَلَفَا فِي الثَّمَنِ لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَرْضَى

کلو گیہوں ہے، اور وہ ہلاک ہوا تھا تو اس کی مثل دوسرا دس کلو گیہوں دلوایا جائے گا، لیکن اگر وہ چیز مثلی نہیں ہے، مثلا چاول کے بدلے میں بکری خریدی تھی، تو بکری مثلی نہیں ہے، بلکہ ذواۃ القیم ہے، یعنی بکری ہلاک ہونے پر دوسری بکری لازم نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کی بازاری قیمت لازم ہوتی ہے، تو یہاں بھی بکری ہلاک ہونے پر اس کی بازاری قیمت واپس دلوائی جائے گی۔

لغت : دینا: درہم، اور دینار کو دین کہتے ہیں۔ عینا: درہم، دینار، روپیہ کے علاوہ کو عین کہتے ہیں، یعنی یہ عین چیز لازم ہوتی ہے۔ مثلی: اس چیز کے ہلاک ہونے پر اس کی مثل لازم ہو، مثلا دس کلو گیہوں کے ہلاک ہونے پر، دس کلو گیہوں ہی لازم ہوتا ہے۔ ذواۃ القیم: جیسے بکری، کہ اس کے ہلاک ہونے پر اس قسم کی بکری لازم نہیں ہوتی، بلکہ اس بکری کی قیمت لازم ہوتی ہے، اس لئے اس کو، ذواۃ القیم، کہتے ہیں

ترجمہ :(٣٤٧) اگر دو غلاموں میں سے ایک ہلاک ہوا پھر دونوں نے قیمت میں اختلاف کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسم نہیں کھائیں گے لیکن اگر بائع اس بات پر راضی ہو جائے کہ جو غلام ہلاک ہو چکا ہے اس کا حصہ چھوڑ دے تو پھر دونوں قسم کھائیں گے

نوٹ ؛اوپر مسئلہ یہ تھا کہ پوری مبیع ہلاک ہوئی تھی، یہاں مسئلہ یہ ہے کہ آدھی مبیع ہلاک ہوئی تو اس میں ائمہ کی کیا رائیں ہیں، ملاحظہ فرمائیں

اصول :اس مسئلے میں تین اصول ہیں۔ا۔۔امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں غلام موجود ہوں تب بھی بائع اور مشتری دونوں کو قسم کھلانا خلاف قیاس ہے، اس لئے اگر ایک غلام ہلاک ہو گیا تب بھی قسم کھلانا خلاف قیاس ہوگا، اور دونوں کو قسم نہیں کھلائی جائے گی

اصول :امام محمدؒ کے نزدیک یہ تھا کہ پوری مبیع ہلاک ہو جائے تب بھی دونوں کو قسم کھلا سکتے ہیں، یہاں ایک غلام، یعنی آدھی مبیع ہلاک ہوئی ہے اس لئے دونوں کو قسم کھلائیں گے

اصول :امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پوری مبیع ہلاک ہوئی ہو تو دونوں کو قسم نہیں کھلائیں گے، یہاں آدھی مبیع، یعنی ایک غلام ہلاک ہوا ہے، اس لئے بائع اور مشتری دونوں کو قسم کھلا سکتے ہیں، ہاں دونوں ہلاک ہو جاتے تو اب بائع اور مشتری دونوں کو قسم نہیں کھلائیں گے، صرف مشتری کو قسم کھلائیں گے۔۔ان تینوں اصولوں کو یاد رکھیں تب جا کر مسئلہ سمجھ میں آئے گا

تشریح: بائع نے دو غلام بیچا تھا، مشتری نے ان پر قبضہ کیا پھر ایک غلام ہلاک ہو گیا۔اس کے بعد ان کی قیمت میں اختلاف ہوا۔ بائع کہتا ہے کہ دونوں غلام دو ہزار میں بیچا تھا اور مشتری کہتا ہے کہ ایک ہزار میں بیچا تھا تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کو قسمیں نہیں کھلائیں گے بلکہ صرف مشتری کو قسمیں کھلائیں گے۔ کیونکہ وہی زیاتی ثمن کا منکر ہے۔ ہاں جو غلام ہلاک ہو چکا ہے بائع اس کے حصے کی قیمت کو چھوڑ دے اور ایسا محسوس ہو کہ جو زندہ غلام ہے وہی صرف مبیع ہے۔ ہلاک شدہ غلام گویا کہ مبیع نہیں ہے تب اس موجود غلام پر دونوں کو قسمیں کھلائیں گے۔ کیونکہ گویا کہ ابھی پوری مبیع موجود ہے

الْبَائِعُ أَنْ يَتْرُكَ حِصَّةَ الْهَالِكِ مِنَ الثَّمَنِ. ١ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: الْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي مَعَ يَمِينِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْبَائِعُ أَنْ يَأْخُذَ الْعَبْدَ الْحَيَّ وَلَا شَيْءَ لَهُ مِنْ قِيمَةِ الْهَلَاكِ ٢ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يَتَحَالَفَانِ فِي الْحَيِّ وَيُفْسَخُ الْعَقْدُ فِي الْحَيِّ، وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي فِي قِيمَةِ الْهَالِكِ. ٣ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يَتَحَالَفَانِ عَلَيْهِمَا وَيَرُدُّ الْحَيَّ وَقِيمَةَ الْهَالِكِ) لِأَنَّ هَلَاكَ كُلِّ السِّلْعَةِ لَا يَمْنَعُ التَّحَالُفَ عِنْدَهُ

وجہ: دونوں مبیع ،یعنی دونوں غلام موجود ہوتے تب بھی بائع اور مشتری دونوں کو قسم کھلانا خلاف قیاس تھا، یہ تو صرف قول صحابی کی وجہ سے قسم کے قائل ہو گئے تھے،لیکن یہاں ایک غلام ہلاک ہو گیا ہے، یعنی آدھی مبیع ہلاک ہو چکی ہے اس لئے دونوں کو قسم نہیں کھلائیں گے، صرف مشتری کو قسم کھلائیں گے، وہ قسم کھالے تو اس کی بات مان کر جو بائع زیادہ ثمن مانگ رہا تھا وہ مشتری سے ساقط ہو جائے گا اور اگر بائع ہلاک شدہ غلام کی قیمت کو چھوڑنے پر راضی ہو جائے تو اب صورت یہ ہوگی کہ موجودہ غلام ہی صرف مبیع ہے، اور وہ موجود ہے تو گویا کہ پوری مبیع موجود ہے، اس لئے اب قاعدے کے اعتبار سے دونوں سے قسم کھلوائیں گے

ترجمہ : ١ جامع صغیر میں یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مشتری کی بات مانی جائے گی قسم کے ساتھ، ہاں اگر بائع یہ چاہے کہ جو زندہ غلام ہے اس کو واپس لے لے، اور جو ہلاک ہو چکا ہے اس کی کوئی قیمت نہ لے، تو پھر دونوں کو قسم دی جائے گی۔

تشریح : جامع صغیر کی عبارت کا مطلب بھی وہی ہے، جو متن میں قدوری کی عبارت کا مطلب ہے، بس عبارت کا فرق ہے، کہ بائع ہلاک شدہ غلام کی قیمت نہ لے تو گویا کہ ایک ہی غلام بکا ہے، اور وہ موجود ہے اس لئے اب اس صورت میں دونوں سے قسم لی جاسکتی ہے، اور اگر بائع وہ نہ کرے تو آدھی مبیع ہلاک ہو چکی ہے اس لئے دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی، بلکہ صرف مشتری سے قسم لی جائے گی۔

ترجمہ : ٢ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جو غلام زندہ ہے اس میں بائع اور مشتری دونوں قسم کھائیں گے، اور جو غلام ہلاک ہو چکا ہے اس میں بیع فسخ ہو جائے گی، اور جو غلام ہلاک ہوا ہے اس کی قیمت کے بارے میں مشتری کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ آدھی مبیع ہلاک ہوئی ہو تب بھی دونوں قسم کھائیں گے۔

تشریح : یہاں آدھی مبیع ہلاک ہو گئی، اور آدھی مبیع موجود ہے، اس لئے امام ابو یوسفؒ کے یہاں دونوں کے دو طریقے ہوں گے۔ ا۔ جو غلام موجود ہے اس میں دونوں سے قسم لی جائے گی، اور اس میں بیع توڑ دی جائے گی۔ ٢۔ اور جو غلام ہلاک ہو چکا ہے، چونکہ وہ مبیع موجود نہیں ہے، اس لئے اس میں بائع، اور مشتری دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی، بلکہ صرف مشتری سے قسم لی جائے گی، اور وہ غلام کی جتنی قیمت کہتا ہے اتنی ہی بائع کو دی جائے گی

وجہ : انکے یہاں اصول گزر چکا ہے کہ جو مبیع موجود ہے اسی میں دونوں سے قسم لی جائے گی، اور جو مبیع موجود نہیں ہے اس میں صرف مشتری سے قسم لی جائے گی، اور وہ جتنی قیمت کہتا ہے اتنی ہی بائع کو دی جائے گی، کیونکہ زیادہ ثابت کرنے کے لئے بائع کے پاس بینہ نہیں ہے۔

ترجمہ : ٣ امام محمدؒ نے فرمایا کہ ایک غلام ہلاک ہونے کے باوجود دونوں قسمیں کھائیں، اور جو غلام زندہ ہے اس کو بائع

فَهَلاکُ الْبَعْضِ أَوْلَى . ؎۴ وَلِأَبِی یُوسُفَ أَنَّ امْتِنَاعَ التَّحَالُفِ لِلْهَلاکِ فَیَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهِ .؎۵ وَلِأَبِی حَنِیفَةَ أَنَّ التَّحَالُفَ عَلَی خِلافِ الْقِیَاسِ فِی حَالِ قِیَامِ السِّلْعَةِ وَهِیَ اسْمٌ لِجَمِیعِ أَجْزَائِهَا فَلا تَبْقَی السِّلْعَةُ بِفَوَاتِ بَعْضِهَا، ؎۶ وَلِأَنَّهُ لا یُمْکِنُ التَّحَالُفُ فِی الْقَائِمِ إِلَّا عَلَی اعْتِبَارِ حِصَّتِهِ مِنَ الثَّمَنِ فَلا بُدَّ مِنَ الْقِسْمَةِ عَلَی التَّیَمُّمِ وَهِیَ تُعْرَفُ بِالْحَزْرِ وَالظَّنِّ فَیُؤَدِّی إِلَی التَّحَالُفِ مَعَ الْجَهْلِ وَذٰلِکَ لا یَجُوزُ

کی طرف واپس کریں، اور جو ہلاک ہو چکا ہے اس کی قیمت بائع کی طرف واپس کریں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پوری مبیع ہلاک ہو جائے تب بھی ان کے نزدیک دونوں سے قسم لینا ختم نہیں ہوتا، تو بعض مبیع ہلاک ہو جائے تو بدرجہ قسم ختم نہیں ہوگی۔

تشریح: پہلے اصول گزر چکا ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک تمام مبیع ہلاک ہو جائے تب بھی دونوں سے قسم لینا ختم نہیں ہوگا، اور یہاں تو بعض مبیع، یعنی ایک ہی غلام ہلاک ہوا ہے اس لئے بدرجہ اولی قسم لینا ختم نہیں ہوگا، اس لئے بائع اور مشتری دونوں سے قسم لی جائے گی۔ اور دونوں سے قسم لینے کے بعد جو غلام موجود ہے وہ بائع کی طرف واپس ہو جائے گا، اور جو غلام ہلاک ہو گیا ہے، اس کی قیمت بائع کی طرف واپس آئے گی، اور غلام کی قیمت واپس آئی تو یوں سمجھو کہ خود غلام واپس آ گیا، کیونکہ قیمت گویا کہ غلام ہی ہے

ترجمہ: ؎۴ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ، دونوں کو قسم کھلانا جو ممنوع ہے وہ غلام کے ہلاک ہونے کی وجہ سے ہے، اس لئے جس مقدار ہلاک ہوا ہے اسی مقدار میں قسم کھلانا ممنوع ہوگا۔

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک غلام ہلاک ہوا ہے، اس لئے ایک ہی غلام میں دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی، لیکن جو غلام موجود ہے اس میں دونوں سے قسم لینے میں کوئی ممانعت نہیں ہے اس لئے اس میں دونوں سے قسم لی جائے گی

ترجمہ: ؎۵ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مبیع موجود ہو پھر بھی دونوں سے قسم لینا خلاف قیاس ہے، اور پورے مبیع کا نام مبیع ہے، اور اگر بعض حصہ ہلاک ہو گیا تو اب مبیع باقی نہیں رہی، اس لئے اب دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی۔

تشریح: ؛امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ، پوری مبیع موجود ہو تب بھی بائع اور مشتری دونوں سے قسم کھلانا خلاف قیاس ہے، اس لئے اگر آدھی مبیع، یعنی ایک غلام ہلاک ہو گیا ہے تو گویا کہ پوری مبیع ہلاک ہو گئی، کیونکہ پوری کی پوری مبیع کا نام مبیع ہے، آدھی مبیع مبیع نہیں ہے، اس لئے مبیع ہلاک ہونے کے بعد دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی، صرف مشتری سے قسم لی جائے گی۔

لغت: و هی اسم لجمیع اجزائها: پوری مبیع کا نام سلعہ ہے، آدھی مبیع کا نام سلعہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ؎۶ امام ابو حنیفہؒ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جو مبیع ابھی موجود ہے اس کی قیمت کا حصہ لگانا پڑے گا تب ہی اس پر دونوں سے قسم لی جا سکے گی، اور یہ ایک تخمینے سے لگانی ہوگی، اس لئے جہالت پر قسم لینی ہوگی، اس لئے یہ جائز نہیں ہے

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی یہ دوسری دلیل ہے کہ، کہ جو غلام موجود ہے، رائے اور غالب گمان سے اس کی پہلے قیمت لگانی ہوگی، اور اس قیمت پر دونوں بائع اور مشتری سے قسم لینی ہوگی، اور یہ غالب گمان سے قیمت طے کرنا ایک ظن ہے، اور جہالت ہے، اس لئے اس جہالت پر قسم لینا درست نہیں ہے، اس لئے دونوں سے قسم نہ لی جائے، صرف ایک مشتری سے قسم لے لی جائے۔

ے إِلَّا أَنْ يَرْضَى الْبَائِعُ أَنْ يَتْرُكَ حِصَّةَ الْهَالِكِ أَصْلًا لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ الثَّمَنُ كُلُّهُ بِمُقَابِلَةِ الْقَائِمِ وَيَخْرُجُ الْهَالِكُ عَنِ الْعَقْدِ فَيَتَحَالَفَانِ .هَذَا تَخْرِيجُ بَعْضِ الْمَشَايِخِ ٨ وَيُصْرَفُ الِاسْتِثْنَاءُ عِنْدَهُمْ إلَى التَّحَالُفِ كَمَا ذَكَرْنَا ٩ وَقَالُوا: إنَّ الْمُرَادَ مِنْ قَوْلِهِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ يَأْخُذُ الْحَيَّ وَلَا شَيْءَ لَهُ، مَعْنَاهُ: لَا يَأْخُذُ مِنْ ثَمَنِ الْهَالِكِ شَيْئًا أَصْلًا .وَقَالَ بَعْضُ الْمَشَايِخِ: يَأْخُذُ مِنْ ثَمَنِ الْهَالِكِ بِقَدْرِ مَا أَقَرَّ بِهِ الْمُشْتَرِي، وَإِنَّمَا لَا يَأْخُذُ الزِّيَادَةَ .١٠ وَعَلَى قَوْلِ هَؤُلَاءِ يَنْصَرِفُ الِاسْتِثْنَاءُ إلَى يَمِينِ

لغت:حرز: اندازہ کرنا۔تحالف: حلف سے مشتق ہے، بائع اور مشتری دونوں سے قسمیں لینا۔

ترجمہ : ے ہاں اگر بائع ہلاک شدہ غلام کی قیمت کو بالکل چھوڑنے پر راضی ہوجائے، تو اب قیمت صرف موجودہ غلام کے مقابلے پر ہوگا اور ہلاک شدہ غلام عقد بیع سے بالکل نکل جائے گا، تو اب دونوں سے قسم لی جاسکتی ہے، بعض مشائخ نے عبارت کا مسئلہ اسی طرح بیان کیا ہے

تشریح : ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ بائع ہلاک شدہ غلام کی قیمت بالکل چھوڑ دے، تو اب یوں سمجھا جائے گا کہ جو غلام ابھی موجود ہے صرف اسی کی بیع ہوئی ہے اور وہ موجود ہے، اس لئے اب صرف موجود غلام پر دونوں سے قسم لی جائے گی، کیونکہ قول تابعی میں تھا کہ سامان موجود ہو تو اس پر دونوں سے قسم لی جائے گی

ترجمہ :٨ اور استثناء کو تحالف کی طرف پھیرا جائے گا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا

تشریح : متن میں تھا، **لم یتحالفا عند ابی حنیفہ الا ان یرضی البائع ان یترک حصۃ الھالک** ، اس عبارت میں الا یرضی البائع ، ہے اس کی تصحیح کرنا چاہتے ہیں، کہ لفظ ،الا، جو حرف استثناء ہے اس سے یہ کہنا چاہتے ہیں بائع اور مشتری دونوں کو قسم نہیں کھلائی جائے گی، لیکن اگر بائع ہلاک شدہ غلام کی قیمت بالکل چھوڑ دے تو اب گویا کہ ایک ہی موجود غلام مبیع رہ گیا ہے، اس لئے اب بائع اور مشتری دونوں سے قسم لی جاسکتی ہے، عبارت کا یہ مطلب ہے

ترجمہ :٩ علماء نے جامع صغیر کی عبارت ، **یأخذ العبد الحی و لا شئی لہ من قیمۃ الھالک** ،اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ ہلاک شدہ غلام کی کچھ کی قیمت بائع کو نہیں ملے گی، اور بعض مشائخ نے دوسرا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ مشتری جتنا کہتا ہے صرف اتنی قیمت بائع کو ملے گی، اس سے زیادہ نہیں ملے گی۔

تشریح :پہلے جامع صغیر کی ایک عبارت، **یأخذ العبد الحی و لا شئی لہ من قیمۃ الھالک**، گزری ہے، شارح اسکے دو مطلب بیان کررہے ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ جو غلام ہلاک ہوچکا ہے، اس کی کچھ بھی قیمت بائع کو نہیں ملے گی، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ مشتری جتنی قیمت کہتا ہے، اتنی سی قیمت بائع کو مل جائے گی، اس سے زیادہ نہیں۔

ترجمہ : ١٠ ان حضرات کے قول پر استثناء مشتری کے قسم کی طرف پھیرا جائے گا، تحالف کی طرف نہیں پھیرا جائے گا (اور مشتری سے قسم ہی نہیں لی جائے گی)، اس لئے کہ

وجہ : جب بائع نے مشتری کی بات مان لی تو اس کی تصدیق کردی اس لئے اب مشتری قسم نہیں کھائے گا

الْمُشْتَرِی لا إِلَی التَّحَالُفِ، لِأَنَّهُ لَمَّا أَخَذَ الْبَائِعُ بِقَوْلِ الْمُشْتَرِی فَقَدْ صَدَّقَهُ فَلا يَحْلِفُ الْمُشْتَرِی، ۱۱ ثُمَّ تَفْسِيرُ التَّحَالُفِ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ مَا بَيَّنَّاهُ فِي الْقَائِمِ. ۱۲ وَإِذَا حَلَفَا وَلَمْ يَتَّفِقَا عَلَى شَيْءٍ فَادَّعَى أَحَدُهُمَا الْفَسْخَ أَوْ كِلاهُمَا يُفْسَخُ الْعَقْدُ بَيْنَهُمَا وَيَأْمُرُ الْقَاضِي الْمُشْتَرِيَ بِرَدِّ الْبَاقِي وَقِيمَةِ الْهَالِكِ. ۱۳ وَاخْتَلَفُوا فِي تَفْسِيرِهِ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يَحْلِفُ الْمُشْتَرِي بِاللَّهِ مَا اشْتَرَيْتُهُمَا بِمَا يَدَّعِيهِ الْبَائِعُ، ۱۴ فَإِنْ نَكَلَ لَزِمَهُ دَعْوَى الْبَائِعِ،

تشریح: جن حضرات نے یہ کہا تھا کہ مشتری جتنا کہتا ہے بائع کو اتنی ہی قیمت ملے گی، اس کا مطلب یہ بتا رہے ہیں، کہ متن میں جو ہے، الا یرضی البائع ان یترک حصة الھالک، کا مطلب یہ ہے کہ اگر بائع نے مشتری کی بات مان لی اور اس کی تصدیق کردی، تو اب کوئی جھگڑا ہی نہیں رہا، اور مشتری منکر بھی نہیں رہا، اس لئے اب ہلاک شدہ غلام کی قیمت کے بارے میں مشتری کو بھی قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے، یہ مطلب ہوگا، الا یرضی البائع ان یترک حصة الھالک کا۔

ترجمہ: ۱۱ جو غلام ابھی موجود ہے اس کے بارے میں امام محمدؒ کے قول پر بائع اور مشتری دونوں کو کس طرح قسم کھلائیں، اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

تشریح: امام محمد کے قول پر پہلے دونوں کو قسم کھلانے کی تفصیل گزر چکی ہے کہ، بائع اور مشتری دونوں کو قسم کھلائیں گے، اور جو غلام موجود ہے اس کو بائع کی طرف واپس کریں گے، اور جو غلام ہلاک ہو چکا ہے اس کی قیمت بائع کی طرف واپس ہوگی

ترجمہ: ۱۲ امام محمدؒ کے مطابق اگر دونوں نے قسم کھالی، لیکن کسی ایک قیمت پر متفق نہیں ہوئے، پھر ایک نے دعوی کیا کہ بیع فسخ کردیں، یا دونوں نے دعوی کیا کہ بیع توڑ دیں، تو بیع توڑ دی جائے گی، اور قاضی مشتری کو یہ حکم دے گا کہ جو باقی غلام ہے اس کو بائع کی طرف واپس کرو، اور جو غلام ہلاک ہو چکا ہے اس کی قیمت بائع کی طرف واپس کرو

تشریح: بائع اور مشتری کے قسم کھانے کے بعد کسی ایک قیمت پر متفق نہ ہو سکے، اور دونوں نے یا ایک نے قاضی سے کہا کہ بیع توڑ دیں، تو قاضی بیع توڑ دیں گے، اور مشتری سے یہ کہیں گے، جو غلام موجود ہے اس کو بائع کی طرف واپس کریں، اور جو غلام ہلاک ہو چکا ہے اس کی قیمت بائع کی طرف واپس کردیں

ترجمہ: ۱۳ امام ابو یوسفؒ کے قول پر قسم کیسے کھلائیں اس کی تفسیر میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ مشتری سے یوں قسم کھلائیں گے، بائع جس قیمت کا دعوی کرتا ہے خدا کی قسم میں نے اس قیمت میں دونوں غلاموں کو نہیں خریدا ہے

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے قول پر مشتری کو قسم کھلانے کا طریقہ یہ ہوگا، کہ بائع جس قیمت کا دعوی کرتا ہے، خدا کی قسم میں نے اس قیمت میں دونوں غلاموں کو نہیں خریدا ہے

ترجمہ: ۱۴ اگر مشتری نے اس طرح قسم کھانے سے انکار کردیا تو اس پر بائع کا دعوی لازم ہو جائے گا (اور بائع جتنی قیمت کہتا ہے، مشتری کو اتنی قیمت دینی پڑے گی)، کیونکہ مشتری نے قسم نہیں کھائی۔

۱۵ وَإِنْ حَلَفَ يَحْلِفُ الْبَائِعُ بِاللّٰهِ مَا بِعْتُهُمَا بِالثَّمَنِ الَّذِى يَدَّعِيهِ الْمُشْتَرِى، ۱۶ فَإِنْ نَكَلَ لَزِمَهُ دَعْوَى الْمُشْتَرِى، ۱۷ وَإِنْ حَلَفَ يَفْسَخَانِ الْبَيْعَ فِى الْقَائِمِ وَتَسْقُطُ حِصَّتُهُ مِنَ الثَّمَنِ ۱۸ وَيَلْزَمُ الْمُشْتَرِى حِصَّةَ الْهَالِكِ وَيُعْتَبَرُ قِيمَتُهُمَا فِى الِانْقِسَامِ يَوْمَ الْقَبْض ۱۹ وَإِنْ اخْتَلَفَا فِى قِيمَةِ الْهَالِكِ يَوْمَ الْقَبْضِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ، وَأَيُّهُمَا أَقَامَ الْبَيِّنَةَ يُقْبَلُ بَيِّنَتُهُ. وَإِنْ أَقَامَاهَا فَبَيِّنَةُ الْبَائِعِ أَوْلَى

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ : ۱۵ اور اگر مشتری نے قسم کھالی تو اب بائع سے اس طرح قسم کھلائی جائے گی، خدا کی قسم مشتری جس قیمت کا دعوی کرتا ہے میں نے اس قیمت میں نہیں بیچی ہے،

تشریح :مشتری نے قسم کھالی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بائع سے اس طرح کھلائی جائے گی، کہ مشتری جس قیمت کا دعوی کرتا ہے، خدا کی قسم میں نے اس قیمت میں مبیع نہیں بیچی ہے۔

ترجمہ :۱۶ اور اگر بائع قسم کھانے سے انکار کردے تو پھر مشتری کا دعوی اس پر لازم ہو جائے گا

تشریح : واضح ہے

ترجمہ : ۱۷ اور اگر بائع قسم کھالے تو جو غلام موجود ہے اس میں بیع فسخ ہو جائے گی (اور موجود غلام بائع کی طرف واپس ہو جائے گا)، اور اس غلام کی قیمت ختم ہو جائے گی۔ اور جو غلام ہلاک ہو چکا ہے مشتری پر اس غلام کا حصہ واپس کرنا لازم ہوگا۔

تشریح : بائع نے قسم کھالی تو اب جو غلام موجود ہے اس میں بیع فسخ ہو جائے گی، اور وہ غلام بائع کی طرف لوٹ جائے گا، اس لئے مشتری کو اس کی قیمت بھی نہیں دینی ہوگی۔ اور جو غلام ہلاک ہوا ہے اس میں بیع فسخ نہیں ہوگی، اور اس کی قیمت کے بارے میں مشتری قسم کھا کر جتنا کہتا ہے اتنی قیمت لازم ہوگی، تو گویا کہ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ایک ہی بیع میں دو قسم کے فیصلے کرنے ہوں گے

ترجمہ :۱۸ جس دن مشتری نے غلام پر قبضہ کیا تھا اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا

تشریح : ہلاک شدہ غلام کی قیمت مشتری پر لازم ہوگی، تو فرماتے ہیں کہ جس دن مشتری نے غلام پر قبضہ کیا تھا اس دن غلام کی قیمت کیا تھی وہ قیمت مشتری پر لازم ہوگی

ترجمہ : ۱۹ جو غلام ہلاک ہو چکا ہے اس پر قبضے کے وقت میں اس کی قیمت کیا تھی اسی میں بائع اور مشتری میں اختلاف ہو گیا، تو اگر بینہ نہ ہو تو بائع کی بات مانی جائے گی، اور بائع اور مشتری میں کسی نے بھی گواہ دے دیا تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اور اگر دونوں نے گواہی دے دی تو بائع کی گواہی زیادہ بہتر ہے، اس لئے وہ زیادہ قیمت کو ثابت کر رہا

تشریح : جس دن مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا تھا اس دن کی قیمت مشتری پر لازم تھی، لیکن اس دن غلام کی قیمت کیا تھی اسی بارے میں اختلاف ہو گیا، تو اس بارے میں بائع، اور مشتری میں سے جو بھی بینہ قائم کرے گا اسی کی گواہی قبول کر لی جائے گی، لیکن اگر دونوں نے گواہی اپنے اپنے دعوی پر گواہی دے دی تو بائع کی گواہی کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ وہ زیادہ قیمت کو گواہی کے ذریعہ ثابت کر رہا ہے،،

۲۰ وَهُوَ قِيَاسُ مَا ذُكِرَ فِي بُيُوعِ الْأَصْلِ (اشْتَرَى عَبْدَيْنِ وَقَبَضَهُمَا ثُمَّ رَدَّ أَحَدَهُمَا بِالْعَيْبِ وَهَلَكَ الْآخَرُ عِنْدَهُ يَجِبُ عَلَيْهِ ثَمَنُ مَا هَلَكَ عِنْدَهُ وَيَسْقُطُ عَنْهُ ثَمَنُ مَا رَدَّهُ وَيَنْقَسِمُ الثَّمَنُ عَلَى قِيمَتِهِمَا. ۲۱ فَإِنْ اخْتَلَفَا فِي قِيمَةِ الْهَالِكِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ) لِأَنَّ الثَّمَنَ قَدْ وَجَبَ بِاتِّفَاقِهِمَا ثُمَّ الْمُشْتَرِي

اوراگر کسی کے پاس گواہی نہیں ہے تو بائع کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی، کیونکہ مشتری کم ثمن کا مدعی ہے اور بائع اس کا منکر ہے

ترجمہ : ۲۰ جامع صغیر، اور مبسوط میں کیا عبارت ہے شارحؒ وہ لانا چاہتے ہیں، اور اس سے امام ابو یوسف کے قول پر استدلال کرنا چاہتے ہیں۔ جو میں امام ابو یوسفؒ کی تفسیر بیان کی ہے، قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے، کیونکہ جامع صغیر میں ہے کہ کسی آدمی نے دو غلام خریدا، اور دونوں پر قبضہ کیا، پھر دونوں میں سے ایک غلام کو عیب کی وجہ سے بائع کی طرف واپس کر دیا، اور دوسرا غلام مشتری کے پاس ہلاک ہو گیا، تو مشتری پر ہلاک شدہ غلام کی قیمت لازم ہوگی، اور جو غلام بائع کی طرف واپس کر دیا ہے اس کی قیمت مشتری کو نہیں دینا پڑے گا (کیونکہ وہ غلام کو بائع کو مل گیا ہے)

تشریح :مبسوط میں امام محمد کی عبارت یہ ہے۔ **اذا ابتاع الرجل عبدين فقبض احدهما ....و لو كان قبض العبدين كليهما ثم مات احد العبدين عند المشترى و جاء يرد احدهما بعيب ، فاختلفا فى قيمة الميت فقال البائع كانت قيمته الف درهم ، و قال المشترى كانت قيمته خمسمأة فان القول فى ذالك قول البائع مع يمينه و على المشترى البينة لان الثمن قد لزم المشترى فهو يريد ان يبرء منه ، فلا يصدق على البرأة بقوله ذلك۔** (الاصل، کتاب البیوع والسلم، باب البیوع الجائزۃ وما اختلف منھا فی الثمن، ج ۲، ص ۴۴۶)

اور جامع صغیر کی عبارت اس طرح ہے ۔ **رجل اشترى عبدين و قبضهما ، ثم رد احدهما بالعيب و هلك الآخر عند المشترى فعليه ثمن الهالك ، و يسقط ثمن الذى رد اذا لم يود ، و ينقسم الثمن على قيمتهما** (جامع صغیر، باب اختلاف البائع والمشتری فی الثمن، ص ۳۳۹)

جامع صغیر کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مثلا زید نے دو غلام خریدے، ان پر قبضہ بھی کیا، ان میں سے ایک میں عیب تھا جس کی وجہ سے وہ بائع کی طرف واپس کر دیا، اور دوسرا غلام مشتری کے پاس ہلاک ہو گیا، جو غلام واپس کیا ہے مشتری پر اس کی قیمت واپس نہیں کرنی ہوگی، کیونکہ وہ غلام تو صحیح سالم بائع کو مل گیا ہے، البتہ جو غلام ہلاک ہوا ہے، مشتری پر اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی، اور دونوں غلاموں کی قیمت کتنی کتنی تھی یہ جس دن غلام پر قبضہ کیا ہے، اس دن کی قیمت کو دونوں غلاموں پر تقسیم کرنے سے پتہ چلے گا۔

ترجمہ : ۲۱ جو غلام ہلاک ہوا ہے اس کی قیمت میں اختلاف ہو گیا، اور گواہ نہیں ہے تو اس بارے میں بائع کے قول کا اعتبار ہوگا، اس لئے کہ بائع اور مشتری دونوں کے اتفاق سے ثمن واجب ہو چکا تھا، پھر مشتری ہلاک شدہ غلام کی کم قیمت کا مدعی ہے، اور بائع اس کا منکر ہے، اور منکر کی بات مانی جاتی ہے، اس لئے یہاں بائع کی بات مانی جائے گی

تشریح : ، ہلاک ہونے والے غلام کی قیمت کتنی تھی اس بارے میں اختلاف ہو گیا، اور گواہ نہیں ہے، تو اس بارے میں قسم

يَـدَّعِـي زِيَـادَةَ السُّـقُوطِ بِنُقْصَانِ قِيمَةِ الْهَالِكِ وَالْبَائِعُ يُنكِرُهُ وَالْقَوْلُ لِلْمُنْكِرِ ۲۲ وَإِنْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَبَيِّنَةُ الْبَائِعِ أَوْلَى لِأَنَّهَا أَكْثَرُ إِثْبَاتًا ظَاهِرًا لِإِثْبَاتِهَا الزِّيَادَةَ فِي قِيمَةِ الْهَالِكِ ۲۳ وَهَذَا لِفِقْهٍ. وَهُوَ أَنَّ فِي الْأَيْـمَـانِ يُعْتَبَرُ الْحَقِيقَةُ لِأَنَّهَا تَتَوَجَّهُ عَلَى أَحَدِ الْعَاقِدَيْنِ وَهُمَا يَعْرِفَانِ حَقِيقَةَ الْحَالِ فَبُنِيَ الْأَمْرُ

کے ساتھ بائع کی بات مانی جائے گی ۔اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ، دونوں کے اتفاق سے دونوں غلاموں کی قیمت طے ہوئی تھی، اب مشتری یہ دعوی کر رہا ہے کہ قبضے کے دن غلام کی قیمت کم ہے، اور بائع اس کا انکار کر رہا ہے، اور بات منکر کی مانی جاتی ہے، اس لئے قسم کے ساتھ بائع کی بات مان لی جائے گی۔

ترجمہ : ۲۲ اور اگر دونوں نے گواہ پیش کر دئے تو بائع کا گواہ زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ وہ ہلاک شدہ غلام کی قیمت زیادہ ثابت کر رہا ہے،

تشریح : اگر بائع اور مشتری دونوں نے گواہ پیش کر دئے تو بائع کی گواہی زیادہ مقبول ہوگی

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ بائع کہہ رہا ہے کہ غلام کی قیمت زیادہ تھی اس لئے زیادہ قیمت دو، اور مشتری اس کا انکار کر رہا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جو زیادہ ثابت کرے اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے، اس لئے بائع کی گواہی قبول کی جائے گی

ترجمہ : ۲۳ اور فقہ کی وجہ یہ ہے کہ قسم میں حقیقت کا اعتبار ہوتا ہے، اس لئے کہ قسم بائع، یا مشتری میں سے ایک سے لی جاتی ہے، اور وہ دونوں حقیقت میں کیا ہوا ہے اس کو جانتے ہیں، اس لئے قسم کی بنیاد حقیقت حال پر ہے، اور بائع حقیقت حال کا منکر ہے، اس لئے اس کی بات مانی جائے گی ۔ اور گواہی لینے میں ظاہری کا اعتبار ہوتا ہے، اس لئے گواہ تو حقیقت میں کیا ہوا ہے اس کو نہیں جانتے ہیں، اس لئے گواہوں کے حق میں ظاہر کا اعتبار کیا گیا ہے، اور بائع ظاہری حالت کا مدعی ہے، اس لئے گواہی بھی اسی کی قبول کر لی گئی ہے، اور ظاہری زیادتی کو ترجیح دی جائے گی، جیسا کہ گزر گیا ہے، امام ابو یوسفؒ کے قول پر یہ نکتہ آپ کو سمجھنا ہوگا

تشریح : یہاں سے مصنف ایک زبردست اعتراض کا جواب دے رہے ہیں ۔ اعتراض یہ ہے کہ آپ نے قسم بھی بائع ہی کی مان لی، اور گواہی بھی بائع ہی کی مان لی، یہ کیسے ہو سکتا ہے، کیونکہ گواہ مدعی کا ہوتا ہے، اور قسم منکر کی ہوتی ہے، یہاں دونوں باتیں بائع ہی کی کیسے ہو گئیں، صاحب ھدایہ اس کا جواب دے رہے ہیں ۔ جو صرف ایک نکتہ ہے

صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ قسم کا مدار حقیقت حال پر ہے، کیونکہ وہ یا بائع کھائے گا یا مشتری کھائے گا، اور یہ دونوں چونکہ بیع کرنے والے ہیں اس لئے وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ حقیقت میں کیا ہوا تھا، اور یہاں جو غلام کی زیادہ قیمت ہوتی تھی، مشتری اس کو کم کر کے بتا رہا ہے، اور بائع اس کمی کا انکار کر رہا ہے، تو گویا کہ بائع حقیقت کا انکار کر رہا ہے، اور وہ منکر ہے اس لئے قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی

اور گواہی جو ہوتی ہے وہ حقیقت حال کے اعتبار سے نہیں ہوتی ہو ظاہر حال کے اعتبار ہوتی ہے، کیونکہ گواہ بیع کرنے والے نہیں ہیں، اس لئے کہ ظاہری طور پر جو اس نے دیکھا اس کی گواہی دے دی ۔ اور یہاں ظاہری طور پر جو ہوا ہے، یعنی ہلاک شدہ غلام کی قیمت زیادہ ہے، بائع اس کا مدعی ہے، اس لئے ظاہری اعتبار سے بائع کی گواہی قبول کی جائے گی ۔ یہ ہے امام ابو یوسفؒ

عَلَيْهَا وَالْبَائِعُ مُنْكِرٌ حَقِيقَةً فَلِذَا كَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهُ، وَفِي الْبَيِّنَاتِ يُعْتَبَرُ الظَّاهِرُ لِأَنَّ الشَّاهِدَيْنِ لَا يَعْلَمَانِ حَقِيقَةَ الْحَالِ فَاعْتُبِرَ الظَّاهِرُ فِي حَقِّهِمَا وَالْبَائِعُ مُدَّعٍ ظَاهِرًا فَلِهَذَا تُقْبَلُ بَيِّنَتُهُ أَيْضًا وَتَتَرَجَّحُ بِالزِّيَادَةِ الظَّاهِرَةِ عَلَى مَا مَرَّ، وَهَذَا يُبَيِّنُ لَكَ مَعْنَى مَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ.

(٧٣٥) قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً وَقَبَضَهَا ثُمَّ تَقَايَلَا ثُمَّ اخْتَلَفَا فِي الثَّمَنِ فَإِنَّهُمَا يَتَحَالَفَانِ وَيَعُودُ الْبَيْعُ الْأَوَّلُ) ـلـ وَنَحْنُ مَا أَثْبَتْنَا التَّحَالُفَ فِيهِ بِالنَّصِّ لِأَنَّهُ وَرَدَ فِي الْبَيْعِ الْمُطْلَقِ وَالْإِقَالَةُ فَسْخٌ فِي

کے قول پر فقاہت، اور نکتہ، جس کی بنا پر فرمایا کہ بائع کی قسم کو بھی مانی جائے گی، اور اس کی گواہی بھی مانی جائے گی

نـــوٹ :مبسوط اور جامع صغیر کی عبارت پہلے پیش کر چکا ہوں، ان میں اس قسم کے دلائل کا ذکر نہیں ہے، یہ صرف صاحب ھدایہ کا نکتہ ہے۔

تـرجـمـه : (٧٣٥) کسی نے باندی خریدی، اور اس پر قبضہ کیا، پھر اقالہ کر لیا، پھر ثمن میں دونوں کا اختلاف ہوا، تو دونوں قسمیں کھائیں گے، اور اقالہ ختم ہو جائے گا، اور پہلی بیع لوٹ جائے گی

لغت :اقالہ: بیع ہوئی تھی پھر مشتری نے بائع سے کہا کہ بیع توڑ دو، اس پر بائع راضی ہو گیا، اور بیع کو دونوں کی رضامندی سے توڑ دی اس کو، اقالہ، کہتے ہیں

تشــریـح : مثلا زید نے بکر سے ایک ہزار درہم میں باندی خریدی، اور اس پر زید نے قبضہ بھی کر لیا، پھر اقالہ کر لیا، اب باندی کی قیمت کتنی ہے اس میں اختلاف ہو گیا اور بینہ کسی کے پاس نہیں ہے، تو دونوں قسمیں کھائیں گے، اور اقالہ ختم ہو جائے گا، اور پہلی بیع بحال ہو جائے گی۔

تـرجـمـه :ـلـ اس مسئلے میں ہم نے قول تابعی کی وجہ سے دونوں کو قسم کھانا ثابت نہیں کیا ہے، اس لئے قول تابعی میں جو قسم کھانے کا ذکر ہے وہ مطلق بیع میں ہے، اور اقالہ تو مطلق بیع نہیں ہے، بلکہ یہ تو بائع اور مشتری کے حق میں بیع کو توڑنا ہے (اس لئے قول تابعی سے قسم کو کیسے ثابت کریں گے)، بلکہ ہم نے یہاں دونوں کے قسم کھانے کو تین مسئلے پر قیاس کر کے ثابت کیا ہے، اس لئے کہ یہاں جو مسئلہ فرض کیا ہے وہ یہ ہے کہ ابھی بائع نے مبیع پر قبضہ نہیں کیا ہے اس سے پہلے ہی ثمن میں اختلاف کر لیا، اور یہ قیاس کے موافق ہے

نوٹ: یہ عبارت جامع صغیر کی ہے (جامع صغیر، باب اختلاف البائع والمشتری فی الثمن، ص ٣٤٠)

تشریح : شارح فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں جو یہ کہا کہ اقالے کے بعد جو ثمن میں اختلاف ہوا، اور اس بارے میں دونوں ہی قسمیں کھائیں گے، یہ دونوں کو قسمیں کھلانا اوپر کے قول تابعی سے ثابت نہیں کر رہا ہوں

وجــه :اس کی وجہ یہ ہے کہ قول تابعی میں تو یہ ہے کہ مطلق بیع ہو تو اس میں دونوں قسمیں کھائیں گے، اور اقالہ تو بیع نہیں ہے، بلکہ بیع کو توڑنا ہے، اس لئے اس میں قول تابعی کی بنیاد پر قسم نہیں کھلائیں گے، بلکہ یہاں مسئلہ یہ فرض کیا ہے کہ اقالہ کے بعد

حَقِّ الْـمُتَعَاقِدَيْنِ، وَإِنَّمَا أَثْبَتْنَاهُ بِالْقِيَاسِ لِأَنَّ الْمَسْأَلَةَ مَفْرُوضَةٌ قَبْلَ الْقَبْضِ وَالْقِيَاسُ يُوَافِقُهُ عَلَى مَا مَرَّ ٢ وَلِهٰذَا نَقِيسُ الْإِجَارَةَ عَلَى الْبَيْعِ قَبْلَ الْقَبْضِ وَالْوَارِثَ عَلَى الْعَاقِدِ وَالْقِيمَةَ عَلَى الْعَيْنِ فِيمَا إِذَا اسْتَهْلَكَهُ فِي يَدِ الْبَائِعِ غَيْرُ الْمُشْتَرِي. ٣ وَلَوْ قَبَضَ الْبَائِعُ الْمَبِيعَ بَعْدَ الْإِقَالَةِ فَلَا تَحَالُفَ عِنْدَ

ابھی بائع نے مبیع پر قبضہ نہیں کیا ہے اور اختلاف ہو گیا ہے، اس لئے اس کو آگے کے تین مسئلے پر قیاس کر کے قسم کھلا رہے ہیں

ترجمه : ٢ یہی وجہ ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے جو بیع ہو اس پر اجرت کو قیاس کرتے ہیں، اور وارث کو عقد کرنے والے پر قیاس کرتے ہیں، اگر مبیع بائع کے قبضے میں رہتے ہوئے مشتری کے علاوہ نے ہلاک کر دی تو قیمت کو عین شیء پر قیاس کرتے ہیں۔

تشریح : یہاں تین مسئلے بیان کر رہے ہیں، جن میں یہ ہے کہ ایک کو دوسرے پر قیاس کیا گیا ہے، مصنف فرماتے ہیں کہ میں نے بھی یہاں دوسرے مسئلے پر قیاس کر کے ہی دونوں سے قسم کھلوائی ہے، قول تابعی کی بنیاد پر قسم نہیں کھلوائی ہے۔

وہ تین مسئلے یہ ہیں ١۔۔۔اجرت کا معاملہ ہوا اجرت کی چیز پر ابھی قبضہ نہیں ہوا، اور اس کی قیمت میں اختلاف ہو گیا، تو اس مسئلے کو اس بات پر قیاس کرتے ہیں کہ چیز خریدی، اور مبیع پر ابھی قبضہ نہیں ہوا کہ اور اس کی قیمت کے بارے میں اختلاف ہو گیا، اس پر قیاس کرتے ہیں، اور جس طرح یہاں دونوں سے قسم لی جاتی ہے، اسی طرح اجرت میں بھی دونوں سے قسم لی جائے گی۔

٢۔۔دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ، بیع ہوئی تھی ابھی مبیع پر قبضہ نہیں ہوا تھا، اس درمیان مشتری کا انتقال ہو گیا، پھر مشتری کے جو وارثین تھے ان میں اور بائع میں مبیع کی قیمت کے بارے میں اختلاف ہو گیا، تو اس صورت میں جس طرح بائع اور مشتری میں اختلاف ہوتا تو دونوں قسمیں کھاتے، اسی پر قیاس کر کے مشتری کے وارث، اور بائع کے وارث دونوں قسمیں کھائیں گے۔۔٣۔۔۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ بیع ہوئی تھی، ابھی مبیع پر قبضہ نہیں ہوا تھا، اسی دوران مشتری کے علاوہ کسی اور نے مبیع ہلاک کر دی، اور پھر مبیع کے ثمن میں اختلاف ہو گیا تو جس طرح بائع ہلاک کرتا اور ثمن میں اختلاف ہوتا تو دونوں قسمیں کھاتے، اسی طرح یہاں بھی مشتری کے علاوہ جو آدمی ہے وہ قسمیں کھائیں گے۔ پس جس طرح ان تینوں مسئلوں میں قیاس کیا گیا ہے اسی طرح اوپر کے مسئلے میں دوسرے پر قیاس کر کے دونوں سے قسمیں لیں گے، حدیث کی بنیاد پر قسمیں نہیں لیں گے

ترجمه :٣ اور اگر اقالہ کے بعد بائع نے مبیع پر قبضہ کر لیا (اور گویا کہ پہلی بیع ختم ہو گئی) پھر مبیع کی قیمت میں اختلاف ہوا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی (صرف ایک سے قسم لی جائے گی)

تشریح : اقالہ ہو گیا، اس کے بعد بائع اپنی مبیع پر قبضہ کر لیا، اور گویا کہ پہلی بیع ختم ہو گئی، اس کے بعد بائع اور مشتری کے درمیان مبیع کی قیمت پر اختلاف ہوا، تو امام ابو حنیفہؒ، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں سے قسمیں نہیں لی جائے گی، بلکہ بینہ نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک سے قسم لی جائے گی

وجه: اس کی وجہ یہ ہے کہ قول صحابی میں جو دونوں سے قسم لینے کی بات تھی وہ قبضہ سے پہلے تھی، یہاں بائع کا قبضہ ہو چکا ہے، اس لئے دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی

أَبِی حَنِیفَةَ وَأَبِی یُوسُفَ ؒ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ لِأَنَّهُ یَرَی النَّصَّ مَعْلُولًا بَعْدَ الْقَبْضِ أَیْضًا .
(۷۳۶) قَالَ (وَمَنْ أَسْلَمَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ فِی کُرِّ حِنْطَةٍ ثُمَّ تَقَایَلَا ثُمَّ اخْتَلَفَا فِی الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ

ترجمہ: ؒ امام محمدؒ اس کے خلاف ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ قول صحابی میں جو قسم کی بات ہے وہ قبضہ کے بعد کو بھی شامل ہے

تشریح: امام محمد نے اپنی جامع صغیر میں مطلقا کہا ہے کہ اقالہ کے بعد اختلاف ہوا تو دونوں قسمیں کھائیں گے، اور اس عبارت میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ قبضہ سے پہلے اختلاف ہوا ہو دونوں قسمیں کھائیں گے، یا قبضہ کے بعد اختلاف ہوا تو دونوں قسمیں کھائیں گے، اس لئے امام محمدؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں دونوں قسمیں کھائیں گے۔ ۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔رجل اشتری جاریة و قبضها ثم تقایلا ، ثم اختلفا فی الثمن ، فانهما یتحالفان و یترادان ، ویعود البیع الاول ۔(جامع صغیر، باب اختلاف البائع والمشتری فی الثمن، ص ۳۴۰)، اس عبارت میں دیکھیں کہ قبضہ سے پہلے یا قبضہ کے بعد کی قید نہیں ہے، اس لئے دونوں صورتوں میں بائع اور مشتری دونوں سے قسمیں لی جائیں گی

ترجمہ: (۷۳۶) کسی نے دس درہم میں ایک کوئنٹل گیہوں بیع سلم کے طور پر خرید، پھر بیع سلم توڑ دیا (اقالہ کرلیا) پھر قیمت کے بارے میں اختلاف ہوا تو قسم کے ساتھ مسلم الیہ (بائع) کی بات مان لی جائے گی۔ اور بیع سلم اب دوبارہ نہیں لوٹے گی

نوٹ: یہ مسئلہ جامع صغیر میں ہے

لغت: بیع سلم میں پانچ محاورہ جاننا ضروری ہے۔ قیمت ابھی دو، اور مبیع دس دن کے بعد لینا، اس کو، بیع سلم، کہتے ہیں۔ مسلم الیہ: بائع کو، مسلم الیہ، کہتے ہیں۔ رب السلم: جو گیہوں خرید رہا ہے، اس کو، رب السلم، کہتے ہیں۔ رأس المال: جو قیمت دی جا رہی ہے، اس کو، رأس المال، کہتے ہیں۔ کر: یہ اہل عرب میں غلہ ناپنے کا پیمانہ ہے، مثلا ایک من کو ایک کر، کہتے ہیں

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بیع سلم میں مبیع ابھی موجود ہی نہیں ہے وہ تو دس دن بعد آئے گی، اس لئے جیسے ہی بیع سلم کا اقالہ کیا تو یوں سمجھو کہ بیع سلم توڑ دیا، اس لئے دونوں پر قسم نہیں ہے، صرف ایک آدمی جو منکر ہے وہ قسم کھائے گا، اور بیع سلم واپس نہیں ہوگی وہ ختم ہو جائے گی

تشریح: مثلا زید نے عمر سے دس درہم میں دس کلو گیہوں خریدا کہ دس دن میں یہ گیہوں دوگے، یہ بیع سلم ہوا، پھر زید نے اقالہ کرلیا، یعنی عمر کی رضامندی سے بیع سلم توڑ دی، اس کے بعد ثمن میں اختلاف ہوا کہ دس درہم تھے یا پانچ درہم تھے، زید کہتا ہے کہ دس درہم تھے، میں نے عمر کو دس درہم دئے ہیں، اور عمر کہتا ہے، کہ پانچ درہم تھے، مجھے پانچ درہم ہی ملے ہیں، اور گواہ نہیں ہیں، تو اس صورت میں دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے، بلکہ صرف مسلم الیہ، بائع، یعنی عمر قسم کھائے گا، اور بیع سلم ختم ہو جائے گی

وجہ: بیع سلم جب ٹوٹتی ہے تو اب بیع باقی نہیں رہتی، بلکہ ایک وعدہ تھا وہ ختم ہو گیا، اور قول صحابی میں جو تھا کہ دونوں قسمیں کھائیں گے، یہ اس وقت تھا جبکہ بیع ہو، یہاں تو بیع رہی ہی نہیں بلکہ ایک وعدہ تھا جو اقالہ کی وجہ سے ختم ہو گیا، اس لئے دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے، صرف منکر قسم کھائے گا

الْمُسْلَمِ إِلَيْهِ وَلَا يَعُودُ السَّلَمُ) ١ لِأَنَّ الْإِقَالَةَ فِي بَابِ السَّلَمِ لَا تَحْتَمِلُ النَّقْضَ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ فَلَا يَعُودُ السَّلَمُ، بِخِلَافِ الْإِقَالَةِ فِي الْبَيْعِ؛ ٢ أَلَا يَرَى أَنَّ رَأْسَ مَالِ السَّلَمِ لَوْ كَانَ عَرَضًا فَرَدَّهُ بِالْعَيْبِ وَهَلَكَ قَبْلَ التَّسْلِيمِ إِلَى رَبِّ السَّلَمِ لَا يَعُودُ السَّلَمُ وَلَوْ كَانَ ذَلِكَ فِي بَيْعِ الْعَيْنِ يَعُودُ الْبَيْعُ دَلَّ عَلَى الْفَرْقِ بَيْنَهُمَا.

(٧٣٤) قَالَ (وَإِذَا اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ فِي الْمَهْرِ فَادَّعَى الزَّوْجُ أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا بِأَلْفٍ وَقَالَتْ تَزَوَّجْتَنِي بِأَلْفَيْنِ فَأَيُّهُمَا أَقَامَ الْبَيِّنَةَ تُقْبَلُ بَيِّنَتُهُ) (لِأَنَّهُ نَوَّرَ دَعْوَاهُ بِالْحُجَّةِ.) (وَإِنْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمَرْأَةِ).

١ لِأَنَّهَا تُثْبِتُ الزِّيَادَةَ،

ترجمہ : ١ اس لئے کہ بیع سلم کے باب میں اقالہ کرنا ٹوٹنے کا نام نہیں ہے، بلکہ بیع ختم ہو جانے کا نام ہے، اس لئے بیع سلم دوبارہ واپس نہیں ہوگی، اس کے برخلاف بیع میں اقالہ ٹوٹنے کا نام ہے

لغت : یہاں یہ محارہ یاد رکھیں کہ۔ نقض: کا معنی ہے بیع ٹوٹی، لیکن کچھ نہ کچھ باقی رہی، اور اسقاط: کا معنی ہے کہ بیع بالکل ختم ہو گئی،۔ بیع سلم کے اقالہ میں اسقاط ہوتا ہے نقض نہیں۔

تشریح : اس اعتبار سے بیع سلم میں جب اقالہ کیا تو پہلی بیع مکمل ختم ہو گئی، اور گویا کہ ایک وعدہ تھا وہ ختم ہو گیا، اس لئے اقالہ کے بعد اب بیع سلم واپس نہیں ہوگی

ترجمہ : ٢ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ بیع سلم میں ثمن (عین) گیہوں وغیرہ ہوا اور وہ عیب دار ہو جائے، اور اس کو عیب کی وجہ سے بائع نے مشتری کی طرف واپس کیا، لیکن رب السلم، یعنی مشتری کو سپرد کرنے سے پہلے گیہوں ہلاک ہو گیا، پھر بھی بیع سلم دوبارہ بحال نہیں ہوگی، لیکن اگر یہی حال عام بیع میں ہوتا تو بیع واپس بحال ہو جاتی، اس سے دونوں بیعوں میں فرق واضح ہو گیا۔

تشریح : عام بیع ہو، اور اس میں دونوں طرف مبیع گیہوں، اور چاول ہو، پھر عیب کی وجہ سے چاول لوٹا دیا ہو لیکن مشتری کو سپرد کرنے سے پہلے چاول ہلاک ہو گیا تب بھی باقی رہتی ہے، لیکن اگر یہی حال بیع سلم میں ہو، یعنی ثمن گیہوں ہے اور عیب کی وجہ سے اس گیہوں کو مشتری کی طرف واپس کرنا چاہتا ہے، لیکن ابھی مشتری (رب السلم) کو واپس بھی نہیں کیا تھا کہ گیہوں ہلاک ہو گیا تو بیع سلم واپس بحال نہیں ہوگی، دونوں بیعوں میں یہ فرق ہے، اسی فرق کی وجہ سے اگر بیع سلم میں اقالہ کیا پھر ثمن میں اختلاف کیا تو دونوں کو قسم نہیں کھلائیں گے، بلکہ صرف ایک منکر کو قسم کھلائیں گے

ترجمہ : (٧٣٤) مہر کے بارے میں بیوی شوہر میں اختلاف ہوا، شوہر دعوی کرتا ہے کہ ایک ہزار میں نکاح کیا ہے، اور بیوی دعوی کرتی ہے کہ دو ہزار میں نکاح کیا ہے، اس صورت میں جو بھی گواہ پیش کر دے اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اس لئے کہ اس نے اپنی بات کو گواہی کے ذریعہ روشن کر دیا ہے، اور اگر دونوں نے گواہی پیش کی ہے تو عورت کی گواہی زیادہ مقبول ہے

١ اس لئے کہ وہ زیادہ کو ثابت کر رہی ہے

٢ مَعْنَاهُ إِذَا كَانَ مَهْرُ مِثْلِهَا أَقَلَّ مِمَّا ادَّعَتْه

اصول :اس مسئلے میں یہ دو اصول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ نکاح میں مہر ریڑ کی ہڈی نہیں ہے، مہر کے بغیر بھی قبلت سے نکاح ہو جاتا ہے، البتہ بعد میں مہر متعین نہ ہو تو مہر مثل لازم ہوتا ہے۔ اور بیع میں ثمن ریڑھ کی ہڈی ہے، اگر ثمن نہ ہو تو بیع ٹوٹ جاتی ہے۔ اور دوسرا۔ اصول یہ ہے کہ اگر کسی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ مہر متعین نہیں ہے، تو مہر مثل لازم ہو جائے گا، یا مہر مثل کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے گا

تشریح :اگر بیوی شوہر میں مہر کی مقدار میں اختلاف ہو جائے، اب بیوی کہتی ہے کہ دو ہزار میں نکاح ہوا تھا، اور شوہر کہتا ہے کہ ایک ہزار میں نکاح ہوا تھا، تو ایک انداز ے میں یہاں دونوں مدعی ہیں، اور دونوں مدعی علیہ ہیں، اس لئے کوئی بھی گواہ پیش کر دے تو اس کی گواہی قبول کر کے اس پر فیصلہ کر دیا جائے گا، اس لئے کہ اس نے اپنے دعوی کو گواہ کے ذریعہ مضبوط کر دیا ہے، اور اگر دونوں نے گواہی پیش کر دی تو عورت کے گواہ زیادہ معتبر ہیں، اس لئے کہ وہ زیادہ مہر کا دعوی کر رہی ہے اور اس پر گواہ لائی ہے، اس لئے اس کی گواہی زیادہ معتبر ہیں

وجہ:اس مسئلے میں بھی بیع کی طرح میاں بیوی دونوں مدعی ہیں، اور دونوں منکر ہیں، کیونکہ عقد نکاح بھی عقد بیع کی طرح ہے، اس لئے دونوں گواہ دے سکتے ہیں، اور وہ نہ ہو تو دونوں قسمیں کھائیں گے

ترجمہ: ٢ اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ بیوی جتنا دعوی کر رہی ہے مہر مثل اس سے کم ہو (تو پھر بیوی کی گواہی قبول کی جائے گی)

تشریح : اوپر آیا تھا کہ بیوی شوہر دونوں نے گواہی دی تو بیوی کی گواہی قبول کی جائے گی، تو اس کا مطلب بتا رہے ہیں کہ بیوی کا گواہ مہر مثل کے مطابق ہو یا مہر مثل اس کے دعوی سے زیادہ ہو تو چونکہ یہ مہر مثل سے کم ہی دعوی کر رہی ہے اس لئے عورت کی گواہی قبول کی جائے گی

وجہ:اس حدیث میں ہے کہ مہر متعین نہ ہو تو مہر مثل لازم ہوتا ہے۔ **اتی عبد الله فی رجل تزوج امرأة و لم یفرض لها فتوفی قبل ان یدخل بها .... قضی رسول الله ﷺ فینا فی امرأة یقال لها بروع بنت واشق تزوجت رجلا فمات قبل ان یدخل بها، فقضی لها رسول الله ﷺ بمثل صداق نسائها و لها المیراث و علیها العدة** ۔ (نسائی شریف، کتاب النکاح، باب اباحۃ التزویج بغیر صداق، ص ۴۶۴، نمبر ۳۳۵۶) اس حدیث میں ہے کہ جس عورت کا مہر متعین نہ ہو اس کے لئے مہر مثل ہے (۲) **عن نمران بن جاریة عن ابیه ان قوما اختصموا الی النبی ﷺ فی خص کان بینهم ، فبعث حذیفة یقضی بینهم فقضی للذین یلیهم القمط فلما رجع الی النبی ﷺ اخبره فقال اصبت و أحسنت** ۔ (ابن ماجۃ شریف، کتاب الاحکام، باب الرجلان یدعیان فی خص، ص ۳۳۵، نمبر ۲۳۴۳) اس حدیث میں ہے کہ جس کی رسی جھونپڑے کے قریب جھونپڑے کا فیصلہ اسی کے لئے ہوگا، اس سے معلوم ہوا جو چیز جس کے قریب ہے اسی کا فیصلہ ہوگا، اس لئے مہر مثل جس کے قریب ہے اسی کا فیصلہ ہوگا

(۷۳۸) ﴿وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمَا بَيِّنَةٌ تَحَالَفَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَا يُفْسَخُ النِّكَاحُ﴾ ۱؎ لِأَنَّ أَثَرَ التَّحَالُفِ فِي انْعِدَامِ التَّسْمِيَةِ، وَأَنَّهُ لَا يُخِلُّ بِصِحَّةِ النِّكَاحِ لِأَنَّ الْمَهْرَ تَابِعٌ فِيهِ، ۲؎ بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّ عَدَمَ التَّسْمِيَةِ يُفْسِدُهُ عَلَى مَا مَرَّ فَيُفْسَخُ،

(۷۳۹) ﴿وَلَكِنْ يَحْكُمُ مَهْرُ الْمِثْلِ، فَإِنْ كَانَ مِثْلَ مَا اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ أَوْ أَقَلَّ قَضَى بِمَا قَالَ الزَّوْجُ﴾ (لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ) ﴿وَإِنْ كَانَ مِثْلَ مَا ادَّعَتْهُ الْمَرْأَةُ أَوْ أَكْثَرَ قَضَى بِمَا ادَّعَتْهُ الْمَرْأَةُ، وَإِنْ كَانَ مَهْرُ الْمِثْلِ أَكْثَرَ مِمَّا اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ وَأَقَلَّ مِمَّا ادَّعَتْهُ الْمَرْأَةُ قَضَى لَهَا بِمَهْرِ الْمِثْلِ﴾

ترجمہ:(۷۳۸)اوراگر دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہوتو اب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسمیں کھائیں گے، لیکن پھر بھی نکاح نہیں ٹوٹے گا

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ دونوں کو قسم کھلانے کا اثر مہر متعین نہ ہونے کی وجہ سے ہے،اوراس سے نکاح میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا(نکاح تو باقی ہی رہے گا)اس لئے کہ مہر تو تابع ہے

تشریح : اگر بیوی اور شوہر میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں ہے،تو پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ یہاں دونوں مدعی ہیں،اور دونوں منکر ہیں،اس لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں سے قسم لیں گے۔اس قسم لینے مہر تو متعین نہیں ہوگا،لیکن نکاح برقرار رہے گا ،کیونکہ مہر کے بغیر بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے،اوراس قسم لینے سے مہر متعین نہیں رہا،اس لئے آگے آرہا ہے کہ جنکا دعوی مہر مثل کے قریب قریب ہوگا اسی پر فیصلہ کردیا جائے گا،کیونکہ اس وقت مہر مثل ہی اصل ہے

ترجمہ:۲؎ بخلاف بیع کے اس لئے کہ ثمن کا نام نہیں لیا تو بیع فاسد ہوجائے گی جیسا پہلے گزر گیا ہے

تشریح : بیع میں ثمن کا ہونا ریڑھ کی ہڈی ہے اور اصل ہے،اس لئے کسی طرح یہ ثابت ہوجائے گی بیع کی ہے اور ثمن کا نام ہی نہیں لیا ہے تو بیع بالکل ختم ہوجائے گی،کیونکہ اصل چیز چھوڑ دی ہے،لیکن نکاح میں مہر ریڑھ کی ہڈی نہیں ہے اس لئے کسی طرح ثابت ہو جائے کہ مہر متعین نہیں کیا تب بھی نکاح ہوجائے گا،البتہ بعد میں مہر مثل لازم ہوجائے گا، دونوں معاملے میں یہ فرق ہے۔

ترجمہ:(۷۳۹) لیکن مہر مثل کو حکم،فیصل بنائیں گے،پس اگر مہر مثل اس کے مطابق ہے جس کا شوہر اقرار کرتا ہے،یا اس سے بھی کم ہے،تو شوہر نے جو کہا اس پر فیصلہ کیا جائے گا،اس لئے ظاہر حال اسی کی موافقت کرتا ہے،اوراگر مہر مثل اتنا ہے جس کا بیوی دعوی کررہی ہے،یا اس سے بھی زیادہ ہے تو اتنے مہر کا فیصلہ کیا جائے گا جس کا بیوی دعوی کرتی ہے،اوراگر ایسا ہے کہ شوہر کے دعوی سے زیادہ اور بیوی کے دعوی سے کم مہر مثل ہے تو پھر درمیان میں مہر مثل ہی کا فیصلہ کیا جائے گا۔

تشریح : پہلے بتا چکا ہوں کہ اصول یہ ہے کہ مہر مثل کی روشنی میں یہاں مہر کا فیصلہ کیا جائے گا۔ پس اگر شوہر کا دعوی مہر مثل سے کم ہے تو شوہر کے کہنے کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا،اوراگر مہر مثل بیوی کے کہنے کے مطابق ہے تو بیوی کے کہنے کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا،اوراگر درمیان میں مہر مثل ہے تو پھر درمیان والا مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا،کیونکہ اس وقت مہر مثل ہی اصل ہے

ل لِأَنَّهُمَا لَمَّا تَحَالَفَا لَمْ تَثْبُتِ الزِّيَادَةُ عَلَى مَهْرِ الْمِثْلِ وَلَا الْحَطُّ عَنْهُ. ٢ قَالَ: ذَكَرَ التَّحَالُفَ أَوَّلًا ثُمَّ التَّحْكِيمَ، وَهَذَا قَوْلُ الْكَرْخِيِّ لِأَنَّ مَهْرَ الْمِثْلِ لَا اعْتِبَارَ لَهُ مَعَ وُجُودِ التَّسْمِيَةِ وَسُقُوطِ اعْتِبَارِهَا بِالتَّحَالُفِ وَلِهَذَا يُقَدَّمُ فِي الْوُجُوهِ كُلِّهَا، ٣ وَيَبْدَأُ بِيَمِينِ الزَّوْجِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ تَعْجِيلًا لِفَائِدَةِ النُّكُولِ كَمَا فِي الْمُشْتَرِي، ٤ وَتَخْرِيجُ الرَّازِيِّ بِخِلَافِهِ، وَقَدْ اسْتَقْصَيْنَاهُ فِي النِّكَاحِ

ترجمہ: ل اس لئے کہ جب دونوں نے قسم کھالیا تو اب مہر مثل سے زیادہ بھی نہیں ہوگا، اور مہر مثل سے کم بھی نہیں ہوگا۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔کہ جب دونوں نے قسمیں کھالیں تو گویا کہ مہر باندھا ہی نہیں،، اور قاعدہ یہ ہے کہ مہر باندھا ہی نہ ہو تو مہر مثل ہی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس لئے مہر مثل سے زیادہ بھی نہیں ہوگا، اور مہر مثل سے کم بھی نہیں ہوگا

ترجمہ: ٢ صاحب قدوری نے یہاں پہلے دونوں کو قسم کھلانے کا ذکر کیا ہے، پھر کہا کہ مہر مثل کو حکم بنائیں گے، یہ کرخیؒ کا قول ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مہر متعین ہو تو پھر مہر مثل کا اعتبار نہیں ہے، اور دونوں قسم کھالیں تب ہی پتہ چلے گا کہ مہر باندھا ہی نہیں ہے، اسی لئے تمام صورتوں میں یہ مقدم کیا کہ پہلے دونوں قسمیں کھائیں تب جا کر مہر مثل کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے گا

تشریح: ۔قدوری کے متن میں یہ فرمایا کہ پہلے میاں بیوی قسمیں کھائیں گے، اور یہ طے ہو جائے گا کہ مہر باندھا ہوا ہے ہی نہیں تب جا کر مہر مثل کا فیصلہ کریں گے، یا مہر مثل کی روشنی میں فیصلہ کریں گے

وجہ:: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک مہر متعین کا ثبوت ہو تو مہر مثل کی طرف نہیں جا سکتے ہیں، اس لئے پہلے قسم کھائیں جس سے پتہ چلے کہ مہر باندھا ہوا ہے ہی نہیں تب اس کے بعد مہر مثل کے مطابق فیصلہ کیا جا سکے گا۔ اسی لئے متن میں پہلے تحالف کا ذکر کیا پھر مہر مثل کا ذکر کیا ہے۔

ترجمہ: ٣ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک پہلے شوہر ہی سے قسم لیں گے، تاکہ جیسے ہی شوہر انکار کرے تو جلدی معاملہ کرنے کا فائدہ ہو جائے، جیسے بائع اور مشتری میں ثمن کی مقدار میں اختلاف ہو تو پہلے مشتری سے قسم لی جاتی ہے اسی طرح یہاں پہلے شہر سے قسم لی جائے گی

تشریح: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک پہلے شوہر سے قسم لی جائے گی، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ شوہر قسم کھانے سے انکار کر دے تو فوری طور پر مسئلے کا حل نکل آئے گا کہ بیوی جتنا دعوی کرتی ہے اتنا مہر لازم کر دیا جائے گا، اس کی مثال دیتے ہیں کہ، اگر بیع میں بائع اور مشتری کے درمیان ثمن کی مقدار میں اختلاف ہو جائے تو پہلے مشتری سے قسم لیتے ہیں، اسی پر قیاس کر کے مہر میں اختلاف ہوا ہے تو پہلے شوہر سے قسم لی جائے گی

وجہ:: اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اصل میں شوہر ہی منکر ہے اس لئے بیوی کے پاس بینہ نہ ہونے کی صورت میں شوہر ہی سے قسم لی جائے

ترجمہ: ٤ حضرت امام رازیؒ نے دوسرے انداز میں مسئلے کی وضاحت کی ہے، میں نے اس کو کتاب النکاح میں تفصیل سے ذکر کر دیا اور وہاں حضرت امام ابو یوسفؒ کا اختلاف بھی ذکر کیا ہے، اس لئے اب دوبارہ اس کو ذکر نہیں کروں گا۔

وَذَكَرْنَا خِلافَ أَبِي يُوسُفَ فَلا نُعِيدُهُ. ۵ وَلَوْ ادَّعَى الزَّوْجُ النِّكَاحَ عَلَى هَذَا الْعَبْدِ وَالْمَرْأَةُ تَدَّعِيهِ عَلَى هَذِهِ الْجَارِيَةِ فَهُوَ كَالْمَسْأَلَةِ الْمُتَقَدِّمَةِ، إلَّا أَنَّ قِيمَةَ الْجَارِيَةِ إذَا كَانَتْ مِثْلَ مَهْرِ الْمِثْلِ يَكُونُ لَهَا قِيمَتُهَا دُونَ عَيْنِهَا) لِأَنَّ تَمَلُّكَهَا لا يَكُونُ، إلَّا بِالتَّرَاضِي وَلَمْ يُوجَدْ فَوَجَبَتْ الْقِيمَةُ .

(۲۴۰۷) (وَإِنْ اخْتَلَفَا فِي الْإِجَارَةِ قَبْلَ اسْتِيفَاءِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ تَحَالَفَا وَتَرَادَّا)

تشریح : امام رازی کی رائے یہ ہے کہ مہر مثل جس کے مطابق ہواس کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا، اور صرف ایک سے گواہی لی جائے گی دونوں سے نہیں، ہاں اگر مہر مثل دونوں کے درمیان ہو تو اب دونوں سے قسم لیکر درمیان والے مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا

ترجمہ :۵ اگر شوہر نے دعوی کیا کہ اس غلام کے بدلے نکاح ہوا ہے، اور بیوی دعوی کرتی ہے کہ اس باندی پر نکاح ہوا ہے ، تو یہ مسئلہ بھی پہلے مسئلہ ہی کی طرح ہے، لیکن یہ بات ہے کہ اگر مہر مثل باندی کے قریب ہے تو شوہر پر باندی کی قیمت لازم ہوگی ، خود باندی لازم نہیں ہوگی ، اس لئے کہ باندی دینا میاں بیوی کی رضامندی سے ہوتا ہے، اور یہاں شوہر باندی دینے پر راضی نہیں ہے، اس لئے باندی کی قیمت لازم کی جائے گی

تشریح : پہلے جو مسئلہ تھا وہ مہر درہم یا دینار تھا، اب مسئلہ یہ فرض کیا جا رہا ہے کہ عین شیء ہو، یعنی غلام، یا باندی ہے، اور اس میں اختلاف ہوا ہے، تو یہ مسئلہ بھی پہلے مسئلے کے ہی طرح ہے، یعنی دونوں سے قسمیں لیں گے، اور مہر مثل جس کے قریب ہو اس کے موافق غلام یا باندی ہو تو اس غلام یا باندی کا فیصلہ کریں گے۔ اور اگر مہر مثل درمیان میں ہو تو مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا۔ لیکن اگر مہر مثل باندی کی قیمت کے برابر ہو تو باندی کا فیصلہ کیا جائے گا، لیکن چونکہ باندی دینے پر شوہر راضی نہیں ہے اس لئے شوہر پر باندی کی قیمت لازم ہوگی۔

ترجمہ :(۲۴۰۷) اگر اجرت پر لینے والا، اور اجرت پر دینے والا دونوں منافع کے وصول کرنے سے پہلے اجرت میں اختلاف کرنے لگیں تو دونوں سے قسمیں لی جائیں گی، اور اجرت ختم ہو جائے گی

لغت: اجرت: اسی کو بدل بھی کہا۔ منافع: اسی کو معقود علیہ کہا ہے اور۔ کہیں مبدل کہا ہے۔ مستاجر: اجرت پر لینے والا۔ مواجر: اجرت پر دینے والا۔ اجیر: اجرت پر کام کرنے والا۔ استیفاء: وصول کرنا۔ اجارۃ: اجرت پر لینا۔

نوٹ: یہاں چار جگہ اختلاف ہے۔ پہلا اختلاف، اجرت کی مقدار میں، دوسرا اختلاف منافع کی مقدار میں، تیسرا اختلاف مدت کی مقدار میں۔ اور چوتھا اختلاف ہے، منافع وصول کرنے سے پہلے اختلاف ہوا ہے، یا منافع وصول کرنے کے بعد اختلاف ہوا ہے۔ یہ چاروں اختلاف کو یاد رکھیں، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے

تشریح : اجرت کے معاملے میں نفع وصول کرنے سے پہلے ہی اختلاف ہو گیا، تو دونوں قسمیں کھائیں گے، اور معاملہ ختم ہو جائے گا

۱ؚ مَعْنَاهُ اخْتَلَفَا فِي الْبَدَلِ أَوْ فِي الْمُبْدَلِ لِأَنَّ التَّحَالُفَ فِي الْبَيْعِ قَبْلَ الْقَبْضِ عَلَى وِفَاقِ الْقِيَاسِ عَلَى مَا مَرَّ، وَالْإِجَارَةُ قَبْلَ قَبْضِ الْمَنْفَعَةِ نَظِيرُ الْبَيْعِ قَبْلَ قَبْضِ الْمَبِيعِ وَكَلامُنَا قَبْلَ اسْتِيفَاءِ الْمَنْفَعَةِ

(٧٤١) (فَإِنْ وَقَعَ الِاخْتِلَافُ فِي الْأُجْرَةِ يَبْدَأُ بِيَمِينِ الْمُسْتَأْجِرِ) ۱ؚ لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ لِوُجُوبِ الْأُجْرَةِ .

(٧٤٢) (وَإِنْ وَقَعَ فِي الْمَنْفَعَةِ يَبْدَأُ بِيَمِينِ الْمُوَاجِرِ، ۱ؚ فَأَيُّهُمَا نَكَلَ لَزِمَهُ دَعْوَى صَاحِبِهِ، وَأَيُّهُمَا

وجـــه :اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع میں مبیع پر قبضہ سے اختلاف ہو جائے تو پہلے گزرا کہ دونوں قسمیں کھائیں گے،اور بیع ختم ہو جائے گی ،اسی طرح یہاں منافع مبیع کی طرح ہے،اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اختلاف ہو جائے تو دونوں قسمیں کھائیں گے اور اجرت ختم ہو جائے گی۔

تــرجـمـه :۱ؚ متن کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بدل یعنی اجرت میں، یا مبدل یعنی نفع میں اس کو وصول کرنے سے پہلے اختلاف ہو گیا تو دونوں قسمیں کھائیں گے،اس لئے مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اختلاف ہو جائے تو دونوں سے قسمیں لینا قیاس کے مطابق ہے،جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے،اور اجرت میں نفع پر قبضہ کرنے سے پہلے مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اختلاف ہو جائے اس کی طرح ہے،اور یہاں ہمارا کلام بھی اسی پر ہے کہ نفع پر قبضہ کرنے سے پہلے اختلاف ہوا ہے

تشــریح : متن کی عبارت کا مطلب بتا رہے ہیں کہ اجرت کے معاملے میں نفع پر قبضہ کرنے سے پہلے کا معاملہ ایسا ہے جیسے بیع میں مبیع پر قبضہ کرنے سے اختلاف ہو گیا ہو،اور بیع میں مبیع پر قبضہ کرنے سے اختلاف ہو جائے اور بینہ نہ ہو تو دونوں قسمیں کھاتے ہیں،اسی طرح یہاں بھی دونوں قسمیں کھائیں گے۔

ترجمه:(٧٤١)اگر اجرت میں اختلاف ہوا ہے۔تو اجرت پر لینے والے سے پہلے قسم لی جائے گی

ترجمه:۱ؚ اس لئے کہ وہ اجرت کے واجب ہونے کا منکر ہے

تشریح : اوپر بتایا تھا کہ یہاں چار جگہ اختلاف ہے،اس میں پہلی جگہ یہ ہے کہ۔اگر اجرت کی مقدار میں اختلاف ہوا ہے تو پہلے اجرت پر لینے والے سے قسم لی جائے گی ،کیونکہ گویا کہ وہ اپنے اوپر اجرت واجب ہونے کا منکر ہے،اس لئے اس سے پہلے قسم لی جائے گی،وہ قسم کھالے گا تب اجرت پر دینے والے قسم کھائیں گے

ترجمه:(٧٤٢) اگر کتنا نفع لینا ہے اس میں اختلاف ہو گیا تو اس صورت میں تو اجرت پر دینے سے قسم شروع کی جائے گی

تشریح : مثلا زید نے اپنا گھوڑا دس دن کے لئے دس درہم میں عمر کو کرائے پر دیا،اب نفع اٹھانے یعنی کتنے دن کے لئے گھوڑا دیا ہے اس بارے میں اختلاف ہو گیا،زید کہتا ہے کہ پانچ دن کے لئے دیا تھا،اور عمر کہتا ہے دس دن کے لئے دیا تھا،تو اس صورت میں عمر اجرت پر لینے والا زیادہ نفع حاصل کرنے کا مدعی ہے،اور زید اجرت پر دینے والا،اس کا منکر ہے،اس لئے زید مواجر،یعنی اجرت پر دینے والا پہلے قسم کھائے گا

تــرجـمـه :۱ؚ کوئی بھی قسم کھانے کا انکار کرے گا تو اس پر اس کے سامنے والے دعوی لازم ہو جائے گا،اور جو بھی گواہ پیش

أَقَامَ الْبَيِّنَةَ قُبِلَتْ، ٢ؕ وَلَوْ أَقَامَاهَا فَبَيِّنَةُ الْمُؤَاجِرِ أَوْلَى إِنْ كَانَ الِاخْتِلَافُ فِي الْأُجْرَةِ، ٣ؕ وَإِنْ كَانَ فِي الْمَنَافِعِ فَبَيِّنَةُ الْمُسْتَأْجِرِ أَوْلَى، وَإِنْ كَانَ فِيهِمَا قُبِلَتْ بَيِّنَةُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِيمَا يَدَّعِيهِ مِنْ الْفَضْلِ) نَحْوَ أَنْ يَدَّعِيَ هَذَا شَهْرًا بِعَشَرَةٍ وَالْمُسْتَأْجِرُ شَهْرَيْنِ بِخَمْسَةٍ يَقْضِي بِشَهْرَيْنِ بِعَشَرَةٍ .

کرے گا اس کی گواہی قبول کی جائے گی

تشریح : مثلا زید اجرت پر دینے والے نے قسم کھانے سے انکار کیا تو عمر کا دعوی لازم ہو جائے گا، اور قاضی اسی کے مطابق فیصلہ کرے گا، اور اگر عمر اجرت پر لینے والے نے قسم کھانے سے انکار کیا تو زید کا دعوی لازم ہو جائے گا، اور قاضی زید کے دعوی کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

دوسرا قاعدہ یہ بتا رہے ہیں کہ اگر کسی نے گواہ پیش کر دئے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اور قاضی اسی کے مطابق فیصلہ کرے گا

ترجمہ :٢ؕ اور اگر دونوں نے گواہ پیش کر دیے، تو اگر اختلاف اجرت کی مقدار میں ہے تو اجرت پر دینے والے کی گواہی بہتر ہے۔ اور اگر اختلاف نفع کی مقدار میں ہے تو اجرت پر لینے والے کی گواہی زیادہ بہتر ہے

تشریح :اجرت پر دینے والا، اور اجرت پر لینے والا دونوں نے دو دو گواہی پیش کر دی، تو اس صورت میں فرماتے ہیں کہ اگر اختلاف اجرت کی مقدار میں ہے تو اجرت پر دینے والے کی گواہی زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اجرت زیادہ لینے کا مدعی وہی ہے، اور مدعی ہی کی گواہی زیادہ بہتر ہوتی ہے۔۔ اور اگر اختلاف نفع کی مقدار میں ہے تو اجرت پر لینے والے کی گواہی زیادہ بہتر ہے، کیونکہ زیادہ نفع لینے کا مدعی اجرت پر لینے والا ہی ہے، اس لئے اسی کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ترجمہ :٣ؕ اور اگر اجرت کی مقدار، اور نفع کی مقدار دونوں میں اختلاف تھا تو جو جس چیز میں زیادہ کا دعوی کرتا ہے اس بارے میں اس کی گواہی قبول کی جائے گی، مثلا اجرت پر دینے والا زید دعوی کرتا ہے اس گھوڑے کو ایک مہینہ دس درہم کے بدلے اجرت پر دیا تھا، اور اجرت پر لینے والا عمر دعوی کرتا ہے کہ گھوڑے کو دو مہینہ کے لئے صرف پانچ درہم میں اجرت پر لیا تھا، تو قاضی دس درہم کے بدلے میں دو مہینہ کا فیصلہ کریں گے

تشریح : اگر دونوں باتوں میں اختلاف ہو گیا، یعنی اجرت کی مقدار میں اختلاف ہوا اور نفع کی مقدار میں بھی اختلاف ہو گیا، اور دونوں نے گواہی پیش کر دی، تو جو زیادہ کا دعوی کرتا ہے، اس کی گواہی اس میں قبول کی جائے گی۔ مثلا اجرت پر دینے والا زید کہتا ہے کہ اس گھوڑے کو دس درہم میں ایک ماہ کے لئے عمر کو اجرت پر دیا تھا۔ اور اس پر گواہی دے دی، تو زید کا دعوی پانچ درہم کے بجائے دس درہم کا، جو پانچ درہم سے زیادہ ہے اس لئے دس درہم کے بارے میں زید کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اور عمر کا دعوی ہے کہ صرف پانچ درہم کے بدلے دو مہینہ تک گھوڑا اجرت پر لیا تھا، تو یہاں عمر اجرت پر لینے والا، ایک ماہ کے بجائے دو ماہ کا دعوی کر رہا ہے، اور اس پر گواہی دی ہے، اس لئے دو ماہ کے بارے میں عمر کی گواہی قبول کی جائے گی، اور

(۴۴۳) قَالَ (وَإِنْ اخْتَلَفَا بَعْدَ الِاسْتِيفَاءِ لَمْ يَتَحَالَفَا وَكَانَ الْقَوْلُ قَوْلَ الْمُسْتَأْجِرِ) ١؎ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ ظَاهِرٌ، لِأَنَّ هَلَاكَ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ يَمْنَعُ التَّحَالُفَ عِنْدَهُمَا، ٢؎ وَكَذَا عَلَى أَصْلِ مُحَمَّدٍ لِأَنَّ الْهَلَاكَ إنَّمَا لَا يُمْنَعُ عِنْدَهُ فِي الْمَبِيعِ لِمَا أَنَّ لَهُ قِيمَةً تَقُومُ مَقَامَهُ فَيَتَحَالَفَانِ

قاضی یوں فیصلہ کرے گا دس درہم کے بدلے دو مہینہ تک گھوڑے کو اجرت پر لیا ہے

اصول: اس مسئلے میں اصول یہ ہے کہ جو زیادتی کا دعوی کرے وہ اس بارے میں مدعی ہے اس لئے اس زیادتی کے بارے میں اس مدعی کی گواہی قبول کی جائے گی

ترجمہ: (۴۴۳) اور اگر اجرت پر دینے والے، اور اجرت پر لینے والے میں نفع وصول کرنے کے بعد اجرت کی مقدار میں اختلاف ہوا تو دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے، اور قسم کے ساتھ اجرت پر لینے والے کی بات مان لی جائے گی۔

تشریح: مثلا عمر نے گھوڑے کا نفع حاصل کر لیا ہے اس کے بعد دونوں میں اجرت کی مقدار میں اختلاف ہوا، اور گواہی کسی کے پاس نہیں ہے، تو اس صورت میں دونوں سے قسمیں نہیں لی جائیں گی، بلکہ صرف مستاجر، یعنی اجرت پر لینے والے سے قسم لی جائے گی، اور اسی کی بات پر قاضی فیصلہ کر دے گا

اصول: اس مسئلے کو بیع پر قیاس نہیں کیا جائے گا،

وجہ: یہاں اجرت پر دینے والا زید زیادہ اجرت کا مدعی ہے، اور اجرت پر لینے والا عمر اس کا منکر ہے، اسی لئے اس کی قسم کافی ہے، یہاں دونوں مدعی، اور دونوں مدعی علیہ نہیں ہیں، کیونکہ جتنا نفع تھا وہ وصول کر لیا ہے، اس میں کسی کا دعوی نہیں ہے، صرف اجرت کی مقدار میں اجرت پر دینے والا مدعی ہے، اور اجرت پر لینے والا اس کا منکر ہے، اس لئے صرف اسی سے قسم لی جائے گی

ترجمہ: ١؎ اور یہ ابا حنیفہؒ، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو ظاہر ہے، کیونکہ معقود علیہ (مبیع، یا نفع) کے ہلاک ہونے کے بعد ان دونوں کے یہاں دونوں پر قسم نہیں ہے۔

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ اگر مبیع ہلاک ہو جائے اور پھر اختلاف ہوا ہو تو امام ابو حنیفہ، اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے، بلکہ صرف ایک آدمی قسم کھائے گا۔ اسی طرح یہاں نفع جب نفع وصول کر چکا ہے تو گویا کہ نفع جو مبیع کی طرح ہے وہ ہلاک ہو چکا ہے، اس لئے اب دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے، بلکہ صرف ایک اجرت پر لینے والا قسم کھائے گا

لغت: معقود علیہ: یہاں نفع مراد ہے، اور بیع میں مبیع مراد ہوتی ہے

ترجمہ: ٢؎ اسی طرح امام محمد کے اصول پر بھی صرف مستاجر سے قسم لی جائے گی، اس لئے کہ مبیع کی ہلاکت ہو تو ان کے یہاں دونوں سے قسم لینا ممنوع نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مبیع کی ایک قیمت ہوتی ہے، اور مبیع کے ہلاک ہونے پر اس کی قیمت مبیع کے قائم مقام ہو جاتی ہے، پھر مبیع کی قیمت پر دونوں قسمیں کھاتے ہیں، اور یہاں اجرت میں حال یہ ہے کہ اگر دونوں قسمیں کھائیں، اور اجرت فسخ ہو جائے تو یہاں کوئی قیمت موجود نہیں ہے، کیونکہ نفع کی خود کوئی قیمت نہیں ہوتی، بلکہ عقد اجرت

عَلَيْهَا، وَلَوْ جَرَى التَّحَالُفُ هَاهُنَا وَفَسْخُ الْعَقْدِ فَلَا قِيمَةَ لِأَنَّ الْمَنَافِعَ لَا تَتَقَوَّمُ بِنَفْسِهَا بَلْ بِالْعَقْدِ وَتَبَيَّنَ أَنَّهُ لَا عَقْدَ. ۳؎ وَإِذَا امْتَنَعَ فَالْقَوْلُ لِلْمُسْتَأْجِرِ مَعَ يَمِينِهِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُسْتَحِقُّ عَلَيْهِ.
(۲۴۴۷)(وَإِنْ اخْتَلَفَا بَعْدَ اسْتِيفَاءِ بَعْضِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ تَحَالَفَا وَفُسِخَ الْعَقْدُ فِيمَا بَقِيَ وَكَانَ الْقَوْلُ فِي

کی وجہ سے نفع کی قیمت بنتی ہے، اور اجرت کے ختم ہونے سے پتہ چلا کہ اجرت کا عقد ہی نہیں ہوا تھا، (تو نفع کی قیمت بھی نہیں ہے) اس لئے یہاں دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مبیع نہ ہو لیکن اس کی قیمت ہو تب بھی دونوں سے قسم لی جائے گی، کیونکہ کم سے کم ایک چیز موجود ہے۔ اور نفع کے ہلاک ہونے کے بعد اس کی قیمت نہیں ہوتی، اس لئے نہ نفع موجود ہے، اور نہ اس کی قیمت موجود ہے، اس لئے اس پر دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی، صرف ایک سے قسم لی جائے گی

تشریح: پہلے یہ فرق سمجھ لیں، وہ یہ ہے کہ مبیع ہلاک ہو جائے، تو اس کی جو قیمت ہے وہ مبیع کے قائم مقام ہو جاتی ہے، تو گویا کہ مبیع ابھی موجود ہے، اور مبیع موجود ہوا اور اختلاف ہو جائے تو امام محمدؒ کے نزدیک دونوں سے قسمیں لی جاتی ہیں۔ اس کے برخلاف منافع کا حال یہ ہے کہ اجرت طے ہو تو نفع کی قیمت ہوتی ہے، اور اجرت طے نہ ہو تو نفع کی بنفسہ کوئی قیمت نہیں ہے۔ اب اگر دونوں سے قسمیں لے لیں، اور عقد اجرت ختم ہو جائے تو گویا کہ اجرت کا معاملہ ہوا ہی نہیں، اس لئے نفع کی کوئی قیمت موجود ہی نہیں ہے، اور نفع کی کوئی قیمت ہی موجود نہیں ہے تو دونوں سے قسمیں نہیں لی جائیں گی

اب امام محمدؒ کے نزدیک مبیع ہلاک ہونے پر دونوں پر قسمیں ہیں، اور نفع کے ہلاک ہونے پر دونوں پر قسمیں نہیں ہیں، صرف ایک سے قسم ہے، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ مبیع کے ہلاک ہونے پر اس کی قیمت موجود ہے، تو گویا کہ مبیع موجود ہے، اس لئے دونوں سے قسمیں لی جائیں گی، اور منافع کے ہلاک ہونے پر نہ نفع موجود ہے اور نہ نفع کی قیمت موجود ہے، اس لئے دونوں سے قسمیں نہیں لی جائیں گی، یہ مبیع، اور منافع میں یہ فرق ہے

ترجمہ: ۳؎ اور جب دونوں سے قسمیں لینا ممتنع ہوا تو اجرت پر لینے والے کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی، اس لئے کہ وہی مستحق علیہ، یعنی مدعی علیہ ہے

تشریح: اوپر گزرا کہ منافع ہلاک ہونے کے بعد اختلاف ہوا تو دونوں اجیر اور مستاجر دونوں سے قسمیں نہیں لی جائیں گی، اب صرف مستاجر، یعنی اجرت پر لینے والے پر قسم ہوگی، اور اس کے قسم کھانے کے بعد اسی پر فیصلہ کر دیا جائے گا،

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اجرت پر دینے والا زیادہ اجرت کا مدعی ہے، اور اجرت پر لینے والا مدعی علیہ اور منکر ہے، اس لئے اسی پر قسم ہے، اور اسی کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی

ترجمہ: (۲۴۴۷) اگر بعض نفع وصول کیا اور پھر اجرت کی مقدار میں اختلاف ہو گیا تو دونوں قسمیں کھائیں گے اور جتنا نفع حاصل کرنا باقی رہ ہے اس میں دونوں قسمیں کھائیں گے، اور جتنا نفع وصول کر چکا ہے اس میں اجرت پر لینے والے کا قول قسم

الْـمَاضِي قَوْلَ الْمُسْتَأْجِرِ) ۱؎ لِأَنَّ الْـعَـقْـدَ يَـنْعَقِدُ سَاعَةً فَسَاعَةً فَيَصِيرُ فِي كُلِّ جُزْءٍ مِنَ الْمَنْفَعَةِ كَأَنَّ ابْتِدَاءَ الْعَقْدِ عَلَيْهَا، بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّ الْعَقْدَ فِيهِ دَفْعَةٌ وَاحِدَةٌ، فَإِذَا تَعَذَّرَ فِي الْبَعْضِ تَعَذَّرَ فِي الْكُلِّ.

(۲۴۵۷) قَالَ (وَإِذَا اخْتَلَفَ الْمَوْلَى وَالْمُكَاتَبُ فِي مَالِ الْكِتَابَةِ لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَا: يَتَحَالَفَانِ وَتُفْسَخُ الْكِتَابَةُ)

کے ساتھ مانا جائے گا

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ نفع موجود نہیں ہوتا، اس لئے جونفع وصول کر چکا ہے، وہ گویا کہ ہلاک ہو گیا، اور جو نفع ابھی وصول کرنا باقی ہے، اس میں گویا کہ از سر نو عقد ہو رہا ہے

تشریح : بعض معقد علیہ، یعنی بعض نفع کو حاصل کیا، پھر اجرت کی مقدار میں اختلاف ہو گیا، اور دونوں کے پاس گواہ نہیں ہے تو دونوں قسمیں کھائیں گے، اور جو نفع باقی رہ گیا ہے وہ فسخ ہو جائے گا، اور جو نفع وصول کر لیا ہے اس بارے میں قسم کے ساتھ مستاجر، یعنی اجرت پر لینے والے کی بات مان لی جائے گی

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دو طرح سے اجرت کا معاملہ ہو گیا، ایک ہے جو نفع وصول کر چکا ہے، وہ گویا کہ ہلاک ہو چکا ہے، تو اس میں اجرت پر لینے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔ اور جو نفع اب تک حاصل نہیں کیا ہے،، تو چونکہ نفع موجود نہیں ہوتا ہے، اس لئے اس میں یہ مانا جاتا ہے کہ یہ عقد رفتہ رفتہ ہوتا ہے، اور وہ عقد ابھی ہوا نہیں ہے اس لئے دونوں کے قسم کھانے کے بعد وہ بقایا عقد ختم ہو جائے گا

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ نفع میں عقد رفتہ رفتہ منعقد ہوتا ہے اس لئے یوں سمجھا جائے گا ہر ہر جز رفتہ رفتہ ہو رہا ہے (اور وہ جز ابھی منعقد نہیں ہوا ہے اس لئے قسم کھانے کے بعد وہ حصہ ختم ہو جائے گا)

تشریح : واضح ہے

ترجمہ : ۲؎ بخلاف بیع کے، اس لئے کہ عقد ایک ہی مرتبہ منعقد ہوتا ہے، اس لئے اگر بعض مبیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے) آگے کی بیع متعذر ہو جائے تو کل میں متعذر ہو جائے گا، اور پوری بیع فسخ ہو جائے گی

تشریح : اجرت، اور بیع میں کیا فرق ہے وہ بتا رہے ہیں۔ کہ بیع میں پوری بیع رفتہ رفتہ نہیں ہوتی ہے، بلکہ بیک وقت ہوتی ہے، اس لئے اگر بعض بیع ہلاک ہو گئی، اور باقی کو موجود رکھنا مشکل ہو گیا تو دونوں کے قسم کھانے کے بعد پوری بیع ختم ہو جائے گی، اجرت کی طرح یہ نہیں ہوگا کہ آدھی اجرت ہلاک ہوئی اور آدھی باقی رہی، اور اس باقی پر دونوں قسمیں کھائیں، ایسا نہیں ہوگا

ترجمہ : (۲۴۵۷) آقا اور مکاتب میں مال کتابت کی مقدار میں اختلاف ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے (صرف مکاتب قسم کھائے گا) اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں قسمیں کھائیں گے اور کتابت فسخ کر دی جائے گی،

۱؎ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ ۲؎ لِأَنَّهُ عَقْدُ مُعَاوَضَةٍ يَقْبَلُ الْفَسْخَ فَأَشْبَهَ الْبَيْعَ، وَالْجَامِعُ أَنَّ الْمَوْلَى يَدَّعِي بَدَلًا زَائِدًا يُنْكِرُهُ الْعَبْدُ وَالْعَبْدُ يَدَّعِي اسْتِحْقَاقَ الْعِتْقِ عَلَيْهِ عِنْدَ أَدَاءِ الْقَدْرِ الَّذِي يَدَّعِيهِ وَالْمَوْلَى يُنْكِرُهُ فَيَتَحَالَفَانِ كَمَا إِذَا اخْتَلَفَا فِي الثَّمَنِ. ۳؎ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْبَدَلَ مُقَابَلٌ بِفَكِّ الْحَجْرِ فِي

ترجمہ:۱؎ اور یہی بات حضرت امام شافعیؒ نے بھی فرمایا

لغت : مکاتب؛ جس غلام کواس کے آقا نے یہ کہا کہ اتنا روپیہ دو تم آزاد ہو جاؤ گے، تو اس غلام کو مکاتب کہتے ہیں، یہ غلام کو اب تجارت کی تجارت وغیرہ کی اجازت ہوگی۔

اصول :صاحبین کے نزدیک کتابت کا اختیار ایک قسم کا مال ہے اس لئے اس کا معاملہ مبیع کی طرح ہوگا۔اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ اختیار مال نہیں ہے، صرف اجرت کی طرح ایک نفع ہے

تشریح :آقا کے نے مکاتب بنا دیا تھا، بعد میں مال کتابت کتنا ہے اس میں اختلاف ہوا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے، بلکہ صرف مکاتب ہی قسم کھائے گا، اور کتابت کا مال اتنا لازم ہوگا جتنا وہ قسم کھا کر کہے گا

وجہ :آقا کہنے پر مکاتب تو وہ بن چکا ہے، اب صرف اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کی مقدار کتنی ہے، تو اس میں آقا زیادہ کا مدعی ہے، اور مکاتب منکر ہے، یہاں دونوں مدعی اور دونوں منکر نہیں ہیں،، اور آقا کے پاس گواہ نہیں ہے، اس لئے صرف مکاتب قسم کھائے گا، اور اسی کی بات پر قاضی فیصلہ کرے گا

اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہاں دونوں مدعی اور دونوں منکر ہیں، اور آقا زیادہ درہم کا مدعی ہے، اور مکاتب اس کا منکر ہے۔ پھر مکاتب ایک خاص مقدار دیکر آزادگی لینا چاہتا ہے، اور آقا اس کا منکر ہے، اس لئے دونوں مدعی، اور دونوں منکر ہیں، اور گواہ نہیں ہے، اس لئے بیع کی طرح دونوں قسمیں کھائیں گے، اور کتابت توڑ دی جائے گی

ترجمہ : ۲؎ اس لئے کہ کتابت کا معاملہ معاوضہ کا عقد ہے، جو ٹوٹ بھی سکتا ہے، اس لئے یہ بیع کی طرح ہو گیا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آقا زائد مال کا دعوی کر رہا ہے، اور مکاتب اس کا انکار کر رہا ہے۔ اور مکاتب اس بات کا دعوی کر رہا ہے کہ متعین مقدار درہم دے دوں، اور آزادگی مل جائے، اور آقا اس کا انکار کر رہا ہے، (اور جب دونوں منکر ہوئے تو) دونوں قسمیں کھائیں گے، جس طرح ثمن کی مقدار میں اختلاف ہو تو دونوں قسمیں کھاتے ہیں

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کتابت کا معاملہ بیع کی طرح معاملہ ہے، اور بیع میں ثمن میں اختلاف ہو جائے تو دونوں قسمیں کھاتے ہیں، اور بیع توڑ دی جاتی ہے، یہاں بھی دونوں قسمیں کھائیں گے، اور کتابت توڑ دی جائے گی۔

وجہ::اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ آقا زیادہ مال کا مدعی ہے، اور مکاتب اس کا منکر ہے۔ پھر مکاتب اس بات کا مدعی ہے کہ مال کتابت کا ایک متعین مقدار ادا کر دوں، اور اس کے بدلے مجھے آزادگی مل جائے، اور آقا اس کا منکر ہے، اس لئے دونوں مدعی اور دونوں منکر ہوئے، اس لئے دونوں قسمیں کھائیں گے، اور کتابت ٹوٹ جائے گی

ترجمہ :۳؎ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مال کتابت فک حجر کے مقابلے پر ہے، اور وہ ابھی مکاتب کے ہاتھ میں ہے

حَقِّ الْيَدِ وَالتَّصَرُّفِ لِلْحَالِ وَهُوَ سَالِمٌ لِلْعَبْدِ وَإِنَّمَا يَنْقَلِبُ مُقَابَلًا بِالْعِتْقِ عِنْدَ الْأَدَاءِ فَقَبْلَهُ لَا مُقَابَلَةَ فَبَقِيَ اخْتِلَافًا فِي قَدْرِ الْبَدَلِ لَا غَيْرُ فَلَا يَتَحَالَفَانِ .

(۲۷۴۶) قَالَ (وَإِذَا اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ فِي مَتَاعِ الْبَيْتِ فَمَا يَصْلُحُ لِلرِّجَالِ فَهُوَ لِلرَّجُلِ كَالْعِمَامَةِ) (لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ) (وَمَا يَصْلُحُ لِلنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْمَرْأَةِ كَالْوِقَايَةِ) (لِشَهَادَةِ الظَّاهِرِ لَهَا) (وَمَا يَصْلُحُ لَهُمَا كَالْآنِيَةِ فَهُوَ لِلرَّجُلِ) ۱ لانَّ الْمَرْأَةَ وَمَا فِي يَدِهَا فِي يَدِ الزَّوْجِ وَالْقَوْلُ فِي

(یعنی وہ تجارت وغیرہ کرسکتا ہے)،اور جب مال کتابت ادا کردے گا تو یہ مال کتابت آزادگی کے بدلے میں ہوجائے گا،اور ادائیگی سے پہلے،مال کتابت آزادگی کے مقابلے میں نہیں ہے،اس لئے مال کتابت کی مقدار میں اختلاف باقی رہ گیا،اس لئے دونوں قسم نہیں کھائیں گے،صرف مکاتب قسم کھائے گا

لغت : فک حجر: حجر کا ترجمہ ہے روکنا،یعنی تجارت وغیرہ سے روکنا،اور فک کا ترجمہ ہے،اس کو ختم کرنا،اور فک حجر کا ترجمہ ہے کہ اب تک غلام کو تجارت کی اجازت نہیں تھی،اب یہ رکاوٹ ختم ہوگئی۔ ید: مال پر قبضہ۔ التصرف: تجارت کرنے،اور مال میں تصرف کرنے کا اختیار

تشریح : یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔۔امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ آقا نے جب مال کے بدلے میں غلام کو مکاتب بنایا تو غلام مکاتب بن چکا ہے،جس کی وجہ سے اس کو تجارت کرنے اور مال پر تصرف کرنے کا حق حاصل ہے،اس لئے اس بارے میں مکاتب مدعی نہیں ہے،اور آقا منکر بھی نہیں ہے،اس لئے یہاں صرف مال کتابت کی مقدار میں اختلاف ہے،اس میں آقا زیادہ مال کا دعوی کررہا ہے،اور مکاتب اس کا منکر ہے،اس لئے صرف مکاتب قسم کھائے گا،اور قاضی اسی کی بات پر فیصلہ کردے گا

ترجمہ :(۲۷۴۶) اگر گھر کے سامان کے بارے میں میاں بیوی میں اختلاف ہوگیا تو جو مرد کی چیز لگتی ہے وہ شوہر کی ہے جیسے کہ عمامہ مرد کی چیز ہے،اس لئے ظاہری طور پر اسی کا گواہ ہے،اور جو عورت کی چیز لگتی ہے وہ بیوی کی ہے،جیسے کہ برقع،(اس لئے کہ ظاہری طور پر اسی کا گواہ ہے)،اور جو چیز دونوں کی ہوسکتی ہے،جیسے برتن وہ شوہر کی ہوں گی

ترجمہ :۱ اس لئے کہ بیوی اور جو کچھ بیوی کے قبضے میں ہے وہ شوہر کے قبضے میں ہے (اس لئے کہ یہ سب چیزیں شوہر کے گھر میں ہیں)،اور دعوی کے وقت میں جس کا قبضہ ہوتا ہے اسی کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے

تشریح : بیوی اور شوہر میں گھر کے سامان کے بارے میں اختلاف ہوگیا کہ کون سامان کس کا ہے تو اس بارے میں یہ ہے کہ جو سامان لگتا ہے کہ صرف مرد کا ہوسکتا ہے وہ شوہر کا ہوگا،اور جو سامان لگتا ہے کہ صرف عورت کا ہوسکتا ہے وہ بیوی کا ہوگا،اور جو سامان مرد یا عورت کے لئے خاص نہیں ہے،جیسے برتن تو اس کے بارے میں یہ قاعدہ بتارہے ہیں کہ چونکہ بیوی بھی شوہر کے قبضے میں ہے،اور شوہر کے گھر میں ہے،اور اصول یہ ہے کہ جس کا کسی چیز پر قبضہ ہو تو اسی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے،اس لئے شوہر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی

الـدَّعَـاوَى لِـصَاحِبِ الْيَدِ، بِخِلَافِ مَا يَخْتَصُّ بِهَا لِأَنَّهُ يُعَارِضُهُ ظَاهِرٌ أَقْوَى مِنْهُ، ٢ـ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا كَانَ الْاِخْتِلَافُ فِي حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ أَوْ بَعْدَمَا وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ.

(٧٤٧) (فَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا وَاخْتَلَفَتْ وَرَثَتُهُ مَعَ الْآخَرِ فَمَا يَصْلُحُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْبَاقِي مِنْهُمَا) ١ـ لِأَنَّ الْيَدَ لِلْحَيِّ دُونَ الْمَيِّتِ، وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَاهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

وجه: (١) گھر شوہر کا ہے اس لئے ظاہری طور پر یہی ہوسکتا ہے کہ وہ سامان اسی کا ہو (٢) گھر شوہر کا ہونا علامت راجحہ ہے کہ باقی سامان بھی شوہر کا ہو۔ یہ اس وقت ہے کہ کوئی قرینہ نہ ہو اور نہ عورت کا سامان ہونے کے لئے گواہ ہو (٣)۔عن حماد انه سئل عن متاع البيت فقال ثياب المرأة للمرأة وثياب الرجل للرجل وما تشاجرا فلم يكن لهذا ولا لهذا وهـو لـلـذى فـى يـده ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ٢٢٦ فی الرجل یطلق اویموت وفی منزلہ متاع، ج رابع ،ص ١٨٨،نمبر ١٩١٣١) اس قول تابعی میں ہے کہ جو مرد کے لائق ہے وہ مرد کے لئے اور جو عورت کے لائق ہو وہ عورت کے لئے اور جو دونوں کے لائق ہو وہ مرد کے لئے ہوگا۔

ترجمہ: (٧٤٧) اگر میاں بیوی میں سے ایک کا انتقال ہوگیا اور دونوں کے وارثوں میں اختلاف ہوا، تو چاہے مرد کے لئے ہو، یا عورت کے لئے سبھی اس کے لئے جو زندہ ہے

ترجمہ: ١ـ اس لئے کہ زندوں کا قبضہ مردوں سے زیادہ ہے۔اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے

اصول: اس مسئلے میں یہ اصول ہے کہ میاں بیوی میں سے جو زندہ ہے، اس کا حق مردہ کے ورثاء سے زیادہ ہے

تشریح: یہاں صورت حال یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ایک کا انتقال ہوگیا ہے، اور جو زندہ ہے اس میں اور جو مر چکے ہیں اس کے ورثاء کے درمیان گھر کے سامان میں اختلاف ہوگیا، تو اس بارے میں فرمایا کہ چاہے وہ مرد کا کپڑا ہو چاہے عورت کا دونوں قسم کے سامان اس کے لئے ہوگا، جو ابھی زندہ ہے

وجہ:: اس کی وجہ یہ ہے کہ جو زندہ ہے اس کا قبضہ مضبوط ہے، اس کے مقابلے میں میت چونکہ مر چکا ہے، اس لئے اس کا قبضہ ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے اس کے واسطے سے اس کے ورثاء کو بھی کچھ نہیں ملے گا۔اس لئے سب سامان زندہ کو ہی دے دیا جائے گا

نوٹ: لیکن کتاب الاصل، اور جامع صغیر دونوں میں لکھا ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول یہی ہے کہ جو مرد کے کپڑے ہیں وہ مرد کے لئے یا اس کے ورثاء کے لئے ہیں، اور جو عورت کے کپڑے ہیں وہ عورت کے لئے یا اس کے ورثاء کے لئے ہیں، اور جو دونوں کے لئے ہو سکتے ہیں وہ سامان زندہ کے لئے ہے، چاہے عورت زندہ ہو یا مرد زندہ ہو (الاصل، باب متاع المیت، ج ١٠، ص ٣٥٤/ جامع صغیر، باب الاختلاف فی متاع البیت، ٢٣٩)

اس قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔عن الحكم قال اذا مات الرجل وترک متاعا من متاع البيت فما كان للرجل فلا يكـون لـلمرأة وما يكون للمرأة لا يكون للرجل هو للمرأة وما يكون للرجال والنساء فهو للرجل الا ان

٢ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يَدْفَعُ إِلَى الْمَرْأَةِ مَا يُجَهَّزُ بِهِ مِثْلُهَا، وَالْبَاقِي لِلزَّوْجِ مَعَ يَمِينِهِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْمَرْأَةَ تَأْتِي بِالْجِهَازِ وَهَذَا أَقْوَى فَيَبْطُلُ بِهِ ظَاهِرُ يَدِ الزَّوْجِ، ثُمَّ فِي الْبَاقِي لَا مُعَارِضَ لِظَاهِرٍ فَيُعْتَبَرُ ٣ وَالطَّلَاقُ وَالْمَوْتُ سَوَاءٌ لِقِيَامِ الْوَرَثَةِ مَقَامَ مُوَرِّثِهِمْ ٤ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: وَمَا كَانَ لِلرِّجَالِ فَهُوَ لِلرَّجُلِ، وَمَا كَانَ لِلنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْمَرْأَةِ، وَمَا يَكُونُ لَهُمَا فَهُوَ لِلرَّجُلِ أَوْ لِوَرَثَتِهِ) لِمَا قُلْنَا لِأَبِي حَنِيفَةَ

تقيم المرأة البينة انه لها (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۲۶ فی الرجل یطلق اویموت وفی منزلہ متاع، ج رابع، ص ۱۸۸، نمبر ۱۹۱۳۴) اس تابعی کے قول میں ہے کہ دونوں میں سے ایک کا انتقال ہو گیا ہو تو جو سامان مرد کے لئے ہو سکتا وہ مرد کے ورثاء کے لئے ہے، اور جو عورت کے لئے ہو سکتا ہو وہ عورت کے ورثاء کے لئے ہے، اور جو باقی رہ گیا ہے، وہ اس کے لئے ہے جو زندہ ہے

ترجمہ: ٢ اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ایسی چیز جو عورت کو جہیز میں دی جا سکتی ہے وہ پہلے بیوی کو دی جائے گی، اور باقی چیز شوہر کو اس کے قسم کھانے پر دی جائے گی، اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ بیوی جہیز میں لائی ہو گی، اور یہ بڑی دلیل ہے، اس سے شوہر کا ظاہری قبضہ باطل سمجھا جائے گا، پھر باقی سامان میں شوہر کے قبضے کا معارض نہیں ہے، اس لئے اس کا اعتبار کر دیا جائے گا

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ، جو چیز ایسی ہے کہ عورت عام طور پر جہیز میں لاتی ہے وہ پہلے بیوی کو یا اس کے ورثاء کو دے دیا جائے گا۔ اور اب جو باقی بچے گا وہ شوہر زندہ ہے تو اس کو دیا جائے گا، اور شوہر فوت ہو چکا ہے تو اس کے ورثاء کو ملے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ جہیز کے سامان کے بارے میں ظن غالب یہی ہے کہ وہ جہیز میں لائی ہو گی، اس لئے یہ قوی علامت شوہر کے قبضے کے معارض ہے، اس لئے شوہر کے ظاہری قبضے کو اہمیت نہیں دی جائے گی۔ اور باقی سامان کو شوہر کو اس لئے اس لئے دے دیا جائے گا، کہ بیوی بھی شوہر کے قبضے میں ہے، تو اس کا سامان بھی شوہر ہی کے قبضے میں شمار کیا جائے گا، اور گواہ نہ ہو تو قبضے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے، اس لئے باقی سامان شوہر کو یا اس کے ورثاء کو دے دیا جائے گا

ترجمہ: ٣ اور طلاق، اور موت دونوں کا حکم ایک ہی جیسا ہے، اس لئے کہ ورثاء میت کے قائم مقام ہے

تشریح: طلاق کا معاملہ ہو یا وفات کا معاملہ ہو دونوں کا حکم یکساں ہے۔ اور دوسری بات فرماتے ہیں کہ شوہر کا انتقال ہو چکا ہو تب بھی اس کے ورثاء اس کے قائم مقام ہیں، اس لئے یوں سمجھو کہ شوہر زندہ ہے، اس لئے شوہر کے مرنے کے بعد بھی باقی مال پر اس کا قبضہ شمار کیا جائے گا، اور شوہر کے ورثاء کو دے دیا جائے گا

ترجمہ: ٤ امام محمدؒ نے فرمایا کہ جو سامان مرد کے لئے ہی ہے وہ شوہر کا ہو گا، اور جو عورت کے لئے ہی ہوتا ہے وہ بیوی کے لئے ہو گا، اور جو سامان دونوں کے لئے ہو سکتا ہے تو وہ شوہر کے لئے ہو گا، اور وہ مر چکا ہو تو اس کے ورثاء کے لئے ہو گا۔ اس دلیل کی بنا پر جو میں نے امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے دلیل دی تھی (کہ بیوی پر بھی شوہر کا قبضہ ہے اس لئے اس کے مال پر بھی شوہر ہی کا قبضہ ہے، اس لئے اسی کی بات مانی جائے گی)

تشریح: اوپر امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے دلیل میں گزرا کہ بیوی پر بھی شوہر کا قبضہ ہے، اس لئے اس کے مال پر بھی شوہر کا

۵ؙ وَالطَّلَاقُ وَالْمَوْتُ سَوَاءٌ لِقِيَامِ الْوَارِثِ مَقَامَ الْمُوَرِّث ٦ؙ وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا مَمْلُوكًا فَالْمَتَاعُ لِلْحُرِّ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ لِأَنَّ يَدَ الْحُرِّ أَقْوَى ٧ؙ وَلِلْحَيِّ بَعْدَ الْمَمَاتِ لِأَنَّهُ لَا يَدَ لِلْمَيِّتِ فَخَلَتْ يَدُ الْحَيِّ عَنِ الْمُعَارِضِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَؒ ٨ؙ وَقَالَا: الْعَبْدُ الْمَأْذُونُ لَهُ فِي التِّجَارَةِ وَالْمُكَاتَبُ بِمَنْزِلَةِ

قبضہ ہوگا، اور قسم کے ساتھ اسی کی بات مانی جائے گی، باقی بات واضح ہے۔

ترجمہ:۵ؙ اور طلاق اور موت دونوں کا حکم یکساں ہے، اس لئے وارث میت کے قائم مقام ہے

تشریح : یہاں بھی جو حکم طلاق کے بعد علیحدگی کا ہے وہی حکم موت کے بعد دونوں کی علیحدگی کا ہے۔ اور دوسری بات یہ فرما رہے ہیں کہ ورثاء میت کے قائم مقام ہیں، اس لئے شوہر مر بھی گیا ہو تو اس کا وارث موجود ہے، اس لئے بیوی پر وارث کا قبضہ شمار کیا جائے گا، اور بیوی کا جو سامان ہے اس پر بھی وارث کا قبضہ شمار کیا جائے گا، اور قسم کے ساتھ اسی کی بات مان لی جائے گی، اور اسی کے مطابق قاضی فیصلہ کر دے گا

ترجمہ :٦ؙ اور اگر میاں بیوی میں سے ایک غلام ہے، اور دوسرا آزاد ہے تو اگر آزاد آدمی زندہ ہے تو سامان اس کا ہوگا، اس لئے کہ آزاد آدمی کی ملکیت زیادہ مضبوط ہوتا ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ آزاد آدمی کی ملکیت ہوتی ہے، اور غلام کی ملکیت نہیں ہوتی

تشریح : میاں بیوی میں سے ایک آزاد ہے اور دوسرا غلام ہے، اور آزاد آدمی زندہ ہے تو گھر کا سامان اسی کا ہوگا

وجہ : کیونکہ آزاد آدمی کی ملکیت ہوتی ہے، اور غلام کی ملکیت نہیں ہوتی، یا کمزور ہوتی ہے، اس لئے گھر کا جو سامان ہے ظاہر یہی ہے کہ وہ آزاد آدمی کا ہے، چاہے وہ بیوی ہو یا شوہر ہو

ترجمہ:٧ؙ اور اگر ایک مر گیا اور دوسرا زندہ ہے اس کا سامان ہوگا، اس لئے کہ میت کی ملکیت نہیں ہوتی، اس لئے زندہ آدمی کی ملکیت کا کوئی معارض نہیں رہا، یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے

تشریح : میاں بیوی میں سے ایک غلام تھا یا اور ایک آزاد تھا، لیکن ایک کا انتقال ہو گیا تو اب جو زندہ ہے گھر کا سارا سامان اسی کا ہوگا

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ میت کی ملکیت ہوتی ہی نہیں ہے، اس لئے اب جو زندہ ہے چاہے وہ غلام ہے، اس کے معارض اور مقابلے پر کسی کی ملکیت نہیں ہے، اس لئے اب جو بھی ملکیت ہے وہ زندہ آدمی کی ہے، اس لئے گھر کا سارا سامان اسی زندہ آدمی کو ملے گا، چاہے وہ غلام ہو یا باندی ہو

ترجمہ :٨ؙ صاحبینؒ نے فرمایا کہ جس غلام کو تجارت کی اجازت ہو، یا وہ مکاتب ہو، وہ آزاد کی طرح ہے، اس لئے کہ ان دونوں کو خصومات میں ان کا قبضہ معتبر ہوتا ہے

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس غلام کو تجارت کی اجازت ہے، یا وہ مکاتب ہے تو چونکہ ان کو تجارت کرنے کا حق ہے

الْحُرِّ لِأَنَّ لَهُمَا يَدًا مُعْتَبَرَةً فِي الْخُصُومَاتِ.

فَصْلٌ فِيمَنْ لَا يَكُونُ خَصْمًا

(۴۸۷) (وَإِذَا قَالَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ هَذَا الشَّيْءُ أَوْدَعَنِيهِ فُلَانٌ الْغَائِبُ أَوْ رَهَنَهُ عِنْدِي أَوْ غَصَبْتُهُ مِنْهُ وَأَقَامَ بَيِّنَةً عَلَى ذَلِكَ فَلَا خُصُومَةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُدَّعِي) ۱ ﴿ وَكَذَا إِذَا قَالَ: آجَرَنِيهِ وَأَقَامَ الْبَيِّنَةَ لِأَنَّهُ

اس لئے اس کو بھی آزاد آدمی کی طرح مالک بننے کا حق ہے

تشریح :صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر میاں بیوی میں سے ایک آزاد ہے اور دوسرا مکاتب ہے، یا اس کو تجارت کی اجازت ہے تو ان کو تجارت میں اجازت کی وجہ سے چیزوں کے مالک بننے کا بھی حق ہے، اس لئے یہ بھی ان جھگڑوں میں آزاد آدمی کی طرح ہوگا

فصل فیما لا یکون خصما

ترجمہ :(۴۸۷)اگر مدعی علیہ نے کہا کہ یہ چیز فلاں غائب نے میرے پاس امانت کے طور رکھی ہے، یا میرے پاس رہن کے طور پر رکھی ہے، یا میں نے اس سے غصب کیا ہے، اور اس پر گواہی بھی دلوادی، تو اب اس کے درمیان اور مدعی کے درمیان ملکیت کا جھگڑا نہیں رہے گا،

ترجمہ : ۱ یہی حال ہے اگر مدعی علیہ نے کہا کہ فلاں نے میرے پاس اجرت کے طور پر رکھا ہے، اور اس بات پر گواہی دے دی، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اب یہ کہہ رہا ہے کہ میرا قبضہ جھگڑے والا قبضہ نہیں ہے

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر مدعی علیہ نے اس بات کا دعوی کیا کہ یہ چیز میری ملکیت نہیں ہے، بلکہ دوسرے کی ملکیت ہے، میرے پاس تو صرف امانت یا رہن کے طور پر ہے تو بعض حضرات نے کہا کہ وہ خصم نہیں ہوگا، یعنی قاضی کے پاس جا کر اس کو دفاع کرنے کی ضرورت نہیں ہے

تشریح : یہاں دو باتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ یہ چیز کس کی ملکیت ہے اس کا جھگڑا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ چیز ابھی کس کے قبضے میں ہے

یہاں جو دعوی ہے وہ یہ ہے کہ اس چیز کا مالک کون ہے، اس میں جھگڑا ہے۔ اور مدعی علیہ گواہ کے ذریعہ اوپر کی چار باتوں میں یہ ثابت کر رہا ہے کہ میں اس کا مالک نہیں ہوں، بلکہ اس کا مالک فلاں غائب آدمی ہے۔ اس لئے اس ملکیت کے بارے میں مدعی علیہ خصم نہیں بنے گا۔ بس اتنی سی بات ہے

دوسری بات یہ ہے کہ یہ چیز ابھی مدعی علیہ کے قبضے میں ہے، اس کے بارے میں بہر حال وہ ماخوذ ہے، کیونکہ چیز ابھی اسی کے قبضے میں ہے

اب یہاں عبارت میں چار طریقے کی چیزیں بیان کی جارہی ہیں۔ پہلی ۔۔ جس پر دعوی کیا یعنی مدعی علیہ نے کہا کہ یہ چیز فلاں

أَثْبَتَ بِبَيِّنَتِهِ أَنَّ يَدَهُ لَيْسَتْ بِيَدِ خُصُومَةٍ . ٢ وَقَالَ ابْنُ شُبْرُمَةَ: لَا تَنْدَفِعُ الْخُصُومَةُ لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ إِثْبَاتُ الْمِلْكِ لِلْغَائِبِ لِعَدَمِ الْخَصْمِ عَنْهُ وَدَفْعِ الْخُصُومَةِ بِنَاءً عَلَيْهِ . ٣ قُلْنَا: مُقْتَضَى الْبَيِّنَةِ شَيْئَانِ ثُبُوتُ

نے میرے پاس امانت کے طور پر رکھی ہے، اور اس امانت پر گواہی بھی پیش کر دی تو اب یہ مدعی علیہ مدعی کا ملکیت کے بارے میں خصم نہیں رہے گا، کیونکہ اس نے ثابت کر دی کہ یہ چیز میری ملکیت کی ہے ہی نہیں۔ دوسری چیز۔ مدعی علیہ نے گواہ کے ذریعہ ثابت کر دی کہ یہ چیز فلاں غائب نے میرے پاس گروی رکھی ہے، اور یہ چیز میری ملکیت کی نہیں ہے۔ تیسری چیز۔ مدعی علیہ نے گواہ کے ذریعہ یہ ثابت کر دی کہ یہ چیز میرے پاس ہے لیکن اس کو میں نے فلاں غائب سے غصب کی ہے، اور یہ چیز میری ہے ہی نہیں۔ اور چوتھی بات یہ ہے کہ مدعی علیہ نے گواہ کے ذریعہ ثابت کر دی کہ یہ چیز میں نے فلاں غائب سے اجرت پر لی ہے، اور یہ چیز میری ہے ہی نہیں، تو ان چاروں صورتوں مدعی علیہ مدعی کا ملکیت کے بارے میں خصم نہیں رہے گا،

وجہ: (۱) مدعی کا دعوی یہ تھا کہ یہ چیز میری ہے، اور میری چیز تم اپنے پاس اس طرح رکھے ہوئے ہو کہ یہ چیز تمہاری ملکیت ہے، اس لئے قاضی کے پاس گواہ سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ چیز تمہاری ہے۔ لیکن مدعی علیہ نے پہلے ہی گواہی کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا کہ یہ چیز میری نہیں ہے تو اس کو اب قاضی کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اور نہ اس پر گواہ دلوایا جائے گا (۲) حضرت حضرمیؓ والی حدیث میں کندی نے کہا تھا کہ یہ زمین میری ہے تب وہ مدعی علیہ بنے تھے۔ حدیث کی عبارت یہ ہے۔ فقال الکندی ھی ارضی فی یدی ازرعھا لیس لہ فیھا حق (ابو داؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمہ فیما غاب عنہ، ص ۱۵۴، نمبر ۳۶۲۳) اس حدیث میں کندی نے دعوی کیا کہ یہ زمین میری ہے تب وہ مدعی علیہ اور خصم بنے تھے۔ اور یوں کہتے کہ یہ چیز میری نہیں ہے دوسرے نے میرے پاس امانت رکھی ہے تو وہ خصم نہیں بنتے۔

ترجمہ: ٢ حضرت ابن شبرمہؒ نے فرمایا کہ مدعی علیہ سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا، اس لئے کہ غائب کی جانب سے کوئی خصم نہیں ہے، اس لئے غائب کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی، اور جب غائب کی ملکیت ثابت نہیں ہوئی تو مدعی علیہ سے جھگڑا ابھی ختم نہیں ہوگا

تشریح: اوپر متن میں یہ تھا کہ مدعی علیہ نے جب یہ ثابت کر دیا کہ اس چیز پر میری ملکیت نہیں ہے تو اب اس پر جھگڑا بھی نہیں رہے گا (یعنی وہ خصم نہیں رہے گا)

وجہ: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ جس غائب آدمی کی ملکیت یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں، وہ یہاں موجود نہیں ہے، اور اس کا کوئی وکیل بھی نہیں ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ وہ خود موجود ہو یا اس کا کوئی وکیل ہو تب اس کی ملکیت ثابت ہوگی، اور اس کے بعد اس مدعی علیہ سے خصم ختم ہوگا، اور یہاں غائب کی ملکیت ثابت نہیں ہوئی اس لئے اس مدعی علیہ سے جھگڑا ابھی ختم نہیں ہوگا

ترجمہ: ٣ ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ مدعی علیہ نے جو گواہی دی ہے اس کے تقاضے دو ہیں، ایک یہ ہے کہ غائب کی ملکیت ثابت ہو، اور اس بارے میں خصم نہیں ہے اس لئے غائب کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی، اور دوسرا تقاضہ ہے کہ مدعی کا جھگڑا ختم ہو جائے، اس بارے میں مدعی علیہ خصم ہے، اس لئے وہ ابھی بھی خصم باقی رہے گا

الْـمِلْكِ لِـلْغَائِبِ وَلَا خَصْمَ فِيهِ فَلَمْ يَثْبُتْ، وَدَفْعُ خُصُومَةِ الْمُدَّعِي وَهُوَ خَصْمٌ فِيهِ فَيَثْبُتُ ٤ وَهُوَ كَـالْـوَكِيلِ بِنَقْلِ الْمَرْأَةِ وَإِقَامَتِهَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الطَّلَاقِ كَمَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ، ٥ وَلَا تَنْدَفِعُ بِدُونِ إقَامَةِ الْبَيِّـنَةِ كَـمَـا قَـالَ ابْـنُ أَبِـي لَيْـلَـى لِأَنَّهُ صَارَ خَصْمًا بِظَاهِرِ يَدِهِ، فَهُوَ بِإِقْرَارِهِ يُرِيدُ أَنْ يُحَوِّلَ حَقًّا

تشریح: حضرت ابن شبرمہ کو ہمارا جواب یہ ہے کہ مدعی علیہ نے جو گواہی پیش کی ہے اس کے دو تقاضے ہیں، ایک ستقاضہ یہ ہے کہ غائب آدمی کی ملکیت ثابت ہو، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ یا وہ غائب خود موجود ہو، یا اس کا وکیل موجود ہو، اور یہاں نہ غائب موجود ہے، اور نہ اس کا وکیل موجود ہے اس لئے غائب کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی۔ اور دوسرا تقاضہ یہ ہے کہ مدعی کا جو جھگڑا ہو وہ ختم ہو جائے، تو چونکہ یہ جھگڑا باقی ہے، اس لئے مدعی علیہ سے یہ جھگڑا ختم نہیں ہوگا، وہ باقی رہے گا

ترجمہ: ٤ اس کی مثال یہ ہے کہ شوہر بیوی کو منتقل کرنے کا وکیل بنائے، اور بیوی طلاق دے دینے پر گواہی دے دے، (وکیل بیوی کو لیجا نہیں سکتا، لیکن طلاق واقع نہیں ہوگی) جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے

تشریح: ابن شبرمہؒ کے جواب میں مصنف نے یہاں ایک مثال پیش کی ہے، اس کا حاصل یہ ہے۔ کہ زید نے عمر کو اپنی بیوی کو میکے سے سسرال لانے کا وکیل بنایا، بیوی نے گواہی پیش کر دی کے زید نے مجھے طلاق دے دی ہے، اب یہاں دو معاملے ہو گئے، ایک یہ ہے کہ مجھے آپ سسرال لیجانے کا حقدار نہیں ہیں، اور دوسرا معاملہ یہ ہے کہ مجھ پر طلاق واقع ہو گئی ہے، چنانچہ یہاں شوہر موجود نہیں ہے، اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی، لیکن وکیل کو یہ حق نہیں ہوگا کہ بیوی کو سسرال لیجا سکے، کیونکہ عورت نے طلاق دے دینے پر گواہی پیش کر دی ہے۔ اسی طرح اوپر کے مسئلے میں غائب کی ملکیت تو ثابت نہیں ہوگی، لیکن مدعی علیہ سے مدعی کا جھگڑا ختم نہیں ہوگا

ترجمہ: ٥ اور جب تک کہ مدعی علیہ گواہ نہ پیش کرے اس سے اس سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا، جیسا کہ ابن ابی لیلیٰؒ نے کہا کہ (بغیر گواہ کے بھی مدعی علیہ سے جھگڑا ختم ہو جائے گا) جھگڑا ختم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ چیز مدعی علیہ کے قبضے میں ہے، اس کے ظاہر سے یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ خصم ہے، اب وہ غائب آدمی کے لئے ملکیت کا اقرار کر کے اپنے اوپر سے جھگڑا ہٹانا چاہتا ہے، اس لئے اس پر بغیر گواہی دئے ہوئے تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح: مصنف فرماتے ہیں کہ جب تک مدعی علیہ اس بات پر گواہی دیتا کہ یہ مال جو میرے قبضے میں ہے، یہ میرا نہیں ہے، فلاں غائب کا ہے، اس وقت تک اس مدعی علیہ سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا، (ابن ابی لیلی نے فرمایا تھا کہ مدعی علیہ صرف اقرار کر لے کہ یہ مال فلاں غائب کا ہے، اسی سے اس سے جھگڑا ختم ہو جائے گا، اس پر گواہ دینے کی ضرورت نہیں ہے)

وجہ: ہماری دلیل یہ ہے کہ ابھی وہ مال مدعی علیہ کے قبضے میں ہے، اس سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ یہ مال اسی کا ہے، اب یہ اقرار کر کے کہ یہ مال فلاں غائب کا ہے ایسا قوی شبہ ہے کہ وہ اپنے سے جھگڑا دور کرنا چاہتا ہے، اس لئے اس پر جب تک گواہ پیش نہ کرے کہ یہ فلاں غائب کا مال ہے اس کی بات نہیں مانی جائے گی

مُسْتَحَقًّا عَلَى نَفْسِهِ فَلَا يَصْدُقُ إِلَّا بِالْحُجَّةِ، ٦ كَمَا إِذَا ادَّعَى تَحَوُّلَ الدَّيْنِ مِنْ ذِمَّتِهِ إِلَى ذِمَّةِ غَيْرِهِ ۷ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَؒ: آخرا إِنْ كَانَ الرَّجُلُ صَالِحًا فَالْجَوَابُ كَمَا قُلْنَاهُ، وَإِنْ كَانَ مَعْرُوفًا بِالْحِيَلِ لَا تَنْدَفِعُ عَنْهُ الْخُصُومَةُ لِأَنَّ الْمُحْتَالَ مِنَ النَّاسِ قَدْ يَدْفَعُ مَالَهُ إِلَى مُسَافِرٍ يُودِعُهُ إِيَّاهُ وَيَشْهَدُ عَلَيْهِ الشُّهُودُ فَيَحْتَالُ لِإِبْطَالِ حَقِّ غَيْرِهِ، فَإِذَا اتَّهَمَهُ الْقَاضِي بِهِ لَا يَقْبَلُهُ . ۸ وَلَوْ قَالَ

ترجمہ : ٦ جیسا کہ کوئی یہ دعوی کرے کہ میں نے اپنا قرض ادا کرنے کا ذمہ دار دوسرے کو بنا دیا ہے (تو جب تک اس پر گواہ نہ بنائے، اس سے قرض دینا ختم نہیں ہوگا)

تشریح : بغیر گواہ کے مدعی علیہ سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ زید پر عمر کا قرض تھا، اب زید نے یہ حوالہ کر دیا کہ اب میرا قرض خالد ادا کرے گا، میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں، تو جب تک اس پر گواہ نہیں بنائے گا زید سے قرض ختم نہیں ہوگا، بلکہ زید ہی قرض ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا، اسی طرح یہاں مدعی علیہ خصم ہے اس لئے جب تک گواہی نہیں دے گا اس کا خصم ختم نہیں ہوگا

لغت: تحویل: دوسرے کی طرف منتقل کرنا۔ دین: قرض۔

ترجمہ : ۷ حضرت امام ابو یوسفؒ کا آخری قول یہ ہے کہ اگر آدمی نیک ہے تو جواب وہی ہے جو ہم نے پہلے کہا یعنی گواہی دینے پر اس سے جھگڑا ختم ہو جائے گا، اور اگر حیلہ بہانے میں مشہور ہے تو گواہی دینے کے بعد بھی اس سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا، اس لئے کہ کبھی ایسا حیلہ کرتا ہے کہ اپنا مال چپکے سے کسی مسافر کو دے دیتا ہے، پھر اس سے کہتا ہے کہ میرے پاس اس کو امانت رکھ دو، اور اس پر گواہ بھی بنا لیتا ہے، تا کہ دوسروں کے حق کو باطل کرنے کے لئے حیلہ کر سکے، اس لئے اگر قاضی اس کو متہم سمجھتا ہے اس مدعی علیہ کی بات (گواہی) قبول نہیں کرے گا

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر آدمی نیک ہے تب تو اس کی گواہی دینے سے اس سے جھگڑا ختم ہو جائے گا، لیکن اگر وہ حیلے بہانے کرنے میں مشہور ہے تو اس کی گواہی دینے سے بھی اس سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا

وجہ:: اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی اپنا مال کسی مسافر کو چپکے سے دے دیتا ہے، پھر اس سے یہ کہتا ہے اعلانیہ طور پر یہی مال میرے پاس امانت کے طور پر رکھ دو، اور اس پر یہ حیلہ باز گواہ بھی بنا لیتا ہے، اب اس کو اس کا فائدہ یہ ہوگا، کوئی آدمی اس کے پاس اپنا قرض مانگنے آئے گا تو وہ یہ کہہ دے گا یہ مال میرا نہیں ہے، بلکہ دوسرے کی امانت ہے، اس لئے آپ نہیں لے سکتے، حالانکہ یہ مال حقیقت میں اسی کا ہے، چونکہ یہ شبہ ہے اس لئے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ آدمی حیلہ باز ہو تو گواہی دینے کے باوجود بھی اس سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا۔

لغت: محتال من الناس: لوگوں سے حیلہ کرنے والا۔ یو دعه: اس کو امانت پر رکھ لیتا ہے۔

ترجمہ : ۸ اور اگر گواہوں نے کہا کہ مدعی علیہ کے پاس ایک ایسے آدمی نے امانت رکھا ہے جس کو ہم پہچانتے نہیں ہیں تب

الشُّهُودُ: أَوْدَعَهُ رَجُلٌ لَا نَعْرِفُهُ لَا تَنْدَفِعُ عَنْهُ الْخُصُومَةَ لِاحْتِمَالِ أَنْ يَكُونَ الْمُودِعُ هُوَ هَذَا الْمُدَّعِي ۹ وَلأَنَّهُ مَا أَحَالَهُ إِلَى مُعَيَّنٍ يُمْكِنُ لِلْمُدَّعِي مِنِ اتِّبَاعِهِ، فَلَوْ انْدَفَعَتْ لَتَضَرَّرَ بِهِ الْمُدَّعِي . ١٠ وَلَوْ قَالُوا نَعْرِفُهُ بِوَجْهِهِ وَلَا نَعْرِفُهُ بِاسْمِهِ وَنَسَبِهِ فَكَذَلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِلْوَجْهِ الثَّانِي، ١١ وَعِنْدَ أَبِي

بھی مدعی علیہ سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ جو مدعی ہے اسی نے مدعی علیہ کے پاس امانت پر رکھا ہو

تشریح : مدعی علیہ کے گواہوں نے کہا کہ مدعی علیہ کے پاس کس آدمی نے امانت رکھی ہے اس آدمی کو ہم پہچانتے نہیں ہیں، تو اس صورت میں بھی مدعی علیہ سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے جس نے مدعی علیہ پر دعوی کیا ہے اسی نے یہ چیز مدعی علیہ کے پاس امانت رکھی ہو، اور یہ چاہتا ہو کہ میری یہ چیز مجھے مل جائے، تو اگر مدعی علیہ سے جھگڑا ختم ہو جائے تو یہ چیز مدعی کو کیسے ملے گی، اس لئے اس صورت میں بھی مدعی علیہ سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا

ترجمہ : ۹ دوسری وجہ یہ ہے کہ مدعی علیہ نے کسی خاص آدمی تا کہ مدعی اس کا پیچھا کر سکے (اور اس سے اپنی چیز وصول کر سکے) اس لئے اگر مدعی علیہ سے جھگڑا ختم ہو جائے تو مدعی کو نقصان ہوگا

تشریح : مدعی علیہ سے جھگڑا ختم نہ ہونے کی یہ دوسری دلیل ہے کہ۔ مدعی علیہ نے یہ تو کہا کہ میرے قبضے میں جو چیز ہے وہ دوسرے کی ہے، لیکن اس دوسرے آدمی کو متعین نہیں کیا تا کہ یہ مدعی اس پر دعوی دائر کر کے اپنی چیز لے، اس لئے اگر مدعی علیہ سے جھگڑا ختم ہو جائے تو مدعی کو نقصان ہوگا کہ اس کو اپنی چیز نہیں ملے گی، اس لئے اس صورت میں بھی مدعی علیہ سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا

لغت: ما احالہ؛ احال: منتقل کرنا۔ اس کو منتقل نہیں کیا۔ اتباع: پیچھا کرنا۔

ترجمہ : ١٠ اور اگر گواہ نے کہا کہ چہرہ دیکھ کر تو پہچان سکتا ہوں، لیکن نام اور نسب سے پہچانتا نہیں ہوں، تب بھی امام محمدؒ کے نزدیک جواب وہی ہے کہ (کہ مدعی علیہ سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا) دوسری وجہ سے (یعنی کسی متعین آدمی کا نام نہیں لیا، جس سے مدعی کا نقصان ہوگا)

تشریح : گواہ نے یہ کہا کہ میں مدعی علیہ کے پاس جس آدمی نے امانت رکھا ہے، اس کو چہرہ دیکھ کر پہچان سکتا ہوں، لیکن اس کا نام کیا ہے، اور اس کا نسب کیا ہے یہ پتہ نہیں ہے، تو اس صورت میں بھی امام محمدؒ کے نزدیک مدعی علیہ سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا

وجہ:: جب گواہ نے امانت رکھنے والے کا نام اور نسب نہیں بتایا، تو مدعی اپنا مال کس سے وصول کرے گا؟ وہ آدمی تو ابھی بھی مجہول ہے، اس صورت میں بھی مدعی کو نقصان ہوگا، اس لئے اس صورت میں بھی مدعی علیہ سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا

لغت: للوجہ الثانی: دوسری وجہ سے مراد ہے کہ، نام اور نسب نہیں بتایا، تو مدعی کس سے اپنا مال وصول کرے گا

ترجمہ : ١١ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مدعی علیہ سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ گواہ نے یہ ثابت کر دیا کہ اصل چیز اس کے پاس دوسرے کی جانب سے پہنچی ہے جس کو گواہ چہرے سے پہچانتے ہیں، برخلاف اوپر کے مسئلے کے کہ گواہ غائب آدمی کو

حَنِيفَةَ تَندَفِعُ لِأَنَّهُ أَثْبَتَ بِبَيِّنَتِهِ أَنَّ الْعَيْنَ وَصَلَ إِلَيْهِ مِنْ جِهَةِ غَيْرِهِ حَيْثُ عَرَفَهُ الشُّهُودُ بِوَجْهِهِ، بِخِلَافِ الْفَصْلِ الْأَوَّلِ فَلَمْ يَكُنْ يَدُهُ يَدَ خُصُومَةٍ وَهُوَ الْمَقْصُودُ، ١٢ وَالْمُدَّعِي هُوَ الَّذِي أَضَرَّ بِنَفْسِهِ حَيْثُ نَسِيَ خَصْمَهُ أَوْ أَضَرَّهُ شُهُودُهُ دُونَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ، ١٣ وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ مُخَمَّسَةُ كِتَابِ الدَّعْوَى وَقَدْ ذَكَرْنَا الْأَقْوَالَ الْخَمْسَةَ.

(٧٤٩) (وَإِنْ قَالَ: ابْتَعْتُهُ مِنَ الْغَائِبِ فَهُوَ خَصْمٌ) ١ لِأَنَّهُ لَمَّا زَعَمَ أَنَّ يَدَهُ يَدُ مِلْكٍ اعْتَرَفَ بِكَوْنِهِ خَصْمًا

پہچانتے ہی نہیں ہیں، اس سے پتہ چلا کہ مدعی علیہ کا قبضہ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ اس سے جھگڑا کیا جائے، اور یہی مقصود ہے

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ گواہ نے اگر کہا کہ نام سے غائب آدمی نہیں پہچانتا ہوں، لیکن چہرہ سے پہچانتا ہوں تو مدعی علیہ سے جھگڑا ختم ہو جائے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب گواہ کہتا ہے کہ چہرے سے پہچانتا ہوں تو یہ ثابت کر دیا کہ یہ چیز اس مدعی علیہ کی نہیں ہے، اور اس پر مدعی علیہ کا جو قبضہ ہے وہ جھگڑے کا قبضہ نہیں ہے، اور جب جھگڑے کا قبضہ نہیں ہے تو اس پر اب جھگڑا بھی نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف اوپر جو گواہ نے کہا تھا کہ میں غائب کو بالکل پہچانتا ہی نہیں ہوں تو اس میں یہ ثابت ہی نہیں کر سکا کہ یہ مال مدعی علیہ کا نہیں ہے، اس لئے اوپر کے مسئلے میں مدعی علیہ سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا

ترجمہ: ١٢ مدعی علیہ نے مدعی کو نقصان نہیں پہنچایا ہے، بلکہ خود مدعی نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے، کیونکہ اپنا مال کس خصم کے پاس رکھا تھا وہ بھول گیا تھا۔ یا گواہ نے نقصان پہنچایا ہے، تاہم مدعی علیہ نے مدعی کو نقصان نہیں پہنچایا ہے

تشریح: اوپر تھا کہ مدعی علیہ سے جھگڑا ختم ہو جائے تو اس سے مدعی کو نقصان ہوگا۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ۔ یہاں مدعی علیہ نے مدعی کو نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ مدعی نے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے کہ وہ یہ بھول گیا ہے کہ میرا مال کس کے پاس ہے، اس مدعی علیہ کے پاس، یا دوسرے آدمی کے پاس۔ یا یوں کہیے کہ گواہوں نے غائب آدمی کی پہچان نہیں کی، جس کی وجہ سے مدعی کو نقصان ہو رہا ہے، تاہم یہ صاف ہے کہ مدعی علیہ نے مدعی کو نقصان نہیں پہنچایا ہے، اس لئے اس پر اب جھگڑا نہیں ہوگا

ترجمہ: ١٣ کتاب الدعوی کا یہ مسئلہ مخمسہ ہے، اس میں پانچ اقوال ہیں۔ ہم نے ان پانچوں اقوال کو ذکر کر دیا ہے۔ تمت

ترجمہ: (٧٤٩) اگر مدعی علیہ نے کہا کہ میں نے اس چیز کو فلاں سے خریدا ہے تب بھی وہ خصم ہوگا

ترجمہ: ١ اس لئے کہ جب اس نے یہ گمان کیا کہ یہ چیز میری ملکیت ہے تو اس نے یہ اعتراف کیا کہ میں خصم ہوں

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر کسی انداز سے مدعی علیہ اس چیز کا مالک ہو جائے تب بھی وہ خصم ہے

تشریح: زید نے عمر پر دعوی کیا کہ یہ چیز میری ہے، عمر نے گواہ کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ میں نے اس چیز کو فلاں غائب سے خریدی ہے، تب بھی وہ خصم ہوگا، اور اس پر مقدمہ چلے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے یہ ثابت کیا کہ اس کو خرید کر میں ابھی اس کا مالک ہوں تو یہ خصم باقی رہے گا، کیونکہ جو آدمی

(٧٥٠) (وَإِنْ قَالَ الْمُدَّعِي: غَصَبْتَهُ مِنِّي أَوْ سَرَقْتَهُ مِنِّي لَا تَنْدَفِعُ الْخُصُومَةُ وَإِنْ أَقَامَ ذُو الْيَدِ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْوَدِيعَةِ) ١ لِأَنَّهُ إِنَّمَا صَارَ خَصْمًا بِدَعْوَى الْفِعْلِ عَلَيْهِ لَا بِيَدِهِ، ٢ بِخِلَافِ دَعْوَى الْمِلْكِ

مالک ہوتا ہے وہ خصم ہوتا ہے۔۔اس کے برخلاف اوپر کے مسئلے میں مدعی علیہ نے یہ دعوی نہیں کیا تھا کہ میں اس کا مالک ہوں، وہاں یہ دعوی کیا تھا کہ چیز میرے پاس فلاں غائب نے امانت کے طور پر رکھی ہے، اس لئے وہ بعض حضرات کے قول پر خصم نہیں تھا۔

لغت: ید ملک: ملکیت کا قبضہ ہے۔

ترجمہ: (٧٥٠) اور اگر مدعی نے کہا کہ تم نے اس چیز کو مجھ سے غصب کیا ہے، یا تم نے اس کو مجھ سے چوری کی ہے، تب بھی اس سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا، اگر چہ قبضے والے نے اس بات پر گواہ پیش کر دیا ہو کہ یہ میرے پاس امانت ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس پر غصب، یا چوری کا الزام ہے وہ خود غصب، اور چوری کی وجہ سے خصم بنتا ہے

تشریح: اوپر گزرا کہ یہ چیز میرے پاس امانت کی ہے تو اس پر وہ خصم نہیں ہوگا، دوسرا مسئلہ یہ گزرا کہ اگر یہ ثابت کیا کہ یہ چیز میری ملکیت ہے تو وہ خصم ہوگا۔ اب یہاں تیسرا مسئلہ ہے کہ مدعی نے کہا کہ اس نے مجھ سے ہی چوری کی ہے، یا غصب کیا ہے تو مدعی علیہ خصم ہوگا،

وجہ: کیونکہ مدعی نے اس پر ایک جرم کا الزام ڈالا ہے، اس لئے اس جرم کا خصم ہوگا، اور قاضی کے یہاں جا کر اس کا دفاع کرنا ہوگا

ترجمہ: ١ اس لئے کہ مدعی علیہ یہاں خصم بنا ہے اپنے ہی فعل سے (یعنی غصب کرنے کے الزام، اور چوری کے الزام سے خصم بنا ہے) قبضے سے خصم نہیں بنا ہے

لغت شارح نے یہاں چار محاورے استعمال کئے ہیں، ان کو سمجھیں۔ پہلا ہے۔ **دعوى الفعل عليه**: جو کام اس نے کیا، یعنی جو جرم اس نے کیا، اس کو دعوی الفعل، کہتے ہیں۔ دوسرا۔ **بيده**: ید کا معنی ہے ہاتھ کا قبضہ، یعنی جو مدعی علیہ کی ملکیت میں ہے۔ تیسرا ہے۔ **الملک المطلق**: مطلق کا دعوی کرے، یعنی مدعی علیہ یہ دعوی کرے کہ یہ چیز میری ملکیت ہے، مثلا خریدنے کی وجہ سے میری ملکیت ہے۔ چوتھا ہے۔۔ **غير ذی اليد**: جس آدمی کا قبضہ نہ ہو۔

تشریح: مدعی کی جانب سے چوری، اور غصب کا الزام ہو تو مدعی علیہ کے امانت کی گواہی دینے کے باوجود وہ خصم ہونے سے نہیں چھوٹیں گے۔ اس کی دلیل تھوڑی منطقی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں مدعی علیہ اس کے جرم کے الزام کی وجہ سے مأخوذ ہے یعنی اس پر الزام ہے کہ اس نے میری چیز غصب کی ہے، یا میری چیز چوری کی ہے، اس لئے یہ خصم ہے، چیز پر قبضے کی وجہ سے، یا چیز پر ملکیت کی وجہ سے مأخوذ نہیں ہے، اس لئے اس بات پر گواہ دینے کے باوجود کہ یہ چیز میرے پاس امانت ہے وہ خصم سے نہیں چھوٹیں گے، کیونکہ اس پر الزام ہے کہ اس نے چیز غصب کی ہے، یا چوری کی ہے

ترجمہ: ٢ بخلاف جب مدعی علیہ مطلق ملکیت کا دعوی کرے تو اس وقت اس کی ملکیت کی وجہ سے خصم بنتا ہے۔

الْمُطْلَقِ لِأَنَّهُ خَصْمٌ فِيهِ بِاعْتِبَارِ يَدِهِ ٣ حَتَّى لَا يَصِحَّ دَعْوَاهُ عَلَى غَيْرِ ذِي الْيَدِ وَيَصِحُّ دَعْوَى الْفِعْلِ
(٧٥١) (وَإِنْ قَالَ الْمُدَّعِي: سَرَقَ مِنِّي وَقَالَ صَاحِبُ الْيَدِ: أَوْدَعَنِيهِ فُلَانٌ وَأَقَامَ الْبَيِّنَةَ لَمْ تَنْدَفِعِ الْخُصُومَةُ) ١ وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ،

تشریح : بخلاف اگر مدعی علیہ یوں دعوی کرتا کہ یہ چیز میری ملکیت ہے، اس کو میں نے خریدا ہے، اس صورت میں مدعی علیہ ملکیت کی بنا پر، اور اس کے قبضے میں ہونے کی بنا پر خصم ہے، اس لئے اگر مدعی علیہ گواہی دے دے کہ یہ چیز میرے پاس امانت کی ہے تو بعض حضرات کے یہاں وہ خصم سے چھوٹ جائیں گے ۔ لیکن یہاں معاملہ یہ ہے کہ مدعی علیہ پر جرم کے الزام کی بنا پر خصم ہے، اس لئے امانت کی گواہی دینے کے باوجود وہ خصم رہیں گے

لغت : الملک المطلق: اپنی ملکیت، چاہے خریدنے، یا ہدیہ پر لینے کے سبب سے ہو، اس کو ملک مطلق، کہتے ہیں

ترجمہ : ٣ یہی وجہ ہے کہ جس آدمی کا قبضہ نہ ہو اس پر مالک ہونے کا دعوی نہیں کر سکتے، اور قبضہ نہ ہو پھر بھی اس پر جرم کرنے کا دعوی کر سکتے ہیں

تشریح : جس آدمی کا کسی چیز پر قبضہ نہ ہو اس پر ملکیت کا دعوی کر کے اس کو خصم نہیں بنا سکتے، یہ قاعدہ ہے، اور چاہے قبضہ نہ ہو اس پر یہ دعوی کر سکتے ہیں کہ آپ نے چوری، یا غصب کا جرم کیا ہے، یہ بھی قاعدہ ہے۔ یہاں مدعی علیہ پر یہ جرم کرنے کا دعوی ہے کہ تم نے مجھ سے غصب کیا ہے، یا چوری کی ہے، اس لئے یہ ہر حال میں خصم رہیں گے

لغت: دعوی الفعل: جرم کرنے کا دعوی۔

ترجمہ: (٧٥١) مدعی نے کہا کہ مجھ سے چیز چرائی ہے، اور جس کا اس چیز پر قبضہ تھا اس نے کہا کہ فلاں نے اس چیز کو میرے پاس امانت رکھی ہے، اور اس پر گواہ بھی قائم کر دیا تب بھی اس سے جھگڑا ختم نہیں ہوگا

ترجمہ: ١ یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، اور یہ استحسان کا تقاضہ ہے

نوٹ : اوپر یہ تھا کہ تم نے یہ چرایا ہے، یہاں یہ ہے کہ کسی نے یہ چرایا ہے، دونوں جملوں میں قانونی طور پر کیا فرق ہے اس کو یہاں بیان کر رہے ہیں۔

تشریح: اوپر مدعی نے مدعی علیہ سے کہا تھا کہ تم نے مجھ سے یہ چیز چرائی ہے، تو اس سے خصم ختم نہیں ہوا تھا، یہاں یہ ہے کہ مدعی علیہ کے ہاتھ میں وہ چیز ہے، پھر بھی مدعی یوں نہیں کہہ رہا ہے کہ تم نے چرایا ہے، بلکہ مبہم سی بات کی ہے کہ میری یہ چیز کسی نے چرائی ہے، تو اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ پھر بھی مدعی علیہ خصم باقی رہے گا

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ چیز مدعی علیہ کے قبضے میں ہے تو گویا کہ وہ یہی کہہ رہا ہے کہ تم نے مجھ سے یہ چیز چرائی ہے، اس لئے وہ خصم رہے گا، یہ اور بات ہے کہ اس کی توہین نہ ہو اس لئے مدعی پر باضابطہ الزام نہیں ڈالا کہ تم نے مجھ سے یہ چرائی ہے، البتہ اوپر کا دعوی، اور یہ دعوی تقریبا ایک ہی ہے

۲ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: تَنْدَفِعُ لِأَنَّهُ لَمْ يَدَّعِ الْفِعْلَ عَلَيْهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ: غُصِبَ مِنِّى عَلَى مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ. ۳ وَلَهُمَا أَنَّ ذِكْرَ الْفِعْلِ يَسْتَدْعِى الْفَاعِلَ لا مَحَالَةَ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ هُوَ الَّذِى فِي يَدِهِ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يُعَيِّنْهُ دَرْئًا لِلْحَدِّ شَفَقَةً عَلَيْهِ وَإِقَامَةً لِحِسْبَةِ السِّرِّ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ: سَرَقْتَ، ۴ بِخِلَافِ الْغَصْبِ

ترجمه: ۲ امام محمدؒ نے فرمایا کہ مدعی علیہ سے جھگڑا ختم ہو جائے گا، اس لئے کہ مدعی نے مدعی علیہ کا نام نہیں لیا ہے، تو ایسا ہو گیا ہے کہ مدعی نے مجہول بات کہی ہو

تشریح: امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ مدعی علیہ سے جھگڑا ختم ہو جائے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ مدعی نے مدعی علیہ پر جرم کرنے کا دعوی نہیں کیا ہے، تو ایسا ہو گیا کہ مدعی نے مجہول بات کی ہو، اور مجہول بات میں مدعی علیہ جھگڑے سے چھوٹ جاتا ہے، اسی طرح یہاں بھی مدعی علیہ جھگڑے سے چھوٹ جائے گا

لغت: لم يدع الفعل عليه :اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مدعی علیہ پر جرم کرنے کا دعوی نہیں کیا ہے۔ ما لم یسم فاعله : جس فعل کے فاعل کا نام نہیں لیا ہو، مجہول بات کہی ہو

ترجمہ: ۳ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ، جب فعل ذکر کیا تو اس کا فاعل لازمی طور پر ہوتا ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ جس کے قبضے میں یہ چیز ہے وہی مجرم ہے، لیکن اس پر چوری کی حد نہ لگے اس لئے اس کو متعین نہیں کیا، اور پوشیدگی کے ثواب کو حاصل کرنے کے لئے اس کا نام نہیں لیا، تو ایسا ہو گیا کہ، کہا کہ تم نے چرایا ہے

تشریح: شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب مدعی نے سرق منی، فعل کا استعمال کیا تو ضروری ہے کہ فعل کا کوئی فاعل بھی ہوگا، یعنی کوئی چرانے والا بھی ہوگا، اور ظاہر یہی ہے کہ یہی مدعی علیہ چور ہے جس کے قبضے میں یہ چیز ہے، اس لئے اس سے خصم ختم نہیں ہوگا۔ باقی رہا مدعی نے اس کا نام اس لئے نہیں لیا، اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک تو کہ اگر نام لے لیتا تو یہاں معاملہ چوری کا ہے، اس کی وجہ سے مدعی علیہ کو حد لگ جاتی، اور اس کا ہاتھ کٹ جاتا اس لئے نام نہیں لیا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ، حدیث میں ہے کہ کسی کا گناہ چھپاؤ گے تو ثواب ملے گا اس، مدعی نے یہاں ثواب کی نیت سے مدعی علیہ کا نام نہیں لیا

وجہ: گناہ چھپانے کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من ستر مسلما ستره الله فى الدنيا و الآخرة۔ (ابن ماجة شریف، کتاب الحدود، باب الستر علی المؤمن ودفع الحدود بالشبہات، ص ۳۶۵، نمبر ۲۵۴۴)۔ اس حدیث میں ہے کہ گناہ کو چھپانا چاہئے

لغت: حسبۃ: ثواب کمانے کے لئے۔ الستر: گناہ کو چھپانا۔ چھپانا

ترجمہ: ۴ بخلاف غصب کے، اس لئے کہ اس میں حد نہیں ہے اس لئے اس کو ظاہر کرنے سے بچا گیا

تشریح: شارح، سرق، اور غصب میں فرق کر رہے ہیں کہ مدعی، غصب، کہتا تو غصب میں حد نہیں ہے اس لئے اس میں مدعی علیہ کا نام ظاہر کرنے سے اس کو حد نہیں لگے گی، اس لئے نام کے ساتھ غصب کو ظاہر کرنے سے بچنے کی ضرورت نہیں ہے،

لِأَنَّهُ لا حَدَّ فِيهِ فَلا يُحتَرَزُ عَنْ كَشْفِهِ

(٧٥٢) (وَإِذَا قَالَ الْمُدَّعِي: ابْتَعْتُهُ مِنْ فُلَانٍ وَقَالَ صَاحِبُ الْيَدِ: أَوْدَعَنِيهِ فُلَانٌ ذَلِكَ سَقَطَتْ الْخُصُومَةُ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ) ١ لِأَنَّهُمَا تَوَافَقَا عَلَى أَنَّ أَصْلَ الْمِلْكِ فِيهِ لِغَيْرِهِ فَيَكُونُ وُصُولُهَا إِلَى ذِي الْيَدِ مِنْ جِهَتِهِ فَلَمْ يَكُنْ يَدُهُ يَدَ خُصُومَةٍ ٢ إِلَّا أَنْ يُقِيمَ الْبَيِّنَةَ أَنَّ فُلَانًا وَكَّلَهُ بِقَبْضِهِ لِأَنَّهُ أَثْبَتَ بِبَيِّنَتِهِ كَوْنَهُ أَحَقَّ بِإِمْسَاكِهَا.

اور سرق، چوری میں حد ہے اس لئے اس میں نام کے ساتھ مدعی علیہ کا نام ظاہر کرنے سے بچے ہیں

ترجمہ: (٧٥٢) اگر مدعی نے کہا کہ میں نے اس کو فلاں سے خریدا ہے، اور قبضے والے نے کہا کہ فلاں نے میرے پاس امانت رکھی ہے، تو بغیر گواہ کے بھی جھگڑا ختم ہو جائے گا

ترجمہ: ١ اس لئے کہ جب دونوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا اس میں اصل ملک فلاں کی ہے تو یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ قبضے والے کے پاس اسی فلاں کی جانب سے آئی ہے، اس لئے اب ان کا قبضہ جھگڑے کا قبضہ نہیں ہے (اس لئے یہ خصم نہیں رہا)

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ دونوں نے اتفاق کر لیا کہ یہ مال دوسرے کا ہے، اور مدعی علیہ مجرم نہیں ہے تو مدعی علیہ سے جھگڑا ختم ہو جائے گا

تشریح: زید مدعی نے کہا کہ یہ مال عمر کا ہے، اور میں نے عمر سے خریدا ہے، اور مدعی علیہ خالد نے بھی کہا کہ یہ مال عمر کا ہے، اور اس نے میرے پاس امانت پر رکھا ہے تو خالد سے جھگڑا ختم ہو جائے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں قبول کر رہے ہیں کہ یہ مال عمر کا ہے، اور جب وہ حکم دے گا تو میں یہ مال مدعی زید کو دے دوں گا، تو اب کوئی جھگڑا ہی نہیں رہا، اس لئے مدعی علیہ خالد سے جھگڑا ختم ہو جائے گا

ترجمہ: ٢ ہاں مدعی اس بات پر گواہ قائم کرے کہ اصل مالک نے مجھ کو قبضہ کرنے کا وکیل بھی بنایا ہے (تو مدعی اب قبضہ بھی کر سکتا ہے) کیونکہ اس نے گواہ کے ذریعہ سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ میں اب اس مال کو اپنے قبضے میں لینے کا بھی حقدار ہوں،

تشریح: یہاں دو باتیں ہیں، مدعی کا ایک دعوی تو یہ تھا کہ میں نے یہ مال عمر سے خریدا ہے۔ اس کا معاملہ اوپر گزر گیا کہ مدعی علیہ اب خصم نہیں رہے گا، دوسرا دعوی یہ کرے کہ مجھے عمر نے اس مال پر قبضہ کرنے کا بھی وکیل بنایا ہے۔ اب یہاں خالد مدعی علیہ چاہتا ہے کہ یہ مال میرے پاس امانت کا ہے، اس لئے جب تک عمر کا حکم نہ آئے میں اپنے پاس رکھے رہوں گا۔ اور زید مدعی یہ چاہتا ہے کہ عمر نے مجھے میرے مال پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا ہے اس لئے یہ مال مجھے سپرد کر دے، اس بارے میں مدعی علیہ خالد خصم رہے گا، اور جب تک قاضی مال سپرد کرنے کا فیصلہ نہ کرے، مدعی علیہ مدعی کو مال سپرد نہیں کرے گا، کیونکہ ابھی تک اصل مالک نے صرف بیچا ہے، اس کو ظاہری طور پر مدعی علیہ کو حکم نہیں دیا ہے کہ مدعی کو سپرد کر دے۔

بَابُ مَا يَدَّعِيهِ الرَّجُلَان

(۷۵۳) قَالَ (وَإِذَا ادَّعَى اثْنَانِ عَيْنًا فِي يَدِ آخَرَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَزْعُمُ أَنَّهَا لَهُ وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ بِهَا بَيْنَهُمَا) ۱ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي قَوْلٍ: تَهَاتَرَتَا، وَفِي قَوْلٍ يُقْرَعُ بَيْنَهُمَا؛ لِأَنَّ إِحْدَى الْبَيِّنَتَيْنِ كَاذِبَةٌ بِيَقِينٍ لِاسْتِحَالَةِ اجْتِمَاعِ الْمِلْكَيْنِ فِي الْكُلِّ فِي حَالَةٍ وَاحِدَةٍ وَقَدْ تَعَذَّرَ التَّمْيِيزُ فَيَتَهَاتَرَانِ أَوْ يُصَارُ إِلَى الْقُرْعَةِ لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقْرَعَ فِيهِ وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْحَكَمُ بَيْنَهُمَا

باب مایدعیہ الرجلان

ترجمہ: (۷۵۳) کسی تیسرے کے قبضے میں کوئی چیز تھی اور دو آدمیوں نے دعوی کیا، اور دونوں کا گمان ہے کہ یہ چیز میری ہے، اور دونوں نے گواہ پیش کر دیے، تو دونوں کے لئے آدھا آدھا فیصلہ کر دیا جائے گا

تشریح: ایک چیز ہے جو تیسرے کے ہاتھ میں ہے، اس کے بارے میں دو آدمی یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ چیز پوری کی پوری میری ہے، اور دونوں گواہ پیش کرتے ہیں، تو قاضی دونوں کے لئے آدھی آدھی چیز کا فیصلہ کریں گے

وجہ: (۱) دونوں کی گواہی برابر درجے کی ہے، اس لئے کسی ایک کو رد نہیں کر سکتے، اس لئے یہی ہو سکتا ہے کہ دونوں کو آدھا آدھا دے دے (۲) حدیث میں ہے کہ دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں جھگڑا کیا تو دونوں کو آدھا آدھا اونٹ دے دیا، حدیث یہ ہے۔ **عن ابی موسی الاشعری ... ان رجلین ادعیا بعیرا علی عهد النبی ﷺ فبعث کل واحد منهما شاهدین فقسمه النبی ﷺ بینهما نصفین** (ابوداؤد شریف، باب الرجلین یدعیان شیئا ولیس بینھما بینۃ ص ۵۱۹، نمبر ۳۶۱۵) اس حدیث میں آپؐ نے آدھے آدھے اونٹ کا فیصلہ فرمایا۔ اس لئے دونوں کے لئے آدھے آدھے ہوں گے۔

ترجمہ: ۱ امام شافعیؒ نے ایک قول میں فرمایا کہ دونوں کے گواہ ساقط ہو جائیں گے، اور ایک قول میں یہ بھی فرمایا کہ دونوں کے درمیان قرعہ ڈالے (اور جس کی چیز نکلے اس کو پوری دے دے)، اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک کے گواہ تو یقینی طور پر جھوٹے ہیں، اس لئے کہ ایک ہی وقت میں دو آدمیوں کی پوری پوری ملکیت جمع ہونا محال ہے، اور دونوں میں سے ایک کے گواہ کو متمیز کرنا ناممکن ہے، اس لئے دونوں کے گواہ ساقط ہو جائیں گے، اور قرعہ اندازی کی جائے گی، اس لئے کہ حضور ﷺ نے قرعہ اندازی کی اور یوں فرمایا کہ اے اللہ دونوں کے درمیان آپ ہی فیصل ہیں

تشریح: واضح ہے

وجہ: اس حدیث میں ہے کہ گواہ ساقط ہو جائیں، یا گواہ نہ ہو تو قرعہ اندازی کی جائے۔ **عن ابی هریرة ان رجلین اختصما فی متاع الی النبی ﷺ لیس لواحد منهما بینة فقال النبی ﷺ استهما علی الیمین ما کان احبا ذالک او کرها**. (ابوداود شریف، کتاب القضا، باب الرجلین یدعیان شیئا ولیس بینھما بینۃ، ص ۵۲۰، نمبر ۳۶۱۶) اس

٢ وَلَنَا حَدِيثُ تَمِيمِ بْنِ طَرْفَةَ: أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي نَاقَةٍ وَأَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ فَقَضَى بِهَا بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ. ٣ وَحَدِيثُ الْقُرْعَةِ كَانَ فِي ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ نُسِخَ، ٤ وَلِأَنَّ الْمُطْلَقَ لِلشَّهَادَةِ فِي حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُحْتَمَلُ الْوُجُودِ بِأَنْ يَعْتَمِدَ أَحَدُهُمَا سَبَبَ الْمِلْكِ وَالْآخَرُ الْيَدَ فَصَحَّتْ الشَّهَادَتَانِ فَيَجِبُ الْعَمَلُ بِهِمَا مَا أَمْكَنَ، وَقَدْ أَمْكَنَ بِالتَّنْصِيفِ إِذْ الْمَحَلُّ يَقْبَلُهُ، وَإِنَّمَا يُنَصَّفُ لِاسْتِوَائِهِمَا فِي سَبَبِ الِاسْتِحْقَاقِ.

حدیث میں ہے کہ اگر دونوں کے پاس بینہ نہ ہوتو دونوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے

لغت: تہارتا: دونوں ساقط ہوجائیں گے، دونوں بیکار ہوجائیں گے۔ تعذر التمیز: دونوں گواہوں میں سے ایک کو جھوٹا، یا سچا متعین کرنا متعذر ہو

ترجمہ: ٢ اور ہماری دلیل تمیم بن طرفہ کی حدیث ہے، کہ دو آدمی حضور ﷺ کے پاس ایک اونٹنی کے بارے جھگڑا لیکر آئے، اور دونوں نے گواہ پیش کئے تو حضور ﷺ نے دونوں کے درمیان میں آدھے آدھے کا فیصلہ کیا

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک اونٹنی کے بارے میں آدھے آدھے کا فیصلہ فرمایا، اس لئے یہاں بھی دونوں کے گواہ برابر ہیں اس لئے وہ کینسل ہوجائیں گے، اور آدھے آدھے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ یہ حدیث پہلے گزر گئی ہے۔

ترجمہ: ٣ اور حضرت امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے وہ شروع اسلام میں تھی، لیکن وہ اب منسوخ ہوگئی، اس لئے اس پر عمل نہیں کیا جائے گا

ترجمہ: ٤ اور اس لئے کہ دونوں کی گواہی کے صحیح ہونے کا احتمال ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک آدمی کے گواہ نے سبب ملک دیکھ کر گواہی دی (یعنی خریدنے کے سبب سے ملکیت ہونے) کی گواہی دی، اور دوسرے آدمی کے گواہ نے قبضہ دیکھ کر گواہی دے دی، اس طرح دونوں کی گواہیاں درست ہیں، اور جہاں تک ہو سکے دونوں پر عمل کرنا واجب ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں کی ملکیت آدھی آدھی ہو، کیونکہ محل اس تنصیف کو قبول کرتا ہے، اور آدھا آدھا اس لئے ہوگا کہ دونوں کے حقوق برابر ہیں

تشریح: اور امام شافعیؒ نے کہا تھا کہ دونوں میں سے ایک گواہ یقیناً جھوٹا ہے، یہاں سے اس کا عقلی جواب ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ دونوں گواہ سچے ہیں، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ایک گواہ نے دیکھا کہ فلاں نے اس چیز کو خریدا ہے، اور یہ اس کا سبب ملک ہے اس بنیاد پر گواہی دے دی کہ یہ چیز اس کی ہے۔ اور دوسرے گواہ نے دیکھا کہ یہ چیز فلاں کے قبضے میں ہے، اس کو دیکھ کر گواہی دے دی کہ یہ چیز اس کی ہے، اس لئے دونوں گواہ سچے ہیں، اس میں ایک کو جھوٹا کہنے کی ضرورت نہیں ہے، اور دونوں گواہ برابر درجے کے ہیں اس لئے دونوں مدعی کو آدھا آدھا دے دیا جائے گا

لغت: محتمل الوجود: یہ منطقی محاورہ ہے، اس کا ترجمہ ہے کہ دونوں باتوں کا احتمال ہے۔ سبب الملک: ملک کا سبب، مثلا خریدا ہو، یا کسی نے ہدایہ دیا ہو جن کے سبب سے وہ مالک بنا ہو، اس کو سبب الملک، کہتے ہیں۔ الید: ہاتھ میں ہو، قبضے میں ہو، المحل یقبلہ: محل تقسیم کو قبول کرتا ہو۔ یعنی وہ چیز تقسیم ہو سکتی ہو۔

(۷۵۴) قالَ (فَإِنْ ادَّعَى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِكَاحَ امْرَأَةٍ وَأَقَامَا بَيِّنَةً لَمْ يَقْضِ بِوَاحِدَةٍ مِنْ الْبَيِّنَتَيْنِ) ۱؎ لِتَعَذُّرِ الْعَمَلِ بِهِمَا؛ لِأَنَّ الْمَحَلَّ لَا يَقْبَلُ الِاشْتِرَاكَ.
(۷۵۵) قَالَ (وَيَرْجِعُ إلَى تَصْدِيقِ الْمَرْأَةِ لِأَحَدِهِمَا) ۱؎ لِأَنَّ النِّكَاحَ مِمَّا يُحْكَمُ بِهِ بِتَصَادُقِ الزَّوْجَيْنِ، ۲؎ وَهَذَا إذَا لَمْ يُوَقِّتِ الْبَيِّنَتَانِ، فَأَمَّا إذَا وَقَّتَا فَصَاحِبُ الْوَقْتِ الْأَوَّلِ أَوْلَى

ترجمہ:(۷۵۴) اگر دوآدمیوں نے ایک ہی عورت سے نکاح کرنے کا دعوی کیا، اور دونوں ہی نے گواہ پیش کردئے، تو کسی بھی گواہ پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ دونوں پر عمل کرنا ناممکن ہے، اس لئے کہ یہاں شرکت ہو ہی نہیں سکتی

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک چیز، مثلا ایک عورت، دوآدمیوں کے درمیان ہو ہی نہیں سکتی ہو تو کسی کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: ایک ہی عورت سے دوآدمیوں سے نکاح ہو ہی نہیں سکتا ہے، اس لئے دوآدمیوں نے ایک ہی عورت سے نکاح کرنے کا دعوی کیا، اور گواہ بھی ایک ہی وقت میں نکاح کرنے کا پیش کیا تو دونوں گواہ ساقط ہوں گے، اور کسی سے نکاح کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا

ترجمہ:(۷۵۵) اور عورت کی طرف رجوع کی جائے گا کہ وہ دونوں میں سے کس مدعی کی تصدیق کرتی ہے۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ نکاح کا معاملہ یہ ہے کہ بیوی اور شوہر دونوں کی تصدیق سے حکم لگایا جاتا ہے

تشریح: جب دونوں گواہوں میں سے کسی کا اعتبار نہیں رہا تو اب عورت سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا نکاح کس سے ہوا تھا، وہ جس کی تصدیق کرے گی اسی کی بیوی ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا

وجہ: کیونکہ بیوی اور شوہر دونوں نکاح کو قبول کریں تب جا کر نکاح ہوتا ہے، اس لئے اب وہ جس کے بارے میں کہے گی میں نے فلاں سے نکاح کیا تھا اسی کی بیوی ہوگی

ترجمہ:۲؎ عورت کی طرف اس وقت رجوع کیا جائے گا جب گواہوں نے نکاح کے وقت کا تعین نہ کیا ہو، اور اگر وقت کا تعین کیا ہو تو جس کا وقت پہلے ہوگا اسی کی بیوی ہوگی

تشریح: اوپر کا فیصلہ کہ دونوں کے گواہ ساقط ہوں گے، اور عورت جس کی تصدیق کرے گی اسی کی بیوی مانی جائے گی، یہ اس وقت ہے جب دونوں گواہوں نے نکاح کے وقت کا تعین نہ کیا ہو، لیکن اگر نکاح کے وقت کا تعین کیا ہو تو جس نے یہ گواہی دی اس نے پہلے اس عورت سے نکاح کیا ہے، تو اس صورت میں عورت کی تصدیق کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا، بلکہ جس مدعی سے نکاح پہلے ہوا ہے یہ اسی کی بیوی ہوگی

(٧٥٦) (وَإِنْ أَقَرَّتْ لِأَحَدِهِمَا قَبْلَ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ فَهِيَ امْرَأَتُهُ) ١ لِتَصَادُقِهِمَا ٢ وَإِنْ أَقَامَ الْآخَرُ الْبَيِّنَةَ قُضِيَ بِهَا) لِأَنَّ الْبَيِّنَةَ أَقْوَى مِنْ الْإِقْرَارِ.

(٧٥٧)(وَلَوْ تَفَرَّدَ أَحَدُهُمَا بِالدَّعْوَى وَالْمَرْأَةُ تَجْحَدُ فَأَقَامَ الْبَيِّنَةَ وَقَضَى بِهَا الْقَاضِي لَهُ ثُمَّ ادَّعَى الْآخَرُ وَأَقَامَ الْبَيِّنَةَ عَلَى مِثْلِ ذَلِكَ لَا يَحْكُمُ بِهَا) ١ لِأَنَّ الْقَضَاءَ الْأَوَّلَ قَدْ صَحَّ فَلَا يُنْقَضُ بِمَا هُوَ مِثْلُهُ بَلْ هُوَ

ترجمہ:(٧٥٦) کسی مدعی کے گواہ قائم کرنے سے پہلے پہلے عورت نے کسی ایک مدعی کے لئے بیوی ہونے کی تصدیق کردی تو یہ اس کی بیوی ہوگی

ترجمہ:١ کیونکہ دونوں نے بیوی شوہر ہونے کی تصدیق کردی

تشریح : ابھی کسی ایک مدعی نے گواہی پیش نہیں کی تھی کہ عورت نے ایک مدعی کے بارے میں تصدیق کی کہ میں اس کی بیوی ہوں، تو یہ عورت اس کی بیوی ہوگی

وجہ : شوہر نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ میری بیوی ہے، اور عورت نے بھی تصدیق کردی کہ میں اس کی بیوی ہوں تو اب دونوں کی تصدیق ہوگئی اس لئے یہ اسی کی بیوی ہو جائے گی

ترجمہ: ٢ اور اگر دوسرے مدعی نے گواہی قائم کردی، تو اب دوسرے کے لئے بیوی ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ گواہی کا درجہ اقرار سے زیادہ ہے

تشریح ::عورت نے ایک مدعی کے لئے بیوی ہونے کا اقرار کیا تھا، اب دوسرے مدعی نے گواہی پیش کردی کہ یہ میری بیوی ہے، تو چونکہ گواہی کا درجہ اقرار سے زیادہ ہے، اس لئے اب دوسرے مدعی کے لئے بیوی کا فیصلہ کیا جائے گا

ترجمہ : (٧٥٧) ایک آدمی نے ایک عورت پر بیوی ہونے کا دعوی کیا، عورت نے انکار کیا، پھر مدعی نے گواہی دلوادی، اور قاضی نے اس کی بیوی ہونے کا فیصلہ کردیا، اب بعد میں دوسرے نے بیوی ہونے کا دعوی کیا اور اسی طرح گواہی پیش کردی، تو دوسرے کے لئے بیوی ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا

ترجمہ :١ اس لئے کہ پہلا فیصلہ گواہی کی بنیاد پر صحیح تھا، اس لئے اسی طرح کی دوسری گواہی سے پہلا فیصلہ نہیں ٹوٹے گا۔ بلکہ دوسری گواہی تو پہلے سے کافی کمزور ہے (اس لئے اور بھی پہلا فیصلہ نہیں ٹوٹے گا)

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک کا فیصلہ ہو چکا ہو تو اب قضا توڑ کر دوسرے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا

تشریح : ایک آدمی نے دعوی کیا کہ یہ میری بیوی ہے، اور گواہ دیکر فیصلہ بھی کروالیا کہ یہ اس کی بیوی ہے، اب دوسرا آدمی گواہی دیتا ہے کہ یہ میری بیوی ہے، تو فیصلہ توڑ کر دوسرے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے کی گواہی کے ساتھ قاضی کی قضا بھی ہوگئی ہے، اس لئے یہ گواہی مضبوط ہوگئی ہے، اور دوسرے مدعی کی گواہی صرف گواہی ہے، یہ پہلے سے کمزور ہے، اس لئے اس گواہی سے فیصلہ نہیں ٹوٹے گا

لغت:ھو دونہ: یہ بعد کی گواہی پہلے سے کم درجے کی ہے۔ لا ینقض: فیصلہ نہیں ٹوٹے گا

دُونَهُ. ☆(إِلَّا أَنْ يُوَقِّتَ شُهُودُ الثَّانِي سَابِقًا) ۱؎ لِأَنَّهُ ظَهَرَ الْخَطَأُ فِي الْأَوَّلِ بِيَقِينٍ . ۲؎ وَكَذَا إِذَا كَانَتْ الْمَرْأَةُ فِي يَدِ الزَّوْجِ وَنِكَاحُهُ ظَاهِرٌ لَا يُقْبَلُ بَيِّنَةُ الْخَارِجِ إِلَّا عَلَى وَجْهِ السَّبْقِ.

(۷۵۸) قَالَ (وَلَوْ ادَّعَى اثْنَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنَّهُ اشْتَرَى مِنْهُ هَذَا الْعَبْدَ) (مَعْنَاهُ مِنْ صَاحِبِ الْيَدِ)وَأَقَامَا بَيِّنَةً فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَ نِصْفَ الْعَبْدِ بِنِصْفِ الثَّمَنِ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَه)

ترجمه :☆ہاں دوسرے مدعی کا گواہ یوں کہے کہ پہلے مدعی سے بھی پہلے میرے اس مدعی نے اس عورت سے نکاح کیا ہے (تو پہلا فیصلہ توڑا جا سکتا ہے)

ترجمه:۱؎ اس لئے کہ یقینی طور پر یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ پہلا فیصلہ غلط تھا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دوسرے گواہ یہ ثابت کر دیں کہ پہلے آدمی سے بھی پہلے اس عورت کا نکاح میرے آدمی سے ہوا تھا تو اب پہلا فیصلہ توڑا جا سکتا ہے

تشریح : دوسرے مدعی کے گواہ نے یہ گواہی دی کہ جس تاریخ کو پہلے مدعی نے نکاح کیا ہے اس سے بھی پہلے میرے آدمی نے اس عورت سے نکاح کیا تھا، اس لئے اس عورت سے دوسرا نکاح ہی درست نہیں ہے، کیونکہ یہ عورت پہلے سے میرے آدمی کے نکاح میں ہے، تو اس صورت میں دوسرا نکاح ہی درست نہیں ہوا، اس لئے اب قاضی کا فیصلہ توڑا جائے گا، اور عورت پہلے نکاح والے مدعی کی بیوی شمار کی جائے گی

ترجمه:۲؎ اسی طرح عورت کسی دوسرے شوہر کے قبضے میں ہو اور اس کا نکاح بھی ظاہر ہو تو بعد والے مدعی کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، ہاں بعد والے نے اس سے بھی پہلے نکاح ہونے کی گواہی دے تو اب مانی جائے گی

تشریح : عورت کسی کے نکاح میں ہے، اور سب جانتے ہوں کہ یہ عورت فلاں کی بیوی ہے تو جس کے قبضے میں یہ عورت نہیں ہے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ لیکن اگر وہ گواہی دلوا دے کہ یہ عورت اس شوہر سے بھی پہلے میرے آدمی کے نکاح میں تھی اب بات مانی جائے گی

وجه: پہلے آدمی کا نکاح اس لئے نہیں توڑا جائے گا، یہاں نکاح بھی ہے، اور دوسرا اس کا بیوی پر قبضہ بھی ہے۔ اور دوسرے آدمی کا صرف نکاح ہے، بیوی پر قبضہ نہیں ہے، اس لئے یہ کمزور ہے، اس لئے اس سے پہلے آدمی کا نکاح نہیں توڑا جائے گا۔ لیکن اگر گواہی کے ذریعہ یہ ثابت کر دے کہ اس کا نکاح پہلے ہوا تھا تو اب چونکہ بعد والے کا نکاح ہی درست نہیں ہوا اس لئے فیصلہ توڑا جائے گا۔

نوٹ :ان تمام شکلوں میں صرف گواہ نہیں دیکھے جائیں گے، بلکہ تمام احوال دیکھے جائیں گے، کہ گواہ جھوٹ تو نہیں بول رہا ہے۔ ورنہ آج کل تو بہت فراڈ ہوتا ہے، اس سے کسی اچھے بھلے آدمی کا گھر ٹوٹ جائے گا

لغت :بینة الخارج : جس آدمی کے قبضے میں عورت نہیں ہے، اس کو خارج، کہتے ہیں، اور اس کی گواہی کو بینۃ الخارج، کہتے ہیں وجه السبق: جس گواہ نے یہ گواہی دی کہ اس مدعی نے پہلے نکاح کیا ہے

ترجمه :(۷۵۸) اگر دو آدمیوں نے یہ دعوی کیا انہوں نے یہ غلام تیسرے قابض سے خریدا ہے، اور دونوں نے بینہ قائم کر

لـ لِأَنَّ الْقَاضِيَ يَقْضِي بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ لِاسْتِوَائِهِمَا فِي السَّبَبِ ٢ فَصَارَ كَالْفُضُولِيَّيْنِ إِذَا بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنْ رَجُلٍ وَأَجَازَ الْمَالِكُ الْبَيْعَيْنِ يُخَيَّرُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِأَنَّهُ تَغَيَّرَ عَلَيْهِ شَرْطُ عَقْدِهِ، فَلَعَلَّ رَغْبَتَهُ فِي تَمَلُّكِ الْكُلِّ فَيَرُدُّهُ وَيَأْخُذُ كُلَّ الثَّمَنِ لَوْ اَرَادَ.

(٧٥٩) فَإِنْ قَضَى الْقَاضِي بِهِ بَيْنَهُمَا فَقَالَ أَحَدُهُمَا: لَا أَخْتَارُ النصف لَمْ يَكُنْ لِلْآخِرِ أَنْ يَأْخُذَ جُمْلَتَهُ)

دئے ،تو دونوں کو اختیار رہوگا، کہ آدھی آدھی قیمت دیکر آدھا آدھا غلام لے لے، اور چاہے تو چھوڑ دے

ترجمہ: لـ اس لئے کہ قاضی دونوں کو آدھا آدھا دینے کا فیصلہ کرے گا، کیونکہ دونوں کے بینہ کی حیثیت برابر ہے

تشریح: دوآدمیوں نے یہ دعوی کیا کہ اس غلام کو کسی تیسرے کے قبضے سے پورا پورا خریدا ہے، تو قاضی دونوں کے لئے آدھے آدھے غلام کا فیصلہ کرے گا، اب یہ دونوں آدھی آدھی قیمت دیکر آدھا آدھا غلام لے لیں، اور چاہے تو چھوڑ دیں

وجہ: دونوں کی گواہی برابر ہے، اس لئے دونوں کے لئے آدھے آدھے غلام ہی کا فیصلہ کیا جائے گا

ترجمہ: ٢ یہ دونوں آدمی ایسے فضولی کی طرح ہوگئے جنہوں نے دوآدمیوں سے غلام بیچ دئے، اور مالک نے دونوں بیع کی اجازت دے دی، تو دونوں مشتریوں کو اختیار ہوگا، کہ آدھا آدھا غلام آدھی آدھی قیمت میں لے لیں یا چھوڑ دیں

لغت: فضولی: غلام بیچنے کا وکیل نہ بنایا ہو، پھر خود ہی غلام بیچ دے اس کو فضولی کی بیع کہتے ہیں

تشریح: یہ اوپر کے مسئلے کے لئے مثال ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ، زید، اور عمر نے بغیر بکر کی اجازت کے اس کا غلام الگ الگ خریدنے والوں سے بیچ دیا، بعد میں بکر جو مالک تھا اس نے دونوں بیع کی اجازت دے دی، تو دونوں خریدنے والوں کو آدھا آدھا غلام ہی ملے گا، اب یہاں دونوں خریدار پورا پورا غلام خریدنا چاہتے تھے، لیکن آدھا آدھا ہی ملا تو دونوں کو اختیار رہو گا، چاہے لے لیں، چاہے چھوڑ دیں، ٹھیک اسی طرح اوپر کے مسئلے میں دونوں مدعی کو آدھا آدھا غلام ہی ملا ہے، جب کہ وہ پورا پورا غلام لینا چاہتے تھے، اس لئے چاہے لے لیں، چاہے چھوڑ دیں

ترجمہ: ٣ اس لئے کہ عقد کی شرط بدل چکی ہے، اس لئے کہ دونوں کی رغبت تھی، کہ پورا پورا غلام ملے، اس لئے وہ رد کر سکتے ہیں، اور اپنی پوری قیمت واپس لے سکتے ہیں

تشریح: یہاں سے یہ فرما رہے ہیں کہ دونوں کی رغبت یہ تھی بلا شرکت کے پورا پورا غلام ملے، اور یہاں شرکت کے ساتھ آدھا آدھا غلام مل رہا ہے، اس لئے اب رغبت بہت کم ہے اس لئے دونوں کو اختیار رہو گا کہ یا تو شرکت میں آدھا غلام لے لیں، یا پورا غلام چھوڑ دیں، اور اپنی پوری قیمت واپس لے لیں

ترجمہ: (٧٥٩) اگر قاضی نے دونوں مدعیوں کے درمیان آدھے آدھے کا فیصلہ کیا، اب ایک نے کہا کہ مجھے آدھا نہیں لینا ہے، تو دوسرے کو پورا غلام لینے کا حق نہیں ہے (جب تک کہ قاضی باقی آدھے کا فیصلہ نہ کرے)

ل لِأَنَّهُ صَارَ مَقْضِيًّا عَلَيْهِ فِي النِّصْفِ فَانْفَسَخَ الْبَيْعُ فِيهِ، ۲ وَهَذَا لِأَنَّهُ خَصَمَ فِيهِ لِظُهُورِ اسْتِحْقَاقِهِ بِالْبَيِّنَةِ لَوْلَا بَيِّنَةُ صَاحِبِهِ ۳ بِخِلَافِ مَا لَوْ قَالَ ذَلِكَ قَبْلَ تَخْيِيرِ الْقَاضِي حَيْثُ يَكُونُ

ترجمہ: ل اس لئے کہ اس کے لئے آدھے کا فیصلہ ہو چکا ہے، تو باقی آدھے میں بیع ٹوٹ چکی ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی کا فیصلہ آدھے کا ہو چکا ہو تو وہ آدھا ہی لے سکے گا

تشریح: دونوں مدعیوں نے پورے پورے غلام کا دعوی کیا، لیکن قاضی نے گواہی کی وجہ سے آدھے آدھے غلام کا فیصلہ کیا تھا، اس فیصلے کے بعد ایک مدعی نے کہا کہ میں آدھا غلام نہیں لوں گا، تو دوسرے مدعی کے لئے یہ گنجایش نہیں ہے کہ جو آدھا غلام دوسرے مدعی کے لئے فیصلہ کیا تھا اس کو بھی لے لے، ہاں باقی آدھے غلام کا فیصلہ قاضی اس کے لئے کرے تب باقی آدھا لے سکے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ جب ہو جاتا ہے تو وہ بغیر قضا ٹوٹتا نہیں ہے، اور یہاں اس کے لئے آدھے غلام کا ہی فیصلہ ہوا ہے اس لئے یہ ٹوٹے گا نہیں، اس لئے اس کو آدھا ہی لینا ہوگا، بقیہ آدھا بغیر فیصلے کے نہیں لے سکتا ہے

ترجمہ: ۲ اس کی وجہ یہ ہے کہ گواہ کے ذریعہ سے اس کا آدھا حق ظاہر ہونے کی وجہ سے وہ خصم ہے، اگر اس کے خلاف کے مدعی کی گواہی نہ بھی ہوتی تب بھی

تشریح: یہ پیچیدہ جملہ ہے۔ ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ یہ مدعی تو مشتری ہے، خصم نہیں ہے۔ تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ۔ جب گواہی کے ذریعہ قاضی کا فیصلہ ہوا تو یہ اب خصم بن گیا، اور یہ اتنا مضبوط خصم بنا ہے کہ، اگر دوسرے مدعی کی گواہی نہیں ہوتی تب بھی یہ خود اپنے گواہ کے وجہ سے بھی خصم بن چکے ہیں، اور خصم کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے لئے جتنا فیصلہ ہوا ہو اتنا ہی لے سکتا ہے، باقی نہیں، ہاں دوبارہ قاضی باقی کا فیصلہ کرے تب اس کو لے سکتا ہے

ترجمہ: ۳ بخلاف، قاضی کے اختیار دینے سے پہلے اگر دوسرا مدعی یہ کہتا کہ مجھے آدھا غلام نہیں لینا ہے تو اس مدعی کے لئے گنجائش ہے کہ پورا غلام لے لے، اس لئے کہ اس کا دعوی پورے غلام کا ہے، اور ان کی جانب سے وہ دعوی فسخ نہیں ہوا ہے۔ اور جو آدھا ہی مل رہا تھا وہ دوسرے مدعی کی مزاحمت کی وجہ سے مل رہا تھا، اور وہ اب باقی نہیں رہا۔

اصول: قاضی نے ابھی فیصلہ نہیں کیا ہے، اور دوسرے مدعی نے آدھا لینے سے انکار کر دیا تو چونکہ ابھی قاضی کا فیصلہ نہیں ہوا ہے اس لئے پہلے مدعی کو پورا غلام لے لینے کا اختیار ہوگا

تشریح: ابھی قاضی نے آدھا غلام لینے کا فیصلہ نہیں کیا تھا، کہ دوسرے مدعی نے کہا مجھے آدھا غلام نہیں لینا ہے، تو چونکہ ابھی قاضی کا فیصلہ نہیں ہوا ہے، اور اس سے پہلے دوسرا مدعی اپنا حق چھوڑ دیا ہے، اس لئے اس مدعی کو اب پورا غلام لینے کا حق ہوگا

وجہ: اس صورت میں چونکہ ابھی قاضی کا فیصلہ نہیں ہوا ہے اس لئے اس کے فیصلے کے ٹوٹنے کا احتمال نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ پہلے سے اس مدعی کا دعوی ہی تھا کہ پورا غلام مجھے دو اس لئے اب پورا غلام لینے کا حق ہوگا

لغت: ولم یفسخ سببہ: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قاضی کے فیصلے کی وجہ سے مدعی کا سبب ٹوٹا، یعنی پورا غلام لینے کا حق ختم

لَـهُ أَنْ يَـأْخُـذَ الْجَمِيعَ لِأَنَّهُ يَدَّعِي الْكُلَّ وَلَمْ يفْسَخْ سَبَبُهُ، ۴ وَالْـعَوْدُ إِلَى النِّصْفِ لِلْمُزَاحِمَةِ وَلَمْ يُوجَدْ، ۵ وَنَظِيرُهُ تَسْلِيمُ أَحَدِ الشَّفِيعَيْنِ قَبْلَ الْقَضَاءِ، وَنَظِيرُ الْأَوَّلِ تَسْلِيمُهُ بَعْدَ الْقَضَاءِ (۷۶۰) وَلَـوْ ذَكَـرَ كُـلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَارِيخًا فَهُوَ لِلْأَوَّلِ مِنْهُمَا) ۱ لِأَنَّـهُ أَثْبَتَ الشِّرَاءَ فِي زَمَانٍ لَا يُنَازِعُهُ فِيهِ أَحَدٌ فَانْدَفَعَ الْآخَرُ بِه

نہیں ہوا ہے، کیونکہ ابھی تک قاضی کا فیصلہ ہی نہیں ہوا ہے

ترجمہ: ۴ اور پہلے آدھا ہی جو مل رہا تھا وہ دوسرے مدعی کی مزاحمت کی وجہ سے تھا، اور وہ اب پایا نہیں جا رہا ہے

تشریح: پہلے جو آدھا غلام مل رہا تھا وہ اس لئے کہ دوسرا مدعی مزاحم تھا کہ مجھے بھی پورا غلام دو، لیکن جب اس نے آدھا لینے سے انکار کر دیا تو، اب وہ مزاحم نہیں رہا، اس لئے پہلے مدعی کو پورا غلام لینا کا حق ہو گیا۔

ترجمہ: ۵ اس کی مثال ہے کہ شفعہ کے دو دعوی کرنے والوں میں سے ایک نے قاضی کے فیصلے سے پہلے اپنا شفعہ چھوڑ دیا (تو دوسرے کو پورا شفعہ لینے کا حق ہوتا ہے)، اور پہلے کی مثال یہ ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد ایک نے اپنا حق چھوڑ دیا (تو دوسرے کو آدھا ہی زمین لینے کا حق ہوتا ہے)

تشریح: اس کی مثال شفعہ کی مثال ہے، ایک زمین پر دو آدمیوں نے شفعہ کا دعوی کیا تھا، اس لئے دونوں کو آدھی آدھی زمین ملنی تھی، لیکن ایک نے قاضی کے فیصلے سے پہلے اپنا حق چھوڑ دیا تو دوسرے کو پوری زمین لینے کا حق ہو گا، کیونکہ اس صورت میں قضا نہیں ٹوٹتا ہے۔ لیکن اگر بینہ کے ذریعہ قاضی کا فیصلہ ہو گیا کہ دونوں کو آدھی آدھی زمین ملے گی، اب دوسرے نے اپنا حق چھوڑ دیا تو پہلے شفیع کو پوری زمین لینے کا حق نہیں ملے گا، جب تک کہ قاضی دوبارہ پہلے شفیع کے لئے پوری زمین لینے کا فیصلہ نہ کرے، کیونکہ اس میں قضا ٹوٹتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اوپر کے غلام کے مسئلے میں ہے۔

ترجمہ: (۷۶۰) اگر دونوں مدعیوں میں سے ہر ایک نے تاریخ ذکر کی، تو جس کی تاریخ پہلے ہو گی یہ غلام اس کا ہو گا

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ ایسے زمانے میں خریدنا ثابت کیا کہ اس میں کوئی بھی جھگڑا نہیں کر رہا تھا، اس لئے اس کی وجہ سے دوسرے کو دفع کر دیا جائے گا

تشریح: دو آدمیوں نے غلام خریدنے کا دعوی کیا، اور ہر ایک نے خریدنے کی تاریخ بھی بتائی تو جس کی تاریخ پہلے کی ہے، یہ پورا غلام اسی کے لئے فیصلہ کیا جائے گا

وجہ: (۱) جس زمانے میں پہلی تاریخ والے نے خریدنے دعوی کا کیا ہے، اس میں کوئی دوسرا مزاحم نہیں ہے، اس لئے اسی کا فیصلہ کیا جائے گا (۲)۔ عن الشعبی ... فكتب اليه الشريح ، ليست من التهاتر ، و التكاثر فی شیء ، الدابة لمن هی فی ايديهم اذا اقاموا بينة ۔ (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدھما ویقیم کل واحد منھما علی ذلک بینۃ، ج عاشر، ص ۴۳۳، نمبر ۲۱۲۲۷) اس قول تابعی میں بھی ہے کہ جس کے قبضے میں چیز ہے وہ چیز اسی کی ہو گی

(۷۶۱) (وَلَوْ وَقَّتَتْ إِحْدَاهُمَا وَلَمْ يُؤَقِّتِ الْأُخْرَى فَهُوَ لِصَاحِبِ الْوَقْتِ) ١ لِثُبُوتِ مِلْكِهِ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ وَاحْتَمَلَ الْآخَرُ أَنْ يَكُونَ قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ فَلَا يَقْضِي لَهُ بِالشَّكِّ

(۷۶۲) (وَإِنْ لَمْ يَذْكُرَا تَارِيخًا وَمَعَ أَحَدِهِمَا قَبْضٌ فَهُوَ أَوْلَى) وَمَعْنَاهُ أَنَّهُ فِي يَدِهِ لِأَنَّ تَمَكُّنَهُ مِنْ قَبْضِهِ يَدُلُّ عَلَى سَبْقِ شِرَائِهِ، ٢ وَلِأَنَّهُمَا اسْتَوَيَا فِي الْإِثْبَاتِ فَلَا تُنْقَضُ الْيَدُ الثَّابِتَةُ بِالشَّكِّ، ٣ وَكَذَا لَوْ ذَكَرَ الْآخَرُ وَقْتًا لِمَا بَيَّنَّا. إِلَّا أَنْ يَشْهَدُوا أَنَّ شِرَائَهُ كَانَ قَبْلَ شِرَاءِ صَاحِبِ الْيَدِ لِأَنَّ الصَّرِيحَ يَفُوقُ الدَّلَالَةَ.

ترجمہ:(۷۶۱) اگر ایک مدعی نے تاریخ ذکر کی، اور دوسرے نے تاریخ ذکر نہیں کی تو جس نے تاریخ ذکر کی یہ غلام اس کا ہوگا

ترجمہ :١ کیونکہ اس کی ملکیت اس تاریخ میں ثابت ہوئی، اور دوسرے مدعی کے بارے میں احتمال ہے کہ اس تاریخ سے پہلے خریدا ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس تاریخ کے بعد خریدا ہو، اس لئے شک کی وجہ سے اس دوسرے کے لئے فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

تشریح :ایک مدعی نے مثلا چوتھی تاریخ میں خریدنے کا دعوی کیا، اور دوسرے نے کوئی تاریخ بیان نہیں کی، تو جس نے تاریخ بیان کی اسی کا غلام ہوگا

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے تاریخ بیان کی، اس کی ملکیت چوتھی تاریخ کو ثابت ہوگئی، اور جس نے تاریخ بیان نہیں کی، تو اس کے بارے میں ممکن ہے کہ پہلی تاریخ میں خریدا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ پانچویں تاریخ میں پہلے مدعی کے بعد خریدا ہو، تو اس بارے میں شک ہوگیا، اس لئے شک کی بنا پر جس نے تاریخ بیان نہیں کی ہے اس کے لئے غلام کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ:(۷۶۲) دونوں مدعیوں نے تاریخ ذکر نہیں کی، لیکن ایک کا غلام پر قبضہ ہے تو اس کا زیادہ حق ہے۔

ترجمہ:١ اس کا معنی یہ ہے کہ غلام اس کے قبضے میں ہے، اس لئے اس کے قبضے میں ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس نے پہلے خریدا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کا قبضہ ہے وہ زیادہ حقدار ہے

تشریح :دونوں مدعیوں نے تاریخ ذکر نہیں کی، لیکن ایک کا غلام پر قبضہ ہے، تو یہ غلام اس کا ہوگا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے، قبضہ ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ اس نے پہلے خریدا ہے اسی لئے اسکے قبضے میں ہے، اور جس کا قبضہ نہیں ہے اس نے بعد میں خریدا ہے، اس لئے قبضے والے کا حق ہوگا

ترجمہ:٢ اور اس لئے بھی کہ اپنا حق ثابت کرنے میں دونوں برابر ہیں، اس لئے شک کی وجہ سے قبضہ نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح : قبضے والے کو غلام ملے گا، اس کی یہ دوسری دلیل ہے۔ یہاں یہ دیکھنا ہے کہ دونوں کی گواہی برابر درجے کی ہے، اور ایک کا مضبوط قبضہ ہے، اس لئے ایک گواہی سے دوسرے کا قبضہ نہیں ٹوٹے گا

ترجمہ : ٣ ایسے ہی اگر دونوں نے تاریخ بیان کی تب بھی جس کا قبضہ ہے اس کا قبضہ نہیں ٹوٹے گا، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔ مگر یہ گواہی دے کہ قبضے والے کے خریدنے سے پہلے اس نے خریدا ہے، اس لئے کہ صریح، دلالت سے پہلے ہے

(٧٦٣) قَالَ: (وَإِنْ ادَّعَى أَحَدُهُمَا شِرَاءً وَالْآخَرُ هِبَةً وَقَبْضًا) (مَعْنَاهُ مِنْ وَاحِدٍ) (وَأَقَامَا بَيِّنَةً وَلَا تَارِيخَ مَعَهُمَا فَالشِّرَاءُ أَوْلَى) لِ لِأَنَّ الشِّرَاءَ أَقْوَى لِكَوْنِهِ مُعَاوَضَةً مِنْ الْجَانِبَيْنِ، ٢ وَلِأَنَّهُ يُثْبِتُ الْمِلْكَ بِنَفْسِهِ وَالْمِلْكُ فِي الْهِبَةِ يَتَوَقَّفُ عَلَى الْقَبْضِ، ٣ وَكَذَا الشِّرَاءُ وَالصَّدَقَةُ مَعَ الْقَبْضِ

تشریح : دونوں مدعیوں نے تاریخ بیان کی تب بھی جس کے قبضے میں ہے اسی کا غلام ہوگا، کیونکہ دونوں کے گواہ برابر درجے کے ہیں، اس لئے شک کی بنیاد پر قبضے والے کا قبضہ نہیں ٹوٹے گا، ہاں اگر دوسرے مدعی نے یہ ثابت کر دیا کہ قبضے والے سے پہلے تاریخ میں خریدا ہے، تو اب دوسرے کو دیا جائے گا،

وجہ : کیونکہ دوسرے نے صراحت کے ساتھ یہ ثابت کر دیا کہ میں نے پہلے خریدا ہے، اس لئے اب اس کو دیا جائے گا، کیونکہ دلالت پر صراحت زیادہ بہتر ہے

ترجمہ: (٧٦٣) ایک مدعی نے خریدنے کا دعوی کیا، اور دوسرے نے دعوی کیا کہ اسی آدمی نے ہبہ کیا ہے، اور اس پر قبضہ بھی کیا ہے، اور دونوں نے بینہ قائم کر دیا، اور کسی نے تاریخ بیان نہیں کی، تو خریدنے والا زیادہ حقدار ہوگا۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ خریدنا زیادہ قوی ہوتا ہے، اس لئے کہ دونوں جانب سے معاوضہ ہوتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ خریدنا قبضے کے ساتھ ہبہ سے زیادہ قوی ہے، اس لئے خریدنے والا زیادہ حقدار ہے

تشریح : ایک ہی آدمی سے ایک مدعی نے دعوی کیا کہ میں نے اس غلام کو خریدا ہے، اور دوسرے نے دعوی کیا کہ اسی نے مجھے ہبہ میں دیا ہے، اور اس پر قبضہ بھی دے دیا ہے، اور کسی نے تاریخ بیان نہیں کی، تو ہبہ والے کے اس قبضے کے باوجود خریدنے والے کو غلام ملے گا

وجہ : ہبہ ایک کمزور چیز ہے، کیونکہ وہ معاوضہ کے بغیر آتا ہے، چیز پر قبضہ کے بعد تھوڑا مضبوط ہوتا ہے، اور خریدنے میں دونوں جانب سے معاوضہ ہوتا ہے، اس لئے وہ ہبہ سے مضبوط ہے اس لئے یہ چیز خریدنے والے کو دی جائے گی

ترجمہ: ٢ دوسری وجہ یہ ہے کہ خریدنے سے خود ہی ملکیت ہو جاتی ہے، اور ہبہ میں چیز پر قبضہ کر و تب ملکیت ہوتی ہے

تشریح : یہ دوسری دلیل ہے کہ خریدنے کے بعد چاہے چیز پر قبضہ نہ کرے تب بھی اس پر خریدنے والے کی ملکیت ہو جاتی ہے، جبکہ ہبہ سے ملکیت نہیں ہوتی، بلکہ اس پر قبضہ ہو جائے تب جا کر ملکیت ہوتی ہے، اس لئے ہبہ کا معاملہ کمزور ہے، اس لئے ہبہ والے کو نہیں دی جائے گی، خریدنے والے کو دی جائے گی

ترجمہ: ٣ اسی طرح ایک آدمی خریدنے کا دعوی کرے، اور دوسرا آدمی صدقہ اور اس پر قبضہ کرنے کا دعوی کرے (تو خریدنے والے کا حق ہے)

اصول: یہاں بھی یہی اصول ہے کہ خریدنے کے مقابلے پر صدقہ اور چیز پر قبضہ کا درجہ کم ہے

تشریح : ایک مدعی نے یہ دعوی کیا کہ میں نے زید سے یہ غلام خریدا ہے، اور دوسرے نے دعوی کیا کہ زید نے ہی مجھکو

لِمَا بَيَّنَّا

(۷۶۴) (وَالْهِبَةُ وَالْقَبْضُ وَالصَّدَقَةُ مَعَ الْقَبْضِ سَوَاءٌ حَتَّى يَقْضِيَ بَيْنَهُمَا) ۱ لِاسْتِوَائِهِمَا فِي وَجْهِ التَّبَرُّعِ، ۲ وَلَا تَرْجِيحَ بِاللُّزُومِ لِأَنَّهُ يَرْجِعُ إِلَى الْمَآلِ وَالتَّرْجِيحُ بِمَعْنًى قَائِمٍ فِي الْحَالِ، ۳ وَهَذَا فِيمَا

صدقہ دیا ہے، اوراس پر قبضہ بھی دیا ہے، تو یہ غلام خریدنے والے کو دیا جائے گا، کیونکہ خریدنے میں دونوں جانب سے معاوضہ ہے، اور صدقہ میں تبرع اور احسان ہے، اس لئے خریدنے والے کا حق زیادہ ہے، اس لئے اسی کو دیا جائے گا

ترجمہ: (۷۶۴) ایک نے دعوی کیا ہبہ کے ساتھ قبضے کا، اور دوسرے نے دعوی کیا قبضے کے ساتھ صدقے کا، تو دونوں برابر درجے کے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دونوں کے درمیاں برابر (یعنی آدھے آدھے) کا فیصلہ کیا جائے گا

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ دونوں میں احسان کے طور پر دینے میں برابر ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ہبہ اور صدقہ دونوں کا درجہ برابر ہے، کیونکہ دونوں احسان کے طور پر دیے جاتے ہیں

تشریح: ایک مدعی نے دعوی کیا کہ زید نے مجھے ہبہ کیا ہے، اور قبضہ بھی دیا ہے، اور دوسرے نے دعوی کیا کہ مجھے زید نے صدقہ کیا ہے، اور قبضہ بھی دیا ہے، تو دونوں کا درجہ برابر ہے، اور دونوں کو آدھا آدھا غلام کا فیصلہ کیا جائے گا

وجہ: کیونکہ دونوں ہی میں معاوضہ نہیں ہوتا، بلکہ دونوں ہی میں احسان اور تبرع کے طور پر دیا جاتا ہے، اس لئے دونوں برابر ہیں

ترجمہ: ۲ صدقہ بعد میں لازم ہو جاتا ہے اس کو ترجیح نہیں دی جائے گی، اس لئے کہ وہ بہت بعد میں لازم ہوتا ہے، اور ابھی قائم ہو اس کو ترجیح دی جاتی ہے

تشریح: یہ جملہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ صدقہ شروع میں صدقہ ہے، لیکن قبضہ کرنے کے بعد لازم ہو جاتا ہے، اس لئے یہ ہبہ سے بہتر ہو گیا، اس لئے صدقہ، اور ہبہ دونوں کے دعوی کرنے والے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم نہیں کرنا چاہئے۔ متن میں اس کا جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ۔ صدقہ شروع میں فی الحال ہبہ کی طرح ہی لازم نہیں ہے، بہت بعد میں یہ لازم ہوتا ہے، اس لئے صدقہ اور ہبہ دونوں کا درجہ برابر ہے

لغت: و لا ترجیح باللزوم : یہاں لزوم کا معنی ہے کہ، صدقہ شروع میں تبرع اور احسان ہوتا ہے، اور قبضہ کرنے کے بعد وہ لازم ہو جاتا ہے۔ المآل: انجام کے اعتبار سے لمعنی قائم فی الحال: معنی کا ترجمہ ہے، صفت، یعنی صدقے کے ساتھ ابھی جو صفت قائم ہے

ترجمہ: ۳ جس چیز میں تقسیم کا احتمال نہیں ہے، اس میں آدھا آدھا کا فیصلہ صحیح ہے

تشریح: ہبہ کا قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز تقسیم ہو سکتی ہے اس کو تقسیم کر کے قبضہ دو گے تب جا کر ہبہ درست ہے، ورنہ نہیں۔ اور جو چیز تقسیم نہیں ہو سکتی، جیسے چکی، وہ چونکہ تقسیم ہو ہی نہیں سکتی ہے اس لئے مشترک ہبہ بھی جائز ہے۔۔ متن میں یہ بتا رہے ہیں

لَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ صَحِيحٌ، ٤؎ وَكَذَا فِيمَا يَحْتَمِلُهَا عِنْدَ الْبَعْضِ لِأَنَّ الشُّيُوعَ طَارِءٌ. ٥؎ وَعِنْدَ الْبَعْضِ لَا يَصِحُّ لِأَنَّهُ تَنْفِيذُ الْهِبَةِ فِي الشَّائِعِ .

(٧٦٥) قَالَ (وَإِذَا ادَّعَى أَحَدُهُمَا الشِّرَاءَ وَادَّعَتِ امْرَأَةٌ أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا عَلَيْهِ فَهُمَا سَوَاءٌ) ١؎ لِاسْتِوَائِهِمَا فِي الْقُوَّةِ فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُعَاوَضَةٌ يُثْبِتُ الْمِلْكَ بِنَفْسِهِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ.

کہ جو چیز تقسیم نہیں ہوسکتی ہے اس میں صدقہ اور ہبہ کا دعوی کرنے والے میں آدھا آدھا تقسیم کر دینا جائز ہے، کیونکہ اس میں تقسیم کے بغیر بھی ہبہ جائز ہے

ترجمہ :۴؎ ایسے ہی جو چیز تقسیم ہوسکتی ہے اس میں آدھا آدھا دینے کا فیصلہ کرنا صحیح ہے بعض کے نزدیک، اس لئے کہ شیوع ہونا بعد میں آئے گا

تشریح : جو چیز تقسیم ہوسکتی ہے اس میں بھی ہبہ والے کو آدھا دے دینا بعض کے نزدیک جائز ہے

وجہ : اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ، یہاں جو قاضی آدھے آدھے کا فیصلہ کر رہے ہیں، اس ہبہ کی چیز مشاع ہو جائے گی، اس کا اثر ابھی ظاہر نہیں ہوگا، جب تقسیم کرنے لگے گا تب اس کا اثر ظاہر ہوگا، اس لئے بعض کے نزدیک یہ صورت جائز ہے

لغت: شیوع: شرکت میں کسی چیز کے ہونے کو مشاع، کہتے ہیں۔ طار: بعد میں طاری ہو

ترجمہ:۵؎ اور بعض حضرات کے نزدیک آدھے آدھے کا فیصلہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ ہبہ کو مشترک چیز میں نافذ کرنا ہے

تشریح :، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ایسی چیز جو تقسیم ہوسکتی ہو، اس میں صدقہ اور ہبہ کے دعوی میں قاضی آدھے آدھے کا فیصلہ نہیں کرسکتا، کیونکہ مشترک چیز میں ہبہ کا فیصلہ کرنا لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے

ترجمہ: (٧٦٥) ایک نے دعوی کیا غلام کے خریدنے کا، اور عورت نے دعوی کیا کہ مہر میں اسی غلام پر نکاح ہوا ہے، تو ان دونوں کا حکم برابر ہے

ترجمہ:١؎ اس لئے کہ قوت کے اعتبار سے دونوں برابر درجے کے ہیں، اس لئے کہ دونوں عقد معاوضہ ہیں، اور خود عقد سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔ اور یہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں ہے

اصول: اول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ خریدنا اور نکاح کرنا ایک ہی درجے میں ہیں، کیونکہ دونوں معاوضہ والے عقد ہیں، اور خود ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، یہ نہیں ہے کہ چیز پر قبضہ کرے تب ملکیت ہوگی، جیسے ہبہ میں ہوتا ہے

تشریح : زید کے پاس ایک غلام ہے، عمر نے یہ دعوی کیا کہ میں نے اس کو زید سے خریدا ہے، اور ایک عورت دعوی کرتی ہے کہ زید نے مجھ سے نکاح کیا ہے اور یہی غلام مہر میں دیا ہے، تو اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غلام میں دونوں کے حق برابر ہیں، اور غلام آدھا آدھا ہو جائے گا

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ خریدنا اور نکاح کرنا دونوں عقد معاوضہ ہیں، اور دونوں میں عقد کرتے ہی ملکیت ہو جاتی ہے، اس

۲ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: الشِّرَاءُ أَوْلَى وَلَهَا عَلَى الزَّوْجِ الْقِيمَةُ لِأَنَّهُ أَمْكَنَ الْعَمَلُ بِالْبَيِّنَتَيْنِ بِتَقْدِيمِ الشِّرَاءِ، إِذِ التَّزَوُّجُ عَلَى عَيْنٍ مَمْلُوكَةٍ لِلْغَيْرِ صَحِيحٌ وَتَجِبُ قِيمَتُهُ عِنْدَ تَعَذُّرِ تَسْلِيمِهِ.

(٦٦٧) (وَإِذَا ادَّعَى أَحَدُهُمَا رَهْنًا وَقَبْضًا وَالْآخَرُ هِبَةً وَقَبْضًا وَأَقَامَا بَيِّنَةً فَالرَّهْنُ أَوْلَى) ۱ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ،

لئے دونوں کے حقوق برابر ہیں، اور غلام آدھا آدھا ہو جائے گا

ترجمہ : ۲ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ خریدنا زیادہ بہتر ہے، اور شوہر پر غلام کی قیمت لازم ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں گواہوں پر عمل کرنا ممکن ہے، اس طرح کہ خریدنے کو مقدم قرار دیا جائے، کیونکہ دوسرے کے مملوک چیز پر نکاح کرنا صحیح ہے، اور وہ چیز نہ دے سکے تو اس کی قیمت واجب ہوتی ہے

تشریح : امام محمدؒ نے فرمایا کہ خریدنا نکاح سے افضل ہے، اس لئے غلام خریدنے والے کو دیا جائے گا۔ اور یوں کہا جائے گا، کہ پہلے عمر نے غلام خریدا، پھر زید نے دوسرے کے غلام پر نکاح کر لیا، اور دوسرے کے مال پر نکاح کرنا جائز ہے، اس لئے اس سے نکاح ہو جائے گا، البتہ یہ دوسرے کا غلام ہے، اس لئے اس کو نہیں دے سکے گا تو اس غلام کی قیمت دے گا۔

لغت ::اذا التزوج علی عین مملوک للغیر صحیح :اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ غیر کے مال پر نکاح ہو جاتا ہے، البتہ وہ نہیں دے گا تو اس کی قیمت دے گا

ترجمہ :(٦٦٧)ایک نے دعوی کیا قبضے کے ساتھ رہن کا۔ اور دوسرے نے دعوی کیا قبضے کے ساتھ ہبہ کا، اور دونوں نے بینہ پیش کر دئے، تو رہن زیادہ بہتر ہے

ترجمہ: ۱ یہ احسان کا تقاضہ ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ رہن ہبہ سے زیادہ قوی ہے

نوٹ : یہاں تین قاعدے ہیں انکو سمجھئے۔ پہلا قاعدہ یہ ہے کہ ہبہ میں قبضے کے بعد اس چیز کا مالک بن جاتا ہے، اور رہن کا مال تو صرف قبضے میں ہوتا ہے رہن رکھنے والا اس کا مالک نہیں بنتا۔۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جو مال رہن پر رکھا ہے، ہلاک ہونے پر اس کا ضمان دینا ہوگا۔ لیکن جو مال ہبہ میں دیا گیا ہے، ہلاک ہونے پر موہوب لہ پر اس کا ضمان نہیں ہے، اس اعتبار سے رہن زیادہ قوی ہے۔ تیسرا قاعدہ ہے کہ اس شرط پر ہبہ کرے کہ اس کا عوض دو، تو یہ انجام کے طور پر بیع ہے، کیونکہ دونوں طرف عوض ہے، اس اعتبار سے دیکھیں تو ہبہ اقوی ہے

تشریح : ایک مدعی نے یہ دعوی کیا کہ یہ غلام میرے پاس زید نے رہن پر رکھا ہے، اور اس پر میرا قبضہ بھی ہے، اور دوسرے نے دعوی کیا کہ یہ غلام مجھے زید نے ہبہ کیا ہے، اور اس پر میرا قبضہ بھی ہے، اور دونوں نے بینہ پیش کیا تو تو رہن زیادہ بہتر ہے، اور غلام کو اسی کو دے دیا جائے گا، اور یہ استحسان کا تقاضہ ہے

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ رہن کی چیز رہن رکھنے والے کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت لازم ہوتی ہے، اس لئے

۲ وَفِي الْقِيَاسِ الْهِبَةُ أَوْلَى لِأَنَّهَا تُثْبِتُ الْمِلْكَ وَالرَّهْنُ لَا يُثْبِتُهُ . ۳ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ الْمَقْبُوضَ بِحُكْمِ الرَّهْنِ مَضْمُونٌ وَبِحُكْمِ الْهِبَةِ غَيْرُ مَضْمُونٍ وَعَقْدُ الضَّمَانِ أَقْوَى . ۴ بِخِلَافِ الْهِبَةِ بِشَرْطِ الْعِوَضِ لِأَنَّهُ بَيْعُ انْتِهَاءٍ وَالْبَيْعُ أَوْلَى مِنَ الرَّهْنِ لِأَنَّهُ عَقْدُ ضَمَانٍ يُثْبِتُ الْمِلْكَ صُورَةً وَمَعْنًى، وَالرَّهْنُ لَا يُثْبِتُهُ إِلَّا عِنْدَ الْهَلَاكِ مَعْنًى لَا صُورَةً ۵ فَكَذَا الْهِبَةُ بِشَرْطِ الْعِوَضِ

رہن زیادہ مضبوط ہے، اور ہبہ کی چیز موہولہ سے ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان نہیں ہے، اس لئے وہ رہن سے کمزور ہے، اس لئے غلام رہن والے کو دیا جائے گا

ترجمہ: ۲ اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہبہ زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ ہبہ سے موہوب لہ کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔ اور رہن سے مرتہن کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی

تشریح: قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہبہ زیادہ قوی ہو، اور ہبہ کے دعوی کرنے والے کو غلام دیا جائے، کیونکہ ہبہ میں موہوب لہ کی ملکیت ہوتی ہے، اور رہن میں جس کے پاس رہن رکھا ہے اس کی ملکیت نہیں ہوتی، صرف وثیقہ کے لئے رہن کی چیز رکھتے ہیں، اس لئے قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہبہ زیادہ قوی ہو

ترجمہ: ۳ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ رہن کی وجہ سے جو قبضہ ہوتا ہے، اس کے ہلاک ہونے پر ضمان لازم ہوتا ہے۔ اور ہبہ کی وجہ سے جو قبضہ ہوتا ہے، اس کے ہلاک ہونے پر ضمان لازم نہیں ہوتا ہے، اور ضمان کا عقد زیادہ قوی ہوتا ہے۔ (اس لئے رہن زیادہ قوی ہے)

تشریح: اوپر تھا کہ استحسان کی وجہ سے رہن ہبہ سے زیادہ قوی ہو، اس کی تفصیل بیان کر رہے ہیں کہ رہن میں ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان لازم ہوتا ہے، ہبہ میں ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان نہیں ہے، اور ضمان والا عقد قوی ہے، اس لئے رہن والے کو غلام دیا جائے

ترجمہ: ۴ بخلاف بدلے کی شرط پر ہبہ کیا ہو (تو وہ رہن سے قوی ہے) اس لئے کہ یہ ہبہ انجام کے طور پر بیع ہے، اور بیع رہن سے قوی ہوتی ہے، اس لئے یہ عقد ضمان والا ہے اور اس سے صورت میں بھی ملکیت ثابت ہوتی ہے، اور معنی بھی ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ اور رہن میں چیز کے ہلاک ہونے کے وقت معنی ملکیت ثابت ہوتی ہے، صورت کے اعتبار سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی

تشریح: اس شرط پر واہب نے ہبہ کی کہ اس کے بدلے میں کچھ دیں گے، تو یہ الفاظ کے اعتبار سے ہبہ ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ بیع ہے، اور بیع عقد ضمان ہے، اس میں صورت کے اعتبار سے مشتری کی ملکیت ثابت ہوتی ہے، اور معنی کے اعتبار سے بھی، اس لئے ہبہ بشرط عوض رہن سے قوی ہوگا۔ اور رہن کا حال یہ ہے کہ شیء مرہون ہلاک ہو جائے تب رہن رکھنے والے پر ضمان لازم ہوتا ہے، اور وہاں معنوی طور پر راہن کی ملکیت ثابت ہوتی ہے، صورت کے اعتبار سے وہ ملکیت بھی ثابت نہیں ہوتی، اس لئے رہن ہبہ بالعوض سے کم تر ہے

ترجمہ: ۵ اسی طرح ہبہ عوض کی شرط پر ہو تو انجام میں بیع ہو جاتی ہے

تشریح: ہبہ عوض کی شرط پر کرے تو یہ انجام میں بیع ہو جاتی ہے، صورت، اور معنی دونوں طریقوں سے مشتری کی ملکیت ہو جاتی ہے، جیسے رہن ہلاک ہو جائے اور راہن کو قیمت دینی پڑے تو انجام کار معنی اس کی ملکیت ہو جاتی ہے

(۷۶۷) (وَإِنْ أَقَامَ الْخَارِجَانِ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمِلْكِ وَالتَّارِيخِ فَصَاحِبُ التَّارِيخِ الْأَقْدَمِ أَوْلَى) لِ لِأَنَّهُ أَثْبَتَ أَنَّهُ أَوَّلُ الْمَالِكَيْنِ فَلَا يَتَلَقَّى الْمِلْكَ إِلَّا مِنْ جِهَتِهِ وَلَمْ يَتَلَقَّ الْآخَرُ مِنْهُ .

(۷۶۸) قَالَ: (وَلَوْ ادَّعَيَا الشِّرَاءَ مِنْ وَاحِدٍ) (مَعْنَاهُ مِنْ غَيْرِ صَاحِبِ الْيَدِ)(وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ عَلَى تَارِيخَيْنِ فَالْأَوَّلُ أَوْلَى) لِ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ أَثْبَتَهُ فِي وَقْتٍ لَا مُنَازِعَ لَهُ فِيهِ

ترجمه: (۷۶۷) دوغیر مقبوض آدمیوں نے مطلق ملک پر بینہ پیش کیا، اور تاریخ بھی بتائی، تو جس نے مقدم تاریخ بتائی یہ چیز اس کی ہوگی

ترجمه: لِ اس لئے کہ اس نے ثابت کیا کہ میں مقدم مالک ہوں، اور اب اسی کی جانب سے ملکیت مل سکتی تھی، اور اس سے ملکیت ملی نہیں (اس لئے یہ چیز اسی کی ہوگی)

تشریح: اوپر میں جو مسئلے تھے ان میں یہ تھا کہ ملکیت کس بنیاد پر ہوئی ہے خریدنے سے یا ہبہ سے اس کو بیان کیا ہے، یہاں مسئلہ یہ ہے کہ یوں کہتا ہے کہ یہ چیز میری ملکیت ہے، لیکن کیسے مالک بنا ہے خریدنے کی وجہ سے یا ہبہ کی وجہ سے اس کو بیان نہیں کیا، اور تاریخ بھی بیان کی تو جس کی تاریخ مقدم ہو یہ چیز اس کو دی جائے گی

وجه: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ جب پہلے ہی یہ چیز اس کی ہوگئی، تو اب وہ کسی کی ملکیت میں دے گا تب جا کر دوسرے کی ملکیت بنے گی، اور اس نے دوسرے کی ملکیت میں دی نہیں ہے تو دوسرے مدعی کی ملکیت کیسے ہوگی، اس لئے یہ چیز پہلے مدعی کی ملکیت ہوگی۔ (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن سمرة بن جندب عن النبی ﷺ قال اذا بیع البیع من رجلین فالبیع للاول** (ابن ماجہ شریف، باب اشتراط الخلاص ص ۳۳۵ نمبر ۲۳۴۴، کتاب الاحکام)

اس حدیث میں ہے کہ جس سے پہلے بیچا بیع اس سے ہوگئی۔ اس لئے جس کی تاریخ مقدم ہوئی چیز اس کی ہوگی

لغت: یتلقی الملک: تلقی کا ترجمہ ہے ، پانا، حاصل کرنا، تلقی الملک: ملکیت حاصل کرنا

ترجمه: (۷۶۸) دو آدمیوں نے ایک ہی آدمی سے خریدنے کا دعوی کیا (، اس کا معنی یہ ہے کہ یہ چیز جس کے قبضے میں نہیں تھی اس سے خریدنے کا دعوی کیا) اور دونوں نے دو تاریخوں پر بینہ پیش کیا، تو جس کی تاریخ مقدم ہوگی تو اس کو دینا بہتر ہے

ترجمه: لِ اس دلیل کی بنا پر جو میں نے پہلے بیان کیا، اور وہ یہ ہے کہ مقدم تاریخ والے نے ایسے وقت میں اپنی چیز ثابت کی جس وقت میں کسی اور کا دعوی ہی نہیں تھا

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مقدم تاریخ پر کسی کا دعوی نہیں ہوتو چیز اس کو دی جائے گی

تشریح: دو آدمیوں نے ایک ہی آدمی سے خریدنے کا دعوی کیا اور دونوں نے اپنی اپنی تاریخ پر گواہی پیش کی تو جس کی تاریخ مقدم ہوگی یہ چیز اسی کی ہوگی، کیونکہ جس وقت پہلے والے نے خریدی ہے اس وقت کوئی جھگڑا کرنے والا نہیں تھا، اس لئے چیز اسی کی ہوگی

(۷۶۹) (وَإِنْ أَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الشِّرَاءِ مِنْ آخَرَ وَذَكَرَا تَارِيخًا) لِ فَهُمَا سَوَاءٌ؛ لِأَنَّهُمَا يُثْبِتَانِ الْمِلْكَ لِبَائِعِهِمَا فَيَصِيرُ كَأَنَّهُمَا حَضَرَا ثُمَّ يُخَيَّرُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَمَا ذَكَرْنَا مِنْ قَبْلُ

(۷۷۰) (وَلَوْ وَقَّتَتْ إِحْدَى الْبَيِّنَتَيْنِ وَقْتًا وَلَمْ تُوَقِّتْ الْأُخْرَى قَضَى بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ) لِ لِأَنَّ تَوْقِيتَ إِحْدَاهُمَا لَا يَدُلُّ عَلَى تَقَدُّمِ الْمِلْكِ؛ لِجَوَازِ أَنْ يَكُونَ الْآخَرُ أَقْدَمَ،

ترجمہ:(۷۶۹)اوراگردوآدمیوں نے اس بات پر بینہ قائم کیا کہ مقبوض کے علاوہ الگ الگ آدمیوں سے خریدا ہے،اور دونوں نے ایک ہی تاریخ بیان کی تو دونوں کو برابر غلام ملے گا

ترجمہ:لِ اس لئے کہ دونوں نے اپنے اپنے بیچنے والے کے لئے ملکیت ثابت کی ہیں،تو ایسا ہو گیا کہ دونوں بیچنے والے حاضر ہوئے (تو دونوں کو آدھی آدھی قیمت میں آدھے آدھے ملیں گے)اور دونوں کو اختیار ہوگا کہ لے یا چھوڑ دے،جیسا کہ پہلے ہم نے بیان کیا ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ غیر کے لئے ملکیت ثابت کرے تو دونوں کو آدھا آدھا مل جائے گا

تشریح: دوآدمیوں نے یہ دعوی کیا کہ یہ غلام قبضہ والے آدمی سے نہیں خریدا ہے، بلکہ ایک نے کہا کہ زید سے خریدا ہوں ،اور دوسرے نے کہا کہ عمر سے خریدا ہوں،اور دونوں نے ایک ہی تاریخ بیان کی ،تو چونکہ یہاں مقدم یا موخر تاریخ نہیں ہے، ایک ہی تاریخ ہے اس لئے دونوں کی ملکیت ایک ہی تاریخ میں ہوئی ہے،اس لئے دونوں کو آدھا آدھا ملے گا،اور یوں سمجھا جائے گا دونوں بیچنے والے قاضی کے سامنے حاضر ہوئے،اور ایک ہی تاریخ میں خریدنا ثابت کیا،اس لئے آدھا آدھا ملے گا، اور آدھی آدھی قیمت دینی ہوگی۔پھر دونوں مدعیوں کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو لے،اور چاہے تو چھوڑ دے،جیسا کہ پہلے بیان ہوا

وجہ: اس حدیث میں ہے کہ ترجیح کے لئے کوئی علامت نہ ہو تو دونوں کو آدھا آدھا ملے گا ۔عن ابی موسی الاشعری... ان رجلین ادعیا بعیرا علی عهد النبی ﷺ فبعث کل واحد منهما شاهدین فقسمه النبی ﷺ بینهما نصفین (ابوداؤدشریف، باب الرجلین یدعیان شیئا ولیس لهما بینة ص ۵۱۴ نمبر ۳۶۱۵)

اس حدیث میں دونوں کو آدھا آدھا دیا گیا۔

ترجمہ:(۷۷۰)اوراگرایک مدعی نے تاریخ بیان کی اور دوسرے نے تاریخ بیان نہیں کی تب بھی دونوں کے درمیان غلام آدھا آدھا ہوگا

ترجمہ:لِ اس لئے ایک کے تاریخ بیان کرنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے اس کی ملکیت دوسرے سے مقدم ہے، اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ جس نے تاریخ بیان نہیں کی اسی کا خریدنا مقدم ہو۔

تشریح: دومدعی نے دوالگ الگ آدمیوں سے خریدنے کا دعوی کیا،ایک نے تاریخ بیان کی،اور دوسرے نے تاریخ بیان نہیں کی تب بھی دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دوالگ الگ آدمیوں سے خریدا ہے اس سے یہ پتہ نہیں چلے گا کہ جس نے تاریخ بیان نہیں

۲ بِخِلافِ مَا إذَا كَانَ الْبَائِعُ وَاحِدًا لِأَنَّهُمَا اتَّفَقَا عَلَى أَنَّ الْمِلْكَ لا يُتَلَقَّى إلَّا مِنْ جِهَتِهِ، فَإِذَا أَثْبَتَ أَحَدُهُمَا تَارِيخًا يَحْكُمُ بِهِ حَتَّى يَتَبَيَّنَ أَنَّهُ تَقَدَّمَه شِرَاءُ غَيْرِهِ. ۳ وَلَوْ ادَّعَى أَحَدُهُمَا الشِّرَاءَ مِنْ رَجُلٍ وَالْآخَرُ الْهِبَةَ وَالْقَبْضَ مِنْ غَيْرِهِ وَالثَّالِثُ الْمِيرَاثَ مِنْ أَبِيهِ وَالرَّابِعُ الصَّدَقَةَ وَالْقَبْضَ مِنْ آخَرَ قَضَى بَيْنَهُمْ أَرْبَاعًا) لِأَنَّهُمْ يَتَلَقَّوْنَ الْمِلْكَ مِنْ بَاعَتِهِمْ فَيُجْعَلُ كَأَنَّهُمْ حَضَرُوا وَأَقَامُوا الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ.

کی اس نے دوسرے آدمی سے پہلے خریدا ہے یا بعد میں، بہت ممکن ہے کہ اس نے تاریخ بیان کرنے والے سے بھی پہلے خریدا ہو، اس امکان کی وجہ سے دونوں کے لئے آدھے آدھے غلام کا فیصلہ کیا جائے گا

ترجمہ : ۲ بخلاف اگر ایک ہی آدمی سے دونوں مدعیوں نے خریدنے کا دعوی کیا ہو (تو پہلے کے لئے پورا غلام ہوگا دوسرے کے لئے نہیں) اس لئے کہ دونوں نے اتفاق کیا ہے کہ ملکیت ایک ہی بائع سے حاصل ہو سکتی ہے، پس جب ایک مدعی نے تاریخ ثابت کر دی تو اس پر فیصلہ کر دیا جائے گا، جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ دوسرے مدعی نے اس سے بھی پہلے خریدا ہے

تشریح : بخلاف اگر یوں دعوی ہو کہ ہم دونوں نے ایک ہی آدمی سے خریدا ہے، اور ایک نے تاریخ بیان کی اور دوسرے نے تاریخ بیان نہیں کی تو جس نے تاریخ بیان کی اس کے لئے غلام کا فیصلہ ہو جائے گا، اور چونکہ ایک ہی آدمی کا غلام ہے، اور اسی سے دوسرے مدعی کو بھی غلام مل سکتا تھا، اور اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ پہلے مدعی سے بھی پہلے اس دوسرے مدعی نے خریدا ہے، اس لئے دوسرے مدعی کے لئے کچھ فیصلہ نہیں ہوگا، نہ آدھے غلام کا نہ پورے غلام کا۔

لغت: حتی یتبین انه تقدمه شراء غیره : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ۔ جب تک گواہ کے ذریعہ یہ بات واضح نہ ہو جائے کہ اس دوسرے مدعی نے پہلے مدعی سے بھی پہلے غلام خریدا ہے اس وقت تک دوسرے مدعی کے لئے غلام کا فیصلہ نہیں ہوگا۔ اور اس میں آدھا آدھا غلام بھی نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۳ اور اگر ایک نے ایک آدمی سے خریدنے کا دعوی کیا، دوسرے مدعی نے دوسرے آدمی سے ہبہ اور اس پر قبضے کا دعوی کیا، اور تیسرے مدعی نے تیسرے آدمی سے اپنے باپ کی میراث کا دعوی کیا۔ اور چوتھے مدعی نے چوتھے آدمی سے صدقہ اور اس پر قبضے کا دعوی کیا، تو چاروں مدعیوں کے لئے چوتھائی چوتھائی غلام کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ ان چاروں نے الگ الگ چار آدمیوں سے ملکیت حاصل کی ہیں، تو ایسا سمجھا جائے گا کہ، چاروں آدمی حاضر ہوئے، اور مطلق ملک پر گواہی پیش کی۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک ہی چیز میں چار الگ الگ آدمیوں کے لئے ملکیت ثابت کی، اور کسی کے لئے تاریخ متعین نہیں کی تو چاروں کے لئے ایک ایک چوتھائی کا فیصلہ کیا جائے گا

تشریح : ایک آدمی نے دعوی کیا کہ میں نے زید سے اس کا غلام خریدا ہے۔ دوسرے آدمی نے دعوی کیا کہ مجھے عمر نے یہ غلام ہبہ کیا ہے، اور اس پر قبضہ بھی دے دیا ہے۔ تیسرے مدعی نے دعوی کیا کہ خالد میرا باپ ہے، اور یہ غلام میرے باپ سے وراثت میں ملا ہے۔ چوتھے مدعی نے دعوی کیا کہ صادق نے یہ غلام مجھے ہدیہ میں دیا ہے، اور اس پر قبضہ بھی دے دیا ہے۔ تو

(١٧٧) قَالَ: (فَإِنْ أَقَامَ الْخَارِجُ الْبَيِّنَةَ عَلَى مِلْكٍ مُؤَرَّخٍ وَصَاحِبُ الْيَدِ بَيِّنَةً عَلَى مِلْكٍ أَقْدَمَ تَارِيخًا كَانَ أَوْلَى) ١ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ مُحَمَّدٍ.

قاضی چاروں کے لئے چوتھائی چوتھائی غلام کا فیصلہ کرے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چاروں الگ الگ آدمی سے ملکیت حاصل کرنے کا دعوی کررہے ہیں، اور گویا کہ بینہ کے ذریعہ سے چاروں کی ملکیت ثابت کررہے ہیں، تو ایسا سمجھا جائے گا کہ چاروں مالک قاضی کے پاس حاضر ہوئے، اور گواہی کے ذریعہ سے اپنی اپنی ملکیت ثابت کی، اور چونکہ کسی کے پاس مقدم تاریخ نہیں ہے، اس لئے چاروں کی ملکیت برابر درجے کی ہیں، اس لئے چاروں کے لئے چوتھائی چوتھائی غلام کا فیصلہ کردیا جائے گا

ترجمہ: (١٧٧) غیر مقبوض آدمی نے اپنی ملکیت پر بینہ پیش کی، اور تاریخ بھی بیان کی، اور جس کے قبضے میں غلام تھا اس نے اپنی ملکیت پر بینہ پیش کی اور پہلے مدعی سے مقدم تاریخ بیان کی تو ان کا حق زیادہ ہے

ترجمہ: ١ یہ ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، اور امام محمدؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے

نوٹ: یہاں چار باتیں یاد رکھیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ جس کا قبضہ ہوتا ہے (جس کو ذوالید، کہتے ہیں)، وہ عام طور پر مدعی علیہ ہوتا ہے، اس لئے اس پر قسم ہوتی ہے، اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ امام محمدؒ نے اسی کو لیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قبضہ والا اگر ایسی گواہی دے جس کے ذریعہ دوسرے کو دفع کرنا مقصود ہو تو وہ گواہی مقبول ہے (اسی کو متن میں۔ **بینة ذی الید علی الدفع مقبولة**، کہا ہے) اور تیسری بات یہ ہے کہ ایک ہے ملک مطلق، اور ایک ہے سبب الملک: ملک مطلق کا مطلب یہ ہے کہ یہ تو کہتا ہے کہ یہ چیز میری ملکیت ہے، لیکن خریدنے سے ملکیت میں آئی یا کس طرح ملکیت میں آئی وہ بیان نہیں کرتا، اس کو ملک مطلق کہتے ہیں۔ اور سبب الملک: کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی بتائے کہ یہ چیز خریدنے کی وجہ سے، یا ہبہ کے ذریعہ سے میری ملکیت میں آئی ہے۔ اور چوتھی بات یہ ہے

تلقی من جهته: اس عبارت کا مطلب ہے کہ اس کی ملکیت ہے، اور اسی سے دوسرے نے ملکیت حاصل کی ہوگی۔

تشریح: یہ مسئلہ پیچیدہ ہے۔ ایک آدمی جس کے قبضے میں غلام نہیں ہے اس نے اپنی ملکیت پر گواہ پیش کیا، اور تاریخ بھی بیان کی، اور دوسرے مدعی کا غلام پر قبضہ ہے اس نے اپنی ملکیت کا دعوی کیا اور بینہ پیش کیا، اور پہلے والے سے بھی مقدم تاریخ بیان کی، تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ جس کی تاریخ مقدم ہے غلام اس کا ہوگا، اور امام محمدؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے

وجہ: یہ بات تسلیم ہے کہ جس کا قبضہ ہوتا ہے اس پر قسم ہوتا ہے، اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی، لیکن یہاں دو باتیں ہیں جن کی وجہ سے قبضے والے کی گواہی قبول کی جائے گی۔ ایک تو یہ کہ اس کی تاریخ مقدم ہے، اس لئے غلام اسی کا ہوگا، اور جس نے تاریخ بیان نہیں کی، اس نے اس مقدم تاریخ والے سے غلام کی ملکیت حاصل کی ہوگی، اور اس ملکیت حاصل کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اس لئے غلام مقدم تاریخ والے کا ہوگا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ مطلق ملک پر گواہی ہے، اس میں یہ بیان نہیں کیا ہے کہ خریدنے سے یا ہبہ کرنے سے اس کی ملکیت میں آیا

٢ وَعَنْهُ أَنَّهُ لا يُقْبَلُ بَيِّنَةُ ذِي الْيَدِ رَجَعَ إِلَيْهِ لِأَنَّ الْبَيِّنَتَيْنِ قَامَتَا عَلَى مُطْلَقِ الْمِلْكِ وَلَمْ يَتَعَرَّضَا لِجِهَةِ الْمِلْكِ فَكَانَ التَّقَدُّمُ وَالتَّأَخُّرُ سَوَاءً. ٣ وَلَهُمَا أَنَّ الْبَيِّنَةَ مَعَ التَّارِيخِ مُتَضَمِّنَةٌ مَعْنَى الدَّفْعِ، فَإِنَّ الْمِلْكَ إِذَا ثَبَتَ لِشَخْصٍ فِي وَقْتٍ فَثُبُوتُهُ لِغَيْرِهِ بَعْدَهُ لا يَكُونُ إِلَّا بِالتَّلَقِّي مِنْ جِهَتِهِ وَبَيِّنَةُ ذِي الْيَدِ عَلَى الدَّفْعِ مَقْبُولَةٌ، ٤ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ لَوْ كَانَتْ الدَّارُ فِي أَيْدِيهِمَا وَالْمَعْنَى مَا بَيَّنَّا،

ہے۔اس لئے اس گواہی کے ذریعہ دوسرے کی گواہی کو دفع کرنا ہے،اور قاعدہ یہ ہے کہ قبضے والے کی گواہی ایسی ہو جس سے دوسرے کو دفع کرنا مقصود ہو تو وہ گواہی قبول ہوتی ہے،اس لئے یہاں قبضے والے کی گواہی قبول کی جائے گی،اور غلام قبضے والے کو ملے گا

ترجمہ: ٢ امام محمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ قبضے والے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی،اور اسی روایت کی طرف وہ رجوع کر گئے تھے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں نے مطلق ملک پر گواہی دی ہے،کس طرح سے ملکیت میں آیا ہے اس کا ذکر نہیں کیا ہے(یعنی یہ بیان نہیں کیا کہ خریدنے کی وجہ سے ملکیت میں آیا ہے،یا ہبہ کی وجہ سے)،اس لئے تاریخ مقدم ہو یا موخر ہو یہ برابر ہے،اس لئے غلام دونوں کے لئے آدھا آدھا ہوگا

ترجمہ: ٣ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ،تاریخ کے ساتھ جو گواہی ہو،اس میں دوسرے مدعی کو دفع کرنا شامل ہے،اس لئے کہ جب کسی خاص وقت میں کسی کی ملکیت ثابت ہو جائے تو دوسرے کو ملکیت اس کے بعد اسی پہلے سے حاصل ہوگی۔اور قبضے والے کی گواہی دفع کے لئے ہو تو وہ مقبول ہے(اس لئے قبضے والے کی گواہی قبول کی جائے گی،اور غلام اسی کا ہوگا)

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ،دوسرے کو دفع کرنے کے لئے گواہی ہو تو قبضے والے کی گواہی بھی مقبول ہے

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ تاریخ کے ساتھ گواہی ہو اس میں دوسرے کو دفع کرنے کا معنی شامل ہے،یعنی اس میں گواہی دینا بھی ہے اور دوسرے کے دعوی کو دفع کرنا بھی شامل ہے،اس لئے ذی الید کی گواہی بھی مقبول ہے۔اور دوسری بات یہ ہے کہ جب پہلے قبضے والے کی ملکیت ثابت ہوگئی تب اب بعد والے کو اسی پہلے والے سے ملکیت حاصل ہوگی،اور وہ ہوئی نہیں اس لئے غلام مقدم تاریخ والے کے لئے ہوگا۔

لغت: متضمنۃ : شامل ہے،دفع کے مضمون کو شامل ہے۔

ترجمہ: ٤ اور اسی اختلاف پر ہے،اگر گھر دونوں کے قبضے میں ہو،اور دلیل وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا

تشریح: اس عبارت کا مطلب یہ ہے۔ایک ہی گھر دو مدعیوں کے قبضے میں ہے،اور دونوں نے ملک مطلق کا دعوی کیا اور تاریخ بیان کی،ایک نے مقدم تاریخ بیان کی اور دوسرے نے موخر،تو شیخین کے نزدیک مقدم تاریخ قبول کی جائے گی،اور پورا گھر اس کا ہوگا،کیونکہ اگر چہ یہ ملک مطلق کا دعوی ہے،اور قبضے والے کی گواہی نہیں قبول کرنی چاہئے،لیکن چونکہ اس کی گواہی میں دفع شامل ہے اس لئے اس کو قبول کیا جائے گا،اور پورا گھر مقدم تاریخ والے لئے ہوگا

اور امام محمد کے نزدیک قبضے والے کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے،اس لئے مقدم تاریخ والے کی گواہی بھی مخدوش ہے،اس لئے دونوں مدعیوں کی گواہی برابر درجے کی ہیں،اس لئے دونوں کے لئے آدھے آدھے گھر کا فیصلہ کیا جائے گا

۵؎ وَلَوْ أَقَامَ الْخَارِجُ وَذُو الْيَدِ الْبَيِّنَةَ عَلَى مِلْكٍ مُطْلَقٍ وَوُقِّتَتْ إِحْدَاهُمَا دُونَ الْأُخْرَى فَعَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ الْخَارِجُ أَوْلَى. ٦؎ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ: صَاحِبُ الْوَقْتِ أَوْلَى لِأَنَّهُ أَقْدَمُ وَصَارَ كَمَا فِي دَعْوَى الشِّرَاءِ إِذَا أُرِّخَتْ إِحْدَاهُمَا كَانَ صَاحِبُ التَّارِيخِ أَوْلَى. ٧؎ وَلَهُمَا أَنَّ بَيِّنَةَ ذِي الْيَدِ إِنَّمَا تُقْبَلُ لِتَضَمُّنِهَا مَعْنَى الدَّفْعِ، وَلَا دَفْعَ هَاهُنَا حَيْثُ وَقَعَ الشَّكُّ فِي

ترجمه: ۵؎ غیر مقبوض، اور قبضے والے دونوں نے مطلق ملکیت پر گواہی پیش کی، ان میں سے ایک نے وقت کا تعین کیا، اور دوسرے نے نہیں کیا، تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول پر غیر مقبوض کی گواہی زیادہ بہتر ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ گواہی میں دوسرے کو دفع کرنا شامل نہ ہو تو قبضے والے کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے، بلکہ جس کا قبضہ نہ ہو یعنی خارج، اس کی گواہی زیادہ بہتر ہے

تشریح: ملک مطلق، یعنی ملک کا دعوی تو ہے، لیکن کس طرح ملکیت میں یہ بیان نہیں کرتا، ایسے دو آدمی ملکیت پر گواہی دیتے ہیں، ایک کا قبضہ ہے، دوسرے کا نہیں ہے، پھر ایک تاریخ بیان کرتا ہے، دوسرا بیان نہیں کرتا ہے، تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ جس کا قبضہ نہیں ہے اس کی گواہی قبول کی جائے گی

وجه: اس کی وجہ یہ ہے کہ، یہاں گواہی میں دفعیہ شامل نہیں ہے، اس لئے قبضے والے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، جس کا قبضہ نہیں ہے اس کی گواہی قبول کی جائے گی

ترجمه: ۶؎ اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ، اور امام ابوحنیفہؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے، کہ جس نے وقت بیان کیا اس کی گواہی افضل ہے، اس لئے کہ اس کی ملکیت پہلے ہے، اور ایسا ہو گیا کہ خریدنے کا دعوی کیا ہو اور ان میں سے ایک نے تاریخ بیان کی، تو تاریخ بیان کرنے والا افضل ہے

تشریح: حضرت امام یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ جس نے وقت بیان کیا اس کی گواہی افضل ہے

وجه: اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے وقت بیان کیا اس کی ملکیت پہلے ہے، اس کی مثال یہ دی کہ اگر دو آدمی خریدنے کا دعوی کریں، اور ایک نے خریدنے کی تاریخ بیان کر دی تو چیز اسی کی ہوتی ہے، اسی طرح یہاں جس نے تاریخ بیان کی اس کی گواہی افضل ہو گی

ترجمه: ۷؎ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ قبضے والے کی گواہی اس وقت قبول کی جاتی ہے جب اس میں دفع کرنے کا معنی شامل ہو، اور یہاں دفع کرنے کا معنی شامل نہیں ہے، کیونکہ تاریخ بیان کرنے والے ہی سے ملکیت حاصل ہوئی ہو اس میں شک ہے

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ عام حالات میں قبضے والے کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے، ہاں اس کی گواہی میں دوسرے مدعی کو دفع کرنے کا معنی شامل ہو تب ہی اس کی گواہی افضل ہوتی ہے، یہاں صورت حال یہ ہے کہ ملک مطلق کا دعوی ہے، اور جس نے تاریخ بیان نہیں کی ہے ممکن ہے کہ اس کی ملکیت تاریخ بیان کرنے والے سے بھی پہلے ہو، اور اس سے اپنی ملکیت تاریخ بیان کرنے والے سے حاصل نہیں کی ہو، یہاں یہ شک ہے، اس لئے اس شک کی بنیاد پر قبضے والے

التَّلَقِّي مِنْ جِهَتِهِ، ٨ وَعَلَى هَذَا إِذَا كَانَتُ الدَّارُ فِي أَيُدِيهِمَا ٩ وَلَوُ كَانَتُ فِي يَدِ ثَالِثٍ،الْمَسُأَلَةُ بِحَالِهَا فَهُمَا سَوَاءٌ عِنُدَ أَبِي حَنِيفَةَ ١٠ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: الَّذِي وَقَّتَ أَوُلَى. ١١ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: الَّذِي أَطُلَقَ أَوُلَى لِأَنَّهُ ادَّعَى أَوَّلِيَّةَ الُمِلُكِ بِدَلِيلِ اسُتِحُقَاقِ الزَّوَائِدِ وَرُجُوعِ الُبَاعَةِ بَعُضِهِمُ عَلَى

کی گواہی افضل نہیں ہوگی،اور چیز آدھی آدھی تقسیم ہو جائے گی۔

ترجمه: ٨ اسی اختلاف پر ہے اگر گھر دونوں کے قبضے میں ہو۔

تشریح : گھر دونوں کے قبضے میں ہے،اور اپنی ملکیت کے لئے دونوں نے گواہی دی،اور ایک نے تاریخ بیان کی یہ گھر فلاں تاریخ سے میری ملکیت میں ہے،اور دوسرے نے تاریخ بیان نہیں کی تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تاریخ بیان کرنے والے کی گواہی افضل نہیں ہوگی،اور گھر آدھا آدھا ہو جائے گا۔اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تاریخ بیان کرنے والے کی گواہی افضل ہوگی ،اور پورا گھر تاریخ بیان کرنے والے کو دے دیا جائے گا

ترجمه : ٩ اور اگر گھر کسی تیسرے کے ہاتھ میں ہو،اور مسئلہ پہلے کی طرح ہو (یعنی ملک مطلق کا دعوی ہو،اور ایک نے تاریخ بیان کی اور دوسرے نے تاریخ بیان نہیں کی) تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں کی گواہی برابر درجے کی ہیں

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ مطلق ملک کا دعوی ہے،اس لئے اس میں جو تاریخ بیان کی ہے،تو یہ ممکن ہے کہ جس نے تاریخ بیان نہیں کی ہے،اس کی ملکیت تاریخ بیان کرنے والے سے بھی پہلے ہو،یہ شک ہے،اس شک کی بنا پر تاریخ بیان کرنے والے کی فضیلت نہیں رہی،اس لئے دونوں برابر ہو گئے،اور دونوں کو آدھا آدھا گھر ملے گا

ترجمه: ١٠ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جس نے وقت بیان کیا وہ زیادہ بہتر ہے،

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ جو تاریخ بیان کی اس میں اس مدعی کی ملکیت یقینی ہے۔اور جس نے تاریخ نہیں بیان کی،تو ممکن ہے کہ اس کی ملکیت اس تاریخ سے پہلے بھی ہو سکتی ہے،اور اس تاریخ کے بعد بھی ہو سکتی ہے،یہ دونوں امکان ہیں،اس لئے یقینی ملکیت والے کو ترجیح دی جائے گی،اور پورا غلام تاریخ بیان کرنے والے کا ہوگا

ترجمه: ١١ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جس نے تاریخ بیان نہیں کی اس کی گواہی زیادہ بہتر ہے،اس لئے کہ اس نے مقدم ملکیت ہونے کا دعوی کیا ہے،اس دلیل کی وجہ سے کہ مبیع کی زاید چیزوں مستحق ہوتا ہے،اور بعض بائع بعض پر رجوع کرتے ہیں

تشریح :امام محمد کی دلیل کو سمجھنے کے لئے پہلے ایک قاعدہ سمجھنا ہوگا۔وہ یہ ہے کہ جو آدمی مطلق ملکیت کا دعوی کرتا ہے،وہ تاریخ بیان نہ بھی کرے پھر بھی وہ گویا کہ شروع سے مالک ہونے کا دعوی کرتا ہے،مثلا ایک باندی کے متعلق ملکیت کا دعوی کیا تو شروع سے وہ باندی اس کی مانی جائے گی ،اس درمیان باندی کی اولاد ہوئی ہو وہ اولاد بھی اسی مالک کا شمار کیا جائے گا۔اور اگر وہ باندی کئی مرتبہ بکی ہو تو یہ ابھی کا بائع اپنے سے پہلے بائع سے باندی کی قیمت وصول کرے گا ، پھر وہ اپنے پہلے سے قیمت وصول کرے گا،اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ باندی شروع سے اس مدعی کی باندی مانی جائے گی۔

جب یہ قاعدہ ہے تو مطلق ملکیت کا دعوی کرنے والا شروع سے ملکیت کا دعوی کر رہا ہے،اس لئے اس کی گواہی تاریخ بیان

الْبَعْضِ. ١٢ وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ التَّارِيخَ يُوجِبُ الْمِلْكَ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ بِيَقِينٍ .وَالْإِطْلَاقُ يَحْتَمِلُ غَيْرَ الْأَوَّلِيَّةِ، وَالتَّرْجِيحُ بِالْيَقِينِ؛ كَمَا لَوْ ادَّعَيَا الشِّرَاءَ. ١٣ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ التَّارِيخَ يُضَامُهُ احْتِمَالُ عَدَمِ التَّقَدُّمِ فَسَقَطَ اعْتِبَارُهُ فَصَارَ كَمَا إِذَا أَقَامَا الْبَيِّنَةَ عَلَى مِلْكٍ مُطْلَقٍ، ١٤ بِخِلَافِ الشِّرَاءِ لِأَنَّهُ

کرنے والے سے بھی پہلے ہوئی، اس لئے اس کی گواہی افضل ہوگی

لغت:استحقاق الزوائد: باندی کی اولاد یہ باندی کی زوائد ہیں، اور مطلق ملکیت کا دعوی کرنے والا باندی بھی لے جائے گا، اور باندی کی اولاد کا بھی مستحق ہوگا۔ رجوع الباعة بعضهم على بعض: باعۃ: بائع کی جمع ہے۔ آخری بائع اپنے پہلے بائع سے قیمت وصول کرے گا، اور وہ اپنے سے پہلے بائع سے قیمت وصول کرے گا، اس کو، رجوع الباعة بعضهم على بعض، کہتے ہیں

ترجمہ: ١٢ حضرت امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ تاریخ بیان کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت میں یقینی طور پر اس کی ملکیت ہو چکی ہے، اور تاریخ مطلق چھوڑ دینے سے احتمال ہے کہ اس تاریخ سے پہلے اس کی ملکیت نہ رہی ہو، اس لئے یقینی والے کو ترجیح دی جائے گی، جیسے خریدنے کی بنا پر ملکیت کا دعوی ہو (اور ایک مدعی تاریخ بیان کرے، اور دوسرا بیان نہ کرے تو تاریخ بیان کرنے والے کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہوگا)

تشریح: یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے۔ جس نے تاریخ بیان کی تو جو تاریخ بیان کی اس میں اس مدعی کی ملکیت یقینی ہے، اور جس نے تاریخ بیان نہیں کی ہوسکتا ہے کہ اس کی ملکیت اس تاریخ کے بھی بعد ہو، تو چونکہ بعد میں ہونے کا بھی امکان ہے، اس لئے یقینی ملکیت والے کو ترجیح دی جائے گی۔ اس کی مثال دیتے ہیں کہ ملک مطلق نہ ہو بلکہ خرید کر مالک بننے کا دعوی ہو تو اس میں جس نے تاریخ بیان کی اس کو ترجیح دی جاتی ہے، اسی طرح یہاں ملک مطلق میں بھی جس نے تاریخ بیان کی اس کی گواہی کو ترجیح دی جائے گی۔

ترجمہ: ١٣ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ تاریخ بیان کرنے کے مخالف میں یہ بھی ہے کہ اس کی ملکیت پہلے نہ ہو، اس لئے تاریخ کا اعتبار ساقط ہو گیا، اور ایسا ہو گیا کہ دونوں نے مطلق ملک پر بینہ قائم کی ہو (اور کسی نے بھی تاریخ بیان نہ کی ہو تو دونوں کو آدھا آدھا ملتا ہے، ایسا ہی یہاں ہوگا)

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ تاریخ بیان کرنے کے خلاف عدم تاریخ بھی ہے اس لئے تاریخ کے مقدم ہونے کا اعتبار ساقط ہو گیا، اور ایسا ہو گیا کہ دونوں نے مطلق ملک پر بینہ قائم کیا ہو، اور کسی نے تاریخ نہ کی ہو، اس لئے دونوں کے گواہ برابر درجے کے ہیں، اور دونوں کو آدھا آدھا غلام ملے گا

ترجمہ: ١٤ بخلاف خریدنے کے (اس میں تاریخ بیان کرنے والے کی کی فضیلت ہوگی) اس لئے کہ خریدنا نیا معاملہ ہے اس لئے قریب وقت کی طرف منسوب ہوگا، اس لئے وقت والے کو ترجیح دی جائے گی

تشریح: یہ عبارت امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے۔ انہوں نے خریدنے کے معاملے سے

أَمْرٌ حَادِثٌ فَيُضَافُ إِلَى أَقْرَبِ الْأَوْقَاتِ فَيَتَرَجَّحُ جَانِبُ صَاحِبِ التَّارِيخِ.

(٢٧٧) قَالَ (وَإِنْ أَقَامَ الْخَارِجُ وَصَاحِبُ الْيَدِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةً عَلَى النِّتَاجِ فَصَاحِبُ الْيَدِ أَوْلَى) لِ لِأَنَّ الْبَيِّنَةَ قَامَتْ عَلَى مَا لَا تَدُلُّ عَلَيْهِ الْيَدُ فَاسْتَوَيَا، وَتَرَجَّحَتْ بَيِّنَةُ ذِي الْيَدِ بِالْيَدِ فَيَقْضِي

استدلال کیا تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ خریدنا امر حادث ہے، یعنی نیا معاملہ ہے، اس لئے اس کو قریبی وقت کی طرف پھیرا جائے گا، اس لئے اس میں تاریخ بیان کرنے والے کو ترجیح ہوگی، اور اوپر کے مسئلے میں مطلق دعوی ہے اس لئے اس میں تاریخ بیان کرنے کا اعتبار نہیں ہوگا۔

ترجمہ:(٢٧٧) اگر غیر مقبوض نے اور قبضے والے دونوں نے بچہ پیدا ہونے پر گواہی دی تو جس کا قبضہ ہے اس کی گواہی افضل ہے۔

ترجمہ : لِ اس لئے کہ گواہی اس پر قائم ہوئی ہے جس پر قبضہ دلالت نہیں کرتا ہے اس لئے دونوں گواہی برابر ہو گئے، اور قبضے والے کی گواہی کو ترجیح ہو جائے گی، اس لئے باندی کا فیصلہ اسی کے لئے ہوگا، اور یہی صحیح ہے

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو چیز ایک ہی مرتبہ وجود میں آتی ہے، جیسے بچہ پیدا ہونا، تو جس کے قبضے میں بچہ پیدا ہوا ہے، وہ بچہ اور باندی اسی کی ہوگی

تشریح : دو آدمیوں نے گواہی دی کہ یہ بچہ میرے قبضے میں رہتے ہوئے پیدا ہوا ہے، اور دونوں نے گواہی دی، تو جس کے قبضے میں ابھی ہے بچہ اسی کا ہوگا

وجہ :(١): دونوں گواہ یہ دعوی کر رہے ہیں کہ جب باندی میرے پاس تھی اس وقت بچہ پیدا ہوا ہے، اور بچہ میرا غلام ہے، تو اس سلسلے میں دونوں کی گواہی برابر درجے کی ہیں، البتہ ابھی بچہ جس کے قبضے میں ہے اس کی ایک حیثیت زیادہ ہے کہ ابھی اس کے قبضے میں بچہ ہے، اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ بچہ اسی کے قبضے میں رہتے ہوئے پیدا ہوا ہوگا، کیونکہ بچہ ایک ہی مرتبہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے بچہ اسی کا ہوگا (٢)۔عن جابر ان رجلين اختصما الى النبي ﷺ في ناقة فقال كل واحد منهما نتجت هذه الناقة عندي و اقام بينة فقضى بها رسول الله للذي هي في يده (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدھما ویقیم کل واحد منھما علی ذلک بینۃ، ج عاشر ص ٤٣٣، نمبر ٢١٢٢٤) (٣) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن جابر بن عبد الله ان رجلين تداعيابدابة فاقام كل واحد منهما البينةانها دابته فقضى بها رسول الله ﷺ للذي هي في يديه (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدھما ویقیم کل واحد منھما علی ذلک بینۃ، ج عاشر ص ٤٣٣، نمبر ٢١٢٢٣)

اس حدیث میں جس کا قبضہ تھا اس کو ایک گونہ ترجیح تھی اس لئے حضورؐ نے جانور کا فیصلہ اسی کے لئے فرمایا۔(٣)۔عن الشعبي ...فكتب اليه الشريح ، ليست من التهاتر ، والتكاثر في شيء ، الدابة لمن هي في ايديهم اذا اقاموا بينة ۔(سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدھما ویقیم کل واحد منھما علی ذلک بینۃ، ج عاشر ص ٤٣٣،

لَهُ .وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ ٢ خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ عِيسَى بْنُ أَبَانَ إِنَّهُ تتهَاتَرُ الْبَيِّنَتَانِ وَيُتْرَكُ فِي يَدِهِ لَا عَلَى طَرِيقِ الْقَضَاءِ، ٣ وَلَوْ تَلَقَّى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْمِلْكَ مِنْ رَجُلٍ أَقَامَ الْبَيِّنَةَ عَلَى النِّتَاجِ عِنْدَهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ إِقَامَتِهَا عَلَى النِّتَاجِ فِي يَدِ نَفْسِهِ

(٧٧٣) (وَلَوْ أَقَامَ أَحَدُهُمَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمِلْكِ وَالْآخَرُ عَلَى النِّتَاجِ فَصَاحِبُ النِّتَاجِ أَوْلَى أَيُّهُمَا كَانَ) ١ لِأَنَّ بَيِّنَتَهُ قَامَتْ عَلَى أَوَّلِيَّةِ الْمِلْكِ فَلَا يَثْبُتُ الْمِلْكُ لِلْآخَرِ إِلَّا بِالتَّلَقِّي مِنْ جِهَتِهِ،

نمبر٢١٢٢٧)اس قول تابعی میں بھی ہے کہ جس کے قبضے میں چیز ہے وہ چیز اسی کی ہوگی

لغت: نتاج: بچہ پیدا ہونا

ترجمہ: ٢ حضرت عیسی بن ابان نے اس کے خلاف کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ دونوں گواہیاں بیکار ہوں گی، اور بچہ جس کے ہاتھ میں تھا اسی کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے گا، یہ قضاء قاضی کے طور پر نہیں بلکہ ویسے ہی

تشریح: حضرت عیسی ابن ابان کی وفات ۲۳۱ھ میں ہوئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بغیر قضاء قاضی کے بچہ جس کے ہاتھ میں تھا اسی کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے گا، اور دونوں فریقوں کے گواہ بیکار جائیں گے

ترجمہ: ٣ دو مدعیوں میں سے ہر ایک نے غلام کسی اور سے خریدا ہے، اور دونوں نے یہ گواہی پیش کی کہ یہ غلام میرے بائع کے پاس پیدا ہوا تھا، تو اس کا حکم ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ غلام خود اس کے پاس پیدا ہوا ہو (یعنی جس کے قبضے میں ابھی غلام ہے اسی کی گواہی کا اعتبار ہوگا)

تشریح: اوپر کے مسئلے میں یہ دعوی تھا کہ یہ غلام میرے یہاں پیدا ہوا ہے۔ یہاں یہ دعوی ہے کہ میں نے جس آدمی سے یہ غلام خریدا ہے، اس آدمی کے پاس یہ غلام پیدا ہوا ہے، اور یہ غلام ایک مدعی کے قبضے میں ہے، تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ ابھی جس کے قبضے میں ہوگا اس کی گواہی کو ترجیح دی جائے گی، جس طرح اوپر کے مسئلے میں جس کے قبضے میں غلام تھا اسی کی گواہی کو ترجیح دی گئی تھی، کیونکہ ابھی قبضے میں ہونا اس کے مضبوط ہونے کی دلیل ہے

لغت: تلقی: لقی سے مشتق ہے، وصول کیا، حاصل کیا۔

ترجمہ: (٧٧٣) ایک نے مالک ہونے پر بینہ قائم کیا، اور دوسرے نے اپنے یہاں بچہ پیدا ہونے پر گواہی دی، تو ہر حال میں بچہ پیدا ہونے والے کی گواہی کو ترجیح دی جائے گی

ترجمہ: ١ اس لئے کہ پہلا مالک ہونے پر اس نے گواہی دی ہے۔ اس لئے دوسرے کو اسی پہلے والے سے ملکیت حاصل ہوگی۔ (اور وہ ہوئی نہیں، اس لئے بچہ پیدا ہونے کے لئے یہ چیز ہوگی)

تشریح: ایک آدمی نے یہ گواہی دی کی میرے یہاں یہ غلام پیدا ہوا ہے، اور دوسرے نے یہ گواہی دی کہ میں اس کا مالک ہوں، تو جس نے کہا کہ میرے یہاں غلام پیدا ہوا ہے اسی کے لئے غلام ہوگا

۲ وَكَذٰلِكَ إِذَا كَانَ الدَّعْوَى بَيْنَ خَارِجَيْنِ فَبَيِّنَةُ النِّتَاجِ أَوْلَى لِمَا ذَكَرْنَا

(۷۷۴) (وَلَوْ قَضَى بِالنِّتَاجِ لِصَاحِبِ الْيَدِ ثُمَّ أَقَامَ ثَالِثٌ الْبَيِّنَةَ عَلَى النِّتَاجِ يَقْضِي لَهُ إِلَّا أَنْ يُعِيدَهَا ذُو الْيَدِ) ۱ لِأَنَّ الثَّالِثَ لَمْ يَصِرْ مَقْضِيًّا عَلَيْهِ بِتِلْكَ الْقَضِيَّةِ،

وجه : (۱)غلام پیدا ہونے والے نے یہ گواہی دی کہ میرے یہاں ہی یہ غلام وجود میں آیا ہے، اور میں اس کا پہلا مالک ہوں، اس لئے غلام اسی کا ہوا، اب دوسرے کو اس کے ذریعہ سے یہ غلام ملے گا، اور وہ ملا نہیں ہے، اس لئے دوسرا آدمی اس کا مالک نہیں ہوگا (۲)۔ **عن شریح ان رجلین ادعیا دابة فاقام احدهما البینة و هی فی یده انه نتجها، و اقام الآخر بینة انها دابته عرفها ، فقال شریح الناتج احق من العارف** ۔(سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدھما ویقیم کل واحد منھما علی ذلک بینۃ، ج عاشر، ص ۴۳۳، نمبر ۲۱۲۲۶)اس قول تابعی میں ہے کہ جس کے یہاں پیدا ہوا ہے وہ زیادہ حقدار ہے

ترجمه : ۲ ایسے ہی دعوی دو غیر مقبوض کا ہو تو بچہ جس کے یہاں پیدا ہوا ہے اس کی گواہی زیادہ بہتر ہے، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے ذکر کی (یعنی نتاج والے کی گواہی زیادہ بہتر ہے)

تشریح : دو آدمی ہیں ان دونوں کے قبضے میں غلام نہیں ہے، لیکن ایک دعوی کرتا ہے کہ میرے یہاں غلام پیدا ہوا ہے، اور دوسرا دعوی کرتا ہے کہ یہ غلام میری ملکیت ہے، اور اس پر گواہ پیش کئے تو جس نے اپنے یہاں بچہ پیدا ہونے پر گواہی دی، اس کی گواہی زیادہ بہتر ہے۔ اس کی دلیل اور حدیث اوپر گزر چکی ہے

نوٹ : یہ سب دلیلیں اس وقت ہیں جب اس کے علاوہ کوئی اور علامت نہ ہو تب اس دلیل کو ترجیح دی جائے گی، اور اگر اس سے زیادہ قوی کوئی اور دلیل ہو تو قاضی اس پر فیصلہ کرے گا

ترجمه : (۷۷۴) قبضے والے کے لئے بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے فیصلہ کر دیا گیا، پھر تیسرے نے دعوی کیا کی کہ میرے یہاں یہ بچہ پیدا ہوا تھا، تو اس تیسرے کے لئے بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے، ہاں اگر پہلے قبضے والے نے دوبارہ نتاج پر گواہی دی تو اب قبول کی جائے گی

ترجمه: ۱ اس لئے کہ تیسرے پر یہ فیصلہ صادر نہیں ہوا تھا وہ آزاد تھا

اصول؛ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس پر فیصلہ صادر نہ ہوا ہو وہ پہلے فیصلے کے خلاف دعوی کر سکتا ہے

تشریح : زید نے اپنے یہاں غلام پیدا ہونے کا دعوی کیا تھا، اس پر گواہی دی تھی، اور اس کا قبضہ بھی تھا، اس لئے قاضی نے اس کے لئے غلام کا فیصلہ کیا، اب تیسرے آدمی نے یہ دعوی کیا کہ یہ غلام میرے یہاں پیدا ہوا ہے، اور اس پر گواہی دی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اور اب اس کے لئے اس غلام کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے جو مدعی علیہ ہے اس کے خلاف فیصلہ ہوا ہے، اس تیسرے آدمی کے خلاف فیصلہ نہیں ہوا ہے، یہ آزاد ہے، اس لئے اس کی گواہی ہوگی تو اب اس کے لئے غلام کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے، اور پہلا فیصلہ ٹوٹ سکتا ہے

لغت: **لم یصر مقضیا علیه**: اس تیسرے آدمی پر فیصلہ نہیں ہوا تھا

٢ وَكَذَا الْمَقْضِيُّ عَلَيْهِ بِالْمِلْكِ الْمُطْلَقِ إِذَا أَقَامَ الْبَيِّنَةَ عَلَى النِّتَاجِ تُقْبَلُ وَيُنْقَضُ الْقَضَاءُ بِهِ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ النَّصِّ. وَالْأَوَّلُ بِمَنْزِلَةِ الْإِجْتِهَادِ.

(٧٧٥) قَالَ (وَكَذَلِكَ النَّسْجُ فِي الثِّيَابِ الَّتِي لَا تُنْسَجُ إِلَّا مَرَّةً) ١ كَغَزْلِ الْقُطْنِ وَكَذَلِكَ كُلُّ سَبَبٍ فِي الْمِلْكِ لَا يَتَكَرَّرُ) لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى النِّتَاجِ كَحَلْبِ اللَّبَنِ وَاتِّخَاذِ الْجُبْنِ وَاللَّبَدِ

ترجمه : ٢ اسی طرح مطلق ملک کا دعوی تھا اور اس پر فیصلہ ہوا تھا، پھر تیسرے آدمی نے بچہ پیدا ہونے پر گواہی پیش کی تو اس کی گواہی چنی جائے گی، اور پہلا فیصلہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ نتاج کا حکم نص کے درجے میں ہے، اور پہلا فیصلہ اجتہاد کے درجے میں ہے (اور نص کے ذریعہ اجتہاد ٹوٹ جاتا ہے)

تشریح :ایک شخص نے غلام پر ملک کا دعوی کیا اور گواہ پیش کیا، قاضی نے اس کے مطابق فیصلہ کر دیا، اب بعد میں تیسرے آدمی نے دعوی کیا کہ یہ غلام میرے یہاں پیدا ہوا ہے، اور گواہی کے ذریعہ اس کو ثابت بھی کر دیا تو پہلا فیصلہ ٹوٹ جائے گا، اور یہ غلام نتاج والے کے لئے ہوگا

وجه :(١) اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلا فیصلہ قاضی نے اپنی اجتہاد سے کیا تھا، اور جس کے گھر میں بچہ پیدا ہوا ہو یہ غلام اسی کا ہوگا، اس کے بارے میں حدیث موجود ہے، اس لئے پہلا فیصلہ ٹوٹ جائے گا، اور نتاج کا فیصلہ ہوگا۔(٢) حدیث یہ ہے۔ عن جابر ان رجلین اختصما الی النبی ﷺ فی ناقة فقال کل واحد منهما نتجت هذه الناقة عندی و اقام بینة فقضی بها رسول الله للذی هی فی یده (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدهما ویقیم کل واحد منهما علی ذلک بینة، ج عاشر، ص ٤٣٣، نمبر ٢١٢٢٤) اس حدیث میں ہے کہ جس کے یہاں پیدا ہوا ہے غلام اسی کا ہوگا (٣)۔ عن شریح ان رجلین ادعیا دابة فاقام احدهما البینة و هی فی یده انه نتجها، و اقام الآخر بینة انها دابته عرفها، فقال شریح الناتج احق من العارف ۔(سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدهما ویقیم کل واحد منهما علی ذلک بینة، ج عاشر، ص ٤٣٣، نمبر ٢١٢٢٦) اس قول تابعی میں ہے کہ جس کے یہاں پیدا ہوا ہے وہ زیادہ حقدار ہے

ترجمه: (٧٧٥) ایسے ہی ان کپڑوں کی بناوٹ ہے جو صرف ایک مرتبہ بنا جاتا ہے، جیسے روئی کے سوتی کپڑے

ترجمه: ١ ایسے ہی ہر سبب جو مکرر نہیں ہوتا، کیونکہ یہ نتاج کے معنی میں ہے، جیسے دودھ دوہنا، پنیر بنانا، نمدہ بنانا، اون کاٹنا، بھیڑی کا رواں کاٹنا

اصول : یہ سب مسئلے اوپر کے اصول پر ہیں، یعنی جو چیزیں ایک ہی مرتبہ وجود میں آتی ہیں، اگر اس کا کوئی دعوی کرتا ہے، اور اس پر گواہی دیتا ہے، تو یہ چیز اسی کی ہوگی، کیونکہ یقینی یہی ہے کہ یہ چیز پہلے اسی کے یہاں وجود میں آئی ہوگی

تشریح : نسج الثیاب : کپڑا ایک ہی مرتبہ بنا جاتا ہے، غزل القطن :روئی کا دھاگا ایک ہی مرتبہ بنایا جاتا ہے، حلب اللبن ؛دودھ ایک ہی مرتبہ دوہا جاتا ہے، اتخاذ الجبن ، پنیر ایک ہی مرتبہ بنایا جاتا ہے، اللبد: نمدہ جو ایک بستر ہوتا ہے ایک ہی مرتبہ بنایا جاتا ہے، المرعزی: بھیڑی کی پیٹھ سے اون ایک ہی مرتبہ کاٹا جاتا ہے، جز الصوف :اور چھوٹی بھیڑ کی

وَالْمِرْعِزَّى وَجزِّ الصُّوفِ ٢ۛ وَإِنْ كَانَ يَتَكَرَّرُ قُضِيَ بِهِ لِلْخَارِجِ بِمَنْزِلَةِ الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ وَهُوَ مِثْلُ الْخزِّ وَالْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ وَزِرَاعَةِ الْحِنْطَةِ وَالْحُبُوبِ، ٣ۛ فَإِنْ أَشْكَلَ يَرْجِعُ إِلَى أَهْلِ الْخِبْرَةِ لِأَنَّهُمْ أَعْرَفُ بِهِ، فَإِنْ أَشْكَلَ عَلَيْهِمْ قُضِيَ بِهِ لِلْخَارِجِ لِأَنَّ الْقَضَاءَ بِبَيِّنَتِهِ هُوَ الْأَصْلُ وَالْعُدُولُ عَنْهُ

پیٹھ سے اس کا رواں ایک ہی مرتبہ کا ٹا جاتا ہے۔۔اب ان چیزوں کے بارے میں کوئی دعوی کرے کہ یہ سب چیزیں میرے یہاں وجود میں آئی ہیں اوراس پر گواہی دے تو چونکہ یہ سب چیزیں ایک ہی مرتبہ وجود میں آتی ہیں اس لئے یہ بچہ پیدا ہونے کے درجے میں ہوں گے،،اوراوپر کی حدیث کی وجہ سے مدعی کے حق میں ہی فیصلہ کردیا جائے گا

لغت : اللبد :اون کو جما کرایک بستر بناتے ہیں اس کولبدہ، کہتے ہیں۔ مرعز: بکری، یا بھیڑ کا باریک باریک اون، باریک رواں۔ جز: کاٹنا۔

ترجمہ : ٢ۛ اوراگر مکرر ہوتا ہوتو غیر قابض کے لئے فیصلہ ہوجائے گا،اور ملک مطلق کے درجے میں ہوجائے گا، جیسےاون کا کپڑا بنانا،عمارت بنایا، پودہ لگانا، گیہوں،اوراناج کی کھیتی کرنا۔

تشریح : اگرایسی چیز کی ملکیت کا دعوی ہے جوکئی بار ہوسکتی ہے،تواس میں پہلی مرتبہ اسی کے یہاں وجود میں آنے کا یقین نہیں ہے،اس لئے اس کے دعوی کرنے کے لئے فیصلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ یہ ملک مطلق کی طرح ہوگا،اورایسی چیز میں قاعدہ یہ ہے کہ جوخارج ہے،یعنی جس کے قبضے میں وہ چیز نہیں ہے اس کے لئے فیصلہ کیا جائے گا،اس کی مثال ہے۔جیسے الخز: ریشم اوراون کا کپڑا بنانا، ریشم اوراون کے ملاوٹ سے جو کپڑا بنتا ہے، وہ کئی مرتبہ بن سکتا ہے۔ البناء: عمارت بنایا، الغرس: پودہ لگانا۔ زراعۃ الحطۃ، والحبوب: گیہوں،اوراناج کی کھیتی کرنا۔یہ سب چیزیں ایک مرتبہ نہیں ہوتیں، بلکہ کئی مرتبہ وجود میں آسکتی ہیں،اس لئے اس کے دعوی کرنے والے کے لئے فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ جس کا قبضہ نہیں ہے اس کے لئے فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمہ: ٣ۛ اوراگر پتہ ہی نہیں چلتا ہوکہ یہ کئی مرتبہ وجود میں آسکتا ہے، یاایک مرتبہ آتا ہے تواس کے ماہر کو پوچھو،اس لئے کہ وہ اس کوزیادہ جانتا ہے،اوراگر پھر بھی نہیں پتہ چلتا ہوتو جس کا قبضہ نہ ہواس کے لئے فیصلہ کیا جائے گا،اس لئے کہ اس کی گواہی کی وجہ سے فیصلہ کیا ہے جو اصل ہے،اوراس سے انحراف کرنا نتاج کی حدیث کی وجہ سے تھا،اور جب پتہ ہی نہیں چلاتو اصل غیر مقبوض کے لئے فیصلہ کی طرف پھیرا جائے گا

تشریح : اگراس بات کا پتہ نہ چلتا ہوکہ یہ چیز ایک ہی مرتبہ وجود میں آتی ہے، یا کئی مرتبہ تواس کے ماہر سے پوچھا جائے گا ۔اوراگراس سے بھی پتہ نہ چلے تو جس کے قبضے میں یہ چیز نہ ہواسی کے لئے فیصلہ کیا جائے گا،

وجہ : جو چیز ایک ہی مرتبہ وجود میں آتی ہواس کے بارے میں حدیث ہے اس لئے نتاج کا دعوی کرنے والے کے لیے فیصلہ کیا گیا تھا،لیکن جب شک ہوگیا کہ یہ چیز ایک مرتبہ وجود میں آتی ہے، یا کئی مرتبہ تواس صورت میں اصل قاعدہ کی طرف جائے گا،اوراصل قاعدہ یہ ہے کہ جس کے قبضے میں وہ چیز نہیں ہے (یعنی خارج) اس کے لئے اس چیز کا فیصلہ کیا جائے گا۔

بِخَبَرِ النِّتَاجِ، فَإِذَا لَمْ يَعْلَمْ يَرْجِعُ إِلَى الْأَصْلِ.

(٧٧٦) قَالَ (وَإِنْ أَقَامَ الْخَارِجُ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ وَصَاحِبُ الْيَدِ الْبَيِّنَةَ عَلَى الشِّرَاءِ مِنْهُ كَانَ صَاحِبُ الْيَدِ أَوْلَى) ل لِأَنَّ الْأَوَّلَ وَإِنْ كَانَ يُثْبِتُ أَوَّلِيَّةَ الْمِلْكِ فَهَذَا تَلَقَّى مِنْهُ، وَفِي هَذَا لَا تَنَافِي فَصَارَ كَمَا إِذَا أَقَرَّ بِالْمِلْكِ لَهُ ثُمَّ ادَّعَى الشِّرَاءَ مِنْهُ .

(٧٧٧) قَالَ (وَإِنْ أَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الشِّرَاءِ مِنَ الْآخَرِ وَلَا تَارِيخَ مَعَهُمَا تَهَاتَرَتْ الْبَيِّنَتَانِ وَتُتْرَكُ الدَّارُ فِي يَدِ ذِي الْيَدِ) ل قَالَ: وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ

ترجمه : (٧٧٦) اگر غیر مقبوض نے ملک مطلق پر گواہی دی، اور جس کا قبضہ تھا، اس نے گواہی دی کہ میں نے ملک مطلق والے سے خریدا ہے، تو قبضے والے کی گواہی قبول کی جائے گی

ترجمه : ل اس لئے کہ پہلے والے نے اگر چہ یہ ثابت کیا کہ میری ملکیت پہلے ہے، لیکن قبضے والے نے یہ ثابت کیا کہ میں نے اسی سے خرید کر ملکیت حاصل کی ہے، اس لئے اس میں منافات نہیں ہے، تو ایسا ہو گیا کہ پہلے ملک مطلق والے کے لئے ملکیت کا اقرار کیا، پھر اس سے خریدنے کا دعوی کیا (اس لئے خریدنے والے کے لئے چیز کا فیصلہ کیا جائے گا)

تشریح : ایک آدمی نے ملک مطلق کا دعوی کیا، یعنی یہ دعوی کیا کہ یہ غلام میرا ہے، لیکن کس طرح میری ملکیت میں آیا ہے یہ بیان نہیں کیا، اور جس کے قبضے میں یہ غلام تھا اس نے دعوی کیا کہ میں نے اسی ملک مطلق والے سے خریدا ہے تو اس خریدنے والے کے لئے فیصلہ کیا جائے گا

وجه : اس کی وجہ یہ ہے ان دونوں دعوں میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ وہ اقرار کر رہا ہے کہ یہ غلام پہلے ملک مطلق والے کا تھا، لیکن میں نے اسی سے خریدا ہے، اور دوسرا واضح ثبوت یہ ہے کہ ابھی اس کے قبضے میں بھی ہے، اس لئے اسی کے لئے فیصلہ کیا جائے گا

ترجمه : (٧٧٧) دونوں مدعیوں میں سے ہر ایک نے یہ گواہی پیش کی کہ ہم نے ایک دوسرے سے خریدا ہے، اور کسی نے بھی تاریخ بیان نہیں کی تو دونوں کی گواہیاں بے کار ہو جائیں گی، اور گھر جس کے قبضے میں تھا اسی کے قبضے میں چھوڑ دیا جائے گا۔

ترجمه : ل علماء فرماتے ہیں کہ یہ بات امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے

تشریح : مثلا زید نے دعوی کیا کہ میں نے یہ گھر عمر سے خریدا ہے، اور عمر نے دعوی کیا کہ میں نے یہ گھر زید سے خریدا ہے، اور دونوں نے اس پر گواہ پیش کئے، لیکن کس نے پہلے خریدا ہے، اور کس نے بعد میں خریدا ہے، اس کی وضاحت کسی نے نہیں کی تو، امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ دونوں کی گواہیاں بے کار جائیں گی، اور گھر جس کے قبضے میں تھا اسی کے قبضے میں رہے گا

وجه : اس گواہی میں زید نے اقرار کیا ہے کہ یہ گھر پہلے عمر کا تھا، اس سے خریدا ہوں۔ اور عمر نے بھی اقرار کیا کہ یہ گھر پہلے زید کا تھا اس سے میں نے خریدا ہے، اور کس کے قبضے میں پہلے تھا اس کی وضاحت نہیں کی، اس لئے دونوں کی گواہیاں بے کار ہو جائیں گی، اور گھر جس کے قبضے میں تھا اسی کے قبضے میں رہے گا

٢ وَعَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ يَقْضِي بِالْبَيِّنَتَيْنِ وَيَكُونُ لِلْخَارِجِ لِأَنَّ الْعَمَلَ بِهِمَا مُمْكِنٌ فَيُجْعَلُ كَأَنَّهُ اشْتَرَى ذُو الْيَدِ مِنَ الْآخَرِ وَقَبَضَ ثُمَّ بَاعَ وَلَمْ يُسَلِّمْ لِأَنَّ الْقَبْضَ دَلَالَةُ السَّبْقِ عَلَى مَا مَرَّ، ٣ وَلَا يُعْكَسُ الْأَمْرُ لِأَنَّ الْبَيْعَ قَبْلَ الْقَبْضِ لَا يَجُوزُ وَإِنْ كَانَ فِي الْعَقَارِ عِنْدَهُ ٤ وَلَهُمَا أَنَّ الْإِقْدَامَ عَلَى الشِّرَاءِ إِقْرَارٌ مِنْهُ

ترجمہ: ٢ اورامام محمدؒ کے قول پر دونوں گواہوں پر فیصلہ کیا جائے گا،اور گھر جس کے قبضے میں نہیں ہے اس کے لئے فیصلہ کیا جائے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں گواہوں پر فیصلہ کرنا ممکن ہے،اور یوں کیا جائے گا کہ جس کے قبضے میں گھر اس وقت ہے اس نے دوسرے سے خریدا،اور گھر پر قبضہ بھی کیا۔پھر اس نے بغیر قبضے والے کے ہاتھ میں بیچ دیا ہے،اور ابھی تک اس کو قبضہ نہیں دیا ہے،اس لئے کہ قبضہ ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ اس نے پہلے بغیر قبضے والے سے خریدا ہے

تشریح: شیخین نے تو دونوں گواہیاں بے کار کی تھیں لیکن امام محمدؒ کے یہاں دونوں گواہیاں مان لی جائیں گی،اور یہ گھر اس کو دے دیا جائے گا،جس کا قبضہ نہیں ہے۔اور اس کی صورت یہ بتاتے ہیں۔یہ ممکن ہے کہ جس کا ابھی قبضہ ہے اس نے گھر اس سے خریدا ہو جس کا ابھی قبضہ نہیں ہے،اور پھر اس پر قبضہ کر لیا ہو،پھر اس کے بعد اسی کے ہاتھ میں بیچا ہو جس سے خریدا تھا،اور ابھی تک اس کو قبضہ نہ دیا ہو،اس طرح قبضے والے کی بات بھی صحیح ہے کہ میں نے خارج سے خریدا ہے۔اور خارج کی بھی بات صحیح ہے کہ میں نے قبضے والے سے خریدا ہے،اور دونوں کی گواہی بھی صحیح ہے۔اور اس طرح گواہی بیکار ہونے سے بچ جائے گی۔
اور اس صورت میں یہ ثابت ہوتی ہے کہ قبضے والے نے یہ گھر خارج کے ہاتھ میں بیچ دیا ہے،اس لئے یہ گھر خارج کو دے دیا جائے گا۔

ترجمہ: ٣ اور اس کا الٹا اس لئے نہیں ہو سکتا ہے کہ گھر پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے،چاہے زمین ہی کیوں نہ ہو،یہ بات امام محمدؒ کے یہاں ہے

تشریح: یہ صورت کیوں نہیں ہو سکتی ہے کہ پہلے خارج نے قبضے والے سے خریدا ہو،پھر اس نے قبضے والے کے ہاتھ میں بیچ دیا ہو۔اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ،اگر خارج نے قبضے والے سے خرید لیا،لیکن ابھی تک قبضہ نہیں کیا ہے،تو اصول یہ ہے قبضہ سے پہلے مبیع کو بیچ نہیں سکتا ہے،اس لئے خارج قبضے والے کے ہاتھ میں بیچ ہی نہیں سکتا ہے،تو وہ یہ کہہ ہی نہیں سکتا ہے کہ میں نے قبضے والے کے ہاتھ میں بیچا ہے،اس لئے یہ صورت نہیں ہو سکتی ہے،اس لئے پہلی صورت ہی ٹھیک ہے

لغت: وان کان فی العقار عندہ (ای عند محمد)؛امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ زمین بھی قبضہ کرنے سے پہلے بیچ نہیں سکتا ہے۔اور شیخین کے یہاں یہ ہے کہ مبیع تو حدیث کی بنا پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے،لیکن زمین پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچ سکتا ہے۔اور امام محمدؒ کے یہاں نہیں۔اس لئے اوپر کی عبارت لائے ہیں

ترجمہ: ٤ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ خریدنے کا اقدام کرنا بائع کے لئے ملک کا اقرار کرنا ہے،تو ایسا ہو گیا کہ دونوں کی ملکیت کا اقرار کرنا ہوا،ایسی صورت میں بالاجماع گواہوں کو بے کار کرنا ہوتا ہے،ایسے ہی یہاں ہو گا

تشریح: جب دونوں نے یہ کہا کہ میں نے دوسرے سے خریدا ہے تو گویا کہ دونوں نے دوسرے کی ملکیت کا اقرار کیا،اور

بِالْمِلْكِ لِلْبَائِعِ فَصَارَ كَأَنَّهُمَا قَامَتَا عَلَى الْإِقْرَارَيْنِ وَفِيهِ التَّهَاتُرُ بِالْإِجْمَا عِ، كَذَا هَاهُنَا ٥ وَلِأَنَّ السَّبَبَ يُرَادُ لِحُكْمِهِ وَهُوَ الْمِلْكُ وَ هٰهُنَا لَا يُمْكِنُ الْقَضَاءُ لِذِي الْيَدِ إِلَّا بِمِلْكٍ مُسْتَحَقٍّ فَبَقِيَ الْقَضَاءُ لَهُ بِمُجَرَّدِ السَّبَبِ وَأَنَّهُ لَا يُفِيدُهُ. ٦ ثُمَّ لَوْ شَهِدَتْ الْبَيِّنَتَانِ عَلَى نَقْدِ الثَّمَنِ فَالْأَلْفُ بِالْأَلْفِ قِصَاصٌ عِنْدَهُمَا إِذَا اسْتَوَيَا لِوُجُودِ قَبْضٍ مَضْمُونٍ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ، ٧ وَإِنْ لَمْ يَشْهَدُوا عَلَى نَقْدِ الثَّمَنِ فَالْقِصَاصُ مَذْهَبُ مُحَمَّدٍ لِلْوُجُوبِ عِنْدَهُ. ٨ وَلَوْ شَهِدَ الْفَرِيقَانِ بِالْبَيْعِ وَالْقَبْضِ تَهَاتَرَتَا بِالْإِجْمَا عِ؛

ایک ساتھ پورے پورے طور پر دونوں کی ملکیت ہونا ناممکن ہے، اس لئے دونوں کی گواہی بےکار ہو جائیں گی

لغت: تہاتر: ہتر سے مشتق ہے، بےکار ہو جانا۔

ترجمہ: ٥ اور اس لئے کہ گواہی کو اس لئے قبول کرتے ہیں کہ اس سے حکم مراد ہو، یعنی ملکیت ثابت ہو، اور جس کی ملکیت ہے اس کی ملکیت ثابت کرنا اس وقت ہوتا ہے جبکہ دوسرے کی ملکیت ثابت ہو (اور یہاں قبضے والے کے علاوہ کی ملکیت نہیں ہے) اس لئے قبضے والے کے لئے فیصلہ کرنا صرف سبب کے لئے ہے، اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے،، شیخین کے یہاں دونوں کی گواہی بےکار ہو جائیں گی، اس کی یہ دوسری عقلی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ، گواہی اور فیصلہ اس لئے ہوتا ہے، کہ ایک آدمی کی ملکیت ہو اس کو کسی دوسرے کے لئے ثابت کرنا ہو، اور یہاں یہ ہے کہ قبضے والے کی ملکیت پہلے سے ہے، اب گواہ، اور فیصلہ سے اسی قبضے والے کی ملکیت ثابت کرے یہ بلا وجہ کی بات ہے، اس لئے دونوں کی گواہی بےکار جائے گی۔

ترجمہ: ٦ اور گواہی یوں دی کہ دونوں نے ہزار ہزار ادا بھی کر دئے ہیں، تو اگر دونوں کی رقم برابر ہے تو شیخینؒ کے نزدیک ہزار ہزار کے بدلے میں ہو جائیں گے، اس لئے کہ دونوں جانب سے قبضہ ہو چکا ہے۔

تشریح: خریدنے کے بعد یوں بھی گواہی دی کہ دونوں نے چیز کی قیمت ادا کر دی ہے، تو چونکہ دونوں جانب سے قیمت ادا ہو گئی ہے، اور دونوں کی رقم برابر درجے کی ہے اس لئے برابری کا فیصلہ کر دیا جائے گا

ترجمہ: ٧ اور اگر قیمت کے ادا کرنے کی گواہی نہیں دی تب بھی امام محمدؒ کے مذہب پر برابری ہو جائے گی

تشریح: امام محمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ قیمت کا اقرار کر لیا تو چاہے ادا نہیں بھی کیا تب بھی چونکہ قیمت دینا واجب ہو چکی ہے، اس لئے برابری سمجھی جائے گی

ترجمہ: ٨ اور اگر دونوں فریق بیچنے پر اور مبیع پر قبضہ کرنے پر بھی گواہی دیں تو بالاجماع دونوں گواہیاں بےکار جائیں گی، اس لئے کہ دونوں پر قبضے کا جمع ہونا امام محمدؒ کے نزدیک بھی ناممکن ہے، کیونکہ انکے یہاں تھا کہ دونوں کا بیچنا جائز ہے، بخلاف پہلے مسئلے کے

تشریح: پہلے یہ مسئلہ گزرا ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک دونوں ایک دوسرے سے بیچنے کا دعوی کریں تو یہ ایک طرح سے صحیح ہے کیونکہ دونوں ایک دوسرے سے بیچ سکتے ہیں، لیکن دونوں کا پورا پورا قبضہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے، اور یہاں یہ ہے کہ دونوں نے

لِأَنَّ الْجَمْعَ غَيْرُ مُمْكِنٍ عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِجَوَازِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ الْبَيْعَيْنِ بِخِلَافِ الْأَوَّلِ. ٩ وَإِنْ وُقِّتَتْ الْبَيِّنَتَانِ فِي الْعَقَارِ وَلَمْ يُثْبِتَا قَبْضًا وَوَقْتُ الْخَارِجِ أَسْبَقُ يُقْضَى لِصَاحِبِ الْيَدِ عِنْدَهُمَا فَيُجْعَلُ كَأَنَّ الْخَارِجَ اشْتَرَى أَوَّلًا ثُمَّ بَاعَ قَبْلَ الْقَبْضِ مِنْ صَاحِبِ الْيَدِ، وَهُوَ جَائِزٌ فِي الْعَقَارِ عِنْدَهُمَا. ١٠ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَقْضِي

ایک دوسرے سے بیچا ہے، اور دونوں نے مبیع پر قبضہ بھی کیا ہے تو یہ امام محمد کے نزدیک بھی جھوٹ ہے،

وجہ: کیونکہ پورا پورا قبضہ تو ایک ہی آدمی کا ہوسکتا ہے، دونوں کا تو نہیں ہوسکتا، اس لئے یہ امام محمدؒ کے نزدیک بھی دونوں گواہیاں بے کار ہو جائیں گی

ترجمہ: ٩ اگر دو گواہوں نے زمین خریدنے کے بارے میں تاریخ بتائی، اور اس پر قبضے کا ذکر نہیں کیا، اور جس کے قبضے میں زمین نہیں تھی اس نے قبضے والے سے بھی مقدم تاریخ بتائی، تو شیخینؒ کے یہاں قبضے والے کے لئے زمین کا فیصلہ کیا جائے گا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ غیر مقبوض نے پہلے خریدا تھا، پھر اس نے زمین پر قبضہ کرنے سے پہلے قبضہ والے کو بیچ دیا، کیونکہ شیخین کے نزدیک زمین پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو بیچ سکتا ہے۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زمین پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ حدیث ہے **۔عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من ابتاع طعاما فلا يبيعه حتى يقبضه** ۔(مسلم شریف، کتاب البیوع، باب بطلان المبیع قبل القبض، ص ٦٦٢، نمبر ١٥٢٥، رنمبر ٣٨٣٨) اس حدیث میں ہے کہ مبیع کو قبضہ کرنے سے پہلے نہ بیچے

تشریح: دونوں مدعیوں نے زمین بیچنے کے بارے میں یہ کہا کہ ہر ایک نے دوسرے سے خریدی ہے، اور تاریخ بتائی، اور یہ نہیں بتائی کہ اس پر قبضہ کیا ہے، پھر جس کے قبضے میں زمین نہیں تھی اس نے اپنی تاریخ قبضے والے سے پہلے بتائی، تو شیخینؒ کے یہاں یہ زمین قبضے والے کو دی جائے گی۔ اس کی صورت یہ بنائی جائے گی کہ ابھی زمین جس کے قبضے میں نہیں ہے اس نے قبضے والے سے خریدی، اور زمین پر قبضہ کرنے سے پہلے پھر قبضے والے کے ہاتھ میں بیچ دی، اس لئے یہ زمین ابھی قبضے والے کی ہے، اور چونکہ ان دونوں کے یہاں قبضہ کرنے سے پہلے زمین بیچ سکتا ہے، اس لئے یہ کہا جائے گا کہ زمین پر قبضہ کرنے سے پہلے قبضے والے کو بیچ دی ہے

ترجمہ: ١٠ اور امام محمدؒ کے نزدیک خارج کے لئے فیصلہ کیا جائے گا اس لئے کہ ان کے یہاں زمین پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو بیچنا جائز نہیں ہے، اس لئے خارج کی ہی زمین رہ گئی

تشریح: دونوں کی گواہی سے یہ تو ثابت ہوئی کہ قبضے والے نے خارج کے ہاتھ میں زمین بیچی ہے، لیکن خارج نے ابھی تک قبضہ نہیں کیا ہے، اس لئے یہ قبضے والے کے ہاتھ بیچ نہیں سکتا اس لئے یہ زمین خارج ہی کی ملکیت رہ گئی، اس لئے امام محمدؒ کے یہاں خارج کے لئے فیصلہ کیا جائے گا۔

لِلْخَارِجِ لِأَنَّهُ لا يَصِحُّ لَهُ بَيْعُهُ قَبْلَ الْقَبْضِ فَبَقِيَ عَلَى مِلْكِهِ، ال وَإِنْ أَثْبَتَا قَبْضًا يَقْضِى لِصَاحِبِ الْيَدِ لِأَنَّ الْبَيْعَيْنِ جَائِزَانِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ، ۱۲ وَإِنْ كَانَ وَقْتُ صَاحِبِ الْيَدِ أَسْبَقَ يُقْضَى لِلْخَارِجِ فِي الْوَجْهَيْنِ فَيُجْعَلُ كَأَنَّهُ اشْتَرَاهَا ذُو الْيَدِ وَقَبَضَ ثُمَّ بَاعَ وَلَمْ يُسَلِّمْ أَوْ سَلَّمَ ثُمَّ وَصَلَ إِلَيْهِ بِسَبَبٍ آخَرَ.
(۷۷۸) قَالَ: (وَإِنْ أَقَامَ أَحَدُ الْمُدَّعِيَيْنِ شَاهِدَيْنِ وَالْآخَرُ أَرْبَعَةً فَهُمَا سَوَاءٌ) ل لِأَنَّ شَهَادَةَ كُلِّ

ترجمہ: اا اگر دونوں مدعیوں نے قبضہ بھی ثابت کیا تو قبضے والے کے لئے ہی زمین کا فیصلہ کیا جائے گا، اس لئے کہ قبضے کے بعد دونوں کے قول پر بیچنا جائز ہے

تشریح: دونوں مدعیوں نے یہ ثابت کیا ہم نے ایک دوسرے سے زمین خریدی ہے، اور قبضے بھی کئے ہیں، تو اب قبضے کے بعد سب کے نزدیک بیچنا جائز ہو گیا، اور صورت یہ ترتیب دی جائے گی کہ قبضے والے نے خارج سے بیچی، پھر خارج نے زمین پر قبضہ کر کے پھر قبضے والے کے ہاتھ میں بیچ دی، اور ابھی یہ زمین قبضے والے کی ہے، اس لئے قبضے والے کے لئے زمین کا فیصلہ ہوگا۔

ترجمہ: ۱۲ اور اگر قبضے والے نے خارج سے بھی پہلے اپنی تاریخ بتائی تو یہ زمین دونوں صورتوں میں (یعنی قبضے کی گواہی دی ہو یا نہیں دی ہو) خارج کو دی جائے گی، اور یوں سمجھا جائے گا، کہ قبضے والے نے پہلے خارج سے زمین خریدی، پھر خارج کے ہاتھ میں بیچ دی، اور ابھی تک خارج کو سپرد نہیں کیا ہے، یا خارج کو دیا تو تھا، لیکن ہدیہ وغیرہ دینے سے یہ زمین ابھی قبضے والے کے پاس لوٹ آئی ہے

تشریح: زمین پر قبضے والے نے یہ ثابت کیا کہ یہ زمین میرے پاس خارج سے بھی پہلے آئی ہے، تو چاہے قبضہ کی گواہی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو دونوں صورتوں میں یہ زمین خارج کی ہوگی۔ اور صورت یہ ترتیب دی جائے گی کہ، پہلے قبضے والے نے خارج سے خریدی ہے، اور قبضہ بھی کر لی ہے، اس کے بعد اس نے خارج کے ہاتھ میں بیچ دی ہے، اور ابھی تک اس کو قبضہ نہیں دیا ہے، اس لئے اس وقت یہ زمین قبضے والے کے پاس ہے، تو چونکہ خارج کے ہاتھ میں بیچ دی ہے، اس لئے یہ زمین خارج کی ہے۔۔ یا خارج کو قبضہ تو دے دیا تھا، لیکن پھر خارج نے قبضے والے کو ہدیہ دے دی ہے، اور اس پر قبضہ بھی دے دیا ہے، اس لئے یہ زمین ابھی قبضے والے کے قبضے میں ہے، تاہم یہ زمین خارج کی ہے۔

ترجمہ: (۷۷۸) اگر ایک مدعی نے دو گواہ پیش کئے اور دوسرے نے چار گواہ پیش کئے پھر دونوں کے درجے برابر ہیں

ترجمہ: ل اس لئے کہ دو گواہ بھی ثابت کرنے کے لئے پوری علت ہیں، اور چار گواہ بھی پوری علت ہیں، جیسے اگر ایک ہی طرف سے گواہی ہوتی تو پوری علت تھی، دوسری بات یہ ہے کہ علت کی کثرت سے ترجیح نہیں ہوتی، بلکہ علت کے قوی ہونے سے ترجیح ہوتی ہے، جیسا کہ دوسری جگہ اس کی وضاحت کی گئی ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دو گواہ ہوں یہی کافی ہے، اس سے زیادہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا

تشریح: ایک مدعی نے دو گواہ پیش کئے اور دوسرے نے چار گواہ پیش کئے تو دونوں گواہوں کے درجے برابر ہیں

الشَّاهِدِينَ عِلَّةٌ تَامَّةٌ كَمَا فِي حَالَةِ الِانْفِرَادِ، وَالتَّرْجِيحُ لَا يَقَعُ بِكَثْرَةِ الْعِلَلِ بَلْ بِقُوَّةٍ فِيهَا عَلَى مَا عُرِفَ.

(۹۷۷) قَالَ (وَإِذَا كَانَتْ دَارٌ فِي يَدِ رَجُلٍ ادَّعَاهَا اثْنَانِ أَحَدُهُمَا جَمِيعَهَا وَالْآخَرُ نِصْفَهَا وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَلِصَاحِبِ الْجَمِيعِ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِهَا وَلِصَاحِبِ النِّصْفِ رُبُعُهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) لِ اعْتِبَارًا لِطَرِيقِ الْمُنَازَعَةِ، فَإِنَّ صَاحِبَ النِّصْفِ لَا يُنَازِعُ الْآخَرَ فِي النِّصْفِ فَسَلَّمَ لَهُ بِلَا مُنَازِعٍ وَاسْتَوَتْ

وجــه: (۱) ایک وجہ تو یہ ہے کہ کسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے دو گواہ علت تامہ ہیں، اس لئے اس کا درجہ، اور چار گواہوں کا درجہ بالکل برابر ہے، اس لئے گواہ کی کثرت سے اس کے لئے فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ صحابی کے قول میں ہے کہ کثرت گواہ، اور دو گواہ دونوں کے درجے برابر ہیں، قول صحابی یہ ہے ۔ **عن علی انه لا یرجح بکثرة العدد** (سنن للبیہقی، باب من قال لا یرجح فی الشھو دبکثرۃ العدد، ج عاشر، ص ۴۳۴، نمبر ۲۱۲۲۷) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ دو گواہ کے بعد کثرت عدد اور قلت عدد کا اعتبار نہیں ہے۔ (۳) قول تابعی میں ہے۔ **کتب عبد الرحمن بن اذینة الی شریح فی ناس من الازد ادعوا قبل ناس من بنی اسد قال واذا غدا هؤلاء بینة راح اولئک باکثر منهم قال فکتب الیه لیست من التهاتر والتکاثر فی شیء، الدابة لمن هی فی ایدیهم اذا اقاموا البینة** (سنن للبیہقی، باب من قال لا یرجح فی الشھو دبکثرۃ العدد، ج عاشر، ص ۴۳۴، نمبر ۲۱۲۲۷) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ دو گواہ کے بعد کثرت عدد اور قلت عدد کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجــمــه: (۹۷۷) ایک آدمی کے قبضے میں گھر تھا، دو آدمیوں نے اس پر دعوی کیا، ایک نے پورے گھر کا دعوی کیا، دوسرے نے آدھے گھر کا دعوی کیا، اور دونوں نے گواہی پیش کی تو پورے کا دعوی کرنے والے کے لئے تین چوتھائی ہوگی، اور آدھے کا دعوی کرنے والے کے لئے ایک چوتھائی ہوگی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

ترجمه: لِ منازعت کے طریقے پر، اس لئے کہ آدھے کا دعوی کرنے والا باقی آدھے میں جھگڑا نہیں کر رہا ہے، اس لئے یہ آدھا تو پورے والے کو مل گیا، اور دوسرے آدھے میں جھگڑا ہے تو اس کا آدھا کر دیا جائے، (اس طرح تین چوتھائی پورے والے کو مل جائے گی، اور باقی ایک چوتھائی آدھے والے کو مل جائے گی)

تشریح: طریق المنازعۃ: یہ حساب کا محاورہ ہے، یعنی آدھے گھر میں جھگڑا ہے، اس لئے پہلا آدھا مل گیا، اور دوسرے آدھے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں تو چوتھائی ہوئی، اس میں ایک چوتھا آدھا دعوی کرنے والے کو دے دیں، اور ایک چوتھائی پورا دعوی کرنے والے کو دیں، تو اس کو تین چوتھائی مل جائے گی۔ پورے کا آدھا 50، اور دوسرے آدھے 50%2=25 کو آدھا کریں تو 25 ہوگا۔ اب پورا دعوی کرنے والے کو (50+25=75) ملا۔ اور آدھا دعوی کرنے والے کو ایک چوتھائی یعنی (25 ملے گا)

وجــه: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ آدھا دعوی کرنے والا باقی آدھے میں جھگڑا نہیں کر رہا ہے، اس لئے یہ آدھا تو پورا دعوی کرنے والے کے پاس سالم رہا، باقی آدھے میں دعوی ہے تو اس میں آدھا آدھا کر لیں، یہ چوتھائی بنے گی وہ چوتھائی پورے والے کو دے دیں، اور ایک چوتھائی آدھے والے کو دے دیں، اس کو طریق منازعت، کہتے ہیں (۲) اس قول تابعی میں ہے۔ **عن الثوری فی**

مُنَازَعَتُهُمَا فِي النِّصفِ الْآخَرِ فَيُنَصَّفُ بَيْنَهُمَا

(٧٨٠) (وَقَالَا: هِيَ بَيْنَهُمَا أَثْلاثًا) ل فَاعْتَبَرَا طَرِيقَ الْعَوْلِ وَالْمُضَارَبَةِ، فَصَاحِبُ الْجَمِيعِ يَضْرِبُ بِكُلِّ حَقِّهِ سَهْمَيْنِ وَصَاحِبُ النِّصفِ بِسَهْمٍ وَاحِدٍ فَيُقَسَّمُ أَثْلاثًا . وَلِهٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ نَظَائِرٌ وَاَضْدَادٌ، لَا يَحْتَمِلُهَا هٰذَا الْمُخْتَصَرِ، وَقَد ذَكَرْنَاهَا فِيْ الزِّيَادَاتِ

(٧٨١) قَالَ (وَلَوْ كَانَتْ فِي أَيْدِيهِمَا سَلِمَ لِصَاحِبِ الْجَمِيعِ نِصْفُهَا عَلَى وَجهِ الْقَضَاءِ وَنِصْفُهَا لَا

درهم بين رجلين قال احدهما لی نصفه وقال الآخر لی کله ، قال...واما ابن شبرمة فيقول ثلاثة اربا ع وربع (مصنف عبد الرزاق، باب المتاع فی ید رجلین یدعیانہ جمیعا، ج۸،ص۲۸۱،نمبر۱۵۲۲۰)(۳)۔عن قتادة فی متا ع بين رجلين قال احدهم لی کله و قال الآخر لی نصفه قال للذی قال لی کله نصفه و یستحلفان ثم یقسم النصف الآخر (مصنف عبد الرزاق، باب المتاع فی ید رجلین یدعیانہ جمیعا، ج۸،ص۲۸۱،نمبر۱۵۲۱۹)ان دونوں قول تابعی میں ہے کہ کل کے دعوی کرنے والے کو تین چوتھائی ملے گی،اور آدھے دعوی کرنے والے کو ایک چوتھائی ملے گی

ترجمہ: (٧٨٠)اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ پورے والے کو دو تہائی،اور آدھے والے کو ایک تہائی ملے گی

ترجمہ: ل اور عول اور مضاربہ کے طور پر۔ پورا دعوی کرنے والے کے دو حصے ہوئے،اور آدھا دعوی کرنے والے کا ایک حصہ ہوا،اس طرح تین حصے ہوئے،اسلئے ایک تہائی اور دو تہائی پر تقسیم کر دئے جائیں گے۔اس مسئلے کی بہت سی مثالیں ہیں، یہاں اس کا ذکر کرنا مشکل ہے،زیادات کتاب میں اس کی تفصیل ملے گی

تشریح: صاحبین کے یہاں پورے گھر کے تین ٹکڑے کئے جائیں گے، دو تہائی (66.66) پورا دعوی کرنے والے کو اور ایک تہائی (33.33) آدھا دعوی کرنے والے کو دیا جائے گا

وجہ: (۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ پورے گھر کا دعوی کرنے والا ڈبل حصے کا دعوی کر رہا ہے،اور آدھا دعوی کرنے والا ایک حصے کا دعوی کرنے والا ہے،اس لئے گھر میں تین حصے ہو گئے،اب سو میں تین سے تقسیم دیں (33.33=3%100) نکلا یہ آدھے والے کو دے دیں۔اور پھر ایک تہائی کو دو سے ضرب دیں (33.33x2=66.66) یہ دو تہائی پورے دعوی کرنے والے کو دے دیں، اسی حساب کو عول والمضاربۃ، کہتے ہیں۔اس کو سمجھ لیں (۲)اس قول تابعی میں ہے۔عن الثوری فی درهم بين رجلين قال احدهما لی نصفه و قال الآخر لی کله ، قال اما ابن ابی لیلی فيقول ثلث و ثلثان (مصنف عبد الرزاق، باب المتاع فی ید رجلین یدعیانہ جمیعا، ج۸،ص۲۸۱،نمبر۱۵۲۲۰) اس قول تابعی میں ہے کہ کل کے دعوی کرنے والے کو دو تہائی ملے گی،اور آدھے دعوی کرنے والے کو ایک تہائی ملے گی

ترجمہ: (٧٨١) اگر دونوں کے قبضے میں گھر ہے (پھر آدھے اور پورے کا دعوی ہے) تو پورے کے دعوی کرنے والے کو پورا گھر مل جائے گا آدھا گھر فیصلہ کی بنیاد پر،اور آدھا گھر بغیر فیصلے کے

عَلَى وَجهِ الْقَضَاءِ) ١ لِأَنَّـهُ خَـارِجٌ فِي النِّصفِ فَيَقْضِي بِبَيِّنَتِهِ، وَالنِّصفُ الَّذِي فِي يَدَيهِ صَاحِبُهُ لَا يَـدَّعِيـهِ لِأَنَّ مُـدَّعَـاهُ النِّصفُ وَهُوَ فِي يَدِهِ سَالِمٌ لَهُ، ٢ وَلَـوْ لَـمْ يَـنصَرِفْ إِلَيْهِ دَعوَاهُ كَانَ ظَالِمًا بِإِمْسَاكِهِ ٣ وَلَا قَضَاءَ بِدُونِ الدَّعْوَى فَيُترَكُ فِي يَدِهِ.

(٧٨٢) قَالَ (وَإِذَا تَـنَـازَعَـا فِي دَابَّةٍ وَأَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنهُمَا بَيِّنَةً أَنَّهَا نَتَجَتْ عِندَهُ، وَذَكَرَا تَارِيخًا وَسِنُّ الدَّابَّةِ يُوَافِقُ أَحَدَ التَّارِيخَينِ فَهُوَ أَوْلَى) ١ لِأَنَّ الْحَالَ يَشْهَدُ لَهُ فَيَترَجَّحُ

ترجمہ: ١ اس کی وجہ یہ ہے کہ پورا کا دعوی کرنے والا باقی آدھے میں خارج ہے اس لئے اس کی گواہی سے خارج کے لئے فیصلہ ہو جائے گا۔ اور آدھا جو پورے والے کے قبضے میں ہے، اس میں کسی کا دعوی ہے ہی نہیں، کیونکہ آدھا والا کا دعوی تو صرف آدھے میں ہے۔ اور پہلا آدھا پورے والے کے قبضے میں محفوظ ہے

تشریح: یہاں دو باتیں یاد رکھیں، ایک بات یہ ہے کہ آدھا گھر پورے والے کے قبضے میں ہے، جس میں کسی کا دعوی نہیں ہے، یہ حصہ اس کے لئے محفوظ ہے۔ اور دوسرا آدھا گھر آدھے کا دعوی کرنے والے کے قبضے میں ہے، اور اس حصے میں پورا والا خارج ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ خارج کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ اس لئے اس آدھے کو قاضی سے فیصلہ کروا کرلے گا۔ اس طرح اس کو پورا گھر مل جائے گا۔

ترجمہ: ٢ اور اگر یہ آدھا حصہ آدھے کا دعوی کرنے والے کے قبضے میں نہیں دیں گے تو ظلم ہوگا

تشریح: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آدھا حصہ آدھے کا دعوی کرنے والے کے قبضے میں نہ دیں تو اس پر ظلم ہوگا۔ اور جب وہ آدھا اس کے قبضے میں ہوا تو اس حصے میں پورا والا خارج ہو گیا، اس لئے خارج کی گواہی قبول ہوگی اور اس کو یہ آدھا بھی مل جائے گا

ترجمہ: ٣ اور بغیر دعوی کے فیصلہ نہیں ہوتا ہے، اس لئے پہلا آدھا پورے کا دعوی کرنے والے کے پاس چھوڑ دیا جائے گا

تشریح: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ۔ پورے کا دعوی کرنے والے کے قبضے میں آدھا گھر ہے، اور اس حصے میں آدھے والے کا کوئی دعوی ہے ہی نہیں، اور بغیر دعوی کے فیصلہ بھی نہیں ہوتا ہے، اس لئے یہ آدھا پورے والے کے پاس ہی رہ جائے گا۔

ترجمہ: (٧٨٢) دو آدمی ایک ہی جانور میں جھگڑ پڑے، دونوں نے گواہی پیش کی کہ جانور میرے یہاں پیدا ہوا ہے، اور دونوں نے تاریخ بھی ذکر کی، اور جانور کی عمر ایک آدمی کی تاریخ کے موافق ہے، تو جانور اسی کو دیا جائے گا

ترجمہ: ١ اس لئے کہ جانور کی حالت اسی کی گواہی دیتی ہے، اس لئے اسی کو ترجیح ہوگی

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دونوں گواہ سبھی چیزوں میں برابر ہوں تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ کون سی علامت کس کے موافق ہے، جانور اسی کو دیا جائے گا۔ اس مسئلہ میں جانور کی عمر ایک مدعی کے موافق ہے اس لئے جانور اسی کو دے دیا گیا۔ اس کے لئے یہ حدیث ہے

تشریح: دونوں مدعیوں نے اپنے اپنے یہاں جانور پیدا ہونے کا بھی ذکر کیا، اور تاریخ بھی ذکر کی، اس لئے اس معاملے

(٧٨٣) (وَإِنْ أَشْكَلَ ذَلِكَ كَانَتْ بَيْنَهُمَا) لِ لِأَنَّهُ سَقَطَ التَّوْقِيتُ فَصَارَ كَأَنَّهُمَا لَمْ يَذْكُرَا تَارِيخًا. ٢ وَإِنْ خَالَفَ سِنُّ الدَّابَّةِ الْوَقْتَيْنِ بَطَلَتْ الْبَيِّنَتَانِ، كَذَا ذَكَرَهُ الْحَاكِمُ الشَّهِيدُ- رَحِمَهُ اللَّهُ - لِأَنَّهُ ظَهَرَ كَذِبُ الْفَرِيقَيْنِ فَتُتْرَكُ فِي يَدِ مَنْ كَانَتْ فِي يَدِهِ

(٧٨٤) قَالَ (وَإِذَا كَانَ الْعَبْدُ فِي يَدِ رَجُلٍ أَقَامَ رَجُلَانِ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةَ أَحَدُهُمَا بِغَصْبٍ وَالْآخَرُ بِوَدِيعَةٍ

میں دونوں برابر ہیں، اس لئے اب جانور کی عمر جس کے موافق ہو اسی کے لئے جانور کا فیصلہ ہوگا

وجه: اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے ۔عن نمران بن جارية عن ابيه ان قوما اختصموا الی النبی ﷺ فی خص كان بينهم فبعث حذيفة يقضی بينهم فقضی للذين يليهم القمط فلما رجع الی النبی ﷺ اخبره فقال اصبت و احسنت (ابن ماجہ شریف، باب الرجلان یدعیان خص، ص ۳۳۵، نمبر ۲۳۴۳) اس حدیث میں علامت راجحہ پر چھونپڑے کا فیصلہ فرمایا۔ اسی طرح جانور کی عمر علامت راجحہ ہے وہ جس کی موافقت کرے گی جانور اسی کا ہوگا۔

ترجمہ: (۷۸۳) اور اگر تاریخ سے پتہ نہ چلتا ہو کہ یہ جانور کس کا ہو سکتا ہے، تو جانور دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ دونوں کی تاریخ ساقط ہوگئی تو گویا کہ دونوں نے تاریخ بیان ہی نہیں کی (اور اسی صورت میں جانور آدھا آدھا ہو جاتا ہے، اس لئے جانور آدھا آدھا ہوگا)

تشریح: دونوں نے تاریخ بتائی لیکن دونوں کی تاریخ سے پتہ نہیں چلتا ہو کہ یہ جانور کس کی تاریخ کے مطابق ہے، تو دونوں کی گواہی ساقط ہو جائے گی، اور ایسا سمجھا جائے گا کہ دونوں نے گواہی نہیں دی، اس لئے جانور کے آدھے آدھے کا فیصلہ ہوگا

وجه: ۔عن عبد الرحمن بن ابی ليلی قال اختصم رجلان الی ابی الدرداء فی فرس فاقام كل واحد منهما البينة انه انتج عنده لم يبعه ولم يهبه وجاء الآخر بمثل ذلك فقال ابو الدرداء ان احدكما كاذب فقسمه بينهما نصفين (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتداعیان مالم یکن فی ید واحد منهما ویقیم کل واحد منهما بینة بدعواه، ج عاشر، ص ۴۳۹، نمبر ۲۱۲۴۲) اس قول صحابی میں تو دونوں نے اپنے یہاں پیدا ہونے کا بھی دعوی کیا اور اس پر بینہ پیش کیا اور حضرت ابو درداءؓ نے دونوں کے درمیان آدھے آدھے کا فیصلہ فرمایا۔

ترجمہ: ٢ اور اگر جانور کی عمر دونوں کے عمر کے خلاف ہو تو دونوں کی گواہی باطل ہو جائے گی، حضرت حاکم شہید نے ایسا ہی ذکر کیا ہے، اس لئے کہ دونوں فریق کا جھوٹ ظاہر ہو گیا، اس لئے یہ جانور جس کے قبضے میں ہے اسی کے پاس چھوڑ دیا جائے گا

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: (۷۸۴) غلام ایک آدمی کے قبضے میں ہے، اور اس پر دو آدمیوں نے گواہی دی، ایک نے گواہی دی کہ اس نے مجھ سے غصب کیا ہے، اور دوسرے نے گواہی دی کہ اس کو میں نے امانت کے طور پر دی ہے، تو دونوں کی گواہی برابر درجے کی ہیں، (اور غلام آدھا آدھا ہو جائے گا)

فَهُوَ بَیْنَهُمَا) لِ لِاسْتِوَائِهِمَا.

﴿فَصْلٌ فِی التَّنَازُعِ بِالْأَیْدِی﴾

(٧٨٥) قَالَ (وَإِذَا تَنَازَعَا فِی دَابَّةٍ أَحَدُهُمَا رَاكِبُهَا وَالْآخَرُ مُتَعَلِّقٌ بِلِجَامِهَا فَالرَّاكِبُ أَوْلَی) لِ لِأَنَّ تَصَرُّفَهُ أَظْهَرُ فَإِنَّهُ یَخْتَصُّ بِالْمِلْكِ

(٧٨٦) (وَكَذَلِكَ إِذَا كَانَ أَحَدُهُمَا رَاكِبًا فِی السَّرْجِ وَالْآخَرُ رَدِیفُهُ فَالرَّاكِبُ فِی السَّرْجِ أَوْلَی)

ترجمہ: لِ اس لئے کہ دونوں کی گواہی برابر درجے کی ہیں

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ، غصب، اور امانت دونوں کا حکم برابر ہیں

تشریح : زید کے قبضے میں غلام ہے، اس غلام کے بارے میں ایک آدمی گواہی دیتا ہے کہ یہ غلام میرا ہے اور زید نے مجھ سے غصب کیا ہے، اور دوسرے آدمی نے گواہی دی کہ یہ غلام میرا ہے، اور زید کو میں نے امانت کے طور پر دی ہے، تو غصب اور امانت دونوں کے درجے برابر ہیں اس لئے غلام دونوں کو آدھا آدھا دے دیا جائے گا

﴿فصل فی التنازع بالایدی﴾

نوٹ :اس فصل میں یہ بیان کیا جائے گا کہ ایک کا قبضہ زیادہ ہے اور دوسرے کا کم ہے تو جانور کس کا ہوگا

ترجمہ : (٧٨٥) دو آدمیوں نے جھگڑا کیا، ایک جانور پر سوار ہے، اور دوسرا اس کے لگام کو پکڑے ہوا ہے، تو جو سوار ہے جانور میں اس کا حق زیادہ ہے

ترجمہ:لِ اس لئے کہ اس کا تصرف زیادہ ظاہر ہے، اس لئے اس کی ملکیت ہو جائے گی

اصول: یہ مسئلہ اصول پر ہے کہ دونوں کا قبضہ ہے، لیکن ایک کا قبضہ زیادہ ہے، اور دوسرے کا کم ہے، تو جس کا قبضہ زیادہ ہے جانور اس کا ہوگا

تشریح :دو آدمیوں نے کہا کہ یہ جانور میرا ہے، لیکن ایک اس پر سوار ہے، اور دوسرا لگام پکڑے ہوا ہے تو جو سوار ہے جانور اس کا ہوگا

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ سوار والا کا جانور پر قبضہ زیادہ ہے، اور لگام پکڑنے والا کا قبضہ بہت کم ہے، اس لئے جانور سوار والے کو دیا جائے گا

ترجمہ:(٧٨٦) ایسے ہی ایک زین پر سوار ہے، اور دوسرا اس کے پیچھے بیٹھا ہے تو زین میں سوار والا زیادہ حقدار ہے

وجہ : کیونکہ جو زین میں سوار ہے اس کی ملکیت زیادہ لگتی ہے، اور جو پیچھے بیٹھا ہے جانور پر اس کی ملکیت نہیں ہے، اور پیچھے سے زبردستی چڑھ گیا ہے

۱ بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَا رَاكِبَيْنِ حَيْثُ تَكُونُ بَيْنَهُمَا لِاسْتِوَائِهِمَا فِي التَّصَرُّفِ

(٧٨٧) (وَكَذَا إذَا تَنَازَعَا فِي بَعِيرٍ وَعَلَيْهِ حِمْلٌ لِأَحَدِهِمَا وَلِلْآخَرِ كُوزٌ مُعَلَّقٌ فَصَاحِبُ الْحِمْلِ أَوْلَى) ۱ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُتَصَرِّفُ

(٧٨٨) (وَكَذَا إذَا تَنَازَعَا فِي قَمِيصٍ أَحَدُهُمَا لَابِسُهُ وَالْآخَرُ مُتَعَلِّقٌ بِكُمِّهِ فَاللَّابِسُ أَوْلَى) ۱ لِأَنَّهُ أَظْهَرُهُمَا تَصَرُّفًا

(٧٨٩) (وَلَوْ تَنَازَعَا فِي بِسَاطٍ أَحَدُهُمَا جَالِسٌ عَلَيْهِ وَالْآخَرُ مُتَعَلِّقٌ بِهِ فَهُوَ بَيْنَهُمَا) مَعْنَاهُ لَا عَلَى طَرِيقِ الْقَضَاءِ لِأَنَّ الْقُعُودَ لَيْسَ بِيَدٍ عَلَيْهِ فَاسْتَوَيَا.

ترجمه: ۱ بخلاف اگر دونوں زین پر ہی سوار ہیں تو جانور دونوں میں آدھا آدھا ہوگا، اس لئے کہ تصرف میں دونوں برابر ہیں

تشریح: واضح ہے

ترجمه: (٧٨٧) اسی طرح اگر دو آدمیوں نے جھگڑا کیا، ایک آدمی کا اونٹ پر سامان ہے، اور دوسرے کا اونٹ کے ساتھ ایک لوٹا لٹکا ہوا ہے، تو اونٹ سامان والے کا ہوگا

ترجمه: ۱ اس لئے اونٹ پر اسی کا تصرف ہے

تشریح: جس کا سامان ہے اسی کا تصرف ہے، اور لوٹا کے لٹکے ہوئے کا تصرف نہیں ہے، اس لئے سامان والے کو اونٹ ملے گا

ترجمه: (٧٨٨) ایسے ہی دو آدمی ایک کرتے کے بارے میں جھگڑیں، ایک اس کو پہنے ہوا ہے، اور دوسرا اس کے آستین کو پکڑے ہوا ہے، تو کرتا پہننے والے کے لئے ہوگا۔

ترجمه: ۱ اس لئے کہ ظاہری طور پر پہننے والا ہی تصرف کرنے والا ہے۔

تشریح: واضح ہے

ترجمه: (٧٨٩) اگر دو آدمی ایک بستر کے بارے میں جھگڑ پڑیں، ایک اس پر بیٹھا ہوا ہے، اور دوسرا اس کو پکڑے ہوا ہے تو بستر دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہوگا

ترجمه: ۱ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ فیصلے کی وجہ سے نہیں ہے، اس لئے بستر پر بیٹھنے کی وجہ سے قبضہ نہیں سمجھا جاتا ہے، اس لئے دونوں کے حقوق برابر ہو گئے

تشریح: بستر پر بیٹھنے کی وجہ سے اس پر قبضہ نہیں سمجھا جاتا ہے، اس پر کوئی زبردستی بھی بیٹھ سکتا ہے، اس لئے اس پر بیٹھے والا، اور اس کو پکڑنے والے کے حقوق برابر ہیں، اس لئے دونوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگا۔

لغت: بید: ید کا ترجمہ ہے قبضہ ہونا، مالک ہونا

ترجمه: (٧٩٠) ایک کپڑا ایک آدمی کے ہاتھ میں ہے، اور اس کا ایک کنارہ دوسرے کے ہاتھ میں ہے تو یہ کپڑا آدھا

(٧٩٠) قَالَ: (وَإِذَا كَانَ ثَوْبٌ فِي يَدِ رَجُلٍ وَطَرَفٌ مِنْهُ فِي يَدِ آخَرَ فَهُوَ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ) لِ لِأَنَّ الزِّيَادَةَ مِنْ جِنْسِ الْحُجَّةِ فَلَا يُوجِبُ زِيَادَةً فِي الِاسْتِحْقَاقِ.

(٧٩١) قَالَ: (وَإِذَا كَانَ صَبِيٌّ فِي يَدِ رَجُلٍ وَهُوَ يُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهِ فَقَالَ: أَنَا حُرٌّ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ) لِأَنَّهُ فِي يَدِ نَفْسِهِ.

(٧٩٢) (وَلَوْ قَالَ أَنَا عَبْدٌ لِفُلَانٍ فَهُوَ عَبْدٌ لِلَّذِي هُوَ فِي يَدِهِ) لِ لِأَنَّهُ أَقَرَّ بِأَنَّهُ لَا يَدَ لَهُ حَيْثُ أَقَرَّ بِالرِّقِّ.

آدھا ہوگا

ترجمہ: لِ اس لئے کہ زیادہ پکڑنے کی وجہ سے زیادہ حق نہیں ملتا ہے

اصول: یہ مسئلہ اصول پر ہے کہ دونوں نے پکڑا ہو، لیکن کم یا زیادہ پکڑا ہو تو دونوں پکڑنے میں شریک ہیں اس لئے دونوں کے حقوق برابر درجے کے ہیں۔

تشریح: یہاں کپڑا دونوں نے پکڑا ہے، ایک نے زیادہ حصہ پکڑا ہے، اور دوسرے نے ایک کنارہ پکڑا ہے، لیکن پکڑنے میں دونوں شریک ہیں، اس لئے زیادہ پکڑنے کی وجہ سے زیادہ کپڑا نہیں ملے گا، کپڑا آدھا آدھا تقسیم کر دیا جائے گا

ترجمہ: (٧٩١) اگر بچہ کسی کے قبضے میں ہے، اور وہ اپنا اظہار خیال کر سکتا ہے، اور وہ کہتا ہے کہ میں آزاد ہوں، تو اس کی بات قبول ہوگی،

ترجمہ: لِ اس لئے اس کو اپنے اوپر قبضہ ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بچے کی بات کسی چیز میں قبول نہیں کی جاتی ہے لیکن شریعت میں آزاد رہنے کا فطری حق ہے اس لئے اس بارے میں بچے کی بات بھی قابل قبول ہے

تشریح: ،ایک بچہ کسی کے قبضے میں ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ یہ میرا غلام ہے، لیکن بچہ نابالغ ہے، لیکن اپنی بات کر سکتا ہے، اب وہ یہ کہتا ہے کہ میں آزاد ہوں تو اس کی بات مانی جائے گی، اور بچہ آزاد شمار کیا جائے گا

وجہ: کیونکہ شریعت نے بچے کو اپنے اوپر قبضہ مانا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جس کا قبضہ ہو اس کی بات مانی جاتی ہے، اس لئے یہاں بچے کی بات مان کر آزاد شمار کیا جائے گا۔

ترجمہ: (٧٩٢) اور اگر بچے نے کہا کہ میں فلاں آدمی کا غلام ہوں، تو وہ بچہ جس کے قبضے میں ہے اسی کا غلام ہوگا

ترجمہ: لِ اس لئے کہ جب بچے نے کہا کہ میں غلام ہوں تو یہ پتہ چلا کہ اس کو اپنے اوپر قبضہ نہیں ہے (اس لئے اس کے اقرار کا بھی اعتبار نہیں ہے)

تشریح: بچہ ایک آدمی کے قبضے میں ہے وہ کہتا ہے کہ یہ میرا غلام ہے، اور بچہ کہتا ہے کہ میں دوسرے آدمی کا غلام ہوں، تو

(۷۹۳) (وَإِنْ كَانَ لَا يُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهِ فَهُوَ عَبْدٌ لِلَّذِي هُوَ فِي يَدِهِ) ﴿ لِأَنَّهُ لَا يَدَ لَهُ عَلَى نَفْسِهِ لَمَّا كَانَ لَا يُعَبِّرُ عَنْهَا وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ مَتَاعٍ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ يُعَبِّرُ، فَلَوْ كَبِرَ وَادَّعَى الْحُرِّيَّةَ لَا يَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَهُ لِأَنَّهُ ظَهَرَ الرِّقُّ عَلَيْهِ فِي حَالِ صِغَرِهِ.

(۷۹۴) قَالَ: (وَإِذَا كَانَ الْحَائِطُ لِرَجُلٍ عَلَيْهِ جُذُوعٌ أَوْ مُتَّصِلٌ بِبِنَائِهِ وَلِلْآخَرِ عَلَيْهِ هَرَادِيٌّ فَهُوَ لِصَاحِبِ الْجُذُوعِ وَالِاتِّصَالِ، وَالْهَرَادِيُّ لَيْسَتْ بِشَيْءٍ) ﴿ لِأَنَّ صَاحِبَ الْجُذُوعِ صَاحِبُ

اب بچے کی بات نہیں مانی جائے گی، یہ بچہ جس کے قبضے میں ہے اسی کا غلام شمار کیا جائے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بچے نے کہا کہ میں غلام ہوں تو اس کا خود اپنے اوپر قبضہ نہیں رہا، کیونکہ غلام کا قبضہ اس کے اپنے اوپر نہیں ہوتا ہے، اس کے آقا کا قبضہ اس کے اوپر رہتا ہے، اس لئے بچے کی بات نہیں مانی جائے گی، اس کے آقا کی بات مانی جائے گی، اور اس کا غلام ہوگا۔

ترجمہ: (۷۹۳) اور اگر یہ بچہ اپنی بات نہیں کہہ سکتا ہے تو جس کے قبضے میں وہ ہے اسی کا غلام رہے گا

ترجمہ: ﴿ اس لئے کہ جب وہ اپنی بات نہیں کہہ سکتا ہے تو اس کو اپنے اوپر قبضہ بھی نہیں ہے، اس لئے اب وہ سامان کے درجے میں ہوگا (یعنی سامان جس کے قبضے میں ہوتا ہے اسی کا ہوتا ہے، یہ بچہ سامان کی طرح قبضے والے کا ہی ہوگا)

تشریح: بچہ اپنی بات نہیں کہہ سکتا ہے، اس لئے یہ سامان کے درجے میں ہوگا، اور سامان کا حال یہ ہے کہ وہ جس کے قبضے میں ہوتا ہے، اسی کا شمار ہوتا ہے، اسی طرح یہ بچے قبضے والے ہی کا شمار ہوگا۔

ترجمہ: ۲ بخلاف اگر وہ اپنی بات کہہ سکتا ہو (اور وہ کہتا ہو کہ میں آزاد ہوں تو اس کی بات مانی جائے گی)

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ۳ اور اگر وہ بچہ بڑا ہوا اور اب آزاد ہونے کا دعوی کرتا ہے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچپنے میں اس کی غلامیت ظاہر ہو چکی ہے (اس لئے وہ باقی رہے گی)

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک چیز ثابت ہو جائے تو بغیر حجت قاطعہ کے وہ ختم نہیں ہوتی

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: (۷۹۴) ایک آدمی کی دیوار ہے، اس دیوار پر اس کی شہتیر ہے، یا اس کی دیوار کے ساتھ دیوار چپکی ہوئی ہے، اور دوسرے آدمی کا اس پر ہرادی ہے تو یہ دیوار شہتیر والے کے لئے اور جس کی دیوار اس کے ساتھ چپکی ہوئی ہے اس کی ہوگی۔ اور ہرادی کا کوئی اعتبار نہیں ہے (یعنی ہرادی والے کو کچھ نہیں ملے گا)

ترجمہ: ﴿ اس لئے کہ شہتیر والا اس دیوار کو استعمال کر رہا ہے، اور دوسرے آدمی کا تو صرف تھوڑا سا تعلق ہے، تو یہ ایسا ہو گیا کہ ایک جانور ہے اس بارے میں دو آدمی جھگڑیں، ایک کا اس پر سامان ہے، اور دوسرے کا اس کے ساتھ لوٹا لٹکا ہوا ہے۔ (تو جانور

اسۡتِعۡمَالٍ وَالۡآخَرُ صَاحِبُ تَعَلُّقٍ فَصَارَ كَدَابَّةٍ تَنَازَعَا فِيهَا وَلِأَحَدِهِمَا عَلَيۡهَا حِمۡلٌ وَلِلۡآخَرِ كُوزٌ مُعَلَّقٌ بِهَا، ٢ وَالۡمُرَادُ بِالِاتِّصَالِ مُدَاخَلَةُ لَبِنِ جِدَارِهِ فِيهِ وَلَبِنِ هَذَا فِي جِدَارِهِ وَقَدۡ يُسَمَّى اتِّصَالُ تَرۡبِيعٍ، وَهَذَا شَاهِدٌ ظَاهِرٌ لِصَاحِبِهِ لِأَنَّ بَعۡضَ بِنَائِهِ عَلَى بَعۡضِ بِنَاءِ هَذَا الۡحَائِطِ. ٣ وَقَوۡلُهُ الۡهَرَادِيُّ لَيۡسَتۡ بِشَيۡءٍ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَا اعۡتِبَارَ لِلۡهَرَادِيِّ أَصۡلًا، وَكَذَا الۡبَوَارِي لِأَنَّ الۡحَائِطَ لَا يُبۡنَى لَهُمَا أَصۡلًا حَتَّى لَوۡ تَنَازَعَا فِي حَائِطٍ وَلِأَحَدِهِمَا عَلَيۡهِ هَرَادِيُّ وَلَيۡسَ لِلۡآخَرِ عَلَيۡهِ شَيۡءٌ فَهُوَ بَيۡنَهُمَا

سامان والے کا ہوگا،لوٹے والے کو کچھ نہیں ملے گا،اسی طرح یہاں دیوار شہتیر والے کو ملے گا،ہرادی والے کو کچھ نہیں ملے گا)

تشریح: الجذوع: شہتیر، چھت اور چھپر کے دو حصے ہوتے ہیں دونوں کے درمیان ایک موٹی سی لکڑی ہوتی ہے جس پر دونوں حصے ٹکے ہوتے ہیں، اسی کو شہتیر، کہتے ہیں، چونکہ گھر کا پورا مدار اسی شہتیر پر ہوتا ہے، اس لئے جس کی شہتیر ہے دیوار اور گھر اسی کا ہے۔۔ ھراوی: گھر سے باہر دیوار پر دو پتلی پتلی لکڑیاں گاڑتے ہیں اور اس پر مٹی ڈال کر سائبان سا بنا لیتے ہیں، چونکہ یہ باہر کا کوئی آدمی بھی کر سکتا ہے، اس لئے ہراوی ہونا دیوار کا مالک ہونے کی دلیل نہیں ہے، اس لئے ہراوی والے کو دیوار نہیں ملے گی ۔۔ البواری: دیوار سے باہر کھنوٹی گاڑ کر اس پر چٹائی ڈال دیتے ہیں، تا کہ سائبان سا ہو جائے، یہ بھی کوئی باہر کا آدمی کر سکتا ہے، اس لئے یہ بھی دیوار کے مالک ہونے کی دلیل نہیں ہے، اس لئے اس سے بھی اس آدمی کو دیوار نہیں ملے گی

ترجمہ: ٢ اتصال کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دیوار کی اینٹ اس دیوار میں پیوست ہو، اور اس دیوار کی اینٹ اس کی دیوار میں، اس کو اتصال تربیع، کہتے ہیں، یہ اس کے مالک بننے کی ظاہری گواہی ہے، اس لئے کہ اس کی کچھ تعمیر اس دیوار کے اوپر ہے

تشریح: متن میں ۔و الاتصال؛ اس کا مطلب یہ بتا رہے ہیں کہ جس دیوار میں جھگڑا ہے اس دیوار کی اینٹ اس مالک کی دیوار میں گھسی ہوئی ہو، اور اس مالک کی دیوار کی اینٹ جھگڑے والی دیوار میں گھسی ہوئی ہو جس سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ یہ جھگڑے والی دیوار اسی مالک کی ہے، اسی کو اتصال تربیع بھی کہتے ہیں

ترجمہ: ٣ متن میں ہے کہ ہراوی کوئی چیز نہیں ہے، یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہراوی ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، ایسے ہی بواری کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ دیوار ان دونوں چیزوں کے لئے بنائی ہی نہیں گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر ایک دیوار کے بارے میں دو آدمی جھگڑ گئے، اور ایک کا اس دیوار پر ہراوی تھا، اور دوسرے کا کچھ بھی نہیں تھا تب بھی دیوار دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہو جائے گا

تشریح: دیوار پر ہراوی، اور بواری ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور اس سے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ یہ دیوار اسی کی ملکیت کی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک دیوار ہے جس پر ایک آدمی کا ہراوی اور بواری ہے، اور دوسرے کا کچھ بھی نہیں ہے تب بھی یہ دیوار دونوں کے درمیان آدھی آدھی ہو جائے گی، اور دونوں کے حقوق برابر ہوں گے، کیونکہ ہراوی، اور بواری ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے

(۷۹۵) (وَلَوْ كَانَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَيْهِ جُذُوعٌ ثَلَاثَةٌ فَهُوَ بَيْنَهُمَا) لِ لِاسْتِوَائِهِمَا وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْأَكْثَرِ مِنْهَا بَعْدَ الثَّلَاثَةِ

(۷۹۶) (وَإِنْ كَانَ جُذُوعُ أَحَدِهِمَا أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةٍ فَهُوَ لِصَاحِبِ الثَّلَاثَةِ وَلِلْآخَرِ مَوْضِعُ جِذْعِهِ) لِ فِي رِوَايَةٍ، وَفِي رِوَايَةٍ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَا تَحْتَ خَشَبِهِ، ٢ ثُمَّ قِيلَ مَا بَيْنَ الْخَشَبِ إِلَى الْخَشَبِ

ترجمہ: (۷۹۵) اگر دونوں آدمیوں کی دیوار پر تین تین شہتیر ہیں تو یہ دیوار دونوں کے درمیان برابر ہوگی

ترجمہ: لے اس لئے کہ دونوں کا حق برابر ہو گیا، اور تین کے بعد کسی کی شہتیر زیادہ ہو گئی تو اس کا اعتبار نہیں ہے

تشریح: کپڑے کا چھپر بنانے کے لئے تین شہتیر لازمی ہوتی ہیں، ایک شہتیر بیچ میں ہوتی ہے جو اونچی ہوتی ہے، اور دو دونوں کنارے پر ہوتیں ہیں، اس سے زیادہ لگائیں تو یہ مزید مضبوط کرنے کے لئے ہے،، یہ ضرورت میں داخل نہیں ہے، اس لئے اگر دیوار پر کسی کی شہتیر پانچ ہیں، اور کسی کی تین ہیں تب بھی دیوار برابر تقسیم ہوگی، کیونکہ تین میں ضرورت پوری ہو گئی ہے، اور دونوں کے حقوق برابر ہو گئے ہیں

ترجمہ: (۷۹۶) اگر کسی ایک کی شہتیر تین سے کم ہے تو دیوار تین شہتیر والے کی ہے، اور دوسرے کو ایک روایت میں یہ ہے کہ صرف شہتیر رکھنے کا حق ملے گا

تشریح: اصل تو دیوار اس کی ہوگی جس کی تین شہتیر دیوار پر ہے، کیونکہ وہی اصل ہے، اور جس کی دو شہتیر، یا ایک شہتیر ہے تو اس کو صرف شہتیر رکھنے کا حق ملے گا، اصل دیوار میں اس کا کوئی حق نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے بھی پہلے سے شہتیر رکھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا بھی دیوار پر رکھنے کا حق ہے، ایک روایت یہی ہے

ترجمہ: لے اور دوسری روایت یہ ہے کہ جسکی جتنی جتنی لکڑی ہے اتنی اتنی دیوار کا حصہ ملے گا

تشریح: اس دوسری روایت کا حاصل یہ ہے کہ جس کی جتنی لکڑی ہے دیوار کا اتنا حصہ کریں، اور لکڑی کے مطابق دیوار کو تقسیم کر دیں، مثلا ایک کی تین شہتیر ے، اور دوسرے کی دو شہتیر ہے، تو دیوار کے پانچ حصے کریں، ان میں تین حصے تین والے کو دے دیں، اور دو حصے دو والے کو دے دیں

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ، دیوار شہتیر کے استعمال کے لئے ہے، اس لئے جس کی جتنی شہتیر ہوگی اتنا ہی اس کا حصہ ہوگا

ترجمہ: ٢ اس کے بعد دیوار کی تقسیم میں دو روایتیں ہو گئیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ایک شہتیر سے دوسرے شہتیر تک کے درمیان میں جو جگہ ہے اس کو بھی آدھا آدھا کر لیں، اور دوسری روایت یہ ہے کہ شہتیروں کی گنتی کے اعتبار سے پوری دیوار کو تقسیم کر دیں

تشریح: دیوار کی تقسیم کس طرح ہوگی، اس کے لئے دو حساب پیش کر رہے ہیں۔

ایک حساب یہ ہے کہ شہتیر، اور اس شہتیر سے دوسری شہتیر تک جتنی جگہ ہے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر لیں، اور اس شہتیر کے ساتھ وہ آدھا حصہ بھی دے دیں، اس طرح ہر ہر شہتیر کے ساتھ کر لیں، جس آدمی کی جتنی شہتیر ہوگی دیوار کی اتنی جگہ اس کو مل جائے گی

بَيْنَهُمَا، وَقِيلَ عَلَى قَدْرِ خَشَبِهِمَا، ٣ وَالْقِيَاسُ أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِالْكَثْرَةِ فِي نَفْسِ الْحُجَّةِ . ٤ وَوَجْهُ الثَّانِي أَنَّ الِاسْتِعْمَالَ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ بِقَدْرِ خَشَبَتِهِ. ٥ وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ الْحَائِطَ يُبْنَى لِوَضْعِ كَثِيرِ الْجُذُوعِ دُونَ الْوَاحِدِ وَالْمُثَنَّى فَكَانَ الظَّاهِرُ شَاهِدًا لِصَاحِبِ الْكَثِيرِ، إلَّا أَنَّهُ يَبْقَى لَهُ حَقُّ الْوَضْعِ ٦ لانَّ الظَّاهِرَ لَيْسَ بِحُجَّةٍ فِي اسْتِحْقَاقِ يَدِهِ

اور دوسرا حساب یہ ہے کہ مثلا دیوار پر پانچ شہتیر ہیں تو پوری دیوار کو پانچ حصوں میں تقسیم کر لیں، اور جس کی تین شہتیر ہیں اس کو تین حصے دے دیں، اور جس کی دو شہتیر ہیں اس کو دو حصے دے دیں، حساب کے یہ دو طریقے ہیں

ترجمہ: ٣ لیکن قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر ایک کو دیوار کا آدھا آدھا مل جائے، اس لئے کہ کسی کی زیادہ شہتیر، اور کسی کی کم شہتیر کا اعتبار نہیں ہے

تشریح: یہ تیسری بات ہے کہ، قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں کو آدھی آدھی دیوار دے دیں

وجہ: اس کی وجہ یہ کہ پہلے قول صحابی گزرا کہ زیادہ تعداد اور کم تعداد کا اعتبار نہیں ہے، اس لئے کسی کی زیادہ شہتیر ہو اور کسی کی کم ہو اس کا اعتبار نہیں ہوگا دونوں کو آدھی آدھی دیوار دے دیں، قول صحابی یہ ہے۔ **عن علی انه لا یرجح بکثرة العدد** (سنن للبیہقی، باب من قال لا یرجح فی الشھو دبکثرة العدد، ج عاشر، ص ۴۳۴، نمبر ۲۱۲۲۷) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ دو گواہ کے بعد کثرت عدد اور قلت عدد کا اعتبار نہیں ہے

لغت: نفس الحجہ: کا مطلب یہ ہے کہ دلیل پوری ہوگئی، اب اس کے بعد کسی کی کئی دلیلیں ہوں اور کسی کی ایک دلیل ہو تو دونوں کے حقوق برابر ہیں

ترجمہ: ٤ دوسری روایت (یعنی جتنی لکڑی ہو اتنی جگہ دے دو) کی وجہ یہ ہے کہ ہر آدمی اپنی لکڑی کی مقدار استعمال کرتا ہے (اس لئے لکڑی کی مقدار اس کی جگہ ہوگی)

تشریح: دوسری روایت یہ تھی کہ ہر آدمی کو اس کی لکڑی کی مقدار دیوار میں حق ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ لکڑی استعمال کرتا ہے، تو لکڑی کی مقدار بھی اسی کی جگہ ہوگی، اور جس کی جتنی لکڑی ہوگی دیوار کا اتنا حصہ اس کو ملے گا، ایسا نہیں ہوگا کہ پوری دیوار زیادہ لکڑی والے کو ملے، اور کم لکڑی والے کو دیوار نہیں ملے بلکہ صرف دیوار پر لکڑی رکھنے کا حق ملے

ترجمہ: ٥ اور پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ بہت ساری شہتیر رکھنے کے لئے دیوار بنائی جاتی ہے، ایک دو شہتیر رکھنے کے لئے نہیں، اس لئے جس کی شہتیر زیادہ ہے، یہ گواہ ہے کہ پوری دیوار اسی کی ہے، یہ اور بات ہے کہ اس کو دیوار پر رکھنے کا حق ہے

تشریح: یہ دوسری روایت کی دلیل ہے کہ۔ دیوار جو بنائی جاتی ہے وہ بہت ساری شہتیریں رکھنے کے لئے بنائی جاتی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس کی شہتیر زیادہ ہے اسی نے دیوار بنائی ہوگی، اور یہ دیوار اسی کی ہے، البتہ چونکہ پہلے سے اس پر دوسرے کی ایک دو شہتیر رکھی ہوئی ہے، اس لئے ابھی بھی اس کو شہتیر رکھنے کا حق ہوگا، البتہ دیوار اس کی نہیں ہوگی

ترجمہ: ٦ اس لئے کہ شہتیر رکھنے کا ظاہری حق اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ دیوار اسی کی ہے

(۷۹۷) (وَلَوْ كَانَ لِأَحَدِهِمَا جُذُوعٌ وَلِلْآخَرِ اتِّصَالٌ فَالْأَوَّلُ أَوْلَى) ۱؎ وَيُرْوَى اَنَّ الثَّانِي أَوْلَى. وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ لِصَاحِبِ الْجُذُوعِ التَّصَرُّفَ وَلِصَاحِبِ الِاتِّصَالِ الْيَدُ وَالتَّصَرُّفُ أَقْوَى. وَوَجْهُ الثَّانِي أَنَّ الْحَائِطَيْنِ بِالِاتِّصَالِ يَصِيرَانِ كَبِنَاءٍ وَاحِدٍ وَمِنْ ضَرُورَةِ الْقَضَاءِ لَهُ بِبَعْضِهِ الْقَضَاءُ بِكُلِّهِ ثُمَّ يَبْقَى لِلْآخَرِ حَقُّ وَضْعِ جُذُوعِهِ لِمَا قُلْنَا، وَهَذِهِ رِوَايَةُ الطَّحَاوِيِّ وَصَحَّحَهَا الْجُرْجَانِيُّ.

(۷۹۸) قَالَ: (وَإِذَا كَانَتْ دَارٌ مِنْهَا فِي يَدِ رَجُلٍ عَشَرَةُ أَبْيَاتٍ وَفِي يَدِ آخَرَ بَيْتٌ فَالسَّاحَةُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ) ۱؎ لِاسْتِوَائِهِمَا فِي اسْتِعْمَالِهَا وَهُوَ الْمُرُورُ فِيهَا.

تشریح: لان الظاہر۔اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری طور پر شہتیر رکھنے کا حق اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ دیوار اسی کی ہے

ترجمہ: (۷۹۷) اگر ایک آدمی کی دیوار پر شہتیر ہے، اور دوسرے آدمی کی دیوار کی اینٹ اس دیوار کی اینٹ میں گھسی ہوئی ہے تو جس کی شہتیر ہے دیوار اس کی ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ اور دوسری روایت یہ ہے کہ دوسرا یعنی اتصال والے کا حق زیادہ ہے۔پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ شہتیر والا تصرف کر رہا ہے، اور اتصال والے کا قبضہ ہے، اور تصرف والا زیادہ قوی ہوتا ہے، اس لئے دیوار اسی کی ہوگی، اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اتصال کی وجہ سے گویا کہ دونوں دیواریں ایک ہی عمارت ہوگئی، اور فیصلے کا قاعدہ یہ ہے کہ آدھی دیوار جس کی ہوگی تو باقی دیوار بھی اسی کی ہوگی، پھر شہتیر والے کو شہتیر رکھنے کا حق ہوگا، اس دلیل کی وجہ سے جو میں نے پہلے کہا۔یہی روایت طحاویؒ کی ہے، اور حضرت جرجانیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے

تشریح: ایک دیوار ہے اس پر زید کی شہتیر رکھی ہوئی ہے، اور اسی دیوار کے اندر عمر کی دیوار گھسی ہوئی ہے، جس کو، اتصال تربیع، کہتے ہیں، تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ جس کی شہتیر ہے دیوار اس کی ہوگی، کیونکہ وہ ابھی دیوار کو تصرف میں لا رہا ہے، اور چیز اس کی ہوتی ہے جو اس میں تصرف کرتا ہو۔اور دوسری روایت یہ ہے کہ جس کی دیوار متصل ہے اسی کی یہ دیوار بھی ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس کی دیوار کا کچھ حصہ اس کی دیوار میں گھسی ہوئی ہے تو یہ کچھ حصہ اس کا ہوگا، اور قاعدہ یہ ہے کہ کچھ حصہ اس کا ہو تو باقی حصہ بھی اسی کا ہوگا، اس لئے یہ دیوار بھی اسی کی ہوگی۔البتہ شہتیر والے کو چونکہ پہلے سے شہتیر رکھنے کا حق ہے اس لئے ابھی بھی یہ حق باقی رہے گا، اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے

ترجمہ: (۷۹۸) ایک بڑا گھر ہے، اس میں ایک آدمی کے دس کمرے ہیں، اور دوسرے کے قبضے میں ایک کمرہ ہے تو اس گھر کا صحن دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ دونوں کے استعمال برابر درجے کے ہیں، یعنی دونوں کا گزرنا برابر ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دونوں کی استعمال کی چیز ہے تو دونوں کا حق برابر ہے

تشریح: ایک بڑا سا گھر ہے جس میں گیارہ کمرے ہیں، دس کمرے ایک آدمی کے ہیں اور صرف ایک کمرہ ایک آدمی کا ہے

(٧٩٩) قَالَ: (وَإِذَا ادَّعَى رَجُلَانِ أَرْضًا) (يَعْنِي يَدَّعِي كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا) (أَنَّهَا فِي يَدِهِ لَمْ يَقْضِ أَنَّهَا فِي يَدِ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَتَّى يُقِيمَا الْبَيِّنَةَ أَنَّهَا فِي أَيْدِيهِمَا) ١ لِأَنَّ الْيَدَ فِيهَا غَيْرُ مُشَاهَدَةٍ لِتَعَذُّرِ إِحْضَارِهَا وَمَا غَابَ عَنْ عِلْمِ الْقَاضِي فَالْبَيِّنَةُ تُثْبِتُهُ.

(٨٠٠) (وَإِنْ أَقَامَ أَحَدُهُمَا الْبَيِّنَةَ جُعِلَتْ فِي يَدِهِ) ١ لِقِيَامِ الْحُجَّةِ لِأَنَّ الْيَدَ حَقٌّ مَقْصُودٌ

(٨٠١) (وَإِنْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ جُعِلَتْ فِي أَيْدِيهِمَا) ١ لِمَا بَيَّنَّا فَلَا تُسْتَحَقُّ لِأَحَدِهِمَا مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ

،لیکن دونوں ایک ہی صحن سے گزرتے ہیں ،تو چونکہ دونوں کے گزرنے کا حق برابر ہے اس لئے صحن دونوں کا آدھا آدھا ہو جائے گا ،ورنہ تو دوسرے آدمی کو گیارھواں حصہ اتنا کم راستہ ملے گا کہ وہ صحن سے گزر بھی نہیں پائے گا

وجہ : اس قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے ۔عن قتادۃ و حماد متاع وجد بین رجلین یدعیان جمیعا ، قالا یحلفان فان نکلا قسم بینھما و ان حلف قسم بینھما (مصنف عبد الرزاق ، باب المتاع فی ید رجلین یدعیانہ جمیعا ، ج ۸،ص ۲۸۱، نمبر ۱۵۲۱۸) اس قول تابعی میں ہے کہ سامان کو آدھا آدھا تقسیم کر دیا جائے گا

ترجمہ: (٧٩٩) دو آدمیوں نے ایک زمین پر دعوی کیا یہ زمین اس کے قبضے میں ہے، تو جب تک گواہی پیش نہ کرے قبضے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا

ترجمہ: ١ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین پر قبضہ قاضی کو نظر نہیں آئے گا ، کیونکہ زمین کو دار القضا میں حاضر نہیں کر سکے گا ، اور جو چیز کہ قاضی کے علم سے غائب ہو تو اس کو گواہ ہی ثابت کر سکتا ہے (اس لئے قبضے کے ثبوت کے لئے گواہ پیش کرنا ضروری ہے)

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ زمین پر قبضہ کس کا ہے ، یہ قاضی کو نظر نہیں آتا ہے ، اور قبضہ والا زمین کو دار القضاء میں لا نہیں سکتا ہے ، اس لئے لوگوں کے کہنے سے ، یا گواہوں ہی سے پتہ چلے گا کہ یہ زمین فلاں کے قبضے میں ہے ، یا حکومت کے کاغذات سے پتہ چلے گا کہ یہ زمین کس کی ہے ، اس لئے قبضہ ثابت کرنے کے لئے گواہ ضروری ہیں

تشریح : دو آدمی زمین پر قبضے کا دعوی کر رہے ہیں تو اپنے اپنے دعوی ثابت کرنے کے لئے گواہ ضروری ہیں ، کیونکہ زمین کو قاضی کے سامنے حاضر نہیں کر سکتے ، تو ثبوت کے لئے گواہ ضروری ہیں

ترجمہ: (٨٠٠) اور اگر ایک نے گواہ پیش کر دئے تو اسی کا قبضہ ثابت کر دیا جائے گا ، اس لئے اس نے دلیل دے دی

ترجمہ: ١ اس لئے کہ مقصد قبضہ تھا

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: (٨٠١) اور اگر دونوں نے گواہی دی تو دونوں کو قبضے دے دئے جائیں گے ،

ترجمہ: ١ اس دلیل کی وجہ سے جو میں نے بیان کی ، اس لئے کہ بغیر دلیل کوئی بھی مستحق نہیں ہوگا

تشریح: دونوں نے گواہی پیش کی ہے اس لئے دونوں کو قبضہ دے دیا جائے گا ،

(٨٠٢)(وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا قَدْ لَبِنَ فِي الْأَرْضِ أَوْ بَنِى أَوْ حَفَرَ فَهِيَ فِي يَدِهِ) لِ لِوُجُودِ التَّصَرُّفِ وَالِاسْتِعْمَالِ فِيهَا.

﴿بَابُ دَعْوَى النَّسَب﴾

(٨٠٣) (وَإِذَا بَاعَ جَارِيَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ) فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ يَوْمِ

وجه : پہلے دلیل بیان کی ہے کہ گواہی کے بغیر قبضہ نہیں ہوگا، اور ان دونوں نے گواہی دے دی ہے، اس لئے زمین پر دونوں کا قبضہ ہوگا۔

ترجمہ :(٨٠٢)اور اگر ایک نے زمین میں اینٹ بنالی، یا عمارت بنالی، یا کنواں کھودلیا تو زمین اس کے قبضے میں شمار کی جائے گی

ترجمہ:لے اس لئے کہ اس میں تصرف کیا، اور استعمال کیا ہے

تشریح : یہ تین کام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ زمین پر اس کا قبضہ ہے، اس لئے اگر زمین میں اینٹ بنالی، یا عمارت بنالی، یا کنواں کھودلیا تو سمجھا جائے گا کہ اس زمین پر اس کا قبضہ ہے۔

﴿باب دعوی النسب﴾

ترجمہ :(٨٠٣)ایک باندی بیچی، اس نے مشتری کے یہاں بچہ دیا، اب بائع نے دعوی کیا کہ یہ بچہ میرا ہے، تو اگر یہ بچہ بیچنے کے دن سے چھ مہینے کے اندر پیدا ہوا ہے، تو یہ بائع کا بچہ ہے، اور اس کی ماں (یعنی یہ باندی) بائع کی ام ولد بن گئی

اصول: یہاں سب مسئلوں میں یہ اصول ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہیں، اور زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے

تشریح: بائع نے باندی بیچ دی ہے، پھر بھی چھ مہینے میں بچہ پیدا ہوا تو یہ بات یقینی ہے کہ بیچتے وقت اس کے پیٹ میں بائع کا ہی حمل تھا، اس لئے یہ بچہ بائع کا ہوگا، اور جب اپنی باندی سے بچہ پیدا کرے تو وہ باندی ام ولد بن جاتی ہے، اب اس کو بیچ نہیں سکتا، بلکہ بائع کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو جائے گی

وجہ : (۱)اس قول صحابی میں ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ رفعت الی عثمان امرأة ولدت لستة اشهر ، فقال انها رفعت الی امراة لا اراه الا قال و قد جائت بشر او نحو هذاولدت لستة اشهر، فقال له ابن عباس اذا اتمت الرضاع کان الحمل ستة اشهر قال و تلا ابن عباس (و حمله و فصاله ثلاثون شهرا (الاحقاف ۴۶، آیت ۱۵) فاذا اتمت الرضاع کان الحمل ستة اشهر (مصنف عبدالرزاق، باب التی تضع لستة اشهر، ج ۷، ص ۳۵۱، نمبر ۱۳۴۴۶ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی اقل الحمل ج سابع ص ۷۲۷ نمبر ۱۵۵۵۱)اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔(۲)۔ان عمرؓ اتی بامرأة قد ولدت لستة اشهر فهم برجمها فبلغ ذلک علیا فقال

بَـاعَ فَهُوَ ابْنٌ لِلْبَائِعِ وَأُمُّهُ أُمُّ وَلَدٍ لَه ١؎ وَفِـي الْـقِيَاسِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ دَعْوَتُهُ بَـاطِـلَةٌ لِأَنَّ الْبَيْعَ اعْتِرَافٌ مِنْهُ بِأَنَّهُ عَبْدٌ فَكَانَ فِي دَعْوَاهُ مُنَاقِضًا وَلَا نَسَبَ بِدُونِ الدَّعْوَى ٢؎ وَجْهُ الِاسْتِـحْسَانِ أَنَّ اتِّصَالَ الْعُلُوقِ بِمِلْكِهِ شَهَادَةٌ ظَاهِرَةٌ عَلَى كَوْنِهِ مِنْهُ لِأَنَّ الظَّاهِرَ عَدَمُ الزِّنَا .وَمَبْنَى الـنَّسَـبِ عَـلَى الْخَفَاءِ فَيُعْفَى فِيهِ التَّنَاقُضُ، وَإِذَا صَحَّتِ الدَّعْوَى اُسْتَنَدَتْ إلَى وَقْتِ الْعُلُوقِ فَتَبَيَّنَ

لیس علیھا رجم فبلغ ذلک عمر فارسل الیه فسأله فقال والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرۃ ۲) وحملہ وفصالہ ثلاثون شھرا (آیت ۱۵، سورۃ الاحقاف ۴۶) فستة اشھر حمله حولین تمام لاحد علیھا او قال لا رجم علیھا قال فخلی عنھا ثم ولدت (سنن للبیھقی ، باب ماجاء فی اقل الحمل ج سابع ص ۷۲۷ نمبر ۱۵۵۴۸) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔

ترجمہ: ١؎ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ بائع کا دعوی باطل ہو جائے، اور امام شافعیؒ، اور امام زفرؒ کا بھی یہی قول ہے، اس لئے کہ بائع نے بیچ کر یہ اعتراف کیا کہ یہ مشتری کا غلام ہے، اس لئے بائع کے دعوی میں تناقض ہے، اور دعوی ہی بیکار گیا تو بغیر دعوی کے نسب ثابت نہیں ہوتا، اس لئے یہاں بائع سے نسب ثابت نہیں ہونا چاہئے

تشریح: قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ بائع کا دعوی ہی باطل ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ باندی بیچ کر یہ اعتراف کیا ہے کہ یہ بچہ میری اولاد نہیں ہے، بلکہ جس کے ہاتھ میں بیچ چکا ہوں اس کا غلام ہے، اس لئے اس کے دعوی میں میں تناقض ہے، تو گویا کہ اس نے اپنا بچہ ہونے کا دعوی ہی نہیں کیا، اور بغیر دعوی کے یہ بچہ بائع کا بچہ نہیں بنے گا، اس لئے بائع سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا

ترجمہ: ٢؎ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ، جب چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا تو پتہ چلا کہ بیچتے وقت ہی میں بائع کا حمل تھا، اور یہ ظاہری گواہی ہے کہ یہ بچہ بائع ہی کا ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ باندی نے زنا نہیں کیا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ نسب کا مدار پوشیدہ ہوتا ہے، اس لئے اس کے دعوی کے تناقض کو معاف کر دیا جائے گا، اور جب اس کا دعوی صحیح ہو گیا، تو یہ دعوی حمل کے ٹھہرتے وقت پر جائے گا، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ بائع نے باندی نہیں بیچی، بلکہ اپنی ام ولد کو بیچی ہے، اس لئے بیع ٹوٹ جائے گی، اس لئے کہ ام ولد کی بیع نہیں ہوتی ہے، اور بائع مشتری کو قیمت واپس کرے گا، اس لئے کہ بائع نے بغیر حق کے قیمت پر قبضہ کیا ہے۔

لغت: ام ولد: اپنی باندی سے بچہ پیدا کرے تو یہ باندی ام ولد بن جاتی ہے، یعنی اپنے بچے کی ماں، یہ ام ولد مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے، اور مالک کی زندگی میں اس کو کوئی بیچ نہیں سکتا، کیونکہ اس میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔

تشریح: استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ بائع کا دعوی کرنا درست ہے، اس کی دو وجہ ہیں۔

وجہ: (۱) ایک وجہ یہ ہے کہ جب چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا تو یہ یقین ہو گیا کہ حمل جو ٹھہرا تھا وہ بیچنے سے پہلے ٹھہرا تھا، اور بیچتے وقت باندی کے پیٹ میں بائع کا بچہ موجود تھا، اس لئے اس کا دعوی صحیح ہے۔ (۲) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نسب ہر حال میں ثابت کیا جاتا ہے، تا کہ بچہ حرامی ثابت نہ ہو۔ اس لئے نسب کا معاملہ پوشیدہ ہوتا ہے، اس لئے بائع کے دعوی میں تناقض پیدا

أَنَّهُ بَاعَ أُمَّ وَلَدِهِ فَيُفْسَخُ الْبَيْعُ لِأَنَّ بَيْعَ أُمِّ الْوَلَدِ لَا يَجُوزُ (وَيُرَدُّ الثَّمَنُ) لِأَنَّهُ قَبَضَهُ بِغَيْرِ حَقٍّ .

(٨٠٤) (وَإِنِ ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِي مَعَ دَعْوَةِ الْبَائِعِ أَوْ بَعْدَهُ فَدَعْوَةُ الْبَائِعِ أَوْلَى) ل لِأَنَّهَا أَسْبَقُ لِاسْتِنَادِهَا إلَى وَقْتِ الْعُلُوقِ وَهَذِهِ دَعْوَةُ اسْتِيلَادٍ.

(٨٠٥) (وَإِنْ جَائَتْ بِهِ لِأَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الْبَيْعِ لَمْ يَصِحَّ دَعْوَةُ الْبَائِعِ) ل لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ اتِّصَالُ الْعُلُوقِ بِمِلْكِهِ تَيَقُّنًا وَهُوَ الشَّاهِدُ وَالْحُجَّةُ

ہوا ہے نسب ثابت کرنے کے لئے اس کو معاف کیا جائے گا، اور اس بچے کو بائع کا بچہ شمار کیا جائے گا، اور بیع ٹوٹ جائے گی، اور باندی بائع کی طرف لوٹ آئے گی، اور یہ ام ولد بن جائے گی، اور بائع کو مشتری کی طرف قیمت واپس کرنا ہوگا، کیونکہ ظاہر ہوا کہ اس نے ناحق قیمت لی تھی۔

ترجمہ: (٨٠٤) اور اگر بائع کے دعوی کے ساتھ مشتری نے بھی دعوی کیا تو، یا بائع کے دعوی کے بعد مشتری نے دعوی کیا تو بائع کا دعوی زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ اس کا دعوی پہلے ہے

ترجمہ: ل اس لئے کہ بائع کا دعوی حمل ٹھہرنے کے وقت سے ہے، اور یہ دعوی ام ولد بنانے کے لئے ہے

تشریح: بائع اور مشتری دونوں نے اپنا اپنا بچہ ہونے کا دعوی کیا تو بائع کا بچہ قرار دینا بہتر ہے

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتری کا دعوی خریدنے کے بعد ہوگا، اور بائع کا دعوی بیچنے سے پہلے ہے، کیونکہ بیچنے سے پہلے ہی حمل ٹھہرا ہے اس لئے بائع کی ہی بات مانی جائے گی، اور تیسری بات یہ ہے کہ بائع کا دعوی ام ولد بنانے کے لئے ہے، اور یہ انسانی حقوق ہے اس لئے اس کو ترجیح دی جائے گی

ترجمہ: (٨٠٥) اور اگر بیع کے دو سال کے بعد بچہ پیدا ہوا تو اب بائع کا دعوی صحیح نہیں ہوگا،

ترجمہ: ل اس کی وجہ یہ ہے کہ، بائع کی ملکیت میں یقینی طور پر حمل نہیں ٹھہرا ہے، حالانکہ یہ حمل ٹھہرنا ہی گواہ اور دلیل ہے

تشریح: دو سال کے بعد بچہ پیدا ہوا تو یہ بات یقینی ہے کہ بیچتے وقت حمل نہیں تھا، بعد میں حمل ٹھہرا ہے اس لئے یہ بچہ بائع کا نہیں ہے۔ اور پہلے جو بائع کی بات مانی گئی تھی وہ اسی وجہ سے کہ بیچتے وقت اس کا حمل تھا، اور یہ یہاں نہیں ہے اس لئے بائع کی بات نہیں مانی جائے گی

وجہ: (١) اور اس قول صحابی میں ہے کہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ **عن عائشة قالت : لا تزید المرأة علی حملها علی سنتین قدر ظل المغزل** ۔ (دار قطنی، باب المہر، ج ٤، ص ٤٩٩، نمبر ٣٨٧٤ رسنن سعید بن منصور، باب المرأة تلد لستة اشہر، ج ٢، ص ٩٤، نمبر ٢٠٧٧) اس قول صحابی میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے (٢) بچہ پیٹ میں زیادہ سے زیادہ دو سال رہتا ہے، یہاں دو سال سے زیادہ میں پیدا ہوا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ بیچتے وقت بائع کا حمل پیٹ میں نہیں تھا

(۸۰۶) (إلَّا إذَا صَدَّقَهُ الْمُشْتَرِیُّ فَیَثْبُتُ النَّسَبُ) لِ وَیُحمَلُ عَلَی الِاسْتِیلَادِ بِالنِّکَاحِ، وَلَا یَبْطُلُ الْبَیْعُ لِأَنَّا تَیَقَّنَّا أَنَّ الْعُلُوقَ لَمْ یَکُنْ فِی مِلْکِهِ فَلَا یُثْبِتُ حَقِیقَةَ الْعِتْقِ وَلَا حَقَّهُ، وَهَذِهِ دَعْوَةُ تَحْرِیرٍ وَغَیْرُ الْمَالِکِ لَیْسَ مِنْ أَهْلِهِ.

(۸۰۷) (وَإِنْ جَائَتْ بِهِ لِأَکْثَرَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ الْبَیْعِ وَلِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَیْنِ لَمْ تُقْبَلْ دَعْوَةُ الْبَائِعِ فِیهِ إلَّا أَنْ یُصَدِّقَهُ الْمُشْتَرِی) لِ لِأَنَّهُ احْتَمَلَ أَنْ لَا یَکُونَ الْعُلُوقُ فِی مِلْکِهِ فَلَمْ تُوجَدِ الْحُجَّةُ فَلَا

ترجمہ:(۸۰۶) لیکن اگر مشتری تصدیق کردے تو بائع سے نسب ثابت ہو جائے گا

ترجمہ:لِ اور بائع کا دعوی اس بات پر حمل کیا جائے گا کہ مشتری نے بعد میں بائع سے نکاح کرایا ہے اس سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے۔

تشریح: بیچنے کے بعد سے دو سال بعد بچہ پیدا ہوا، اس سے یہ تو طے ہے کہ بیچتے وقت باندی کے پیٹ میں بائع کا حمل نہیں تھا، کیونکہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے، اب بائع دعوی کرتا ہے کہ یہ بچہ میرا ہے، تو نسب ثابت نہیں ہوگا، ہاں مشتری یہ تصدیق کردے کہ یہ بچہ بائع ہی کا ہے تو اب بچے کا نسب بائع سے ثابت کر دیا جائے گا، اور یوں تاویل کی جائے گی کہ مشتری نے اپنی ملکیت میں بائع سے باندی کا نکاح کرایا ہے، اور اس سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے، کیونکہ زنا تو کر نہیں سکتا ہے، اس لئے نکاح ہی کی شکل بنے گی

وجہ: بچے کو حرامی قرار نہ دیا جائے شریعت میں یہ ضروری ہے، اس لئے نسب ثابت کرنے کے لئے یہ نکاح والی تاویل کی جائے گی

ترجمہ: ۲ بیع نہیں ٹوٹے گی، اس لئے کہ یقین ہے کہ بیچتے وقت پیٹ میں حمل نہیں تھا، اس لئے بچہ کے لئے حقیقت آزادگی نہیں ہوگی، اور نہ اس کا حق ہوگا، اور بائع کا یہ دعوی آزاد کرانے کا ہے، اور غیر مالک آزاد کرانے کا اہل نہیں ہے

تشریح: جب یہ طے ہے کہ بیچتے وقت بائع کا حمل نہیں تھا، اور نکاح کرا کر بچہ پیدا ہوا ہے، اس لئے بیع نہیں ٹوٹے گی، بچہ آزاد نہیں ہوگا، باندی ام ولد نہیں بنے گی۔

وجہ: بچے پر، اور باندی پر ابھی بائع کی ملکیت نہیں ہے اس لئے بغیر ملکیت کے وہ بچے کو آزاد نہیں کرا سکتا ہے۔

ترجمہ: (۸۰۷) اور اگر بیع سے چھ مہینے کے بعد اور دو سال کے اندر بچہ پیدا ہوا تو بھی بائع کا دعوی قبول نہیں کیا جائے گا، ہاں مشتری اس کی تصدیق کردے (تو بچہ بائع کا ہوگا)

ترجمہ: لِ اس لئے کہ اس بات کا قوی احتمال ہے کہ حمل بائع کی ملکیت میں نہ ٹھہرا ہو اس لئے حجت نہیں پائی گئی، اس لئے مشتری کی تصدیق ضروری ہے

تشریح: چھ مہینے کے بعد، اور دو سال کے اندر بچہ پیدا ہوا، اور بائع نے دعوی کیا کہ یہ بچہ میرا ہے، تو چونکہ چھ مہینے کے بعد

بُـدَّ مِنْ تَصْدِيقِهِ، ٢ــ وَإِذَا صَـدَّقَـهُ يَثْبُـتُ الـنَّسَبُ وَيَبْطُلُ الْبَيْعُ وَالْوَلَدُ حُرٌّ وَالْأُمُّ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ كَمَا فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى لِتَصَادُقِهِمَا وَاحْتِمَالِ الْعُلُوقِ فِي الْمِلْكِ .

(٨٠٨) قَالَ (فَإِنْ مَـاتَ الْوَلَدُ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَقَدْ جَائَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَثْبُتِ الاسْتِيلَادُ فِي الْأُمِّ) ١ــ لِأَنَّهَا تَابِعَةٌ لِلْوَلَدِ وَلَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ بَعْدَ الْمَوْتِ لِعَدَمِ حَاجَتِهِ إِلَى ذَلِكَ فَلَا يَتْبَعُهُ اسْتِيلَادُ الْأُمِّ.

(٨٠٩) (وَإِنْ مَـاتَـتِ الْأُمُّ فَـادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَقَدْ جَائَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ يَثْبُتُ النَّسَبُ فِي الْوَلَدِ

بچہ پیدا ہوا ہے، اس لئے یہ یقینی نہیں ہے کہ بائع کے بیچتے وقت باندی کے پیٹ میں بائع کا حمل ہے، اس لئے یہ بچہ بائع کا شمار نہیں کیا جائے گا، ہاں مشتری اس کی تصدیق کردے کہ یہ بچہ بائع کا ہے تو اب یہ بچہ بائع کا ہوگا، کیونکہ دو سال تک پیٹ میں حمل رہ سکتا ہے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ بیچتے وقت یہ بچہ باندی کے حمل میں تھا

ترجمه : ٢ــ اگر مشتری نے بائع کی تصدیق کردی تو بائع سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا، اور بیع ٹوٹ جائے گی، اور بچہ آزاد ہو جائے گا، باندی ام ولد بن جائے گی، جیسا کہ پہلے مسئلے میں تھا، اس لئے کہ بائع اور مشتری دونوں نے بچے کی تصدیق کردی، اور چونکہ دو سال کے اندر بچہ پیدا ہوا ہے اس لئے اس بات کا احتمال ہے کہ بائع کی ملکیت میں حمل ٹھہر چکا ہو

تشریح : ابھی اوپر حضرت عائشہؓ کا قول گزرا کہ دو سال تک حمل پیٹ میں رہ سکتا ہے، اس لئے جب مشتری نے اس کی تصدیق کردی تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ بیچتے وقت پیٹ میں حمل تھا، اس لئے یہ بیچنا صحیح نہیں تھا، اس لئے اب بیع ٹوٹ جائے گی، بچہ آزاد ہو جائے گا، اور باندی بائع کی ام ولد بن جائے گی۔

ترجمه : (٨٠٨) بچے کا انتقال ہوا اس کے بعد بائع نے اپنا بیٹا ہونے کا دعوی کیا، اور وہ بچہ بیع سے چھ مہینے کے اندر پیدا ہوا تھا، اس کی ماں ام ولد نہیں بنے گی

ترجمه : ١ــ اس لئے کہ ام ولد بننے میں ماں بچے کے تابع ہوتی ہے، اور موت کی وجہ سے بچے کا نسب ثابت کرنے کی ضرورت نہیں رہی، اس لئے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا، اس لئے ماں بھی ام ولد بننے میں بچے کا تابع نہیں ہوگی

تشریح : بچے کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد بائع نے اپنا بیٹا ہونے کا دعوی کیا ہے، وہ بچہ بیع کے وقت سے چھ ماہ کے اندر اندر پیدا ہوا تھا، تو بچے کے نسب ثابت کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی کیونکہ وہ اب موجود ہی نہیں ہے، اور بچے کے آزاد ہونے کی وجہ سے ماں ام ولد بنتی ہے، اور آزاد ہوتی ہے، تو اب ماں بھی ام ولد نہیں بنے گی، کیونکہ بچہ آزاد نہیں ہوا

وجه : اس حدیث میں ہے کہ بچے نے ماں کو ام ولد بنایا، اور آزاد کیا۔ **عن ابن عباس قال ذکرت ام ابراهیم عند رسول الله ﷺ فقال أعتقها ولدها** ۔ (ابن ماجۃ شریف، کتاب العتق، باب امہات الاولاد، ص ٣٦١، نمبر ٢٥١٦) اس حدیث میں ہے کہ بچے کی وجہ سے ماں ام ولد بن جاتی ہے

ترجمه : (٨٠٩) اگر ام ولد کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد بائع نے بچہ ہونے کا دعوی کیا، اور بچہ چھ مہینے کے اندر پیدا ہوا تھا تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا، اور بائع اس کو لے لے گا

وَأَخَذَهُ الْبَائِعُ)؛ ل لِأَنَّ الْوَلَدَ هُوَ الْأَصْلُ فِي النَّسَبِ فَلَا يَضُرُّهُ فَوَاتُ التَّبَعِ، وَإِنَّمَا كَانَ الْوَلَدُ أَصْلًا لِأَنَّهَا تُضَافُ إلَيْهِ يُقَالُ أُمُّ الْوَلَدِ، وَتَسْتَفِيدُ الْحُرِّيَّةَ مِنْ جِهَتِهِ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – »أَعْتَقَهَا وَلَدُهَا ٢ے وَالثَّابِتُ لَهَا حَقُّ الْحُرِّيَّةِ وَلَهُ حَقِيقَتُهَا، وَالْأَدْنَى يَتْبَعُ الْأَعْلَى.

(٨١٠) (وَيَرُدُّ الثَّمَنَ كُلَّهُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَا: يَرُدُّ حِصَّةَ الْوَلَدِ وَلَا يَرُدُّ حِصَّةَ الْأُمِّ)

ترجمه: ل اس لئے کہ نسب میں بچہ ہی اصل ہے، اس لئے تابع (یعنی ماں) کے مرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا، اور بچہ اس لئے اصل ہے کہ ام ولد کو بچے کی ماں کہتے ہیں، اور ماں کو جو آزدگی ملتی ہے وہ بچے کی وجہ سے ملتی ہے، خود حضور ﷺ نے فرمایا کہ بچے نے ماں کو آزاد کیا ہے،

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بچہ آزاد ہونے میں اصل ہے، اور بچہ آزاد ہوگا تب ہی اس کے واسطے سے ماں آزاد ہوگی

تشریح: ماں کا انتقال ہو گیا لیکن بچہ ابھی موجود ہے، اور چھ مہینے کے اندر بچہ دیا تھا، اب بائع نے دعوی کیا کہ یہ بچہ میرا ہے، تو چونکہ بچہ موجود ہے، اور اس کا نسب ثابت کرنا ضروری ہے، اس لئے ماں نہ بھی ہو تب بھی بچے کا نسب ثابت کر دیا جائے گا، اور بائع اپنا بچہ مشتری سے واپس لے گا، اور بچے کی قیمت بائع واپس کرے گا،، ماں ام ولد بنے گی، لیکن اس کا انتقال ہو چکا ہے، اس لئے وہ اب بائع کی طرف واپس نہیں ہوگی، اس لئے ماں کی قیمت بائع مشتری کو واپس کرے گا یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے جو آگے آرہا ہے

وجه: ایک وجہ تو یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ بچے نے ماں کو آزاد کیا ہے اس لئے بھی نسب ثابت کرنے میں بچہ اصل ہے، ماں بچے کے تابع ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس قال ذکرت ام ابراہیم عند رسول اللہ ﷺ فقال أعتقھا ولدھا۔ (ابن ماجہ شریف، باب امہات الاولاد، ص ۳٦١، نمبر ۲۵١٦) اس حدیث میں ہے کہ بچے نے ماں کو آزاد کیا ہے۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ جب بچہ اصل ہوا اور وہ موجود ہے، تابع یعنی ماں موجود نہیں ہے تب بھی بچے کا نسب ثابت کیا جائے گا۔ (۳) اور تیسری وجہ یہ ہے کہ بچہ فورا آزاد ہوگا، اور ماں ابھی آزاد نہیں ہوگی، بلکہ آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہونے کا صرف حق حاصل ہوگا

ترجمه: ٢ے اور ماں کو آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہونے کا حق ثابت ہوگا، جبکہ بچہ حقیقت میں آزاد ہو جائے گا، اور قاعدہ یہ ہے کہ ادنی اعلی کے تابع ہوتا ہے، اس لئے ماں بچے کے تابع ہوگی۔

تشریح: :: اس عبارت میں یہ فرق بتایا جا رہا ہے کہ ماں ابھی آزاد نہیں ہوگی،، البتہ صرف آزاد ہونے کا حق بلکہ آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہوگی، اور بچے کا حال یہ ہے کہ جیسے ہی بائع سے نسب ثابت ہوا وہ آزاد ہو جائے گا، جس سے معلوم ہوا کہ آزاد ہونے میں بچہ اصل ہے، اور ماں اس کے تابع ہے، اور بچے کی وجہ سے ہی وہ آزاد ہو پائی ہے

ترجمه: (٨١٠) اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بائع پوری قیمت مشتری کی طرف واپس کرے گا، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ صرف بچے کی قیمت واپس کرے گا، اور ماں کی قیمت بائع واپس نہیں کرے گا

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں ماں کے مرنے کے بعد بھی بائع پر اس کی قیمت واپس کرنا لازم ہوگی

لِ لِأَنَّـهُ تَبَيَّـنَ أَنَّـهُ بَـاعَ أُمَّ وَلَـدِهِ، وَمَالِيَّتُهَا غَيْرُ مُتَقَوِّمَةٍ عِنْدَهُ فِي الْعَقْدِ وَالْغَصْبِ فَلَا يَضْمَنُهَا الْمُشْتَرِي، ٢ وَعِنْدَهُمَا مُتَقَوِّمَةٌ فَيَضْمَنُهَا. ٣ قَالَ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَإِذَا حَبِلَتِ الْجَارِيَةُ فِي مِلْكِ رَجُلٍ فَبَاعَهَا فَوَلَـدَتْ فِـي يَدِ الْمُشْتَرِي فَادَّعَى الْبَائِعُ الْوَلَدَ وَقَدْ أَعْتَقَ الْمُشْتَرِي الْأُمَّ فَهُوَ ابْنُهُ وَيَرُدُّ عَلَيْهِ بِحِصَّتِهِ مِنْ

اصول: اورصاحبینؒ کے نزدیک ماں ام ولدتو شمار کی جائے گی، لیکن چونکہ وہ ہلاک ہو چکی ہے، وہ بائع کی طرف واپس نہیں کی جاسکے گی، اس لئے اس کی قیمت بھی بائع پر واپس کرنا لازم نہیں ہے، ماں جو ہلاک ہوئی ہے وہ مشتری کی ہلاک ہوئی ہے

تشریح: ماں مر چکی ہے، اس لئے وہ بائع کی طرف واپس نہیں ہو سکے گی، اس لئے وہ ام ولدتو شمار کی جائے گی، لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بائع پر اس کی قیمت مشتری کی طرف واپس کرنا لازم ہے

وجه: اس کی وجہ تھوڑی پیچیدہ ہے۔۔ مشتری نے بچے اور ماں دونوں کی قیمت بائع کو مثلا ایک ہزار درہم دی تھی۔ بچے کا نسب بائع سے ثابت ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ نہ بچے کو بیچنا جائز تھا، اور اس کی ماں جو ام ولد بن چکی ہے اس کو بھی بیچنا جائز نہیں تھا، اس لئے بائع نے جو دونوں کی قیمت لی ہے وہ بلا وجہ لی ہے، اس لئے بچہ، اور ماں دونوں کی پوری قیمت واپس کرنی ہوگی۔ اور ام ولد جو مشتری کے پاس مری ہے وہ بائع کی چیز مری ہے جو گویا کہ مشتری کے پاس امانت تھی، اس لئے بائع پر پوری قیمت واپس کرنا لازم ہوگی

ترجمه: ١ اور ظاہر یہ ہوا کہ بائع نے ام ولد کو بیچا ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک ام ولد کے آزاد ہونے کی وجہ سے غصب اور عقد میں اس کی مالیت نہیں ہوتی، اس لئے مشتری ام ولد کے حصے کی قیمت کا ضمان نہیں دے گا اس لئے کہ اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی

تشریح: یہ صاحبین کی دلیل ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ صاحبینؒ کے یہاں بیع و شراء میں اور غصب میں ام ولد کی قیمت نہیں ہوتی ہے، اس لئے مشتری کے یہاں جو ام ولد ہلاک ہوئی اس کی کوئی قیمت نہیں ہے، اس لئے مشتری پر بائع کی طرف اس کی قیمت لوٹانا واجب نہیں ہے، اس لئے صرف بچے کی قیمت لوٹائے گا

ترجمه: ٢ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ام ولد کی قیمت ہے اس لئے مشتری اس کا ضامن ہوگا

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ام ولد کی قیمت ہے اس لئے مشتری کے یہاں ہلاک ہوئی تو مشتری پر اس کی قیمت لازم ہوگی

ترجمه: ٣ جامع صغیر میں یہ ہے کہ باندی ایک آدمی کی ملکیت میں حاملہ ہوگئی، پھر اس نے بیچ دیا، اور مشتری کے قبضے میں چھ مہینے کے اندر بچہ دیا، اب بائع نے دعوی کیا کہ یہ بچہ میرا ہے، اور حال یہ ہے کہ مشتری ماں کو آزاد کر چکا ہے، تو بچہ بائع کا ہوگا، اور مشتری بچہ واپس کرے گا، اور ام ولد کی قیمت واپس کرے گا

تشریح: یہاں بچہ موجود ہے، جو اصل ہے، اور اس کے نسب ثابت کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا، اور وہ بائع کی طرف لوٹ جائے گا۔ اور ماں مشتری کی جانب سے آزاد ہو چکی ہے، اور اسی کو ماں کی ولاء ملے گی، اس لئے وہ بائع کی ام ولد نہیں بنے گی، اور چونکہ بائع کی ام ولد نہیں بنی اس لئے اس کے حصے کی قیمت مشتری پر واجب ہوگی

الثَّمَنِ ۴؎ وَلَوْ كَانَ الْمُشْتَرِى أَعْتَقَ الْوَلَدَ فَدَعْوَتهُ بَاطِلَةٌ . ۵؎ وَجهُ الْفَرْقِ أَنَّ الْأَصْلَ فِي هَذَا الْبَابِ الْوَلَدُ، وَالْأُمُّ تَابِعَةٌ لَهُ عَلَى مَا مَرَّ . وَفِي الْجِلْدِ الْأَوَّلِ قَامَ الْمَانِعُ مِنَ الدَّعْوَةِ وَالِاسْتِيلَادِ وَهُوَ الْعِتْقُ فِي التَّبعِ وَهُوَ الْأُمُّ فَلَا يَمْتَنِعُ ثُبُوتُهُ فِي الْأَصْلِ وَهُوَ الْوَلَدُ، وَلَيْسَ مِنْ ضَرُورَاتِهِ . ۶؎ كَمَا فِي وَلَدِ الْمَغْرُورِ فَإِنَّهُ حُرٌّ وَأُمُّهُ أَمَةٌ لِمَوْلَاهَا، وَكَمَا فِي الْمُسْتَوْلَدَةِ بِالنِّكَاحِ . ۷؎ وَفِي الْفَصْلِ الثَّانِي قَامَ الْمَانِعُ بِالْأَصْلِ وَهُوَ الْوَلَدُ

ترجمه :۴؎ اوراگر مشتری نے بچے کو آزاد کر دیا، تواب بائع کا دعوی باطل ہوگا فرق کی وجہ یہ ہے کہ آزاد کرنے کے لئے یا نسب ثابت کرنے کے لئے اصل بچہ ہی ہے، اور ماں بچے کا تابع ہے، جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے

تشریح : ماں مشتری کے پاس موجود ہے، اور بچے کو آزاد کر دیا ہے تو اب اصل جو بچہ تھا اسی کے نسب ثابت کرنے کی ضرورت نہیں رہی، کیونکہ وہ آزاد ہو چکا ہے، اور اس کا ولاء مشتری کو ملے گا، اور اب اس کو توڑ بھی نہیں سکتا ، اس لئے ماں کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے بائع کا دعوی باطل ہو جائے گا

ترجمه : ۵؎ پہلی قسم، یعنی ماں مرچکی ہے تو تابع میں آزادگی ثابت کرنا مشکل ہو رہا ہے، اس لئے اصل، یعنی بچے میں آزادگی ثابت کرنا ممتنع نہیں ہوگا، اور تابع میں آزادگی ثابت کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے

تشریح : یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ پہلی قسم۔ جب ماں مرچکی ہے، اور بچہ زندہ ہے، تو یہاں ماں میں آزادگی ثابت کرنا مشکل ہو رہی ہے، لیکن اصل بچہ موجود ہے، اس لئے اس میں آزادگی ثابت کر دی جائے گی، چاہے ماں جو تابع ہے اس میں آزادگی ثابت نہ ہوتی ہو

ترجمه : ۶؎ جیسے مغرور کا بچہ، کہ بچہ آزاد ہوگا، لیکن ماں اس کے آقا کی ام ولد بنے گی، یا نکاح سے بچہ پیدا کیا۔

تشریح : یہاں دو مثالیں دے رہے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ بچہ جو اصل ہے اس میں نسب ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی، اور ماں جو تابع ہے اس میں مشکلات ہیں تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ پہلی مثال ہے۔ ولد المغرور: اس کی صورت یہ ہے کہ مثلا زید نے عمر سے باندی خریدی، اور اس باندی سے بچہ پیدا کر لیا، اب بعد میں یہ باندی خالد کی مستحق نکل گئی تو بچے کا نسب زید سے ثابت ہوگا، اور باندی چونکہ خالد کی نکل گئی اس لئے وہ خالد کی باندی بنے گی، کیونکہ اس کو ام ولد بنانا مشکل ہو گیا۔ دوسری مثال ۔۔ مستولد بالنکاح: اس کی صورت یہ ہے کہ زید نے عمر کی باندی سے نکاح کیا اور بچہ پیدا کر لیا تو بچے کا نسب زید سے ثابت ہوگا۔ لیکن باندی زید کی نہیں ہو پائے گی، عمر کی ہی باندی رہے گی۔ تو ان دونوں مثالوں میں بچہ جو اصل ہے، اس کا تو نسب ثابت ہوا، لیکن باندی میں مشکلات تھے اس کو ام ولد نہیں بنایا جا سکا۔ اسی طرح بچہ موجود ہو اور ماں مرگئی ہو تو بچے کا نسب ثابت کیا جائے گا، لیکن ماں ام ولد نہیں بنے گی، کیونکہ وہ تابع ہے اس میں زیادہ توجہ نہیں دی جائے گی

ترجمه : ۷؎ اور دوسری فصل یعنی مشتری نے بچے کو آزاد کر دیا ہو، تو اصل ہی میں ممانعت ہے، اس لئے بچے میں آزادگی ثابت نہیں ہوگی، اور تابع یعنی ماں میں بھی آزادگی نہیں ہوگی

فَيَمْتَنِعُ ثُبُوتُهُ فِيهِ وَفِي التَّبَعِ، ٨ وَإِنَّمَا كَانَ الْإِعْتَاقُ مَانِعًا؛ لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ النَّقْضَ كَحَقِّ اسْتِلْحَاقِ النَّسَبِ وَحَقِّ الِاسْتِيلَادِ فَاسْتَوَيَا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، ٩ ثُمَّ الثَّابِتُ مِنْ الْمُشْتَرِي حَقِيقَةُ الْإِعْتَاقِ وَالثَّابِتُ فِي الْأُمِّ حَقُّ الْحُرِّيَّةِ، وَفِي الْوَلَدِ لِلْبَائِعِ حَقُّ الدَّعْوَةِ وَالْحَقُّ لَا يُعَارِضُ الْحَقِيقَةَ، ١٠ وَالتَّدْبِيرُ بِمَنْزِلَةِ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ النَّقْضَ وَقَدْ ثَبَتَ بِهِ بَعْضُ آثَارِ الْحُرِّيَّةِ. ١١ وَقَوْلُهُ فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ يُرَدُّ عَلَيْهِ بِحِصَّتِهِ مِنْ الثَّمَنِ قَوْلُهُمَا وَعِنْدَهُ بِكُلِّ الثَّمَنِ هُوَ الصَّحِيحُ كَمَا ذَكَرْنَا فِي فَصْلِ الْمَوْتِ .

تشریح: بچے کو مشتری نے آزاد کر دیا، تو اصل آزاد ہو گیا، اور اصل کی ضرورت پوری ہو گئی، اس لئے تابع کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی

ترجمہ: ٨ آزاد ہونا اس لئے مانع ہے کہ جس نے آزاد کیا ہے اس سے ٹوٹ نہیں سکتا ہے، اور وہ نسب کے حق کی طرح ہے، اور ام ولد کے حق کی طرح ہے، اس اعتبار سے دونوں برابر ہو گئے،

تشریح: مشتری نے آزاد کر دیا ہو، تو بائع کے نسب کے دعوی سے وہ کیوں نہیں ٹوٹے گا، اس کی کئی وجہ بیان کر رہے ہیں۔ ایک وجہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ بچہ آزاد ہو گیا تو وہ ٹوٹ نہیں سکتا ہے، اس لئے بائع کے دعوی کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک طرف آزادگی ہے، دوسری طرف بائع کی طرف سے نسب کا دعوی ہے، یا اس کی ماں کو ام ولد بنانے کا دعوی ہے، تو آزدگی، اور نسب دونوں برابر ہو گئے، اس لئے نسب کی وجہ سے آزادگی نہیں توڑی جائے گی

ترجمہ: ٩ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مشتری نے حقیقت میں آزاد کر دیا ہے، اور ماں میں جو ثابت ہے وہ آزاد ہونے کا صرف حق ہے، یا بچے میں بائع کا صرف دعوی ہے، اس لئے آزادگی کا حق حقیقت میں آزادگی کے معارض نہیں ہو سکتا ہے

تشریح: یہ دوسری وجہ ہے کہ، مشتری نے بچے کو آزاد کر دیا تو یہ حقیقت میں آزادگی ہے، اور ام ولد میں حقیقت میں ابھی آزادگی نہیں ہے، بلکہ صرف آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہونے کا حق ہے، یا بائع کا صرف نسب ثابت کرنے کا دعوی ہے، اس لئے یہ کمزور ہیں، اس لئے یہ دونوں حقیقت میں آزاد ہونے کے معارض نہیں ہو سکتا ہے

ترجمہ: ١٠ اور مدبر بنانا آزاد کرنے کی طرح ہے، اس لئے کہ وہ بھی ٹوٹتا نہیں ہے، اور اس میں بھی آزادگی کے کچھ آثار ہیں

تشریح: جو حکم آزاد کرنے کا ہے وہی حکم مدبر بنانے کا ہے، اس لئے کہ مدبر بنانا بھی ٹوٹتا نہیں ہے، اور اس میں بھی آزادگی کے کچھ آثار ہیں، یعنی آقا کے مرنے کے بعد مدبر آزاد ہو جاتا ہے

ترجمہ: ١١ امام محمدؒ کا قول تھا، فصل اول۔ یعنی مشتری نے ماں کو آزاد کر دیا ہو تو بچہ کا حصہ واپس کرے یہ صاحبینؒ کا قول ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں پوری قیمت واپس کرے گا، یہی صحیح ہے، جیسا کہ ماں مر گئی ہو تو تفصیل تھی

تشریح: واضح ہے

(۸۱۱) قَالَ: (وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا وُلِدَ عِنْدَهُ وَبَاعَهُ الْمُشْتَرِي مِنْ آخَرَ ثُمَّ ادَّعَاهُ الْبَائِعُ الْأَوَّلُ فَهُوَ ابْنُهُ وَيَبْطُلُ الْبَيْعُ) ۱؎ لِأَنَّ الْبَيْعَ يَحْتَمِلُ النَّقْضَ، وَمَا لَهُ مِنْ حَقِّ الدَّعْوَةِ لَا يَحْتَمِلُهُ فَيُنْقَضُ الْبَيْعُ لِأَجْلِهِ، ۲؎ وَكَذَا إِذَا كَاتَبَ الْوَلَدَ أَوْ رَهَنَهُ أَوْ آجَرَهُ أَوْ كَاتَبَ الْأُمَّ أَوْ رَهَنَهَا أَوْ زَوَّجَهَا ثُمَّ كَانَتْ الدَّعْوَةُ لِأَنَّ هَذِهِ الْعَوَارِضَ تَحْتَمِلُ النَّقْضَ فَيُنْقَضُ ذَلِكَ كُلُّهُ وَتَصِحُّ الدَّعْوَةُ، ۳؎ بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ

ترجمہ: (۸۱۱) کسی اپنے ایسے غلام کو بیچا جو اسی کے پاس پیدا ہوا تھا، پھر مشتری نے دوسرے سے بیچ دیا، اس کے بعد پہلے بائع نے دعوی کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے، تو مشتری کی بیع ٹوٹ جائے گی

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ بیع ٹوٹنے کا احتمال رکھتی ہے، اور جو بچہ ہونے کا دعوی ہے وہ ٹوٹ نہیں سکتا، اس لئے بیٹا ہونے کے دعوی سے بیع ٹوٹ جائے گی

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ ایک طرف آزاد ہونا ہو، اور اس کے مقابلے پر اس سے کم درجے کی چیز ہو تو وہ ٹوٹ جائے گی، اور آزادگی برقرار رہے گی

تشریح: زید کی باندی سے بچہ پیدا ہوا، اس کو بیچ دیا، پھر مشتری نے اس بچے کو بیچ دیا، اس کے بعد زید نے دعوی کیا کہ یہ بچہ میرا بیٹا ہے، تو مشتری کی بیع ٹوٹ جائے گی، اور اس کے ساتھ آگے چھ قسم کی چیز ہیں جو ٹوٹ جائیں گی

وجہ: بچہ بنا کر آزاد کرنے کا دعوی بچے کے لئے بڑی چیز ہے، اس لئے اس کی وجہ سے مشتری نے بیچ بھی دیا تھا تو وہ بیع ٹوٹ جائے گی، اور بچہ بائع کی طرف واپس ہو جائے گی

ترجمہ: ۲؎ اسی طرح ٹوٹ جائے گی اگر مشتری نے مکاتب بنایا ہو، یا رہن پر رکھا ہو، یا اجرت پر رکھا ہو، یا اس کی ماں کو مکاتب بنایا ہو، یا اس کو رہن پر رکھا ہو، یا ماں کی شادی کرائی ہو، پھر بائع نے دعوی کیا ہو تو یہ سب عوارض ٹوٹنے کا احتمال رکھتے ہوں اس لئے یہ سب ٹوٹ جائیں گے، اور بائع کا دعوی صحیح ہو جائے گا۔

تشریح: یہاں چھ چیزیں ہیں جنکو مشتری نے کی ہیں تو وہ ٹوٹ جائیں گی۔ مشتری نے بچے کو مکاتب بنایا ہو۔ یا اس کو رہن پر رکھا ہو۔ یا اس کو اجرت پر رکھا ہو۔، یا اس کی ماں کو مکاتب بنایا ہو۔ یا اس کی ماں کو رہن پر رکھا ہو۔ یا اس کی ماں کا نکاح کر دیا ہو تو یہ سب ٹوٹ جائیں گے، اور بائع کے دعوی کی وجہ سے بچہ، اور اس کی ماں بائع اول کی طرف واپس آ جائیں گے

ترجمہ: ۳؎ بخلاف اگر مشتری نے بچے کو آزاد کر دیا ہو، یا مدبر بنا دیا ہو تو بائع کے دعوی کی وجہ سے یہ نہیں ٹوٹیں گے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مشتری کا آزاد کرنا بائع کے آزاد کرنے کے برابر ہے اس لئے اب بائع کے دعوی سے مشتری کا آزاد کرنا نہیں ٹوٹے گا

تشریح: واضح ہے

وَالتَّدْبِيرِ عَلَى مَا مَرَّ، ٤ وَبِخِلَافِ مَا إِذَا ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِى أَوَّلًا ثُمَّ ادَّعَاهُ الْبَائِعُ حَيْثُ لَا يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنَ الْبَائِعِ لِأَنَّ النَّسَبَ الثَّابِتَ مِنَ الْمُشْتَرِى لَا يَحْتَمِلُ النَّقْضَ فَصَارَ كَإِعْتَاقِهِ .

(٨١٢) قَالَ (وَمَنِ ادَّعَى نَسَبَ أَحَدِ التَّوْأَمَيْنِ ثَبَتَ نَسَبُهُمَا مِنْهُ) ١ لِأَنَّهُمَا مِنْ مَاءٍ وَاحِدٍ، فَمِنْ ضَرُورَةِ ثُبُوتِ نَسَبِ أَحَدِهِمَا ثُبُوتُ نَسَبِ الْآخَرِ، ٢ وَهَذَا لِأَنَّ التَّوْأَمَيْنِ وَلَدَانِ بَيْنَ وِلَادَتِهِمَا أَقَلُّ

ترجمه : ٤ بخلاف اگر مشتری نے پہلے اپنا بچہ ہونے کا دعوی کیا، اس کے بعد بائع نے دعوی کیا تو بائع سے نسب ثابت نہیں ہوگا، اس لئے کہ مشتری سے جو نسب ثابت ہوا وہ ٹوٹنے کا احتمال نہیں رکھتا ہے، تو ایسا ہو گیا کہ مشتری نے آزاد کیا ہو۔

تشریح : مشتری نے پہلے اپنا بچہ ہونے کا دعوی کیا، اس کے بعد پہلے بائع نے دعوی کیا تو پہلے بائع کا دعوی بیکار جائے گا، کیونکہ مشتری نے دعوی کر لیا ہے، اور اس سے نسب ثابت ہو چکا ہے، اور پہلے بائع کا دعوی بھی نسب ثابت کرنے کا ہے، اس لئے دونوں برابر درجے کے ہیں، اس لئے بائع کے دعوی سے مشتری کا دعوی نہیں ٹوٹے گا

ترجمه : (٨١٢) کسی نے جڑواں بچوں میں سے ایک کے نسب کا دعوی کیا تو اس آدمی سے دونوں بچوں کا نسب ثابت ہوگا

ترجمه : ١ اس لئے کہ دونوں ایک ہی پانی سے پیدا ہوئے ہیں، اس لئے یہ ضروری ہے کہ ایک کا نسب کسی سے ثابت ہو تو دوسرے کا نسب بھی اسی سے ثابت کر دیا جائے گا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جڑواں بچے ایک ہی پانی سے پیدا ہوتے ہیں، اس لئے ایک کا نسب کسی سے ثابت ہوا تو دوسرے کا نسب بھی خود بخود اسی سے ثابت ہو جائے گا

تشریح : ایک آدمی نے دو جڑواں بھائیوں کے بارے میں دعوی کیا کہ ان میں سے ایک بچہ میرا ہے تو دونوں کا نسب اسی سے ثابت ہو جائے گا۔

وجه : (١) کیونکہ جب ایک کا نسب ثابت ہوا تو دونوں ایک ہی پانی سے پیدا ہوئے ہیں، اس لئے یقینی بات ہے کہ دوسرا بچہ بھی اسی پانی سے پیدا ہوا ہے۔ (٢) دوسری بات یہ ہے کہ نسب ثابت کرنا یہ انسانی ضرورت ہے، ورنہ آدمی حرامی ہو جائے گا، اس لئے دوسرے بچے کا نسب بھی ثابت کر دیا جائے گا (٣)۔ **عن ابن عباس قال: ان طلقها وفی بطنها توأمان فوضعت احدهما راجعها ما لم تضع الآخر** ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب المطلقة الحامل فی بطنها ولد، ج ٧، ص ١٧، نمبر ١٢٠٠٨) اس قول صحابی کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بچے ایک ہی پانی سے پیدا ہوئے ہیں

ترجمه : ٢ اور توامین (جڑواں بچے) اس کو کہتے ہیں کہ ایک ہی رحم سے دو بچے پیدا ہوئے ہوں اور دونوں کے پیدا ہونے کے درمیان چھ مہینے سے کم مدت ہو، اس لئے کہ اس درمیان دوسرا حمل ٹھہرے یہ ممکن نہیں ہے، کیونکہ دو حمل کے درمیان کم سے کم چھ مہینہ مدت ہے

تشریح : واضح ہے

مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ فَلا يُتَصَوَّرُ عُلُوقُ الثَّانِي حَادِثًا لِأَنَّهُ لا حَبَلَ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ . ٣ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : إِذَا كَانَ فِي يَدِهِ غُلامَانِ تَوْأَمَانِ وُلِدَا عِنْدَهُ فَبَاعَ أَحَدَهُمَا وَأَعْتَقَهُ الْمُشْتَرِي ثُمَّ ادَّعَى الْبَائِعُ الَّذِي فِي يَدِهِ فَهُمَا ابْنَاهُ وَبَطَلَ عِتْقُ الْمُشْتَرِي؛ لِأَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ نَسَبُ الْوَلَدِ الَّذِي عِنْدَهُ لِمُصَادَفَةِ الْعُلُوقِ وَالدَّعْوَةِ مِلْكَهُ إِذْ الْمَسْأَلَةُ مَفْرُوضَةٌ فِيهِ ثَبَتَ بِهِ حُرِّيَّةُ الْأَصْلِ فَيَثْبُتُ نَسَبُ الْآخَرِ ، وَحُرِّيَّةُ الْأَصْلِ فِيهِ ضَرُورَةٌ لِأَنَّهُمَا تَوْأَمَانِ ، فَتَبَيَّنَ أَنَّ عِتْقَ الْمُشْتَرِي وَشِرَائَهُ لاقَى حُرِّيَّةَ الْأَصْلِ فَبَطَلَ ، ٤ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْوَلَدُ وَاحِدًا لِأَنَّ هُنَاكَ يَبْطُلُ الْعِتْقُ فِيهِ مَقْصُودًا لِحَقِّ دَعْوَةِ الْبَائِعِ وَهٰهُنَا

ترجمه : ٣ جامع صغیر میں ہے۔ایک آدمی کے ہاتھ میں دوغلام ہیں،دونوں اس کے پاس ہی پیدا ہوئے تھے (یعنی دونوں اس کی ملکیت میں پیدا ہوئے تھے)، پھر ان میں سے ایک کو بیچ دیا،اور مشتری نے اس کو آزاد کر دیا،اس کے بعد بائع نے اس غلام میں بیٹا ہونے کا دعوی کیا جو اس کے پاس ابھی ہے،تو دونوں اس کے بیٹے ہو جائیں گے،اور مشتری کا آزاد کرنا باطل ہو جائے گا،اس لئے کہ بائع کے پاس والے غلام کا جب نسب ثابت ہو گیا، کیونکہ اسی کے پاس حمل ٹھہرا تھا،اور دعوی بھی اپنی ملکیت میں کیا ہے،اس لئے کہ مسئلہ یہی فرض کیا ہے اس لئے اصل میں آزادگی ثابت ہو گئی،تو اس کی بنیاد پر دوسرے غلام میں بھی آزادگی ثابت ہو جائے گی،اور اصل میں آزادگی ثابت کرنا ضرورت تھی اس لئے کہ دونوں جڑواں ہیں اس سے ظاہر ہوا کہ مشتری کا آزاد کرنا اور اس کا خریدنا ایک آزاد آدمی میں ہے،اس لئے آزاد کرنا اور خریدنا دونوں باطل ہو جائیں گے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حریۃ الاصل ہو تو مشتری کی بیع،اور اس کا آزاد کرنا ٹوٹ جائے گا۔اور،حریۃ الاصل،کو ترجیح ہوگی

تشریح : یہاں صاحب ہدایہ نے جامع صغیر کی عبارت حل کی ہے۔اس کا حاصل یہ ہے کہ دو جڑواں غلام ایک آدمی کے ہاتھ میں ہیں،ان میں سے ایک کو بیچ دیا، پھر مشتری نے اس کو آزاد کر دیا،اس کے بعد بائع نے اپنے پاس والے غلام میں بچہ ہونے کا دعوی کیا ،تو اس بچے کا نسب بائع سے ثابت ہو جائے گا، کیونکہ اس کی ملکیت ہے،اور اسی کے یہاں دونوں بچے پیدا ہوئے ہیں،اور یوں سمجھا جائے گا یہ بچہ بنیاد ہی سے آزاد ہے،اور مشتری کے پاس جو بچہ ہے وہ بھی بنیادی طور پر آزاد ہے،اور اس کا خریدنا بھی جائز نہیں ہے

وجه: کیونکہ دونوں بچے جڑواں ہیں،اس لئے ایک کے آزاد ہونے سے اس کا تابع ہو کر دوسرا بھی آزاد ہو جائے گا

لغت:: حریۃ الاصل: جو بچپنے سے آزاد ہو۔ بنیادی طور پر آزاد۔ لاقی: ملاقات ہوئی،خریدنا،اور آزاد کرنا اصلی آزاد پر ہوا۔

ترجمه : ٤ بخلاف اگر ایک ہی بچہ تھا (اور مشتری نے اس کو آزاد کر دیا پھر بائع نے اس پر بچہ ہونے کا دعوی کیا،تو بائع کا دعوی باطل جائے گا) کیونکہ یہاں مقصود طور پر مشتری کی آزدگی باطل ہو رہی ہے،اور وہ بائع کے حق کے برابر ہے،اور پہلے مسئلے میں اس کی آزادگی تابع ہو کر ہے،اور اس میں اصل آزادگی ہے،اس لئے دونوں مسئلوں میں فرق ہو گیا

ترجمه: صاحب ہدایہ دو مسئلوں میں فرق بیان کرنا چاہ رہے ہیں۔ایک ہی بچہ تھا بائع نے اس کو بیچ دیا، پھر مشتری نے اس کو آزاد کر دیا،اب بائع نے اپنا بچہ ہونے کا دعوی کیا تو بائع کی بات نہیں مانی جائے گی،اس کا دعوی باطل جائے گا، کیونکہ اصل مقصود ہے، بچے کو آزاد کرنا وہ ہو چکا ہے۔اور اس مسئلے میں اور پہلے مسئلے میں فرق یہ ہے کہ۔ پہلے مسئلے میں مشتری والا بچہ بائع کے بچے کے تابع ہو کر

ثَبَتَ تَبَعًا لِحُرِّيَّتِهِ فِيهِ حُرِّيَّةُ الْأَصْلِ فَافْتَرَقَا . ۵؎ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ أَصْلُ الْعُلُوقِ فِي مِلْكِهِ ثَبَتَ نَسَبُ الْوَلَدِ الَّذِي عِنْدَهُ، وَلَا يُنْقَضُ الْبَيْعُ فِيمَا بَاعَ لِأَنَّ هَذِهِ دَعْوَةُ تَحْرِيرٍ لِانْعِدَامِ شَاهِدِ الِاتِّصَالِ فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَحَلِّ وِلَايَتِهِ .

(٨١٣) قَالَ (وَإِذَا كَانَ الصَّبِيُّ فِي يَدِ رَجُلٍ فَقَالَ: هُوَ ابْنُ عَبْدِي فُلَانٍ الْغَائِبِ ثُمَّ قَالَ: هُوَ ابْنِي لَمْ يَكُنْ

بنیادی طور پر آزاد مانا گیا تھا اس لئے اس کا خریدنا ہی جائز نہیں تھا، گویا کہ وہ پہلے سے آزاد تھا۔ اور ایک بچہ ہو تو اصل مقصود ہو کر اس کو آزاد کرنا ہوتا ہے۔ اور وہ مشتری کے آزاد کرنے سے آزاد ہو چکا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یہاں بائع کا حق اور مشتری کا حق برابر درجے کا ہے، اس لئے بائع کے دعوی سے مشتری کا حق توڑا نہیں جائے گا۔ دونوں مسئلوں میں یہ فرق ہے

ترجمہ :۵؎ اور اگر بائع کی ملکیت میں دونوں بچوں کا حمل نہ ٹھہرا ہو (اور پھر بائع نے ایک بچے کو بیچا، اور مشتری نے اس کو آزاد کر دیا، اس کے بعد بائع نے ایک بچے کا دعوی کیا) تو بائع کے پاس جو بچہ ہے اس کا نسب بائع سے ثابت ہو جائے گا، (اور مشتری کے پاس جو بچہ ہے تابع ہو کر اس کا بھی نسب بائع سے ثابت ہو جائے گا) لیکن جس کو بیچ دیا ہے اس کی بیع نہیں ٹوٹے گی، اس لئے کہ یہ بچے کو آزاد کرنے کا دعوی ہے، کیونکہ بائع کے پاس حمل ٹھہرنے کی گواہی نہیں ہے۔ اس لئے بائع کی ولایت جتنی ہے اسی پر اکتفا کیا جائے گا

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بائع کے پاس حمل ٹھہرنے کا ثبوت نہ ہو تو، حریۃ الاصل، بنیادی طور پر آزاد شمار نہیں کیا جائے گا۔ اور مشتری کی بیع بھی نہیں ٹوٹے گی، اس کی آزادگی بھی برقرار رہے گی

تشریح : یہ ثبوت نہیں ہے کہ بائع کی ملکیت میں رہتے ہوئے دونوں بچوں کا حمل ٹھہرا ہے، تو اس صورت بائع کے دعوی کرنے سے بچے کا نسب بائع سے ثابت کر دیا جائے گا، اور اس کے تابع ہو کر مشتری والے بچے کا نسب بھی بائع سے ثابت کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ ثبوت نہیں ہے کہ بائع کی ملکیت میں دونوں بچوں کا حمل ٹھہرا ہے، اس لئے مشتری کی بیع نہیں ٹوٹے گی، اس کا آزاد کرنا بحال رہے گا

وجہ: یہاں آزاد کرنے کا دعوی ہے، اصل میں بچہ ہونے کا دعوی نہیں ہے، جس کو حریۃ الاصل، کہتے ہیں، اس لئے یہاں بائع اور مشتری دونوں کا حق برابر ہے، اور مشتری آزاد کر چکا ہے، اس لئے اس کی آزدگی نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے بائع کا حق جتنا ہے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا۔ یعنی دوسرے بچے کا نسب ثابت کرنے کی ضرورت ہے، تا کہ وہ حرامی نہ ہو، اس لئے دوسرے بچے کا صرف بائع سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔

لغت: شاہد الاتصال: بائع کی ملکیت میں حمل ٹھہرنے کی گواہی نہیں ہے۔

ترجمہ : (۸۱۳) بچہ ایک آدمی کے قبضے میں ہے، اس نے کہا یہ بچہ میرے فلاں غائب غلام کا بیٹا ہے، پھر کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے تب بھی کبھی آقا کا بیٹا نہیں ہوگا، چاہے غلام نے اپنا بیٹا ہونے سے انکار کر دیا ہو۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے، اور

ابْنَهُ أَبَدًا وَإِنْ جَحَدَ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ ابْنَهُ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (وَقَالَا : إِذَا جَحَدَ الْعَبْدُ فَهُوَ ابْنُ الْمَوْلَى) ﴿١﴾ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا قَالَ: هُوَ ابْنُ فُلَانٍ وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ ثُمَّ ادَّعَاهُ لِنَفْسِهِ. ﴿٢﴾ لَهُمَا أَنَّ الْإِقْرَارَ ارْتَدَّ بِرَدِّ الْعَبْدِ فَصَارَ كَأَنْ لَمْ يَكُنِ الْإِقْرَارُ، ﴿٣﴾ وَالْإِقْرَارُ بِالنَّسَبِ يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ وَإِنْ كَانَ لَا يَحْتَمِلُ النَّقْضَ؛

صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر غلام بیٹا ہونے سے انکار کردے تو یہ آقا کا بیٹا ہو جائے گا

اصـــول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ آقا نے دوسرے کا بیٹے ہونے کا اقرار کیا، پھر خود ہی اپنا بیٹا ہونے کا دعوی کیا، پھر دوسرے نے بیٹا بنانے سے انکار کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آقا کا پہلا اقرار برقرار رہے گا

اصول : صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ، نسب ثابت کرنا اتنا اہم ہے کہ پہلے انکار کرنے کے باوجود بھی آقا کا دعوی مان لیا جائے گا ،اور اس سے غلام کا نسب ثابت کر دیا جائے گا

تشـــريـح : بچہ ایک آدمی کی ملکیت میں ہے، اب وہ کہتا ہے کہ یہ میرے فلاں غائب غلام کا بیٹا ہے، یعنی اپنا بیٹا ہونے سے انکار کرتا ہے، بعد میں کہتا ہے یہ بچہ میرا بیٹا ہے، تو چاہے اس کا غلام بیٹا ہونے سے انکار کر دے تب بھی اس بچے کا نسب آقا سے ثابت نہیں ہوگا۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ غلام کے انکار کے بعد آقا کا بیٹا ہو جائے گا، اور آقا کا پہلا انکار رد ہو جائے گا، کیونکہ نسب ثابت کرنے کا معاملہ بہت اہم ہے۔ دلیل آگے آرہی ہے

تـرجمه : ﴿١﴾ اسی اختلاف پر ہے، اگر آقا کہے کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے، اور اسی کے یہاں پیدا ہوا ہے، اس کے بعد آقا نے اپنا بچہ ہونے کا دعوی کیا ہو

تشـريح :اس عبارت میں دو باتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ میرے غلام کا بیٹا نہیں بلکہ فلاں اجنبی کا بیٹا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ بھی تاکید کی کہ اس کے یہاں پیدا ہوا ہے، اس کے بعد آقا نے دعوی کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے، تب بھی اگر فلاں انکار کر دے تو صاحبینؒ کے نزدیک آقا کا بیٹا ہو جائے گا، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آقا کا بیٹا نہیں ہوگا

تـرجـمه : ﴿٢﴾ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ غلام کے رد کرنے سے آقا کا یہ اقرار کہ یہ بچہ میرے غلام کا ہے، یہ رد ہو جائے گا، اور ایسا ہو جائے گا گویا کہ آقا نے کچھ اقرار کیا ہی نہیں تھا

اصــــول : صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ دوسرے کے تھوپنے سے نسب ثابت نہیں ہوگا، جب تک کہ وہ خود نہ کہے کہ یہ میرا بچہ ہے، اس وقت تک اس سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا

تشــريح : صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جب غلام نے انکار کر دیا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے تو گویا کہ آقا کا اقرار کالعدم ہو گیا، گویا کہ اس نے کچھ کہا ہی نہیں ہے، اور اس کے دعوی کو صحیح مان کر اس سے بچے کا نسب ثابت کر دیا جائے گا

تـرجمه : ﴿٣﴾ ،اور نسب ثابت ہونے کے بعد ٹوٹتا نہیں ہے، لیکن نسب کا صرف دوسرے کے لئے اقرار کیا ہو تو اس کے رد کرنے سے رد ہو جائے گا

۴ اَلَا تَرَى أَنَّهُ يَعْمَلُ فِيهِ الْإِكْرَاهُ وَالْهَزْلُ فَصَارَ كَمَا إِذَا أَقَرَّ الْمُشْتَرِي عَلَى الْبَائِعِ بِإِعْتَاقِ الْمُشْتَرَى فَكَذَّبَهُ الْبَائِعُ ثُمَّ قَالَ أَنَا أَعْتَقْتُهُ يَتَحَوَّلُ الْوَلَاءُ إِلَيْهِ، ۵ بِخِلَافِ مَا إِذَا صَدَّقَهُ لِأَنَّهُ يَدَّعِي بَعْدَ ذٰلِكَ نَسَبًا ثَابِتًا مِنَ الْغَيْرِ، ٦ وَبِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يُصَدِّقْهُ وَلَمْ يُكَذِّبْهُ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْمُقَرِّ لَهُ عَلَى اعْتِبَارِ

تشریح : اس عبارت میں فرق بتارہے ہیں، ایک ہے نسب ثابت ہو جائے تو وہ نہیں ٹوٹتا، لیکن ابھی نسب ثابت نہیں ہوا ہے، صرف دوسرے کے لئے نسب کا اقرار کیا ہو تو اس کے رد کرنے سے رد ہو جائے گا، کیونکہ یہ اس کی مرضی ہے، اور اس نے رد کر دیا، اس لئے وہ نسب ثابت نہیں ہوگا، اور آقا کا دعوی صحیح ہو جائے گا

ترجمہ : ۴ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ زبردستی کرنے سے، یا مذاق میں کہنے سے نسب ثابت نہیں ہوتا (اسی طرح دوسرے کے کہنے سے نسب ثابت نہیں ہوگا) اور ایسا ہو گیا کہ مشتری نے کہا کہ بائع نے غلام آزاد کیا تھا، لیکن بائع نے انکار کر دیا، پھر مشتری نے کہا کہ میں نے آزاد کیا ہے، (تو غلام مشتری کی جانب سے آزاد ہوگا) اور غلام کا ولاء مشتری کو ملے گا

تشریح : یہ صاحبین کی جانب سے تین دلیلیں ہیں۔ کہ زبردستی اقرار کروانے سے نسب ثابت نہیں ہوتا، یا مذاق میں کہنے سے بھی نسب ثابت نہیں ہوتا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ مشتری نے کہا کہ بائع نے اس غلام کو آزاد کیا تھا، لیکن بائع نے انکار کر دیا تو بائع کی جانب سے غلام آزاد نہیں ہوگا، اب مشتری کہتا ہے کہ میں نے اس غلام کو آزاد کرتا ہوں تو غلام مشتری کی جانب سے آزاد ہوگا، کیونکہ وہ خود آزاد کر رہا، اور غلام کا ولاء مشتری کو ملے گا، کیونکہ اسی کی جانب سے آزاد ہوا ہے۔

ان تین مثالوں سے یہ ثابت ہوا کہ اگر غلام انکار کر جائے تو بچے کا نسب اس غلام سے ثابت نہیں ہوگا۔ پھر آقا خود کہتا ہے کہ یہ بچہ میرا ہے تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا، کیونکہ اس نے اپنا بچہ ہونے کا دعوی کیا ہے

ترجمہ : ۵ بخلاف اگر غلام نے اپنا بچہ ہونے کی تصدیق کر دی (تو اب آقا اپنے لئے بچے کا اقرار نہیں کر سکتا ہے) اس لئے کہ دوسرے سے نسب ثابت ہو چکا ہے اس کے بعد اپنے لئے دعوی کر رہا ہے (اس لئے آقا کی بات نہیں مانی جائے گی)

تشریح : آقا نے کہا کہ یہ بچہ میرے فلاں غلام کا ہے، اور اس غلام نے اپنا بچہ ہونے کی تصدیق کر دی، تو اس بچے کا نسب اس غلام سے ثابت ہو چکا ہے، اس کے بعد آقا اپنے لئے دعوی کرتا ہے تو آقا کی بات اس لئے نہیں مانی جائے گی، کہ خود آقا کے کہنے سے اس بچے کا نسب ثابت ہو چکا ہے، اس لئے اب آقا سے نسب ثابت نہیں ہوگا

ترجمہ : ٦ بخلاف جبکہ غلام نے نہ تصدیق، اور نہ تکذیب کی (تب بھی آقا کو اپنا بچہ بنانے کا حق نہیں ہے) اس لئے کہ جس غلام کے لئے بچہ ہونے کا اقرار کیا ہے اس کا حق بچے کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کبھی بچہ ہونے کی تصدیق کر لے، تو اس کی مثال، لعان والے بچے کی طرح ہو گئی کہ لعان والے مرد کے علاوہ سے نسب ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ لعان والا کبھی اپنے آپ کی تکذیب کر لے (اور اس سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے)

تشریح : یہ تیسری صورت ہے۔ آقا نے کہا یہ بچہ فلاں غلام کا ہے، لیکن اس غلام نے نہ تصدیق کی اور نہ اس کو جھٹلایا تب

تَصْدِيقِهِ فَيَصِيرُ كَوَلَدِ الْمُلَاعَنَةِ لَا يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْ غَيْرِ الْمُلَاعِنِ؛ لِأَنَّ لَهُ أَنْ يُكَذِّبَ نَفْسَه. ۷ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ النَّسَبَ مِمَّا لَا يَحْتَمِلُ النَّقْضَ بَعْدَ ثُبُوتِهِ وَالْإِقْرَارُ بِمِثْلِهِ لَا يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ فَبَقِيَ فَتَمْتَنِعُ دَعْوَتُهُ، ۸ كَمَنْ شَهِدَ عَلَى رَجُلٍ بِنَسَبِ صَغِيرٍ فَرُدَّتْ شَهَادَتُهُ لِتُهْمَةٍ ثُمَّ ادَّعَاهُ لِنَفْسِهِ، ۹ وَهَذَا لِأَنَّهُ

بھی آقا اپنا بچہ ہونے کا دعوی کرے تو یہ بچہ آقا کا نہیں ہوگا

وجہ: آقا کے کہنے سے غلام کا حق متعلق ہو گیا ہے، اور یہ ممکن ہے کہ کبھی نہ کبھی بچہ ہونے کا اقرار کر لے، اس لئے اس صورت میں بھی آقا کی بات نہیں مانی جائے گی۔۔اس کی مثال یہ ہے کہ عورت کا بچہ تھا زید نے اس پر زنا کی تہمت ڈالی، اور عورت نے زید سے لعان کیا تو لعان کی وجہ سے زید سے اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔لیکن کسی دوسرے سے بھی اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ ممکن ہے کہ زید کبھی نہ کبھی یہ کہہ دے کہ میں نے عورت پر زنا کی تہمت غلط لگائی ہے، اور یہ بچہ میرا ہے۔جس طرح یہاں، مستقبل میں لعان والے کے اقرار کا امکان ہے، اسی طرح اوپر کے مسئلے میں غلام کے اقرار کرنے کا امکان ہے اس لئے آقا کا دعوی نہیں مانا جائے گا

ترجمہ : ۷ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ نسب ثابت ہونے کے بعد نہیں ٹوٹتا ہے، اور نسب کے اقرار کا حال بھی یہی ہے کہ اقرار کے بعد رد کرنے سے رد نہیں ہوتا ہے ، اس لئے کہ گویا کہ آقا کا اقرار باقی رہا، اس لئے آقا کا بچے کا دعوی ممنوع ہوگا

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ نسب ثابت ہو جائے تو وہ نہیں ٹوٹتا، اسی طرح آقا نے اپنے غلام کے لئے نسب کا اقرار کر لیا تو اب غلام انکار کر لے تب بھی آقا کا اقرار ختم نہیں ہوگا، بلکہ وہ اپنے اقرار پر بحال رہے گا، اس لئے آقا اپنے لئے بچہ ہونے کا دعوی کرے تو نہیں کر سکتا ہے

ترجمہ : ۸ جیسے کسی آدمی نے کسی دوسرے آدمی پر چھوٹے بچے کے نسب کی گواہی دی، لیکن تہمت کی وجہ سے اس کی گواہی رد ہو گئی، پھر اس نے اپنے لئے بچہ ہونے کا دعوی کیا (تو اس کا دعوی نہیں مانا جائے گا)

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے، مثلا زید نے یہ گواہی دی کہ یہ بچہ عمر کا ہے، لیکن قاضی نے زید کی گواہی قبول نہیں کی، اب زید نے یہ دعوی کیا کہ یہ بچہ میرا ہے تب بھی زید کی بات نہیں مانی جائے گی، اسی طرح اوپر کے مسئلے میں آقا نے اپنے لئے بچے کا دعوی کیا تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی

ترجمہ : ۹ آقا کا دعوی نہ ماننے کی وجہ یہ ہے کہ۔آقا کے اقرار کی وجہ سے مقر لہ، یعنی غلام کا حق متعلق ہو گیا ہے، کہ ہو سکتا ہے کہ غلام کبھی آقا کی تصدیق کر لے، کیونکہ غلام کے جھٹلانے کے بعد بھی تصدیق کر لے تب بھی اس سے نسب ثابت ہو جائے گا

تشریح : آقا کا دعوی اس لئے نہیں مانا جائے گا۔آقا کے اقرار کی وجہ سے غلام کا حق متعلق ہو گیا ہے کہ شاید جھٹلانے کے بعد بھی اقرار کر لے تو اس سے نسب ثابت ہو جائے، اس لئے آقا کا دعوی نہیں مانا جائے گا

تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْمُقَرِّ لَهُ عَلَى اعْتِبَارِ تَصْدِيقِهِ، حَتَّى لَوْ صَدَّقَهُ بَعْدَ التَّكْذِيبِ يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ، ١٠ وَكَذَا تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْوَلَدِ فَلَا يَرْتَدُّ بِرَدِّ الْمُقَرِّ لَهُ . ١١ وَمَسْأَلَةُ الْوَلَاءِ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ، ١٢ وَلَوْ سَلِمَ فَالْوَلَاءُ قَدْ يَبْطُلُ بِاعْتِرَاضِ الْأَقْوَى كَجَرِّ الْوَلَاءِ مِنْ جَانِبِ الْأُمِّ إِلَى قَوْمِ الْأَبِ . ١٣ وَقَدِ اعْتَرَضَ

ترجمه: ١٠ ایسے ہی نسب کے ساتھ بچے کا حق بھی متعلق ہو گیا ہے، اس لئے مقرلہ، یعنی غلام کے رد کرنے سے بھی رد نہیں ہو گا

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی یہ تیسری دلیل ہے کہ آقا کے اقرار کی وجہ سے بچے کا حق بھی نسب کے ساتھ متعلق ہو گیا ہے، اس لئے غلام کے انکار کے باوجود بھی آقا کا یہ دعوی کہ یہ میرا بچہ ہے نہیں مانا جائے گا

ترجمه: ١١ ولاء کا مسئلہ بھی اسی اختلاف پر ہے

تشریح: کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آقا کو ولاء نہیں ملے گی، اور صاحبینؒ کے نزدیک غلام کے انکار کے بعد آقا کو ولاء مل سکتی ہے

ترجمه: ١٢ اور اگر مان لیا جائے کہ (ولاء اور نسب کا معاملہ سب کے نزدیک ایک ہی ہے) تو بات یہ ہے کہ کوئی مضبوط شکل آجائے تو ولاء باطل ہو جاتی ہے، جیسے ماں کی جانب سے باپ کی قوم کی طرف ولاء چلی جاتی ہے

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے صاحبینؒ کو جواب ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے ولاء کسی کو ملتی تھی، لیکن اس سے بھی کوئی مضبوط دلیل آجائے تو اس سے ہٹ کر ولاء مضبوط کی طرف چلی جاتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ، زید نے اپنی باندی آزاد کی، اور ایک غلام سے نکاح کرا دیا، اور باندی کو بچہ پیدا ہوا، تو چونکہ اس بچے کا باپ ابھی تک غلام ہے، اس لئے بچہ جو جنایت کرے گا، اس کا تاوان ماں کا خاندان دے گا، کیونکہ ماں آزاد ہے، اور اس صورت میں ولاء بھی ماں کے خاندان والے ہی لے جائیں گے۔ لیکن اگر اس سے زیادہ قوی دلیل آجائے تو یہ ولاء باپ کی طرف جا سکتی ہے، مثلا اب باپ آزاد ہو جائے تو، اب چوں کہ باپ آزاد ہے تو تاوان بھی باپ کے خاندان والے دیں گے، اور ولاء بھی باپ کے خاندان کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ کیونکہ باپ کا خاندان مضبوط ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ولاء دوسری طرف منتقل ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح نسب بھی رد ہو جائے تو دوسری طرف یعنی آقا کی طرف منتقل ہو سکتا ہے

ترجمه: ١٣ اور موقوف ولاء پر مشتری کا قوی دعوی آگیا ہو تو موقوف ولاء ٹوٹ جائے گی، اور ولاء مشتری کی طرف چلی جائے گی، بخلاف نسب کے وہ ایک مرتبہ ثابت ہو جائے تو نہیں ٹوٹتا ہے

تشریح: اوپر تھا کہ مشتری نے یہ اقرار کیا کہ بائع نے غلام آزاد کیا ہے، پھر بائع نے انکار کر دیا کہ میں نے غلام کو آزاد نہیں کیا ہے، پھر خود مشتری نے اقرار کیا کہ میں نے غلام آزاد کیا ہے تو ولاء مشتری کی طرف چلی جائے گی، اس کی تشریح کر رہے ہیں کہ بائع کا اقرار موقوف تھا، اسی دوران خود مشتری نے دعوی کر دیا کہ میں نے غلام کو آزاد کر دیا ہے، اور یہ بائع سے قوی دلیل ہے، کیونکہ غلام اس وقت بائع کے قبضے میں نہیں ہے بلکہ مشتری کے قبضے میں ہے، اس لئے اس مضبوط دلیل کی وجہ سے ولاء بائع سے منتقل ہو کر مشتری کی طرف چلی جائے گی۔ لیکن نسب کا معاملہ ایسا نہیں ہے، بلکہ نسب ایک مرتبہ ثابت ہو

عَلَى الْوَلَاءِ الْمَوْقُوفِ مَا هُوَ أَقْوَى وَهُوَ دَعْوَى الْمُشْتَرِي فَبَطُلُ بِهِ، بِخِلَافِ النَّسَبِ عَلَى مَا مَرَّ. ١٤ وَهَذَا يَصْلُحُ مَخْرَجًا عَلَى أَصْلِهِ فِيمَنْ يَبِيعُ الْوَلَدَ وَيَخَافُ عَلَيْهِ الدَّعْوَةَ بَعْدَ ذَلِكَ فَيَقْطَعُ دَعْوَاهُ بِإِقْرَارِهِ بِالنَّسَبِ لِغَيْرِهِ.

(٨١٤) قَالَ: (وَإِذَا كَانَ الصَّبِيُّ فِي يَدِ مُسْلِمٍ وَنَصْرَانِيٍّ فَقَالَ النَّصْرَانِيُّ: هُوَ ابْنِي وَقَالَ الْمُسْلِمُ هُوَ عَبْدِي فَهُوَ ابْنُ النَّصْرَانِيِّ وَهُوَ حُرٌّ) ١ لِأَنَّ الْإِسْلَامَ مُرَجِّحٌ فَيَسْتَدْعِي تَعَارُضًا، وَلَا تَعَارُضَ لِأَنَّ نَظَرَ الصَّبِيِّ فِي هَذَا أَوْفَرُ لِأَنَّهُ يَنَالُ شَرَفَ الْحُرِّيَّةِ حَالًا وَشَرَفَ الْإِسْلَامِ مَآلًا، إِذْ دَلَائِلُ الْوَحْدَانِيَّةِ

جائے تو وہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

ترجمہ: ١٤ امام ابوحنیفہؒ کے اصول سے نکلنے کا راستہ ملتا ہے۔ ایک آدمی بچے کو بیچ دے، اور اس کو خوف ہو کہ اس پر کوئی نسب کا دعوی کر دے گا تو وہ دوسرے کے لئے نسب کا اقرار کر لے، تو اس کے اقرار سے دوسرے کا دعوی منقطع ہو جائے گا

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کا یہ اصول گزرا کہ ایک مرتبہ غیر کے لیے نسب کا اقرار کر لے تو اب کوئی دوسرا آدمی نسب کا دعوی کر ہی نہیں سکتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ، مثلا زید اپنے چھوٹے غلام کو بیچے، لیکن اس کو خوف ہو کہ بائع اس سے اپنا نسب ثابت کر لے گا، تو اس سے بچنے کے لئے یہ حیلہ کرے کہ، یوں اقرار کر لے کہ اس بچے کا نسب فلاں غیر سے ثابت ہے، اب اس اقرار کے بعد بائع اپنے سے بچے کا نسب ثابت نہیں کر سکے گا، کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ آقا ایک مرتبہ کسی کے لئے نسب کا اقرار کر لے تو اس سے اب دوسرے کا نسب ثابت نہیں ہوتا ہے۔

ترجمہ: (٨١٤) ایک بچہ مسلمان اور نصرانی کے ہاتھ میں ہے، اب نصرانی نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اور مسلمان نے کہا کہ یہ میرا غلام ہے، تو یہ نصرانی کا بیٹا شمار ہوگا، اور آقا کا بیٹا ہونے کی وجہ سے آزاد ہو جائے گا

ترجمہ: ١ اسلام ترجیح دینے والا مذہب ہے، لیکن ترجیح اس وقت ہوگی کہ اس کے مخالف کوئی چیز ہو، اور یہاں تو کوئی مخالف ہے ہی نہیں، اس لئے کہ بچے کو آزاد قرار دینے میں بچے کا فائدہ بہت زیادہ ہے، اس لئے کہ وہ ابھی آزاد ہو جائے گا، اور بعد میں مسلمان بھی ہو جائے گا، اس لئے کہ ایک خدا ماننے کے دلائل بہت ہیں۔ اور اگر اس کا الٹا کرتے ہیں (کہ بچے کو مسلمان کا غلام قرار دیتے ہیں اور مسلمان قرار دیتے ہیں) تو اس کا تابع رہے گا، اور بچہ آزادگی سے محروم رہے گا، کیونکہ اس کی طاقت میں نہیں ہے کہ آزادگی حاصل کرے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بچے کے لئے جو زیادہ فائدہ مند ہوگا وہ کیا جائے گا

تشریح: ایک بچہ ہے جو مسلمان اور نصرانی دو آدمیوں کے قبضے میں ہے، ان میں سے نصرانی کہتا ہے کہ یہ بچہ میرا بیٹا ہے، اور بیٹے ہونے کی بنیاد پر وہ آزاد ہو جائے گا، اور نسب بھی ثابت ہو جائے گا، البتہ وہ نصرانی کے تحت میں ہوگا، اس لئے مسلمان شمار نہیں کیا جائے گا۔ مسلمان کہتا ہے کہ یہ بچہ میرا غلام ہے۔ اس صورت میں بچہ آزاد نہیں ہوگا، اور نسب بھی ثابت نہیں ہوگا، البتہ

ظَاهِرَةٌ، وَفِي عَكْسِهِ الْحُكْمُ بِالْإِسْلَامِ تَبَعًا وَحِرْمَانُهُ عَنِ الْحُرِّيَّةِ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي وُسْعِهِ اكْتِسَابُهَا (٨١٥) (وَلَوْ كَانَتْ دَعْوَتُهُمَا دَعْوَةَ الْبُنُوَّةِ فَالْمُسْلِمُ أَوْلَى) ۱؎ تَرْجِيحًا لِلْإِسْلَامِ وَهُوَ أَوْفَرُ النَّظَرَيْنِ.
(٨١٦) قَالَ (وَإِذَا ادَّعَتْ امْرَأَةٌ صَبِيًّا أَنَّهُ ابْنُهَا لَمْ يَجُزْ دَعْوَاهَا حَتَّى تَشْهَدَ امْرَأَةٌ عَلَى الْوِلَادَةِ) ۱؎ وَمَعْنَى الْمَسْأَلَةِ أَنْ تَكُونَ الْمَرْأَةُ ذَاتَ زَوْجٍ لِأَنَّهَا تَدَّعِي تَحْمِيلَ النَّسَبِ عَلَى الْغَيْرِ فَلَا تُصَدَّقُ إِلَّا

مسلمان کے تحت میں ہونے کی وجہ سے بچہ مسلمان شمار کیا جائے گا۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ بچے کو نصرانی کا بیٹا قرار دے دیا جائے

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ آزاد ہونا، بہت بڑی نعمت ہے جو زندگی میں نہیں حاصل کر سکتا ہے، یہ آزاد ہو جائے گا تو دنیا میں اللہ کو ایک ماننے کے دلائل بہت ہیں اس لئے زیادہ امید ہے کہ وہ بعد میں کبھی نہ کبھی مسلمان ہو جائے گا، ابھی اسے آزاد تو ہونے دیں

لغت: ان الاسلام مرجح فیستدعی تعارضا؛ یہ ایک منطقی جملہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام اچھائی کو ترجیح دیتا ہے، لیکن ترجیح اس وقت ہوتی ہے جبکہ اس کے مقابلے پر کوئی غیر ترجیح چیز ہو، یہاں تو آزادگی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے مقابلے پر کوئی چیز ہے ہی نہیں اس لئے ترجیح دینے کا سوال ہی نہیں ہے، اس لئے اس بچے کو آزاد ہی کر دیا جائے گا

ترجمہ: (٨١٥) اور اگر مسلمان اور نصرانی دونوں ہی بیٹا ہونے کا دعوی کریں، تو مسلمان کا بیٹا قرار دینا زیادہ بہتر ہے،

ترجمہ: ۱؎ کیونکہ بچہ مسلمان بھی ہو جائے گا جو بچے کے لئے زیادہ بہتر ہے

تشریح: بچے کو مسلمان کا بیٹا قرار دینے سے اس کو تین فائدے ملیں گے، بچہ آزاد ہوگا، بچے کا نسب ثابت ہوگا، اور بچہ باپ کی وجہ سے مسلمان بھی شمار کیا جائے گا۔ اور نصرانی کا بچہ قرار دیں تو صرف دو فائدے ہوں گے، بچہ آزاد ہوگا، اور بچے کا نسب ثابت ہوگا، اس لئے بچے کو مسلمان کا بیٹا قرار دینا زیادہ بہتر ہے

ترجمہ : (٨١٦) عورت نے بچہ ہونے کا دعوی کیا یہ اس کا بیٹا ہے تو جب تک ایک دایہ بچہ ہونے پر گواہی نہ دے عورت کا دعوی جائز نہیں ہوگا

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ عورت جب بچہ ہونے کا دعوی کرتی ہے تو بچے کا نسب اس کے شوہر سے ثابت ہوتا ہے، تو اس میں دوسرے پر بچے کو ڈالنا ہے، اس لئے ایک دایہ کی گواہی ضروری ہے، کہ اسی عورت سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے، تا کہ شوہر پر اس کا بوجھ ڈال سکے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ : ۱؎ اس مسئلے کا مطلب یہ ہے کہ عورت شوہر والی ہو، اس لئے کہ (بچے کا دعوی کر کے) دوسرے پر نسب ڈال رہی ہے، اس لئے بغیر دلیل یعنی گواہی کے اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، بخلاف مرد کے دعوی کے، اس لئے کہ وہ اپنے اوپر نسب ثابت کرتا ہے

تشریح : ایک دایہ کی گواہی کی ضرورت اس وقت پڑے گی جبکہ وہ شوہر والی ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کا دعوی کر کے

بِحُجَّةٍ، بِخِلَافِ الرَّجُلِ لِأَنَّهُ يُحَمِّلُ نَفْسَهُ النَّسَبَ، ثُمَّ شَهَادَةُ الْقَابِلَةِ كَافِيَةٌ فِيهَا لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى تَعْيِينِ الْوَلَدِ ٢ أَمَّا النَّسَبُ يَثْبُتُ بِالْفِرَاشِ الْقَائِمِ، وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَبِلَ شَهَادَةَ الْقَابِلَةِ عَلَى الْوِلَادَةِ

(٨١٧) (وَلَوْ كَانَتْ مُعْتَدَّةً فَلَا بُدَّ مِنْ حُجَّةٍ تَامَّةٍ) ١ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَدْ مَرَّ فِي الطَّلَاقِ،

اس کا نسب اپنے شوہر پر ڈالنا چاہتی ہے، اس لئے ایک دایہ کی گواہی کی ضرورت پڑے گی۔ مرد کے دعوی نسب میں عورت کی گواہی کی ضرورت اس لئے نہیں پڑتی ہے کہ، مرد اپنے اوپر نسب ثابت کرتا ہے، کسی اور کے اوپر نہیں

ترجمه : ٢ پھر ایک دایہ کی گواہی اس بارے میں قبول ہے، اس لئے کہ صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ اس عورت سے بچہ پیدا ہوا ہے، باقی رہا نسب کا ثبوت، تو عورت کا شوہر کے ساتھ فراش قائم ہے اسی سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضور نے بچہ پیدا ہونے پر ایک دایہ کی گواہی قبول کی ہے

تشریح : ہر جگہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے، یہ گواہی کا نصاب ہے، لیکن بچہ پیدا ہونے کے لئے صرف ایک دایہ کی گواہی کافی ہے، اس کی وجہ یہ بتا رہے ہیں کہ، شوہر سے نسب تو صرف اس بنیاد پر ثابت ہو جائے گا کہ یہ عورت اس کی فراش ہے، اور بیوی ہے، اس لئے دو گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک دایہ کی گواہی صرف اس لئے ہے کہ یہ متعین ہو جائے کہ اسی عورت سے یہ بچہ پیدا ہوا، اور حدیث کی وجہ سے ایک دایہ کی گواہی کافی ہے

وجه : (١) اس حدیث میں ہے کہ ایک دایہ کی گواہی کافی ہے، کیونکہ بچہ پیدا ہوتے وقت وہاں مرد نہیں ہوتا ہے۔ عن حذیفة ان رسول الله ﷺ اجاز شهادة القابلة (دار قطنی، باب فی المرأة تقتل اذا ارتدت، ج ۵، ص ۴۱۶، نمبر ۴۵۵۷) (٢) عن الزهری قال مضت السنة ان تجوز شهادة النساء فيما لا يطلع عليه غيرهن من ولادات النساء و عيوبهن، و تجوز شهادة القابلة وحدها فی الاستهلال، و امراتان فيما سوای ذالک (مصنف ابن ابی شیبة، باب ما تجوز فیہ شہادة النساء، ج ۴، ص ۳۲۹، نمبر ۲۰۷۰۸) اس حدیث اور قول تابعی میں ہے کہ ولادت کے بارے میں بچہ پیدا ہونے کے لئے ایک دایہ کی گواہی چل جائے گی، لیکن دوسری باتوں میں دو گواہ چاہئے

نوٹ : ایک دایہ کی گواہی کی ضرورت اس وقت ہے جب شوہر خاموش رہے، لیکن اگر شوہر خود اقرار کرتا ہے کہ یہ بچہ میرا ہے تو اب دایہ کی گواہی کی ضرورت نہیں ہے

تشریح : (٨١٧) اور اگر عورت عدت میں بیٹھی ہوئی ہے (اور بچہ ہونے کا دعوی کرتی ہے)

ترجمه : ١ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پوری گواہی دو آدمیوں کی چاہئے، اور اس کی پوری تفصیل باب الطلاق میں گزر چکی ہے

وجه : (١) عورت اس وقت عدت میں بیٹھی ہوئی ہے تو وہ شوہر کی فراش کا ملہ نہیں ہے، اب بچہ کا دعوی کر کے شوہر پر نسب ڈالنا چاہتی ہے۔ اس لئے اب ایک دایہ کی گواہی سے نہیں چلے گا، بلکہ اس نسب کو ثابت کرنے کے لئے دو گواہ مرد چاہئے، یا ایک مرد

٢ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مَنْكُوحَةً وَلَا مُعْتَدَّةً قَالُوا: يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهَا بِقَوْلِهَا لِأَنَّ فِيهِ إِلْزَامًا عَلَى نَفْسِهَا دُونَ غَيْرِهَا .

(٨١٨)(وَإِنْ كَانَ لَهَا زَوْجٌ وَزَعَمَتْ أَنَّهُ ابْنُهَا مِنْهُ وَصَدَّقَهَا الزَّوْجُ فَهُوَ ابْنُهُمَا وَإِنْ لَمْ تَشْهَدِ امْرَأَةٌ) لِأَنَّهُ الْتَزَمَ نَسَبَهُ فَأَغْنَى ذَلِكَ عَنِ الْحُجَّةِ .

(٨١٩) (وَإِنْ كَانَ الصَّبِيُّ فِي أَيْدِيهِمَا وَزَعَمَ الزَّوْجُ أَنَّهُ ابْنُهُ مِنْ غَيْرِهَا وَزَعَمَتْ أَنَّهُ ابْنُهَا مِنْ غَيْرِهِ فَهُوَ ابْنُهُمَا) ١ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْوَلَدَ مِنْهُمَا لِقِيَامِ أَيْدِيهِمَا أَوْ لِقِيَامِ الْفِرَاشِ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ كُلُّ وَاحِدٍ

اوردوعورتیں گواہ چاہئے ،اسی کو حجۃ کامل، کہتے ہیں (۲) آیت یہ ہے کہ۔ و استشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل و امراتان ممن ترضون من الشهداء (سورۃ البقرۃ ۲، آیت۲۸۲) اس آیت میں ہے کہ دومرد ہوں یا ایک مرد، اوردوعورتیں گواہی دیں

ترجمه: ٢ اوراگر منکوحہ بھی نہیں ہے، اورعدت میں بھی نہیں ہے (اور بچے کا دعوی کررہی ہے) تو علماء فرماتے ہیں کہ صرف عورت کے کہنے سے خود عورت سے نسب ثابت ہوجائے گا، اس لئے کہ یہ عورت خود اپنے اوپر بچے کا نسب لے رہی ہے، دوسروں پر نہیں لے رہی ہے (اس لئے دایہ کی گواہی کی ضرورت نہیں ہے)

تشریح: واضح ہے

ترجمه: (۸۱۸) اوراگر عورت کا شوہر ہے، اورعورت کہتی ہے کہ یہ بچہ میرا بیٹا ہے، اوراسی شوہر سے پیدا ہوا ہے، اور شوہر نے اس کی تصدیق بھی کردی تو دونوں کا بیٹا ہوگا، چاہے کوئی عورت گواہی نہ دے

ترجمه: ١ اس لئے کہ شوہر نے بچے کا نسب قبول کرلیا ہے، اس لئے اب گواہی کی ضرورت نہیں رہی

تشریح: اوپر جو ایک دایہ کی گواہی کی ضرورت تھی وہ اس وقت تھی کہ شوہر خاموش رہا ہو، لیکن عورت نے دعوی کیا کہ یہ میرا بچہ ہے اور اسی شوہر سے ہے، اورشوہر نے بھی اس کی تصدیق کردی تو اب دایہ کی گواہی کی ضرورت نہیں رہی، کیونکہ شوہر نے بھی مان لیا ہے

ترجمه: (۸۱۹) اوراگر بچہ میاں، اور بیوی دونوں کے قبضے میں ہے، اب شوہر کا گمان یہ ہے کہ یہ بچہ اسی کا ہے لیکن دوسری بیوی سے، اور بیوی کا گمان یہ ہے کہ یہ بچہ اسی کا ہے لیکن دوسرے شوہر سے، تو یہ بچہ انہیں دونوں کا بیٹا مانا جائے گا

ترجمه: ١ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ انہیں دونوں کا بچہ ہے، کیونکہ اس بچے پر دونوں کا قبضہ ہے، اور دونوں ابھی میاں بیوی بھی ہیں، لیکن دونوں یہ چاہ رہے ہیں کہ دوسرے کا حق باطل کردیں، اس لئے ان کی بات نہیں مانی جائے گی

تشریح: زید اور فاطمہ ابھی میاں بیوی ہیں، اور ایک بچہ عمر ہے جس پر دونوں کا قبضہ ہے۔ اب زید کہہ رہا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے، لیکن اس بیوی سے نہیں دوسری بیوی سے ہے۔ اور فاطمہ کہہ رہی ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے، لیکن اس شوہر سے پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ دوسرے شوہر سے پیدا ہوا ہے۔ تو فیصلہ یہ کیا جائے گا کہ یہ بچہ دونوں ہی کا ہے، اوراسی شوہر، اوراسی بیوی سے ہے

مِنْهُمَا يُرِيدُ إِبْطَالَ حَقِّ صَاحِبِهِ فَلَا يُصَدَّقُ عَلَيْهِ، ٢ وَهُوَ نَظِيرُ ثَوْبٍ فِي يَدِ رَجُلَيْنِ يَقُولُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا هُوَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ آخَرَ غَيْرِ صَاحِبِهِ يَكُونُ الثَّوْبُ بَيْنَهُمَا ٣ إِلَّا أَنَّ هُنَاكَ يَدْخُلُ الْمُقَرُّ لَهُ فِي نَصِيبِ الْمُقِرِّ لِأَنَّ الْمَحَلَّ يَحْتَمِلُ الشَّرِكَةَ، وَهَاهُنَا لَا يَدْخُلُ لِأَنَّ النَّسَبَ لَا يَحْتَمِلُهَا .

وجه: جب دونوں ابھی میاں بیوی ہیں تو ظاہر یہی ہے کہ انہیں دونوں سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے، لیکن دونوں ضد میں ہیں، اور بیوی شوہر کو بچے سے بے دخل کرنا چاہتی ہے، اور شوہر بیوی کو بے دخل کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے دونوں کی بات نہیں مانی جائے گی، اور بچہ دونوں کا شمار کیا جائے گا۔

ترجمہ: ٢ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک کپڑا دو آدمیوں کے قبضے میں ہے، ہر ایک یہ کہتا ہے کہ یہ کپڑا میرا ہے اور دوسرے فلاں کا ہے، تو کپڑا ان دونوں کا آدھا آدھا ہوگا

تشریح: یہ متن کے مسئلے کے لئے مثال ہے۔ ایک کپڑا ہے اس پر زید اور عمر کا قبضہ ہے، لیکن زید کہتا ہے کہ یہ کپڑا میرا اور خالد کا ہے، اور عمر کہتا ہے کہ یہ کپڑا میرا اور ساجد کا ہے، فیصلہ یہ کیا جائے گا، کہ یہ کپڑا آدھا زید کا ہے اور آدھا عمر کا ہے

وجہ: دونوں یہ تو کہہ رہے ہیں کہ میرا کپڑا آدھا ہی ہے، لیکن باقی آدھے کے لئے دوسرے کا اقرار کرتا ہے، تاکہ اپنے ساتھی کا حق باطل کر دیا جائے، اس لئے اس کے حق کو باطل نہیں کرنے دیا جائے گا، اور کپڑا آدھا آدھا انہیں دونوں کے درمیان تقسیم ہو جائے گا

ترجمہ: ٣ مگر یہاں یہ بات ہوگی کہ زید کو جو آدھا حصہ ملے گا اس میں سے جس کے لئے آدھے کا اقرار کیا تھا اس کو بھی آدھا مل جائے گا (کیونکہ اس نے خود اپنے آدھے کا اقرار کیا ہے) اس لئے کہ کپڑے میں شرکت ہو سکتی ہے۔ اور نسب میں میاں بیوی کے علاوہ کوئی دوسرا داخل نہیں ہوگا، کیونکہ نسب میں میاں، بیوی کے علاوہ کوئی شریک نہیں ہوسکتا ہے۔

تشریح: یہاں سے صاحب ہدایہ نسب میں اور کپڑے میں فرق بیان کر رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ۔ نسب میں صرف میاں اور بیوی ہی شریک ہو سکتے ہیں دوسرا کوئی شریک نہیں ہوسکتا، اس لئے شوہر جس دوسری بیوی کا نام لیا اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا، اور نہ وہ نسب میں شریک ہوسکتی ہے، اسی طرح عورت نے جو دوسرے شوہر کا نام لیا تھا وہ نسب میں شریک نہیں ہوسکتا ہے، کیونکہ نسب میں شرکت نہیں ہے۔

اس کے برخلاف زید نے جو کہا تھا کہ خالد کا آدھا کپڑا ہے، تو چونکہ اس نے خالد کے لئے آدھے کپڑے کا اقرار کیا ہے، اس لئے زید کو جو آدھا ملے گا، اس میں سے آدھا، یعنی کپڑے کی چوتھائی خالد کے لئے ہو جائے گی، کیونکہ کپڑے میں مزید شرکت ہوسکتی ہے، اور زید نے اس کا اقرار کیا ہے۔ اسی طرح عمر نے جو کہا تھا کہ آدھا کپڑا ساجد کا ہے تو عمر کو جو آدھا کپڑا ملے گا اس میں سے آدھا، یعنی کپڑے کی چوتھائی ساجد کو مل جائے گی، کیونکہ کپڑے میں مزید شرکت جائز ہے، اور خود خالد نے اس کا اقرار کیا ہے، اس لئے خود اس کے حصے میں سے یہ دے دیا جائے گا۔ دونوں میں یہ فرق ہے

(٨٢٠) قَالَ (وَمَنِ اشْتَرَى جَارِيَةً فَوَلَدَتْ وَلَدًا عِنْدَهُ فَاسْتَحَقَّهَا رَجُلٌ غَرِمَ الْأَبُ قِيمَةَ الْوَلَدِ يَوْمَ يُخَاصِمُ) ١ لِأَنَّهُ وَلَدُ الْمَغْرُورِ فَإِنَّ الْمَغْرُورَ مَنْ يَطَأُ امْرَأَةً مُعْتَمِدًا عَلَى مِلْكِ يَمِينٍ أَوْ نِكَاحٍ فَتَلِدُ مِنْهُ ثُمَّ تُسْتَحَقُّ، وَوَلَدُ الْمَغْرُورِ حُرٌّ بِالْقِيمَةِ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ ، وَلِأَنَّ النَّظَرَ مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَاجِبٌ فَيُجْعَلُ الْوَلَدُ حُرَّ الْأَصْلِ فِي حَقِّ أَبِيهِ رَقِيقًا فِي حَقِّ مُدَّعِيهِ نَظَرًا لَهُمَا،

ترجمہ : (٨٢٠) کسی نے باندی خریدی، اوراسی کے پاس رہتے ہوئے اس سے بچہ پیدا ہوا، پھر وہ باندی کسی اور کی نکل گئی ،توباپ کو بچے کی قیمت دینی ہوگی جھگڑے کے دن کی قیمت

ترجمہ : ١ اس لئے کہ یہ مغرور کا بچہ ہے،اور مغرور کا بچہ اس کو کہتے ہیں کہ کسی عورت سے جماع کی ہو یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ میری ملکیت میں ہے، یا یہ میری نکاحی بیوی ہے،اوراس سے بچہ پیدا ہو جائے، پھر یہ عورت کسی اور کی مستحق نکل جائے۔ولد المغرور باجماع صحابہ آزاد ہوتا ہے،لیکن اس کی قیمت دینی پڑتی ہے۔اوراس کی وجہ یہ ہے باپ اور مدعی دونوں کا فائدہ دیکھنا واجب ہے، اس لئے بچے کو باپ کے حق میں آزاد قرار دیا جائے گا ،اور مدعی کے حق میں غلام قرار دیا جائے گا دونوں کا فائدہ دیکھتے ہوئے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ باپ، مدعی،اور بچہ تینوں کا فائدہ دیکھا جائے گا

تشریح: پہلے ولد مغرور، کا مطلب سمجھیں۔ایک آدمی نے بائع سے باندی خریدی اب وہ سمجھ رہا ہے کہ یہ میری باندی ہے،اس سے بچہ پیدا کیا، بعد میں قاضی کے ذریعہ سے پتہ چلا کہ یہ باندی بائع کی نہیں تھی ، بلکہ کسی اور کی تھی ،اوراس نے دھوکے میں میرے پاس بیچ دیا ہے،اب اس باندی سے جو بچہ پیدا ہوا اس کو، ولد المغرور، کہتے ہیں

دوسری بات یہ ہے کہ باندی تو جس کی تھی وہ لیجائے گا ،اوراس کے ساتھ بچے کو بھی جانا چاہئے تھا، کیونکہ بچہ بھی باندی کی وجہ سے مدعی کا غلام ہے،لیکن بچہ باپ کا ہوگا،لیکن باپ کو بچے کی قیمت دینی پڑے گی۔اس صورت میں تینوں کا فائدہ ہے۔بچہ کا فائدہ یہ ہے کہ وہ آزاد ہو جائے گا۔مدعی کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو بچے کا، یا یوں سمجھو کہ اس غلام کی قیمت مل گئی،اوراس کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔اور باپ کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کو اپنا بیٹا مل گیا، کیونکہ وہ اپنی باندی سمجھ کر کے ہی جماع کیا تھا،اوراس بچے کو اپنا بیٹا سمجھ رہا تھا،اس لئے شریعت نے تینوں کے فائدے پر نظر رکھی

وجہ :(١)۔عن سالم بن عبد الله عن ابيه ان رسول الله قال ايما عبد كان بين اثنين و اعتق احدهما نصيبه فان كان موسرا فانه يقوم عليه باغلى القيمة او قيمة عدل ليست بوكس و لا شطط ، ثم يغرم لهذا حصته ۔(سنن بیہقی، باب من اعتق شرکاء فی عبد، ج ١٠،ص ٤٦٥،نمبر ٢١٣٢٨) اس حدیث میں ہے کہ آزاد کر کے شریک کا نقصان کیا ہے تو اس کی قیمت دینی ہوگی (٢)۔عن الزهری فی رجل وطی جارية له فيها شرک قال يجلد مأة و تقوم عليه هی و ولدها ثم يغرم لصاحبه الثمن ۔(مصنف عبد الرزاق، باب الامة فیھا شرکاء یصیبھا، ج ٧،ص ٣٥٦،نمبر ١٣٤٦١) اس قول تابعی میں ہے کہ بچہ پیدا کر کے شریک کا نقصان کیا ہے تو باندی کی بھی قیمت لگانی ہوگی،

۲ ثُمَّ الْوَلَدُ حَاصِلٌ فِي يَدِهِ مِنْ غَيْرِ صُنْعِهِ فَلَا يَضْمَنُهُ إِلَّا بِالْمَنْعِ كَمَا فِي وَلَدِ الْمَغْصُوبَةِ، فَلِهٰذَا تُعْتَبَرُ قِيمَةُ الْوَلَدِ يَوْمَ الْخُصُومَةِ لِأَنَّهُ يَوْمُ الْمَنْعِ ۳ (وَلَوْ مَاتَ الْوَلَدُ لَا شَيْءَ عَلَى الْأَبِ) لِانْعِدَامِ الْمَنْعِ، ۴ وَكَذَا لَوْ تَرَكَ مَالًا لِأَنَّ الْإِرْثَ لَيْسَ بِبَدَلٍ عَنْهُ، وَالْمَالُ لِأَبِيهِ لِأَنَّهُ حُرُّ الْأَصْلِ فِي حَقِّهِ فَيَرِثُهُ (وَلَوْ قَتَلَهُ الْأَبُ يَغْرَمُ قِيمَتَهُ) لِوُجُودِ الْمَنْعِ ۵ وَكَذَا لَوْ قَتَلَهُ غَيْرُهُ فَأَخَذَ دِيَتَهُ،

اور بچے کی بھی قیمت دینی ہوگی

ترجمہ : ۲ پھر مشتری کے پاس رہتے ہوئے جو بچہ پیدا ہوا ہے اس میں اس کا کوئی جرم نہیں ہے (کیونکہ اپنی باندی سمجھتے ہوئے اس کو پیدا کیا ہے) اس لئے جب تک مشتری اس کو روکے گا نہیں اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا ، جیسا کہ غصب کئے ہوئے باندی کے بچے میں ہوتا ہے ، اس لئے بچے کی قیمت جھگڑے کے دن کی لگائی جائے گی ، اس لئے کہ اسی دن مشتری نے روکا ہے

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مشتری مجرم نہیں ہے ، لیکن بچے کو روکنے کی وجہ سے اس پر ضمان لازم ہوگا ، اس لئے جس دن روکا ہے اس دن کی قیمت لازم ہوگی

تشریح : بچے کی قیمت کس دن کی قیمت لازم ہوگی ، بچہ پیدا ہونے کے دن کی یا جس دن جھگڑا ہوا اس دن کی ، تو فرماتے ہیں کہ اب تک مشتری یہی سمجھ رہا تھا کہ اس باندی کو میں نے خریدا ہے ، اس لئے یہ باندی بھی میری ہے ، اور اس کا بچہ بھی میرا ہی ہے ، لیکن جھگڑے کے دن پتہ چلا کہ یہ باندی بھی میری نہیں ہے ، اور یہ بچہ بھی میرا نہیں ہے ، اور اسی دن مشتری نے مدعی کو دینے سے روکا ہے ، اس لئے اس دن بچے کی جو قیمت بازار میں ہوگی وہ قیمت مشتری پر لازم ہوگی ۔

اس کی ایک مثال دی ہے کہ ایک آدمی نے باندی غصب کی ، اور اس میں ایک بچہ ہوا تو یہ بچہ غاصب کے ہاتھ میں امانت ہے ، اب جس دن غاصب اس بچے کو دینے سے انکار کرے گا ، غاصب پر اس دن کی قیمت لازم ہوگی ، کیونکہ اس دن اس نے امانت میں خیانت کی ہے ۔ ٹھیک اسی طرح جس دن جھگڑا ہوا ہے اس دن کی قیمت مشتری پر لازم ہوگی

ترجمہ : ۳ اور اگر بچہ مر گیا تو اب مشتری پر قیمت لازم نہیں ہوگی اس لئے بچے کے مر جانے کی وجہ سے اس کو روکا نہیں ہے

تشریح : بچہ مر گیا اس کے بعد جھگڑا ہوا تو چونکہ بچہ کے مرنے کی وجہ سے اس کو روکنا ثابت نہیں ہوا اس لئے مشتری پر بچے کی قیمت لازم نہیں ہوگی

ترجمہ : ۴ ایسے ہی اگر بچے نے مال چھوڑا تب بھی مشتری پر قیمت لازم نہیں ہوگی ، اس لئے کہ وراثت بچے کا بدل نہیں ہے ، اور یہ مال باپ کا ہوگا ، اس لئے کہ بچہ پہلے سے ہی آزاد ہے ، اور باپ اس مال کا وارث ہوگا

تشریح : بچہ تو مر گیا تھا لیکن اس نے مال چھوڑا تھا ، اور باپ نے اس مال کو روکا تھا تو کیا اس مال کے روکنے کی وجہ سے بھی باپ پر بچے کی قیمت لازم ہوگی ، تو فرما رہے ہیں کہ ، مال بچے کا بدل نہیں ہے ، اس لئے اس مال کے روکنے کی وجہ سے باپ پر بچے کی قیمت لازم نہیں ہوگی ۔ اور بچے کا یہ مال باپ کی وراثت ہوگی ، کیونکہ بچہ بنیادی طور پر آزاد ہی تھا

ترجمہ : ۵ اگر باپ نے بچے کو قتل کر دیا تو اب مشتری کو بچے کی قیمت دینی ہوگی ، اس لئے کہ (بچے کو قتل کر کے اس کو مدعی

٦ لِأَنَّ سَلَامَةَ بَدَلِهِ كَسَلَامَتِهِ، وَمَنْعَ بَدَلِهِ كَمَنْعِهِ فَيَغْرَمُ قِيمَتَهُ كَمَا إِذَا كَانَ حَيًّا

(٨٢١) وَيَرْجِعُ بِقِيمَةِ الْوَلَدِ عَلَى بَائِعِهِ) ١ لِأَنَّهُ ضَمِنَ لَهُ سَلَامَتَهُ كَمَا يَرْجِعُ بِثَمَنِهِ، بِخِلَافِ الْعُقْرِ لِأَنَّهُ لَزِمَهُ لِاسْتِيفَاءِ مَنَافِعِهَا فَلَا يَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْبَائِعِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَاب

کے حوالے کرنے سے روکا ہے)

تشریح : بچہ خود مر گیا ہوتو مشتری پر قیمت لازم نہیں ہے، لیکن اگر مشتری نے بچے کو قتل کر دیا ہے تو اب باپ نے بچے کو مدعی کو حوالہ کرنے سے روکا ہے، اس لئے اب مشتری پر بچے کی قیمت لازم ہوگی

ترجمہ : ٦ ایسے ہی مشتری پر بچے کی قیمت لازم ہوگی، اگر دوسرے نے قتل کیا ہو، اور مشتری نے اس سے دیت لے لی ہو، اس لئے کہ مشتری کے پاس دیت کا سلامت رہنا گویا کہ بچے کا سلامت رہنا ہے، اس لئے مشتری پر بچے کی قیمت لازم ہو گی۔ جیسے بچہ زندہ ہوتا اور باپ کے پاس ہوتا تو مشتری پر اس کی قیمت لازم ہوتی

تشریح : دوسرے آدمی نے بچے کو قتل کر دیا، اور باپ نے، یعنی مشتری نے قاتل سے اس کی دیت وصول کر لی ہے، تو چونکہ دیت کو اپنے پاس رکھنا گویا کہ بچے کو اپنے پاس روکنا ہے، اس لئے اس سے بھی مشتری پر بچے کی قیمت لازم ہو جائے گی۔

ترجمہ: (٨٢١) اور مشتری بچے کی قیمت بائع سے لیگا۔

ترجمہ : ١ اس لئے کہ بائع نے یہ ضمانت لی تھی کہ بچہ مشتری کے پاس محفوظ رہے گا، جیسے بچے کی ماں کی قیمت بائع سے واپس لیگا، بخلاف عقر کے (عقر بائع سے واپس نہیں لیگا) اس لئے کہ عقر تو صحبت کر کے جو نفع حاصل کیا ہے اس کے بدلے میں ہے اس لئے عقر بائع سے وصول نہیں کرے گا۔ واللہ اعلم

تشریح : بائع نے جب مشتری سے باندی بیچی تھی تو گویا کہ تین باتوں کی یقین دہانی کرائی تھی، بچہ آپ کا ہوگا، باندی آپ کی ہوگی، اور باندی آپ کی ہوگی اس لئے اس سے مفت صحبت کریں گے۔ لیکن جب باندی دوسرے کی نکل گئی، اور قاضی نے دوسرے کے لئے باندی کا فیصلہ کیا تو مشتری کو بچے کی قیمت دینی پڑی، باندی بھی مدعی کو حوالہ کرنا پڑا، اور مدعی باندی سے جو صحبت کی تھی اس کی قیمت بھی مشتری سے لی، جس کو عقر کہتے ہیں۔ اب مصنف فرماتے ہیں، مشتری باندی کی قیمت بائع سے واپس لیگا، بچے کی جو قیمت دی وہ بھی بائع سے واپس لے گا، کیونکہ بائع نے ان کی سلامت رہنے کا ذمہ لیا تھا، اور وہ نہیں ہوا۔ لیکن جو مشتری پر عقر لازم ہوا وہ بائع سے نہیں لیگا، کیونکہ صحبت کے مزے کی قیمت ہے جو مشتری نے باندی سے اٹھائی ہے، اس لئے عقر بائع سے نہیں لے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

﴿كِتَابُ الْإِقْرَارِ﴾

(٨٢٢) قَالَ (وَإِذَا أَقَرَّ الْحُرُّ الْعَاقِلُ الْبَالِغُ بِحَقٍّ لَزِمَهُ إِقْرَارُهُ مَجْهُولًا كَانَ مَا أَقَرَّ بِهِ أَوْ مَعْلُومًا) لِ اعْلَمْ أَنَّ الْإِقْرَارَ إِخْبَارٌ عَنْ ثُبُوتِ الْحَقِّ، وَأَنَّهُ مُلْزِمٌ لِوُقُوعِهِ دَلَالَةً.

﴿ کتاب الاقرار ﴾

ضروری نوٹ: اپنے اوپر کسی حد، قصاص یا مال کے اقرار کرنے کو اقرار کہتے ہیں۔ اقرار کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ قال ااقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا (آیت ۸۱ سورۂ آل عمران) (۲) اس حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال اتی رجل رسول اللہ وھو فی المسجد فناداہ فقال یا رسول اللہ انی زنیت فاعرض عنہ حتی ردد علیہ اربع مرات فلما شھد علی نفسہ اربع شھادات دعاہ النبی ﷺ فقال ابک جنون؟ قال لا قال فھل احصنت؟ قال نعم فقال النبی ﷺ اذھبوا بہ فارجموہ (بخاری شریف، باب لا یرجم المجنون والمجنونۃ ص ۱۰۰۶ نمبر ۶۸۱۵ رمسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی ج ثانی ص ۶۶ نمبر ۱۶۹۵) اس حدیث میں حضرت ماعز نے اپنے اوپر زنا کا اقرار کیا پھر ان پر حد زنا جاری کی گئی۔ اس سے اقرار کا ثبوت ہوا (۳) حضرت غامدیہ کی حدیث یہ ہے۔ قال ثم فجأت الغامدیۃ فقالت یا رسول اللہ! انی قد زنیت فطھرنی، وانہ ردھا.. ثم امر بھا فحفر لھا الی صدرھا وامر الناس فرجموھا۔ (مسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی ص ۵۳ نمبر ۱۶۹۵/۴۴۳۲)

ترجمہ: (۸۲۲) اگر آزاد بالغ اور عاقل آدمی کسی حق کا اقرار کرے تو وہ اس پر لازم ہو جائے گا۔ چاہے جس چیز کا اقرار کیا وہ مجہول ہو یا معلوم۔

تشریح کوئی عاقل، بالغ اور آزاد آدمی اپنے اوپر کسی کے حق کا اقرار کرتا ہے تو وہ حق لازم ہو جائے گا۔ اقرار معلوم ہو مثلا یوں کہے کہ مجھ پر فلاں کے بیس پونڈ ہیں یا اقرار مجہول ہو مثلا یوں کہے کہ مجھ پر فلاں کے کچھ پونڈ ہیں۔ دونوں صورتوں میں اقرار لازم ہو جائے گا اور اقرار صحیح ہوگا۔

وجہ: ایک آدمی آزاد ہے عاقل، بالغ ہے، با اختیار ہے تو اپنے بارے میں کسی چیز کا اقرار کر سکتا ہے، یہ اس کا ذاتی حق ہے (۲) اس آیت میں ہے کہ اپنے اوپر قوم نے اقرار کیا۔ قال ااقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا (آیت ۸۱ سورۂ آل عمران)

ترجمہ: لِ ایک آدمی پر حق ثابت ہے اقرار کے ذریعہ اس کی خبر دینا ہے، اور اقرار سے چیز دلالت سے لازم ہوتی ہے

تشریح: یہ منطقی جملہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی پر جو چیز ثابت ہے اس کی اطلاع دے رہا ہے، اور دوسری بات یہ کہہ رہے ہیں کہ جس چیز کا اقرار کر رہا ہے وہ اس کی ذات پر لازم ہو جائے گا، ہاں اتنی بات ہے کہ غیر پر کسی چیز کا اقرار کرے تو وہ لازم نہیں ہوگا، یا ایسی چیز کا اقرار جس سے کسی کو نقصان ہوتا ہو تو ایسے اقرار کا بھی اعتبار نہیں ہے

٢ أَلا تَرَى كَيفَ أَلْزَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَاعِزًا الرَّجْمَ بِإِقْرَارِهِ وَتِلْكَ الْمَرْأَةَ بِاعْتِرَافِهَا . ٣ وَهُوَ حُجَّةٌ قَاصِرَةٌ لِقُصُورِ وِلَايَةِ الْمُقِرِّ عَنْ غَيْرِهِ فَيَقْتَصِرُ عَلَيْهِ. ٤ وَشَرْطُ الْحُرِّيَّةِ لِيَصِحَّ إِقْرَارُهُ مُطْلَقًا،

ترجمه : ٢ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ حضورؐ نے حضرت ماعزؓ اسلمی کو ان کے اقرار کرنے پر رجم لازم کیا، اور حضرت غامدیہؓ کو ان کے اقرار کرنے پر بھی رجم کا حکم کیا

تشریح: اقرار سے اقرار کرنے والے پر کوئی چیز لازم ہو جاتی ہے صاحب ہدایہ اس کی دلیل دے رہے ہیں کہ حضورؐ نے حضرت ماعزؓ کے اقرار پر رجم کیا، اور حضرت غامدیہؓ کے اقرار پر ان کو بھی رجم کیا جس سے معلوم ہوا کہ اقرار سے اس کے اپنے اوپر وہ چیز لازم ہو جاتی ہے

وجه: (١) حضرت ماعز والی حدیث یہ ہے اس حدیث میں ہے۔عن ابی هريرة قال اتى رجل رسول الله وهو فى المسجد فناداه فقال يا رسول الله انى زنيت .... فقال النبى ﷺ اذهبوا به فارجموه (بخاری شریف ،باب لا يرجم المجنون والمجنونة ص ١٠٠٦ نمبر ٦٨١٥ر مسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی ج ثانی ص ٦٦ نمبر ١٦٩٥) اس حدیث میں حضرت ماعز نے اپنے اوپر زنا کا اقرار کیا پھر ان پر حد زنا جاری کی گئی۔ اس سے اقرار کا ثبوت ہوا (٢) حضرت غامدیہ کی حدیث یہ ہے۔قال ثم فجأت الغامدية فقالت يا رسول الله ! انى قد زنيت فطهرنى ، و انه ردها ..ثم امر بها فحفر لها الى صدرها و امر الناس فرجموها ۔(مسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی، ص ٧٥٣ نمبر ١٦٩٥ر ٤٤٣٢)

ترجمه: ٣ اقرار حجت قاصرہ ہے، اس لئے کہ اقرار کرنے والے کی ولایت دوسرے پر نہیں ہوتی، صرف اپنے اوپر ہی ہوتی ہے

تشریح : گواہی کے ذریعہ سے دوسرے آدمی پر کوئی چیز لازم کی جاتی ہے، چاہے وہ مانے یا نہ مانے، اس لئے گواہی کو، حجت کاملہ، کہا جاتا ہے، اس کی بنسبت اقرار کا حال یہ ہے کہ اقرار کرنے والا صرف اپنے اوپر کوئی چیز لازم کر سکتا ہے، دوسرے پر نہیں کر سکتا، یا ایسا اقرار بھی نہیں کر سکتا جس سے دوسرے کو کوئی نقصان ہو، اس لئے اقرار کو، حجت قاصرہ، کہتے ہیں

ترجمه: ٤ اقرار کرنے میں آزاد ہونے کی شرط اس لئے لگایا کہ تا کہ اس کا اقرار ہر حال میں صحیح ہو جائے۔

تشریح: دو قسم کے اقرار ہوتے ہیں، ایک ہے اپنے اوپر مال کا اقرار، دوسرا ہے اپنے اوپر حد اور قصاص کا اقرار، ایک آزاد آدمی اپنے اوپر مال کا بھی اقرار کر سکتا ہے، اور حد اور قصاص کا بھی اقرار کر سکتا ہے، اس لئے کہ اس اقرار سے خود آزاد آدمی ہی کو مال بھی دینا ہوگا، اور حد اور قصاص بھی ادا کرنا ہوگا، اس اقرار سے کسی اور کا نقصان نہیں ہے

دوسرا ہے ایسا غلام جس کو تجارت کرنے کی بھی اجازت نہیں ہو (غير مأذون له التجارة) ایسا غلام اپنے اوپر حد اور قصاص کا اقرار کر سکتا ہے، اس سے اگر چہ آقا کا بھی نقصان ہے کہ اس کا غلام مجروح ہو جائے گا، لیکن حد اور قصاص ہر انسان کا ذاتی حق ہے، اور اسی اپنی گردن پر ہوتا ہے، اس لئے غير مأذون له بھی اس کا اقرار کر سکتا ہے، لیکن ایسا غلام کسی کے لئے مال کا اقرار

٥ فَإِنَّ الْعَبْدَ الْمَأْذُونَ لَهُ وَإِنْ كَانَ مُلْحَقًا بِالْحُرِّ فِي حَقِّ الْإِقْرَارِ، ٦ لَكِنَّ الْمَحْجُورَ عَلَيْهِ لَا يَصِحُّ إِقْرَارُهُ بِالْمَالِ وَيَصِحُّ بِالْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ؛ لِأَنَّ إِقْرَارَهُ عُهِدَ مُوجِبًا لِتَعَلُّقِ الدَّيْنِ بِرَقَبَتِهِ وَهِيَ

نہیں کرسکتا، کیونکہ جو مال بھی اس کے پاس ہے وہ آقا کا مال ہے، اس لئے اس کا نقصان ہوگا، اس لئے مال کا اقرار نہیں کرسکتا تیسرا غلام ہے، مأذون له التجارة، جس کو آقا نے تجارت کرنے کی اجازت دی ہو، ایسے غلام کو خود آقا نے تجارت کرنے کی اجازت دی ہے، اور تجارت میں مال کا لین دین ہوتا ہے، اس لئے ایسا غلام کسی کے لئے مال کا اقرار کرسکتا ہے، چاہے اس میں آقا کا نقصان ہو، تاہم یہ دیکھا جائے گا کہ واقعی غلام پر یہ مال ہوسکتا ہے، یا صرف آقا کو نقصان دینے کے لئے اقرار کررہا ہے، اگر واقعی آقا کو نقصان دینے کے لئے اقرار کررہا ہے تو ایسے اقرار کا اعتبار نہیں ہوگا۔۔ ایسا، مأذون له التجارة، والا غلام اپنے اوپر حد اور قصاص کا اقرار کرسکتا ہے، کیونکہ یہ اس کی گردن پر ہوتا ہے، اور یہ اس کا ذاتی حق ہے

وجه: (۱) اس قول تابعی میں ہے کہ غلام حد کا اقرار کرسکتا ہے، اور مال کے بارے میں ہے کہ آقا نے جس چیز کی اجازت دی اس کا اقرار کرسکتا ہے، اور جس چیز کی اجازت نہیں دی ہو اس کا اقرار نہیں کرسکتا۔ عن الحسن قال يجوز اقرار العبد فيما اقر به من حد يقام عليه، و مهما اقر به مما تذهب رقبته فيه فلا يجوز (مصنف ابن ابی شیبة، باب فی العبد یقر مما فیہ حد ھل یجوز، ج ۵، ص ۴۸۲، نمبر ۲۸۱۷۷) (۲)۔ عن ابراهيم انه كان يجيز قول العبد فيما اذن له فيه اهله (مصنف ابن ابی شیبة، باب ما یجوز فیہ اقرار العبد، ج ۵، ص ۳، نمبر ۲۳۱۶۴) اس قول تابعی میں ہے کہ آقا مال کے بارے میں جس چیز کی اجازت دی ہو اس بارے میں اقرار کرسکتا ہے، اور تجارت کی اجازت والے غلام کو مال کے بارے میں اقرار کی اجازت ہے اس لئے وہ مال کا اقرار کرسکتا ہے۔۔ اس تفصیل کے بعد آگے کی عبارت دیکھیں

لغت: اقراره مطلقا: مطلق اقرار کا مطلب یہ ہے کہ وہ مال کا بھی اقرار کرسکتا ہو۔ اور حد اور قصاص کا بھی اقرار کرسکتا ہو۔

ترجمه: ۵ اس لئے کہ تجارت کی اجازت دیا ہوا غلام مال کے بارے میں اقرار کے حق میں آزاد کے ساتھ ملا ہوا ہے،

تشریح: یہاں عبارت بہت پیچیدہ ہے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مأذون لہ تجارة والا غلام ایک حیثیت سے آزاد کے ساتھ مل گیا ہے، اس لئے وہ کسی کے لئے مال کا بھی اقرار کرسکتا ہے

ترجمه: ٦ لیکن جس غلام کو تجارت سے روک دیا ہو وہ مال کا اقرار نہیں کرسکتا، ہاں وہ حد اور قصاص کا اقرار کرسکتا ہے، اس لئے کہ اس کے مال کے اقرار سے اس کی گردن پر قرض آئے گا، حالانکہ وہ آقا کا مال ہے اس لئے اس کے اقرار کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اس کے برخلاف جس غلام کو تجارت کی اجازت ہے اس کو تو اس کے آقا ہی نے اقرار کرنے پر مسلط کیا ہے

تشریح: مجور غلام اس لئے مال کا اقرار نہیں کرسکتا کہ یہ مال غلام کی گردن پر آئے گا، اور آقا کا نقصان ہوگا، اور تجارت کی اجازت نہ دئے ہوئے غلام کو اس نقصان کی اجازت نہیں ہے، اس کے برخلاف جس غلام کو تجارت کی اجازت ہے اس کو تو اس کے آقا ہی نے اقرار پر مسلط کیا ہے اس لئے وہ مال کا اقرار کرسکتا ہے

لغت: مأذون له: جس غلام کو آقا نے تجارت کی اجازت دی ہو۔ مجور: جس غلام کو تجارت سے روک دیا گیا ہو۔ عهد موجبا:

مَالُ الْمَوْلَى فَلَا يُصَدَّقُ عَلَيْهِ، بِخِلَافِ الْمَأْذُونِ لِأَنَّهُ مُسَلَّطٌ عَلَيْهِ مِنْ جِهَتِهِ، ٧ وَبِخِلَافِ الْحَدِّ وَالدَّمِ لِأَنَّهُ مُبْقًى عَلَى أَصْلِ الْحُرِّيَّةِ فِي ذَلِكَ، حَتَّى لَا يَصِحَّ إِقْرَارُ الْمَوْلَى عَلَى الْعَبْدِ فِيهِ، ٨ وَلَا بُدَّ مِنَ الْبُلُوغِ وَالْعَقْلِ لِأَنَّ إِقْرَارَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ غَيْرُ لَازِمٍ لِانْعِدَامِ أَهْلِيَّةِ الِالْتِزَامِ، إِلَّا إِذَا كَانَ الصَّبِيُّ مَأْذُونًا لَهُ لِأَنَّهُ مُلْحَقٌ بِالْبَالِغِ بِحُكْمِ الْإِذْنِ، ٩ وَجَهَالَةُ الْمُقَرِّ بِهِ لَا تَمْنَعُ صِحَّةَ الْإِقْرَارِ؛ لِأَنَّ

جس کے اقرار سے آقا کا نقصان ہوتا ہو۔رقبۃ: گردن۔مسلط علیہ: آقا کی جانب سے تجارت کرنے پر مسلط ہو

ترجمہ: ٧ بخلاف حد کے اور قصاص کے اس لئے کہ اس کے اقرار کا مدار اصل آزادگی پر، یہی وجہ ہے کہ آقا غلام پر حد اور قصاص کا اقرار نہیں کرسکتا

تشریح: مأذون له التجارة، اور مجور دونوں قسم کے غلام اپنے اوپر حد اور قصاص کا اقرار کرسکتے ہیں،

وجہ: (١) کیونکہ وہ انسان ہونے کی وجہ سے انسانی، اور بنیادی طور پر آزاد ہیں، اور حد اور قصاص کے اقرار کے لئے بنیادی آزاد ہونا کافی ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی آقا اپنے غلام پر حد کا یا قصاص کا اقرار کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔(٢) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس اقرار کرنے سے خود غلام کو اس کے جسم پر سزا پڑنے والی ہے، آقا کے مال کا نقصان نہیں ہے، اور اپنے جسم پر سزا غلام کا حق ہے، اس لئے وہ حد اور قصاص کا اقرار کرسکتے ہیں (٣) ۔عن الحسن قال يجوز اقرار العبد فيما اقر به من حد يقام عليه ، (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی العبد یقر مما فیہ حد ھل یجوز، ج ٥، ص ٤٨٢، نمبر ٢٨١٧٧) اس قول تابعی میں ہے کہ غلام اپنے اوپر حد کا اقرار کرسکتا ہے

ترجمہ: ٨ اور اقرار کے لئے ضروری ہے کہ آدمی بالغ ہو، اور عاقل ہو اس لئے کہ بچے کا اقرار اور مجنون کا اقرار لازم نہیں ہے، کیونکہ ان دونوں میں اقرار کی اہلیت نہیں ہے، ہاں بچے کو تجارت کی اجازت دی گئی ہو (تو مال کا اقرار کرسکتا ہے) اس لئے کہ تجارت کی اجازت کی وجہ سے یہ بالغ کے حکم میں ہو گیا ہے۔

تشریح: متن میں تھا کہ اقرار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ آدمی بالغ ہو بچہ نہ ہو، عاقل ہو مجنون نہ ہو ورنہ اس کا اقرار صحیح نہیں ہے۔ہاں بچہ ہے تو بچہ، لیکن اتنا سمجھدار ہو گیا ہے کہ باپ نے اس کو تجارت کرنے کی اجازت دی ہے تو اب یہ بالغ کے درجے میں آچکا ہے، اس لئے یہ اپنے اوپر تھوڑا سا مال کا اقرار کرسکتا ہے، لیکن پھر بھی حد اور قصاص کا اقرار نہیں کرسکتا ہے

وجہ: (١) اقرار کے لئے اصل بنیاد ہے عقل ہونا، اور بچے کو اور مجنون کو عقل ہی نہیں ہوتی ہے اس لئے اس کے اقرار کا اعتبار نہیں ہے۔ (٢) عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ و عن المبتلى حتى يبرأ و عن الصبى حتى يكبر ۔(ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا، ص ٢٥٦ نمبر ٤٣٩٨) اس حدیث میں ہے کہ سونے والے اور مجنون اور بچے سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، یعنی اس کے اقرار کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ: ٩ اور جس چیز کا اقرار کر رہا ہے وہ اگر مجہول ہو تب بھی اقرار صحیح ہو جائے گا، اس لئے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مجہول چیز اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے، مثلا کوئی چیز ضائع کر دی اور اس کی قیمت اس کو معلوم نہیں ہے (تو یہ اقرار تو کرے گا کہ یہ چیز میں

الْـحَـقَّ قَدْ يَلْزَمُ مَجْهُولًا بِأَنْ أَتْلَفَ مَا لَا يَدْرِي قِيمَتَهُ أَوْ يَجْرَحَ جِرَاحَةً لَا يَعْلَمُ أَرْشَهَا أَوْ تَبْقَى عَلَيْهِ بَـاقِيَةُ حِسَـابٍ لَا يُـحِيـطُ بِهِ عِلْمُهُ، ١٠ ۔ وَالْـإِقْـرَارُ إِخْبَـارٌ عَـنْ ثُبُوتِ الْحَقِّ فَيَصِحُّ بِهِ، ١١ ۔ بِخِلَافِ الْجَهَالَةِ فِي الْمُقَرِّ لَهُ لِأَنَّ الْمَجْهُولَ لَا يَصْلُحُ مُسْتَحِقًّا،

(٨٢٣) (وَيُـقَـالُ لَهُ: بَيِّنِ الْمَجْهُولَ) لِأَنَّ التَّـجْهِيـلَ مِـنْ جِهَتِهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ (فَـإِنْ لَـمْ يُبَيِّـنْ أَجْبَرَهُ الْقَاضِي عَلَى الْبَيَانِ) ١ ۔ لِأَنَّـهُ لَـزِمَـهُ الْـخُـرُوجُ عَمَّا لَزِمَهُ بِصَحِيحِ إِقْرَارِهِ

نے ضائع کر دی ہے، لیکن اس کی قیمت کتنی ہے یہ معلوم نہیں ہے، مجہول ہے) یا کسی کو زخمی کر دیا ہو اور اس کا تاوان کتنا ہے معلوم نہیں ہے، یا اس پر کچھ حساب باقی ہو جس کا اس کو پتہ نہ ہو اور یہ اقرار کرتا ہو کہ مجھ پر کچھ رقم ہے (تو ان تین باتوں میں مجہول اقرار کرتا ہے، اور چل جاتا ہے)

تشریح : مجہول اقرار کی یہ تین صورتیں ہیں۔ا۔زید نے برتن توڑ دیا ہے اور اس کی قیمت کا پتہ نہیں ہے، اب وہ اقرار کرتا ہے کہ میں نے برتن توڑا ہے، لیکن اس کی قیمت کتنی ہے یہ ابھی مجہول ہے، پھر بھی اقرار درست ہے۔ دوسری مثال ہے زید نے ہاتھ توڑ دیا ہے، لیکن اس کا تاوان کتنا ہے یہ معلوم نہیں ہے۔ تیسری مثال ہے کہ زید یہ اقرار کرتا ہے کہ مجھ پر عمر کا کچھ قرضہ ہے ،لیکن کتنا قرضہ ہے یہ کاغذ پر لکھا ہوا ہے جوڑنے سے پتہ چلے گا کہ کتنا ہے، یہ مجہول اقرار کرنا بھی درست ہے

لغت :ارش: زخم کا تاوان کو ارش، کہتے ہیں۔ تبقی علیہ باقیۃ : یہ محاورہ ہے، کچھ حساب باقی ہے جس کا علم ابھی نہیں ہے، سب حساب جوڑنے سے پتہ چلے گا

ترجمہ: ١٠ ۔ اقرار کا مطلب یہ ہے کہ کسی کا حق مجھ پر ثابت ہے اس کی خبر دے رہا ہوں

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ١١ ۔ جس آدمی کے لئے اقرار کر رہا ہو اس میں جہالت ہو تو یہ اقرار صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس مال کا مستحق کون بنے گا

تشریح : اوپر یہ تھا کہ کتنے مال کا اقرار کر رہے ہیں اس میں جہالت تھی تو اقرار صحیح تھا۔ اب یہ ہے کہ کس آدمی کے لئے اقرار کر رہے ہیں اس میں جہالت ہے تو اب اقرار صحیح نہیں ہے، اس کو مقرلہ، کہتے ہیں

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مال کون لیگا، یہی پتہ نہیں ہے اس لئے یہ اقرار درست نہیں ہے۔

ترجمہ :(٨٢٣) اور کہا جائے گا اقرار کرنے والے کو کہ مجہول چیز کو بیان کرے (اس لئے کہ جہالت اقرار کرنے والے کی جانب سے ہے، تو ایسا ہو گیا کہ، دو غلاموں میں سے ایک کو آزاد کیا ہو)۔ پس اگر نہیں بیان کرے تو حاکم اس کو بیان کرنے پر مجبور کرے گا۔

ترجمہ: ١ ۔ اس لئے کہ جو اس نے صحیح اقرار کیا ہے اس سے نکلنا بھی لازم ہے، اور وہ نکلنا بیان سے ہی ہوگا

تشریح : اگر ایسی رقم کا اقرار کیا جو مجہول ہے تو مقر پر لازم ہے کہ اس کو بیان کرے، اور اگر وہ بیان نہیں کرتا ہے قاضی اس کو بیان کرنے پر مجبور کرے گا ،مثلا زید نے کہا کہ مجھ پر عمر کا قرض ہے، اب کتنا قرض ہے یہ مجہول ہے تو اس رقم کو بیان کرنا چاہئے ،اور اگر بیان نہیں کرتا ہے تو قاضی بیان کرنے پر مجبور کرے گا

وَذَلِكَ بِالْبَيَانِ.

(۸۲۴)(فَإِنْ قَالَ: لِفُلَانٍ عَلَيَّ شَيْءٌ لَزِمَهُ أَنْ يُبَيِّنَ مَا لَهُ قِيمَةٌ) لِ لِأَنَّهُ أَخْبَرَ عَنِ الْوُجُوبِ فِي ذِمَّتِهِ، وَمَا لَا قِيمَةَ لَهُ لَا يَجِبُ فِيهَا، فَإِذَا بَيَّنَ غَيْرَ ذَلِكَ يَكُونُ رُجُوعًا .

(۸۲۵) قَالَ (وَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِينِهِ إِنِ ادَّعَى الْمُقَرُّ لَهُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ) لِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُنْكِرُ فِيهِ

وجه: (۱) جب اقرار کیا تو دوسرے کا حق اس پر لازم ہو گیا اس لئے حاکم اس کو مجبور کر کے بیان کروائے گا اور حق والے کا حق دلوائے گا (۲) حدیث میں حضرت ماعز اور حضرت غامدیہ نے ڈھکی چھپی بات کہی اور زنا کا اقرار کیا تو آپؐ نے وضاحت طلب کی اور بیان کرنے کے لئے سوال کیا۔ قال جاء ماعزبن مالک الی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ طھرنی ... حتی اذ کانت الرابعة فقال له رسول الله ﷺ فیم اطھرک فقال من الزنی . اسی حدیث کے اگلے ٹکڑے میں ہے. قال ثم جائته امرأة من غامد من الازد فقالت یا رسول الله طھرنی ... قال وما ذاک ؟ قالت انها حبلی من الزنا فقال انت ؟ قال نعم (مسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی، ص ۷۵۲، نمبر ۴۴۳۱/۱۶۹۵) اس حدیث میں حضرت ماعز اور حضرت غامدیہ نے فرمایا مجھے پاک کیجئے یا رسول اللہ لیکن کس چیز سے پاک کیجئے یہ نہیں بتلایا یہ مجہول تھا تو آپؐ نے استفسار فرمایا کہ کس چیز سے پاک کروں۔ جس سے ظاہر ہوا کہ اقرار میں جہالت ہو تو حاکم بیان طلب کرے گا۔ اور کسی کا بندے کا حق اس سے متعلق ہو تو بیان کرنے پر مجبور بھی کرے گا۔

ترجمہ: (۸۲۴) اگر کہا فلاں کا مجھ پر کچھ ہے تو اس پر لازم ہے کہ ایسی چیز بیان کرے جس کی کوئی قیمت ہو۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ اپنے ذمے جو واجب ہوا ہے اس کی خبر دی ہے، اور کوئی ایسی چیز بتائی جس کی کوئی قیمت نہیں ہے تو اس میں کچھ واجب نہیں ہوگا، پھر ایسی چیز بیان کی تو گویا کہ اپنی بات سے رجوع کرنا ہوا (اس لئے اس کو رجوع کرنے نہیں دیا جائے گا)

تشریح: یوں کہا کہ فلاں کا میرے اوپر کچھ ہے، اقرار کرنے والے پر یہ لازم ہوگا، کہ ایسی چیز بیان کرے جس کی کوئی قیمت ہے، لیکن اگر ایسی چیز بیان کی جس کی کوئی قیمت نہیں ہے تو گویا کہ وہ اپنی بات سے رجوع کر رہا ہے، اور اپنی بات پلٹ رہا ہے، اس لئے اپنی بات سے رجوع کرنے نہیں دیا جائے گا

وجه: اس قول تابعی میں ہے کہ اپنی بات سے رجوع کیا تو اس کو رجوع کرنے نہیں دیا۔ عن ابراهیم النخعی ان رجلا اقر عند شریح ثم ذهب ینکر فقال له شریح شهد علیک ابن اخت خالتک (سنن للبیھقی، باب من یجوز اقرارہ، ج سادس، ص ۱۳۹، نمبر ۱۱۴۵۲) اس قول تابعی میں اقرار کرنے والا آدمی انکار کرنے لگا تو قاضی شریح نے غصے کا اظہار فرمایا اور اس کو رجوع کرنے نہیں دیا

ترجمہ: (۸۲۵) قول اس میں اقرار کرنے والے کے قول کا اعتبار ہے اس کی قسم کے ساتھ اگر مقر لہ اس سے زیادہ کا دعوی کرے۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ انکار کرنے والا منکر ہے (اور گواہ نہ ہو تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے)

(۸۲۶)(وَكَذَا إِذَا قَالَ لِفُلَانٍ عَلَيَّ حَقٌّ) ۱؎ لِمَا بَيَّنَّا، ۲؎ وَكَذَا لَوْ قَالَ: غَصَبْتُ مِنْهُ شَيْئًا وَيَجِبُ أَنْ يُبَيِّنَ مَا هُوَ مَالٌ يَجْرِي فِيهِ التَّمَانُعُ تَعْوِيلًا عَلَى الْعَادَةِ .

(۸۲۷)(وَلَوْ قَالَ: لِفُلَانٍ عَلَيَّ مَالٌ فَالْمَرْجِعُ إِلَيْهِ فِي بَيَانِهِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُجْمِلُ وَيُقْبَلُ قَوْلُهُ فِي الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ) ۱؎ لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ مَالٌ فَإِنَّهُ اسْمٌ لِمَا يُتَمَوَّلُ بِهِ (إِلَّا أَنَّهُ لَا يُصَدَّقُ فِي أَقَلَّ مِنْ دِرْهَمٍ) لِأَنَّهُ لَا

تشریح: مدعی کے پاس بینہ نہیں ہے اور اقرار کرنے والا مثلا دس پونڈ کا اقرار کرتا ہے اور مدعی یعنی مقرلہ کہتا ہے کہ پندرہ پونڈ ہیں تو مقر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

وجہ: مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ اور منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے(۲) حدیث میں ہے۔عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال البینۃ علی من ادعی و الیمین علی من انکر الا فی القسامۃ (دار قطنی، کتاب الاقضیۃ والاحکام، ج رابع، ص ۱۳۹، نمبر ۴۴۶۱) اس حدیث میں ہے کہ مدعی پر بینہ ہے اور مدعی علیہ اور منکر پر قسم ہے اور قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔

ترجمہ:(۸۲۶) ایسے ہی اگر کہا کہ فلاں کا میرے اوپر حق ہے (تو اس کو ایسی چیز بیان کرنی ہوگی جس کی کچھ قیمت ہے)

ترجمہ:۱؎ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا۔یعنی اس کو اپنی بات سے رجوع نہیں کرنے دیا جائے گا

تشریح: واضح ہے

ترجمہ:۲؎ ایسے ہی اگر کہا کہ میں نے فلاں سے کچھ غصب کیا ہے، تو اس پر واجب ہے کہ ایسا مال بیان کرے جس کو عام طور پر لوگ روک تھام کر رکھتے ہیں، عادت پر اعتماد کرتے ہوئے یہی بات کہی جاتی ہے

تشریح: کسے نے کہا کہ میں نے فلاں کی چیز غصب کی ہے تو اس کو یہ بیان کرنا ہوگا کہ ایسا مال غصب کیا ہے جس کی کوئی قیمت ہو، اور لوگ عام طور پر اس کو روک کر اور حفاظت سے اپنے پاس رکھتے ہیں، بہت ہی ادنی مال کا اقرار کافی نہیں ہوگا

لغت: تمانع: ایسا مال جس کو لوگ لینے سے منع کرتے ہیں۔تعویل: اعتماد کرتے ہوئے

ترجمہ:(۸۲۷) اگر کہا فلاں کا میرے اوپر مال ہے تو اس کے بیان کی طرف رجوع کیا جائے گا (کیونکہ مقر کی بات مجمل ہے) اور تھوڑا مال ہو یا زیادہ مال ہو مقر کی بات قبول کی جائے گی

تشریح: مقر کہتا ہے فلاں کا میرے اوپر مال ہے تو کتنا مال ہے اس بارے میں مقر سے ہی استفسار کیا جائے گا اور کم زیادہ جتنا کہے اسی کی بات مان لی جائے گی۔البتہ ایک درہم سے کم میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی کیونکہ ایک درہم سے کم کو مال نہیں کہتے ہیں۔

وجہ: چونکہ مقرلہ جسکے لئے اقرار کیا ہے اس کے پاس اس کے خلاف کوئی بینہ نہیں ہے اس لئے مقر کی قسم کے ساتھ جتنا کہتا ہے اسی کی بات ماننی پڑے گی۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ یہ تمام مال ہیں، اس لئے کہ اس سے آدمی مالدار بنتا ہے، لیکن ایک درہم سے کم میں بات نہیں مانی جائے گی اس لئے عرف میں اس کو مال شمار نہیں کرتے ہیں

يُعَدُّ مَالًا عُرْفًا

(٨٢٨)(وَلَوْ قَالَ: مَالٌ عَظِيمٌ لَمْ يُصَدَّقْ فِي أَقَلَّ مِنْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ) ١ لِأَنَّهُ أَقَرَّ بِمَالٍ مَوْصُوفٍ فَلَا يَجُوزُ إلْغَاءُ الْوَصْفِ وَالنِّصَابُ مَالٌ عَظِيمٌ حَتَّى اُعْتُبِرَ صَاحِبُهُ غَنِيًّا بِهِ، وَالْغَنِيُّ عَظِيمٌ عِنْدَ النَّاسِ . ٢ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَا يُصَدَّقُ فِي أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَهِيَ نِصَابُ السَّرِقَةِ لِأَنَّهُ عَظِيمٌ حَيْثُ تُقْطَعُ بِهِ الْيَدُ الْمُحْتَرَمَةُ، وَعَنْهُ مِثْلُ جَوَابِ الْكِتَابِ، ٣ وَهَذَا إذَا قَالَ مِنْ الدَّرَاهِمِ، أَمَّا إذَا قَالَ مِنْ

تشریح: تھوڑا ہو یا زیادہ سب مال ہے، اور لوگ اس سے مالدار بنتے ہیں، اس لئے اس کی بات مانی جائے گی، البتہ ایک درہم سے کم میں بات نہیں مانی جائے گی، اس لئے کہ عرف میں اس کو مال نہیں کہتے ہیں

ترجمہ:(٨٢٨) پس اگر کہا میرے اوپر فلاں کا مال عظیم ہے تو دوسو درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ ایسے مال کا اقرار کیا جو عظیم ہو، اس لئے عظیم وصف کو لغو نہیں کر سکتے، اور زکوۃ کا نصاب عظیم مال ہے، یہی وجہ ہے کہ نصاب والا مالدار سمجھا جاتا ہے، اور جو غنی ہے وہ لوگوں میں عظیم سمجھا جاتا ہے

وجہ: شریعت میں دوسو درہم یا بیس دینار کو مال عظیم کہتے ہیں۔ اسی لئے دوسو درہم یا بیس دینار پر زکوۃ واجب ہے۔ اس لئے مال کے ساتھ عظیم کی صفت بڑھائی ہے تو دوسو درہم سے کم میں اقرار مقبول نہیں ہے۔ اتنا یا اس سے زیادہ اقرار کرنا ہوگا۔

نوٹ آگے کے مسائل الفاظ اور اس کے محاورات پر متفرع ہیں۔ حدیث کے دلائل ضروری نہیں ہیں۔

ترجمہ: ٢ امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ دس درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ یہ چوری کا نصاب ہے، اور یہ بھی عظیم مال ہے اس سے محترم ہاتھ کاٹا جاتا ہے، اور امام ابو حنیفہؒ ہی سے ایک دوسری روایت متن کی روایت کی طرح ہے (کہ دوسو درہم ہو جو زکوۃ کا نصاب ہے)

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ٣ یہ تفصیل اس وقت ہے جب مال عظیم کی تفسیر درہم سے کریں۔ اور اگر دینار سے کریں تو بیس دینار کا اندازہ ہے (اس لئے کہ زکوۃ کا نصاب بیس دینار ہے)، اور اگر مال عظیم کی تفسیر اونٹ سے کریں تو پچیس اونٹ ہیں اس لئے کہ یہ اونٹ میں ادنی نصاب ہے جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، اور اگر مال عظیم کی تفسیر زکوۃ کے مال کے علاوہ سے کریں تو اس کی قیمت نصاب زکوۃ کی قیمت ہونی چاہئے

تشریح: یہاں مصنفؒ نے چار طریقوں سے مال عظیم کی تفسیر پیش کی ہے، ١۔ اگر مال عظیم کی تفسیر درہم سے کریں تو دوسو درہم لازم ہوں گے، کیونکہ یہی زکوۃ کا نصاب ہے۔ اور اگر دینار سے تفسیر کریں تو بیس دینار لازم ہوں گے، کیونکہ دینار میں یہی زکوۃ کا نصاب ہے، اور اگر مال عظیم کی تفسیر اونٹ سے کریں تو پانچ اونٹ میں ایک بکری لازم ہوتی ہے، زکوۃ کا نصاب یہیں سے شروع ہو جاتا ہے، لیکن اس میں ایک اونٹ لازم نہیں ہوتا، بلکہ پچیس اونٹ میں ایک اونٹ لازم ہوتا ہے، اس لئے مال

الـدَّنَـانِيـرِ فَـالتَّـقْـدِيرُ فِيهَا بِالْعِشْرِينِ، وَفِي الْإِبِلِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ لِأَنَّهُ أَدْنَى نِصَابٍ يَجِبُ فِيهِ مِنْ جِنْسِهِ وَفِي غَيْرِ مَالِ الزَّكَاةِ بِقِيمَةِ النِّصَابِ.

(٨٢٩)(وَلَوْ قَالَ: أَمْوَالٌ عِظَامٌ فَالتَّقْدِيرُ بِثَلَاثَةِ نُصُبٍ مِنْ أَيِّ فَنٍّ مَا سَمَّاهُ) لِ اعْتِبَارًا لِأَدْنَى الْجَمْعِ

(٨٣٠)(وَلَوْ قَالَ: دَرَاهِمُ كَثِيرَةٌ لَمْ يُصَدَّقْ فِي أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ) لِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ٢ (وَعِنْدَهُمَا لَمْ يُصَدَّقْ فِي أَقَلَّ مِنْ مِائَتَيْنِ) لِأَنَّ صَاحِبَ النِّصَابِ مُكْثِرٌ حَتَّى وَجَبَ عَلَيْهِ مُوَاسَاةُ

عظیم سے پچیس اونٹ لازم ہوں گے۔اور اگر ایسی چیز سے مال عظیم کی تفسیر کریں جس میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے، تو پھر وہ مال اتنا ہو جس کی قیمت دوسو درہم ہو، نصاب زکوۃ ہے، اتنا مال لازم ہوگا۔

ترجمہ:(٨٢٩) اور اگر کہا فلاں کا میرے اوپر اموال عظام ہیں تو جو جنس وہ بولے گا اس کا تین نصاب زکوۃ اس پر لازم ہوگا

ترجمہ: لے اس لئے کہ عظام جمع کا صیغہ بولا ہے، اور جمع کا ادنی درجہ تین مرتبہ ہے

تشریح: زید نے کہا کہ عمر کا میرے اوپر مال عظام ہیں۔ تو درہم سے دیں تو چھ سو درہم لازم ہوں گے، کیونکہ درہم کا ایک نصاب زکوۃ دوسو درہم ہے، تین نصاب زکوۃ چھ سو درہم ہوں گے

وجہ: یہاں عظام جمع کا صیغہ بولا، اور جمع کا ادنی درجہ تین ہے، اس لئے تین نصاب زکوۃ واجب ہوں گے۔

ترجمہ:(٨٣٠) اگر کہا بہت سارے دراہم ہیں تو دس درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ: لے یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے

وجہ: ایک تو دراہم جمع کا صیغہ بولا ہے۔ پھر دراہم کے ساتھ کثیرۃ کی صفت ہے تو عربی گنتی میں دراہم جمع کا صیغہ دس تک بولا جاتا ہے۔ کہتے ہیں **عشرۃ دراھم**، اور اس کے بعد گیارہ سے واحد کا صیغہ آجاتا ہے۔ کہتے ہیں **احد عشر درھما**، تو احد عشر میں درھما واحد کا صیغہ آگیا۔ اس لئے دراہم جمع کا صیغہ آخری دس تک ہے اس لئے دراہم کثیرۃ بولا تو دس درہم کا اقرار کرنا ہوگا۔

ترجمہ: ٢ اور صاحبینؒ کے نزدیک دوسو درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی، اس لئے نصاب زکوۃ والے کو مکثر، کہا جاتا ہے، یعنی بہت مال والا، یہی وجہ ہے کہ صاحب نصاب پر دوسرے کی مدد کرنا ضروری ہوتا ہے، بخلاف اگر دوسو درہم سے کم ہو تو وہ دراہیم کثیرہ والا نہیں ہوتا ہے

تشریح: صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ دراہم کثیرہ کا اقرار کیا تو اس پر دوسو درہم لازم ہوں گے

وجہ: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ صاحب نصاب کو مکثر کہا جاتا ہے، اور اسی وجہ سے اس پر اپنے غریب رشتہ کی مدد کرنا ضروری ہوتا ہے، اور اس سے کم ہو تو اس پر اپنے غریب رشتہ دار کی مدد کرنا ضروری نہیں ہوتا، اس لئے دراہم کثیرہ سے دوسو درہم لازم ہوں گے

ترجمہ: ٣ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عدد کے بعد جو جمع کا صیغہ بولا جاتا ہے (عشرۃ دراہم) وہ دس تک ہی پر ہے، پھر اس کے بعد ایک کا صیغہ بولا جاتا ہے احد عشر درھما، اس لئے لفظ کے اعتبار سے دس ہی زیادہ ہوگا، اس لئے دس ہی کی طرف پھیرا جائے گا

غَيْرِهِ، بِخِلَافِ مَا دُونَهُ . ٣ وَلَهُ أَنَّ الْعَشَرَةَ أَقْصَى مَا يَنْتَهِي إِلَيْهِ اسْمُ الْجَمْعِ، يُقَالُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ ثُمَّ يُقَالُ أَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا فَيَكُونُ هُوَ الْأَكْثَرُ مِنْ حَيْثُ اللَّفْظُ فَيَنْصَرِفُ إِلَيْهِ

(٨٣١)(وَلَوْ قَالَ دَرَاهِمُ فَهِيَ ثَلَاثَةٌ) لِأَنَّهَا أَقَلُّ الْجَمْعِ الصَّحِيحِ (إِلَّا أَنْ يُبَيِّنَ أَكْثَرَ مِنْهَا) ١ لِأَنَّ اللَّفْظَ يَحْتَمِلُهُ ٢ وَيَنْصَرِفُ إِلَى الْوَزْنِ الْمُعْتَادِ

(٨٣٢)(وَلَوْ قَالَ: كَذَا كَذَا دِرْهَمًا لَمْ يُصَدَّقْ فِي أَقَلَّ مِنْ أَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا) ١ لِأَنَّهُ ذَكَرَ عَدَدَيْنِ مُبْهَمَيْنِ لَيْسَ بَيْنَهُمَا حَرْفُ الْعَطْفِ وَأَقَلُّ ذَلِكَ مِنَ الْمُفَسَّرِ أَحَدَ عَشَرَ

(٨٣٣)(وَلَوْ قَالَ: كَذَا وَكَذَا دِرْهَمًا لَمْ يُصَدَّقْ فِي أَقَلَّ مِنْ أَحَدٍ وَعِشْرِينَ) ١ لِأَنَّهُ ذَكَرَ عَدَدَيْنِ

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دس پر دراہم جمع کا صیغہ بولا جاتا ہے (عشرۃ دراہم)، اور گیارہ ہوجائیں تو پھر واحد کا صیغہ بولا جاتا ہے (احد عشر درہما) یہ درہما دیکھئے واحد ہے، اس لئے دراہم کثیرۃ کہا تو دس ہی درہم لازم ہوں گے

ترجمہ : (٨٣١) پس اگر کہا فلاں کے مجھ پر دراہم ہیں تو وہ تین درہم ہوں گے (اس لئے کہ کم سے کم جمع تین ہی ہوتا ہے)۔ مگر یہ کہ اس سے زیادہ بیان کردے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ لفظ جمع زیادہ کا بھی احتمال رکھتا ہے

تشریح : کوئی یوں اقرار کرتا ہے کہ مجھ پر فلاں کے دراہم ہیں۔ جمع کا صیغہ بولتا ہے لیکن اس کے بعد کثیرۃ کا اضافہ نہیں کرتا ہے تو اس پر تین درہم لازم ہوں گے

وجہ : دراہم جمع کا صیغہ ہے اور عربی میں جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہے اس لئے تین کا اقرار کرنا ہوگا۔ اور اگر اس سے زیادہ کا اقرار کرے تو اس کی مرضی ہے۔ کیونکہ جمع کا صیغہ زیادہ پر بھی شامل ہے۔

ترجمہ: ٢ اور شہر میں جو سکہ چلتا ہے وہی سکہ مراد ہوگا

تشریح: دراہم کہا تو شہر میں جو سکہ چلتا ہے وہی درہم مراد ہوگا، کیونکہ آدمی عادت کے اعتبار سے شہر کا ہی سکے کا اقرار کرتا ہے

ترجمہ: (٨٣٢) اگر کہا فلاں کے مجھ پر اتنے اتنے درہم ہیں تو گیارہ درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ دو مبہم عدد بولے، اور دونوں کے درمیان حرف عطف بھی نہیں ہے، اور یہ شکل، احد عشر، میں ہوتی ہے

وجہ : اتنے اتنے دو مرتبہ بولا ہے تو عدد میں دو مرتبہ کا عدد گیارہ میں آتا ہے۔ اور درمیان میں حرف عطف واو بھی نہیں ہے تو یہ شکل گیارہ میں ہوتی ہے۔ کہتے ہیں احد عشر درہما۔ اس میں دو عدد ہیں ایک احد اور دوسرا، عشر، اور درمیان میں واو بھی نہیں ہے۔ اس لئے گیارہ سے کم درہموں میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ: (٨٣٣) اور اگر کہا اتنے اور اتنے درہم ہیں تو نہیں تصدیق کی جائے گی اکیس درہم سے کم میں۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ دو مبہم عدد بولے ہیں، اور دونوں عددوں کے درمیان حرف عطف بھی ہے اور اس کی تفسیر ہوتی ہے

مُبْهَمَيْنِ بَيْنَهُمَا حَرْفُ الْعَطْفِ، وَأَقَلُّ ذَلِكَ مِنْ الْمُفَسَّرِ أَحَدٌ وَعِشْرُونَ فَيُحْمَلُ كُلُّ وَجْهٍ عَلَى نَظِيرِهِ ٢﴿وَلَوْ قَالَ كَذَا دِرْهَمًا فَهُوَ دِرْهَمٌ﴾ لِأَنَّهُ تَفْسِيرٌ لِلْمُبْهَمِ ٣﴿وَلَوْ ثَلَّثَ كَذَا بِغَيْرِ وَاوٍ فَأَحَدَ عَشَرَ﴾ لِأَنَّهُ لَا نَظِيرَ لَهُ سِوَاهُ ٤﴿وَإِنْ ثَلَّثَ بِالْوَاوِ فَمِائَةٌ وَأَحَدٌ وَعِشْرُونَ، وَإِنْ رَبَّعَ يُزَادُ عَلَيْهَا أَلْفٌ﴾ لِأَنَّ ذَلِكَ نَظِيرُهُ.

(٨٣٤)قَالَ: ﴿وَإِنْ قَالَ: لَهُ عَلَيَّ أَوْ قِبَلِي فَقَدْ أَقَرَّ بِالدَّيْنِ﴾ ١لِأَنَّ " عَلَيَّ " صِيغَةُ إِيجَابٍ، وَقِبَلِي يُنْبِئُ

وہ، احد وعشرون، میں ہوتی ہے، اس لئے ہر اعتبار سے اسی، احد وعشرون، پر حمل کیا جائے گا

وجه : عربی عدد بولنے میں اکیس کے عدد، احد وعشرون درهما، میں دو عدد آتے ہیں اور دونوں کے بیچ میں حرف واو آتا ہے۔ اس لئے جب کذا وکذا کہا تو اکیس درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

ترجمه:٢ اور اگر کہا، کذا درہما، تو ایک درہم لازم ہوگا، اس لئے کہ درہما، لفظ کذا کی تفسیر ہے،

وجه: کذا، بولا، اور اس کی تفسیر درہما سے کی، تو لفظ درھما، ایک ہے، اس لئے ایک ہی درہم لازم ہوگا

ترجمه:٣ اور اگر تین مرتبہ، کذا، کذا، کذا، بغیر واو کے بولا، تو احد عشر، یعنی اگیارہ درہم لازم ہوں گے، کیونکہ عدد میں تین مرتبہ کذا، کذا، کذا، کی کوئی مثال نہیں ہے

تشريح : تین مرتبہ، کذا، کذا، کذا، بولا تو عربی عدد میں تین مرتبہ بغیر واو کے کوئی عدد نہیں ہے، دو مرتبہ ہے وہ، احد عشرۃ، ہے اس لئے اس اقرار سے گیارہ درہم لازم ہوں گے

ترجمه: ٤ اور اگر تین مرتبہ، کذا وکذا وکذا، واو کے ساتھ بولا تو (مأة واحد وعشرون) ایک سو اکیس لازم ہوں گے

تشريح : کذا وکذا وکذا، واو کے ساتھ عربی کے کسی عدد میں نہیں ہے، البتہ ایک جگہ واو کے ساتھ تین عدد ہیں اور وہ ہے (مأة واحد وعشرون) اس لئے یہی (مأة واحد وعشرون) لازم ہوگا، یعنی ایک سو اکیس درہم لازم ہوں گے

ترجمه :٤ اور اگر چار مرتبہ (کذا وکذا وکذا وکذا، واو کے ساتھ کہا تو، الف ومأة واحد وعشرون، لازم ہوں گے اس لئے کہ اس کے اقرار کی مثال یہی ہے

تشريح :ایک آدمی نے چار مرتبہ کذا وکذا وکذا وکذا، واو کے ساتھ کہا تو اس پر، الف ومأة واحد وعشرون، لازم ہوں گے، کیونکہ اسی عدد میں چار عدد ہیں اور درمیان میں تین واو بھی ہیں، یعنی ایک ہزار، ایک سو، اکیس درہم لازم ہوں گے

ترجمه:(٨٣٤) اور اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر ہے، یا میری طرف ہے تو یہ قرض کا اقرار ہے۔

ترجمه:١ اس لئے کہ علی، کا لفظ اپنے لیے کوئی چیز واجب کرنے کے لئے آتا ہے، اور، قبلی، کا لفظ اپنے اوپر ضمان کی خبر دیتا ہے، جیسا کہ کتاب الکفالۃ میں گزر گیا،

وجه : (١) عربی میں علی کا لفظ اپنے اوپر لازم کرنے کے لئے آتا ہے۔ اس لئے اگر یوں کہا کہ میرے اوپر ہے تو یوں سمجھا

عَنِ الضَّمَانِ عَلَى مَا مَرَّ فِي الْكَفَالَةِ. ۲؎ (وَلَوْ قَالَ الْمُقِرُّ هُوَ وَدِيعَةٌ وَوَصَلَ صُدِّقَ) لِأَنَّ اللَّفْظَ يَحْتَمِلُهُ مَجَازًا حَيْثُ يَكُونُ الْمَضْمُونُ حِفْظَهُ وَالْمَالُ مَحَلُّهُ فَيُصَدَّقُ مَوْصُولًا لَا مَفْصُولًا. ۳؎ قَالَ: وَفِي نُسَخِ الْمُخْتَصَرِ فِي قَوْلِهِ قِبَلِي إنَّهُ إقْرَارٌ بِالْأَمَانَةِ لِأَنَّ اللَّفْظَ يَنْتَظِمُهُمَا حَتَّى صَارَ قَوْلُهُ: لَا حَقَّ لِي قِبَلَ فُلَانٍ إبْرَاءٌ عَنِ الدَّيْنِ وَالْأَمَانَةِ جَمِيعًا، وَالْأَمَانَةُ أَقَلُّهُمَا وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ. ۴؎ وَلَوْ قَالَ عِنْدِي أَوْ مَعِي أَوْ فِي بَيْتِي أَوْ

جائے گا کہ اس پر فلاں کا قرض ہے (۲)۔و لله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا ۔(سورت ال عمران ۳، آیت ۹۷) (۳)۔اس حدیث میں ہے کہ علی الزام، اور وجوب کے لئے آتا ہے۔عن سرق قال كان لرجل مال علیَّ او قال على دين فذهب بى الى رسول الله فلم يصب لى مالا فباعنى منه ، او باعنى له (دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۵۱، نمبر ۳۰۲۵) اس حدیث میں، مال علیَّ سے اپنے اوپر دین لازم کرنے کا اقرار ہے اس لئے کسی نے علیَّ کہا تو قرض کا اقرار سمجھا جائے گا۔اور قِبلِی میری طرف سے بھی دین کا اقرار ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی اپنے اوپر لازم کرنے کے لئے آتا ہے۔

ترجمہ:۲؎ لیکن اقرار کرنے والا یہ کہنے کے ساتھ ہی یہ کہتا ہے کہ یہ رقم میرے پاس امانت ہے تو اس کی تصدیق کر لی جائے گی، اس لئے لفظ، علی، اور لفظ قبلی، میں مجاز کے طور پر اس کا احتمال ہے، کیونکہ جس چیز کا ضمان لازم ہوتا ہے اس کی بھی حفاظت کی ضرورت پڑتی ہے، اور مال حفاظت کا محل ہے، اس لئے اگر ساتھ ہی کہا تو اس کی تصدیق کر لی جائے گی، اور اگر بعد میں کہا تو تصدیق نہیں کی جائے گی

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ۳؎ مختصر القدوری کے بعض نسخوں میں کہا ہے کہ قبلی کا لفظ، امانت کا اقرار ہے، اس لئے کہ قبلی، امانت اور قرض دونوں معنی کے لئے آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر، لا حق لی قبل فلاں، یعنی فلاں کی جانب میرا کوئی حق نہیں ہے تو اس سے فلاں آدمی قرض اور امانت سے بری ہو جائے گا، اور امانت کم درجے کا ہے، اس لئے قبلی کے لفظ سے امانت ہی مراد لی جائے گی، لیکن قدوری کی پہلی عبارت زیادہ صحیح ہے۔

تشریح : قدوری کے بعض نسخوں میں ہے کہ قبلی کا لفظ امانت کے اقرار کے لئے آتا ہے، یعنی مقر نے کہا، له قبلی مأة درهم، تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ میرے پاس فلاں کا ایک سو درہم امانت کے طور پر ہے، قرض کے طور پر نہیں ہے،

وجہ : اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ قبلی کا لفظ قرض اور امانت دونوں کے لئے آتا ہے، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ کوئی یوں کہے کہ، لا حق لی قبل فلاں، یعنی فلاں کی جانب میرا حق نہیں ہے تو اس سے وہ آدمی امانت اور قرض دونوں سے بری ہو جائے گا، اور قرض اور امانت میں سے امانت کم درجہ ہے، اس لئے قبلی سے امانت مراد لی جائے گی

ترجمہ: ۴؎ اور اگر کہا کہ فلاں کے (عندی) میرے پاس ہے، (معی) یا میرے ساتھ ہے، یا (فی بیتی) میرے گھر میں

فِیْ کِیْسِیْ اَوْ فِیْ صُنْدُوْقِیْ فَهُوَ اِقْرَارٌ بِاَمَانَةٍ فِیْ یَدِهٖ لِاَنَّ کُلَّ ذٰلِکَ اِقْرَارٌ بِکَوْنِ الشَّیْئِ فِیْ یَدِهٖ وَذٰلِکَ یَتَنَوَّعُ اِلٰی مَضْمُوْنٍ وَاَمَانَةٍ فَیَثْبُتُ اَقَلُّهُمَا

(۸۳۵)(وَلَوْ قَالَ لَهُ رَجُلٌ: لِیْ عَلَیْکَ اَلْفٌ فَقَالَ اتَّزِنْهَا اَوْ انْتَقِدْهَا اَوْ اَجِّلْنِیْ بِهَا اَوْ قَدْ قَضَیْتُکَهَا فَهُوَ

ہے، یا (فی کیسی) میری تھیلی میں ہے، یا (فی صندوقی) میرے صندوق میں ہے تو ان سب الفاظ سے امانت کا اقرار ہوگا، اس لئے ان سب الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ چیز اس کے قبضے میں ہے، اور اس کے قبضے میں ہونے کی دونوں قسمیں ہیں، کہ قرض کے طور پر اس کے قبضے میں ہو، یا امانت کے طور پر ہو، اس لئے کم درجہ یعنی امانت ثابت کیا جائے گا۔

وجہ: لفظ مَعِیْ اور عِنْدِیْ االزام کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ امانت ہونے کی خبر دیتے ہیں، اسی طرح بیتی، کیسی، صندوقی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کے قبضے میں ہے، اور قبضہ کی دونوں صورتیں ہوتی ہیں، قرض ہونے کا قبضہ، اور امانت کے طور پر اپنے پاس رکھنے کا قبضہ، اور امانت کا قبضہ کم سے کم ہے اس لئے امانت ہی ثابت کیا جائے گا، اس لئے اگر کسی نے ان سب الفاظ سے کسی چیز کا اقرار کیا تو امانت پر رکھنے کا اقرار ہوگا، قرض کا اقرار نہیں ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ چیز بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو مقر پر اس کا تاوان لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۸۳۵) اگر کسی آدمی نے اس سے کہا کہ میرے تم پر ہزار درہم ہیں۔ پس اس نے کہا اس کو وزن کر لو یا اس کو پرکھ لو یا مجھ کو مہلت دے دو یا میں نے اس کو ادا کر دیا ہے تو یہ دین کا اقرار ہے۔

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ ایسا جملہ بولا جس سے صاف تو نہیں معلوم ہو رہا ہے کہ میرے اوپر قرض ہے، لیکن جملے کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض کا اقرار کر رہا ہے تو قرض کا اقرار سمجھا جائے گا

تشریح: مثلا زید نے عمر سے کہا کہ میرے تم پر ہزار درہم ہیں۔ عمر اس کا انکار نہیں کرتا بلکہ جواب میں ایسے جملے استعمال کرتا ہے جن سے اشارہ ہوتا ہے کہ آپ کا دین مجھ پر ہے۔ البتہ کچھ معذرت چاہتا ہے تو اس سے سمجھا جائے گا کہ عمر قرض کا اقرار کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے عمر پر ایک ہزار درہم لازم ہو جائیں گے۔ مثلا زید نے عمر سے کہا کہ میرے آپ پر ایک ہزار ہیں۔ عمر نے جواب میں کہا اس کو وزن کر لو (اتزنها)۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہزار دین ہیں۔ البتہ اس دین کو وزن کر لیں تو ایک ہزار دین کا اقرار ہوا۔ اور اگر اقرار نہ کرنا ہوتا تو صراحۃ جواب دے دیتا کہ مجھ پر اس کے کوئی درہم نہیں ہیں۔ یا جواب میں کہا اس ہزار کو پرکھ لو (انتقدها)۔ یہ لفظ بھی دلیل ہے کہ ہاں مجھ پر ہزار درہم دین ہیں، وہ لیں اور پرکھ لیں کہ کھرے ہیں یا کھوٹے؟ تو اس لفظ سے بھی ہزار کے دین ہونے کا اقرار ہوا۔ یا کہا کہ مجھ کو اس ہزار کے بارے میں مہلت دیں (اجلنی بها) تو اس کا مطلب بھی یہی ہوا کہ ہزار مجھ پر دین ہیں۔ البتہ ان کو ادا کرنے کے لئے مہلت چاہئے۔ یا یوں کہا کہ میں نے ہزار ادا کر دیئے ہیں (قضیتها) تو اس میں اس کا پتہ چلا کہ ہزار درہم دین تو تھے البتہ ان کو ادا کر دیا ہے۔ اس لئے دین کا اقرار ہوا اور ادا کرنے پر کوئی بینہ نہیں ہے اس لئے ادا کرنا نہیں مانا جائے گا۔ دین کا اقرار مانا جائے گا۔

وجہ: ان چاروں جوابوں میں ها کا لفظ استعمال کیا جس کا مرجع وہی ہزار ہے۔ اس لئے ہزار کا اقرار ہوگا۔

إِقْرَارٌ ﴿١﴾ لِأَنَّ الْهَاءَ فِي الْأَوَّلِ وَالثَّانِي كِنَايَةٌ عَنِ الْمَذْكُورِ فِي الدَّعْوَى، فَكَأَنَّهُ قَالَ: اتَّزِنِ الْأَلْفَ الَّتِي لَكَ عَلَيَّ، حَتَّى لَوْ لَمْ يَذْكُرْ حَرْفَ الْكِنَايَةِ لَا يَكُونُ إِقْرَارًا لِعَدَمِ انْصِرَافِهِ إِلَى الْمَذْكُورِ، ﴿٢﴾ وَالتَّأْجِيلُ إِنَّمَا يَكُونُ فِي حَقٍّ وَاجِبٍ، ﴿٣﴾ وَالْقَضَاءُ يَتْلُو الْوُجُوبَ ﴿٤﴾ وَدَعْوَى الْإِبْرَاءِ كَالْقَضَاءِ لِمَا بَيَّنَّا، ﴿٥﴾ وَكَذَا دَعْوَى الصَّدَقَةِ وَالْهِبَةِ لِأَنَّ التَّمْلِيكَ يَقْتَضِي سَابِقَةَ الْوُجُوبِ،

ترجمہ: ﴿١﴾ اس لئے کہ پہلا جملہ (اتزنها) میں، ھا، اور دوسرا جملہ (انتقدها) میں، ھا، پہلے میں مدعی نے دعوی میں ذکر کیا اسی کی طرف لوٹ رہا ہے، تو گویا کہ یوں کہا کہ مجھ پر ہزار قرض تو ہے، لیکن اس کو وزن کر کے لے لو، یہی وجہ ہے کہ اگر، اتزن میں، ھا، کا لفظ نہ بولتا تو قرض کا اقرار نہیں ہوتا، اس لئے کہ دعوی کی طرف بات نہیں جاتی۔

تشریح: یہ جملہ تھوڑا پیچیدہ ہے، مصنف یہ بتا رہے ہیں کہ (اتزنها) میں جو، ھا، ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مدعی نے جو کہا تھا کہ میرا تم پر ایک ہزار قرض ہے، ھا کے ذریعہ اسی کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ اس ایک ہزار کو وزن کر کے لے لو۔ اسی طرح (انتقدها) میں جو، ھا، ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مدعی نے جو کہا تھا کہ میرا تم پر ایک ہزار قرض ہے، ھا کے ذریعہ اسی کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ اس ایک ہزار کو پرکھ کر لے لیں۔ چنانچہ اگر مقر دونوں میں، ھا، نہیں بولتا تو یہ بات مدعی کے دعوی کی طرف نہیں جاتی، اور اپنے اوپر قرض کا اقرار نہیں ہوتا

ترجمہ: ﴿٢﴾ اور یوں کہنا کہ مجھے مہلت دے دو (اجلنی) ایسے حق میں ہوتا ہے جس کا ادا کرنا واجب ہوتا ہے، اس لئے اس لفظ سے اقرار ہوگا۔

تشریح: جب یہ کہا کہ مجھے مہلت دیں تو اس سے معلوم ہوا کہ پہلے مجھ پر ایک ہزار واجب ہوا ہے، اس کے بعد کہہ رہا ہے کہ مجھے مہلت دیں، اس لئے اس سے اقرار ثابت ہوگا

ترجمہ: ﴿٣﴾ اور ادا کر دیا (قضیتها) کا دعوی کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس پر ایک ہزار واجب ہو چکا ہے

تشریح: جب یہ کہا کہ میں نے ادا کر دیا (قضیتها) تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ پہلے اس پر ہزار واجب ہو چکا ہے، اس لئے اب کہہ رہا کہ میں نے قرض ادا کر دیا ہے، اس لئے اس لفظ سے بھی قرض کا اقرار ہوگا

ترجمہ: ﴿٤﴾ آپ نے بری کر دیا ہے، اس کا دعوی بھی ادا کر دیا ہے کی طرح ہے

تشریح: مدعی نے کہا کہ تم پر ایک ہزار ہے، اور مقر نے کہا کہ آپ نے مجھے بری کر دیا ہے تو یہ لفظ بھی ادا کر دیا ہے، کی طرح ہے، یعنی اس سے بھی معلوم ہوا پہلے مجھ پر ایک ہزار تھا، لیکن آپ نے مجھے بری کر دیا ہے

ترجمہ: ﴿٥﴾ ایسے ہی یہ دعوی کہ مجھے آپ نے صدقہ دے دیا ہے، یا ہبہ کر دیا ہے (اس سے بھی ایک ہزار کا اقرار ہے) اس لئے کہ آپ نے مجھے مالک بنا دیا ہے یہ تقاضہ کرتا ہے کہ پہلے مجھ پر قرضہ واجب تھا

تشریح: مقر یہ دعوی کرے کہ آپ نے مجھ پر ایک ہزار صدقہ کر دیا ہے، یا ہبہ کر دیا ہے اس سے پتہ چلا کہ مجھ پر ایک ہزار قرض ہے، لیکن آپ نے مجھے صدقہ کر دیا ہے، یا ہبہ کر دیا ہے تو اس سے بھی ایک ہزار کا اقرار ہوگا

٦ وَكَذَا لَوْ قَالَ أَحَلْتُكَ بِهَا عَلَى فُلَانٍ لِأَنَّهُ تَحْوِيلُ الدَّيْنِ .

(٨٣٦)قَالَ (وَمَنْ أَقَرَّ بِدَيْنٍ مُؤَجَّلٍ فَصَدَّقَهُ الْمُقَرُّ لَهُ فِي الدَّيْنِ وَكَذَّبَهُ فِي التَّأْجِيلِ لَزِمَهُ الدَّيْنُ حَالًا) ١ لِأَنَّهُ أَقَرَّ عَلَى نَفْسِهِ بِمَالٍ وَادَّعَى حَقًّا لِنَفْسِهِ فِيهِ فَصَارَ ٢ كَمَا إذَا أَقَرَّ بِعَبْدٍ فِي يَدِهِ وَادَّعَى الْإِجَارَةَ،

ترجمہ: ٦ ایسے ہی کہا کہ میں نے یہ ایک ہزار دوسرے کو حوالہ کر دیا ہے، اس لئے کہ قرض ہی کا حوالہ ہوتا ہے

تشریح : مدعی نے کہا کہ تم پر ایک ہزار ہے، مقر نے کہا کہ میں نے اس کو حوالہ کر دیا ہے، یعنی یہ بات ہوگئی ہے کہ یہ قرض دوسرا آدمی ادا کرے گا، قرض دوسرے کے ذمے منتقل کر دیا ہے، تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ قرض کا اقرار ہے

لغت: احلتک؛ یہ حوالہ سے مشتق ہے، اس کا ترجمہ ہے، حوالہ کر دیا، دوسرا آدمی یہ قرض ادا کرے گا، اس کو حوالہ، کہتے ہیں

ترجمہ : (٨٣٦) کسی نے قرض کا اقرار کیا، جس کے لئے اقرار کیا اس نے اس کی تصدیق کی، لیکن یہ بھی کہا کہ تاخیر والا قرض نہیں ہے تو اقرار کرنے والے پر فوری قرض لازم ہو جائے گا

ترجمہ : ١ اس لئے کہ اپنے اوپر پہلے قرض کا اقرار کیا پھر اپنے لئے تاخیر کے حق کا دعوی کیا تو ایسا ہو گیا (تو یہ بات نہیں مانی جائے گی)

تشریح : مثلا زید نے عمر کے لئے اقرار کیا کہ مجھ پر آپ کے ایک ہزار درہم قرض ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ایک مہینے کی تاخیر کے ساتھ ہے۔ عمر نے تصدیق کی کہ ایک ہزار درہم قرض ہیں لیکن تاخیر کی تکذیب کی اور کہا کہ وہ دین تو فوری ادا کرنے کی شرط کے ساتھ ہے تاخیر کے ساتھ نہیں ہے۔ تو زید پر فوری قرض ادا کرنا لازم ہوگا۔ تاخیر قابل قبول نہیں ہوگی۔ البتہ عمر مقر لہ تاخیر کا انکار کرتا ہے اس لئے اس پر اس انکار کے سلسلے میں قسم لازم ہوگی۔

وجہ : زید دو باتوں کا اقرار کر رہا ہے۔ ایک دین کا اور دوسرا تاخیر کا۔ عمر نے دین کی تصدیق کی اس لئے وہ لازم ہو گیا اور تاخیر کا انکار کیا اس لئے وہ منکر ہو گیا اور مدعی زید کے پاس تاخیر کے ثبوت کے لئے بینہ نہیں ہے اس لئے منکر عمر پر عدم تاخیر کے لئے قسم لازم ہوگی۔ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ منکر پر قسم ہے۔

لغت التاجیل: تاخیر، تاخیر کے ساتھ مدت دیں۔ یستحلف: قسم لی جائے گی۔

ترجمہ: ٢ تو ایسا ہو گیا کہ اپنے قبضے میں غلام ہونے کا اقرار کیا لیکن یہ غلام میرے پاس اجرت پر ہے (تو اجرت پر نہیں مانی جائے گی، بلکہ غلام کو واپس ہونا لازم ہوگا)

تشریح :ایک آدمی نے یہ تو اقرار کیا یہ غلام فلاں کا ہے اور میرے قبضے میں ہے، لیکن اس اقرار کے ساتھ یہ بھی دعوی کیا کہ یہ غلام میرے اجرت پر ہے، تو یہ اجرت پر والا دعوی نہیں مانا جائے گا، بلکہ اس کے قبضے میں غلام کا ثبوت ہوگا، اور اس پر غلام واپس کرنا لازم ہوگا، اسی طرح جب اقرار کیا کہ میرے اوپر سو درہم ہیں، لیکن تاخیر کے ساتھ ہیں تو یہ تاخیر والا دعوی نہیں مانا جائے گا، اور فوری طور پر درہم واپس کرنا لازم ہوگا

۳ بِخِلَافِ الْإِقْرَارِ بِالدَّرَاهِمِ السُّودِ لِأَنَّهُ صِفَةٌ فِيهِ وَقَدْ مَرَّتِ الْمَسْأَلَةُ فِي الْكَفَالَةِ .
(۸۳۷)قَالَ (وَيَسْتَحْلِفُ الْمُقَرُّ لَهُ عَلَى الْأَجَلِ) لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ حَقًّا عَلَيْهِ وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُنْكِرِ . ۱
(وَإِنْ قَالَ: لَهُ عَلَيَّ مِائَةٌ وَدِرْهَمٌ لَزِمَهُ كُلُّهَا دَرَاهِمُ.
(۸۳۸)(وَلَوْ قَالَ: مِائَةٌ وَثَوْبٌ لَزِمَهُ ثَوْبٌ وَاحِدٌ، وَالْمَرْجِعُ فِي تَفْسِيرِ الْمِائَةِ إلَيْهِ)

ترجمه: ۳ بخلاف اگر کھوٹے درہم کا اقرار کیا (تو مقر کی بات مان لی جائے گی) اس لئے کہ یہ صفت درہم کے اندر کی صفت ہے۔اور یہ مسئلہ کتاب الکفالہ میں گزر چکا ہے۔

تشریح: مقر نے سو درہم کا اقرار کیا، لیکن ساتھ ہی کہا کہ یہ مجھ پر کھوٹے درہم تھے تو بات مان لی جائے گی

وجہ: اس کی وجہ یہ کہ کھوٹا ہونا یہ خود درہم کی ذاتی صفت ہے اور ساتھ ہی بولا ہے اس لئے بات مان لی جائے گی، اس کے برخلاف تاخیر سے ادا کرنا یہ درہم کی ذاتی صفت نہیں ہے، اس لئے وہاں گواہی کے بغیر نہیں مانی جائے گی

ترجمہ: (۸۳۷) اور تاخیر سے ادا کرنا نہیں ہے اس پر مقر لہ سے قسم لی جائے گی اس لئے کہ وہی تاخیر پر ہونے کا منکر ہے، اور منکر پر قسم ہوتی ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ۱ اگر کہا فلاں کے مجھ پر سو اور درہم ہے تو ایک سو ایک سب کے سب درہم ہی لازم ہوں گے

اصول: یہاں ایک نحوی قاعدے سے بحث ہے، وہ یہ ہے کہ معطوف، معطوف علیہ سے الگ ہوتا ہے

وجہ: جب کہا، علی مأة و درهم ، اس میں درہم سے تو پتہ چلا کہ ایک درہم ہے، لیکن مأ ۃ سے کون سی چیز ایک سو ہے اس کا پتہ نہیں چل رہا ہے، اور نحو کے اعتبار سے ایک پریشانی یہ ہے کہ حرف واو سے پہلے الگ چیز ہوتی ہے، اور حرف واو کے بعد الگ چیز ہوتی ہے، محاورے کے اعتبار سے دونوں میں مغایرت ہونی چاہئے ، اس لئے مأ ۃ سے درہم مراد نہیں ہونے چاہئیں، کوئی اور چیز ہونی چاہئے۔ یہ نحو کا قاعدہ ہے۔ لیکن یہاں ایک سو بھی درہم ہی اس لئے ہیں کہ درہم، اور دینار کا استعمال بہت ہوتا ہے اس لئے بولنے والا بار بار درہم کا لفظ نہیں بولتا، صرف ایک بار بولتا ہے، یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ ایک مرتبہ درہم بولا تو اس سے ایک درہم لازم ہوا، اور اس سے پہلے جو مأ ۃ ہے اس سے بھی ایک سو درہم ہی مراد ہیں، اس طرح مقر پر ایک سو ایک درہم لازم ہوں گے، اور سب درہم ہی ہوں گے

ترجمہ : (۸۳۸) اور اگر کہا فلاں کے مجھ پر سو اور کپڑا ہے تو اس کو ایک کپڑا لازم ہوگا اور سو کی تفسیر میں مقر کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ (وہ جو کہے گا اس پر وہی لازم ہوگا)

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ معطوف معطوف علیہ سے الگ ہوتا ہے

۱ وَهُوَ الْقِيَاسُ فِي الْأَوَّلِ، وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ لِأَنَّ الْمِائَةَ مُبْهَمَةٌ وَالدِّرْهَمَ مَعْطُوفٌ عَلَيْهَا بِالْوَاوِ الْعَاطِفَةِ لَا تَفْسِيرًا لَهَا فَبَقِيَتِ الْمِائَةُ عَلَى إِبْهَامِهَا كَمَا فِي الْفَصْلِ الثَّانِي. ۲ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ وَهُوَ الْفَرْقُ أَنَّهُمُ اسْتَثْقَلُوا تَكْرَارَ الدِّرْهَمِ فِي كُلِّ عَدَدٍ وَاكْتَفَوْا بِذِكْرِهِ عَقِيبَ الْعَدَدَيْنِ. وَهَذَا فِيمَا يَكْثُرُ اسْتِعْمَالُهُ وَذَلِكَ عِنْدَ كَثْرَةِ الْوُجُوبِ بِكَثْرَةِ أَسْبَابِهِ وَذَلِكَ فِي الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ وَالْمَكِيلِ

وجہ : اس صورت میں بھی کپڑے کا عطف سو پر ہے اور معطوف معطوف علیہ سے الگ ہوتا ہے اس لئے کپڑا سو سے الگ ہونا چاہئے۔ اور عام استعمال میں سو بول کر درہم اور دینار تو مراد لیتے ہیں کپڑا مراد نہیں لیتے، اس لئے کہ درہم ار دینار کا استعمال زیادہ ہے، کپڑے کا استعمال زیادہ نہیں اس لئے کپڑا سو کی تفسیر نہیں بن سکے گا۔ اس لئے ایک کپڑا لازم ہوگا۔ اور سو کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ مقر کی مراد کیا ہے وہ جو کہے گا وہی لازم ہوگا سو کپڑا کہے گا تو کپڑا لازم ہوگا، اور سو درہم کہے گا تو سو درہم اور ایک کپڑا لازم ہوگا۔

نوٹ : جہاں پہلے سے کپڑے کا قرینہ موجود ہو وہاں سو سے کپڑا مراد لے لیا جائے گا۔

ترجمہ : ۱ پہلے مسئلے (مأۃ و درہم) میں بھی قیاس کا تقاضہ یہی تھا کہ سو الگ ہو اور درہم یعنی ایک درہم الگ ہو، چنانچہ امام شافعیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ اس لئے کہ مأۃ مبہم ہے، اور واو عاطفہ کے ساتھ درہم کا اس پر عطف ہے، اس لئے درہم مأۃ کی تفسیر نہیں بن سکتی، اس لئے مأۃ اپنے ابہام پر باقی رہا جیسا کہ اس مسئلے میں ہوا

تشریح : دونوں مسئلے میں مأۃ کے بعد واو کے ساتھ درہم بھی آیا ہے، اور ثوب بھی آیا ہے، اور نحو کا قاعدہ یہ ہے کہ واو سے پہلے والا واو کے بعد والے سے الگ ہوتا ہے، اس لئے پہلے مسئلے میں اور اس مسئلے میں بھی درہم الگ ہونا چاہئے، اور مأۃ الگ ہونا چاہئے، اور مأۃ کی تفسیر خود مقر سے پوچھنا چاہئے، قیاس کا تقاضہ یہی ہے، اور امام شافعیؒ کا قول یہی ہے

ترجمہ : ۲ استحسان کی وجہ یہ ہے، اور دونوں مسئلوں میں فرق کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہر عدد کے بعد درہم کا مکرر ذکر کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے دونوں عدد کے بعد ایک مرتبہ درہم کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، یہ ان چیزوں میں ہوتا ہے جن میں قرض لینے میں کثرت سے رواج ہے، اور کثرت سے اسباب کی بنا پر کثرت سے قرض واجب ہوتا ہو، اور یہ درہم، دینار، کیلی چیز اور وزنی چیزوں میں ہوتا ہے، اور کپڑے کا حال یہ ہے کہ نہ یہ کیل کیا جاتا ہے اور نہ وزن کیا جاتا ہے اس لئے وہ کثرت سے لوگوں پر دینا واجب نہیں ہوتا، اس لئے کپڑا اپنے نحوی قاعدے پر باقی رہا (اور درہم اور دینار میں ایک ہی مرتبہ درہم بولنا سب کے لئے کافی ہو گیا)

تشریح : درہم اور دینار میں استحسان کی وجہ یہ بتا رہے ہیں۔ درہم اور دینار لوگ بہت قرض لیتے ہیں، اور ایک دوسرے پر قرض واجب ہوتا ہے، اور کپڑے کا قرض کم لیتے ہیں ، اس لئے درہم اور دینار میں یہ ہوا کہ دو عدد کے بعد ایک مرتبہ درہم کا لفظ بولا تو دونوں عدد کے لئے کافی ہو گیا، کہ دونوں عدد میں درہم ہی کا قرض مراد ہے۔ اور کپڑے کا قرض کم لیتے ہیں، اس لئے وہاں اصل اور نحوی قاعدے پر رہا کہ دوسرے عدد ثوب سے مراد کپڑے کا قرض ہے، اور عطف سے پہلے والے مأۃ سے کیا مراد

وَالْمَوْزُونِ، وَأَمَّا الثِّيَابُ وَمَا لَا يُكَالُ وَلَا يُوزَنُ فَلَا يَكْثُرُ وُجُوبُهَا فَبَقِيَ عَلَى الْحَقِيقَةِ. ٣ (وَكَذَا إِذَا قَالَ: مِائَةٌ وَثَوْبَانِ) لِمَا بَيَّنَّا ٤ (بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ: مِائَةٌ وَثَلَاثَةُ أَثْوَابٍ) لِأَنَّهُ ذَكَرَ عَدَدَيْنِ مُبْهَمَيْنِ وَأَعْقَبَهَا تَفْسِيرًا إِذِ الْأَثْوَابُ لَمْ تُذْكَرْ بِحَرْفِ الْعَطْفِ فَانْصَرَفَ إِلَيْهِمَا لِاسْتِوَائِهِمَا فِي الْحَاجَةِ إِلَى تَفْسِيرٍ فَكَانَ كُلُّهَا ثِيَابًا.

(٨٤٠)قَالَ (وَمَنْ أَقَرَّ بِتَمْرَةٍ فِي قَوْصَرَةٍ لَزِمَهُ التَّمْرُ وَالْقَوْصَرَةُ) ١ وَفَسَّرَهُ فِي الْأَصْلِ بِقَوْلِهِ:

ہےاس کے بارے میں مقر سے پوچھا جائے گا

ترجمہ: ٣ ایسے ہی اگر کہا، مأة و ثوبان، (تو دو کپڑے لازم ہوں گے، اور مأة کے بارے میں مقر سے پوچھا جائے گا) اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح: یہاں مأة کے بعد واو حرف عطف ہے، پھر ثوبان ہے، اس لئے ثوبان سے دو کپڑے لازم ہوں گے، اور مأة سے کیا مراد ہے وہ مقر ہی سے پوچھا جائے گا

وجہ: (١) ثوبان ایسی چیز ہے جو کثرت سے لوگ قرض نہیں لیتے، اس لئے ثوبان مأة کی تفسیر نہیں ہے، (٢) دوسری وجہ یہ ہے کہ، مأة حرف عطف سے پہلے ہے اس لئے مأة ثوبان سے مغایر ہوگا، اور ثوبان مأة کی تفسیر نہیں بنے گی، اس لئے اس بارے میں مقر ہی سے پوچھا جائے گا

ترجمہ: ٤ بخلاف اگر کہا، مأة و ثلاثة اثواب، (اس میں ایک سو تین، تمام کپڑے ہی لازم ہوں گے) اس کی وجہ یہ ہے کہ دو مبہم عدد کے بعد ثوب کے ذریعہ سے تفسیر لائے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ لفظ، اثواب، سے پہلے حرف عطف نہیں ہے اس لئے ثوب دونوں عدد کی طرف پھیرا جائے گا اس لئے کہ دونوں عددوں کی تفسیر کی ضرورت ہے، اس لئے سبھی کپڑے ہی لازم ہوں گے۔

تشریح: مأة و ثلاثة اثواب، ان تین لفظوں پر غور کریں اس سے مسئلہ حل ہوگا۔ یہاں دو عدد ہیں مأة، اور ثلاثة، اور دونوں کے درمیان حرف عطف ہے، اور دونوں کی تفسیر کی ضرورت ہے، اس کے بعد ہے، اثواب، اس اثواب سے پہلے حرف عطف واو نہیں ہے، اس لئے اثواب ثلاثة کی تفسیر بن جائے گی، اور جب اثواب ثلاثة کی تفسیر بنے گی تو مأة کی بھی تفسیر بن جائے گی، کیونکہ اس کو بھی تفسیر کی ضرورت ہے، اس لئے یہاں ایک سو تین کپڑے ہی مقر پر لازم ہوں گے، اور اس بارے میں مقر کو مأة کی تفسیر پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: (٨٤٠) کسی نے اقرار کیا کھجور کا ٹوکری میں تو اس کو لازم ہوگا کھجور اور ٹوکری۔

تشریح: کسی نے یوں اقرار کیا کہ میں نے کھجور کو غصب کیا ہے ٹوکری میں تو اس پر کھجور اور ٹوکری دونوں واپس کرنا لازم ہوں گے۔

ترجمہ: ١ مبسوط میں اس کی تفسیر یہ ہے، غصبت تمرا فی قوصرة، کہا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹوکری ایک برتن ہے، اور جس کھجور کو غصب کیا ہے وہ برتن کے اندر ہے جو بغیر برتن کے غصب نہیں ہو سکتی ہے، اس لئے کھجور اور برتن دونون کو واپس

غَصَبْتُ تَمْرًا فِي قَوْصَرَةٍ . وَوَجْهُـهُ أَنَّ الْقَوْصَرَةَ وِعَاءٌ وَظَرْفٌ لَهُ، وَغَصْبُ الشَّيْءِ وَهُوَ مَظْرُوفٌ لَا يَتَحَقَّقُ بِدُونِ الظَّرْفِ فَيَلْزَمَانِهِ وَكَذَا الطَّعَامُ فِي السَّفِينَةِ وَالْحِنْطَةُ فِي الْجَوَالِقِ، ٢ بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ: غَصَبْتُ تَمْرًا مِنْ قَوْصَرَةٍ لِأَنَّ كَلِمَةَ مِنْ لِلْانْتِزَاعِ فَيَكُونُ إِقْرَارًا بِغَصْبِ الْمَنْزُوعِ .

(٨٤١) قَالَ: (وَمَنْ أَقَرَّ بِدَابَّةٍ فِي إِصْطَبْلٍ لَزِمَهُ الدَّابَّةُ خَاصَّةً)

کرنا لازم ہوگا ، ایسے ہی کہا کہ کھانا کشتی میں غصب کیا تو (تو کشتی اور کھانا دونوں واپس کرنا لازم ہوگا) یا کہا گیہوں بورے میں غصب کیا تو بورا اور گیہوں دونوں واپس کرنا لازم ہوگا

اصول : یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ یہاں ، فی ، ذکر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کو اس برتن میں رکھے ہوئے کو میں نے غصب کیا ہے، اس لئے وہ چیز بھی واپس کرنی ہوگی اور وہ برتن بھی واپس کرنا ہوگا ، کیونکہ جملے سے پتہ چلتا ہے کہ اس برتن کو بھی غصب کیا ہے۔

تشریح : اقرار کرنے والے نے کہا کہ میں نے کھجور کو ٹوکری میں غصب کیا ہے، تو اس لفظ ، فی ، کا مطلب یہ نکلا کھجور بھی غصب کیا ہے اور وہ کھجور ٹوکری میں رکھا ہوا تھا اس ٹوکری کو بھی غصب کیا ہے اس لئے دونوں کا غصب ثابت ہوا اس لئے دونوں کو واپس کرنا لازم ہوگا

وجہ : کیونکہ ٹوکری برتن ہے، اور کھجور مظروف ہے جو ٹوکری میں ہے، اس لئے دونوں کا غصب کرنا ہوا، اس لئے دونوں کو واپس کرنا ہوگا

لغت : قوصرۃ : ٹوکری ۔ الجوالق : بورا ۔ الطعام فی سفینۃ : اس میں اتنی وضاحت ہے کہ گیہوں اتنا زیادہ ہے کہ کشتی میں غصب کیا جا سکتا ہے تب گیہوں اور کشتی غصب کرنا شمار کیا جائے گا ، اور اگر گیہوں دو چار کلو ہے جو کشتی سمیت غصب نہیں ہوتا تو اس صورت میں صرف گیہوں کا غصب شمار ہوگا

ترجمہ : ٢ بخلاف اگر کہا کہ میں نے ٹوکری میں سے کچھ کھجور غصب کئے ہیں (من کے ساتھ) تو صرف کھجور واپس کرنا لازم ہوگا ، کیونکہ لفظ ، من ، برتن میں کچھ تھوڑی سی چیز کو نکالنے کے لیے بولا جاتا ہے، اس لئے صرف کھجور کے غصب کا اقرار ہوگا ، ٹوکری کا نہیں

تشریح : غصبت التمر من قوصرۃ ، کہا کہ ٹوکری میں سے کچھ میں نے غصب کیا ہے تو اس اقرار میں صرف کھجور کا غصب شمار کیا جائے گا ، اور صرف کھجور کا واپس کرنا لازم ہوگا ، ٹوکری کا واپس کرنا لازم نہیں ہوگا

وجہ : اس کی وجہ یہ کہ ، لفظ ، من ، برتن میں سے کچھ تھوڑی سی چیز نکالنے کے لئے بولا جاتا ہے ، برتن سمیت کے لئے نہیں بولا جاتا ہے، اس لئے صرف کھجور کے غصب کا اقرار ہوگا

ترجمہ : (٨٤١) کسی نے اقرار کیا گھوڑے کا اصطبل میں تو اس کو صرف گھوڑا لازم ہوگا

ل لِأَنَّ الْإِصْطَبَلَ غَيْرُ مَضْمُونٍ بِالْغَصْبِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ ٢ وَعَلَى قِيَاسِ قَوْلِ مُحَمَّدٍ يَضْمَنُهُمَا وَمِثْلُهُ الطَّعَامُ فِي الْبَيْتِ.

(٨٤٢)قَالَ: (وَمَنْ أَقَرَّ لِغَيْرِهِ بِخَاتَمٍ لَزِمَهُ الْحَلَقَةُ وَالْفَصُّ) ل لِأَنَّ اسْمَ الْخَاتَمِ يَشْمَلُ الْكُلَّ .

(٨٤٣)(وَمَنْ أَقَرَّ لَهُ بِسَيْفٍ فَلَهُ النَّصْلُ وَالْجَفْنُ وَالْحَمَائِلُ) ل لِأَنَّ الِاسْمَ يَنْطَوِي عَلَى الْكُلِّ .

ترجمه: ل امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غصب کرنے سے اصطبل لازم نہیں ہوگا

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے مظروف ظرف کے ساتھ منتقل ہو سکتا ہو تو دونوں لازم ہوں گے، اور نہیں منتقل ہوتا ہو تو صرف مظروف ہی لازم ہوگا

تشریح: اقرار کیا کہ میں نے گھوڑا غصب کیا ہے اصطبل میں تو صرف گھوڑا واپس کرنا لازم ہوگا۔

وجہ: یہاں یہ طے ہے کہ اصطبل گھوڑے کے ساتھ منتقل نہیں ہوتا، اور اصطبل کو اپنے یہاں نہیں لے جا سکے گا، اور مقر کی عبارت کا مطلب اتنا ہے کہ جب میں نے گھوڑا غصب کیا ہے تو وہ گھوڑا، اصطبل میں تھا۔

لغت: اصطبل: گھوڑا رکھنے کا طویلہ۔

ترجمه: ٢ اور امام محمدؒ کے قول پر یہ ہے کہ اصطبل اور گھوڑا دونوں کا ضامن ہوگا، اور یہی حال ہے، اگر مقر نے کہا، گیہوں غصب کیا گھر میں (تو گھر اور گیہوں دونوں لازم ہوں گے)

وجه: امام محمد کی رائے ہے کہ غصب کرنے میں ساتھ لیجانا ضروری نہیں ہے اس لئے ایسا ممکن ہے کہ گھوڑے کو بھی غصب کیا ہو اور اس کے ساتھ اصطبل کو بھی غصب کیا ہو۔ اسی طرح گیہوں کو غصب کیا ہو اور اس کے ساتھ گھر کو بھی غصب کیا ہو اس لئے جب یہ کہا کہ گھوڑے کو اصطبل میں، یا گیہوں کو گھر میں غصب کیا ہوں تو دونوں لازم ہوں گے

ترجمه: (٨٤٢) کسی نے دوسرے کے لئے انگوٹھی کا اقرار کیا تو اس کے لئے حلقہ اور نگینہ دونوں ہوں گے۔

ترجمه: ل اس لئے کہ انگوٹھی حلقہ اور نگینہ دونوں کو شامل ہے

وجہ: حلقہ اور نگینہ دونوں کے مجموعے کا نام انگوٹھی ہے۔ اور دونوں انگوٹھی کی بنیادی چیز ہے۔ اس لئے انگوٹھی کے اقرار میں دونوں چیز خود بخود شامل ہو جائیں گے۔ اور دونوں مقر لہ کے لئے ہوں گے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ کسی چیز کے بنیادی اجزاء جتنے ہیں اس چیز کے اقرار میں وہ تمام اجزاء خود بخود شامل ہوں گے۔ چاہے ان کا نام الگ الگ نہ لیا ہو۔

لغت: الفص: نگینہ۔

ترجمه: (٨٤٣) اگر کسی کے لئے اقرار کیا تلوار کا تو اس کے لئے پھل، میان اور پرتلہ تینوں ہوں گے۔

ترجمه: ل اس لئے کہ تلوار کا نام ان تینوں کو شامل ہے

۲ (وَمَنْ أَقَرَّ بِحَجَلَةٍ فَلَهُ الْعِيدَانُ وَالْكِسْوَةُ) لِانْطِلَاقِ الِاسْمِ عَلَى الْكُلِّ عُرْفًا.

(۸۴۴) (وَإِنْ قَالَ غَصَبْتُ ثَوْبًا فِي مِنْدِيلٍ لَزِمَاهُ جَمِيعًا) ۱ لِأَنَّهُ ظَرْفٌ لِأَنَّ الثَّوْبَ يُلَفُّ فِيهِ.

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کوئی چیز اصل بنیاد ہے اقرار میں وہ بھی شامل ہے، اور کوئی چیز اصل بنیاد نہیں ہے، لیکن اس چیز کے لئے وہ بھی لازم اور ملزوم ہے تو وہ بھی اقرار میں شامل ہوں گی

تشریح: تلوار چار چیزوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ تلوار کا پچھلا حصہ جس کو پکڑتے ہیں، اس کو مٹھ، کہتے ہیں۔ تلوار کا اگلا حصہ جو لوہے کی دھاردار چھری ہوتی ہے، اس کو، النصل، پھل کہتے ہیں، یہ دونوں چیزیں تلوار کی بنیادی ہیں۔ تلوار کو میان میں رکھا جاتا ہے، اس کو جفن، کہتے ہیں۔ تلوار کو کمر میں لٹکاتے وقت ایک چمڑے میں رکھ کر لٹکاتے ہیں اس کو الحمائل، اور اردو میں پرتلہ کہتے ہیں یہ دونوں چیزیں تلوار کی بنیادی نہیں ہیں، لیکن تلوار کے ساتھ لازم ضرور ہیں۔ اس لئے تلوار لینے کا اقرار کیا تو دو بنیادی چیزیں، اور دو لازم چیزیں بھی لازم ہوں گی

وجه: بنیادی چیزیں، اور لازم چیزیں دونوں لازم ہوں گی اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ **ان عليا اخبره ان النبی ﷺ امره ان يقوم على بدنه وان يقسم بدنه كلها لحومها وجلودها وجلالها ولا يعطى فى جزارتها شيئا** (بخاری شریف، باب یتصدق بجلود الھدی، ص ۲۳۲، نمبر ۱۷۱۷) اس حدیث میں بدنہ اور اونٹ کے بنیادی اجزا گوشت اور کھال ہیں اس لئے ان کو قصائی کو دینے سے منع فرمایا کیونکہ پورے اونٹ کو ہی گوشت کاٹنے کے بدلے میں نہیں دیا جاسکتا ہے۔ اور جل بدنہ کا بنیادی جز تو نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ہمہ وقت ہوتا ہے اس لئے وہ بھی بدنہ کے حکم میں ہوا۔ اور اس کو بھی گوشت کاٹنے کے بدلے میں دینے سے منع فرمایا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بنیادی اجزاء اور بنیادی اجزاء کی طرح جو چیزیں ہوں وہ اصل کے حکم میں ہوتی ہیں۔

لغت: النصل: پھل۔ الجفن: میان۔ الحمائل: پرتلہ، چمڑے کی وہ پٹی جس میں تلوار لٹکاتے ہیں۔ ینطوی: شامل ہے

ترجمه: ۲ کسی نے چھپر کھٹ کا اقرار کیا تو اس کے اوپر لکڑیاں اور پردہ دونوں ہوں گے، کیونکہ عرف میں دونوں چیزوں پر چھپر کھٹ بولا جاتا ہے

تشریح: عرف میں لکڑیاں، اور پردہ دونوں کے مجموعے کو چھپر کھٹ، کہتے ہیں اس لئے دونوں شامل ہوں گے

لغت: ۔حجلۃ چھپر کھٹ۔ سونے کے لئے بہت خوشنما چار پائی ہوتی ہے، جس پر خوبصورت پردہ لگا ہوتا ہے اس کو چھپر کھٹ کہتے ہیں۔ العیدان: لکڑیاں۔ الکسوۃ، کپڑا، پردہ

ترجمه: (۸۴۴) اگر اقرار کیا کہ میں نے رومال میں کپڑا غصب کیا ہے، تو کپڑا اور رومال دونوں لازم ہوں گے

ترجمه: ۱ اس لئے کہ رومال ظرف ہے، کیونکہ کپڑا رومال میں لپیٹا جاتا ہے

تشریح: واضح ہے

٢ (وَكَذَا لَوْ قَالَ عَلَيَّ ثَوْبٌ فِي ثَوْبٍ) لِأَنَّهُ ظَرْفٌ . ٣ بِخِلَافِ قَوْلِهِ: دِرْهَمٌ فِي دِرْهَمٍ حَيْثُ يَلْزَمُهُ وَاحِدٌ لِأَنَّهُ ضَرْبٌ لَا ظَرْف

(٨٤٥)(وَإِنْ قَالَ: ثَوْبٌ فِي عَشَرَةِ أَثْوَابٍ لَمْ يَلْزَمْهُ إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَزِمَهُ أَحَدَ عَشَرَ ثَوْبًا) ١ لِأَنَّ النَّفِيسَ مِنَ الثِّيَابِ قَدْ يُلَفُّ فِي عَشَرَةِ أَثْوَابٍ فَأَمْكَنَ حَمْلُهُ عَلَى الظَّرْفِ . ٢ وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ حَرْفَ " فِي " يُسْتَعْمَلُ فِي الْبَيْنِ وَالْوَسَطِ أَيْضًا، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ: ٢ ایسے ہی کہا کہ میرے اوپر کپڑے میں کپڑا ہے (تو دو کپڑے لازم ہوں گے) اس لئے کہ یہاں بھی ایک کپڑا دوسرے کے لئے ظرف ہے

تشریح: بولنے کے انداز سے معلوم ہوتا ہے ایک کپڑے کو دوسرے کپڑے میں لپیٹ کر غصب کیا ہے، اس لئے دو کپڑے لازم ہوں گے

ترجمہ: ٣ بخلاف اگر کہا کہ ایک درہم کو ایک درہم میں غصب کیا تو ایک ہی درہم لازم ہوگا، اس لئے درہم کو درہم میں یہ ضرب دینے کے لئے ہوتا ہے

تشریح: یہاں درہم فی درہم ضرب ہے اور ایک درہم کو ایک درہم میں ضرب دیں تو ایک ہی نکلتا ہے، اس لئے ایک ہی درہم لازم ہوگا

ترجمہ: (٨٤٥) اگر کہا کہ ایک کپڑے کو دس کپڑے میں لیا ہوں تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک ہی کپڑا لازم ہوگا۔ اور امام محمدؒ نے کہا کہ اس کو گیارہ کپڑے لازم ہوں گے

ترجمہ: ١ اس لئے کہ نفیس کپڑا کبھی دس کپڑوں میں لپیٹ کر رکھتے ہیں، تو یہ ممکن ہے کہ دس کپڑے کو ظرف قرار دے دیں

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ٢ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ حرف، فی، درمیان اور بیچ میں ہونے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، اللہ کا قول ہے فادخلی فی عبادی، یعنی میرے بندوں کے درمیان داخل ہو جاو، اس لئے، فی، کے معنی میں شک ہو گیا (اس لئے، فی، یہاں ظرف کے لئے نہیں رہا)

تشریح: مقر پر ایک ہی کپڑا لازم ہوگا، اس کے لئے امام ابو یوسفؒ کی تین دلیلیں ہیں، یہ پہلی دلیل ہے۔ حرف، فی، ظرف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، لیکن کبھی بین، وسط، اور درمیان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالی کا قول، **فادخلی فی عبادی**، میں درمیان کے معنی میں استعمال ہوا ہے، ظرف کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، یعنی میرے بندوں کے درمیان داخل ہو جاو، اور ثوب فی عشرۃ اثواب، کا مطلب یہ ہوگا ایک کپڑا دس کپڑوں کے درمیان میں تھا اس حال میں میں نے ایک کپڑا غصب کیا ہے، دس کپڑوں کو غصب نہیں کیا ہے، اس لئے مقر پر ایک ہی کپڑا لازم ہوگا

﴿فَادْخُلِي فِي عِبَادِي﴾ أَيْ بَيْنَ عِبَادِي، فَوَقَعَ الشَّكُّ . ٣ وَالْأَصْلُ بَرَاءَةُ الذِّمَمِ،
٤ عَلَى أَنَّ كُلَّ ثَوْبٍ مُوعًى وَلَيْسَ بِوِعَاءٍ فَتَعَذَّرَ حَمْلُهُ عَلَى الظَّرْفِ فَتَعَيَّنَ الْأَوَّلُ مَحْمَلًا .
(٨٤٦)(وَلَوْ قَالَ: لِفُلَانٍ عَلَيَّ خَمْسَةٌ فِي خَمْسَةٍ يُرِيدُ الضَّرْبَ وَالْحِسَابَ لَزِمَهُ خَمْسَةٌ) ١ لِأَنَّ الضَّرْبَ لَا يُكْثِرُ الْمَالَ. وَقَالَ الْحَسَنُ: يَلْزَمُهُ خَمْسَةٌ وَعِشْرُونَ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الطَّلَاقِ (وَلَوْ قَالَ

ترجمه: ٣ دوسری بات یہ ہے کہ۔اصل یہ ہے کہ آدمی کسی کے ذمے سے بری ہوتا ہے۔(اس لئے قوی دلیل کے بغیر کسی پر گیارہ کپڑے لازم نہیں کریں گے)

تشریح : دوسری دلیل یہ ہے کہ آدمی بنیادی طور پر دوسرے کا مقروض نہیں ہوتا، اور جب حرف ،فی، کے معنی میں شک ہو گیا،تو شک کی بنیاد پر مقر پر مزید دس کپڑے لازم نہیں کر سکتے

ترجمه: ٤ پھر تیسری بات یہ ہے کہ ایک ہی اوپر کا کپڑا ظرف ہے باقی اندر کے سارے کپڑے مظروف ہیں،اس لئے دس کپڑوں کوظرف پر حمل کرنا متعذر رہے،اس لئے ،فی، درمیان کے معنی میں ہے یہ متعین ہو گیا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی یہ تیسری دلیل ہے کہ اوپر والا کپڑا جو ہے صرف وہی کپڑا سب کے لئے ظرف ہے،اور باقی اندر کے دس کپڑے ہر ایک اوپر والے کپڑے کے لئے مظروف ہے اور نیچے والے کے لئے ظرف ہے،اس لئے سب کپڑے کوایک کپڑے کے لئے ظرف شمار کرنا صحیح نہیں ہے،اس لئے مقر پر ایک ہی کپڑا لازم ہوگا

لغت: موعی: وعاء سے، مشتق ہے برتن ہونا،ظرف ہونا۔

ترجمه :(٨٤٦)اور اگر کہا فلاں کے مجھ پر پانچ ہیں پانچ میں اور اس سے ضرب اور حساب کا ارادہ کیا تو صرف پانچ لازم ہوں گے۔

ترجمه: ١ اس لئے کہ ضرب دینے سے مال زیادہ نہیں ہوتا ہے(بلکہ اس کے اجزاء زیادہ ہو جاتے ہیں)،اور حضرت حسن بن زیاد نے فرمایا کہ مقر کو پچیس لازم ہوں گے،اور کتاب الطلاق میں اس کا ذکر کیا ہے،اور اگر مقر نے کہا کہ میں نے پانچ کو پانچ کے ساتھ مراد لیا ہے تو دو مقر پر دس لازم ہوں گے،اس لئے کہ لفظ ،فی ،مع، کے معنی کا بھی احتمال رکھتا ہے

تشریح : پانچ پانچ میں ہیں کے تین مطلب ہیں اور تین حکم ہیں۔ایک مطلب یہ ہے کہ پانچ کو پانچ میں ضرب دے کر اس کے اجزاء اور ٹکڑے بڑھائے جائیں۔اس صورت میں عدد تو پانچ ہی رہیں گے البتہ ان کے اجزاء پچیس ہو جائیں گے۔یہ مطلب لیا جائے تو صرف پانچ ہی لازم ہوں گے۔کیونکہ ضرب دینے سے اجزاء اگر چہ بڑھ گئے لیکن عدد پانچ ہی رہے۔ مصنفؒ نے یہی مطلب لیا ہے اور پانچ ہی لازم کئے ہیں۔دوسرا مطلب یہ ہے کہ پانچ کو پانچ میں ضرب دیا جائے اور یہی مراد لیا جائے تو پچیس لازم ہوں گے۔کیونکہ پانچ کو پانچ سے ضرب دینے سے پچیس ہوتے ہیں۔حسن بن زیاد کا یہی قول ہے۔تیسرا مطلب یہ ہے کہ پانچ پانچ کے ساتھ اور فی کو مع کے معنی میں لیا جائے تو دس لازم ہوں گے۔کیونکہ پانچ پانچ کے

أَرَدْتُ خَمْسَةً مَعَ خَمْسَةٍ لَزِمَهُ عَشَرَةٌ) لِأَنَّ اللَّفْظَ يَحْتَمِلُهُ . ٢ (وَلَوْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ مِنْ دِرْهَمٍ إِلَى عَشَرَةٍ أَوْ قَالَ مَا بَيْنَ دِرْهَمٍ إِلَى عَشَرَةٍ لَزِمَهُ تِسْعَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فَيَلْزَمُهُ الِابْتِدَاءُ وَمَا بَعْدَهُ وَتَسْقُطُ الْغَايَةُ، وَقَالَا: يَلْزَمُهُ الْعَشَرَةُ كُلُّهَا) فَتَدْخُلُ الْغَايَتَانِ . ٣ وَقَالَ زُفَرُ: يَلْزَمُهُ ثَمَانِيَةٌ وَلَا تَدْخُلُ الْغَايَتَانِ . ٤ (وَلَوْ قَالَ لَهُ مِنْ دَارِي مَا بَيْنَ هَذَا الْحَائِطِ إِلَى هَذَا الْحَائِطِ فَلَهُ مَا بَيْنَهُمَا لَوْ لَيْسَ لَهُ مِنَ الْحَائِطَيْنِ شَيْءٌ) وَقَدْ مَرَّتِ الدَّلَائِلُ فِي الطَّلَاقِ.

ساتھ ہوجائے تو دس بنتے ہیں۔

ترجمہ : ٢ اور اگر کہا فلاں کا مجھ پر ایک درہم سے دس تک ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مقر پر نو لازم ہوں گے۔ اس کو ابتدا کی اور جو اس کے بعد ہیں وہ لازم ہوں گے اور غایت ساقط ہوگی۔ اور صاحبین نے فرمایا اس کو دس لازم ہوں گے، اور دونوں غایت یعنی ابتداء اور انتہاء دونوں داخل ہوجائیں گے۔

تشریح : اگر کسی نے کہا کے فلاں کا مجھ پر ایک سے دس تک درہم ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نو درہم لازم ہوں گے دس لازم نہیں ہوں گے۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ تعداد میں ابتدا شامل ہوتی ہے۔ درمیان والے عدد شامل ہوتے ہیں لیکن آخری جو غایت ہو وہ شامل نہیں ہوتی اس لئے موجودہ عبارت میں دس آخری غایت ہے اس لئے وہ شامل نہیں ہوگی۔ اس لئے نو ہی باقی رہے۔ لہذا نو لازم ہوں گے۔ جیسے لوگ کہتے ہیں کہ میری عمر پچاس سے ساٹھ تک ہے تو ساٹھ شامل نہیں ہوتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اس کی عمر انسٹھ مانی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں غایت دس شامل نہیں ہوگا اور نو لازم ہوں گے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہاں ابتدا اور غایت دونوں شامل ہوں گے۔ اس لئے پورے دس لازم ہوں گے۔

اصول صاحبین کے نزدیک عدد میں ابتدا اور غایت دونوں شامل ہوتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک غایت شامل نہیں ہوتی۔

ترجمہ: ٣ امام زفرؒ نے فرمایا کہ مقر پر آٹھ ہی لازم ہوں گے، اور ابتداء اور انتہاء داخل نہیں ہوں گے

تشریح: امام زفر کی رائے یہ ہے کہ کلام میں ابتداء اور انتہاء داخل نہیں ہوتے، اس لئے آٹھ ہی لازم ہوں گے

ترجمہ : ٤ اور اگر کہا میرے گھر میں فلاں کا اس دیوار سے اس دیوار تک ہے تو اس کو دیوار کے صرف بیچ والا حصہ ملے گا، اور دونوں دیوار نہیں ملیں گے، اور ان کے دلائل کتاب الطلاق میں گزر چکے ہیں

تشریح : دیوار کا معاملہ ایسا ہے کہ کلام میں دونوں دیوار داخل نہیں ہوتے، اس لئے دونوں دیوار نہیں ملیں گے صرف دونوں دیوار کے درمیان جو جگہ ہے وہ ملے گی

فَصْلٌ

(٨٤٧)قَالَ (وَمَنْ قَالَ: لِحَمْلِ فُلَانَةٍ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ، فَإِنْ قَالَ أَوْصَى لَهُ فُلَانٌ أَوْ مَاتَ أَبُوهُ فَوَرِثَهُ فَالْإِقْرَارُ صَحِيحٌ) ‌ لِ لِأَنَّهُ أَقَرَّ بِسَبَبٍ صَالِحٍ لِثُبُوتِ الْمِلْكِ لَهُ فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ حَيًّا فِي مُدَّةٍ يَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ قَائِمًا وَقْتُ الْإِقْرَارِ، لَزِمَهُ

فصل

ترجمه:(٨٤٧)اگر کہا کہ فلاں کے حمل کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں۔پس اگر کہا کہ اس کے لئے فلاں نے وصیت کی ہے یا اس کے والد کا انتقال ہوا اور حمل اس کا وارث ہوا ہے تو اقرار صحیح ہے۔

ترجمه: لِ اس لئے کہ ملکیت کے ثبوت کے لئے ایسا سبب بیان کیا جو ہوسکتا ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ اقرار کرنے والے نے ایسا اقرار کیا جس کے کئی رخ ہو سکتے ہیں۔بعض کے اعتبار سے اقرار صحیح ہے اور بعض کے اعتبار سے اقرار صحیح نہیں ہوتا۔پس اگر صحیح رخ کی وضاحت کر دے تو اقرار درست ہوگا اور اگر صحیح رخ کی وضاحت نہ کرے تو غلط رخ جو متبادر ہے اور جلدی ذہن میں آتا ہے وہ مراد لے کر اقرار صحیح نہیں ہوگا۔

تشریح: مثلا زید کہتا ہے کہ خالد کے حمل کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں تو اس کے چار مطلب ہوئے۔(پہلا) مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی نے اس حمل کے لئے وصیت کی ہے اور اس وصیت کے ہزار درہم میرے اوپر ہیں تو یہ بالکل صحیح ہے۔لیکن اقرار کرنے والا اس کی وضاحت کر دے کہ فلاں نے حمل کے لئے وصیت کی ہے وہ ہزار میرے پاس ہیں تو اقرار درست ہوگا۔(دوسرا) مطلب یہ ہے کہ حمل کے والد یا اس کے قریبی رشتہ دار کا انتقال ہوا ہے اور اس کی وراثت میں حمل کو جو رقم ملی تھی وہ رقم ایک ہزار میرے پاس ہے۔یہ مطلب بھی درست ہے اور اقرار درست ہے۔(تیسرا) مطلب یہ ہے کہ حمل نے مجھ کو فلاں چیز بیچی تھی اس کی قیمت کا مجھ پر ہزار درہم ہیں۔یہ مطلب نہیں ہوسکتا کیونکہ حمل کا بچہ پیٹ میں رہتے ہوئے کیسے بیچ سکتا ہے۔اس لئے یہ مطلب لیا جائے تو اقرار باطل ہے اور حمل کا مقر پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔(چوتھا) مطلب یہ ہے کہ حمل نے قرض دیا ہے یہ بھی ناممکن ہے، کیونکہ حمل ابھی پیٹ میں ہے وہ مقر کو قرض کیسے دے سکتا ہے، اس لئے اقرار باطل ہو جائے گا

وجه: مبہم چیز کی وضاحت ضروری ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔**ان صفية زوج النبی ﷺ اخبرته انها جائت الی رسول الله ﷺ تزوره فی اعتكافه فی المسجد فی العشر الاواخر من رمضان فتحدثت عنده ساعة ثم قامت تنقلب فقام النبی ﷺ معها يقلبها حتی اذا بلغت باب المسجد عند باب ام سلمة مر رجلان من الانصار فسلما علی رسول الله فقال لهما النبی ﷺ علی رسلكما انما هی صفية بنت حيي**، (بخاری شریف، باب ھل یخرج المعتکف لحوائجہ الی باب المسجد، ص٢٧٢، نمبر ٢٠٣٥) اس حدیث میں گزرنے والے صحابی کے سامنے ابہام تھا کہ حضور کی بیوی ہے یا کوئی اور تو آپؐ نے فورا اس کی وضاحت فرمائی کہ یہ میری بیوی صفیہ ہے۔

(٨٤٨)وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ مَيِّتًا فَالْمَالُ لِلْمُوصِي وَالْمُوَرِّثِ حَتَّى يُقْسَمُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ)، ل لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ فِي الْحَقِيقَةِ لَهُمَا، وَإِنَّمَا يَنْتَقِلُ إِلَى الْجَنِينِ بَعْدَ الْوِلَادَةِ وَلَمْ يَنْتَقِلْ

(٨٤٩) (وَلَوْ جَائَتْ بِوَلَدَيْنِ حَيَّيْنِ فَالْمَالُ بَيْنَهُمَا،

(٨٥٠)وَلَوْ قَالَ الْمُقِرُّ بَاعَنِي أَوْ أَقْرَضَنِي لَمْ يَلْزَمْهُ شَيْءٌ) ل لِأَنَّهُ بَيَّنَ مُسْتَحِيلًا.

ترجمه:(٨٤٨)اس اقرار کے بعد اگر بچہ زندہ پیدا ہوا، اور اتنی مدت کے اندر پیدا ہوا کہ پتہ چلتا ہو کہ وہ بچہ اقرار کے وقت میں حمل میں تھا تو مقر پر ایک ہزار لازم ہو جائے گا، اور اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو یہ اقرار کا مال جس نے وصیت کی تھی اس کا ہو جائے گا، یا مورث کا ہو جائے گا، اور اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا

ترجمه : ل اس لئے حقیقت میں انہی دونوں کے لئے اقرار کیا تھا، اور بچے کی طرف تو ولادت کے بعد منتقل ہوگا، اور بچہ مردہ پیدا ہوا اس لئے اس کی طرف منتقل نہیں ہوا (تو یہ مال وصیت کرنے والے کی طرف اور مورث کی طرف منتقل ہو جائے گا)

تشریح: اقرار کرنے کے بعد اب دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ بچہ زندہ پیدا ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس اقرار کے چھ مہینے کے اندر اندر بچہ پیدا ہو، جس سے پتہ چلے کہ اقرار کے وقت بچہ حمل موجود تھا، لیکن اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو یہ ہزار بچے کو ملے گا ہی نہیں تو اب یہ ہزار وصیت کرنے والے کو ملے گا اور وہ تو مر چکا ہے اس لئے اب وصیت کرنے والے کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا، اسی طرح جس کی جانب سے بچہ وارث ہوا تھا یعنی مورث، اس کو یہ مال ملے گا، اور اس کا تو انتقال ہو چکا ہے، اس لئے اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ اقرار کرنے والے نے خاص طور پر یہ اقرار کیا ہے کہ یہ مال وصی کا تھا، اور مورث کا تھا، بعد میں بچے کی طرف منتقل ہوا، لیکن بچہ مردہ پیدا ہوا ہے، جس کی وجہ سے بچے کی طرف منتقل نہیں ہوا تو مال اصل کی طرف لوٹ جائے گا۔ اور اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا

ترجمه: (٨٤٩)اگر دو بچے پیدا ہو گئے تو مال دونوں کو آدھا آدھا ملے گا

تشریح: واضح ہے

ترجمه :(٨٥٠)اور اگر مقر نے کہا کہ حمل نے مجھ سے مال بیچا تھا، یا مجھ کو قرض دیا تھا (اس کا ایک ہزار ہے) تو مقر پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا

ترجمه: ل اس لئے کہ ہزار لازم ہونے کا ایسا سبب بیان کیا جو محال ہے

وجه : حمل ماں کے پیٹ میں رہتے ہوئے مال کیسے بیچ سکتا ہے، یا مال کیسے قرض دے سکتا ہے، اس لئے ایک ہزار لازم ہونے کا یہ سبب محال ہے، اس لئے مقر کا اقرار باطل ہو جائے گا، اور اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا

(٨٥١) قَالَ (وَإِنْ أُبْهِمَ الْإِقْرَارُ لَمْ يَصِحَّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يَصِحُّ) ١ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ مِنْ الْحُجَجِ فَيَجِبُ إِعْمَالُهُ وَقَدْ أَمْكَنَ بِالْحَمْلِ عَلَى السَّبَبِ الصَّالِحِ . ٢ وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْإِقْرَارَ مُطْلَقَهُ يَنْصَرِفُ إِلَى الْإِقْرَارِ بِسَبَبِ التِّجَارَةِ، وَلِهَذَا حُمِلَ إِقْرَارُ الْعَبْدِ الْمَأْذُونِ وَأَحَدِ الْمُتَفَاوِضِينَ

ترجمه: (٨٥١) اگر اقرار کو مبہم رکھا تو ابو یوسفؒ کے نزدیک اقرار صحیح نہیں ہوگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک صحیح ہو جائے گا

ترجمه: ١ اس لئے کہ اقرار ایک قسم کی حجت ہے اس لئے صحیح سبب پر حمل کرنا ممکن ہے (جس سے اقرار صحیح ہو جائے، اس لئے صحیح سبب پر حمل کیا جائے گا)

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ اگر اقرار مبہم ہو تو اس بات پر حمل کیا جائے گا کہ حمل نے تجارت کی تھی جس کی بنا پر مقر پر ایک ہزار لازم ہوا ہے، کیونکہ عام حالات میں یہی متبادر ہے۔ اور حمل تجارت نہیں کر سکتا اس لئے اقرار باطل ہو جائے گا

اصول امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ اقرار ایک صحیح چیز ہے اس لئے وراثت، یا وصیت پر حمل کریں تا کہ مقر کا اقرار درست ہو جائے

تشریح: اگر مقر نے اقرار کو مبہم رکھا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ اقرار باطل ہو جائے گا

وجه: اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مبہم اقرار کو تجارت پر محمول کیا جائے گا، یعنی یوں کہا جائے گا کہ حمل نے مقر سے کچھ بیچا ہے جس کی بنیاد پر مقر پر ایک ہزار ہے، اور حمل بیچ نہیں سکتا اس لئے یہ اقرار باطل ہو جائے گا

اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اقرار ایک حجت اور دلیل ہے اس لئے اس کو سبب صالح پر حمل کیا جائے تا کہ اقرار صحیح ہو جائے، اور یوں کہا جائے گا کہ موصی نے حمل کے لئے وصیت کی تھی اس کا روپیہ مقر پر ہے، یا حمل کا فلاں مورث انتقال ہوا اس کی وراثت کا پیسہ مقر پر ہے، اور یہ سبب صحیح ہے، اس لئے اقرار صحیح ہو جائے گا

ترجمه: ٢ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مطلق اقرار تجارت کے سبب سے رقم واجب ہوئی ہے اس کی طرف پھیرا جائے گا، اس کی مثال یہ ہے کہ عبد ماذون رقم کا اقرار کرے، یا شرکت مفاوضہ والے میں سے ایک اقرار کرے تو تجارت پر ہی حمل کیا جاتا ہے (اسی طرح یہاں بھی تجارت پر ہی حمل کیا جائے گا) اور ایسا سمجھا جائے گی مقر نے اس کی تصریح کی ہو کہ حمل کی تجارت کے سبب سے مجھ پر ایک ہزار ہے

تشریح: عبد ماذون: جس غلام کو تجارت کرنے کی اجازت ہو اس کو عبد ماذون، کہتے ہیں، یہ کسی رقم کا مبہم اقرار کرے تو یہی سمجھا جائے گا کہ خرید و فروخت کی وجہ سے اس پر قرض آیا ہے۔ متفاوضین: دو آدمی ایک تجارت میں شریک ہو اور یوں کہ آپ جو کچھ خریدیں اس کا ذمہ دار میں ہوں، اور نفع میں بھی آدھے کا شریک میں ہوں، اور دوسرا بھی یہی کہے کہ، کہ آپ جو کچھ خریدیں اس کا ذمہ دار میں ہوں، اور نفع میں بھی آدھے کا شریک میں ہوں، تو اس کو شرکت مفاوضہ، کہتے ہیں، یہ اگر کسی رقم کا مبہم اقرار کرے تو یہی سمجھا جائے گا کہ کوئی خرید و فروخت کی ہے، اس کی وجہ سے اس پر ہزار لازم ہوا ہے، ٹھیک اسی طرح مقر نے مبہم اقرار کیا تو اس کو اسی پر محمول کیا جائے گا کہ حمل نے خرید و فروخت کی ہے جس کی بنا پر مقر پر ہزار لازم ہوا ہے، اور یہ

عَلَيْهِ فَيَصِيرُ كَمَا إِذَا صَرَّحَ بِهِ.

(٨٥٢) قَالَ (وَمَنْ أَقَرَّ بِحَمْلِ جَارِيَةٍ أَوْ حَمْلِ شَاةٍ لِرَجُلٍ صَحَّ إِقْرَارُهُ وَلَزِمَهُ) ل لِأَنَّ لَهُ وَجْهًا صَحِيحًا وَهُوَ الْوَصِيَّةُ بِهِ مِنْ جِهَةِ غَيْرِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ.

قَالَ (٨٥٣) (وَمَنْ أَقَرَّ بِشَرْطِ الْخِيَارِ بَطَلَ الشَّرْطُ) ل لِأَنَّ الْخِيَارَ لِلْفَسْخِ وَالْإِخْبَارُ لَا يَحْتَمِلُهُ

ناممکن ہےاس لئے اقرار باطل ہو جائے گا

ترجمہ:(٨٥٢) کسی نے یہ اقرار کیا کہ اس باندی کا حمل فلاں کے لئے ہے، یا اس بکری کا حمل فلاں کے لئے ہے تو اس کا اقرار صحیح ہے،اور اس کو ایسا کرنا لازم ہے

ترجمہ:ل اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں صحیح وجہ موجود ہے،اور وہ یہ ہے کہ کسی نے اس آدمی کے لئے باندی کے حمل کی وصیت کی ہے۔اس لئے اسی پر اقرار کو حمل کیا جائے گا

تشریح: زید نے اقرار کیا کہ عائشہ باندی کے پیٹ میں جو بھی حمل ہے یہ عمر کے لئے ہے، یا فلاں کی بکری کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ عمر کے لئے ہے تو یہ اقرار صحیح ہے،اور اس پر عمل کرنا لازم ہے

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں یوں کہا جائے گا،خالد مرا ہے اس نے عمر کے لئے اس باندی کے حمل کی وصیت کی ہے،اور یہ ہونا ممکن ہے اس لئے زید کا یہ اقرار بھی صحیح ہے اور اس پر عمل کرنا بھی صحیح ہے

ترجمہ:(٨٥٣) کسی نے اقرار کیا اور اپنے لئے شرط خیار لیا تو اس کو اقرار لازم ہوگا اور خیار باطل ہوگا۔

تشریح : مثلا کسی نے اقرار کیا کہ عمر کے مجھ پر سو پونڈ ہیں لیکن مجھے تین دن تک سوچنے کا موقع دیں کہ میں اقرار کروں یا نہ کروں (اسی کو خیار شرط کہتے ہیں۔تو اقرار کے مطابق عمر کو سو پونڈ دینا لازم ہوگا۔اور اقرار کرے یا نہ کرے اس کے لئے تین دن تک سوچنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔یہ خیار شرط باطل ہو جائے گی

وجہ: اقرار کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ واقعی عمر کا اس پر قرض ہے۔جس کا ادا کرنا واجب ہے۔اور سوچنے کا مطلب یہ ہوگا کہ قرض نہیں ہے صرف احسان کرتے ہوئے میں سوچ کر اس کا اقرار کروں گا، یا نہیں کروں گا۔تو پہلے اقرار کی نفی ہوگئی۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ اقرار کے بعد ادا کرنا واجب ہوتا ہے اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔اس لئے خیار شرط لینا باطل ہوگا۔اور اقرار کے مطابق دین ادا کرنا واجب ہوگا۔

ترجمہ :ل اس لئے کہ تین دن کا اختیار لیتے ہیں اقرار کو فسخ کرنے کے لئے،حالانکہ جس اقرار کی خبر دے چکا ہے وہ اب فسخ نہیں ہو سکتا،اس لئے کہ علی، کا صیغہ بولنے کی وجہ سے مقر پر مال لازم ہو جائے گا،اور اس باطل شرط، یا اس شرط کے معنی میں جو بھی شرط ہو اس کی وجہ سے لازم ہونا ختم نہیں ہوگا

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے،اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اقرار کر کے خبر دے دی کہ مجھ پر ایک ہزار ہے،تو اب اقرار کرے یا

(وَلَزِمَهُ الْمَالُ) لِوُجُودِ الصِّيغَةِ الْمُلْزِمَةِ وَلَمْ تَنعَدِمْ بِهَذَا الشَّرْطِ الْبَاطِلِ.

﴿بَابُ الِاسْتِثْنَاءِ وَمَا فِي مَعْنَاه﴾

قَالَ (٨٥٤)(وَمَنِ اسْتَثْنَى مُتَّصِلًا بِإِقْرَارِهِ صَحَّ الِاسْتِثْنَاءُ وَلَزِمَهُ الْبَاقِي) ل لِأَنَّ الِاسْتِثْنَاءَ مَعَ

نہ کرے اس کا اختیار لینے کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے اقرار سے مکر رہا ہے، اس لئے اس کو مکرنے کا حق نہیں دیا جائے گا اقرار کے مطابق ہزار لازم ہو جائے گا

واللہ اعلم بالصواب

﴿احکام الاستثناء﴾

ضروری نوٹ: استثناء کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پورے میں سے کچھ کم کر دیا جائے، مثلا کہے کہ میرے اوپر ایک سو پونڈ ہیں مگر پانچ پونڈ، تو یہاں سو میں سے پانچ کم کیا۔ اور اب جو حاصل بچا، یعنی پنچانویں پونڈ، تو وہی لازم ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ متصل طور بولے تب استثناء صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جتنا بولا تھا استثناء کر کے پورے ساقط کر دیا تو استثناء صحیح نہیں ہوگا، بلکہ پورا ہی لازم ہوگا، کیونکہ وہ اپنے اقرار سے مکمل مکر رہا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر کسی چیز کا اقرار کیا اور ساتھ ہی انشاء اللہ کہہ دیا اقرار ختم ہو جائے گا

استثناء کے ثبوت کے لئے حدیث یہ ہے۔ **عن ابی هريرة رواية قال لله تسعة وتسعون اسما مائة الا واحدا من حفظها دخل الجنة وهو وتر يحب الوتر**. (بخاری شریف، کتاب الدعوات، باب للہ مائۃ اسم غیر واحدۃ، ص ۹۴۹، نمبر ۶۴۱۰، رمسلم شریف، کتاب الذکر والدعاء، باب فی اسماء اللہ تعالی وفضل من احصاھا، ص ۳۴۲، نمبر ۲۶۷۷ ۶۸۱۰) اس حدیث میں آپؐ نے سو سے ایک کو متصلا استثناء کیا ہے اور اللہ کے ننانوے نام گنائے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ متصلا استثناء صحیح ہے۔ اور استثناء کے بعد باقی عدد کا اعتبار ہوگا۔

ترجمہ: (۸۵۴) کسی چیز کا استثناء کیا اپنے اقرار کے ساتھ ہی تو استثناء صحیح ہے۔ اور لازم ہوگا اس کو باقی، چاہے کم کا استثناء کرے یا زائد کا۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ مجموعے سے استثناء کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو باقی ہے، وہ واجب ہے، لیکن استثناء کا متصل ہونا ضروری ہے، چاہے کم استثناء کرے یا زیادہ کرے

تشریح: کسی نے کسی کے لئے مثلا سو پونڈ دین کا اقرار کیا لیکن اقرار کے متصل ہی دس پونڈ کا استثناء کیا مثلا یوں کہا کہ عمر کے میرے اوپر سو پونڈ ہیں مگر دس پونڈ تو استثناء کے بعد جو نوے پونڈ باقی بچے وہ لازم ہوں گے۔

وجہ: (۱) محاورات میں استثناء کر کے بولنے کا رواج ہے۔ اس لئے استثناء کر کے بولنا صحیح ہے۔ اور استثناء کے بعد جو باقی

الْجُمْلَةِ عِبَارَةٌ عَنِ الْبَاقِي وَلَكِنْ لَا بُدَّ مِنَ الِاتِّصَالِ، ٢ (وَسَوَاءٌ اسْتَثْنَى الْأَقَلَّ أَوِ الْأَكْثَرَ، فَإِنْ اسْتَثْنَى الْجَمِيعَ لَزِمَهُ الْإِقْرَارُ وَبَطَلَ الِاسْتِثْنَاءُ) لِأَنَّهُ تَكَلَّمَ بِالْحَاصِلِ بَعْدَ الثُّنْيَا وَلَا حَاصِلَ بَعْدَهُ فَيَكُونُ رُجُوعًا، وَقَدْ مَرَّ الْوَجْهُ فِي الطَّلَاقِ.

(٨٥٥)(وَلَوْ قَالَ: لَهُ عَلَيَّ مِائَةُ دِرْهَمٍ إِلَّا دِينَارًا أَوْ إِلَّا قَفِيزَ حِنْطَةٍ لَزِمَهُ مِائَةُ دِرْهَمٍ إِلَّا قِيمَةَ الدِّينَارِ أَوِ الْقَفِيزِ) ١ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ

بچتے ہیں اسی کا اعتبار ہوتا ہے (۲) عن ابی ھریرۃ روایۃ قال للہ تسعۃ وتسعون اسما مائۃ الا واحدا من حفظھا دخل الجنۃ وھو وتر یحب الوتر . (بخاری شریف، کتاب الدعوات، باب للہ مائۃ اسم غیر واحدۃ، ص ۹۴۹، نمبر ۶۴۱۰ ؍ مسلم شریف، کتاب الذکر والدعاء، باب فی اسماء اللہ تعالی وفضل من احصاھا، ص ۳۴۲، نمبر ۲۶۷۷ ؍ ۶۸۱۰) اس حدیث میں آپؐ نے سو سے ایک کو متصلا استثناء کیا ہے اور اللہ کے ننانوے نام گنائے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ متصلا استثناء صحیح ہے۔ اور استثناء کے بعد باقی عدد کا اعتبار ہوگا۔

ترجمہ : ٢ اگر پورے کا ہی استثناء کر دیا تو جتنا اقرار کیا تھا وہ سب لازم ہو جائے گا، اور استثناء باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ استثناء کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ استثناء کے بعد کچھ باقی بھی بچے، اور یہاں تو کچھ بھی باقی نہیں بچا تو ایسا ہو گیا کہ اقرار کے بعد اس سے مکر رہا ہے (اس لئے پورا اقرار لازم ہو جائے گا) کتاب الطلاق میں دلیل گزر چکی ہے

تشریح : مثلا سو پونڈ کا اقرار کیا پھر کہا مگر سو پونڈ، تو اس استثناء سے ایک پونڈ بھی باقی نہیں رہا تو گویا کہ اپنے اقرار سے مکر رہا ہے اس لئے استثناء باطل ہو جائے گا، دوسری بات یہ ہے کہ استثناء کا مطلب یہ ہے کہ استثناء کے بعد کچھ باقی رہے، اور یہاں کچھ بھی باقی نہیں رہا تو گویا کہ استثناء ہی نہیں ہوا

اصول: پورا کا پورا استثناء کرنے سے پوارا ہی لازم ہوگا۔

ترجمہ :(٨٥٥) اگر کہا فلاں کے مجھ پر سو درہم ہیں مگر ایک دینار یا مگر ایک قفیز گیہوں تو اس کو لازم ہوں گے سو درہم مگر دینار کی قیمت یا قفیز کی قیمت کم ہوگی۔

ترجمہ: ١ اور یہ امام ابو حنیفہؒ، اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے

اصول: مستثنی اور مستثنی منہ قریب قریب جنس کے ہوں تو استثناء صحیح ہے ورنہ نہیں۔

اس میں قاعدہ یہ ہے کہ قریب قریب جنس کا ہو تو اس سے استثناء صحیح ہے۔ جیسے دینار اور درہم کے جنس قریب ہیں۔ کیونکہ دونوں ثمن ہیں۔ اسی طرح ایک قفیز گیہوں درہم کی جنس کے قریب ہے کیونکہ کیلی اور وزنی اور متقارب عددی چیزیں ثمن بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کسی بیع میں گیہوں، چاول، آٹا کو ثمن بنائے تو بن سکتے ہیں۔ اس لئے کچھ نہ کچھ درہم کی جنس سے ہوئے۔ اور جب قریب قریب جنس کی ہوئی تو درہم سے اس کا استثناء درست ہوگا اور سو درہم سے اس کی قیمت کم کر کے لازم

۲ (وَلَوْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ مِائَةُ دِرْهَمٍ إلَّا ثَوْبًا لَمْ يَصِحَّ الِاسْتِثْنَاءُ ۳ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يَصِحُّ فِيهِمَا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَصِحُّ فِيهِمَا . لِمُحَمَّدٍ أَنَّ الِاسْتِثْنَاءَ مَا لَوْلَاهُ لَدَخَلَ تَحْتَ اللَّفْظِ، وَهَذَا لَا يَتَحَقَّقُ فِي خِلَافِ الْجِنْسِ . ۴ وَلِلشَّافِعِيِّ أَنَّهُمَا اتَّحَدَا جِنْسًا مِنْ حَيْثُ الْمَالِيَّةِ.

ہوں گے۔اور کپڑے میں گز صفت ہے اس لئے وہ ثمن بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔اس لئے سو درہم سے کپڑے کا استثناء کرے تو استثناء صحیح نہیں ہے۔اس لئے پورے سو درہم ہی لازم ہوں گے۔

تشریح : اس قاعدہ کے اعتبار سے اگر یوں کہا کہ فلاں کے میرے اوپر سو درہم ہیں مگر ایک دینار تو سو درہم میں سے ایک دینار کی قیمت کم کر کے لازم ہوں گے۔اسی طرح مقر نے کہا کہ مجھ پر فلاں کے سو درہم ہیں مگر ایک قفیز گیہوں تو سو درہم سے ایک قفیز گیہوں کا استثناء صحیح ہے۔کیونکہ ثمنیت کے اعتبار سے دونوں ایک جنس ہیں۔اس لئے سو درہم میں سے ایک قفیز گیہوں کی قیمت کم کر کے لازم ہوں گے۔

ترجمہ: ۲ اور اگر کہا کہ مجھ پر سو درہم ہیں مگر ایک کپڑا تو استثناء صحیح نہیں ہے

تشریح:اس صورت میں مستثنی کپڑا ہے،اور کپڑا نہ کیلی ہے اور نہ وزنی ہے اور نہ ثمن بننے کی صلاحیت رکھتا ہے،،حالانکہ پہلے گزر چکا ہے کہ قریب قریب جنس سے استثناء کیا ہو تو استثناء درست ہوتا ہے،اس لئے کپڑے کا استثناء صحیح نہیں ہوا اس لئے مقر پر پورے سو درہم لازم ہوں گے

ترجمہ: ۳ امام محمدؒ نے فرمایا کہ ایک کلو گیہوں سے استثناء کرے وہ بھی صحیح نہیں ہے اور ایک کپڑے سے استثناء کرے یہ بھی صحیح نہیں ہے۔اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں جگہ استثناء صحیح ہے۔امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ استثناء ایسی چیز ہوتی ہے کہ اگر استثناء نہ ہو تو لفظ میں داخل ہو جائے،اور لفظ میں داخل ہو یہ خلاف جنس میں نہیں ہوتا ہے

اصول:امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ جس چیز کا اقرار کیا ہو اسی چیز میں کچھ کا استثناء کرے تب استثناء درست ہے ورنہ نہیں

تشریح : امام محمد کا قاعدہ یہ گزرا کہ جس چیز کا اقرار کیا ہے اسی چیز میں سے کچھ کا استثناء کرے تب ہی استثناء درست ہے، لیکن ایک قفیز گیہوں، یا ایک کپڑا یہ درہم کے جنس میں سے نہیں ہے اس لئے ان دونوں میں استثناء درست نہیں ہے

لغت :مالولاہ لدخل تحت اللفظ: یہ پیچیدہ عبارت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کا اقرار کیا ہو اسی چیز میں سے کچھ کا استثناء کیا ہو، یعنی دونوں کی جنس ایک ہو۔استثناء نہ ہوتا تو مستثنی، مستثنی منہ میں داخل ہوتا

ترجمہ:۴ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالیت کے اعتبار سے دونوں کی جنس ایک ہے

اصول امام شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ جس چیز کا اقرار کیا ہو اور جس چیز کا استثناء کیا ہے وہ دونوں مالیت کے اعتبار سے بھی ایک ہو تب بھی استثناء درست ہے

تشریح : امام شافعی فرماتے ہیں کہ کپڑے کی بھی مالیت ہے،اور درہم کی بھی مالیت ہے اس اعتبار سے دونوں کی جنس ایک

۵ وَلَهُمَا أَنَّ الْمُجَانَسَةَ فِي الْأَوَّلِ ثَابِتَةٌ مِنْ حَيْثُ الثَّمَنِيَّةِ، وَهَذَا فِي الدِّينَارِ ظَاهِرٌ. وَالْمَكِيلُ وَالْمَوْزُونُ أَوْصَافُهُمَا أَثْمَانٌ؛ أَمَّا الثَّوْبُ فَلَيْسَ بِثَمَنٍ أَصْلًا وَلِهَذَا لَا يَجِبُ بِمُطْلَقِ عَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ وَمَا يَكُونُ ثَمَنًا صَلَحَ مُقَدِّرًا لِلدَّرَاهِمِ فَصَارَ مُسْتَثْنًى مِنَ الدَّرَاهِمِ، وَمَا لَا يَكُونُ ثَمَنًا لَا يَصْلُحُ مُقَدِّرًا فَبَقِيَ الْمُسْتَثْنَى مِنَ الدَّرَاهِمِ مَجْهُولًا فَلَا يَصِحُّ.

(۸۵۶) قَالَ (وَمَنْ أَقَرَّ بِحَقٍّ وَقَالَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مُتَّصِلًا) بِإِقْرَارِهِ (لَا يَلْزَمُهُ الْإِقْرَارُ)

ہوگئی اس لئے استثناء درست ہوگا، اور ایک کپڑے کی جتنی قیمت ہوگی ایک سو درہم میں سے اتنی کم ہو جائے گی، اور جو باقی بچے گا مقر پر وہ لازم ہوگی

ترجمہ: ۵ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ پہلی صورت میں ثمنیت کے اعتبار سے مجانست ثابت ہے۔ دینار میں سب کو معلوم ہے کہ اس میں ثمنیت ہے، اور کیلی اور وزنی چیز کی پوری صفت بیان کر دی جائے تو وہ بھی قیمت بنتی ہے۔ اور کپڑا تو کسی اعتبار سے ثمن نہیں ہے یہی وجہ ہے کوئی مطلق خرید و فروخت کرے تو اس سے کپڑا لازم نہیں ہوتا، پس جو چیز ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہو درہم میں اس کا اندازہ ہو سکتا ہے، اور درہم سے اتنا کم کیا جا سکتا ہے، اور جو چیز ثمن بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی تو درہم میں کتنا کم ہوگا اس کا اندازہ نہیں ہوتا، اس لئے درہم سے استثناء مجہول ہوا اس لئے استثناء بھی درست نہیں ہوگا

لغت: ثمنیت: جو چیز قیمت بننے کی صلاحیت رکھتی ہو، جیسے درہم، دینار، پوری صفت بیان کر دی جائے تو ایک کلو گیہوں بھی قیمت بنتی ہے، ان چیزوں کو ثمنیت کہتے ہیں، کپڑا ثمن نہیں ہے، کیونکہ یہ نہ کیلی ہے، اور نہ وزنی ہے، نہ عام خرید و فروخت میں اس کو ثمن اور قیمت بناتے ہیں

تشریح: امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ متن میں جو دو صورتیں ہیں وہاں قیمت کے اعتبار سے درہم کے ساتھ مجانست ہے، اس لئے اس سے استثناء درست ہے، وہاں دینار سے استثناء کیا گیا ہے، اور سبھی کو معلوم ہے کہ دینار تو ثمن ہے ہی، اسی سے چیزوں کی قمت لگائی جاتی ہے۔ اور کیلی اور وزنی چیز یعنی ایک کلو گیہوں کی پوری صفت بیان کر دی جائے تو یہ بھی قیمت بنتی ہے، اس لئے گیہوں درہم کے جنس میں سے ہے اس لئے ایک کلو گیہوں سے استثناء کرنا درست ہے لیکن کپڑا ثمن بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے وہ درہم کی جنس نہیں ہے، اس لئے سو درہم سے ایک کپڑے کا استثناء درست نہیں ہے۔

وجہ: دوسری دلیل یہ ہے کہ جو چیز ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہو اس میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ درہم میں اس کی قیمت کیا ہے، اب اتنی قیمت درہم سے کم کر دی جائے، اور استثناء صحیح ہو جائے، اور جو چیز ثمن بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی اس کی قیمت میں بہت فرق ہوتا ہے، مثلا کپڑا بہت قسم کے ہوتے ہیں، اور اس کی قیمت میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے، تو درہم میں سے کس کپڑے کی قیمت کم کی جائے، اعلی کی یا ادنی کی یہ معلوم نہیں ہوگا، اور جھگڑا ہو جائے گا، اس جہالت کی وجہ سے استثناء درست نہیں ہوگا

ترجمہ: (۸۵۶) کسی نے اقرار کیا کسی حق کا پس ان شاء اللہ اپنے اقرار کے ساتھ متصل کہا تو اس کو اقرار لازم نہیں ہوگا۔

تشریح: کسی نے کسی کے حق کا اقرار کیا اور اقرار کے ساتھ ہی متصلا ان شاء اللہ کہا تو اقرار باطل ہو جائے گا۔ مقر پر کچھ

ا لِأَنَّ الِاسْتِثْنَاءَ بِمَشِيئَةِ اللَّهِ إمَّا إبْطَالٌ أَوْ تَعْلِيقٌ؛ فَإِنْ كَانَ الْأَوَّلَ فَقَدْ بَطَلَ، وَإِنْ كَانَ الثَّانِيَ فَكَذَلِكَ، إمَّا لِأَنَّ الْإِقْرَارَ يَحْتَمِلُ التَّعْلِيقَ بِالشَّرْطِ، أَوْ لِأَنَّهُ شَرْطٌ لا يُوقَفُ عَلَيْهِ كَمَا ذَكَرْنَا فِي الطَّلَاقِ، ٢ بِخِلَافِ مَا إذَا قَالَ لِفُلَانٍ عَلَيَّ مِائَةُ دِرْهَمٍ إذَا مِتُّ أَوْ إذَا جَاءَ رَأْسُ الشَّهْرِ أَوْ إذَا أَفْطَرَ النَّاسُ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى بَيَانِ الْمُدَّةِ فَيَكُونُ تَأْجِيلًا لا تَعْلِيقًا، حَتَّى لَوْ كَذَّبَهُ الْمُقَرُّ لَهُ فِي الْأَجَلِ يَكُونُ الْمَالُ حَالًّا .

بھی لازم نہیں ہوگا۔

وجه: (۱) اپنے اقرار کو اللہ کے چاہنے پر متعلق کیا اور اللہ کا چاہنا معلوم نہیں ہے اور نہ معلوم ہوسکتا ہے کہ اللہ کیا چاہتے ہیں۔اس لئے اقرار باطل ہوجائے گا (۲) حدیث میں ہے کہ ان شاء اللہ کے ساتھ کسی نذر، طلاق، قسم وغیرہ کو معلق کرے تو وہ واقع نہیں ہوں گے اور نہ قسم واقع ہوگی۔حدیث میں ہے عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال من حلف علی یمین فقال ان شاء الله فلا حنث علیه (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاستثناء فی الیمین ص۲۸۰ ،نمبر۱۵۳۱) اس حدیث میں ہے کہ قسم کے ساتھ ان شاء اللہ کہہ دے تو حانث نہیں ہوگا یعنی قسم منعقد نہیں ہوگی

ترجمه: ا اس لئے کہ اللہ کی چاہت سے استثناء کرنا یا تو اپنے اقرار کو باطل کرنا ہے، یا اللہ کی چاہت پر معلق کرنا ہے، اگر اقرار کو باطل کرنا ہے تو باطل ہوگیا، اور اگر معلق کرنا ہے تب بھی باطل ہی ہوگا، اس لئے کہ اقرار شرط پر معلق نہیں ہوتا، یا اس وجہ سے بھی باطل ہوگا کہ شرط یعنی اللہ کی چاہت پر واقف ہونا ناممکن ہے، جیسا کہ میں نے کتاب الطلاق میں بیان کیا ہے

تشریح: انشاء اللہ سے اقرار باطل ہوجائے گا اس کی یہ دلیل عقلی ہے۔اللہ کی چاہت سے استثناء کرنے سے اس طرح اقرار باطل ہوجائے گا، کہ اگر باطل کرنا مقصود ہے تو باطل ہوگیا، اور شرط پر معلق کرنا مقصود ہے، تو یاد رہے کہ اقرار کسی شرط پر معلق نہیں ہوتا، اور یہاں اللہ کی مشیت پر معلق کردیا اس لئے اقرار باطل ہوجائے گا۔دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی چاہت کسی کو بھی معلوم نہیں ہے اس لئے اقرار باطل ہوجائے گا، اور اقرار سے کچھ لازم نہیں ہوگا

ترجمه: ٢ بخلاف اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر ایک سو درہم ہیں جب میں مرجاوں، یا مہینے کا پہلا دن آئے، یا لوگ افطار کریں، یعنی عید کا دن آئے، تو یہ مدت کا بیان کرنا ہے اور یہ تاخیر کرنا ہوا معلق کرنا نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ اگر مقرلہ مدت کو جھٹلا دے تو مال فوراً لازم ہوجائے گا

تشریح: اگر کہا کہ مجھ پر ایک سو درہم ہیں جب میں مرجاؤں، یا جب پہلی تاریخ آئے، یا جب عید آجائے تو ان صورتوں میں اقرار کو تاریخ پر موخر کرنا ہے معلق کرنا نہیں ہے اس لئے یہ اقرار جائز ہے، یہی وجہ ہے کہ مقرلہ ان تاریخوں کو جھوٹا ثابت کر دے تو ابھی فوراً مال لازم ہوجائے گا

(٨٥٧)قَالَ (وَمَنْ أَقَرَّ بِدَارٍ وَاسْتَثْنَى بِنَائَهَا لِنَفْسِهِ فَلِلْمُقَرِّ لَهُ الدَّارُ وَالْبِنَاءُ) ۱؎ لِأَنَّ الْبِنَاءَ دَاخِلٌ فِي هَذَا الْإِقْرَارِ مَعْنًى لَا لَفْظًا، وَالِاسْتِثْنَاءُ تَصَرُّفٌ فِي الْمَلْفُوظِ، ۲؎ وَالْفَصُّ فِي الْخَاتَمِ وَالنَّخْلَةُ فِي الْبُسْتَانِ نَظِيرُ الْبِنَاءِ فِي الدَّارِ لِأَنَّهُ يَدْخُلُ فِيهِ تَبَعًا لَا لَفْظًا، ۳؎ بِخِلَافِ مَا إذَا قَالَ إلَّا ثُلُثَهَا أَوْ إلَّا بَيْتًا مِنْهَا لِأَنَّهُ دَاخِلٌ فِيهِ لَفْظًا

ترجمہ:(٨٥٧) کسی نے گھر کا اقرار کیا اور اس کی عمارت کا اپنے لئے استثناء کیا تو مقرلہ کے لئے گھر اور عمارت سب ہوں گے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس چیز پر اصلی بنیا ہے اسی کا انکار کر دیا تو استثناء بے کار ہو جائے اور اقرار کی ہوئی چیز لازم ہو جائے گی

تشریح: یوں اقرار کرتا ہے کہ گھر عمر کے لئے ہے اور اس کی عمارت میرے لئے ہے تو گھر اور عمارت سب مقرلہ یعنی جس کے لئے اقرار کیا ہے اس کے لئے ہوگا۔

وجہ: بنیاد ہی کا نام دار ہے، اب دار کا اقرار کیا پھر بنیاد کا استثناء کر کے دار ہی کا انکار کر دیا تو استثناء باطل ہو جائے گا اور مقر پر پورا دار لازم ہو جائے گا

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ بنیا داس اقرار میں معنی داخل ہے، لفظا داخل نہیں ہے، اور استثناء سے لفظ میں تصرف ہوتا ہے (اور یہاں لفظ میں تصرف نہیں ہوا اس لئے استثناء صحیح نہیں ہوا، اور پورا اقرار لازم ہو گیا)

تشریح: عبارت پیچیدہ ہے، فرماتے ہیں کہ، دیوار معنی کے اعتبار سے دار میں داخل ہے، لفظ کے اعتبار سے داخل نہیں ہے، اور استثناء لفظ میں ہوتا ہے بناء کا لفظ اقرار میں تھا ہی نہیں اس لئے استثناء نہیں ہوا اور مقر پر پورا اقرار لازم ہو گیا

ترجمہ: ۲؎ یہی حال ہے کہ پورا اقرار لازم ہوگا اگر انگوٹھی سے نگینے کا استثناء کیا، یا باغ سے کھجور کے درخت کا استثناء کیا اس لئے کہ نگینہ، اور کھجور کا درخت تبعا داخل ہیں

تشریح: یہاں نگینہ انگوٹھی کی بنیادی چیز ہے، اسی طرح کھجور کے درخت باغ کی بنیادی چیز ہے، اس لئے انگوٹھی کا اقرار کیا اور اس سے نگینے کا استثناء کیا تو نگینہ بھی دینا پڑے گا، اسی طرح باغ کا اقرار کیا اور اس سے کھجور کے درخت کا استثناء کیا تو کھجور کے درخت بھی لازم ہوں گے، کیونکہ یہ دونوں بنیاد میں داخل ہیں

ترجمہ: ۳؎ بخلاف اگر کہا کہ تمہارے لئے پورا گھر ہے لیکن اس کی تہائی، یا ایک کمرہ تو اقرار صحیح ہے، اس لئے کہ یہ لفظ میں داخل ہیں

تشریح: اقرار کیا کہ یہ گھر فلاں کا ہے مگر ایک تہائی نہیں تو یہ اقرار درست ہے، اور مقر کے لئے ایک تہائی نہیں ہوگا، کیونکہ یہاں کل گھر کا استثناء نہیں کیا بلکہ اس میں سے صرف تہائی کا استثناء کیا ہے اس لئے ایک تہائی کم لازم ہوگا۔ اسی طرح اقرار کیا کہ یہ گھر فلاں کا ہے مگر ایک کمرہ تو دار میں کئی کمرے ہوتے ہیں ان میں سے ایک کمرے کا استثناء کل کا استثناء نہیں ہے اس لئے استثنا درست ہے

(۸۵۸)(وَلَوْ قَالَ بِنَاءُ هَذَا الدَّارِ لِي وَالْعَرْصَةُ لِفُلَانٍ فَهُوَ كَمَا قَالَ) ۱؎ لِأَنَّ الْعَرْصَةَ عِبَارَةٌ عَنْ الْبُقْعَةِ دُونَ الْبِنَاءِ، فَكَأَنَّهُ قَالَ بَيَاضُ هَذِهِ الْأَرْضِ دُونَ الْبِنَاءِ لِفُلَانٍ، ۲؎ بِخِلَافِ مَا إذَا قَالَ مَكَانُ الْعَرْصَةِ أَرْضًا حَيْثُ يَكُونُ الْبِنَاءُ لِلْمُقَرِّ لَهُ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ بِالْأَرْضِ إقْرَارٌ بِالْبِنَاءِ كَالْإِقْرَارِ بِالدَّارِ.
(۸۵۹)(وَلَوْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ اشْتَرَيْته مِنْهُ وَلَمْ أَقْبِضْهُ، فَإِنْ ذَكَرَ عَبْدًا بِعَيْنِهِ

ترجمہ:(۸۵۸)اگر کہا اس گھر کی عمارت میرے لئے اور صحن فلاں کے لئے تو یہ اس کے قول کے مطابق ہوگا۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے صحن کا مطلب ہے کہ عمارت کے علاوہ جو زمین ہے وہ فلاں کی ہے، تو گویا کہ یہ کہا کہ اس زمین کا خالی حصہ فلاں کے لئے ہے، عمارت نہیں (تو خالی حصہ فلاں کے لئے ہوگا، اور عمارت مقر کے لئے باقی رہے گی)

اصول: بنیادی چیز کے علاوہ کا استثناء کرے تو استثناء جائز ہے۔

تشریح: یوں کہا کہ گھر کی عمارت میرے لئے اور صحن فلاں کے لئے ہے تو گھر کی عمارت مقر کے لئے اور صحن مقرلہ کے لئے ہوگا۔

وجہ: یہاں کل کا استثناء کل سے نہیں ہے، کیونکہ صحن عمارت سے بالکل الگ اور باہر کی چیز ہے اس لئے اس کا استثناء کر سکتا ہے

ترجمہ: ۲؎ بخلاف اگر عرصہ (صحن) کے بجائے فلاں کے لئے ارض (زمین) ہے تو عمارت بھی مقرلہ کے لئے ہو جائے گی اس لئے زمین کے اقرار میں عمارت بھی شامل ہے، تو دار کے اقرار کی طرح ہو گیا

تشریح: عرصہ کا ترجمہ تھا عمارت سے باہر کا صحن، اور ارض میں عمارت کی زمین بھی شامل ہے، اس لئے اگر یوں کہا کہ یہ عمارت میرے لئے اور زمین فلاں کے لئے تو زمین کے اقرار میں عمارت کی زمین بھی آ گئی اس لئے فلاں کے لئے عمارت بھی ہو جائے گی اور خالی زمین بھی ہو جائے گی۔ جیسے کہے کہ دار میرے لئے اور زمین فلاں کے لئے تو دار اور زمین دونوں ہی فلاں کے لئے ہو جائیں گی، کیونکہ زمین میں دار کی زمین بھی آ جاتی ہے، اس لئے گویا کہ فلاں کے لئے دونوں چیزوں کا اقرار کیا ہے

ترجمہ:(۸۵۹)اگر کہا فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں غلام کی قیمت کے بدلے جس کو میں نے اس سے خریدا ہے اور اس کو قبضہ نہیں کیا ہے۔ پس اگر متعین غلام کا ذکر کیا تو مقرلہ سے کہا جائے گا اگر چاہو تو غلام سپرد کرو اور ہزار لو ورنہ تو تمہارا اس پر کچھ نہیں ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ اقرار کسی شرط کے ساتھ ہے تو شرط پوری کرنے پر اقرار کا اجراء ہوگا۔

تشریح: مثلا زید کہتا ہے کہ عمر کے مجھ پر ہزار درہم ہیں لیکن وہ متعین غلام کی وجہ سے ہے جس کو میں نے عمر سے خریدا تھا اور ابھی تک میں نے غلام پر قبضہ نہیں کیا ہے۔ اس صورت میں عمر مقرلہ سے کہا جائے گا کہ غلام زید کو دو تو ہزار درہم ملیں گے اور اگر غلام نہیں دو گے تو ہزار درہم نہیں ملیں گے۔

وجہ: ہزار درہم کا اقرار ہے لیکن غلام کی قیمت کی وجہ سے ہے اور غلام پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اس لئے غلام دے گا تو ہزار ملیں گے۔

نوٹ: غلام متعین ہے اس لئے متعین غلام کی بیع ہوئی۔ اس لئے یوں نہیں کہا جائے گا کہ پہلے اقرار کر کے اس سے رجوع کر رہا ہے۔

قِيلَ لِلْمُقَرِّ لَهُ إِنْ شِئْتَ فَسَلِّمِ الْعَبْدَ وَخُذِ الْأَلْفَ وَإِلَّا فَلَا شَيْءَ لَكَ) ١ قَالَ: وَهَذَا عَلَى وُجُوهٍ: أَحَدُهَا هَذَا وَهُوَ أَنْ يُصَدِّقَهُ وَيُسَلِّمَ الْعَبْدَ، وَجَوَابُهُ مَا ذَكَرْنَا، لِأَنَّ الثَّابِتَ بِتَصَادُقِهِمَا كَالثَّابِتِ مُعَايَنَةً. ٢ وَالثَّانِي أَنْ يَقُولَ الْمُقَرُّ لَهُ: الْعَبْدُ عَبْدُكَ مَا بِعْتُكَهُ وَإِنَّمَا بِعْتُكَ عَبْدًا غَيْرَ هَذَا وَفِيهِ الْمَالُ لَازِمٌ عَلَى الْمُقِرِّ لِإِقْرَارِهِ بِهِ عِنْدَ سَلَامَةِ الْعَبْدِ لَهُ وَقَدْ سَلَّمَ فَلَا يُبَالَى بِاخْتِلَافِ السَّبَبِ بَعْدَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ. ٣ وَالثَّالِثُ أَنْ يَقُولَ الْعَبْدُ عَبْدِي مَا بِعْتُكَ. وَحُكْمُهُ أَنْ لَا يَلْزَمَ الْمُقِرَّ شَيْءٌ لِأَنَّهُ مَا أَقَرَّ بِالْمَالِ إِلَّا عِوَضًا عَنِ الْعَبْدِ فَلَا يَلْزَمُهُ دُونَهُ، ٤ وَلَوْ قَالَ مَعَ ذَلِكَ إِنَّمَا بِعْتُكَ غَيْرَهُ

ترجمہ :١ اس مسئلے کی کئی صورتیں ہیں۔ایک صورت تو یہی ہے کہ (مقر متعین غلام خریدنے کا دعوی کرے) اور مقرلہ اس کی تصدیق کردے،اور مقرلہ غلام بھی مقر کو سپرد کردے تو اس کا جواب میں نے ذکر کردیا ہے (یعنی مقرلہ متعین غلام سپرد کرے گا تو مقر پر ایک ہزار لازم ہوگا ورنہ نہیں) اس لئے کہ دونوں نے ایک دوسرے کی تصدیق کی ہے،اور یہ ایسا ہو گیا کہ معاینۃ ثابت ہو گیا

تشریح : جب مقرلہ نے بھی مقر کی تصدیق کردی کہ میرا ایک ہزار مقر پر ہے،اور وہ غلام کے بدلے میں ہے،تو یہ غلام کو سپرد کرے گا تو ایک ہزار ملیں گے،اور سپرد نہیں کرے گا تو ایک ہزار نہیں ملے

ترجمہ : ٢ دوسری صورت یہ ہے کہ مقرلہ یوں کہے کہ یہ فلاں غلام تو آپ کا ہی ہے میں نے اس کو ہاتھ میں نہیں بیچا ہے، میں نے دوسرا غلام آپ کے ہاتھ میں بیچا ہے (اور اس غلام کو آپ کے قبضے میں دے بھی دیا ہے)،اس صورت میں مقر پر ایک ہزار لازم ہوگا اس لئے کہ مقر نے ایک ہزار کا اقرار کیا ہے،اور غلام بھی اس کے پاس صحیح سالم پہنچ گیا ہے،اس لئے سبب کوئی بھی ہو (یہ غلام یا دوسرا غلام) مقصد حاصل ہو گیا ہے اس لئے سبب کے اختلاف کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی

تشریح:مقر نے اقرار کیا تھا کہ مجھ پر عمر کا ایک ہزار ہے فلاں متعین غلام کے بدلے میں،عمر نے کہا کہ میں نے یہ غلام نہیں بیچا تھا بلکہ دوسرا غلام آپ کے ہاتھ میں بیچا ہوں،اور وہ غلام آپ کو دے بھی چکا ہوں،تو وہ متعین غلام ہو یا دوسرا غلام ہو مقر کو غلام مل چکا ہے،اس لئے اس کے اقرار کے مطابق اس پر ایک ہزار لازم ہوگا۔

ترجمہ :٣ تیسری صورت یہ ہے کہ مقرلہ کہے کہ یہ متعین غلام تو میرا ہے،میں نے اس کو آپ کے ہاتھ میں نہیں بیچا ہوں،تو اس صورت کا حکم یہ ہے کہ مقر پر کچھ لازم نہیں ہوگا،اس لئے کہ غلام کے بدلے میں ایک ہزار کا اقرار کیا ہے،اس لئے غلام دئے بغیر مقر پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا

تشریح: واضح

ترجمہ :٤ چوتھی صورت یہ ہے۔۔اور اگر مقرلہ نے اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ غلام تو آپ کے ہاتھ میں نہیں بیچا ہوں دوسرا غلام بیچا ہوں،تو مقر اور مقرلہ دونوں قسمیں کھائیں گے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مقر اس متعین غلام کے لینے کا دعوی کررہا ہے،اور مقرلہ اس کا انکار کررہا ہے (اس لئے مقر کے پاس گواہ نہ ہو تو مقرلہ منکر پر قسم لازم ہوگی)۔اور مقرلہ مقر پر ایک ہزار کا دعوی کررہا ہے

يَتَحالَفَانِ لِأَنَّ الْمُقِرَّ يَدَّعِي تَسْلِيمَ مَنْ عَيَّنَهُ وَالْآخَرَ يُنْكِرُ وَالْمُقَرَّ لَهُ يَدَّعِي عَلَيْهِ الْأَلْفَ بِبَيْعِ غَيْرِهِ وَالْآخَرَ يُنْكِرُهُ، وَإِذَا تَحَالَفَا بَطَلَ الْمَالُ، ٥ هَذَا إِذَا ذَكَرَ عَبْدًا بِعَيْنِهِ (وَإِنْ قَالَ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ وَلَمْ يُعَيِّنْهُ لَزِمَهُ الْأَلْفُ وَلَا يُصَدَّقُ فِي قَوْلِهِ مَا قَبَضْتُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَصَلَ أَمْ فَصَلَ) لِأَنَّهُ رُجُوعٌ فَإِنَّهُ أَقَرَّ بِوُجُوبِ الْمَالِ رُجُوعًا إِلَى كَلِمَةِ عَلَيَّ، وَإِنْكَارُهُ الْقَبْضَ فِي غَيْرِ الْمُعَيَّنِ يُنَافِي الْوُجُوبَ أَصْلًا لِأَنَّ الْجَهَالَةَ مُقَارِنَةً كَانَتْ أَوْ طَارِئَةً ٦ بِأَنِ اشْتَرَى عَبْدًا ثُمَّ نَسِيَاهُ عِنْدَ الِاخْتِلَاطِ بِأَمْثَالِهِ تُوجِبُ هَلَاكَ الْمَبِيعِ فَيَمْتَنِعُ وُجُوبُ نَقْدِ الثَّمَنِ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ كَانَ رُجُوعًا فَلَا يَصِحُّ وَإِنْ

دوسرے غلام کے بیچنے پر، اور مقراس غلام کا انکار کر رہا ہے (اس لئے مقرلہ کے پاس گواہ نہ ہو تو مقر منکر پر قسم لازم ہوگی) اس لئے دونوں قسمیں کھائیں گے، اور جب دونوں قسمیں کھالیں گے تو نہ مقر پر ہزار لازم ہوگا، اور نہ مقرلہ پر غلام لازم ہوگا

تشریح: اس چوتھی صورت میں یہ ہے کہ۔ مقر کہتا ہے کہ مجھ پر ایک ہزار تو ہے لیکن فلاں متعین غلام کے بدلے میں، لیکن مقرلہ اس کا انکار کرتا ہے اس لئے وہ منکر ہوا اس لئے مقر کے پاس گواہ نہ ہو تو مقرلہ کو قسم کھانی پڑے گی۔ اور مقرلہ یہ کہتا ہے میرا ایک ہزار ہے اس دوسرے غلام کے بدلے میں ہے اور مقراس کا انکار کرتا ہے اس لئے یہ بھی منکر ہے، اس لئے مقرلہ کے پاس گواہ نہ ہو تو مقر پر قسم ہے، اس لئے اس صورت میں دونوں مدعی ہیں، اور دونوں منکر ہیں، اس لئے دونوں پر قسم ہے، اور دونوں قسم کھالیں تو مقر پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا، اور مقرلہ پر غلام سپرد کرنا بھی لازم نہیں ہوگا

ترجمہ: ٥ پانچویں صورت۔ اوپر کی چار صورتیں اس وقت ہیں جبکہ غلام متعین ہو۔ اور اگر یوں کہا کہ مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں کسی غیر متعین غلام کی قیمت تو مقر پر ایک ہزار لازم ہو جائے گا اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، مقر کی یہ بات کہ میں نے غلام پر قبضہ نہیں کیا کی تصدیق نہیں کی جائے گی، چاہے متصلا کہے یا منفصلا کہے، اس لئے کہ مقراب اپنی بات سے رجوع کر رہا ہے، اس لئے کہ لفظ علی، کے ذریعہ اپنے اوپر مال کے واجب ہونے کا اقرار کیا، اور غیر معین غلام پر قبضے کا انکار کر کے (اقرار سے رجوع کر رہا ہے) کیونکہ مبیع کی جہالت پہلے ہوئی ہو یا طاری ہوئی ہو (دونوں صورتوں میں اقرار سے رجوع ہے)

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مقر نے اقرار کیا ہو پھر اس سے مکمل رجوع کر جائے تو اس کا رجوع نہیں مانا جائے گا، اور اقرار کی ہوئی چیز لازم ہو جائے گی

تشریح: یہ پانچویں صورت ہے۔ یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مقر نے علی الف درہم، کہہ کر کے اپنے اوپر ہزار درہم کا اقرار کیا ہے، پھر غیر متعین غلام پر قبضہ نہ کرنے کا دعوی کر کے اس اقرار سے رجوع کر رہا ہے اس لئے اس کی بات نہیں مانی جائے گا، اور اقرار کی بنیاد پر ایک ہزار لازم ہو جائے گا، چاہے متصلا کہے، یا منفصلا کہے

ترجمہ: ٦ غیر معین غلام پر قبضہ نہ کرنے سے قیمت واجب نہیں ہوتی چاہے جہالت بعد میں آئی ہو اس کی مثال یہ ہے کہ ایک غلام خریدا پھر دوسرے غلاموں میں گھل مل جانے کی وجہ سے کون سا غلام تھا وہ بھول گیا، تو اس سے مبیع ہلاک ہو جاتی

كَانَ مَوْصُولًا. ﮯ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: إِنْ وَصَلَ صُدِّقَ وَلَمْ يَلْزَمْهُ شَيْءٌ، وَإِنْ فَصَلَ لَمْ يُصَدَّقْ إِذَا أَنْكَرَ الْمُقَرُّ لَهُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ، ٨ وَإِنْ أَقَرَّ أَنَّهُ بَاعَهُ مَتَاعًا فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُقِرِّ. وَوَجْهُ ذَلِكَ أَنَّهُ أَقَرَّ بِوُجُوبِ الْمَالِ عَلَيْهِ وَبَيَّنَ سَبَبًا وَهُوَ الْبَيْعُ، فَإِنْ وَافَقَهُ الطَّالِبُ فِي السَّبَبِ وَبِهِ لَا يَتَأَكَّدُ الْوُجُوبُ إِلَّا بِالْقَبْضِ، وَالْمُقِرُّ يُنْكِرُهُ فَيَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَهُ،

ہے، اور قیمت دینا واجب نہیں رہتا، اور جب مقرا قرار کر رہا ہے کہ مجھ پر قیمت دینا واجب نہیں ہے تو یہ اپنے اقرار سے مکر جانا ہے، چاہے متصلا ہی بولا ہو

تشریح: یہاں بھی عبارت پیچیدہ ہے۔ طاری جہالت اور بعد میں جہالت مبیع کی ایک صورت بتا رہے ہیں جس کی وجہ سے مشتری پر قیمت دینا واجب نہیں رہتی۔ ایک غلام خریدا، ابھی اس پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ وہ دوسرے غلاموں میں گھل مل گیا جس کی وجہ سے پتہ ہی نہیں چلا کہ کون سا غلام خریدا تھا۔ اگر ایسا ہوا تو یوں سمجھو کہ مبیع قبضہ سے پہلے ہلاک ہوگئی، اور اب مشتری پر قیمت دینا واجب نہیں رہی۔ اوپر کے مسئلے میں اسی قسم کا دعوی کر رہا ہے کہ میں نے غیر متعین غلام پر قبضہ نہیں کیا ہے اس لئے مجھ پر ہزار واجب نہیں ہے، اور وہ اب اپنے اقرار سے رجوع کر رہا ہے اس لئے اس کی بات نہیں مانی جائے گی اور ہزار لازم ہوگا

ترجمہ: ﮯ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر مقر نے متصلا کہا (کہ یہ غیر متعین غلام کی قیمت ہے جس پر میں نے قبضہ نہیں کیا ہے) تو مقر پر کچھ لازم نہیں ہوگا، اور اگر انفصال کے ساتھ کہا تو مقر کی تصدیق نہیں کی جائے گی اگر مقر لہ اس بات کا انکار کرے کہ یہ ہزار کسی غلام کی قیمت تھی

تشریح: صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر مقر نے متصلا یہ کہا کہ میں نے غیر متعین غلام پر قبضہ نہیں کیا ہے تو اس کی بات مانی جائے گی، اور اس پر ہزار لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر جملہ پورا ہونے کے بعد تھوڑی دیر کے بعد یہ بات کہی، اور مقر لہ کہتا ہے کہ میں نے مقر کے ہاتھ میں کوئی غلام نہیں بیچا ہوں تو اب مقر کی بات نہیں مانی جائے گی، اور اس پر ایک ہزار لازم ہو جائے گا

ترجمہ: ٨ چھٹی صورت۔ اگر مقر لہ نے یوں اقرار کیا میں نے مقر کے ہاتھ میں کوئی سامان بیچا ہے، (اور قبضہ بھی دے دیا ہوں) تو اس صورت میں مقر کی بات مانی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ، مقر نے اپنے اوپر ہزار کے واجب ہونے کا اقرار کیا ہے، اور اس نے سبب بیان کیا بیع، اب مقر لہ نے بیچنے والے سبب میں اتفاق کیا، لیکن اس ہزار کا وجوب قبضے کے بغیر نہیں ہوتا، اور مقر قبضے کا انکار کرتا ہے، اس لئے مقر کی بات مانی جائے گی

تشریح: یہ چھٹی صورت ہے۔ یہاں بھی عبارت پیچیدہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مقر نے اقرار کیا کہ مجھ پر مقر لہ عمر کا ہزار ہے اس بنیاد پر کہ عمر نے میرے ہاتھ میں سامان بیچا ہے، اور میں نے سامان پر قبضہ نہیں کیا ہے۔ اب مقر لہ عمر کہتا ہے کہ میں نے سامان بیچا ہے، اور یہاں تک مقر کے ساتھ اتفاق کرتا ہے، لیکن اس سامان پر قبضہ دے چکا ہوں، اور مقر اس کا انکار کرتا ہے، تو مقر منکر ہوا اس لئے اس کی بات مانی جائے گی، اور اس پر ہزار لازم نہیں ہوگا، اس لئے کہ قبضے کے بغیر ہزار لازم نہیں ہوتا۔

۹ وَإِنْ كَـذَّبَـهُ فِي السَّبَبِ كَانَ هَذَا مِنَ الْمُقِرِّ بَيَانًا مُغَيِّرًا لِأَنَّ صَدْرَ كَلَامِهِ لِلْوُجُوبِ مُطْلَقًا وَآخِرُهُ يَـحْتَـمِلُ انْتِفَائَهُ عَلَى اعْتِبَارِ عَدَمِ الْقَبْضِ وَالْمُغَيِّرُ يَصِحُّ مَوْصُولًا لَا مَفْصُولًا . ١٠ (وَلَوْ قَالَ ابْتَعْتُ مِـنْـهُ عَيْـنًـا إِلَّا أَنِّـي لَـمْ أَقْبِضْهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ) بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ ضَرُورَةِ الْبَيْعِ الْقَبْضُ، بِخِلَافِ

ترجمہ :۹ اوراگر مقرلہ سبب یعنی بیچنے ہی کی تکذیب کردے،تو اس صورت میں مقر کے بیان کو بالکل بدل رہا ہے،اس لئے کہ مقر کا شروع کلام مطلقا وجوب کے لئے ہے،اور آخری کلام کہ میں نے مبیع پر قبضہ نہیں کیا ہے یہ ہزار کے وجوب کی نفی کر رہا ہے،اور کلام کو بدلنا ہو تو متصلا تو صحیح ہے،منفصلا صحیح نہیں ہے۔

تشریح : یہاں مصنفؒ ایک باریک فرق بیان کرر ہے ہیں۔ایک صورت یہ ہے کہ مقرلہ کہے کہ میں نے مقر کے ہاتھ چیز بیچی ہے،لیکن قبضہ بھی دے دیا ہوں ،اور مقر قبضہ کرنے کا انکار کرے تو مقر منکر ہے،اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ مقرلہ کہے کہ میں نے مقر کے ہاتھ میں کچھ بیچا ہی نہیں ہے،تو اس صورت جب مقر یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے مبیع پر قبضہ نہیں کیا ہے تو اس صورت میں مقر منکر نہیں ہے، بلکہ اپنے اقرار کو بدل رہا ہے،اور قاعدہ یہ ہے کہ اپنی بات بدل رہا ہوں تو متصلا کہے گا تو بات مانی جائے گی ،اور منفصلا کہے گا تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

ترجمہ : ١٠ یہ ساتویں صورت ہے۔اور اگر کہا کہ میں نے فلاں متعین چیز خریدی ہے لیکن اس پر قبضہ نہیں کیا ہے تو بالاجماع مقر کی بات مانی جائے گی،اس لئے کہ قبضہ کرنا بیع کے لوازمات میں سے ہے(اور قبضہ کیا نہیں تو قیمت بھی اس پر لازم نہیں ہوگی)۔بخلاف ثمن کے واجب ہونے کے اقرار کے(کہ وہاں کئی صورتیں بن جاتی ہیں)

تشریح : یہ ساتویں صورت ہے۔اس صورت میں اپنے اوپر ہزار کے ہونے کا اقرار نہیں کرتا ہے، بلکہ خریدنے کی صورت ہے اور یوں کہتا ہے کہ میں نے فلاں متعین چیز خریدی تھی لیکن اس پر قبضہ نہیں کیا ہوں ، اس لئے میرے اوپر اس کی قیمت واجب نہیں ہے،تو اس صورت میں بالاتفاق مشتری کی بات مانی جائے گی

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ ثمن کی ادائگی قبضے کے بعد واجب ہوتی ہے،اور قبضہ کیا نہیں ہے،اس لئے ثمن کی ادائگی واجب نہیں ہے۔اور اوپر کی شکل میں باضابطہ علی، کے ذریعہ سے اقرار کی شکل تھی،اس لئے چھ صورتیں بن گئی تھیں

ترجمہ :(۸۶۰)اور اگر کہا فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں شراب کی قیمت یا سور کی قیمت تو اس کو ہزار لازم ہوں گے اور مقر کی تفسیر قبول نہیں کی جائے گی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ جہاں بیع نہیں ہوسکتی وہاں کہنا کہ مبیع کی قیمت ہے اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے۔اس لئے اول اقرار لازم ہوگا۔

اصول: دوسرا اصول یہ ہے کہ اقرار کے بعد اپنی بات سے رجوع کرے تو اس کو رجوع نہیں کرنے دیا جائے گا،

وجہ : ایک مسلمان شراب یا سور نہیں بیچتا اور نہ خریدتا ہے۔اس لئے شراب اور سور کی بیع ہی نہیں ہوتی اس لئے یہ کہنا کہ

الْإِقْرَارِ بِوُجُوبِ الثَّمَنِ .

(۸۶۰)قَالَ (وَكَذَا لَوْ قَالَ مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ) ١ وَمَعْنَى الْمَسْأَلَةِ إذَا قَالَ لِفُلَانٍ عَلَيَّ أَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ (لَزِمَهُ الْأَلْفُ وَلَمْ يُقْبَلْ تَفْسِيرُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَصَلَ أَمْ فَصَلَ) لِأَنَّهُ رُجُوعٌ لِأَنَّ ثَمَنَ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ لَا يَكُونُ وَاجِبًا وَأَوَّلُ كَلَامِهِ لِلْوُجُوبِ ٢ (وَقَالَا: إذَا وَصَلَ لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ) لِأَنَّهُ بَيَّنَ بِآخِرِ كَلَامِهِ أَنَّهُ مَا أَرَادَ بِهِ الْإِيجَابَ وَصَارَ كَمَا إذَا قَالَ فِي آخِرِهِ إنْ شَاءَ اللَّهُ. ٣ قُلْنَا: ذٰلِكَ تَعْلِيقٌ وَهَذَا إِبْطَال.

شراب اور سور کی قیمت ہے یہ اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ اقرار وجوب کے لئے ہوتا ہے۔اس سے رجوع نہیں کرنے دیا جائے گا۔اس لئے مقر پر ہزار لازم ہوں گے۔

ترجمہ : ١ مسئلے کی صورت یہ ہے کہ فلاں کا میرے اوپر ایک ہزار درہم ہے جو شراب اور سور کی قیمت ہے تو مقر پر ایک ہزار درہم لازم ہو جائے گا،اور اس کی یہ تفسیر کہ یہ شراب اور سور کی قیمت ہے،نہیں سنی جائے گی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، چاہے متصلا کہا ہو یا منفصلا کہا ہو،اس لئے کہ مقر اب اپنے اقرار سے رجوع کر رہا ہے،اس لئے شراب اور سور کی قیمت واجب نہیں ہوتی ہے،اور مقر کا جو پہلا اقرار تھا،علی الف،وہ ایک ہزار واجب ہونے کے لئے تھا

تشریح: واضح ہے

ترجمہ :٢ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر متصلا کہا تو کچھ لازم نہیں ہوگا،اس لئے کہ آخری کلام سے اس نے بیان کر دیا کہ مجھ پر کچھ لازم نہیں ہے،تو ایسا ہو گیا کہ اس نے آخری میں ان شاء اللہ کہہ دیا ہو

تشریح : صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر مقر نے متصلا کہا کہ یہ شراب،یا سور کی قیمت ہے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا،کیونکہ اس نے شراب اور سور کی قیمت کہہ کر یہ وضاحت کر دی کہ مجھ پر کچھ لازم نہیں ہے،جس طرح آخری میں ان شاء اللہ کہنے سے کچھ لازم نہیں ہوتا اسی طرح شراب کی قیمت کہنے سے کچھ لازم نہیں ہوگا

ترجمہ: ٣ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے جواب یہ ہے کہ،کلام کے آخیر میں ان شاء اللہ،کہنا یہ کلام کو معلق کرنا ہے،اور شراب اور سور کی قیمت کہنا یہ اپنے اقرار کو باطل کرنا ہے

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے صاحبینؒ کو جواب ہے،صاحبینؒ نے فرمایا تھا کہ آخیر کلام میں ان شاء اللہ کہنا،اس کو کلام کو معلق کرنا کہتے ہیں،اس کی گنجائش ہے،اور کلام کے آخیر میں یہ کہنا کہ یہ شراب اور سور کی قیمت ہے اس کو اپنے پہلے کلام کو باطل کرنا کہتے ہیں،اور جو مقر اپنے پہلے اقرار کو باطل کرتا ہے اس کی بات نہیں مانی جاتی ہے اور اقرار کی ہوئی چیز لازم ہو جاتی ہے،اس لئے معلق کرنے اور اپنے پہلے کلام کو باطل کرنے میں یہ فرق ہے

(۸۶۱)(وَلَوْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ مِنْ ثَمَنِ مَتَاعٍ أَوْ قَالَ أَقْرَضَنِي أَلْفَ دِرْهَمٍ ثُمَّ قَالَ هِيَ زُيُوفٌ أَوْ نَبَهْرَجَةٌ وَقَالَ الْمُقَرُّ لَهُ جِيَادٌ ١ لَزِمَهُ الْجِيَادُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا: إنْ قَالَ مَوْصُولًا يُصَدَّقُ، وَإِنْ قَالَ مَفْصُولًا لَا يُصَدَّقُ) ٢ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إذَا قَالَ هِيَ سَتُّوقَةٌ أَوْ رَصَاصٌ، وَعَلَى هَذَا إذَا

ترجمہ :(۸۶۱) اگر کہا فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں سامان کی قیمت، یا تم نے مجھ کو قرض دیا ہے پھر کہا یہ کھوٹے درہم تھے، یا نبہرجہ درہم تھے، اور مقر لہ نے کہا کہ نہیں وہ کھرے درہم تھے

ترجمہ :۱ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کھرے درہم لازم ہوں گے ۔اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا اگر یہ متصلا کہا تو تصدیق کی جائے گی اور منفصلا کہا تو تصدیق نہیں کی جائے گی۔

لغت : زیوف: کھوٹا درہم، جس کو بیت المال نہ لیتا ہو، لیکن عام لوگ لے لیتے ہوں۔ نبہرجہ: بے چلن درہم، جس کو عام لوگ بھی نہ لیتے ہوں۔ جیاد: کھرا درہم۔ ستوقۃ: تین پرت والا، اس درہم میں اندر میں تانبا ہوتا تھا، اور اوپر میں چاندی کی پالش ہوتی تھی، جس سے گویا کہ تین پرت ہو گئے۔ رصاص: رنگ چڑھا ہوا درہم۔ وزن خمسۃ: دس درہم کو وزن کریں تو پانچ مثقال ہو، اس کو وزن خمسہ درہم کہتے ہیں

اصول: صاحبین اس اقرار میں، بیان مغیر، ہے بیان مغیر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے جو اقرار کیا آخیر میں اس میں تھوڑی سی تبدیلی کر رہا ہے۔ بیان مغیر متصلا کہے تو اس کو مانا جائے گا، اور منفصلا کہے تو نہیں مانا جائے گا

اصول :امام اعظم۔ رجوع عن الاقرار۔ شروع کلام میں جس چیز کا اقرار کیا، آخیر کلام میں اس سے رجوع کر رہا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ متصلا کہے، یا منفصل مقر کی بات نہیں مانی جائے گی۔ ان دونوں اصولوں پر یہ مسائل متفرع ہیں

تشریح: مثلا زید نے کہا کہ عمر کا مجھ پر ہزار درہم ہیں سامان کی قیمت لیکن وہ ہزار درہم کھوٹے ہیں کھرے نہیں ہیں۔ اور عمر مقر لہ کہتا ہے کہ وہ کھرے ہیں۔ اور عمر کے پاس اس پر کوئی بینہ نہیں ہے۔ پس امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہزار درہم کھرے ہی لازم ہوں گے۔

وجہ :(۱) عموما بیع میں سامان کی قیمت کھرے ہی لازم ہوتے ہیں۔ اس لئے زید کا یہ کہنا کہ وہ کھوٹے تھے اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ اس لئے عمر کے پاس بینہ نہ ہونے کے باوجود کھرے ہی لازم ہوں گے۔ (۲) مقر شروع کلام میں علی کے ذریعہ اقرار کرتا ہے، اور آخیر کلام میں وہ کھوٹے کہہ کر اپنے کلام سے رجوع کر رہا ہے اس لئے اس کی بات نہیں مانی جائے گی، اور ایک ہزار کھرے درہم لازم ہوں گے

اور صاحبین فرماتے ہیں کہ سامان کی قیمت دونوں طرح ہوتی ہیں، کھرے درہم بھی اور کھوٹے درہم بھی۔ اس لئے اول اقرار عام ہے اور کھرے اور کھوٹے دونوں کو شامل ہے۔ اس لئے مقر ایک رخ کھوٹے کو متعین کرتا ہے تو اپنے اقرار سے رجوع نہیں ہے۔ بلکہ اپنی بات کو تھوڑا سا بدلنا ہے، اس لئے اگر متصلا کہتا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی، اور کھوٹا درہم لازم ہوگا، اور منفصلا کہتا ہے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی

ترجمہ :۲ اسی اختلاف پر ہے (امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کھرے درہم، اور صاحبینؒ کے نزدیک کھوٹے درہم لازم ہوں گے) اگر مقر نے کہا کہ وہ درہم ستوقہ تھے، یا رنگ والے تھے، اسی اختلاف پر ہے اگر مقر نے کہا کہ مگر وہ کھوٹے تھے، اسی

قَـالَ إِلَّا إِنَّهَا زُيُوفٌ، وَعَلَى هَذَا إِذَا قَالَ: لِفُلَانٍ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ زُيُوفٍ مِنْ ثَمَنِ مَتَاعٍ . ٣ لَهُمَا أَنَّهُ بَيَـانٌ مُـغَيِّرٌ فَيَصِحُّ بِشَرْطِ الْوَصْلِ كَالشَّرْطِ وَالِاسْتِثْنَاءِ . وَهَـذَا لِأَنَّ اسْمَ الدَّرَاهِمِ يَحْتَمِلُ الزُّيُوفَ بِـحَقِيقَتِهِ وَالسَّتُّوقَةُ بِـمَجَازِهِ، إِلَّا أَنَّ مُطْلَقَهُ يَنْصَرِفُ إِلَى الْجِيَادِ فَكَانَ بَيَانًا مُغَيِّرًا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَصَـارَ كَـمَـا إِذَا قَالَ إِلَّا أَنَّهَا وَزْنُ خَمْسَةٍ . ٤ وَلِأَبِـي حَنِيـفَةَ أَنَّ هَـذَا رُجُوعٌ لِأَنَّ مُطْلَقَ الْعَقْدِ يَقْتَضِي وَصْفَ السَّلَامَةِ عَنْ الْعَيْبِ، وَالزِّيَافَةُ عَيْبٌ وَدَعْوَى الْعَيْبِ رُجُوعٌ عَنْ بَعْضِ مُوجِبِهِ وَصَارَ

اختلاف پر ہے اگر یوں کہا کہ فلاں کا مجھ پر سامان کی قیمت ہے اور کھوٹے درہم ہیں

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ٣ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مقر کا آخری جملہ بیان مغیر ہے اس لئے اتصال کی شرط کے ساتھ صحیح ہوگا، جیسے کوئی شرط لگادے یا ان شاء اللہ کہہ دے تو صحیح ہوتا ہے، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ درہم حقیقت میں کھوٹے درہم کا بھی احتمال رکھتا ہے، اور مجازا ستوقے کا بھی احتمال رکھتا ہے، ہاں مطلق درہم بولا جائے تو کھرا درہم مراد لیا جاتا ہے، اس لئے مقر کا آخری جملہ بیان مغیر ہوگا، اور ایسا ہوگیا کہ مقر کہتا ہوں وزن خمسہ والا درہم مجھ پر لازم تھا

تشریح: صاحبین کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ مقر نے جب کہا کہ یہ کھوٹے درہم تھے تو یہ بیان مغیر ہے اس لئے اتصال کے ساتھ کہا تو اس کی بات مانی جائے گی، جیسے کلام کے آخیر میں شرط لگادے تو بات مانی جاتی ہے، یا ان شاء اللہ کہہ دے تو اس کی بات مانی جاتی ہے

وجہ: اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ درہم کا لفظ عام حالات میں کھرے درہم کو بولتے ہیں، لیکن حقیقت لیا جائے تو کھوٹا درہم بھی درہم ہے، مجاز کے طور پر ستوقہ درہم بھی درہم ہے جس طرح وزن خمسہ درہم درہم ہے، اس لئے کلام کے آخیر میں ان درہموں کا نام لیا تو یہ بیان مغیر ہے جو مانی جائے گی۔

ترجمہ: ٤ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مقر کا یہ کہنا کہ یہ کھوٹے درہم ہیں اپنی بات سے رجوع کرنا ہے اس لئے مطلق اقرار یہ چاہتا ہے کہ کھرے درہم ہوں، اور کھوٹا ہونا عیب ہے، اور عیب کا دعوی بعض موجب سے رجوع کرنا ہے (اس لئے مقر کی بات نہیں مانی جائے گی)

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب مقر نے درہم کا اقرار کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کھرا درہم ہی ہو، لیکن جب اس نے کلام کے آخیر میں کہا کہ یہ کھوٹے ہیں تو گویا کہ اپنی بات سے رجوع کر رہا ہے اس لئے اس کی بات نہیں مانی جائے گی

وجہ: ایک ہے اپنی بات سے رجوع کرنا، اس میں مقر کی بات نہیں مانی جائے گی۔ دوسرا ہے اپنی بات کو تبدیل کرنا، اس میں مقر کی بات مانی جاتی ہے۔ تیسرا ہے ان شاء اللہ کہہ کر اپنی بات کو معلق کرنا، اس میں بھی مقر کی بات مانی جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اوپر کے مسئلے میں مقر اپنی بات کو تبدیل نہیں کر رہا ہے، بلکہ اپنی بات سے رجوع کر رہا ہے اس لئے اس کی بات نہیں مانی جائے گی

كَمَا إِذَا قَالَ بِعْتُكَهُ مَعِيبًا وَقَالَ الْمُشْتَرِي بِعْتَنِيهِ سَلِيمًا فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِي لِمَا بَيَّنَّا، ۵ وَالسُّتُّوقَةُ لَيْسَتْ مِنَ الْأَثْمَانِ وَالْبَيْعُ يُرَدُّ عَلَى الثَّمَنِ فَكَانَ رُجُوعًا. ٦ وَقَوْلُهُ إِلَّا أَنَّهَا وَزْنُ خَمْسَةٍ يَصِحُّ اسْتِثْنَاءً لِأَنَّهُ مِقْدَارٌ بِخِلَافِ الْجَوْدَةِ لِأَنَّ اسْتِثْنَاءَ الْوَصْفِ لَا يَجُوزُ كَاسْتِثْنَاءِ الْبِنَاءِ فِي الدَّارِ، ٧ بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ عَلَيَّ كُرُّ حِنْطَةٍ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ إِلَّا أَنَّهَا رَدِيئَةٌ لِأَنَّ الرَّدَائَةَ نَوْعٌ لَا عَيْبٌ، فَمُطْلَقُ الْعَقْدِ لَا يَقْتَضِي السَّلَامَةَ عَنْهَا. ٨ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي غَيْرِ رِوَايَةِ الْأُصُولِ أَنَّهُ يُصَدَّقُ فِي الزُّيُوفِ

ترجمہ : ۵ اورستوقہ درہم ثمن نہیں ہے،اور بیع تو ثمن پر ہوئی ہے،اس لئے ستوقہ کہنا اپنی بات سے رجوع کرنا ہے،اس لئے مقر کی بات نہیں مانی جائے گی

تشریح : یہ بھی امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے جواب ہے، کہ ستوقہ درہم ثمن نہیں ہے اور بیع جو واقع ہوتی ہے وہ کھرے درہم پر ہوتی ہے،اس لئے ستوقہ درہم درہم نہیں ہے اس لئے مقر کا ستوقہ کہنا اپنی بات سے رجوع کرنا ہے اس لئے اس کی بات نہیں مانی جائے گی

ترجمہ :٦ یہ اور بات ہے کہ وزن خمسہ استثناء صحیح ہے،اس لئے کہ وہ بھی ایک مقدار ہے،بخلاف کھوٹے درہم کے اس لئے کہ وصف کا استثناء ہے جو جائز نہیں ہے جیسے گھر کے اقرار میں دیوار کا استثناء کرے تو جائز نہیں ہے۔

تشریح : یہ بھی امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے جواب ہے،وہ فرماتے ہیں کہ وزن خمسہ بھی درہم کا ایک وزن ہے اور وہ بھی درہم ہے، جیسے وزن سبعہ درہم کا ایک وزن ہے،اس لئے کلام کے آخیر میں مقر نے وزن خمسہ کا اقرار کیا تو یہ تبدیل ہے رجوع نہیں ہے اس لئے اس میں اس کی بات مانی جائے گی۔اس کے برخلاف کھوٹا ہونا یہ ایک وصف ہے اس سے استثناء جائز نہیں ہے، جیسے گھر کا اقرار کرے اور اس میں سے دیوار کا استثناء کرے تو جائز نہیں ہے اسی طرح یہاں بھی جائز نہیں ہے

ترجمہ :٧ بخلاف اگر کہا کہ مجھ پر غلام کی قیمت کا ایک کر گیہوں ہے مگر وہ ردی ہے (تو بات مانی جائے گی) اس لئے کہ ردی ہونا گیہوں کی ایک قسم ہے یہ عیب نہیں ہے،اور مطلق عقد صحیح سالم گیہوں ہونے کا تقاضہ نہیں کرتا ردی گیہوں کی بھی بیع ہوتی ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ردی ہونا عیب نہیں ہے، بلکہ گیہوں کی ایک قسم ہے،اس لئے اس سے استثناء ہوسکتا ہے

تشریح : اگر کسی نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کا ایک کر گیہوں ہے غلام کی قیمت ،لیکن وہ گیہوں ردی ہے تو یہ استثناء صحیح ہے اور اس کی بات مانی جائے گی، کیونکہ ردی ہونا عیب نہیں ہے بلکہ گیہوں ہی کی ایک قسم ہے،اس لئے اس سے استثناء کرسکتا ہے

ترجمہ : ٨ غیر اصول کی روایت میں امام ابوحنیفہؒ سے روایت یہ ہے کہ اگر اتصالا کھوٹا درہم کہا تو مان لی جائے گی،اس لئے کہ قرض میں یہ ہوتا ہے کہ جس قسم کا درہم دیا تھا اسی قسم کا درہم لوٹانا واجب ہوتا ہے،اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کھوٹا درہم قرض لیا ہو تو کھوٹا ہی لوٹانا واجب ہوگا،جیسا کہ غصب میں ہوتا ہے

تشریح: غیر اصول کی روایت میں یہ ہے کہ اگر مقر نے اتصالا یہ کہا کہ وہ کھوٹے درہم تھے تو بات مان لی جائے گی

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض میں ایسا ہوتا ہے کہ جس قسم کا درہم قرض لیا ہے اسی قسم کا درہم واپس کرنا واجب ہوتا ہے،اب

إِذَا وَصَلَ لِأَنَّ الْقَرْضَ يُوجِبُ رَدَّ مِثْلِ الْمَقْبُوضِ، وَقَدْ يَكُونُ زَيْفًا كَمَا فِي الْغَصْبِ . ٩ وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ التَّعَامُلَ بِالْجِيَادِ فَانْصَرَفَ مُطْلَقُهُ إِلَيْهَا . ١٠ (وَلَوْ قَالَ لِفُلَانٍ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ زُيُوفٍ وَلَمْ يَذْكُرِ الْبَيْعَ وَالْقَرْضَ قِيلَ يُصَدَّقُ) بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّ اسْمَ الدَّرَاهِمِ يَتَنَاوَلُهَا ١١ (وَقِيلَ لَا يُصَدَّقُ) لِأَنَّ مُطْلَقَ الْإِقْرَارِ يَنْصَرِفُ إِلَى الْعُقُودِ لِتَعَيُّنِهَا مَشْرُوعَةً لَا إِلَى الِاسْتِهْلَاكِ الْمُحَرَّمِ .

(٨٦٢)(وَلَوْ قَالَ اغْتَصَبْتُ مِنْهُ أَلْفًا أَوْ قَالَ أَوْدَعَنِي ثُمَّ قَالَ هِيَ زُيُوفٌ أَوْ نَبَهْرَجَةٌ صُدِّقَ وَصَلَ أَمْ

کھوٹا درہم قرض لیا ہے تو کھوٹا درہم ہی واپس کرنا واجب ہوگا، جس طرح کھوٹا یا کھرا جیسا درہم غصب کیا ہے اسی قسم کا درہم کو واپس کرنا واجب ہوتا ہے، اس لئے مقر ایسا اقرار کرسکتا ہے کہ مجھ پر کھوٹا درہم واجب ہے، کیونکہ میں نے کھوٹا درہم ہی قرض لیا تھا یا کھوٹا درہم ہی غصب کیا تھا

ترجمہ :٩ ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر معاملہ کھرے درہم ہی کا ہوتا ہے، اس لئے مطلق اقرار کیا تو کھرا درہم ہی مراد ہوگا (اس لئے آخیر کلام میں کھوٹا کہا تو یہ اپنے قول سے رجوع کرنا، ہوا اس لئے یہ بات نہیں مانی جائے گی)

تشریح :واضح ہے

ترجمہ : ١٠ اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر ہزار کھوٹا درہم ہے، اور بیع اور قرض کا ذکر نہیں کیا تو کہا گیا کہ بالاجماع بات مان لی جائے گی، اس لئے کہ درہم کھرا بھی ہوتا ہے اور کھوٹا بھی ہوتا ہے

وجہ : بیع اور قرض میں تو مطلق درہم کھرا درہم کی طرف پھیرا جائے گا، لیکن بیع اور قرض کا اقرار نہیں کیا ہے تو یہ ممکن ہے کہ کھوٹا درہم ہی غصب کیا ہو اس لئے اس پر کھوٹا ہی لازم ہوگا، کیونکہ درہم کھوٹا بھی ہوتا ہے اور کھرا بھی ہوتا ہے، اس لئے مقر کی بات مانی جائے گی

ترجمہ : ١١ بعض حضرات نے کہا کہ مقر کی بات کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ مطلق اقرار خرید و فروخت ہی کی طرف پھیرا جائے گا، کیونکہ عموما وہی ہوتا ہے، استہلاک حرام یعنی غصب نہیں ہوتا ہے (اور خرید و فروخت میں مطلق درہم بولا تو کھرا درہم مراد لیا جاتا ہے، اور مقر کی بات نہیں مانی جاتی ہے)

تشریح :بعض حضرات نے کہا کہ مقر نے قرض، یا خرید و فروخت کا نام نہیں لیا تب بھی خرید و فروخت ہی مراد لی جائے گی، کیونکہ عام طور پر اسی سے آدمی پر درہم لازم ہوتا ہے، غصب کرنے کی وجہ سے درہم لازم ہو یہ بہت کم ہوتا ہے، اور پہلے گزر چکا ہے کہ کسی چیز کے خریدنے کی وجہ سے آدمی پر درہم لازم ہو تو وہ کھرا درہم ہی لازم ہوتا ہے، اس لئے یہاں بھی مقر کی بات نہیں مانی جائے گا، اور کھرا درہم ہی لازم ہوگا۔

ترجمہ :(٨٦٢) اگر کہا کہ میں نے اس سے ہزار غصب کیا ہے، یا میرے پاس ہزار امانت پر رکھا ہے، پھر کہا کہ وہ کھوٹے ہیں، یا نبہرجہ ہے تو تصدیق کر دی جائے گی، چاہے اتصال کے ساتھ کہے یا انفصال کے ساتھ کہے۔

فَصَلَ) ۱؎ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ يَغْصِبُ مَا يَجِدُ وَيُودِعُ مَا يَمْلِكُ فَلَا مُقْتَضَى لَهُ فِي الْجِيَادِ وَلَا تَعَامُلَ فَيَكُونُ بَيَانَ النَّوْعِ فَيَصِحُّ وَإِنْ فَصَلَ، وَلِهَذَا لَوْ جَاءَ رَادُّ الْمَغْصُوبِ الْوَدِيعَةِ بِالْمَعِيبِ كَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهُ. ۲؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يُصَدَّقُ فِيهِ مَفْصُولًا اعْتِبَارًا بِالْقَرْضِ إِذِ الْقَبْضُ فِيهِمَا هُوَ الْمُوجِبُ لِلضَّمَانِ. ۳؎ وَلَوْ قَالَ هِيَ سَتُّوقَةٌ أَوْ رَصَاصٌ بَعْدَمَا أَقَرَّ بِالْغَصْبِ الْوَدِيعَةِ وَوَصَلَ صُدِّقَ، وَإِنْ

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ انسان جو پاتا ہے وہ غصب کرتا ہے چاہے کھوٹا ہی ہو، یا جس درہم کا مالک ہو اس کو امانت پر رکھتا ہے چاہے کھوٹا ہی ہو، اس لئے کھرا ہونا ضروری نہیں ہے، اور اس میں عام طور پر معاملہ نہیں ہوتا ہے، اس لئے درہم کے ایک قسم کا بیان ہوا اور بیان تغیر جائز ہے چاہے انفصال کے ساتھ کہے، یہی وجہ ہے کہ غصب کی ہوئی چیز، یا امانت رکھی ہوئی چیز کو واپس کرے اور وہ عیب دار ہو تو اس کی بات مان لی جائے گی۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بیع اور شراء میں تو مطلق درہم سے کھرا درہم ہی مراد لیا جاتا ہے کیونکہ عام طور پر کھرے درہم میں ہی معاملہ ہوتا ہے، لیکن غصب میں اور امانت میں عام معاملہ نہیں ہوتا، اس لئے کھرا ہونا ضروری نہیں ہے، کھوٹا درہم بھی ہوسکتا ہے، اس لئے مقر کھوٹے درہم کا اقرار کرے تو اس کی بات مان لی جائے گی۔

تشریح : دو معاملے میں۔ غصب میں اور امانت رکھنے میں، مقر یہ کہے کہ میں نے کھوٹا درہم غصب کیا ہے، یا کھوٹا درہم میرے پاس امانت پر رکھا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی، اتصالا کہے یا انفصالا کہے

وجہ : غصب کرنے، اور امانت رکھنے کا معاملہ عام نہیں ہے کبھی کبھار پیش آتا ہے اس لئے وہاں کھوٹا درہم بھی مراد لیا جا سکتا ہے، اس لئے مقر کی بات مان لی جائے گی (۲) غصب میں جس قسم کا درہم پاتا ہے، چاہے وہ کھوٹا ہو اسی کو غصب کر لیتا ہے، اسی طرح جیسا درہم آدمی کے پاس ہو اسی کو امانت رکھتا ہے اس لئے مقر کی بات قبول کی جائے گی

ترجمہ : ۲؎ امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ انفصال سے کہے تو مقر کی تصدیق نہیں کی جائے گی، قرض پر قیاس کرتے ہوئے اس لئے غصب اور امانت میں ضمان واجب ہونے کا اصل مدار قبضہ ہے (اور قرض کی طرح غصب اور امانت میں درہم پر قبضہ ہوتا ہے اس لئے انفصالا کہے گا تو تصدیق نہیں کی جائے گی)

تشریح :امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ غصب اور امانت میں بھی اتصالا کہے گا یہ درہم کھوٹے ہیں تو تصدیق کی جائے گی، اور انفصالا کہے گا تو تصدیق نہیں کی جائے گی

وجہ :اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ درہم واپس کرنے کی اصل بنیاد درہم پر قبضہ کرنا ہوتا ہے، اور غصب، اور امانت میں بھی درہم پر مقر قبضہ کرتا ہے اس لئے یہ بھی قرض کی طرح ہو گئے، اور قرض میں بیان تغیر ہو تو اتصالا کہے تو مانی جاتی ہے اور انفصالا کہے تو نہیں مانی جاتی ہے

ترجمہ :۳؎ اور اگر مقر نے غصب اور امانت کا اقرار کرنے کے بعد کہا کہ وہ ستوقہ درہم ہے، یا رنگ والا درہم ہے، تو اگر اتصالا کہا تو تصدیق کی جائے گی اور اگر انفصالا کہا تو تصدیق نہیں کی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ستوقہ درہم کی جنس میں سے نہیں ہے، لیکن

فَصَلَ لَمْ يُصَدَّقْ لِأَنَّ السَّتُّوقَةُ لَيْسَتْ مِنْ جِنْسِ الدَّرَاهِمِ لَكِنَّ الِاسْمَ يَتَنَاوَلُهَا مَجَازًا فَكَانَ بَيَانًا مُغَيِّرًا فَلَا بُدَّ مِنَ الْوَصْلِ

(۸۶۳)(وَإِنْ قَالَ فِي هَذَا كُلِّهِ أَلْفًا ثُمَّ قَالَ إِلَّا أَنَّهُ يَنْقُصُ كَذَا لَمْ يُصَدَّقْ وَإِنْ وَصَلَ صُدِّقَ) ۱؎ لِأَنَّ هَذَا اسْتِثْنَاءُ الْمِقْدَارِ وَالِاسْتِثْنَاءُ يَصِحُّ مَوْصُولًا، بِخِلَافِ الزِّيَافَةِ لِأَنَّهَا وَصْفٌ وَاسْتِثْنَاءُ الْأَوْصَافِ لَا يَصِحُّ، وَاللَّفْظُ يَتَنَاوَلُ الْمِقْدَارَ دُونَ الْوَصْفِ وَهُوَ تَصَرُّفٌ لَفْظِيٌّ كَمَا بَيَّنَّا، ۲؎ وَلَوْ كَانَ الْفَصْلُ

مجازا اس کو درہم کہتے ہیں، اس لئے مقر کا یہ قول بیان تغیر ہوا، اس لئے اتصالا کہنا ضروری ہے

اصول : کھوٹا ہونا درہم ہی ہے لیکن درہم کا ایک وصف ہے، لیکن ستوقہ، اور رانگ والا درہم مجاز ادرہم ہیں، حقیقت میں درہم نہیں ہیں، اس لئے یہ بیان تغیر ہے، اس لئے اتصالا کہنا ضروری ہے

تشریح : اگر مقر نے کہا کہ ہزار درہم ستوقہ تھے، یا رانگ والے درہم تھے تو چونکہ وہ مجاز ادرہم ہیں اس لئے یہ بیان تغیر ہوا اور بیان تغیر کا قاعدہ یہ ہے کہ اتصالا کہا تو بات مانی جائے گی، اور انفصالا کہا تو مقر کی بات نہیں مانی جائے گی

ترجمہ : (۸۶۳) ان تمام صورتوں میں یہ کہا کہ یہ ہزار تھے پھر بعد میں کہا ہزار میں اتنے کم تھے تو اگر اتصالا کہا تو تصدیق کی جائے گی، اور انفصالا کہا تو تصدیق نہیں کی جائے گی

تشریح: اوپر کی تمام صورتوں میں اگر کہا کہ ہزار ہے بعد میں متصلا کہا کہ ہزار میں سے کچھ مقدار کم ہے تو بات مان لی جائے گی

وجہ: یہ مقدار کا استثناء ہے، اور ہزار میں سے مقدار کا استثناء جائز ہے اگر متصلا ہو، اور اگر منفصلا ہو تو جائز نہیں ہے

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ یہ مقدار کا استثناء ہے، اور متصلا ہو تو استثناء صحیح ہے، بخلاف کھوٹا ہونے کے اس لئے کہ وہ درہم کی صفت ہے، اور صفت کا استثناء صحیح نہیں ہے، اور مستثنی منہ کا لفظ مقدار کے استثناء کو شامل ہے صفت کے استثناء کو شامل نہیں ہے ، اور یہاں لفظی تصرف ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح : یہاں یہ فرق بیان کر رہے ہیں۔ کہ ہزار سے مقدار کا استثناء درست ہے بشرطیکہ متصلا ہو، لیکن صفت کا استثناء درست نہیں ہے، چاہے متصلا ہی کیوں نہ ہو

وجہ : کیونکہ مقدار ہزار مستثنی منہ میں داخل ہے، اور کھوٹا ہونا یہ صفت ہے یہ ہزار مستثنی منہ میں داخل نہیں ہے، اس لئے یہ متصلا بھی کہے تو مقر کی بات نہیں مانی جائے گی

ترجمہ : ۲؎ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے کلام میں انقطاع ہو گیا، اور فصل ہو گیا تو اس کو وصل ہی سمجھو، کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مجبوری ہو تو اس کا لحاظ کیا جائے گا

تشریح: کلام میں وصل اور فصل کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کسی مجبوری کی وجہ سے کلام میں، اور استثناء میں فصل ہو

ضَرُورَةَ انْقِطَاعِ الْكَلَامِ بِانْقِطَاعِ نَفَسِهِ فَهُوَ وَاصِلٌ لِعَدَمِ إِمْكَانِ الِاحْتِرَازِ عَنْهُ .
(۸٦۴)(وَمَنْ أَقَرَّ بِغَصْبِ ثَوْبٍ ثُمَّ جَاءَ بِثَوْبٍ مَعِيبٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ) لِ لِأَنَّ الْغَصْبَ لَا يَخْتَصُّ بِالسَّلِيمِ.
(۸٦۵)(وَمَنْ قَالَ لِآخَرَ: أَخَذْتُ مِنْكَ أَلْفَ دِرْهَمٍ وَدِيعَةً فَهَلَكَتْ فَقَالَ لَا بَلْ أَخَذْتَهَا غَصْبًا فَهُوَ ضَامِنٌ، لِ وَإِنْ قَالَ أَعْطَيْتَنِيهَا وَدِيعَةً فَقَالَ لَا بَلْ غَصَبْتَنِيهَا لَمْ يَضْمَنْ) وَالْفَرْقُ أَنَّ فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ أَقَرَّ بِسَبَبِ الضَّمَانِ وَهُوَ الْأَخْذُ ثُمَّ ادَّعَى مَا يُبْرِئُهُ وَهُوَ الْإِذْنُ وَالْآخَرُ يُنْكِرُهُ فَيَكُونُ الْقَوْلُ لَهُ

گیا، مثلا کھانسی آ گئی اور فصل ہو گیا تو چونکہ یہ مجبوری ہے اس لئے اس کو وصل ہی سمجھو اور اس میں وصل کے احکام جاری ہوں گے

ترجمہ: (۸٦۴) کسی نے کپڑا غصب کرنے کا اقرار کیا پھر ایک عیب دار کپڑا لیکر آیا تو اس میں مقر کی بات مانی جائے گی قسم کے ساتھ۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ غصب میں درہم کا کھرا ہونا خاص نہیں ہے

تشریح: ایک آدمی نے اقرار کیا کہ میں نے کپڑا غصب کیا ہے۔ بعد میں ایک عیب دار کپڑا لیکر آیا کہ یہ کپڑا غصب کیا ہے اور مقر لہ کے پاس اس کے خلاف کوئی بینہ نہیں ہے تو قسم کے ساتھ مقر کی بات مان لی جائے گی اور وہی عیب دار کپڑا قبول کر لیا جائے گا۔

وجہ: لفظ کپڑا عام ہے، عیب دار اور صحیح دونوں کو شامل ہے، اور غصب میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اچھا کپڑا ہی غصب کیا ہو اس لئے مقر کی بات مان لی جائے گی

ترجمہ: (۸٦۵) کسی نے کہا کہ میں نے آپ سے ہزار درہم امانت کے طور پر لیا تھا، مقر لہ نے کہا کہ نہیں آپ نے غصب کیا تھا تو مقر ہزار کا ضامن ہو جائے گا

تشریح: امانت کے طور پر لینے سے ہلاک ہونے پر ضمان لازم نہیں ہوگا، اور غصب کے طور پر لینے سے چیز ہلاک ہو جائے تب بھی ضمان لازم ہوگا، اس لئے جب کہا کہ امانت کے طور پر لیا تو یہ کہہ رہا ہے مجھ پر اس کا ضمان نہیں ہے، اور مقر لہ اس کا انکار کر رہا ہے، اس لئے منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی

ترجمہ: لے اور اگر کہا کہ آپ نے مجھے امانت کے طور پر دئے تھے، اور مقر لہ نے کہا کہ آپ نے اس کو غصب کیا تھا تو مقر ضامن نہیں ہوگا۔ دونوں باتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی بات (اخذت منک ودیعة۔ میں نے آپ سے امانت کے طور پر لیا تھا) میں مقر نے ضمان کا اقرار کیا تھا اور وہ لینا ہے، پھر ایسی بات کا دعوی کیا جس سے وہ ضمان سے بری ہو جائے، اور وہ اجازت سے لینا، دوسرا یعنی مقر لہ اس کا انکار کر رہا ہے، اس لئے مقر لہ کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی

تشریح: یہاں اخذت، اور اعطیت، میں فرق بیان کر رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ۔ اخذت میں ہے کہ میں نے لیا، اس اول اقرار میں یہ اقرار ہے کہ میں نے لیا ہے، اور لینے پر ضمان لازم ہوتا ہے، بعد میں دعوی کر رہا ہے کہ امانت کے طور پر لیا ہے، یعنی اس کے ہلاک ہونے پر مجھ پر ضمان نہیں ہے، اور مقر لہ اس کا منکر ہے اس لئے قسم کے ساتھ مقر لہ کی بات مان لی جائے گی

مَعَ الْيَمِينِ .٢ وَفِي الثَّانِي أَضَافَ الْفِعْلَ إِلَى غَيْرِهِ وَذٰلِكَ يَدَّعِي عَلَيْهِ سَبَبَ الضَّمَانِ وَهُوَ الْغَصْبُ فَكَانَ الْقَوْلُ لِمُنْكِرِهِ مَعَ الْيَمِينِ ٣ وَالْقَبْضُ فِي هَذَا كَالْأَخْذِ وَالدَّفْعُ كَالْإِعْطَاءِ، ٤ فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ: الإِعْطَاءُ وَالدَّفْعُ إِلَيْهِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِقَبْضِهِ، فَنَقُولُ: قَدْ يَكُونُ بِالتَّخْلِيَةِ وَالْوَضْعِ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَلَوْ اقْتَضَى ذٰلِكَ فَالْمُقْتَضَى ثَابِتٌ ضَرُورَةً فَلَا يَظْهَرُ فِي انْعِقَادِهِ سَبَبُ الضَّمَانِ،

ترجمہ : ٢ اور دوسری بات (اعطیتھا۔ آپ نے مجھے امانت کے طور پر دیا تھا) دینے کو دوسرے کی طرف منسوب کیا ہے (یعنی مقرلہ نے خود دیا ہے)، اور مقرلہ دعوی کر رہا ہے ضمان کے سبب کا یعنی غصب کا (اور مقر منکر ہے) اس لئے مقر منکر کی بات مانی جائے گی قسم کے ساتھ

تشریح : دوسری صورت میں مقر نے یوں کہا ہے کہ آپ نے (مقرلہ نے) خود مجھے امانت کے طور پر دیا ہے، اور مقرلہ دعوی کر رہا کہ غصب کے طور پر لیا ہے، اور مقر اس کا منکر ہے اس لئے مقر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

نوٹ ؛ پہلی صورت میں مقرلہ منکر ہے، اور دوسری صورت میں مقر منکر ہے، اور جو منکر ہوگا قسم کے ساتھ اس کی بات مانی جائے گی، دونوں صورتوں میں یہ فرق ہے

ترجمہ : ٣ اس مسئلے میں قبضتُ بولے، یا اخذتُ بولے دونوں کے معنی ایک ہیں۔ اسی طرح دفعتُ، بولے یا اعطیتُ، بولے دونوں کے معنی ایک ہیں

تشریح : یہاں لفظ کی تشریح کر رہے ہیں، اس مسئلے میں جو حکم قبضتُ کا ہے وہی حکم اخذتُ کا ہے، چنانچہ اگر کہا اخذت منک الف درھم و دیعة، تو جو حکم اس کا ہے کہ مقر ضامن ہوتا ہے، وہی حکم، قبضتُ منک الف درھم و دیعة، کا ہے کہ مقر ضامن ہوگا۔ اسی طرح جو حکم اعطیتَ کا ہے وہی حکم دفعتَ کا ہے، چنانچہ اگر کہا، اعطیتَھا و دیعة، تو اس میں مقر ضامن نہیں ہوتا ہے اسی طرح اگر کہا، دفعتَھا و دیعة، تو اس میں مقر ضامن نہیں ہوگا

ترجمہ : ٤ پس اگر کوئی سوال کرے کہ دینا اور دفع کرنا قبضے کے بغیر نہیں ہوتا، تو ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ دینے والا اس کے سامنے چھوڑ دے، یا اس کے سامنے رکھ دے، تب بھی دینا ہوگا (، اور اس میں قبضہ کرانا ضروری نہیں ہے) اور دینے اور دفع کرنے میں اندر خانے میں قبضہ تو ہے، تو یہ مقتضی ضرورة ثابت ہے ضمان کے سبب منعقد ہونے میں ظاہر نہیں ہوگا

تشریح : یہ ایک منطقی بحث ہے کوئی یہ کہے کہ دینا اور دفع کرنا قبضہ کے بغیر تو ہوتا ہی نہیں ہے، اور مقر نے قبضہ کر لیا تو اس پر ضمان لازم ہو جائے گا تو پھر اعطیت میں کیوں کہا کہ مقر پر ضمان لازم نہیں ہوگا، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ دینے والے نے مقر کے سامنے درہم رکھ دیا اور قبضہ نہیں پایا گیا، اس لئے پر ضمان نہیں ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ قبضہ پایا بھی گیا تو یہ صراحت کے ساتھ نہیں ہے ضرورت کی وجہ سے ہے، اور مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے قبضہ پایا گیا ہو تو اس میں مقر پر ضمان نہیں ہوگا

۵؎ وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إذَا قَالَ: أَخَذْتُهَا مِنْك وَدِيعَةً وَقَالَ الْآخَرُ لَا بَلْ قَرْضًا حَيْثُ يَكُونُ الْقَوْلُ لِلْمُقِرِّ وَإِنْ أَقَرَّ بِالْأَخْذِ لِأَنَّهُمَا تَوَافَقَا هُنَاكَ عَلَى أَنَّ الْأَخْذَ كَانَ بِالْإِذْنِ إلَّا أَنَّ الْمُقَرَّ لَهُ يَدَّعِي سَبَبَ الضَّمَانِ وَهُوَ الْقَرْضُ وَالْآخَرُ يُنْكِرُ فَافْتَرَقَا

(۸۶۶)(فَإِنْ قَالَ هَذِهِ الْأَلْفُ كَانَتْ وَدِيعَةً لِي عِنْدَ فُلَانٍ فَأَخَذْتُهَا مِنْهُ فَقَالَ فُلَانٌ هِيَ لِي فَإِنَّهُ يَأْخُذُهَا) ۱؎ لِأَنَّهُ أَقَرَّ بِالْيَدِ لَهُ وَادَّعَى اسْتِحْقَاقَهَا عَلَيْهِ وَهُوَ يُنْكِرُ فَالْقَوْلُ لِلْمُنْكِرِ. ۲؎ (وَلَوْ قَالَ: آجَرْتُ دَابَّتِي هَذِهِ فُلَانًا فَرَكِبَهَا وَرَدَّهَا، أَوْ قَالَ: آجَرْتُ ثَوْبِي هَذَا فُلَانًا فَلَبِسَهُ وَرَدَّهُ وَقَالَ

ترجمہ : ۵؎ یہ بخلاف اگر مقر نے کہا کہ میں نے آپ سے امانت کے طور پر ہزار لیا تھا، اور مقرلہ نے کہا کہ آپ نے قرض کے طور پر لیا تھا تو مقر کے قول کا اعتبار ہوگا (اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا) چاہے وہ لینے کا اقرار کیا ہو، اس لئے مقر اور مقرلہ دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ مقرلہ کی اجازت سے لیا ہے، پھر مقرلہ ضمان کے سبب کا دعوی کر رہا ہے (یعنی قرض کا دعوی کر رہا ہے)، اور دوسرا یعنی مقر اس کا انکار کر رہا ہے (اس لئے مقر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی) اس لئے دونوں مسئلوں میں فرق ہو گیا

تشریح : مقر نے کہا کہ میں نے آپ سے امانت کا ایک ہزار لیا تھا، اور مقرلہ کہہ رہا ہے کہ وہ قرض کا تھا، تو اس میں دونوں نے اس بات پر تو اتفاق کیا کہ رقم مقرلہ کی اجازت سے لی تھی، اس لئے کہ قرض میں بھی مقرلہ کی جانب سے اجازت ہے۔ لیکن اب مقرلہ کہہ رہا ہے کہ قرض لیا تھا یعنی رقم کے ہلاک ہونے پر بھی اس کا ضمان دو، اور مقر اس کا منکر ہے اس لئے قسم کے ساتھ مقر کی بات مانی جائے گی

ترجمہ: (۸۶۶) اگر مقر نے کہا یہ ایک ہزار فلاں کے پاس امانت تھی، اور میں نے اس سے لے لیا ہے، اور فلاں نے کہا کہ یہ رقم تو میری ہی تھی تو یہ رقم مقرلہ لے لیگا

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ مقر نے اقرار کیا کہ اس پر فلاں مقرلہ کا قبضہ تھا (چاہے امانت ہی کا کیوں نہ ہو)، اور پھر اپنے مستحق ہونے کا دعوی کرتا ہے (کہ یہ رقم میری تھی) اور مقرلہ اس کا انکار کر رہا، اس لئے منکر کی بات مانی جائے گی

وجہ : جب مقر اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ مقرلہ کے پاس ایک ہزار امانت کے طور پر تھا، تو اس بات کا بھی اقرار کر رہا ہے کہ مقرلہ کا اس پر قبضہ تھا، اب بعد میں یہ کہہ رہا ہے کہ یہ امانت کے طور پر تھی، اور مقرلہ اس کا انکار کر رہا ہے تو منکر کی بات مانی جائے گی، اس لئے یہ ایک ہزار مقرلہ کی ہوگی

ترجمہ: ۲؎ اور اگر مقر نے کہا کہ میں نے اپنا یہ گھوڑا فلاں کو اجرت پر دیا، وہ اس پر سوار ہوا اور واپس کیا، یا یوں کہا کہ میں نے اپنا یہ کپڑا فلاں کو اجرت پر دیا اس نے اس کو پہنا اور پھر اس کو واپس کیا، اور مقرلہ نے کہا کہ آپ جھوٹ بولتے ہیں وہ گھوڑا تو میرا ہے تو یہاں بات مقر کی مانی جائے گی، یہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں ہے، اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جس سے جانور، اور کپڑا واپس لیا تھا (یعنی مقرلہ) کے لئے ہوگا، اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے

فُلَانٌ: كَذَبْتَ وَهُمَا لِي، فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: الْقَوْلُ قَوْلُ الَّذِي أُخِذَ مِنْهُ الدَّابَّةُ وَالثَّوْبُ) وَهُوَ الْقِيَاسُ، ٣ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْإِعَارَةُ وَالْإِسْكَانُ. ٤ (وَلَوْ قَالَ خَاطَ فُلَانٌ ثَوْبِي هَذَا بِنِصْفِ دِرْهَمٍ ثُمَّ قَبَضْتُهُ وَقَالَ فُلَانٌ: الثَّوْبُ ثَوْبِي فَهُوَ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ فِي الصَّحِيحِ) ٥ وَجْهُ الْقِيَاسِ مَا بَيَّنَّاهُ فِي الْوَدِيعَةِ. ٦ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ وَهُوَ الْفَرْقُ أَنَّ الْيَدَ فِي الْإِجَارَةِ وَالْإِعَارَةِ ضَرُورِيَّةٌ تُثْبِتُ ضَرُورَةَ اسْتِيفَاءِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ وَهُوَ

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اجرت پر جو جانور دیا جاتا ہے، وہ مستاجر کی ملکیت نہیں ہوتی، وہ تو نفع حاصل کرنے کے لئے کچھ دیر کے لئے مستاجر کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے۔ اس لئے مستاجر کے قبضے کا اقرار کوئی خاص اقرار نہیں ہے

تشریح: مقر نے کہا کہ یہ گھوڑا فلاں کو اجرت پر دیا تھا وہ اس پر سوار ہوا پھر واپس کیا ہے، اور اجرت پر لینے والے نے یہ کہا کہ یہ گھوڑا میرا ہے تو مقرلہ کی بات نہیں مانی جائے گی، بلکہ مقر کی بات مانی جائے گی۔۔ صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ امانت کے اقرار کی طرح یہاں بھی مقرلہ کی بات مانی جائے گی

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اجرت پر دینے کے اقرار سے اس کے قبضے کا اقرار نہیں ہے، کیونکہ صرف نفع کمانے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے قبضہ ہے، اس لئے مقر کے مال ہونے کا دعوی ہے اور مقر اس کا منکر ہے اس لئے مقر کی بات مانی جائے گی

ترجمہ: ٣ اسی اختلاف پر ہے اگر کہا کہ عاریت پر دیا ہوں، یا رہنے کے لئے دیا ہوں

تشریح: اگر مقر نے کہا کہ میں نے اپنا گھر عاریت پر رہنے کے لئے دیا تھا، پھر واپس لے لیا، یا رہنے کے دیا تھا، پھر واپس لے لیا، اور مقرلہ کہتا ہے کہ یہ گھر میرا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقر کی بات مانی جائے گی، اور صاحبینؒ کے نزدیک مقرلہ کی بات مانی جائے گی

ترجمہ: ٤ اور اگر کہا کہ فلاں نے میرا کپڑا آدھے درہم میں سیا پھر میں نے اس کو لے لیا، اور فلاں نے کہا کہ وہ کپڑا تو میرا تھا تو یہ مسئلہ بھی صحیح روایت میں اسی اختلاف پر ہے

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقر کی بات مانی جائے گی، اور صاحبینؒ کے نزدیک مقرلہ کی بات مانی جائے گی

ترجمہ: ٥ قیاس کی وجہ وہ ہے جو میں نے امانت کے بارے میں بیان کیا

تشریح: اوپر امانت رکھنے کے بارے میں یہ دلیل دی کہ مقر نے مقرلہ کے قبضے کا اقرار کیا، پھر بعد میں یہ کہتا ہے کہ یہ چیز میری ہے، تو خود مقر نے ایک انداز ے میں مقرلہ کی چیز ہونے کا اقرار کیا ہے، اس لئے اب مقر کی بات نہیں مانی جائے گی، یہی بات یہاں بھی ہے کہ ایک گونہ مقر یہ اقرار کرتا ہے کہ کپڑے پر، مکان پر، گھوڑے پر مقرلہ کا قبضہ ہے، اور بعد میں دعوی کرتا ہے کہ یہ چیز میری ہے اس لئے مقر کی بات نہیں مانی جائے گی

ترجمہ: ٦ استحسان کی وجہ یہ ہے اور یہی فرق بھی ہے کہ اجرت اور عاریت میں جو قبضہ دینا ہے وہ نفع حاصل کرنے کے لئے مجبوری کے درجے میں ہے، اس لئے ضرورت پوری ہونے کے بعد یوں سمجھو کہ قبضہ ہے ہی نہیں، اس لئے اس میں قبضے کا

الْـمَـنَـافِعُ، فَيَكُونُ عَدَمًا فِيمَا وَرَاءَ الضَّرُورَةِ فَلا يَكُونُ إِقْرَارًا لَهُ بِالْيَدِ مُطْلَقًا، بِخَلافِ الْوَدِيعَةِ لِأَنَّ الْيَدَ فِيهَا مَقْصُودَةٌ، وَالْإِيدَاعُ إِثْبَاتُ الْيَدِ قَصْدًا فَيَكُونُ الْإِقْرَارُ بِهِ اعْتِرَافًا بِالْيَدِ لِلْمُودِعِ .۷ وَوَجْهٌ آخَرُ أَنَّ فِي الْإِجَارَةِ وَالْإِعَارَةِ وَالْإِسْكَانِ أَقَرَّ بِيَدٍ ثَابِتَةٍ مِنْ جِهَتِهِ فَيَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَهُ فِي كَيْفِيَّتِهِ .وَلَا كَذَلِكَ فِي مَسْأَلَةِ الْوَدِيعَةِ لِأَنَّهُ قَالَ فِيهَا: كَانَتْ وَدِيعَةً، ۸ وَقَدْ تَكُونُ مِنْ غَيْرِ صُنْعِهِ، حَتَّى لَوْ قَالَ: أَوْدَعْتُهَا كَانَ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ، ۹ وَلَيْسَ مَدَارُ الْفَرْقِ عَلَى ذِكْرِ الْأَخْذِ فِي

اقرار مطلقا قبضہ نہیں ہے، بخلاف امانت کے اس لئے کہ اس میں مقصود کے طور پر قبضہ ہے، اور امانت پر دینا قصدا اس پر قبضہ دینا ہے، اس لئے امانت کا اقرار مودع کا قبضے کا اقرار ہے

اصــــول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امانت میں مقر لہ کو قبضہ دے دیا ہے، اس لئے مقر کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اور اجرت، عاریت، اور اسکان میں تھوڑی دیر کے لئے قبضہ دیا ہے اس لئے مقر کی بات مانی جائے گی، اور چیز مقر کی ہوگی ۔ یہ خاص اصول ہے جو یہاں بار بار ذکر کر رہے ہیں

تشریح: امانت پر دینے کا اقرار، اور اجرت پر دینے کا اقرار اور عاریت پر دینے کے اقرار میں فرق یہ ہے کہ امانت میں قصدا قبضہ دینا ہوتا ہے، اور عاریت اور اجرت میں قصدا قبضہ دینا نہیں ہے بلکہ نفع حاصل کرنے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے مجبورا قبضہ دینا ہے، اس لئے عاریت پر دینے کے اقرار میں قبضہ دینے کا اقرار نہیں ہے، اس لئے چیز مقر لہ کی نہیں ہوگی

تــرجـمـه :۷ اجرت، عاریت، اور گھر میں رہنے دینے میں دوسرا فرق یہ ہے کہ مقر نے اپنے ثابت قبضے کا اقرار کیا ہے اس لئے اس کی کیفیت کیا ہے اس میں بھی اسی کی بات مانی جائے گی، لیکن امانت کا مسئلہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ اس میں کہا کہ یہ امانت کے طور پر ہے،

تشریح : اجرت پر دینے، اور امانت پر دینے کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ امانت میں خود کہا ہے کہ میں امانت کے طور پر قبضہ دے رہا ہوں، اور عاریت میں یہ بات طے ہے کہ اس میں مقر کا قبضہ ہے، اب اس نے مستاجر کو کس کیفیت میں قبضہ دیا ہے، اس بارے میں بھی مقر ہی کی بات مانی جائے گی۔ اور اس بارے میں وہ کہہ رہا ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے قبضہ دیا ہے اس لئے اس کیفیت کے بارے میں بھی مقر ہی کی بات مانی جائے گی

تــرجـمـه :۸ کبھی امانت بغیر امانت رکھے ہوئے بھی ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ اگر کہا کہ میں امانت پر دی تھی تب بھی اسی اختلاف پر ہے۔

تشــریح : یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ ایک امانت پر رکھنا، اور دوسرا ہے امانت پر دینا دونوں کے معنی ایک ہی ہیں، اور دونوں جملوں میں وہی اختلاف ہے

تــرجـمـه :۹ فرق کا مدار اس بات پر نہیں ہے کہ ودیعت میں اخذتُ کا ذکر ہے، اور دوسرے (اجرت، عاریت، اسکان) میں

طَرَفِ الْوَدِيعَةِ وَعَدَمِهِ فِي الطَّرَفِ الْآخَرِ وَهُوَ الْإِجَارَةُ وَأُخْتَاهَا؛ لِأَنَّهُ ذَكَرَ الْأَخْذَ فِي وَضْعِ الطَّرَفِ وَهُوَ الْإِجَارَةُ الْآخَرِ فِي كِتَابِ الْإِقْرَارِ أَيْضًا، ١٠ وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ اقْتَضَيْتُ مِنْ فُلَانٍ أَلْفَ دِرْهَمٍ كَانَتْ لِي عَلَيْهِ أَوْ أَقْرَضْتُهُ أَلْفًا ثُمَّ أَخَذْتُهَا مِنْهُ وَأَنْكَرَ الْمُقَرُّ لَهُ حَيْثُ يَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَهُ لِأَنَّ الدُّيُونَ تُقْضَى بِأَمْثَالِهَا، وَذَلِكَ إِنَّمَا يَكُونُ بِقَبْضٍ مَضْمُونٍ، فَإِذَا أَقَرَّ بِالِاقْتِضَاءِ فَقَدْ أَقَرَّ بِسَبَبِ الضَّمَانِ ثُمَّ ادَّعَى تَمَلُّكَهُ عَلَيْهِ بِمَا يَدَّعِيهِ عَلَيْهِ مِنَ الدَّيْنِ مُقَاصَّةً وَالْآخَرُ يُنْكِرُهُ، أَمَّا هَاهُنَا الْمَقْبُوضُ عَيْنُ مَا ادَّعَى فِيهِ الْإِجَارَةَ وَمَا أَشْبَهَهَا فَافْتَرَقَا، ١١ وَلَوْ أَقَرَّ أَنَّ فُلَانًا زَرَعَ هَذِهِ الْأَرْضَ أَوْ

اخذتُ کا ذکر نہیں ہے، اس لئے کہ اس دوسرے معاملے میں بھی (امام محمد کی کتاب جامع صغیر میں اخذتُ کا) استعمال ہوا ہے

تشریح : شیخ محمد بن شجاع نے ایک بات کہی تھی صاحب ہدایہ نے یہاں اس کا جواب دیا ہے، محمد بن شجاع نے یہ کہا تھا کہ ودیعت میں اخـــذت کا لفظ ہے، یعنی میں نے لیا ہے اس لئے اس چیز کو واپس بھی کرنا ہوگا، اور اجرت، عاریت، اسکان میں اخـذت ُ کا لفظ نہیں ہے اس لئے ان سب میں واپس کرنا ضروری نہیں ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ امام محمد کی کتاب جامع صغیر میں، اجرت، عاریت، اور اسکان میں بھی اخـــذتُ کا لفظ ہے، اس لئے وہاں بھی چیز واپس کرنی چاہئے، اس لئے یہ اخذت کا فرق نہیں ہے

ترجمہ: ١٠ بخلاف اگر کہا کہ میرا فلاں پر ایک ہزار قرض تھا میں نے اس سے وصول کیا، یا میں نے اس کو ایک ہزار قرض دیا تھا، پھر میں نے اس کو لے لیا ہوں، اور مقرلہ اس کا انکار کرتا ہے (مقرلہ کہتا ہے کہ وہ ایک ہزار تو میرا ہی تھا) تو یہاں مقرلہ کی بات مانی جائے گی، اس لئے کہ قرض میں وہی رقم واپس نہیں کی جاتی ہے، بلکہ اس کے مثل واپس کی جاتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض میں جو قبضہ کیا جاتا ہے وہ ضمان دینے کے لئے قبضہ کیا جاتا ہے، اس لئے جب مقر نے یہ اقرار کیا کہ میں نے وصول کر لیا ہے، تو ضمان کے سبب کا اقرار کیا، پھر اب اس رقم کے مالک بننے کا دعوی کر رہا ہے، کیونکہ کہ وہ دعوی کر رہا ہے کہ مقاصہ کا، اور دوسرا اس کا انکار کر رہا ہے، اور عاریت، اور اجرت میں جو چیز دی ہے وہی چیز واپس کی جاتی ہے، اس کے مثل نہیں، اس لئے قرض اور عاریت میں فرق ہو گیا

تشریح : یہاں عاریت اور قرض میں فرق بیان کر رہے ہیں۔ قرض میں جو رقم دیتا ہے وہی واپس نہیں لیتا ہے، کیونکہ وہ رقم تو مقروض خرچ کر دیتا ہے، پھر اس کی مثل دوسری رقم دیتا ہے، اس لئے یہ کہا کہ میں نے قرض دیا تھا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقر نے مقرلہ کو پورا قبضہ دے دیا تھا، اور اب مقر یہ دعوی کر رہا کہ یہ رقم میری ہے اور مقرلہ اس کا انکار کر رہا ہے تو مقرلہ کی بات مانی جائے گی۔ اور عاریت میں، اور اجرت میں یہ ہوتا ہے کہ جو چیز اجرت پر دی تھی وہی چیز واپس کرو، یا جو چیز عاریت پر دی تھی اسی چیز کو واپس کرو، اس لئے عاریت کے اقرار میں مقرلہ کے لئے پورے طور پر قبضہ دے دینے کا اقرار نہیں ہے، دونوں میں یہ فرق ہے

ترجمہ: ١١ اور اگر مقر نے اقرار کیا کہ فلاں نے میری زمین میں کاشت کی ہے، یا فلاں نے میری زمین میں گھر بنایا ہے، یا

بَنَى هَذِهِ الدَّارَ أَوْ غَرَسَ هَذَا الْكَرْمَ وَذَلِكَ كُلُّهُ فِي يَدِ الْمُقِرِّ فَادَّعَاهَا فُلَانٌ وَقَالَ الْمُقِرُّ لَا بَلْ ذَلِكَ كُلُّهُ لِي اسْتَعَنْتُ بِكَ فَفَعَلْتَ أَوْ فَعَلْتَهُ بِأَجْرٍ فَالْقَوْلُ لِلْمُقِرِّ لِأَنَّهُ مَا أَقَرَّ لَهُ بِالْيَدِ وَإِنَّمَا أَقَرَّ بِمُجَرَّدِ فِعْلٍ مِنْهُ، وَقَدْ يَكُونُ ذَلِكَ فِي مِلْكٍ فِي يَدِ الْمُقِرِّ وَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ خَاطَ لِي الْخَيَّاطُ قَمِيصِي هَذَا بِنِصْفِ دِرْهَمٍ وَلَمْ يَقُلْ قَبَضْتُهُ مِنْهُ لَمْ يَكُنْ إِقْرَارًا بِالْيَدِ وَيَكُونُ الْقَوْلُ لِلْمُقِرِّ لِأَنَّهُ أَقَرَّ بِفِعْلٍ مِنْهُ وَقَدْ يَخِيطُ ثَوْبًا فِي يَدِ الْمُقِرِّ كَذَا هَذَا .

یہ انگور کی بیل لگائی ہے، اوران تمام صورتوں میں یہ زمین مقر ہی کے قبضے میں تھی، اور مقرلہ دعوی کرتا ہے کہ یہ زمین، یہ کھیت، یہ انگور میرا ہے، اور مقر کہتا ہے کہ یہ سب چیز میری ہے، میں نے تو تم سے صرف مدد لی تھی، اور تم نے مدد کی، یا تم نے اجرت پر یہ کام کیا ہے، تو مقر کی بات مانی جائے گی، اس لئے کہ مقر نے مقرلہ کے قبضے میں دینے کا اقرار نہیں کیا ہے، صرف مقرلہ سے مدد لینے کا اقرار کیا ہے، اور ایسا ہوتا ہے کہ مقر کے قبضے میں رہتے ہوئے مقرلہ یہ کام کر دے، اور اس کی مثال یہ ہے کہ مقر نے کہا کہ درزی نے میری قمیض آدھے درہم میں سی دی، اور یہ نہیں کہا کہ میں نے کپڑا درزی کے پاس سے قبضہ کیا ہوں، اس لئے درزی کے قبضے کا اقرار نہیں، اور اس صورت میں مقر کی بات مانی جائے گی، اس لئے کہ صرف درزی کے ایک کام کا اقرار کیا ہے، اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کپڑا مقر کے قبضے میں ہو اور درزی اس کو سی دے۔ اسی طرح اوپر کا مسئلہ ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ان تین مسئلوں میں مقر نے صرف یہ اقرار کیا کہ مقرلہ نے کام کیا ہے، اور مدد کی ہے، یہ اقرار نہیں کیا کہ میں نے زمین مقرلہ کے قبضے میں دے دیا ہے، اس لئے ان تمام صورتوں میں مقر کی بات مانی جائے گی

تشریح: ایک آدمی نے یہ اقرار کیا کہ فلاں نے میری زمین میں کاشت کی ہے، یا گھر اٹھایا ہے، یا انگور کی بیل لگائی ہے، اور مقرلہ کہتا ہے کہ زمین میری ہے تو مقرلہ کی بات نہیں مانی جائے گی

وجہ: (١) اس کی وجہ یہ ہے کہ مقر کے قبضے میں زمین رہتے ہوئے بھی مقرلہ اجرت اور مزدوری پر کاشت کر سکتا ہے اس لئے کاشتکاری کرنے کے اقرار میں قبضہ دینا نہیں ہے، اس لئے جب اس کو قبضہ نہیں دیا تو مقرلہ کی بات نہیں مانی جائے۔ (٢) دوسری بات یہ ہے کہ درزی کو کپڑا سینے کے لئے دیا تو ضروری نہیں ہے کہ درزی کو کپڑے پر قبضہ دیا ہو، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کپڑا مالک کے قبضے میں ہو اور درزی مالک کے گھر پر آکر سیا ہو، اس لئے درزی کی بات نہیں مانی جائے گی، اسی طرح کاشتکاری کے معاملہ میں بھی مقرلہ کی بات نہیں مانی جائے گی

﴿بَابُ إِقْرَارِ الْمَرِيضِ﴾

(۸٦۷)(وَإِذَا أَقَرَّ الرَّجُلُ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ بِدُيُونٍ وَعَلَيْهِ دُيُونٌ فِي صِحَّتِهِ وَدُيُونٌ لَزِمَتْهُ فِي مَرَضِهِ بِأَسْبَابٍ مَعْلُومَةٍ فَدَيْنُ الصِّحَّةِ وَالدَّيْنُ الْمَعْرُوفَةُ الْأَسْبَابُ مُقَدَّمٌ)

﴿باب اقرار المريض﴾

ترجمه :(۸٦۷) اگر کسی آدمی نے اپنے مرض موت میں قرضوں کا اقرار کیا حالانکہ اس پر دین ہیں صحت کے زمانے کا اور کچھ دیون اس کو لازم ہیں اس کے مرض الموت میں اسباب معلومہ کے تحت تو صحت کے دین اور وہ دین جن کے اسباب معلوم ہیں مقدم ہوں گے

اصول: اقرار کر کے کسی کو نقصان دینے کا شبہ ہو تو اقرار باطل ہوگا۔

تشریح : ایک آدمی مرض الموت میں مبتلا ہے۔ اسی مرض میں اس کی موت ہوئی۔ صحت کے زمانے میں کچھ دین لئے تھے جو اس کے ذمے تھے۔ پھر مرض الموت کے زمانے میں ایسے اسباب کے ذریعہ دین آئے جو لوگوں کو معلوم ہیں۔ مثلا خرید و فروخت کی جس کی وجہ سے اس پر دین آیا یا مہر مثل میں شادی کی اس کی وجہ سے اس پر دین آیا۔ اور دین کے یہ اسباب سب کو معلوم ہیں۔ ان دونوں دینوں کی موجودگی میں مثلا عمر کے لئے اپنے اوپر دین کا اقرار کرتا ہے جس کا سبب معلوم نہیں تو اقرار درست ہوگا۔ لیکن اس دین کی ادائیگی مال بچنے کے بعد کی جائے گی۔ پہلے وہ دین ادا کئے جائیں گے جو صحت کے زمانے میں لئے گئے ہیں۔ یا مرض الموت کے زمانے میں لئے گئے ہیں اور ان کے اسباب سب کو معلوم ہیں۔ اس سے بچنے کے بعد اقرار کے دین ادا کئے جائیں گے۔

وجه : (۱) مرض الموت کے زمانے میں اسباب بتائے بغیر کسی کے لئے دین کا اقرار کرتا ہے تو اس بات کا قوی خطرہ ہے کہ دوسرے دائن کو نقصان دینا چاہتا ہے تاکہ مقر لہ کو زیادہ مل جائے۔ اور صحت کے زمانے کے دائن اور مرض الموت میں اسباب معروفہ کے دائن کو کم ملے۔ اس لئے مقر لہ کو بعد میں دین ملے گا (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ **فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث من بعد وصیة یوصی بھا او دین غیر مضار وصیة من اللہ واللہ علیم حکیم** (آیت ۱۲ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ وصیت کرنے وغیرہ میں کسی کو نقصان نہ دیا جائے (۳) حدیث میں بھی ہے۔ **ان ابا ھریرۃ حدثہ ان رسول اللہ ﷺ قال ان الرجل لیعمل او المرأۃ بطاعۃ اللہ ستین سنة ثم یحضر ھما الموت فیضاران فی الوصیة فتجب لھما النار** (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الاضرار فی الوصیۃ، ج ثانی، ص ۳۲، نمبر ۲۸٦۷) اس حدیث میں ہے کہ وصیت میں کسی کو نقصان نہیں دینا چاہئے ورنہ عذاب ہے۔ اس لئے اسی طرح اقرار کر کے بھی مقدم قرض خواہوں کو نقصان نہ دینا چاہئے (۴) صحت کے زمانے کے قرض خواہ کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کسی کو نقصان دینے کے لئے قرض کا اقرار کیا ہے۔ اسی طرح اسباب معروفہ والے قرض خواہوں کے بارے میں بھی یہ شبہ نہیں ہے اس

لے وَقَالَ الشَّافِعِيُّ - رَحِمَهُ اللَّهُ -: دَيْنُ الْمَرَضِ وَدَيْنُ الصِّحَّةِ يَسْتَوِيَانِ لِاسْتِوَاءِ سَبَبِهِمَا وَهُوَ الْإِقْرَارُ الصَّادِرُ عَنْ عَقْلٍ وَدِينٍ، وَمَحَلُّ الْوُجُوبِ الذِّمَّةُ الْقَابِلَةُ لِلْحُقُوقِ فَصَارَ كَإِنْشَاءِ التَّصَرُّفِ مُبَايَعَةً وَمُنَاكَحَةً . ٢ے وَلَنَا أَنَّ الْإِقْرَارَ لَا يُعْتَبَرُ دَلِيلًا إِذَا كَانَ فِيهِ إِبْطَالُ حَقِ الْغَيْرِ، وَفِي إِقْرَارِ الْمَرِيضِ ذَلِكَ لِأَنَّ حَقَ غُرَمَاءِ الصِّحَّةِ تَعَلَّقَ بِهَذَا الْمَالِ اسْتِيفَاءً، وَلِهَذَا مُنِعَ مِنَ التَّبَرُّعِ وَالْمُحَابَاةِ

لئے ان کا حق اہم اور مضبوط ہے۔اس لئے ان کو پہلے قرض ملے گا۔اور اگر صحت کے زمانے کا دین اس آدمی پر نہ ہو تو چونکہ کسی کو نقصان دینے کا شبہ نہیں ہے اس لئے مرض الموت میں کسی کے لئے دین کا اقرار کر سکتا ہے۔کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

ترجمہ : لے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مرض کی حالت کا قرض،اور صحت کے زمانے کا قرض دونوں برابر ہیں،اس لئے کہ دونوں کے سبب برابر ہیں،اور وہ ہے عقل اور دین سے صادر ہوا ہے،اور ذمے میں واجب ہونے کا محل جو حقوق کے قابل ہے، تو مرض کا اقرار بیع اور نکاح کی طرح ہو گیا۔

تشریح:امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ مرض کی حالت میں جو اقرار کیا اور صحت کی حالت میں جو اقرار کیا دونوں برابر درجے کے ہیں

وجہ : (۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل اور ہوش کی حالت میں اقرار کیا ہے،اور مذہب کی بھی پاسداری ہے،تو مرض کی حالت میں اقرار کیا ہو یا صحت کی حالت میں اقرار کیا ہو دونوں کا درجہ برابر ہے (۲) ذمہ میں واجب ہونے کی وجہ حق کو قبول کرنا ہے، اور اس نے حق کو قبول کیا ہے،اس لئے حق واجب ہو جائے گا۔(۳) جس طرح مرض کی حالت میں خرید و فروخت کیا ہو کرنے سے حق واجب ہو جاتا ہے،یا مہر مثل سے نکاح کیا ہو تو اس کی قیمت واجب ہو جاتی ہے،اسی طرح مرض کی حالت میں اقرار کیا تو وہ بھی واجب ہو جائے گا

ترجمہ :۲ے ہماری دلیل یہ ہے کہ دوسرے کا حق باطل ہوتا ہو تو اقرار کرنا واجب ہونے کی دلیل نہیں ہے،اور مرض کی حالت میں اقرار کرنے سے دوسرے کا حق باطل ہوتا ہے،اس لئے صحت کی حالت کے قرض خواہ کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے کہ وہ اپنا حق وصول کرے،یہی وجہ ہے کہ احسان کرنے،اور مفت دینے سے روکا جاتا ہے،صرف ایک تہائی کی وصیت کر سکتا ہے،بخلاف نکاح کے کہ (اس کی گنجائش ہے) کیونکہ یہ حاجت اصلیہ ہے،اور وہ بھی مہر مثل پر ہی نکاح کر سکتا ہے

تشریح :ہماری دلیل یہ ہے کہ جن آدمیوں کا قرض صحت کے زمانے کا ہے ان کا حق اس مریض کے مال میں ہو چکا ہے کہ وہ اپنے حق کو وصول کریں،اس لئے مرض کی حالت میں ایسا اقرار نہیں کر سکتا جس کا سبب معلوم نہ ہو،کیونکہ اس سے صحت کی حالت کے قرض خواہ کو کم قرض ملے گا،اور اس کو نقصان ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ مریض کو احسان کرنے اور کم قیمت میں اپنی چیز کو بیچنے سے روکا جائے گا،صرف وہ تہائی مال کی وصیت کر سکتا ہے،باقی رہا مرض کی حالت میں نکاح کرنے کی گنجائش تو وہ اس لئے ہے کہ نکاح حاجت اصلیہ ہے،اور وہ بھی مہر مثل پر ہی نکاح کر سکتا ہے،اس سے زیادہ پر نہیں کیونکہ زیادہ مہر دیکر ممکن ہے کہ وہ قرض خواہوں کو نقصان دے

إِلَّا بِقَدْرِ الثُّلُثِ. بِخِلَافِ النِّكَاحِ لِأَنَّهُ مِنَ الْحَوَائِجِ الْأَصْلِيَّةِ وَهُوَ بِمَهْرِ الْمِثْلِ، ٣ وَبِخِلَافِ الْمُبَايَعَةِ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ لِأَنَّ حَقَ الْغُرَمَاءِ تَعَلَّقَ بِالْمَالِيَّةِ لَا بِالصُّورَةِ، ٤ وَفِي حَالِ الصِّحَّةِ لَمْ يَتَعَلَّقْ حَقُّهُمْ بِالْمَالِ لِقُدْرَتِهِ عَلَى الِاكْتِسَابِ فَيَتَحَقَّقُ التَّثْمِيرُ، ٥ وَهَذِهِ حَالَةُ الْعَجْزِ وَحَالَتَا الْمَرَضِ حَالَةٌ وَاحِدَةٌ لِأَنَّهُ حَالَةُ الْحَجْرِ، بِخِلَافِ حَالَتَي الصِّحَّةِ وَالْمَرَضِ؛ لِأَنَّ الْأُولَى حَالَةُ إِطْلَاقٍ وَهَذِهِ حَالَةُ عَجْزٍ فَافْتَرَقَا، ٦ وَإِنَّمَا تُقَدَّمُ الْمَعْرُوفَةُ الْأَسْبَابُ لِأَنَّهُ لَا تُهْمَةَ فِي ثُبُوتِهَا إِذِ الْمُعَايَنُ لَا مَرَدَّ لَهُ، وَذَلِكَ

لغت: التبرع: مفت میں احسان کرنا، مفت میں دینا۔ محاباۃ: کم قیمت میں کسی چیز کو بیچنا۔

ترجمہ: ٣ بخلاف مثل قیمت میں چیز خریدنے کی گنجائش اس لئے ہے کہ (اس سے مال آئے گا) اور قرض خواہوں کا حق مریض کی مالیت کے ساتھ ہے صورت کے ساتھ نہیں ہے،

تشریح: مرض کی حالت میں اپنی چیز مثل قیمت میں اس لئے خرید سکتا ہے، یا بیچ سکتا ہے کہ مال کے بدلے میں مال آئے گا اور قرض خواہوں کو اس مال سے قرض مل جائے گا، اور قرض خواہوں کا حق خاص مال کے ساتھ تو متعلق ہے نہیں بلکہ مریض کے کسی بھی مال سے بھی اپنا قرض وصول کر سکتا ہے، اس لئے مثل قیمت سے بیچنے، یا خریدنے کی گنجائش ہوگی

ترجمہ: ٤ اور صحت کی حالت میں کسی کا اقرار کرنا اس لئے منع نہیں ہے کہ قرض خواہ کا حق مقروض کے مال کے ساتھ متعلق نہیں ہے کیونکہ وہ زیادہ مال کما کر دے سکتا ہے۔ اور مرض کی حالت عاجزی کی حالت ہے (اب وہ کما ہی نہیں سکتا) اس لئے صحت کی حالت میں کسی کا بھی اقرار کر سکتا ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ٥ مریض کی ابتدائی حالت اور آخری حالت (اقرار کرنے میں) دونوں برابر ہیں، اس لئے کہ یہ کمانے سے عاجزی کی حالت ہے۔، بخلاف صحت اور مرض کی حالت، اس لئے کہ صحت کی حالت کمانے کی حالت ہے، اور مرض کی حالت عاجزی کی حالت ہے اس لئے دونوں حالتوں میں فرق ہو گیا (یعنی صحت کی حالت میں اقرار کر سکتا ہے، اور مرض کی حالت میں کسی کے لئے اقرار نہیں کر سکتا ہے)

تشریح: جس مرض میں آدمی مرا ہو، اس کی ابتدائی حالت ہو یا آخری حالت ہو، دونوں میں اقرار نہیں کر سکتا، اس لئے کہ دونوں حالتوں میں وہ کما نہیں سک رہا ہے۔ اور صحت کی حالت اور مرض کی حالت میں فرق یہ ہے کہ صحت کی حالت میں کما سکتا ہے، اس لئے اقرار کر سکتا ہے، اور مرض کی حالت کما نہیں سکتا ہے اس لئے اقرار نہیں کر سکتا ہے، صحت اور مرض میں یہ فرق ہے۔

لغت: حالۃ الاطلاق: آزادگی کی حالت، کہ کسی کے لئے بھی اقرار کر سکتا ہے، دوسرا ترجمہ ہے، کام کرنے کی حالت،

ترجمہ: ٦ مرض کی حالت میں جس قرض کا سبب معلوم ہو اس کا ادا کرنا مقدم اس لئے ہوگا کہ اس کے ثابت ہونے میں کوئی تہمت نہیں ہے، کیونکہ جو چیز سامنے نظر آتی ہو اس کو رد نہیں کر سکتے، مثلا خرید و فروخت کیا ہو، یا کسی مال کو مریض نے ہلاک

مِثْلُ بَـدَلِ مَالٍ مَلَكَهُ أَوِ اسْتَهْلَكَهُ وَعُلِمَ وُجُوبُهُ بِغَيْرِ إِقْرَارِهِ أَوْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بِمَهْرِ مِثْلِهَا، وَهَذَا الدَّيْنُ مِثْـلُ دَيْنِ الصِّحَّةِ لَا يُقَدَّمُ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ لِمَا بَيَّنَّا، ٧ وَلَـوْ أَقَرَّ بِعَيْنٍ فِي يَدِهِ لِآخَرَ لَمْ يَصِحَّ فِي حَقِّ غُـرَمَـاءِ الصِّحَّةِ لِتَعَلُّقِ حَقِّهِمْ بِهِ، ٨ وَلَا يَـجُـوزُ لِلْـمَرِيضِ أَنْ يَقْضِيَ دَيْنَ بَعْضِ الْغُرَمَاءِ دُونَ الْبَعْضِ؛ لِأَنَّ فِي إِيثَارِ الْبَعْضِ إِبْطَالُ حَقِّ الْبَاقِينَ،

کیا ہو، یا بغیر اقرار کے اس کا واجب ہونا معلوم ہو (مثلا قاضی نے اس پر مال کا فیصلہ کیا ہو)، یا مہر مثل پر کسی عورت سے نکاح کیا ہو (اور اس مریض پر مہر کی رقم باقی ہو) اس قسم کا دین صحت کے دین کی طرح ہے، کسی ایک کو مقدم موخر نہیں کر سکتے، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کی (کہ ان کے ثابت ہونے میں تہمت نہیں ہے)

تشریح : مرض کی حالت میں ایسے اسباب جو سامنے نظر آتے ہوں ان میں اس کی وجہ سے مریض نے دین کا اقرار کیا تو ان قرضوں کو اس سے پہلے ادا کیا جائے گا جن کے اسباب سامنے نہ ہوں، کیونکہ یہ سامنے ہیں جنکو رد نہیں کر سکتے، مصنف نے ان کی چار مثالیں بیان کی ہیں۔ ۱۔ مرض کی حالت میں کوئی خرید وفروخت کیا ہے اس کے بدلے میں قیمت کا اقرار ہے۔ ۲۔ مریض نے کوئی مال ہلاک کیا اس کے بدلے میں دین کا اقرار کیا ہے۔ ۳۔ اقرار تو نہیں کیا لیکن مال کے واجب ہونے کا سبب موجود ہے، مثلا قاضی نے مریض پر قرض ہونے کا فیصلہ کیا۔ ۴۔ مہر مثل میں عورت سے شادی کی اس کا مہر ہے، تو مرض کی حالت میں یہ سب دین صحت کی حالت کی طرح ہوں گے، اور صحت کی حالت دین کے ساتھ ساتھ مرض کے ان دین کو ادا کیا جائے گا۔

وجہ: کیونکہ ان دینوں کے ثبوت کے اسباب موجود ہیں، اور اس سے کسی کو نقصان پہنچانے کی تہمت نہیں ہے۔

لغت: علم وجوبه بغير اقرار: بغیر اقرار کے اس کا واجب ہونا معلوم ہوا، جیسے قاضی نے گواہ کے ذریعہ مریض پر قرض، یا دین کا فیصلہ کیا تو اس صورت میں مریض نے اقرار تو نہیں کیا بلکہ انکار ہی کیا ہے، لیکن بینہ کے ذریعہ قاضی نے فیصلہ کیا تو یہ دین صحت کے دین کی طرح ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۷ مریض کے ہاتھ میں کوئی چیز ہے، کسی اور کے لئے اس کا اقرار کرتا ہے کہ (کہ یہ چیز فلاں کی ہے) تو جو لوگ صحت کے زمانے کے قرض خواہ ہیں ان کے حق میں صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان کا حق متعلق ہو چکا ہے

تشریح : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مریض جس طرح کسی کے لئے قرض کا اقرار نہیں کر سکتا ہے اسی طرح مریض کی کوئی چیز ہو مثلا اس کے پاس پیالہ ہے تو اس کے بارے میں بھی یہ اقرار نہیں کر سکتا کہ یہ پیالہ فلاں کا ہے، کیونکہ اس پیالہ میں صحت کے زمانے کے قرض خواہوں کا حق متعلق ہو چکا ہے

ترجمہ :۸ مریض یہ بھی نہیں کر سکتا کہ کسی کا قرض ادا کرے اور کسی کا نہ کرے، (بلکہ سب کو فی صد کے اعتبار سے برابر دینا ہوگا) اس لئے کہ بعض کو دینے اور بعض کو نہ دینے میں دوسرے کا حق مارا جائے گا

تشریح: واضح ہے

۹ وَغُرَمَاءُ الصِّحَّةِ وَالْمَرَضِ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ، إِلَّا إِذَا قَضَى مَا اسْتَقْرَضَ فِي مَرَضِهِ أَوْ نَقَدَ ثَمَنَ مَا اشْتَرَى فِي مَرَضِهِ وَقَدْ عُلِمَ بِالْبَيِّنَةِ .

(٨٦٨) قَالَ (فَإِذَا قُضِيَتْ) يَعْنِي الدُّيُونَ الْمُقَدَّمَةَ (وَفَضَلَ شَيْءٌ يُصْرَفُ إِلَى مَا أَقَرَّ بِهِ فِي حَالَةِ الْمَرَضِ) ١ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ فِي ذَاتِهِ صَحِيحٌ، وَإِنَّمَا رُدَّ فِي حَقِ غُرَمَاءِ الصِّحَّةِ فَإِذَا لَمْ يَبْقَ حَقُّهُمْ ظَهَرَتْ صِحَّتُهُ .

(٨٦٩) قَالَ (فَإِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دُيُونٌ فِي صِحَّتِهِ جَازَ إِقْرَارُهُ) ١ لِأَنَّهُ لَمْ يَتَضَمَّنْ إِبْطَالَ حَقِ الْغَيْرِ

ترجمہ: ۹ اس بارے میں صحت کے قرض خواہ اور مرض کے قرض خواہ (وہ قرض خواہ جن کا سبب معلوم ہے) سب برابر ہیں، ہاں جن سے مرض کی حالت میں قرض لیا ہو، یا مرض کی حالت میں کوئی چیز خریدی ہو، اور گواہ کے ذریعہ اس کا علم ہو تو اس کی قیمت (پہلے دے سکتا ہے)

تشریح : چار قسم کے قرض خواہ ہوتے ہیں۔ ا۔ صحت کے زمانے کے قرض خواہ، ۲۔ مرض کے زمانے کے وہ قرض خواہ جن کا سبب معلوم ہے، ۳۔ مرض کے زمانے کے وہ قرض خواہ جن کا سبب معلوم نہیں ہے، ۴۔ مرض کی حالت میں کوئی چیز خریدی ہے، اوراس پر گواہ موجود ہے، اس کی فوری قیمت ہے ، یا مرض کی حالت میں کسی سے قرض لیا ہے، جس کو فوری ادا کرنا ہے، اوراس پر گواہ موجود ہے۔ مصنف فرماتے ہیں صحت کی حالت کے قرض خواہ، اور مرض کی حالت کے وہ قرض خواہ جن کا سبب معلوم ہے ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتا کہ ایک کو دے اور دوسرے کو نہ دے۔ ہاں چوتھے قسم کے قرض خواہ، یعنی جن سے مرض میں چیز خریدی ہے، اس پر گواہ ہے اوراس کو فوری دینا ہے، یا مرض کی حالت کا قرض جس پر گواہ ہے تو ان کو صحت والے سے بھی پہلے دے سکتا ہے، کیونکہ ان کو فوری دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ان سب سے بچے گا تب جا کر ان قرض خواہوں کو دیا جائے گا جن کا اقرار مرض کی حالت میں کیا ہے اوران کا سبب مجہول ہے۔ یہ چار ترتیب ہیں جو یہاں بیان کر رہے ہیں۔

ترجمہ: (٨٦٨)۔ پس جبکہ ادا کر دیئے جائیں (ان دیون کو) اور باقی رہے مال میں سے کچھ تو صرف کیا جائے اس دین میں جن کا اقرار کیا مرض میں۔ (اور سبب معلوم نہیں ہے)

ترجمہ: ١ اس لئے کہ فی ذاتہ مریض کا اقرار تو صحیح ہے، صرف اس لئے نہیں دیا گیا تھا کہ صحت والے قرض خواہوں کا نقصان ہوگا، اب جبکہ صحت والے قرض خواہوں کا حق باقی نہیں رہا، تو مرض والے قرض خواہوں کا حق ظاہر ہو گیا

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: (٨٦٩) اور اگر اس مریض پر صحت کے زمانے کا دین نہیں ہے تو اس کے لئے اقرار کرنا جائز ہے

ترجمہ: ١ اس لئے کہ غیر کا حق باطل نہیں کیا ہے، اور جس کے لئے اقرار کیا ہے اس کا حق وارثوں سے پہلے ہے، حضرت عمر کے قول کی وجہ سے مریض کسی قرض کا اقرار کرے تو تمام ترکے میں جائز ہے

وَكَانَ الْمُقَرُّ لَهُ أَوْلَى مِنَ الْوَرَثَةِ لِقَوْلِ عُمَرَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -: إِذَا أَقَرَّ الْمَرِيضُ بِدَيْنٍ جَازَ ذٰلِكَ عَلَيْهِ فِي جَمِيعِ تَرِكَتِهِ ٢ ۔ وَلِأَنَّ قَضَاءَ الدَّيْنِ مِنَ الْحَوَائِجِ الْأَصْلِيَّةِ وَحَقُّ الْوَرَثَةِ يَتَعَلَّقُ بِالتَّرِكَةِ بِشَرْطِ الْفَرَاغِ وَلِهَذَا تُقَدَّمُ حَاجَتُهُ فِي التَّكْفِينِ.

(٨٧٠) قَالَ (وَلَوْ أَقَرَّ الْمَرِيضُ لِوَارِثِهِ لَا يَصِحُّ إِلَّا أَنْ يُصَدِّقَهُ فِيهِ بَقِيَّةُ الْوَرَثَةِ)

تشریح: جس کے لئے مرض الموت میں اقرار کیا ہے اس کو پہلے ملے گا۔ اس سے بچے گا تب وارثین کو ملے گا۔

وجہ : (۱) مریض کو اس لئے اقرار کا حق نہیں دیا گیا تھا کہ اس سے دوسرے قرض خواہوں کو نقصان ہوگا لیکن جب اس مریض پر کوئی قرض ہے ہی نہیں تو کسی کا نقصان نہیں ہوگا اس لئے یہ مرض کی حالت میں بھی کسی کے قرض کا اقرار کر سکتا ہے (۲) جس کے لئے اقرار کیا وہ دین ہے اور دین کو وراثت سے پہلے ادا کیا جاتا ہے (۳) آیت میں ہے فان كانوا اكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث من بعد وصية يوصى بها او دين (آیت ۱۲ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ دین اور وصیت کو ادا کرنے کے بعد وارثین کے درمیان وراثت تقسیم ہوگی (۴) اور حدیث میں ہے کہ پہلے دین ادا کیا جائے گا پھر تہائی مال سے وصیت ادا کی جائے گی اس کے بعد جو بچے گا وہ وارثین کے درمیان تقسیم ہوگا۔ حدیث میں ہے اور یہ قول حضرت عمر کا نہیں ہے، بلکہ حضرت علیؓ کا ہے۔ عن علي ان النبي ﷺ قضى بالدين قبل الوصية وانتم تقرء ون الوصية قبل الدين (ترمذی شریف، باب ماجاء یبدأ بالدین قبل الوصیۃ، ص ۳۳۳، نمبر ۲۱۲۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے دین کو وصیت سے پہلے ادا کیا ہے۔

ترجمہ : ۲ اور اس وجہ سے بھی جائز ہے کہ قرض کا ادا کرنا حاجت اصلیہ میں سے ہے، اور ورثاء کا حق ترکہ کے ساتھ اس وقت متعلق ہوتا ہے جبکہ قرض سے فارغ ہو، یہی وجہ ہے کہ میت کے کفن کی ضرورت وراثت تقسیم کرنے سے پہلے پوری کی جاتی ہے

تشریح : یہ دوسری دلیل ہے کہ قرض ادا کرنا مریض کی اصلی ضرورت ہے، اور ورثاء کا حق قرض ادا کرنے کے بعد ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ میت کی ضرورت کفن ہے اس لئے پہلے کفن دیا جاتا ہے، اس سے بچتا ہے تب جا کر وراثت تقسیم کی جاتی ہے

ترجمہ : (۸۷۰) اگر مریض اپنے وارث کے لئے کسی دین کا اقرار کرے تو جب تک باقی ورثاء اس کی تصدیق نہ کریں یہ اقرار صحیح نہیں ہے

اصول : اقرار سے کسی کو نقصان ہو تو اقرار باطل ہوگا۔

تشریح : مرنے والا اپنے مرض الموت میں کسی ایک وارث کے لئے دین کا اقرار کرے تو یہ باطل ہے۔ البتہ باقی وارثین اس کی تصدیق کریں تو ٹھیک ہے۔

وجہ : (۱) وارث کے لئے اقرار کا باطل ہونا باقی ورثاء کو نقصان کی وجہ سے ہے۔ لیکن باقی ورثاء نقصان برداشت کریں اور تصدیق کریں کہ مورث کا اقرار ٹھیک ہے تو اقرار درست ہوگا اور مقر لہ کو مال دیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا يجوز لوارث وصية الا ان يشاء الورثة (دار قطنی، کتاب الوصایا، ج رابع ص ۸۷، نمبر ۴۲۹۷/

۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ: يَصِحُّ لِأَنَّهُ إِظْهَارُ حَقٍّ ثَابِتٍ لِتَرَجُّحِ جَانِبِ الصِّدْقِ فِيهِ، وَصَارَ كَالْإِقْرَارِ لِأَجْنَبِيٍّ وَبِوَارِثٍ آخَرَ وَبِوَدِيعَةٍ مُسْتَهْلَكَةٍ لِلْوَارِثِ . ۲؎ وَلَنَا قَوْلُهُ ﷺ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ وَلَا إِقْرَارَ لَهُ بِالدَّيْنِ، ۳؎ وَلِأَنَّهُ تَعَلَّقَ حَقُّ الْوَرَثَةِ بِمَالِهِ فِي مَرَضِهِ وَلِهَذَا يُمْنَعُ مِنَ التَّبَرُّعِ عَلَى

ترمذی شریف، باب ماجاء لا وصیۃ لوارث ،ص۳۲ نمبر ۲۱۲۰/ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث ،ص۴۰ نمبر ۲۸۷۰)اس حدیث میں ہے کہ ورثاء کے لئے وصیت نہیں کرسکتا۔ہاں! اگر باقی ورثاء تصدیق کریں تو وصیت کرسکتا ہے۔(۳)اور دین کا اقرار نہیں کرسکتا اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن جعفر بن محمد عن ابیه قال قال رسول الله ﷺ لا وصية لوارث ولا اقرار بدين** (دار قطنی، کتاب الوصایا ج رابع ص ۸۷، نمبر ۴۲۹۸)اس حدیث میں ہے کہ وارث کے لئے وصیت بھی نہ کرے اور اس کے لئے دین کا اقرار بھی نہ کرے، کیونکہ اس سے باقی ورثاء کو نقصان ہوگا۔

نوٹ : اسباب معروفہ کے ذریعے لوگوں کو وارث کا قرض ہونا معلوم ہو تو وہ دین دلوایا جائے گا۔مثلا بیل خریدا تھا جس کی قیمت مورث پر باقی تھی تو وہ مورث کے مال میں سے وارث کو دلوائی جائے گی۔

ترجمہ :۱؎ اور امام شافعیؒ کے ایک قول میں ہے کہ وارث کے لئے دین کا اقرار کرنا صحیح ہے، اس لئے کہ ثابت شدہ حق کا اظہار کرنا ہے سچ بات کو ثابت کرنے کے لئے، اور یہ اجنبی کے لئے اقرار کرنے کی طرح ہو گیا، یا دوسرے وارث کے لئے اقرار کرنے کی طرح ہو گیا، یا کسی وارث کی کوئی چیز ہلاک کیا ہے اس کے ضمان کے اقرار کرنے کی طرح ہو گیا ہے

تشریح امام شافعیؒ کے ایک قول میں ہے کہ مریض اپنے اس وارث کے لئے دین کا اقرار کرسکتا ہے،

وجہ :(۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کسی وارث کے ثابت شدہ حق کو ظاہر کرنا ہے اس لئے اقرار کی گنجائش ہوگی (۲) جس طرح اجنبی کے لئے دین کا اقرار کرسکتا ہے اسی طرح وارث کے لئے بھی اقرار کرسکتا ہے (۳) جس طرح ایسے وارث کے لئے اقرار کرسکتا ہے جس کو وراثت نہیں ملتی ہے اسی طرح ایسے وارث کے لئے بھی دین کا اقرار کرسکتا ہے جس کو وراثت ملتی ہے (۴)وارث کی چیز کو ہلاک کیا اس کی قیمت کا اقرار کرسکتا ہے اسی طرح اس وارث کے لئے بھی اقرار کرسکتا ہے

ترجمہ:۲؎ ہماری دلیل حضورؐ کا قول ہے **لا وصية لوارث** ۔

تشریح: اوپر کی حدیث یہ ہے۔ **عن جعفر بن محمد عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ لا وصية لوارث ولا اقرار بدين** (دار قطنی، کتاب الوصایا، ج رابع، ص ۸۷، نمبر ۴۲۹۸)

ترجمہ :۳؎ اور اس وجہ سے کہ مرض کی حالت میں اس کے مال کے ساتھ دوسرے ورثاء کا حق متعلق ہو گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ دوسرے وارث پر احسان کرنے سے مکمل روکا جائے گا، اس لئے بعض کو خاص کرنے میں دوسرے وارث کے حق کو باطل کرنا ہے

تشریح : مریض کے مال کے ساتھ دوسرے ورثاء کا حق متعلق ہو گیا ہے اس لئے بعض کے لئے دین کا اقرار کرنے میں دوسرے ورثاء کے حق کو باطل کرنا ہے اس لئے وارث کے لئے دین کا اقرار نہیں کرسکتا ہے

الْوَارِثِ أَصْلًا، فَفِي تَخْصِيصِ الْبَعْضِ بِهِ إِبْطَالُ حَقِ الْبَاقِينَ، ۴ وَلأَنَّ حَالَةَ الْمَرَضِ حَالَةُ الِاسْتِغْنَاءِ، ۵ وَالْقَرَابَةُ سَبَبُ التَّعَلُّقِ، إِلَّا أَنَّ هَذَا التَّعَلُّقَ لَمْ يَظْهَرْ فِي حَقِ الْأَجْنَبِيِّ لِحَاجَتِهِ إِلَى الْمُعَامَلَةِ فِي الصِّحَّةِ؛ لِأَنَّهُ لَوِ انْحَجَرَ عَنِ الْإِقْرَارِ بِالْمَرَضِ يَمْتَنِعُ النَّاسُ عَنِ الْمُعَامَلَةِ مَعَهُ، وَقَلَّمَا تَقَعُ الْمُعَامَلَةُ مَعَ الْوَارِثِ .۶ وَلَمْ يَظْهَرْ فِي حَقِ الْإِقْرَارِ بِوَارِثٍ آخَرَ لِحَاجَتِهِ أَيْضًا، ۷ ثُمَّ هَذَا التَّعَلُّقُ حَقُ بَقِيَّةِ الْوَرَثَةِ، فَإِذَا صَدَّقُوهُ فَقَدْ أَبْطَلُوهُ فَيَصِحُّ إِقْرَارُهُ.

ترجمه: ۴ اوراس لئے کہ مرض کی حالت میں اس کو پیسے کی ضرورت نہیں ہے، (اس لئے دوسرے کے لئے بلا وجہ اقرار کر سکتا ہے اس لئے اس کی اجازت نہیں ہے)

تشریح: واضح ہے

ترجمه: ۵ اور قرابت تعلق کا سبب ہے مگر یہ تعلق اجنبی کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے ساتھ صحت کی حالت میں معاملہ کرنا ہوگا کیونکہ اگر مرض کی وجہ سے اجنبی سے اقرار کرنا روک دیا جائے تو لوگ اس سے معاملہ کرنے میں رک جائیں گے، اور وارث کے ساتھ معاملہ کم ہی کرتے ہیں۔

تشریح: یہاں سے امام شافعی کے استدلال کا جواب ہے۔ رشتہ داری تعلق کا سبب ہے، اس لئے بہت ممکن ہے کہ رشتہ دار کے لئے دین کا اقرار کر لے اور دوسرے رشتہ داروں کو نقصان دے دے، لیکن اجنبی میں یہ بات نہیں ہے، اس لئے اجنبی کے لئے مرض کی حالت میں اقرار کر سکتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اجنبی کے لئے بھی اقرار کرنا روک دیا جائے تو اجنبی لوگ مریض کے ساتھ عقد کا معاملہ نہیں کریں گے، اس لئے اجنبی کے لئے اقرار کی گنجائش ہے

ترجمه: ۶ لوگ وارث تو ہیں لیکن ان کو وراثت نہیں ملتی ہے اس کے حق میں بھی ظاہر نہیں ہوگا اس لئے کہ ان کے ساتھ بھی معاملہ کرنے کی ضرورت ہے

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ جو لوگ مریض کے وارث تو ہیں لیکن وہ محجوب ہیں ان کے لئے دین کا اقرار کر سکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ بھی خرید و فروخت کا معاملہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے اجنبی سے معاملہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے ان کے لئے بھی اقرار کرنے کی گنجائش ہے

ترجمه: ۷ پھر یہ وراثت کا تعلق باقی وارثوں کا حق ہے، اس لئے اگر وہ تصدیق کر دیں تو خود انہوں نے اپنا حق ختم کر دیا تو اب مریض کا اقرار صحیح ہو جائے گا

تشریح: مریض کے اقرار کو اس لئے نافذ نہیں کیا گیا تھا کہ وارثوں کا حق ہے، لیکن اگر وارث اس کی تصدیق کر دیں کہ مریض نے قریب کے ورثاء کے لئے جو دین کا اقرار کیا ہے وہ صحیح ہے تو اب یہ اقرار نافذ کر دیا جائے گا، اس لئے کہ وارث نے خود ہی اپنا حق چھوڑ دیا ہے

(٨٧١)قَالَ (وَإِنْ أَقَرَّ لِأَجْنَبِيٍّ جَازَ وَإِنْ أَحَاطَ بِمَالِهِ) لِمَا بَيَّنَّا، ١ وَالْقِيَاسُ أَنْ لا يَجُوزَ إِلَّا فِي الثُّلُثِ؛ لِأَنَّ الشَّرْعَ قَصَرَ تَصَرُّفَهُ عَلَيْهِ .إِلَّا أَنَّا نَقُولُ: لَمَّا صَحَّ إِقْرَارُهُ فِي الثُّلُثِ كَانَ لَهُ التَّصَرُّفُ فِي ثُلُثِ الْبَاقِي لِأَنَّهُ الثُّلُثُ بَعْدَ الدَّيْنِ ثُمَّ وَثُمَّ حَتَّى يَأْتِيَ عَلَى الْكُلِّ.

(٨٧٢)قَالَ (وَمَنْ أَقَرَّ لِأَجْنَبِيٍّ ثُمَّ قَالَ: هُوَ ابْنِي ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَبَطَلَ إِقْرَارُهُ لَهُ، فَإِنْ أَقَرَّ لِأَجْنَبِيَّةٍ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَبْطُلْ إِقْرَارُهُ لَهَا) ١ وَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ دَعْوَةَ النَّسَبِ تَسْتَنِدُ إِلَى وَقْتِ الْعُلُوقِ فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ

ترجمہ :(٨٧١) اگر اجنبی کے لئے پورے مال کا اقرار کیا تب بھی جائز ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کیا (کہ یہ اس کی حاجت اصلیہ ہے)

تشریح : جب ضرورت کی وجہ سے اجنبی کے لئے دین کا اقرار کرسکتا ہے، تو مریض کو یہ بھی حق ہوگا کہ اجنبی کے کل مال کا اقرار کرلے، کیونکہ اس کو پورے مال کے اقرار کی ضرورت پڑسکتی ہے

ترجمہ : ١ اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ صرف تہائی مال میں جائز ہو، اس لئے کہ شریعت نے وصیت میں صرف تہائی مال کی اجازت دی ہے، مگر یہ کہتا ہوں جب تہائی میں اقرار صحیح ہوا، تو باقی تہائی میں پھر تصرف کرے گا یعنی اقرار کرے گا، اور پھر تیسری مرتبہ تہائی میں اقرار کرے گا، اس طرح کل مال کا اقرار ہو جائے گا

تشریح : یہ عقلی دلیل ہے۔ کہ مریض کو جب اجنبی کے قرض کے لئے ایک تہائی کے اقرار کا حق ہے، تو پہلے ایک تہائی کا اقرار کرے گا، پھر قرض باقی رہ گیا ہے تو دوسری تہائی کا اقرار کرے گا، پھر بھی قرض باقی رہ گیا ہے تو تیسری تہائی کا اقرار کرے گا، اس طرح تین تہائی کا اقرار کرلے گا، اور کل ملا کر پورے مال اقرار کا ہو جائے گا، اور مریض کو پورے مال کے اقرار کا حق مل جائے گا

ترجمہ :(٨٧٢) کسی نے اپنے مرض الموت میں اجنبی کے لئے اقرار کیا پھر کہا وہ میرا بیٹا ہے تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور اس کا اقرار باطل ہوگا۔ اور اگر اجنبی عورت کے لئے اقرار کیا پھر اس سے (مہر مثل میں) نکاح کرلیا تو اس کا اقرار باطل نہیں ہوگا

ترجمہ : ١ فرق کی وجہ یہ ہے کہ بیٹے سے نسب کا دعوی کرے گا تو حمل کے ٹھہرنے ہی سے بیٹا شمار ہوگا، اس لئے یہ ظاہر ہوا کہ اپنے بیٹے ہی کے لئے اقرار کیا (جو اس کا وارث ہے) اس لئے اس کے لئے اقرار صحیح نہیں ہوگا، اور بیوی کا معاملہ ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ زوجیت نکاح کے وقت سے شروع ہوتا ہے (اس سے پہلے سے نہیں) اس لئے یہ بات ثابت ہوگئی کہ مریض نے اجنبیہ ہی کے لئے اقرار کیا ہے

اصول: جہاں دوسرے کو نقصان دینے کا شبہ نہ ہو وہاں اقرار درست ہے۔

تشریح: ایک بچہ اجنبی تھا مریض نے پہلے اس کے لئے دین کا اقرار کیا، پھر اس کے لئے اپنا بیٹا ہونے کا اقرار کیا، تو یہ بچہ حمل کے وقت سے ہی اس کا بیٹا ہوگا، اور گویا کہ اپنے بیٹے کے لئے اقرار کیا جو اس کا وارث اصلی ہے، اس لئے نسب تو ثابت ہو جائے گا، کیونکہ شریعت میں نسب ثابت کرنا اہم ضرورت ہے، لیکن اقرار باطل ہو جائے گا۔ اور اجنبی عورت کے لئے جب

أَقَرَّ لِابْنِهِ فَلا يَصِحُّ وَلَا كَذٰلِكَ الزَّوْجِيَّةُ لِأَنَّهَا تَقْتَصِرُ عَلَى زَمَانِ التَّزَوُّجِ فَبَقِيَ إِقْرَارُهُ لِأَجْنَبِيَّةٍ.
(٨٧٣)قَالَ: (وَمَنْ طَلَّقَ زَوْجَتَهُ فِي مَرَضِهِ ثَلاثًا، ثُمَّ أَقَرَّ لَهَا بِدَيْنٍ وَمَاتَ فَلَهَا الْأَقَلُّ مِنَ الدَّيْنِ وَمِنْ مِيرَاثِهَا مِنْهُ) ل لِأَنَّهُمَا مُتَّهَمَانِ فِيهِ لِقِيَامِ الْعِدَّةِ، وَبَابُ الْإِقْرَارِ مَسْدُودٌ لِلْوَرَثَةِ، فَلَعَلَّهُ أَقْدَمَ عَلَى هَذَا الطَّلَاقِ لِيَصِحَّ إِقْرَارُهُ لَهَا زِيَادَةً عَلَى مِيرَاثِهَا وَلَا تُهْمَةَ فِي أَقَلِّ الْأَمْرَيْنِ فَيَثْبُتُ .

اقرار کر رہا تھا تب وہ عورت اجنبیہ تھی، اور اس کے لئے اقرار کر سکتا تھا، پھر جب اس سے نکاح کیا تو نکاح کے وقت سے بیوی بنی ہے اقرار کے وقت اجنبیہ تھی اس لئے اس کے لئے اقرار کر سکتا ہے

ترجمہ :(٨٧٣) کسی نے اپنی بیوی کو مرض الموت میں تین طلاقیں دیں، ابھی وہ عدت میں تھی کہ اس کے لئے دین کا اقرار کیا پھر انتقال کر گیا تو عورت کے لئے دین اور شوہر سے میراث میں سے جو کم ہے وہ ملے گا۔

ترجمہ :ل اس لئے کہ یہاں بیوی اور شوہر دونوں متہم ہیں کہ (ایک طلاق دیکر زیادہ مال دینے کا اقرار کر رہا ہے) کیونکہ ابھی عدت باقی ہے، اور ورثاء کے لئے اقرار کرنا ممنوع ہے، تو یہ ہوسکتا ہے کہ طلاق دینے کا اقدام اس لئے کیا ہوتا کہ اس کے لئے وراثت سے زیادہ اقرار کرنا صحیح ہو، اور دونوں میں سے کم دینے میں کوئی تہمت نہیں ہے، اس لئے کم رقم ثابت ہوگی

تشریح : مثلا زید نے اپنے مرض الموت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، ابھی وہ عدت ہی میں تھی کہ اس کے لئے اقرار کیا کہ اس کے مجھ پر پانچ سو درہم قرض ہیں۔ پھر زید کا انتقال ہوگیا تو دیکھا جائے گا کہ عورت کو شوہر کی وراثت میں کم ملتا ہے یا اقرار میں کم ملتا ہے۔ جس میں کم ملے گا وہی عورت کو ملے گا۔ مثلا وراثت مین چار سو درہم ملتے تھے تو وراثت ملے گی کیونکہ اقرار میں پانچ سو درہم ملنے والے تھے جو زیادہ ہیں۔

وجہ : (١) اس میں یہ شبہ ہے کہ شوہر بیوی کے لئے بھاری رقم دین کا اقرار کرنا چاہتا تھا لیکن وارث ہونے کی وجہ سے نہیں کر سک رہا تھا۔ اس لئے بیوی کو طلاق دے کر پہلے اجنبیہ بنایا پھر اس کے لئے بھاری رقم کا اقرار کیا۔ اس شبہ کی وجہ سے وراثت اور اقرار میں سے جو کم ہو وہ رقم بیوی کو ملے گی۔ (٢) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال الاضرار فی الوصیة من الکبائر (دار قطنی، کتاب الوصایا، ج رابع، ص ٨٦، نمبر ٤٢٤٩) اس حدیث میں ہے وصیت کر کے کسی کو نقصان دینا گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے کم دیکر باقی ورثاء کو نقصان سے بچایا جائے گا۔

﴿فصل﴾

(۸۷۴)(وَمَنْ أَقَرَّ بِغُلَامٍ يُولَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ، وَلَيْسَ لَهُ نَسَبٌ مَعْرُوفٌ أَنَّهُ ابْنُهُ وَصَدَّقَهُ الْغُلَامُ ثَبَتَ

فصل

ترجمہ: (۸۷۴) کسی نے ایک لڑکے کے بارے میں کہ اس جیسا لڑکا اس جیسے آدمی سے پیدا ہوسکتا ہو اور لڑکے کا نسب معلوم نہ ہو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور لڑکے نے اس کی تصدیق کر دی تو لڑکے کا نسب اس آدمی سے ثابت ہوگا اگر چہ آدمی بیمار ہو

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ نسب ثابت کرنا شریعت میں اہم مانا جاتا ہے تا کہ آدمی حرامی شمار نہ ہو

اصول: نسب ثابت کرنے میں یہ ضروری ہے کہ خود اپنے لئے نسب ثابت کرتا ہو، دوسرے کے لئے نسب ثابت کرتا نہ ہو

تشریح: ایک ایسا لڑکا ہے جس کا نسب معلوم نہیں اور ایک بڑے آدمی نے جس سے اس قسم کا لڑکا پیدا ہوسکتا ہے یہ اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اور لڑکا بول سکتا تھا اس لئے اس نے بھی تصدیق کی میں اس کا لڑکا ہوں تو اس لڑکے کا نسب اس آدمی سے ثابت ہو جائے گا۔ چاہے یہ آدمی مرض الموت میں مبتلا کیوں نہ ہو۔ اور باپ کے مرنے پر جس طرح اور وارثوں کو وراثت ملے گی اس بیٹے کو بھی وراثت ملے گی۔

ہر ایک جملے کی تشریح: تین شرط ہیں۔ ا۔ لڑکے کا نسب معلوم نہ ہو اس لئے کہا کہ اگر لڑکے کا نسب معلوم ہو تو اس آدمی سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایک بیٹا دو آدمیوں کا نہیں ہوسکتا۔ ۲۔ اور لڑکا اس عمر کا ہو کہ اس آدمی کا بیٹا بن سکتا ہو اس لئے کہا کہ مثلا لڑکے کی عمر پندرہ سال ہے اور باپ کی عمر بیس سال ہے تو کیسے یہ لڑکا اس کا بیٹا بنے گا؟ یہ تو صریح جھوٹ ہوگا۔ اس لئے بیٹا بننے کی عمر ہونا ضروری ہے۔ ۳۔ اور لڑکے کی تصدیق کرنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ لڑکا بول سکتا ہے تو کسی سے نسب ثابت کرنا اس کا ذاتی حق ہے۔ اس لئے اس کی تصدیق کی بھی ضرورت پڑے گی۔ پس اگر لڑکا بیٹا ہونے کی تصدیق نہ کرے تو مرد سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) اپنے بیٹے کا نسب اپنے سے منسوب کرنا حاجت اصلیہ میں سے ہے جس طرح شادی کرنا حاجت اصلیہ میں سے ہے۔ اس لئے مرض الموت کی حالت میں بھی نسب کا اقرار کر سکتا ہے۔ اب اس اقرار کی وجہ سے دوسرے ورثاء کو وراثت لینے میں نقصان ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور جب بیٹا بن گیا تو وراثت میں شریک بھی ہوگا (۲) قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے کہ دعوی کرنے کی وجہ سے نسب ثابت کر دیا گیا۔ قال اتی علی بثلاثة وهو باليمن وقعوا على امرأة في طهور واحد فسأل اثنين اتقران لهذا بالولد؟ قالا لا حتى سألهم جميعا فجعل كلما سأل اثنين قالا لا فاقرع بينهم فالحق الولد بالذى صارت عليه القرعة وجعل عليه ثلثى الدية قال فذكر ذلك للنبى ﷺ فضحك حتى بدت نواجذه (ابو داؤد شریف، باب من قال بالقرعة اذا تنازعوا فی الولد، ص ۳۱۶، نمبر ۲۲۷۰)

نَسَبُهُ مِنْهُ وَإِنْ كَانَ مَرِيضًا) ١ لِأَنَّ النَّسَبَ مِمَّا يَلْزَمُهُ خَاصَّةً، فَيَصِحُّ إِقْرَارُهُ بِهِ، ٢ وَشَرْطٌ أَنْ يُولَدَ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ كَيْ لَا يَكُونَ مُكَذَّبًا فِي الظَّاهِرِ، ٣ وَشَرْطٌ أَنْ لَا يَكُونَ لَهُ نَسَبٌ مَعْرُوفٌ؛ لِأَنَّهُ يَمْنَعُ ثُبُوتَهُ مِنْ غَيْرِهِ، ٤ وَإِنَّمَا شَرَطَ تَصْدِيقَهُ لِأَنَّهُ فِي يَدِ نَفْسِهِ إِذِ الْمَسْأَلَةُ فِي غُلَامٍ يُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهِ، بِخِلَافِ الصَّغِيرِ عَلَى مَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ، ٥ وَلَا يَمْتَنِعُ بِالْمَرَضِ؛ لِأَنَّ النَّسَبَ مِنَ الْحَوَائِجِ

نسائی شریف، باب القرعۃ فی الولد اذا تنازعوا فیہ، ج ثانی، ص ۹۴، نمبر ۳۵۱۸) اس قول صحابی میں تین آدمیوں نے بیٹا ہونے کا دعوی کیا تو حضرت علی نے قرعہ سے اس کا فیصلہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ نسب کے اقرار کرنے سے نسب ثابت ہو سکتا ہے۔

اصول: مرض الموت میں حاجت اصلیہ کا اقرار کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ نسب کے اقرار میں یہ ضروری ہے کہ اپنے ہی اوپر نسب ڈالے (دوسرے کے اوپر نہ ڈالے، اس صورت میں نسب کا اقرار کر سکتا ہے

تشریح: نسب کے اقرار میں یہ ضروری ہے کہ نسب اپنے اوپر ڈالے دوسرے کے اوپر نہیں، جیسے مرد بیٹے کے نسب کا اقرار کرے تو یہ نسب خود مرد پر ہوتا ہے، اس لئے نسب کا اقرار کر سکتا ہے۔ اور عورت بیٹا ہونا کا اقرار کرے تو اس بیٹے کا نسب اس کے شوہر سے ثابت ہوگا، تو دوسرے پر نسب ڈالنا ہوا، اس لئے شوہر کی رضا مندی کے بغیر عورت اپنا بیٹا ہونے کا اقرار نہیں کر سکتی

ترجمہ: ٢ شرط یہ ہے کہ اس عمر کا لڑکا اس عمر کے باپ سے پیدا ہو سکتا ہو، تا کہ ظاہری طور پر جھوٹ ثابت نہ ہو۔

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ٣ اور یہ شرط بھی ہے کہ اس لڑکے کا نسب مشہور نہ ہو، اس لئے کہ اگر دوسرے سے نسب مشہور ہو تو اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ٤ لڑکے کی تصدیق کرنے کی شرط اس لئے لگائی کہ، لڑکے کا اس پر قبضہ ہے، کیونکہ مسئلہ یہ فرض کیا گیا ہے کہ بچہ اس عمر کا ہے کہ وہ اپنی بات کہہ سکتا ہے، بخلاف چھوٹے بچے کے جیسا کہ پہلے گزرا۔

تشریح: چوتھی شرط یہ لگائی کہ لڑکا یہ تصدیق کرے کہ میں اسی کا بیٹا ہوں، یہ شرط اس لئے لگائی کہ بچے کو اپنے اوپر قبضہ ہے، اور مسئلہ یہ فرض کیا گیا ہے کہ بچہ اس عمر کا ہے کہ وہ خود اپنی بات کہہ سکتا ہے، اس لئے بچے کی تصدیق ضروری ہے، البتہ اگر بچہ چھوٹا ہے تو پہلے کتاب الدعوی میں یہ گزرا ہے کہ ایک بچہ اتنا چھوٹا ہے کہ اپنی بات نہیں کہہ سکتا ہے، تو بچہ جس کے قبضے میں ہے اس کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ: ٥ اور بیماری کی وجہ سے ثبوت نسب رو کا نہیں جائے گا اس لئے کہ یہ حاجت اصلیہ میں سے ہے،

تشریح: واضح ہے

الْأَصْلِيَّةِ ٦ (وَيُشَارِكُ الْوَرَثَةَ فِي الْمِيرَاثِ)؛ لِأَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ صَارَ كَالْوَارِثِ الْمَعْرُوفِ فَيُشَارِكُ وَرَثَتَهُ .

(۸۷۵)قَالَ (وَيَجُوزُ إِقْرَارُ الرَّجُلِ بِالْوَالِدَيْنِ وَالْوَلَدِ وَالزَّوْجَةِ وَالْمَوْلَى) ١ لِأَنَّهُ أَقَرَّ بِمَا يَلْزَمُهُ، وَلَيْسَ فِيهِ تَحْمِيلُ النَّسَبِ عَلَى الْغَيْرِ.

(۸۷٦)(وَيُقْبَلُ إِقْرَارُ الْمَرْأَةِ بِالْوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجِ وَالْمَوْلَى)؛ لِمَا بَيَّنَّا (وَلَا يُقْبَلُ بِالْوَلَدِ)؛ ١ لِأَنَّ فِيهِ

ترجمہ :٦ اور یہ لڑکا وراثت میں ورثاء کا شریک ہوگا، اس لئے کہ جب باپ سے نسب ثابت ہو گیا تو یہ مشہور وارث کی طرح ہو گیا، اس لئے باقی وارثوں کے ساتھ شریک ہوگا

تشریح: واضح ہے

ترجمہ:(۸۷۵) جائز ہے آدمی کا اقرار کرنا والدین کا، بیوی کا، بیٹے کا اور مولی کا۔

ترجمہ:١ اس لئے کہ جو اختیار میں تھا اس کا اقرار کیا ہے، اور غیر پر نسب نہیں ڈالا ہے

تشریح : مثلا زید اقرار کرتا ہے کہ عمر اور اس کی بیوی میرے والدین ہیں یا خالدہ میری بیوی ہے۔ یا خالد میرا لڑکا ہے یا مولی ہے۔ اور یہ لوگ بھی تصدیق کرتے ہوں کہ ایسا ہی ہے جیسا زید کہہ رہا ہے تو ان نسبوں کا اقرار کرنا جائز ہے۔

وجہ: ان نسبوں کے اقرار کی وجہ سے دوسروں پر نسب کا الزام رکھنا نہیں ہے اور نہ دوسروں کا نسب ثابت کرنا ہے بلکہ صرف اپنے نسب کی نسبت کسی کی طرف کرنا ہے۔ اس لئے چونکہ دوسروں کا نقصان نہیں ہے اپنا اختیاری فعل ہے اس لئے جائز ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ کسی کا نقصان نہ ہو تو ایسا اقرار نسب کر سکتا ہے۔ اور اس کی بنیاد پر کسی وارث کا نقصان ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اصول: ، دوسرا اصول یہ ہے کہ تحمیل النسب علی الغیر نہ ہو

ترجمہ:(۸۷٦) قبول کیا جائے گا عورت کا اقرار والدین کا اور شوہر کا اور مولی کا۔ اور بچہ ہونے کا نسب قبول نہیں کیا جائے گا

ترجمہ:١ اس لئے کہ یہاں نسب کو غیر پر ڈالنا ہے، اور وہ شوہر ہے، اس لئے کہ اسی سے نسب ثابت ہوگا، مگر یہ کہ شوہر اس کی تصدیق کرے اس لئے کہ اس کا حق ہے

اصول: تحمیل النسب علی الغیر نہ ہو تو نسب ثابت کیا جائے گا۔ اور تحمیل النسب علی الغیر ہو تو نسب ثابت نہیں کیا جائے گا

تشریح: عورت کسی کے بارے میں اقرار کرے کہ یہ باپ ہے یا ماں ہے یا میرا شوہر ہے یا میرا مولی ہے تو جائز ہے۔ اور وہ لوگ بھی تصدیق کر دیں کہ ایسا ہی ہے تو یہ سب ثابت ہو جائیں گے۔ اور بیٹا ہونے کا اقرار کرے تو جب تک شوہر اس کی تصدیق نہ کرے نسب ثابت نہیں ہوگا، اس لئے کہ عورت کے اقرار کے بعد یہ نسب شوہر سے ثابت ہوگا، اس کی وراثت میں حقدار ہوگا، اور بچے کا خرچ بھی شوہر پر لازم ہوگا، اس لئے شوہر کی تصدیق ضروری ہے

تَحْمِيلَ النَّسَبِ عَلَى الْغَيْرِ وَهُوَ الزَّوْجُ؛ لِأَنَّ النَّسَبَ مِنْهُ (إِلَّا أَنْ يُصَدِّقَهَا الزَّوْجُ)؛ ٢ لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُ (أَوْ تَشْهَدَ بِوِلَادَتِهِ قَابِلَةٌ)؛ لِأَنَّ قَوْلَ الْقَابِلَةِ فِي هَذَا مَقْبُولٌ، وَقَدْ مَرَّ فِي الطَّلَاقِ، وَقَدْ ذَكَرْنَا فِي إِقْرَارِ الْمَرْأَةِ تَفْصِيلًا فِي كِتَابِ الدَّعْوَى، ٣ وَلَا بُدَّ مِنْ تَصْدِيقِ هَؤُلَاءِ، ٤ وَيَصِحُّ التَّصْدِيقُ فِي النَّسَبِ بَعْدَ مَوْتِ الْمُقِرِّ؛ لِأَنَّ النَّسَبَ يَبْقَى بَعْدَ الْمَوْتِ، وَكَذَا يَصِحُّ تَصْدِيقُ الزَّوْجَةِ؛ لِأَنَّ حُكْمَ النِّكَاحِ

وجه : (۱)والدین کی صورت میں کسی دوسرے پرنسب ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ نسب اپنے اوپر لینا ہے۔اس لئے جائز ہے اوراس اقرار میں کسی کونقصان دینے کا شبہ بھی نہیں ہے اس لئے بھی جائز ہے۔(۲) حدیث میں دوسروں پرنسب کے الزام ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔**عن ابی هریرة انه سمع رسول الله ﷺ یقول حین نزلت آیة المتلاعنین ایما امرأة ادخلت علی قوم من لیس منهم فلیست من الله فی شیء ولن یدخلها الله جنته وایما رجل جحد ولده وهو ینظر الیه احتجب الله تعالی منه وفضحه علی رؤس الاولین والآخرین** (ابوداؤد شریف، باب التغلیظ فی الانتفاء،ص ۳۱۵،نمبر ۲۲۶۳ رنسائی شریف، باب التغلیظ فی الانتفاء من الولد، ج ثانی،ص ۹۴،نمبر ۳۵۱۱)اس حدیث میں دوسروں پر بلا وجہ نسب ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔اس لئے شوہر تصدیق نہ کرے اس وقت تک لڑکے کے بارے میں عورت کا اقرار قبول نہیں ہے

ترجمه : ۲ یا دائی بچہ پیدا ہونے کی گواہی دے اس لئے کہ اس بارے میں دائی کی گواہی مقبول ہے،اور یہ بحث کتاب الطلاق میں گزر چکی ہے،اور کتاب الدعوی میں عورت کے اقرار کی تفصیل میں نے ذکر کردی ہے

وجه :۔حدیث میں ہے کہ بچے کے بارے میں ایک دائی کی گواہی مقبول ہے،حدیث یہ ہے۔**عن حذیفة ان رسول الله ﷺ اجاز شهادة القبلة** ،(دار قطنی ، باب المرأة تقتل اذا ارتدت، ج ۵،ص ۴۱۶،نمبر ۴۵۵۷)

ترجمه: ۳ نسب ثابت ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ لوگ نسب کی تصدیق کریں

تشریح :نسب ثابت ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ لوگ بھی تصدیق کریں کہ یہ نسب صحیح ہے،مثلا والدین کہیں کہ میں فلاں عورت کا باپ،اور ماں ہوں۔شوہر کہے کہ میں فلاں عورت کا شوہر ہوں۔آقا کہے کہ میں فلاں عورت کا آقا ہوں تو یہ سب نسب ثابت ہوگا

ترجمه :۴ اورنسب میں مقر کے مرنے کے بعد بھی تصدیق کرنا صحیح ہے،اس لئے کہ نسب موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے، ایسے ہی شوہر کے مرنے کے بعد بھی بیوی کی تصدیق کرنا صحیح ہے،اس لئے کہ نکاح کا حکم باقی ہے،اور ایسے ہی بیوی کے مرنے کے بعد بھی شوہر کی تصدیق صحیح ہے،اس لئے (شوہر کو بیوی کی وراثت ملتی ہے)اور وراثت ملنا موت کے احکام میں سے ہے

تشریح: مقر کے مرنے کے بعد بھی یہ لوگ تصدیق کر سکتے ہیں کہ ہاں یہ نسب صحیح ہے،کیونکہ یہ نسب کا معاملہ ہے،اور نسب اقرار کرنے والے کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے،اسی طرح شوہر کا انتقال ہوگیا،اس کے بعد بیوی نے تصدیق کی کہ میں اس

بَاقٍ، وَكَذَا تَصْدِيقُ الزَّوْجِ بَعْدَ مَوْتِهَا؛ لِأَنَّ الْإِرْثَ مِنْ أَحْكَامِهِ . ۵ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لَا يَصِحُّ؛ لِأَنَّ النِّكَاحَ انْقَطَعَ بِالْمَوْتِ، وَلِهَذَا لَا يَحِلُّ لَهُ غَسْلُهَا عِنْدَنَا، ٦ وَلَا يَصِحُّ التَّصْدِيقُ عَلَى اعْتِبَارِ الْإِرْثِ؛ لِأَنَّهُ مَعْدُومٌ حَالَةَ الْإِقْرَارِ، وَإِنَّمَا يَثْبُتُ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالتَّصْدِيقُ يَسْتَنِدُ إِلَى أَوَّلِ الْإِقْرَارِ.
(۸۷۷) قَالَ: (وَمَنْ أَقَرَّ بِنَسَبٍ مِنْ غَيْرِ الْوَالِدَيْنِ وَالْوَلَدِ نَحْوَ الْأَخِ وَالْعَمِّ لَا يُقْبَلُ إِقْرَارُهُ فِي

کی بیوی ہوں تو بات مان لی جائے گی، کیونکہ ابھی عورت پر عدت ہے اس لئے نکاح کے احکام باقی ہیں، اس لئے بیوی ہونے کی تصدیق کر سکتی ہے۔ اسی طرح بیوی کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد شوہر نے تصدیق کی کہ میں اس کا شوہر ہوں تو بات مان لی جائے گی، کیونکہ شوہر بیوی کا وارث ہوگا تو گویا کہ زوجیت کے احکام باقی ہیں، اس لئے مرنے کے بعد بھی شوہر تصدیق کر سکتا ہے

ترجمہ : ۵ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بیوی کے مرنے کے بعد شوہر کی تصدیق صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ موت کی وجہ سے نکاح منقطع ہو چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے نزدیک بیوی کو غسل دینا حلال نہیں ہے

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بیوی کے مرنے کے بعد شوہر اس کے بیوی ہونے کی تصدیق نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کا نکاح منقطع ہو چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا ہے

وجہ : صحیح بات یہ ہے کہ شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے، اس کے لئے حدیث یہ ہے۔ عن عائشه قالت رجع رسول الله من جنازة و انا اجد صداعا في رأسي و انا اقول وا رأساه ، قال بل انا وارأساه ، ثم قال ما ضرک لو متِ قبلي فغسلتک و كفنتک و صليت عليک ثم دفنت (سنن کبری للنسائی، باب بدء علۃ النبی ﷺ ج ۶، ص ۳۸۱، نمبر ۷۰۴۲) اس حدیث میں ہے کہ اے عائشہ میں تم کو غسل بھی دوں گا، اور کفن بھی پہناؤں گا، اس لئے شوہر اپنی بیوی کو غسل اور کفن دے سکتا ہے

ترجمہ : ٦ اور وراثت کے اعتبار سے تصدیق صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ جب زندگی میں اقرار کر رہی تھی اس وقت وراثت کا معاملہ نہیں تھا، وراثت کا معاملہ تو مرنے کے بعد شروع ہوا، اور تصدیق زندگی میں اقرار کی طرف منسوب ہوگی

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے صاحبین کو جواب ہے، صاحبین نے استدلال کیا تھا کہ شوہر کو بیوی کی وراثت ملتی ہے، اس لئے گویا کہ موت کے بعد بھی نکاح قائم ہے، اس لئے شوہر تصدیق کر سکتا ہے۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ، جب بیوی اپنی زندگی میں اقرار کر رہی تھی اس وقت وراثت کا مسئلہ ہی نہیں تھا، وراثت کا مسئلہ تو مرنے کے بعد شروع ہوتا ہے، اور شوہر جب شوہر ہونے کی تصدیق کرے گا، تو وہ تصدیق زندگی کی طرف منسوب ہوگا اور اس کا مطلب یہی ہوگا کہ میں بیوی کی زندگی میں شوہر تھا، مرنے کے بعد نہیں، اس لئے وراثت سے نکاح قائم ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ : (۸۷۷) کسی نے والدین اور اولاد کے علاوہ کا مثلا بھائی کا یا چچا کے نسب کا اقرار کیا تو اس کے نسب کا اقرار قبول

النَّسَبِ) ۱؎ لِأَنَّ فِيهِ حَمْلَ النَّسَبِ عَلَى الْغَيْرِ ۱؎ (فَإِنْ كَانَ لَهُ وَارِثٌ مَعْرُوفٌ قَرِيبٌ أَوْ بَعِيدٌ فَهُوَ أَوْلَى بِالْمِيرَاثِ مِنَ الْمُقَرِّ لَهُ) لِأَنَّهُ لَمَّا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ مِنْهُ لَا يُزَاحِمُ الْوَارِثَ الْمَعْرُوفَ (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَارِثٌ اسْتَحَقَّ الْمُقَرُّ لَهُ مِيرَاثَهُ) لِأَنَّ لَهُ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ فِي مَالِ نَفْسِهِ عِنْدَ عَدَمِ الْوَارِثِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ لَهُ أَنْ يُوصِيَ بِجَمِيعِهِ عِنْدَ عَدَمِ الْوَارِثِ فَيَسْتَحِقُّ جَمِيعَ الْمَالِ، وَإِنْ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ

نہیں کیا جائے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ تحمیل النسب علی الغیر ہے، یعنی دوسرے پرنسب کو ڈالنا ہے

اصول: دوسرے پرنسب ڈالنا ٹھیک نہیں ہے

تشریح: مثلا زید نے اقرار کیا کہ عمر میرا بھائی ہے یا چچا ہے تو یہ اقرار قبول نہیں کیا جائے گا۔

وجہ: بھائی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ میرے باپ کا بیٹا ہے تو مقر نے اپنے باپ سے نسب ثابت کر دیا۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ دوسرے پرنسب کا الزام نہیں رکھ سکتا اور دوسرے سے نسب ثابت نہیں کر سکتا۔اپنے پر کرے تو ٹھیک ہے۔اس لئے بھائی کا اقرار کرنا باطل ہے۔اسی طرح یہ کہے کہ یہ میرا چچا ہے تو اس مطلب یہ ہوا کہ میرے دادا کا بیٹا ہے تو دادا سے نسب ثابت کیا تو دوسرے سے نسب ثابت کیا جو صحیح نہیں ہے۔اس لئے چچا ہونے کا بھی اقرار نہیں کر سکتا۔

ترجمہ: ۱؎ پس اگر مقر کے لئے معلوم وارث ہو قریبی یا دور کے تو وہ مقر لہ سے میراث کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس لئے کہ جب مقر لہ کا نسب مرنے والے سے ثابت نہیں ہوا تو وہ معروف وارثوں سے مقابلہ نہیں کرے گا،اور اگر مرنے والے کا کوئی مشہور وارث نہ ہو تو اب مقر لہ اس کی میراث کا وارث بنے گا،اس لئے کہ وارث نہ ہوتے وقت اپنے مال کے تصرف کا اس کو حق ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ وارث نہ ہو تو وہ اپنے پورے مال کی وصیت کر سکتا ہے،اس لئے چاہے اس سے نسب ثابت نہ ہو مقر لہ تمام مال کا وارث بنے گا (اور معروف نسب والا نہ ہو تب اس کو وراثت ملے گی)اس لئے کہ یہاں تحمیل النسب علی الغیر ہے

تشریح: مثلا زید نے عمر کے لئے اقرار کیا کہ وہ میرا بھائی ہے یا چچا ہے تو تحمیل النسب علی الغیر کی وجہ سے اس کا نسب زید سے ثابت نہ ہو سکا۔اب اگر مقر زید کا کوئی وارث ہے چاہے وہ قریبی وارث ہو یا دور کا وارث ہو تو وہ زید کی میراث کا حقدار ہوگا۔اور کوئی معروف وارث نہ ہو تو اب اس مقر لہ کو وراثت ملے گی

وجہ: (۱) کیونکہ وہ ثابت شدہ وارث ہیں۔اور بھائی اور چچا جن کا اقرار کیا تھا ان کا نسب ہی زید سے ثابت نہیں ہوا اس لئے وہ زید کے وارث نہیں ہوں گے۔ ہاں! کوئی وارث نہ ہوں نہ قریب کا نہ دور کا تو اب جن کے لئے بھائی یا چچا ہونے کا اقرار کیا ہے وہ وارث ہوں گے۔کیونکہ زید کا اپنا مال ہے کوئی وارث نہ ہونے کے وقت جس کو چاہے دے سکتا ہے۔اس لئے اب بیت المال میں وراثت جانے کے بجائے مقر لہ کو دی جائے گی۔ (۲) اس صورت میں بھائی یا چچا کو نسب ثابت کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اقرار کرنے کی وجہ سے وراثت دے دی گئی۔کیونکہ اب بیت المال کے علاوہ کوئی وراثت لینے والا نہیں

مِنْهُ؛ لِمَا فِيهِ مِنْ حَمْلِ النَّسَبِ عَلَى الْغَيْرِ، ٢ وَلَيْسَتْ هَذِهِ وَصِيَّةً حَقِيقَةً حَتَّى أَنَّ مَنْ أَقَرَّ بِأَخٍ ثُمَّ أَوْصَى لِآخَرَ بِجَمِيعِ مَالِهِ كَانَ لِلْمُوصَى لَهُ ثُلُثُ جَمِيعِ الْمَالِ، وَلَوْ كَانَ الْأَوَّلُ وَصِيَّةً لَاشْتَرَكَا نِصْفَيْنِ لَكِنَّهُ بِمَنْزِلَتِهِ، ٣ حَتَّى لَوْ أَقَرَّ فِي مَرَضِهِ بِأَخٍ وَصَدَّقَهُ الْمُقَرُّ لَهُ، ثُمَّ أَنْكَرَ الْمُقِرُّ قَرَابَتَهُ ثُمَّ أَوْصَى بِمَالِهِ كُلِّهِ لِإِنْسَانٍ كَانَ مَالُهُ لِلْمُوصَى لَهُ؛ وَلَوْ لَمْ يُوصِ لِأَحَدٍ كَانَ لِبَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّ

ہے(٣)اس حدیث میں اشارہ ہے کہ کوئی وارث نہ ہوتو مقرلہ کو وراثت دی جاسکتی ہے۔عن عائشة ان رجلا وقع من نخلة فمات وترک شيئا ولم يدع ولدا ولا حميما فقال رسول الله ﷺ اعطوا ميراثه رجلا من اهل قريته (سنن للبیھقی ،باب من جعل میراث من لم یدع وارثا ولا مولی فی بیت المال، ج سادس، ص ٣٩٨،نمبر ١٢٤٠٠ ر ترمذی شریف، باب ما جاء فی الذی یموت ولیس لہ وارث ص ٢٣ نمبر ٢١٠٥)اس حدیث میں کوئی وارث نہیں تھا تو گاؤں والے کو اس کی وراثت دیدی گئی۔اس لئے کوئی وارث نہ ہوتو مقرلہ کو وراثت دے دی جائے گی۔

اصول: کوئی وارث نہ ہوتو مقرلہ کو اس کی وراثت دی جائے گی چاہے اس سے نسب ثابت نہ ہوا ہو۔

ترجمہ: ٢ لیکن یہ حقیقی وصیت نہیں ہے، بلکہ وصیت کے درجے میں ہے،یہی وجہ ہے کہ اگر بھائی ہونے کا اقرار کیا، پھر دوسرے کے لئے تمام مال کی وصیت کردی، جو جس کے لئے وصیت کی ہے اس کو تہائی مال مل جائے گا،اگر یہ حقیقی وصیت ہوتی تو دونوں وصیت میں آدھے آدھے کے حقدار ہوتے،لیکن تہائی مال موصی لہ کو ملا اس لئے کہ یہ وصیت کے درجے میں ہے، حقیقی وصیت نہیں ہے

تشریح: یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں بھائی کا اقرار کرنا، یہ مقر کی حقیقی وصیت نہیں ہے، اور دوسری بات یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ بھائی کا نسب ثابت ہوا ہی نہیں،اس لئے بھائی ہونے کا انکار کر دے تو انکار ہو جائے گا، یہ حقیقت میں وصیت نہیں ہے بلکہ بمنزلہ وصیت ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔زید نے عمر کے لئے بھائی ہونے کا اقرار کیا، پھر دوسرے آدمی خالد کے لئے پورے مال کی وصیت کی تو خالد کو وصیت کا ایک تہائی مال مل جائے گا،اور اس وصیت میں سے عمر کو جو بھائی ہے کچھ نہیں ملے گا،اگر بھائی کا اقرار حقیقی وصیت ہوتی تو تہائی مال میں سے آدھا عمر کو ملتا اور آدھا خالد کو ملتا،لیکن چونکہ بھائی کا اقرار حقیقی وصیت نہیں ہے اس لئے عمر کو کچھ نہیں ملے گا

ترجمہ: ٣ چنانچہ اگر مرض میں بھائی ہونے کا اقرار کیا،اور بھائی نے اس کی تصدیق بھی کی، پھر مقر نے بھائی ہونے کا انکار کر دیا (تو بھائی ہونے کا انکار ہو جائے گا) اب پورے مال کا کسی اور انسان کے لئے وصیت کی،تو مال اس کو مل جائے گا جس کے لئے اب وصیت کی ہے،اور اگر کسی کے لئے بھی وصیت نہیں کی،تو مال بیت المال کا ہوگا،اس لئے کہ مقر کا بھائی ہونے سے رجوع کرنا صحیح ہو گیا ہے، کیونکہ نسب ثابت نہیں ہوا تھا اور اقرار باطل ہو گیا

تشریح: اس عبارت میں بتا رہے ہیں کہ بھائی کا نسب حقیقت میں ثابت نہیں ہوگا،اور مقر نے بھائی ہونے کا انکار کر دیا تو انکار ہو جائے گا،اور اس کو اب زید کی وراثت میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔مثلا۔زید نے اپنے مرض الموت میں عمر کے لئے بھائی ہونے کا اقرار کیا،اور عمر نے بھائی ہونے کی تصدیق بھی کر دی، پھر بعد میں زید نے کہا کہ یہ میرا بھائی نہیں ہے، تو اب

رُجُوعَهُ صَحِيحٌ؛ لِأَنَّ النَّسَبَ لَمْ يَثْبُتْ فَبَطَلَ إِقْرَارُهُ .
(٨٧٨) قَالَ: (وَمَنْ مَاتَ أَبُوهُ فَأَقَرَّ بِأَخٍ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُ أَخِيهِ)؛ لِمَا بَيَّنَّا (وَيُشَارِكُهُ فِي الْمِيرَاثِ)؛ ١ لِأَنَّ إِقْرَارَهُ تَضَمَّنَ شَيْئَيْنِ: حَمْلُ النَّسَبِ عَلَى الْغَيْرِ وَلَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَيْهِ، وَالِاشْتِرَاكُ فِي الْمَالِ وَلَهُ فِيهِ وِلَايَةٌ فَيَثْبُتُ ٢ كَالْمُشْتَرِي إِذَا أَقَرَّ عَلَى الْبَائِعِ بِالْعِتْقِ لَمْ يُقْبَلْ

بھائی نہیں بنے گا، اس لئے کہ عمر کا نسب ثابت نہیں ہوا ہے، اس کے بعد زید نے پورے مال کی وصیت خالد کے لئے کر دی، تو یہ پورا مال خالد کو مل جائے گا، عمر کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اس لئے کہ وہ بھائی باقی نہیں رہا، اور اگر زید نے کسی کے لئے بھی وصیت نہیں کی تو یہ سارا مال بیت المال میں جمع ہو جائے گا۔ کیونکہ زید کے انکار کرنے کی وجہ سے عمر بھائی باقی نہیں رہا، اور اب زید کا کوئی بھی وارث نہیں ہے اس لئے سارا مال بیت المال کو جائے گا

ترجمہ: (٨٧٨) کسی کے والد کا انتقال ہو گیا پس بھائی ہونے کا اقرار کیا تو اس کے بھائی کا نسب مقر سے ثابت نہیں کیا جائے گا (اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کی)۔ لیکن اس کی میراث میں شریک ہوگا۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ اس کے اقرار میں دو باتیں ہیں، ایک ہے غیر پر نسب ڈالنا، مقر کو اس کا حق نہیں ہے، اور دوسرا ہے اپنے مال میں شریک کرنا، مقر کو اس کی ولایت ہے اس لئے یہ ثابت ہو جائے گا۔

تشریح: کسی کے والد کا انتقال ہو گیا اس کے بعد مثلا زید نے عمر کے بھائی ہونے کا اقرار کیا کہ یہ میرا بھائی ہے تو چونکہ تحمیل النسب علی الغیر ہے۔ یعنی دوسرے پر نسب ڈالنا ہے اس لئے بھائی ہونے کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ لیکن بھائی اقرار کرنے والے کو والد کی میراث سے جتنا حصہ ملے گا اس میں سے آدھا مقر لہ عمر کو بھی دینا پڑے گا۔

وجہ: بھائی کا اقرار کرنے کے دو مقاصد ہیں۔ ایک تو باپ سے نسب ثابت کرنا۔ یہ تو تحمیل النسب علی الغیر کی وجہ سے نہیں ہوگا۔ اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس کو باپ کی وراثت میں شریک کر لیا جائے یہ ہوگا۔ لیکن دوسرے بھائیوں کے حصے میں سے نہیں دیا جائے گا صرف اقرار کرنے والے کی میراث میں سے آدھا حصہ دیا جائے گا۔ تا کہ کسی کا نقصان بھی نہ ہو اور اقرار کرنے کا دوسرا مقصد بھی پورا ہو جائے (٢) یہ اس کا مال ہے اقرار کر کے دوسرے کو دے سکتا ہے۔

اصول: اقرار کر کے دوسرے کا نقصان کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ ذاتی حق میں اس کا اجراء کیا جائے گا۔

ترجمہ: ٢ جیسے مشتری یہ اقرار کرے کہ بائع نے اس غلام کو آزاد کر دیا ہے تو بائع کے بارے میں مشتری کا اقرار صحیح نہیں ہے، چنانچہ آزاد ہونے کی بنا پر بائع سے غلام کی قیمت واپس نہیں لے سکتا ہے، لیکن خود مشتری کے حق میں قبول کیا جائے گا (اور مشتری کی جانب سے غلام آزاد ہو جائے گا)

تشریح: دوسرے کے حق میں بات نہیں مانی جائے گی، البتہ اپنے حق میں بات مانی جائے گی، اس کی ایک مثال دے رہے ہیں۔ زید نے عمر سے ہزار میں غلام خریدا، بعد میں زید نے اقرار کیا کہ عمر نے یہ غلام آزاد کر دیا ہے، تو عمر کے حق میں یہ بات نہیں مانی جائے گی، اور غلام کے آزاد ہونے کی بنا پر زید عمر سے اپنا پیسہ واپس نہیں لے سکتا ہے، لیکن خود زید کی جانب سے یہ غلام آزاد ہو

إِقْرَارُهُ عَلَيْهِ حَتَّى لَا يَرْجِعَ عَلَيْهِ بِالثَّمَنِ، وَلَكِنَّهُ يُقْبَلُ فِي حَقِّ الْعِتْقِ .

(۸۷۹) قَالَ: (وَمَنْ مَاتَ وَتَرَكَ ابْنَيْنِ وَلَهُ عَلَى آخَرَ مِائَةُ دِرْهَمٍ، فَأَقَرَّ أَحَدُهُمَا أَنَّ أَبَاهُ قَبَضَ مِنْهَا خَمْسِينَ لَا شَيْءَ لِلْمُقِرِّ وَلِلْآخَرِ خَمْسُونَ)؛ ١ لِأَنَّ هَذَا إِقْرَارٌ بِالدَّيْنِ عَلَى الْمَيِّتِ؛ لِأَنَّ الِاسْتِيفَاءَ إِنَّمَا يَكُونُ بِقَبْضٍ مَضْمُونٍ، فَإِذَا كَذَّبَهُ أَخُوهُ اسْتَغْرَقَ الدَّيْنُ نَصِيبَهُ كَمَا هُوَ الْمَذْهَبُ عِنْدَنَا، ٢ غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّهُمَا تَصَادَقَا عَلَى كَوْنِ الْمَقْبُوضِ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا، لَكِنَّ الْمُقِرَّ لَوْ رَجَعَ عَلَى الْقَابِضِ بِشَيْءٍ لَرَجَعَ

جائے گا، کیونکہ اپنے حق میں اس کی بات مانی جاتی ہے۔اسی طرح باپ سے نسب ثابت نہیں ہوگا،لیکن بھائی کے اقرار کرنے کی وجہ سے باپ کی جو وراثت اس کو ملے گی،اس میں سے آدھا حصہ اس بھائی کو دینا پڑے گا،کیونکہ اس نے بھائی ہونے کا اقرار کیا ہے

ترجمه : (۸۷۹) کوئی مرا اور اس نے دو بیٹے چھوڑے،اور اس مرنے والے کا کسی دوسرے آدمی پر سو درہم قرض تھے، پھر ایک بیٹے نے یہ اقرار کیا کہ باپ فلاں مقروض سے پچاس درہم لے چکا ہے،تو اس اقرار کرنے والے کو کچھ نہیں ملے گا (کیونکہ اس کے اپنے حق میں یہ اقرار قبول کیا جائے گا،دوسرے کے حق میں نہیں)اور دوسرے بیٹے کو پچاس ملیں گے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کسی کا اقرار خود اس کے حق میں ہی رہے گا،دوسرے کے حق میں نہیں رہے گا

تشریح: مثلا زید کا انتقال ہوا،اس کے دو بیٹے تھے عمر اور خالد،اور زید کا ایک سو درہم ساجد کے پاس قرض تھا،اب عمر نے یہ اقرار کیا کہ زید والد نے ساجد سے پچاس درہم واپس لے لئے تھے،تو یہ اقرار صرف عمر کے حق میں ہوگا،اور اب عمر کو باپ کے میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا،اور وہ جو پچاس درہم ساجد کے پاس ہیں وہ صرف دوسرے بیٹے خالد کو ہی ملے گا

وجه:اس کی وجہ یہ ہے عمر کا اقرار خود عمر کے بارے میں قابل قبول ہے،دوسرے کے حق میں قابل قبول نہیں ہے

ترجمه : ١ اس لئے کہ ایک بیٹے نے جو کچھ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ باپ پر قرضہ وصول کرنے کا اقرار کیا ہے،اس لئے کہ وصول کرنا مضمون ہوتا ہے،اور دوسرے بھائی نے اس کی تکذیب کر دی تو وصول کیا ہوا دین اقرار کرنے والے کے حصے میں آجائے گا،جیسا کہ ہمارا مذہب ہے

تشریح : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جس بیٹے نے کہا کہ مرنے والے والد صاحب نے پچاس درہم وصول کر لئے تو گویا کہ والد پر ضمان ڈالا،اور دوسرے بھائی نے اس کی تکذیب کر دی تو یہ باپ کا وصول کیا ہوا پچاس درہم اقرار کرنے والے کے حصے میں جائے گا،اور اس کو اب کچھ نہیں ملے گا،اور وہ جو باقی پچاس وصول ہوگا وہ دوسرا بھائی لے گا،ہمارا مذہب یہی ہے

ترجمه : ٢ زیادہ سے زیادہ یہ بات ہوگی کہ دونوں بھائیوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو پچاس وصول ہوئے وہ دونوں بھائیوں کے حصے میں جائیں،لیکن اقرار کرنے والا بھائی اگر دوسرے وصول کرنے والے بھائی سے لے گا،تو وصول کرنے والا بھائی مقروض سے لے گا،پھر مقروض اقرار کرنے والے بھائی سے لیگا،اور اس طرح لین دین چلتا رہے گا

تشریح : یہاں عبارت پیچیدہ ہے،اس کا حاصل یہ ہے کہ،زیادہ سے زیادہ یہ کہیں کہ۔دونوں بھائیوں نے اس بات کی

الْقَابِضُ عَلَى الْغَرِيمِ وَرَجَعَ الْغَرِيمُ عَلَى الْمُقِرِّ فَيُؤَدِّى إِلَى الدَّوْر

تصدیق کی کہ والد نے پچاس وصول کیے تھے، اور والد نے خرچ کر دیا تھا، اس لئے یہ پچاس دونوں بھائیوں کے حصے میں سے گئے، اور وراثت میں پچاس ہی باقی رہے، لیکن یہاں دوسرے بھائی نے اس کا انکار کر دیا ہے، تو اقرار کرنے والا بھائی دوسرے بھائی سے مثلا پچیس لے گا، تو یہ دوسرا بھائی مقروض سے لے گا، پھر مقروض اقرار کرنے والے بھائی سے پچیس وصول کرے گا، اس لئے ایک لمبا دور چلے گا، اس لئے یہی کہا جائے گا یہ پچاس صرف اقرار کرنے والے کے حصے سے جائے گا، دوسرے بھائی کے حصے سے کچھ نہیں جائے گا

واللہ اعلم بالصواب

﴿كِتَابُ الصُّلحِ﴾

قَالَ: (۸۸۰) (الصُّلحُ عَلَى ثَلاثَةِ أَضرُبٍ: صُلحٌ مَعَ إِقرَارٍ، وَصُلحٌ مَعَ سُكُوتٍ، وَهُوَ أَنْ لَا يُقِرَّ الـمُدَّعَى عَلَيهِ وَلَا يُنكِرَ، وَصُلحٌ مَعَ إِنكَارٍ، ل وَكُلُّ ذٰلِكَ جَائِزٌ)؛ لِإِطلَاقِ قَولِه تَعَالَى: وَالصُّلحُ خَيرٌ{ (النساء:)، وَلِقَولِهِ ﷺ: كُلُّ صُلحٍ جَائِزٌ فِيمَا بَينَ المُسلِمِينَ إِلَّا صُلحًا أَحَلَّ حَرَامًا أَوْ

﴿ كتاب الصلح ﴾

ضروری نوٹ : صلح کے معنی مصالحت کے ہیں۔ یہ مخاصمت کی ضد ہے۔صلح جائز ہونے کی دلیل (۱) یہ آیت ہے۔وان امرأة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا والصلح خیر (آیت ۱۲۸،سورۃ النساء۴)(۲)اورحدیث ہے۔عن براء بن عازب قال صالح النبی المشرکین یوم الحدیبیة علی ثلاثة اشیاء (بخاری شریف، باب الصلح مع المشرکین ،ص ۳۷۱،نمبر ۲۷۰۰)اس سے بھی پتہ چلا کہ صلح جائز ہے۔(۳)اورابوداؤد میں ہے۔عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ الصلح جائز بین المسلمین،زاد احمد الا صلحا حرم حلالا او احل حراما (ابوداؤدشریف، باب فی الصلح ص ۱۵۸نمبر ۳۵۹۴)اس حدیث سے بھی صلح کے جواز کا پتہ چلا۔

ترجمہ:(۸۸۰)صلح تین قسم پر ہے۔اقرار کے ساتھ صلح اور چپ رہنے کے ساتھ صلح، وہ یہ ہے کہ مدعی علیہ نہ اقرار کرے اور نہ انکار کرے اور انکار کے ساتھ صلح

ترجمہ :ل اور یہ تینوں صورتیں جائز ہیں،اللہ تعالی نے مطلقا فرمایا،الصلح خیر،اور حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کے درمیان ہر صلح جائز ہے سوائے اس صلح کے جو حرام کو حلال کرتا ہو، یا حلال کو حرام کرتی ہو

تشریح: صلح کی تین صورتیں ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر میرا ایک ہزار درہم ہیں۔مدعی علیہ نے اقرار کیا کہ ہاں ہیں۔لیکن ایک ہزار کے بدلے میں ایک گائے دے دیتا ہوں اس پر صلح کرلیں اور مدعی نے مان لیا تو یہ اقرار کے ساتھ صلح ہوئی۔یا یوں کہا کہ ایک ہزار درہم ہیں لیکن آٹھ سو پر صلح کرلیں اور دو سو درہم چھوڑ دیں تو یہ بھی اقرار کے ساتھ صلح ہے اور بجنسہ صلح ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی دعوی کرے کہ تم پر میرا ایک ہزار درہم ہیں، مدعی علیہ نے اس پر نہ انکار کیا اور نہ اقرار کیا خاموش رہا، پھر کہا کہ اس کے بدلے میں گائے دیتا ہوں اس پر صلح کرلیں اس پر مدعی نے مان لیا۔یہ صلح مع السکوت ہوئی۔اور تیسری صورت یہ ہے کہ مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر میرا ایک ہزار درہم ہیں۔مدعی علیہ نے انکار کیا کہ آپ کا مجھ پر کچھ نہیں ہے۔بعد میں کہا کہ چلو اس کے بدلے میں ایک گائے دے دیتا ہوں۔مدعی نے مان لیا اس کو صلح مع انکار کہتے ہیں کہ انکار کرنے کے بعد صلح کرلے۔یہ تینوں صورتیں جائز ہے۔

نوٹ :صلح مع السکوت اور صلح مع انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ چیز آپ کی ہے تو نہیں لیکن میں دعوی کے جھمیلے میں نہیں پڑنا

حَرَّمَ حَلاَلًا . ۲ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ مَعَ إِنْكَارٍ أَوْ سُكُوتٍ لِمَا رَوَيْنَا، وَهَذَا بِهَذِهِ الصِّفَةِ لِأَنَّ الْبَدَلَ كَانَ حَلَالًا عَلَى الدَّافِعِ حَرَامًا عَلَى الْآخِذِ، فَيَنْقَلِبُ الْأَمْرُ، وَلِأَنَّ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ يَدْفَعُ الْمَالَ لِقَطْعِ الْخُصُومَةِ عَنْ نَفْسِهِ وَهَذَا رِشْوَةٌ. ۳ وَلَنَا مَا تَلَوْنَا، ۴ وَأَوَّلُ مَا رَوَيْنَا وَتَأْوِيلُ آخِرِهِ أَحَلَّ

چاہتا۔اس لئے مال دے کر اپنی جان اور عزت بچانا چاہتا ہوں۔اور مال مدعی علیہ کا ہے اس لئے وہ اس کو خرچ کر سکتا ہے۔اس لئے صلح مع السکوت اور صلح مع انکار بھی جائز ہے

وجه (۱) یہ آیت گزر چکی ہے **والصلح خير** (آیت ۱۲۸، سورۃ النساء ۴) اور یہ آیت مطلق ہے اس لئے اس میں تینوں قسم کی صلح داخل ہیں۔(۲) اوپر والی حدیث **الصلح جائز بين المسلمين** سے معلوم ہوا کہ صلح جائز ہے

ترجمه: ۲ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مدعی علیہ نے انکار کیا پھر صلح کی، یا چپ رہا پھر صلح کی تو یہ صلح جائز نہیں ہے، اس کی وجہ وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کی ہے، کیونکہ صلح بعد الانکار، اور صلح مع السکوت بھی اسی درجے میں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دینے والے پر مال حلال تھا، اور لینے والے پر حرام تھا، تو معاملہ الٹ گیا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مدعی علیہ مال کو جھگڑا دفع کرنے کے لئے دے رہا ہے، اور یہ رشوت ہے

تشريح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ کے انکار کے بعد صلح کرنا جائز نہیں، اسی طرح مدعی علیہ کے چپ رہنے کے بعد صلح کرنا جائز نہیں ہے

وجه اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ ابھی حدیث میں گزرا کہ صلح سے حرام چیز کو حلال کیا ہو تو یہ صلح جائز نہیں، اور یہاں حقیقت یہ ہے کہ مدعی کے لئے مدعی علیہ کا مال لینا حرام تھا، اب صلح کر کے اس کو حلال کر رہا ہے، اس لئے یہ صلح جائز نہیں ہے (۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ مدعی علیہ جھگڑا ختم کرنے کے لئے رقم دے رہا ہے، اس لئے یہ رشوت ہے جو جائز نہیں ہے، اس لئے یہ صلح بھی جائز نہیں ہے

لغت: **فينقلب الامر** : یہ جملہ پیچیدہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں صلح کرنے کی وجہ سے حرام چیز حلال ہو رہی ہے، اس لئے یہ صلح مع الانکار جائز نہیں ہے

ترجمه: ۳ ہماری دلیل یہ ہے، ایک تو اوپر آیت گزری جو مطلق صلح کے لئے تھی، اور حدیث بھی گزری

تشريح: واضح ہے

ترجمه: ۴ اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عین چیز جو حرام ہے اس کو صلح کے ذریعہ حلال کر دے تو یہ جائز نہیں ہے، جیسے شراب کو حلال کر دے، یا حلال چیز کو صلح کر کے حرام کر دے، جیسے اس بات پر صلح کر لے کہ سوتن سے وطی نہیں کرے گا (صلح کر کے یہ کرنا جائز نہیں ہے)

تشريح: واضح ہے

حَرَامًا لِعَيْنِهِ كَالْخَمْرِ، أَوْ حَرَّمَ حَلالًا لِعَيْنِهِ كَالصُّلحِ عَلَى أَنْ لا يَطَأَ الضَّرَّةَ. ۵؎ وَلِأَنَّ هَذَا صُلْحٌ بَعْدَ دَعْوَى صَحِيحَةٍ فَيُقْضَى بِجَوَازِهِ؛ لِأَنَّ الْمُدَّعِيَ يَأْخُذُهُ عِوَضًا عَنْ حَقِّهِ فِي زَعْمِهِ وَهَذَا مَشْرُوعٌ، وَالْمُدَّعَى عَلَيْهِ يَدْفَعُهُ لِدَفْعِ الْخُصُومَةِ عَنْ نَفْسِهِ وَهَذَا مَشْرُوعٌ أَيْضًا؛ إِذِ الْمَالُ وِقَايَةُ الْأَنْفُسِ وَدَفْعُ الرِّشْوَةِ لِدَفْعِ الظُّلْمِ أَمْرٌ جَائِزٌ.

(٨٨١)قَالَ: (وَإِنْ وَقَعَ الصُّلْحُ عَنْ إِقْرَارٍ اعْتُبِرَ فِيهِ مَا يُعْتَبَرُ فِي الْبِيَاعَاتِ إِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَالٍ) ۱؎ لِوُجُودِ مَعْنَى الْبَيْعِ، وَهُوَ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ فِي حَقِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بِتَرَاضِيهِمَا (فَيُجْرِى فِيهِ الشُّفْعَةُ

ترجمه :۵؎ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صحیح دعوی کے بعد یہ صلح ہوئی ہے اس لئے یہ صلح جائز ہونی چاہئے، اس لئے کہ مدعی اپنے گمان میں اپنا حق لے رہا ہے، اور یہ مشروع ہے، اور مدعی علیہ اپنی ذات سے جھگڑا دفع کرنے کے لئے ہے اور یہ بھی مشروع ہے، اس لئے کہ مال جان کی حفاظت کے لئے ہے، اور ظلم کے دفع کرنے کے لئے رشوت دینا جائز ہے

تشریح: صلح جائز ہونے کے لئے یہ تیسری دلیل ہے، اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب بھی ہے۔ مدعی نے صحیح دعوی کیا ہے اور صحیح دعوی کے بعد صلح جائز ہونی چاہئے، چاہے جیسی صلح بھی ہو، دوسری دلیل یہ ہے کہ یہاں حرام چیز کو حلال کرنا نہیں ہے، کیونکہ مدعی جو مال لے رہا ہے وہ اپنا حلال حق سمجھ کر لے رہا ہے، حرام کو حلال کرنا نہیں ہے۔ اور مدعی علیہ جو کچھ دے رہا ہے وہ اپنی ذات سے جھگڑا ختم کرنے کے لئے، اور اپنی جان بچانا یہ بھی جائز ہے،، باقی رہا اس کا رشوت ہونا جو حرام ہے، لیکن ظلم دفع کرنے کے لئے رشوت دینا جائز ہے، اس لئے انکار پر صلح کرنا بھی جائز ہوگا

ترجمه :(٨٨١) پس اگر صلح واقع ہوا اقرار سے تو اعتبار کئے جائیں گے اس میں وہ امور کہ جو اعتبار کئے جاتے ہیں خرید و فروخت میں، اگر واقع ہو مال سے مال کے بدلے میں۔

ترجمه :۱؎ اس لئے کہ اس میں بیع کا معنی پایا گیا ہے، اور وہ ہے متعاقدین کے حق میں مال کو مال کے بدلے رضامندی سے بدلنا ہے، اس لئے اگر زمین دی ہے تو اس میں حق شفعہ ہوگا، اگر اس میں عیب ہے تو عیب کے ماتحت چیز واپس بھی کی جائے گی ، اس میں خیار شرط بھی ثابت ہوگا، خیار رویت بھی ہوگا، جس پر صلح ہوئی ہو اس میں جہالت ہو تو صلح فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ جہالت جھگڑے تک پہنچائے گی، ہاں جس مصالح عنہ سے صلح ہوئی تھی اس میں جہالت ہو تو صلح فاسد نہیں ہوگی، اس لئے کہ وہ ساقط ہو جاتی ہے، اور مصالح علیہ کو سپرد کرنے کی قدرت بھی ہو۔

تشریح : مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر ایک ہزار درہم ہیں۔ مدعی علیہ نے اقرار کر لیا۔ پھر ایک ہزار کے بدلے گائے پر صلح کر لی تو دونوں طرف مال ہیں اور مدعی علیہ نے اقرار بھی کیا ہے اس لئے گویا کہ ہزار درہم کے بدلے گائے خریدی ہے۔ اور مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان بیع کا معاملہ رضامندی سے ہوا ہے۔ اس لئے بیع مین جن جن امور کا اعتبار ہوتا ہے اس صلح میں بھی ان ہی امور کا اعتبار ہوگا۔ مثلا ۱۔ اگر زمین بکتی تو اس میں شفیع کو حق شفعہ ہوگا۔ اس صلح میں بھی حق شفعہ ہوگا۔ ۲۔ اگر گائے میں کوئی

إِذَا كَانَ عَقَارًا، وَيُرَدُّ بِالْعَيْبِ، وَيَثْبُتُ فِيهِ خِيَارُ الشَّرْطِ وَالرُّؤْيَةِ ، وَيُفْسِدُهُ جَهَالَةُ الْبَدَلِ) لِأَنَّهَا هِيَ الْمُفْضِيَةُ إِلَى الْمُنَازَعَةِ دُونَ جَهَالَةِ الْمُصَالَحِ عَنْهُ؛ لِأَنَّهُ يَسْقُطُ وَيُشْتَرَطُ الْقُدْرَةُ عَلَى تَسْلِيمِ الْبَدَلِ

(۸۸۲)(وَإِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَنَافِعَ يُعْتَبَرُ بِالْإِجَارَاتِ) لِ لِوُجُودِ مَعْنَى الْإِجَارَةِ وَهُوَ تَمْلِيكُ الْمَنَافِعِ بِمَالٍ وَالِاعْتِبَارُ فِي الْعُقُودِ لِمَعَانِيهَا فَيُشْتَرَطُ التَّوْقِيتُ فِيهَا، وَيَبْطُلُ الصُّلْحُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا فِي الْمُدَّةِ لِأَنَّهُ إِجَارَةٌ .

عیب ہوتو خیار عیب کے ماتحت گائے بائع کو واپس کرسکتا ہے۔۳۔اگر مدعی یا مدعی علیہ میں سے کسی نے خیار شرط لیا ہوتو خیار شرط کے ماتحت واپس کرسکتا ہے۔۴۔اگر مدعی نے گائے مبیع کو دیکھا نہ ہوتو خیار رویت کے ماتحت اس کو واپس کرسکتا ہے،۵۔مصالح علیہ میں جہالت ہوتو جھگڑے کی طرف پہنچانے کی وجہ سے صلح فاسد بھی ہو جائے گی،۶۔مصالح علیہ کو سپرد کرنے کی قدرت بھی ہو۔بیع کے یہ چھ احکام اس صلح میں جاری ہوں گے،اس لئے کہ یہ صلح ایک درجے میں بیع ہے

وجہ: (۱)اقرار کے بعد صلح ہوئی ہے تو گویا کہ مدعی مشتری ہوا اور مدعی علیہ بائع ہوا۔اور دونوں کے درمیان بیع وشراء کا معاملہ ہوا۔اس لئے جن امور کا اعتبار بیع وشراء میں ہوتا ہے ان ہی امور کا اعتبار اس صلح میں ہوگا جس کی مثال اوپر گزر گئی (۲) اس قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عمر ابن سلمة عن ابيه قال صولحت امرأة عبد الرحمن من نصيبها ربع الثمن على ثمانين الفا (سنن للبیھقی ،باب صلح المعاوضة وانہ بمنزلة البیع یجوز فیہ مایجوز فی البیع ولا یجوز فیہ مالا یجوز فی البیع، ج سادس،ص ۱۰۷،نمبر ۱۱۳۵۵)اس قول صحابی میں اپنے حصے پر اسی ہزار درہم پر صلح کی جو بیع کی طرح ہے

لغت :: المصالح عليه : جس چیز پر صلح ہوئی مثلا گائے پر صلح ہوئی ہے تو اس کو مصالح علیہ، کہتے ہیں۔المصالح عنہ: جس چیز پر دعوی تھا،اس کو مصالح عنہ، کہتے ہیں،مثلا ایک ہزار کا دعوی تھا،جس کی وجہ سے صلح ہوئی تو اس کو مصالح عنہ، کہتے ہیں

ترجمہ:(۸۸۲)اور اگر مال سے نفع کے بدلے میں صلح ہوئی ہوتو اجرت کا اعتبار کیا جائے گا

ترجمہ:ل اس لئے کہ اس میں اجرت کا معنی پایا جاتا ہے اور وہ مال کے بدلے میں نفع کا مالک بننا ہے،اور عقد میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے،اس لئے نفع کے وقت کا تعین کرنا ہوگا،صلح کرنے والا ،اور جس سے صلح کی گئی ہے صلح کی مدت میں دونوں میں سے ایک کے مرنے سے صلح باطل ہو جائے گی،اس لئے کہ یہ صلح اجرت ہے

تشریح : اور اگر ایک طرف مال ہے اور دوسری طرف نفع ہے تو اس صلح پر اجرت کے احکام جاری ہوں گے۔مثلا مدعی نے دعوی کیا کہ میرا تم پر ایک ہزار ہے۔مدعی علیہ نے اس کا اقرار کیا پھر کہا اس کے بدلے میں ایک ماہ تک آپ کا فلاں کام کر دوں گا۔تو مدعی کی جانب سے ایک ہزار مال ہے اور مدعی علیہ کی جانب سے کام اور منافع ہیں تو یہ اجرت کی شکل ہوگئی۔اور اس صلح میں اجرت کے تمام امور کی رعایت کی جائے گی۔مثلا نفع دینے کی مدت تعیین کی جائے گی۔دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہوگیا تو صلح باطل ہو جائے گی کیونکہ اجرت میں بھی ایسا ہوتا ہے

اصول: صلح عن الاقرار بیع یا اجارہ کی طرح ہوتی ہے۔

(٨٨٣)(وَالصُّلحُ عَنِ السُّكُوتِ وَالْإِنكَارِ فِي حَقِّ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ لِافْتِدَاءِ الْيَمِينِ وَقَطْعِ الْخُصُومَةِ وَفِي حَقِّ الْمُدَّعِي لِمَعْنَى الْمُعَاوَضَةِ) ١ لِمَا بَيَّنَّا ٢ (وَيَجُوزُ أَنْ يَخْتَلِفَ حُكْمُ الْعَقْدِ فِي حَقِّهِمَا كَمَا يَخْتَلِفُ حُكْمُ الْإِقَالَةِ فِي حَقِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَغَيْرِهِمَا) ٣ وَهَذَا فِي الْإِنكَارِ ظَاهِرٌ، وَكَذَا فِي

ترجمه:(٨٨٣)اور چپ رہنے کے بعد صلح اورانکار کرنے کے بعد صلح مدعی علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ دینے کے لئے اور جھگڑا امٹانے کے طور پر ہوتی ہے۔اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے درجے میں ہے۔

ترجمه:١ اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا (مدعی سمجھتا ہے کہ میں اپنا حق لے رہا ہوں)

تشریح : مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر ایک ہزار درہم ہیں۔ مدعی علیہ اس پر چپ رہا یا انکار کر دیا۔ پھر ایک گائے پر صلح کر لی تو یہ صلح مدعی علیہ کے حق میں ایسا مانا جائے گا کہ مدعی علیہ پر کچھ نہیں تھا۔البتہ مقدمہ کے جھمیلے سے چھوٹنے کے لئے اور قسم کھانے سے بچنے کے لئے اپنا مال فدیہ کے طور پر دے دیا۔حقیقت میں اس پر کچھ بھی لازم نہیں تھا۔

وجه: (١)اس نے انکار کیا تھا یا چپ رہا تھا اور مدعی نے گواہ کے ذریعہ اس پر کچھ ثابت نہیں کیا ہے اس لئے حقیقت میں مدعی علیہ پر کچھ لازم نہیں ہوا۔اور جو کچھ صلح کے طور پر دیا وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے دیا (٢) حدیث میں اس کا اشارہ ہے کہ انکار کے باوجود دنیا میں بھائیوں سے صلح کر لینی چاہئے۔ **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من كانت له مظلمته لاخيه من عرضه او شيء فليتحلله منه اليوم قبل ان لا يكون دينار ولا درهم** (بخاری شریف، باب من کانت لہ مظلمۃ عند الرجل فحللها لہ ھل یبین مظلمتہ؟ ص ٣٩٥، نمبر ٢٤٤٩) اس حدیث میں ہے کہ اس دنیا میں بھائیوں پر کئے ہوئے ظلم کو حلال کر لینا چاہئے۔ظاہر ہے کہ ظلم میں آدمی انکار ہی کرتا ہے۔اس کے باوجود اس پر صلح کرنے کی ترغیب دی اس لئے انکار کے باوجود صلح کر سکتا ہے۔اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے معنی میں ہے۔

وجه: کیونکہ مدعی یہ سمجھ رہا ہے کہ میری چیز مدعی علیہ پر تھی اس کے بدلے میں اس کی چیز لے رہا ہوں۔

ترجمه :٢ یہ جائز ہے کہ عقد کا حکم دونوں کے حق میں الگ الگ ہو جائے، جیسے اقالہ میں دونوں عقد کرنے والوں کے حق میں الگ حکم ہے (عاقدین کے حق میں پہلے بیع کا فسخ ہے) اور دوسروں کے حق میں الگ ہے (دوسروں کے حق میں نئی بیع ہے)

تشریح: یہ جملہ ایک اعتراض کا جواب ہے،اعتراض یہ ہے کہ ایک ہی عقد میں صلح کرنے والے کے حق میں اپنے حق کو چھوڑنا ہے،اور جس سے صلح کی اس کے حق میں بدلہ ہو جائے ،اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ، کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک ہی عقد میں دو حکم ہوں، مثلا اقالہ میں جب بائع اور مشتری پہلی بیع کو واپس کرتے ہیں تو ان دونوں کے حق میں یہ پہلی بیع کو ختم کرنا ہے،اور دوسروں کے حق میں نئی بیع ہے،اسی طرح صلح میں بھی مدعی علیہ کے حق میں افتداء یعنی اپنا حق چھوڑنا ہو،اور مدعی کے حق میں معاوضہ ہو۔

ترجمه : ٣ انکار کے بعد صلح میں تو یہ ظاہر ہے (کہ افتداء ہے) ایسے ہی چپ رہنے کے بعد صلح کرنے میں بھی (افتداء، اور معاوضہ ہے) اس لئے چپ رہنے میں یہ احتمال ہے کہ رقم کا اقرار کیا ہو،اور یہ بھی احتمال ہے کہ انکار کیا ہو،اس لئے شک کی

السُّكُوتِ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ الْإِقْرَارَ وَالْجُحُودَ، فَلا يَثْبُتُ كَوْنُهُ عِوَضًا فِي حَقِّهِ بِالشَّكِّ.
(۸۸۴)قالَ: (وَإِذَا صَالَحَ عَنْ دَارٍ لَمْ يَجِبْ فِيهَا الشُّفْعَةُ) ١ قَالَ مَعْنَاهُ إِذَا كَانَ عَنْ إِنْكَارٍ أَوْ سُكُوتٍ؛ ٢ لِأَنَّهُ يَأْخُذُهَا عَلَى أَصْلِ حَقِّهِ وَيَدْفَعُ الْمَالَ دَفْعًا لِخُصُومَةِ الْمُدَّعِي، وَزَعْمُ الْمُدَّعِي لا يَلْزَمُهُ، ٣ بِخِلَافِ مَا إِذَا صَالَحَ عَلَى دَارٍ حَيْثُ يَجِبُ فِيهَا الشُّفْعَةُ؛ لِأَنَّ الْمُدَّعِيَ يَأْخُذُهَا عِوَضًا عَنِ

بنیاد پر مدعی علیہ کے حق میں عوض نہیں ہوگا

تشریح: انکار کے بعد صلح ہوئی ہو تب تو ظاہر ہے کہ مدعی علیہ کے حق میں افتداء ہے، اور مدعی کے حق عوض اور بدلہ ہے، لیکن چپ رہنے کے بعد صلح ہوئی ہو تو اس میں بھی یہی ہے

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ چپ رہنے میں دونوں احتمال ہیں، یہ بھی احتمال ہے کہ مدعی علیہ نے دبی زبان سے انکار کیا ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ مدعی کی بات مان لی ہو، اس لئے جب دونوں احتمال ہیں تو یہی کہا جائے گا کہ اس نے انکار کیا ہے، اور انکار کے بعد صلح ہوئی ہو تو مدعی علیہ کے حق میں افتداء ہے، اور مدعی کے حق میں معاوضہ ہے

ترجمہ:(۸۸۴) اگر صلح کی گھر سے تو اس میں شفعہ واجب نہیں ہوگا۔

تشریح: مدعی نے مدعی علیہ پر دعوی کیا کہ یہ گھر میرا ہے۔ مدعی علیہ نے انکار کیا یا چپ رہا۔ پھر اس گھر کے عوض میں کچھ روپیہ دے کر صلح کر لی تو اس گھر میں کسی کا حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ: مدعی علیہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ گھر پہلے سے میرا ہی ہے۔ یہ تو جھگڑا مٹانے کے لئے روپیہ دے رہا ہوں۔ اس روپے کے بدلے گھر نہیں خرید رہا ہوں۔ تو چونکہ گھر کو خریدنا نہیں پایا گیا اس لئے اس میں شفعہ نہیں ہوگا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہاں خریدنا پایا جائے گا وہاں جائداد میں حق شفعہ ہوگا۔ جہاں خریدنا نہیں پایا جائے وہاں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ١ اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ مدعی علیہ نے انکار کیا تھا یا چپ رہا تھا، اس کے بعد صلح کی تھی

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ٢ شفعہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مدعی علیہ اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھ کر لے رہا ہے، اور مدعی کے جھگڑے کو دفع کرنے کے لئے مال دے رہا ہے، باقی رہا کہ مدعی کا گمان ہے کہ یہ گھر میرا ہے یہ مدعی علیہ کو لازم نہیں ہوگا

تشریح: یہ گھر جس کے بدلے میں مدعی علیہ نے ایک ہزار درہم مدعی کو دیا یہ جھگڑا ختم کرنے کے لئے دیا ہے، اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ گھر تو پہلے سے میرا ہی ہے، اس لئے اس گھر کو مدعی کے ہاتھ میں بیچا نہیں ہے، اس لئے اس میں شفعہ نہیں ہوگا، باقی رہا کہ مدعی کا اپنا گمان کہ یہ گھر میرا ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا

ترجمہ: ٣ بخلاف جب گھر دیکر صلح کیا تو اس میں شفعہ ہے اس لئے کہ مدعی اپنے مال کے بدلے لے رہا ہے تو اس کے

الْمَالِ فَكَانَ مُعَاوَضَةً فِي حَقِّهِ، فَتَلْزَمُهُ الشُّفْعَةُ بِإِقْرَارِهِ، وَإِنْ كَانَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ يُكَذِّبُهُ.

(٨٨٥) قال: (وَإِذَا كَانَ الصُّلْحُ عَنْ إِقْرَارٍ وَاسْتُحِقَّ بَعْضُ الْمُصَالَحِ عَنْهُ رَجَعَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ بِحِصَّةِ ذَلِكَ مِنَ الْعِوَضِ)؛ ١ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ مُطْلَقَةٌ كَالْبَيْعِ وَحُكْمُ الِاسْتِحْقَاقِ فِي الْبَيْعِ هَذَا. ٢ (وَإِنْ وَقَعَ الصُّلْحُ عَنْ سُكُوتٍ أَوْ إِنْكَارٍ فَاسْتُحِقَّ الْمُتَنَازَعُ فِيهِ رَجَعَ الْمُدَّعِي بِالْخُصُومَةِ وَرَدَّ الْعِوَضَ)؛ لِأَنَّ

حق یہ معاوضہ ہے اس لئے مدعی کے اقرار سے شفعہ لازم ہوگا، مدعی علیہ چاہے اس کی تکذیب کرتا ہو

تشریح: مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر ایک ہزار درہم ہیں۔ مدعی علیہ چپ رہا یا انکار کیا پھر ایک ہزار درہم کے بدلے ایک گھر دے کر صلح کر لی تو اس گھر پر حق شفعہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مدعی علیہ اس کی تکذیب کر رہا ہے، لیکن مدعی علیہ کی تکذیب کا اعتبار نہیں کیا جائے گا

وجہ: مدعی اس گھر کو اپنے ہزار درہم کے بدلے لے رہا ہے۔ اس مدعی کے حق میں گھر کو ہزار درہم کے بدلے خریدنا پایا گیا اس لئے گھر میں شفعہ ہوگا۔

اصول: اوپر گزر گیا۔ کہ خریدنا پایا جائے تو شفعہ ہوگا

ترجمہ: (٨٨٥) اگر اقرار کے بعد صلح ہوئی ہو پھر مستحق نکل گیا صلح کی چیز کے بعض حصے میں تو واپس لے لے مدعی علیہ اس حصے کے موافق عوض سے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ یہ بیع کی طرح مطلق معاوضہ ہے، اور بیع میں مستحق نکل جائے تو اس کا حکم یہی ہے (کہ واپس لے گا)

تشریح: اس مسئلہ کو مثال سے سمجھیں۔ مثلا عمر کے قبضہ میں ایک مکان ہے۔ زید مدعی نے دعوی کیا کہ یہ مکان میرا ہے عمر مدعی علیہ نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ پھر ایک گائے دے کر صلح کر لی۔ پھر بعد میں مکان جو مصالح عنہ تھا یعنی جس کی وجہ سے صلح ہوئی تھی اس میں سے آدھا حصہ دوسرے کا نکل آیا تو عمر زید سے اپنی دی ہوئی گائے کا آدھا حصہ واپس لے گا۔

وجہ: اقرار سے صلح کی تو یہ خرید و فروخت کی طرح ہوگئی۔ اس لئے مبیع یا ثمن کا مستحق نکل گیا تو سامنے والے سے وصول کرے گا۔ یہاں مکان کا آدھا حصہ مستحق نکل گیا تو گائے جو اس کی قیمت تھی اس کا آدھا زید سے واپس لے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اقرار کے بعد صلح بیع کی طرح ہے۔

ترجمہ: ٢ اور اگر صلح واقع ہو چپ رہنے کے بعد یا انکار کے بعد پھر متنازع فیہ مکان کا کوئی حقدار نکل آئے تو مدعی مقدمہ کر کے مکان واپس لے گا۔ اور عوض گائے مدعی علیہ کی طرف واپس کرے گا، اس لئے کہ مدعی علیہ نے اپنے سے جھگڑا دفع کرنے کے لئے گائے دی تھی، اور گھر کا کوئی مستحق نکل گیا تو ظاہر ہوا کہ مدعی علیہ پر مدعی کا جھگڑا ہے ہی نہیں، اس لئے مدعی کے ہاتھ میں عوض مدعی علیہ کے غرض کے مطابق نہیں ہے، اس لئے مدعی علیہ اس کو واپس لے گا

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس مقصد کے لئے رقم دی ہے وہ مقصد پورا نہیں ہوا تو وہ رقم واپس لے گا

تشریح: اس مسئلہ کو بھی مثال سے سمجھیں۔ مثلا عمر کے قبضہ میں ایک مکان تھا۔ زید نے دعوی کیا کہ یہ مکان میرا ہے۔ عمر اس پر

الْـمُدَّعَى عَلَيْهِ مَا بَذَلَ الْعِوَضَ إِلَّا لِيَدْفَعَ خُصُومَتَهُ عَنْ نَفْسِهِ، فَإِذَا ظَهَرَ الِاسْتِحْقَاقُ تَبَيَّنَ أَنْ لَا خُصُومَةَ لَـهُ فَيَبْقَى الْعِوَضُ فِي يَدِهِ غَيْرَ مُشْتَمِلٍ عَلَى غَرَضِهِ فَيَسْتَرِدُّهُ، ٣ وَإِنِ اسْتَحَقَّ بَعْضَ ذَلِكَ رَدَّ حِصَّتَهُ وَرَجَعَ بِالْخُصُومَةِ فِيهِ؛ لِأَنَّهُ خَلَا الْعِوَضُ فِي هَذَا الْقَدْرِ عَنِ الْغَرَضِ . ٤ وَلَوِ اسْتَحَقَّ الْمُصَالَحَ عَلَيْهِ

چپ رہایا انکار کیا۔ بعد میں عمر مدعی علیہ نے گائے دے کر صلح کر لی۔ اس کے بعد مکان کسی اور کا مستحق نکل گیا تو عمر مدعی علیہ زید مدعی سے اپنی گائے واپس لے گا اور زید مدعی اب مستحق سے مقدمہ کر کے اس کے استحقاق کو ختم کرائے گا یا وہ حقدار کو حق دے گا۔

وجہ :(۱) عمر مدعی علیہ اگر چہ چپ رہا تھا یا انکار کیا تھا لیکن اس نے زید کو مکان کے بدلے گائے اس لئے دی تھی کہ مکان کا کوئی حقدار نہ نکلے اور مکان بغیر خصومت کے اس کے پاس موجود رہے۔ یہاں تو حقدار بھی نکل گیا اور خصومت میں بھی پڑنا پڑا جس کی وجہ سے گائے دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس لئے زید سے گائے واپس لے گا۔ اور اب زید حقدار سے نمٹے گا۔ کیونکہ حقدار اب مدعی علیہ عمر کے درجے میں ہو گیا۔ اس لئے اسی سے خصومت کر کے یا اپنا حق واپس لے گا یا قاضی فیصلہ کرے گا تو اس کا حق حقدار کے پاس جائے گا (۲) یہاں بھی بیع کی طرح معاملہ ہو جائے گا اور عمر کی مبیع (مکان) سالم نہیں رہا اس لئے اپنی قیمت گائے زید سے واپس لے گا۔

لغت : المتنازع فیہ: اس سے مراد وہ مکان ہے جس میں زید، عمر اور بعد میں مستحق جھگڑا کرتے رہے اور جس کی وجہ سے صلح ہوئی تھی۔ رجع المدعی بالخصومۃ: سے مراد زید مدعی ہے جو مستحق پر مقدمہ کر کے اپنا حصہ وصول کرے گا۔ رد العوض: رد العوض سے مراد مکان ہے۔ مصالح عنہ: جس مکان کے عوض میں عمر نے جو گائے دی تھی وہ گائے زید عمر سے واپس لے گا۔

ترجمہ : ٣ اور اگر بعض مکان کا کوئی مستحق نکلا، تو گائے کا اتنا حصہ واپس لے گا، اور مدعی اس بعض میں جھگڑا کر کے واپس لے گا، اس لئے کہ عوض کی اتنی مقدار میں غرض سے خالی ہے

تشریح : اس کو بھی مثال سے سمجھیں۔ عمر مدعی علیہ نے مکان کے بدلے میں زید مدعی کو گائے دی تھی، اب آدھے مکان کا کوئی اور مستحق نکل گیا تو عمر آدھی گائے واپس لے گا۔ اور جو آدھے مکان کا مستحق نکلا اس بارے میں زید جھگڑا کرے گا

وجہ :عمر نے اس لئے گائے دی تھی کہ پورا مکان اس کو ملے گا اور جھگڑا بھی نہیں کرنا پڑے گا، یہاں آدھا مکان کسی اور کا نکل گیا، اور اس کا مقصد پورا نہیں ہوا اس لئے آدھی گائے واپس لے گا، مکان کے بارے میں خود زید مدعی مقدمہ لڑے گا

تشریح : ٤ اور اگر مصالح علیہ (یعنی گائے) کا کوئی مستحق نکل گیا، اور اقرار کے بعد صلح ہوئی تھی مدعی اپنا پورا مصالح عنہ (گھر واپس لے لیگا) اس لئے یہاں مبادلہ ہے، اور اگر بعض مصالح علیہ (گائے) مستحق نکلا تو بعض مصالح عنہ (گھر) واپس لیگا

لغت :مصالح علیہ: جس گائے کو دیکر مدعی علیہ نے صلح کی ہے اس کو مصالح علیہ، کہتے ہیں۔ مصالح عنہ: جس گھر میں جھگڑا تھا اور اس کے بارے میں مدعی علیہ نے صلح کی ہے اس کو مصالح عنہ، کہتے ہیں۔ یہ دونوں محاورے خوب یاد رکھیں

تشریح : اوپر یہ مسئلہ تھا کہ مصالح عنہ، یعنی گھر کسی کا مستحق نکل گیا تھا، یہاں یہ ہے کہ مصالح علیہ، یعنی عمر نے جو گائے دی

عَنْ إِقْرَارٍ رَجَعَ بِكُلِّ الْمُصَالَحِ عَنْهُ؛ لِأَنَّهُ مُبَادَلَةٌ، وَإِنِ اسْتَحَقَّ بَعْضَهُ رَجَعَ بِحِصَّتِهِ . ۵ وَإِنْ كَانَ الصُّلُحُ عَنْ إِنْكَارٍ أَوْ سُكُوتٍ رَجَعَ إِلَى الدَّعْوَى فِي كُلِّهِ أَوْ بِقَدْرِ الْمُسْتَحَقِّ إِذَا اسْتَحَقَّ بَعْضَهُ؛ لِأَنَّ الْمُبْدَلَ فِيهِ هُوَ الدَّعْوَى، ٦ وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ مِنْهُ عَلَى الْإِنْكَارِ شَيْئًا حَيْثُ يَرْجِعُ بِالْمُدَّعَى؛ لِأَنَّ الْإِقْدَامَ عَلَى الْبَيْعِ إِقْرَارٌ مِنْهُ بِالْحَقِّ لَهُ، وَلَا كَذَلِكَ الصُّلُحُ لِأَنَّهُ قَدْ يَقَعُ لِدَفْعِ الْخُصُومَةِ، ٧ وَلَوْ هَلَكَ بَدَلُ

تھی وہ کسی کی نکل گئی ،اور اقرار کرنے کے بعد یہ صلح ہوئی تھی اور استحقاق نکل آیا ،تو چونکہ اقرار کرنے کے بعد صلح ہوئی ہے تو گویا کہ خرید وفروخت ہے ،اس لئے گائے کسی کی مستحق نکلی تو زید اپنا گھر واپس لیگا ،اور مستحق شدہ گائے عمر کے حوالے کر دے گا ، کیونکہ یہ گائے اسی کی تھی پوری مستحق نکلی ہو تو پوری ،اور آدھی گائے مستحق نکلی ہو تو آدھی گائے واپس کرے گا

ترجمہ : ۵ اور اگر انکار اور سکوت کے بعد صلح کی تھی (اور مصالح علیہ یعنی گھر) مستحق نکل آیا تو اب دعوی کی طرف جائے گا ،کل مستحق میں کل دعوی کی طرف ،اور بعض مستحق میں بعض دعوی کی طرف ،اس لئے کہ مبدل فیہ یہاں دعوی ہی ہے

تشریح : مثلا زید نے دعوی کیا کہ یہ گھر میرا ہے ،عمر مدعی علیہ نے انکار کیا ، یا چپ رہا ، پھر گائے دیکر صلح کر لی ،اب گائے مصالح علیہ کسی کی مستحق نکل گئی تو یہاں زید کو دوبارہ دعوی دائر کرنا ہوگا

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ اقرار کے بعد صلح نہیں ہے ،اس لئے گھر کو مبیع اور گائے کو ثمن شمار نہیں کر سکتے ، بلکہ گائے کسی کی مستحق ہونے کی وجہ سے صلح ہی ٹوٹ گئی ،اس لئے اب دوبارہ زید دعوی دائر کرے ،اور قاضی سے فیصلہ کروائے ۔(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ زید نے دعوی اس لئے چھوڑا تھا کہ گائے سالم رہے ،اور گائے سالم نہیں رہی تو اس کا دعوی برقرار رہے گا

ترجمہ : ٦ یہ بخلاف ، مدعی علیہ نے انکار کیا پھر کہا بیچ دو تو چیز میں خامی نکلنے سے واپس لیگا اس لئے کہ بیع پر اقدام کرنے کا مطلب ہے کہ مدعی کے حق کا اقرار کر رہا ہے ،اور صلح میں ایسا نہیں ہوتا اس لئے کہ صلح تو کبھی جھگڑا ختم کرنے کے لئے بھی کرتے ہیں

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ انکار کے بعد صلح میں بیع کا لفظ بول دیا تو یہ صلح تو ہے لیکن یہ حقیقت میں بیع ہے ،اور بیع کے تمام احکام جاری ہو جائیں گے

تشریح : مثلا زید نے عمر سے کہا کہ یہ گھر میرا ہے ،عمر مدعی علیہ نے انکار کیا ، پھر کہتا ہے کہ گائے کے بدلے میں یہ گھر بیچ دو ، تو گائے دیکر خریدنے کی دلیل ہے کہ یہ گھر زید کا ہے ،اور گائے کو اس کے بدلے میں بیچ رہا ہے ،اس لئے یہاں صلح مع الانکار ہونے کے باوجود بیع کے تمام احکام جاری ہوں گے ، جیسے اقرار کے بعد صلح کرتا تو بیع کے تمام احکام جاری ہوتے

ترجمہ : ٧ اگر مدعی کو سپرد کرنے سے پہلے بدل صلح ہلاک ہو جائے تو صلح کی دونوں صورتوں میں (صلح مع الاقرار ،اور صلح مع الانکار) جو تفصیل گزری وہی تفصیل یہاں بھی ہے

تشریح : اوپر یہ تفصیل گزری کہ بدل صلح یعنی جو گائے مدعی علیہ نے دی تھی اس کا کوئی مستحق نکل گیا تو اس میں کیا کیا احکام

الصُّلْحِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ فَالْجَوَابُ فِيهِ كَالْجَوَابِ فِي الِاسْتِحْقَاقِ فِي الْفَصْلَيْنِ.

(۸۸٦) قَالَ: (وَإِنِ ادَّعَى حَقًّا فِي دَارٍ وَلَمْ يُبَيِّنْهُ فَصُولِحَ مِنْ ذَلِكَ ثُمَّ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الدَّارِ لَمْ يَرُدَّ شَيْئًا مِنَ الْعِوَضِ؛) ١ لِأَنَّ دَعْوَاهُ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ فِيمَا بَقِيَ ٢ بِخِلَافِ مَا إِذَا اسْتُحِقَّ كُلُّهُ؛ لِأَنَّهُ يَعْرَى الْعِوَضُ عِنْدَ ذَلِكَ عَنْ شَيْءٍ يُقَابِلُهُ فَرَجَعَ بِكُلِّهِ عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ فِي الْبُيُوعِ. ٣ وَلَوِ ادَّعَى دَارًا فَصَالَحَ عَلَى قِطْعَةٍ مِنْهَا لَمْ يَصِحَّ الصُّلْحُ لِأَنَّ مَا قَبَضَهُ مِنْ عَيْنِ حَقِّهِ وَهُوَ عَلَى دَعْوَاهُ فِي

ہیں، اسی طرح بدل صلح گائے مدعی کو سپرد کرنے سے پہلے ہلاک ہوجائے تو وہی تمام تفصیل یہاں بھی ہے، اوپر دیکھ لیں

ترجمہ: (۸۸٦) اگر مدعی نے گھر میں حق کا دعوی کیا اور اس کی تفصیل بیان نہیں کی۔ پس صلح کی اس کے بدلے میں کسی چیز پر، پھر بعض گھر کا مستحق نکل گیا تو عوض میں سے کچھ واپس نہیں کرے گا۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کا دعوی باقی میں ہو۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر مدعی اور مدعی علیہ کی باتوں میں جوڑ پیدا ہوسکتا ہو تو کردیا جائے گا ورنہ بعد میں فیصلہ ہوگا۔

تشریح: مثلا زید نے عمر سے کہا کہ تمہارے قبضے کے گھر میں میرا حق ہے۔ لیکن کتنا حق ہے یہ بیان نہیں کیا۔ پھر عمر نے زید کو گائے دے کر صلح کی۔ بعد میں اس مکان میں کسی کا کچھ حق نکل گیا تو عمر زید سے گائے واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ: کیونکہ جو کچھ مکان میں سے عمر کے پاس باقی رہ گیا ہے زید کہہ سکتا ہے کہ اتنا ہی حق میرا تھا جو تمہارے پاس رہ گیا ہے اور اسی پر صلح کر کے گائے لی ہے۔

ترجمہ: ٢ بخلاف اگر پورا گھر مستحق نکل گیا (تو اب پوری گائے واپس لیگا) اس لئے کہ اس وقت گائے کے عوض میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہا اس لئے پورا عوض واپس لیگا، جیسا کہ ہم نے کتاب البیوع میں بیان کیا

تشریح اگر پورا مکان کسی کا مستحق نکل گیا تو عمر اب زید سے گائے واپس لے سکتا ہے۔

وجہ: کیونکہ جب پورا مکان کسی کا حق نکل گیا تو معلوم ہوا کہ زید کا تھوڑا حصہ بھی مکان میں نہیں تھا اور اس نے عمر سے جو گائے لی تھی وہ بغیر کسی حق کے لی تھی۔ اس لئے عمر زید سے اپنی دی ہوئی گائے واپس لے سکتا ہے۔

ترجمہ: ٣ اور اگر پورے گھر کا دعوی کیا، پھر مدعی نے گھر کے ایک ٹکڑے پر صلح کر لی تو یہ صلح صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مدعی نے جو ٹکڑا لیا وہ تو اس کا پہلے ہی سے حق تھا، اور باقی ٹکڑے کا دعوی ابھی باقی ہے، اب حیلے کے دو طریقے ہیں: ا۔ ایک یہ ہے کہ بدل صلح میں گھر کے ٹکڑے ساتھ ایک درہم بڑھا دیا جائے تو یہ ایک درہم مدعی کے باقی حق کے بدلے میں ہو جائے گا، یا باقی سے مدعی برائت کا ذکر کردے

تشریح: مثلا زید نے پورے گھر کا دعوی کیا جس میں پانچ کمرے تھے، عمر نے اس گھر میں سے ایک کمرہ دیکر صلح کر لی تو یہ صلح جائز نہیں ہے، کیونکہ زید کا دعوی پورے گھر کا تھا، اور یہ ایک کمرہ بھی اسی کا تھا، اب ایک کمرہ لینے کے بعد گھر کے چار کمروں

الْبَاقِي. وَالْوَجْهُ فِيهِ أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ: إِمَّا أَنْ يَزِيدَ دِرْهَمًا فِي بَدَلِ الصُّلْحِ فَيَصِيرَ ذَلِكَ عِوَضًا عَنْ حَقِّهِ فِيمَا بَقِيَ، أَوْ يَلْحَقَ بِهِ ذِكْرُ الْبَرَاءَةِ عَنْ دَعْوَى الْبَاقِي.

فَصْلٌ

(٨٨٧)(وَالصُّلْحُ جَائِزٌ عَنْ دَعْوَى الْأَمْوَالِ) ؎١ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْبَيْعِ، عَلَى مَا مَرَّ.

(٨٨٨) (وَالْمَنَافِعِ؛ ؎١ لِأَنَّهَا تُمْلَكُ بِعَقْدِ الْإِجَارَةِ فَكَذَا بِالصُّلْحِ) ؎٢ وَالْأَصْلُ أَنَّ الصُّلْحَ يَجِبُ حَمْلُهُ عَلَى أَقْرَبِ الْعُقُودِ إِلَيْهِ وَأَشْبَهِهَا بِهِ احْتِيَالًا لِتَصْحِيحِ تَصَرُّفِ الْعَاقِدِ مَا أَمْكَنَ.

پر زید کا دعوی باقی ہے، اس لئے یہ صلح صحیح نہیں ہے، دعوی باقی ہے

اب اس کے جائز ہونے کے لئے دو حیلے بتا رہے ہیں۔ ایک حیلہ یہ ہے کہ ایک کمرہ کے ساتھ ایک اور درہم بڑھا دے، تو یہ ایک درہم باقی چار کمروں کے بدلے میں ہو جائے گا، اور صلح صحیح ہو جائے گی۔ دوسرا حیلہ یہ ہے کہ زید ایک کمرے پر قبضہ کے بعد یہ کہہ دے کہ باقی چار کمروں کو نہیں لوں گا، اس کا دعوی بھی نہیں کروں گا، تو اب باقی چار کمروں کا دعوی ختم ہو جائے گا، اور صلح صحیح ہو جائے گی۔

فصل

ترجمہ: (٨٨٧) مال کا دعوی ہو تو اس کے بدلے میں بھی صلح جائز ہے

ترجمہ: ؎١ اس لئے کہ وہ بھی بیع کے معنی میں ہے

تشریح: زید نے دعوی کیا کہ میرا ایک ہزار درہم عمر پر ہے، عمر نے ایک گائے دیکر صلح کر لی تو یہ جائز ہے، اور اقرار کے ساتھ کیا تو یہ بیع کے معنی میں ہوگا، یعنی زید نے ایک ہزار کے بدلے میں گائے خریدی

ترجمہ: (٨٨٨) اور نفع کے بدلے میں بھی صلح جائز ہے

ترجمہ: ؎١ اس لئے کہ نفع اجارہ کے عقد سے مالک بنتا ہے تو ایسے ہی صلح سے مالک بنے گا

تشریح: زید نے دعوی کیا کہ فلاں مرنے والے نے وصیت کی ہے کہ مجھے اس گھر میں ایک ماہ تک رہنا ہے، یہ ایک ماہ تک گھر میں رہنا نفع ہے۔ عمر نے کہا گھر میں نہ رہو اور اس نفع کے بدلے میں ایک ہزار لے لو، اور زید نے اس پر صلح کر لی، تو یہ نفع کے بدلے میں صلح ہوئی، اور یہاں ایک طرف نفع ہے اور دوسری طرف درہم ہے تو یہ صلح اجارت کی صورت بن گئی، اور اس میں تمام احکام اجرت کے جاری ہوں گے

ترجمہ: ؎٢ اصل قاعدہ یہ ہے کہ جو قریب کا عقد بن سکتا ہے صلح کو اس پر حمل کیا جائے گا، یا اس کے جو مشابہ ہے اس پر حمل کیا جائے گا، جتنا ہو سکے عقد کے تصرف کو صحیح بنانے کے لئے (ایسا کیا جائے گا)

تشریح: مصنفؒ صلح کا ایک قاعدہ بتا رہے ہیں کہ صلح کرنے کے بعد یہ دیکھو کہ کون سا عقد اس کے قریب ہے، بیع، یا اجرت، اس پر حمل کریں تا کہ صلح صحیح ہو جائے

(٨٨٩)قَالَ: (وَيَصِحُّ عَنُ جِنَايَةِ الْعَمَدِ وَالْخَطَإ) ١ أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ﴾ الْآيَةَ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّهَا نَزَلَتْ فِي الصُّلْحِ،

ترجمہ:(٨٨٩) صلح جائز ہے جنایت عمد اور جنایت خطا کے دعوی سے۔

ترجمہ: ١ پہلی یعنی جان کر جنایت کر پر صلح کی دلیل یہ آیت ہے، فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاع ،آیت، اور حضرت ابن عباسؓ نے نے فرمایا کہ یہ آیت صلح کے بارے ہی میں نازل ہوئی ہے

لغت: جنایۃ الخطاء: جنایت کا مطلب ہے کہ کسی جان، یا جسم کو نقصان دینا، اس کی چار قسمیں ہیں۔١۔ جان بوجھ کر جان مار دینا۔ اس کی سزا قصاص ہے، اور اگر ورثاء مان لیں اور صلح ہو جائے تو صلح کی رقم ہے چاہے جتنی ہو۔٢۔ دوسری صورت ہے بھول کر جان مار دینا۔ اس کی سزا دیت ہے، ایک ہزار دینار، یا دس ہزار درہم، یا سو اونٹ۔ اور صلح ہو جائے تو اس سے کم رقم بھی لے سکتا ہے۔ ٣۔ تیسری صورت ہے، جان کر عضو کاٹ دینا۔ اس کی سزا ہے قصاص، یعنی اس عضو کو کاٹ دینا، اور صلح ہو جائے تو جس رقم پر صلح ہو جائے وہ رقم ہے۔٤۔ چوتھی صورت ہے، بھول کر عوض کاٹ دینا، اس کی سزا ہے دیت، یعنی اس عضو کی شریعت نے کیا دیت متعین کی وہ رقم، اور اگر صلح ہو جائے تو جس رقم پر صلح ہو جائے وہ رقم ہے

تشریح: جنایت عمد کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے جان بوجھ کر کسی کا عضو کاٹ دیا جس کی وجہ سے اس پر عضو کاٹنے کا قصاص تھا۔ اس قصاص کے بدلے میں دونوں نے مال پر صلح کر لی تو جائز ہے۔ اور جنایت خطا کی صورت یہ ہے کہ غلطی سے کسی نے کسی کا عضو کاٹ دیا جس کی وجہ سے اس پر دیت کا مال واجب تھا۔ لیکن بعد میں کاٹنے والا، اور جس کا ہاتھ کاٹا دونوں نے کم مال پر صلح کر لی تو یہ جائز ہے۔

وجہ: (١) قاطع کا مال ہے وہ خرچ کر کے اپنا عضو بچا سکتا ہے۔ اور مقطوع کو حق ہے کہ قصاص معاف کر کے مال پر راضی ہو جائے (٢) صاحب ہدایہ کی آیت یہ ہے۔ یاایها الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی فمن عفی له من اخیه شیء فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمة (آیت ١٧٨، سورة البقرة ٢) اس آیت میں ہے کہ قصاص اور جنایت عمد معاف کر سکتا ہے اور اس کے بدلے میں صلح کر کے کچھ لے سکتا ہے۔ مفسرین نے یہی بیان کیا ہے۔ تو اسی پر قیاس کر کے جنایت خطا کے بدلے میں بھی کچھ لے سکتا ہے اور صلح کر سکتا ہے (٣) جنایت اور دیت کو معاف کر کے صلح کرنے پر یہ حدیث دال ہے۔ ان انسا حدثهم ان الربیع وهی ابنة النضر کسرت ثنیة جاریة فطلبوا الارش وطلبوا العفو فابوا فاتوا النبی ﷺ فامرهم بالقصاص فقال انس بن النضر اتکسر ثنیة الربیع یا رسول الله؟ لا والذی بعثک بالحق لا تکسر ثنیتها فقال یا انس کتاب الله القصاص فرضی القوم وعفوا فقال النبی ﷺ ان من عباد الله من لو اقسم علی الله لابرأه (بخاری شریف، باب الصلح فی الدیۃ، ص ٣٧٢، نمبر ٢٧٠٣) اس حدیث میں ہے کہ قصاص کو معاف کر کے ارش پر صلح کی۔ جس سے صلح کے جواز کا پتہ چلا۔

٢ وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ النِّكَاحِ، حَتَّى اِنَّ مَا صَلَحَ مُسَمًّى فِيهِ صَلَحَ هَاهُنَا إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِغَيْرِ الْمَالِ إِلَّا أَنَّ عِنْدَ فَسَادِ التَّسْمِيَةِ هٰهُنَا يُصَارُ إِلَى الدِّيَةِ؛ لِأَنَّهَا مُوجَبُ الدَّمِ . ٣ وَلَوْ صَالَحَ عَلَى خَمْرٍ لَا يَجِبُ شَيْءٌ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجِبُ بِمُطْلَقِ الْعَفْوِ .وَفِي النِّكَاحِ يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْفَصْلَيْنِ؛ لِأَنَّهُ الْمُوجَبُ الْأَصْلِيُّ، وَيَجِبُ مَعَ السُّكُوتِ عَنْهُ حُكْمًا، ٤ وَيَدْخُلُ فِي إِطْلَاقِ جَوَابِ الْكِتَابِ

ترجمہ : ٢ جنایت کے بدلے میں مال سے صلح نکاح کے درجے میں ہے، یہی وجہ ہے کہ جو چیز مہر بن سکتی ہے وہ چیز جنایت کا بدل سکتی ہے، اس لئے کہ دونوں میں جان کے بدلے میں مال ہے، یہ البتہ اتنا فرق ہے کہ اگر مسمی فاسد ہو جائے تو یہاں جنایت میں دیت لازم ہوگی، اس لئے کہ دم کا موجب وہی ہے (اور نکاح میں مہر مثل لازم ہوتا ہے)

تشریح: جنایت میں قصاص ہونا چاہئے لیکن اس پر مال کے بدلے میں صلح ہو تو یہ صلح نکاح کے مثل ہوتی ہے، کیونکہ نکاح میں ایک طرف عورت کا بضعہ ہوتا ہے جو عضو ہے، اور اس کے بدلے میں مہر ہوتا ہے جو مال ہے، تو مبادلۃ العضو بالمال ہو گیا، مبادلۃ المال بالمال نہ رہا، چنانچہ جو چیز مہر بن سکتی ہے وہ چیز جنایت کی صلح میں دی جا سکتی ہے، البتہ یہ فرق ہے کہ جنایت کی صلح میں کوئی فساد آ جائے تو وہاں دیت لازم ہو جائے گی، کیونکہ جنایت میں اصل دیت ہے، اور نکاح کے مہر میں فساد آ جائے تو وہاں مہر مثل لازم ہوگا، کیونکہ نکاح میں مہر مثل اصل ہے، دونوں میں یہ فرق ہے

ترجمہ: ٣ اگر دیت کے بدلے میں شراب پر صلح کی تو کچھ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ یہ مطلق معاف کرنا ہے، اور شراب کو مہر بنا کر نکاح کیا تو مہر مثل لازم ہوگا دونوں صورتوں میں، اس لئے کہ مہر مثل ہی موجب اصلی ہے، اور نکاح میں مہر کو بیان ہی نہیں کیا ہو تب بھی حکما مہر مثل لازم ہوگا

تشریح : اگر دیت کے بدلے شراب پر صلح کی تو کچھ بھی لازم نہیں ہوگا، کیونکہ شراب مال نہیں ہے، تو ایسا سمجھا جائے گا کہ دیت معاف کر دی ہے، آگے بتاتے ہیں کہ مہر میں اگر شراب دی تو وہاں مہر مثل لازم ہوگا، کیونکہ وہی موجب اصلی ہے، اسی طرح اگر مہر فاسد ہو جائے تب بھی مہر مثل لازم ہوگا، اور نکاح میں مہر کا ذکر ہی نہیں کیا ہو تب بھی مہر مثل ہی لازم ہوگا

لغت: فی الفصلین: دونوں فصل کا مطلب یہ ہے کہ مہر فاسد ہو جائے تب بھی مہر مثل ہے، اور مہر میں شراب دی تب بھی مہر مثل ہے

ترجمہ: ٤ قدوری کے متن میں ہے صلح عن جنایۃ العمد والخطاء، اس میں نفس کی جنایت اور اس سے کم کی جنایت بھی داخل ہے

تشریح : قدوری کی عبارت سے یہ پتہ چلتا تھا کہ جان کر عضو کاٹ دے یا بھول سے عضو کاٹ دے تو اس کے قصاص کے بدلے میں مال پر صلح کر سکتا ہے، یہاں بتا رہے ہیں کہ اگر جان مار دے، چاہے جان کر مارے، یا بھول سے مارے اس پر بھی مال پر صلح کر سکتا ہے، یہ مسئلے بھی قدوری کے متن میں داخل ہیں

لغت: الجنایۃ فی النفس وما دونھا: یہاں دونھا سے مراد ہے، عضو، وغیرہ کا ٹنا۔

ترجمہ : ٥ یہ بخلاف مال پر حق شفعہ سے صلح کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ صرف مالک بننے کا حق ہے، ابھی زمین کا

الْجِنَايَةُ فِي النَّفْسِ وَمَا دُونَهَا، ۵ وَهَذَا بِخِلَافِ الصُّلْحِ عَنْ حَقِ الشُّفْعَةِ عَلَى مَالٍ حَيْثُ لَا يَصِحُّ؛ لِأَنَّهُ حَقُّ التَّمَلُّكِ، وَلَا حَقَّ فِي الْمَحَلِّ قَبْلَ التَّمَلُّكِ. أَمَّا الْقِصَاصُ فَمِلْكُ الْمَحَلِّ فِي حَقِّ الْفِعْلِ فَيَصِحُّ الِاعْتِيَاضُ عَنْهُ، وَإِذَا لَمْ يَصِحَّ الصُّلْحُ تَبْطُلُ الشُّفْعَةُ؛ لِأَنَّهُ تَبْطُلُ بِالْإِعْرَاضِ وَالسُّكُوتِ، ٦ وَالْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ بِمَنْزِلَةِ حَقِ الشُّفْعَةِ حَتَّى لَا يَجِبَ الْمَالُ بِالصُّلْحِ عَنْهُ، غَيْرَ أَنَّ

مالک بنانہیں ہے، اور قصاص کا معاملہ یہ ہے کہ وہ جان کا مالک ہے اس لئے اس کا بدلہ لینا جائز ہے، اور جب حق شفعہ پر صلح کرنا صحیح نہیں ہوا تو شفعہ باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ حق شفعہ اعراض کرنے سے اور چپ رہنے سے باطل ہو جاتا ہے

تشریح: نفس پر صلح، اور حق شفعہ پر صلح کرنے میں کیا فرق ہے مصنف اس کو بیان کر رہے ہیں

یہ ایک حقیقت ہے کہ نفس، اور عضو مال نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود نفس ضائع کر دے، یا عضو کاٹ دے تو اس کے بدلے میں مال لیکر صلح کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس، اور عضو ایک ملکیت کی چیز ہے، اور آدمی اس کا مالک ہے، اس لئے اس کے بدلے میں مال لے سکتا ہے۔ اور حق شفعہ میں کسی زمین کا مالک نہیں بنتا ہے، صرف اس کی بنیاد پر زمین کے مالک بننے کا حق ملتا ہے، اور صرف حق کے بدلے میں مال نہیں لے سکتا، اور صلح نہیں کر سکتا ہے، اور جب شفیع نے یوں کہا کہ حق شفعہ چھوڑ دوں گا مجھے کچھ مال دے تو گویا کہ اس نے حق شفعہ لینے سے اعراض کیا، اور اعراض سے حق شفعہ ختم ہو جاتا ہے، اس لئے جیسے ہی شفعہ کے بدلے میں مال مانگا حق شفعہ ختم ہو جائے گا

لغت: **ملک المحل فی حق الفعل**: یہ ایک منطقی محارہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ابھی نفس کا باضابطہ مالک ہے۔

ترجمہ: ٦ اور کفالہ بالنفس حق شفعہ کی طرح ہے، چنانچہ اگر کفالہ بالنفس کے بدلے صلح کی تو مال واجب نہیں ہوگا، البتہ کفالہ بالنفس باطل ہو جائے گا اس بارے میں دو روایتیں ہیں، ان کو ان کی جگہ پر بیان کی گئیں ہیں

تشریح: زید پر خالد کا ہزار درہم تھا، اور اس معاملے میں اس کو قاضی کے سامنے حاضر ہونا تھا، عمر نے کہا کہ میں اس کو مجلس قضا میں حاضر کرنے کا کفیل اور ذمہ دار ہوں، اسی کو کفالہ بالنفس، کہتے ہیں، یعنی آدمی کو مجلس قضا میں حاضر کرنے کا کفیل۔ اب خالد جو مکفول عنہ تھا اس نے عمر کفیل سے کہا کہ مجھے دو سو درہم دے دو اور تم کفالہ بالنفس سے بری ہو جاو، اور عمر نے اس پر صلح کر لی تو خالد کو حق شفعہ کی طرح یہ صلح کرنے کا حق نہیں ہے

وجہ: حق شفعہ کی طرح حق کفالہ بھی صرف ایک حق ہے، کوئی ملکیت نہیں ہے، اس لئے اس حق کے بدلے میں خالد کوئی مال لیکر صلح نہیں کر سکتا ہے

البتہ حق شفعہ، اور حق کفالہ بالنفس میں فرق یہ ہے کہ حق شفعہ اعراض کرنے سے باطل ہو جاتا ہے، اس لئے حق شفعہ فورا باطل ہو جائے گا، اور حق کفالہ بالنفس باطل ہوگا یا نہیں اس بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ حق کفالہ بالنفس باطل ہو جائے گا، اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس صلح کے باوجود کفالہ بالنفس باطل نہیں ہوگا

فِی بُطْلَانِ الْکَفَالَةِ رِوَایَتَیْنِ عَلَی مَا عُرِفَ فِی مَوْضِعِهِ .۷ وَأَمَّا الثَّانِی وَهُوَ جِنَایَةُ الْخَطَإِ فَلِأَنَّ مُوجِبَهَا الْمَالُ، فَیَصِیرُ بِمَنْزِلَةِ الْبَیْعِ، إِلَّا أَنَّهُ لَا تَصِحُّ الزِّیَادَةُ عَلَی قَدْرِ الدِّیَةِ؛ لِأَنَّهُ مُقَدَّرٌ شَرْعًا، فَلَا یَجُوزُ إِبْطَالُهُ فَیُرَدُّ الزِّیَادَةُ، ۸ بِخِلَافِ الصُّلْحِ عَنِ الْقِصَاصِ حَیْثُ یَجُوزُ بِالزِّیَادَةِ عَلَی قَدْرِ الدِّیَةِ؛ لِأَنَّ الْقِصَاصَ لَیْسَ بِمَالٍ وَإِنَّمَا یَتَقَوَّمُ بِالْعَقْدِ، ۹ وَهَذَا إِذَا صَالَحَ عَلَی أَحَدِ مَقَادِیرِ الدِّیَةِ،

ترجمہ : ۷ اور دوسری صورت غلطی میں جنایت ہے، اس کا موجب مال ہے اس لئے وہ بیع کے درجے میں ہوجاتا ہے، لیکن صلح میں دیت کی مقدار سے زیادہ لینا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ دیت کی مقدار شرعا متعین ہے اس لئے اس کو باطل کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے دیت سے جو زیادہ لیگا وہ رد ہوجائے گا

تشریح: دوسری صورت یہ ہے کہ غلطی سے جنایت کردے، یعنی غلطی سے جان ماردے، یا غلطی سے عضو کاٹ دے، تو پہلے بتایا کہ اس میں قصاص نہیں ہے بلکہ دیت ہے، اور مال ہے، اس لئے یہ بیع کی طرح ہے اس لئے اس میں صلح ہوسکتی ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ اس عضو کی جو دیت ہے اس سے زیادہ صلح میں نہ، کیونکہ شریعت نے جو مال متعین کردیا ہے اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے، اور اگر لے لیا تو وہ دیت سے زیادہ رقم رد ہوجائے گی

ترجمہ: ۸ بخلاف قصاص سے صلح اس میں دیت کی مقدار سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے، اس لئے کہ قصاص مال نہیں ہے وہ تو عقد یعنی صلح سے متعین ہوتی ہے

تشریح : جان کا قصاص ہو یا عضو کا قصاص ہو ان میں جان اور عضو کو ہی دینا پڑتا ہے اس میں دیت متعین نہیں ہے، اس لئے بھول میں جو جان گئی ہے اس کی دیت سے بھی زیادہ رقم پر صلح کرلے تب بھی جائز ہے

ترجمہ : ۹ جواز اور عدم جواز کا معاملہ اس وقت ہے جب دیت کی کسی مقدار پر صلح کرے، لیکن اگر جو دیت متعین ہے اس کے علاوہ پر صلح کرے تو زیادہ میں بھی جائز ہے، اس لئے کہ یہ دیت کے بدلے میں ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ مجلس میں قبضہ کرے تا کہ دین کے عوض میں دین سے جدائی نہ ہو

لغت: دین بدین: کوئی درہم اور دینار متعین ہو اس کو عین، کہتے ہیں، اور متعین نہ ہو بلکہ صرف ذمے میں ہو اس کو دین کہتے ہیں

تشریح قتل خطا میں ایک ہزار دینار، یا دس ہزار درہم، یا ایک سو اونٹ ہے دیت ہے، اب کوئی دینار پر صلح کرتا ہے تو قتل خطا کی صلح میں ایک ہزار دینار سے زیادہ نہ لے، ہاں اس سے کم پر صلح جائز ہے۔ اسی طرح درہم پر صلح کرتا ہے تو دس ہزار درہم سے زیادہ نہ لے، کیونکہ شریعت کی جانب سے اتنی دیت متعین ہے، لیکن قتل خطا میں گیہوں، یا چاول پر صلح کرے تو یہ دیت کی جنس میں سے نہیں ہے اس لئے اگر اس کی قیمت ایک ہزار دینار سے زیادہ بھی ہوجائے تو جائز ہے، اور یوں سمجھا جائے گا کہ جو دیت ہے اس کے بدلے میں گیہوں لیا، لیکن اس صلح میں شرط یہ ہے کہ مجلس میں گیہوں پر قبضہ کرنا ہوگا، اور صلح ختم ہوجائے گی، دوبارہ صلح کرنی ہوگی

أَمَّا إِذَا صَالَحَ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ جَازَ لِأَنَّهُ مُبَادَلَةٌ بِهَا، إِلَّا أَنَّهُ يُشْتَرَطُ الْقَبْضُ فِي الْمَجْلِسِ كَيْ لَا يَكُونَ افْتِرَاقًا عَنْ دَيْنٍ بِدَيْنٍ . ١٠ وَلَوْ قَضَى الْقَاضِي بِأَحَدِ مَقَادِيرِهَا فَصَالَحَ عَلَى جِنْسٍ آخَرَ مِنْهَا بِالزِّيَادَةِ جَازَ؛ لِأَنَّهُ تَعَيَّنَ الْحَقُّ بِالْقَضَاءِ فَكَانَ مُبَادَلَةً، بِخِلَافِ الصُّلْحِ ابْتِدَاءً؛ لِأَنَّ تَرَاضِيَهُمَا عَلَى بَعْضِ الْمَقَادِيرِ بِمَنْزِلَةِ الْقَضَاءِ فِي حَقِّ التَّعْيِينِ فَلَا يَجُوزُ الزِّيَادَةُ عَلَى مَا تَعَيَّنَ.

(٨٩٠)قَالَ: (وَلَا يَجُوزُ الصُّلْحُ مِنْ دَعْوَى حَدٍّ) ١ لِأَنَّهُ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى لَا حَقُّهُ، وَلَا يَجُوزُ الِاعْتِيَاضُ

وجه :اس کی وجہ یہ ہے کہ دیت دینار ہے، اور وہ دینار ابھی متعین نہیں ہے، دین ہے، اور اس کو گیہوں سے بدلا ہے، اور وہ بھی متعین نہ ہو تو دین کا بدلہ دین سے ہو گیا، اور جائز نہیں ہے، اس لئے جب صلح ہوئی اسی مجلس میں گیہوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے، ورنہ صلح ختم ہو جائے گی، اور دوبارہ صلح کرنی ہوگی

ترجمہ :١٠ اور اگر قاضی نے ایک دیت متعین کر دی پھر قاتل نے دوسری جنس پر زیادتی کے ساتھ صلح کر لی تو جائز ہے، اس لئے کہ قاضی کے فیصلے سے ایک حق متعین ہو گیا تو اب اس حق کے بدلے میں صلح کی اس لئے زیادتی کے ساتھ جائز ہوگی، بخلاف شروع ہی میں زیادتی کے ساتھ صلح کرے تو یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ ان دونوں کا بعض مقدار پر راضی ہونا تعین کے حق میں فیصلے کے درجے میں ہے اس لئے شریعت کی متعین کردہ دیت سے زیادہ جائز نہیں ہے

اصول دیت سے زیادہ کا فیصلہ اس جنس میں نہیں کر سکتا ہے، لیکن اگر ایک دیت کا قاضی نے فیصلہ کر دیا ہے تو اب اس جنس کے علاوہ سے دیت سے زیادہ پر بھی صلح کر سکتا ہے

تشریح : یہاں ایک نکتہ ہے جس پر یہ مسئلہ ہے، نکتہ یہ ہے کہ قاضی خود جو دیت ہے، (ایک ہزار دینار، یا دس ہزار درہم، یا ایک سو اونٹ) اس سے زیادہ کا فیصلہ نہیں کر سکتا ہے ، کیونکہ یہ شریعت کے فیصلے کے خلاف ہوگا، لیکن قاضی نے تینوں دیتوں میں سے ایک دیت کا فیصلہ کر دیا، مثلا ایک ہزار دینار کا فیصلہ کر دیا، اب ایک ہزار دینار کے بدلے میں پندرہ ہزار درہم پر صلح کرے تو جائز ہے، کیونکہ یہ پندرہ ہزار درہم ایک ہزار دینار کے بدلے میں لیا ہے۔ لیکن قاتل اور مقتول کے وارث شروع ہی میں پندرہ ہزار درہم پر صلح کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ دونوں فریقوں کی یہ صلح قضا کے درجے میں ہے، اس لئے یہ دونوں شروع ہی میں متعین دیت سے زیادہ پر صلح نہیں کر سکتے ہیں

ترجمہ:(٨٩٠) کسی پر حد کا دعوی ہو اس کے بدلے میں صلح کرنا جائز نہیں ہے

ترجمہ :١ اس لئے کہ یہ اللہ کا حق ہے، انسان کا حق نہیں ہے، اور دوسرے کے حق کا بدلہ نہیں لے سکتا ہے

تشریح: مثلا ایک آدمی پر چوری کی حد تھی، اب وہ کچھ رقم دیکر صلح کرنا چاہتا ہے تو یہ صلح جائز نہیں ہے

وجہ : (١) حد اصل میں اللہ کا حق ہے۔ اور اللہ کا حق اللہ ہی معاف کر سکتا ہے دوسرا کوئی نہیں۔ اس لئے نہ اس کو معاف کر سکتا ہے اور نہ اس پر صلح کر سکتا ہے (٢) صلح نہ کرنے اور معاف نہ کرنے پر وہ احادیث دلالت کرتی ہیں جن میں حضورؐ کے پاس

مِنْ حَقِّ غَيْرِهِ، ٢؎ وَلِهَذَا لا يَجُوزُ الاعْتِيَاضُ إِذَا ادَّعَتِ الْمَرْأَةُ نَسَبَ وَلَدِهَا؛ لِأَنَّهُ حَقُّ الْوَلَدِ لا حَقُّهَا، (٨٩١) وَكَذَا لا يَجُوزُ الصُّلْحُ عَمَّا أَشْرَعَهُ إِلَى طَرِيقِ الْعَامَّةِ؛ ١؎ لِأَنَّهُ حَقُّ الْعَامَّةِ فَلا يَجُوزُ أَنْ يُصَالِحَ وَاحِدٌ عَلَى الِانْفِرَادِ عَنْهُ؛ ٢؎ وَيَدْخُلُ فِي إِطْلَاقِ الْجَوَابِ حَدُّ الْقَذْفِ؛ لِأَنَّ الْمُغَلَّبَ فِيهِ

سفارش کے لئے حضرت اسامہ آئے تو آپؐ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہ بھی چراتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا، حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عائشة ان قريشا اهمتهم المرأة المخزومية التى سرقت ... فقال يا ايها الناس انما ضل من كان قبلكم انهم كانوا اذا سرق الشريف تركوه واذا سرق الضعيف فيهم اقاموا عليه الحد وايم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطع محمد يدها** (بخاری شریف، باب کراہیۃ الشفاعۃ فی الحد اذا رفع الی السلطان، ص ۱۰۰۳، نمبر ۶۷۸۸) اس حدیث میں حد سے سفارش کرنے پر آپؐ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اس لئے ثابت ہونے کے بعد اس پر صلح نہیں ہو سکتی۔

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ حقوق انسانی پر صلح ہو سکتی ہے، حقوق اللہ پر صلح نہیں ہو سکتی۔

ترجمہ: ٢؎ اسی لئے عورت دعوی کرے بچے کے نسب کا تو اس کے بدلے میں صلح کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نسب ثابت ہونا بچے کا حق ہے عورت کا حق نہیں ہے

تشریح: عورت کے پاس ایک بچہ ہے جس کا نسب ابھی کسی سے ثابت نہیں ہے، عورت دعوی کرتی ہے کہ اس بچے کا نسب میرے شوہر سے ثابت ہے، شوہر اس کا انکار کرتا ہے، پھر شوہر عورت کو کچھ رقم دیکر صلح کرنا چاہتا ہے تو عورت کے لئے یہ صلح کرنا جائز نہیں ہے

وجہ: کیونکہ نسب ثابت ہونا یہ بچے کا حق ہے عورت کا حق نہیں ہے، اس لئے عورت یہ صلح نہیں کر سکتی ہے، اسی طرح حد اللہ کا حق ہے قاضی کا حق نہیں ہے اس لئے قاضی رقم لیکر حد کی صلح نہیں کر سکتا ہے۔

ترجمہ: (۸۹۱) اسی طرح ان چیزوں کے لئے صلح کرنا جائز نہیں جو عام لوگوں کے راستے پر بنائی گئی ہوں

ترجمہ: ١؎ اس لئے کہ یہ عام لوگوں کا حق ہے، اس لئے کسی ایک آدمی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ صلح کر لے

تشریح: مثلا عام راستہ پر کسی نے سائبان لٹکا دیا، اب وہ سائبان کے بدلے میں کچھ رقم پر او فیسر سے صلح کرنا چاہتا ہے، اور اپنا سائبان باقی رکھنا چاہتا ہے تو یہ صلح جائز نہیں ہے

وجہ: کیونکہ عام راستہ عام لوگوں کا ہے اس لئے کسی خاص آدمی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ صلح کر لے، کیونکہ یہ اس کا حق ہی نہیں ہے

ترجمہ: ٢؎ صاحب ہدایہ کے مطلق جواب میں حد قذف بھی داخل ہے، اس لئے کہ اس میں غالب شریعت کا حق ہے

تشریح: مثلا زید نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت ڈالی، عورت نے قاضی کے پاس تہمت زنا کا مقدمہ دائر کیا، زید عورت کے زنا کو ثابت نہ کر سکا، اب اس پر حد قذف میں کوڑے لگانے کا حکم ہوا، اب زید یہ چاہتا ہے کہ کوڑے نہ لگیں اور کچھ رقم لیکر عورت صلح کر لے تو یہ صلح جائز نہیں ہے

حَقُّ الشَّرْعِ.

(٨٩٢) قَالَ: (وَإِذَا ادَّعَى رَجُلٌ عَلَى امْرَأَةٍ نِكَاحًا وَهِيَ تَجْحَدُ فَصَالَحَتْهُ عَلَى مَالٍ بَذَلَتْهُ حَتَّى يَتْرُكَ الدَّعْوَى جَازَ، وَكَانَ فِي مَعْنَى الْخُلْعِ) ؛ ا لِأَنَّهُ أَمْكَنَ تَصْحِيحُهُ خُلْعًا فِي جَانِبِهِ بِنَاءً عَلَى زَعْمِهِ، وَفِي جَانِبِهَا بَدَلًا لِلْمَالِ لِدَفْعِ الْخُصُومَةِ. ٢ قَالُوا: وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى إِذَا كَانَ مُبْطِلًا فِي دَعْوَاهُ.

(٨٩٣) قَالَ (وَإِنِ ادَّعَتِ امْرَأَةٌ نِكَاحًا عَلَى رَجُلٍ فَصَالَحَهَا عَلَى مَالٍ بَذَلَهُ لَهَا جَازَ) ا قَالَ: هَكَذَا ذَكَرَهُ فِي بَعْضِ نُسَخِ الْمُخْتَصَرِ، وَفِي بَعْضِهَا قَالَ: لَمْ يَجُزْ. وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنْ يَجْعَلَ زِيَادَةً فِي مَهْرِهَا. وَجْهُ

وجہ: حدقذف میں شریعت کا بھی حق ہے اور عورت کا بھی حق ہے، اگر صرف عورت کا حق مان لیا جائے تو وہ صلح کر سکتی تھی، لیکن اس میں شریعت کا حق زیادہ ہے، کیونکہ وہ حد ہے اس لئے عورت صلح نہیں کر سکتی ہے

ترجمہ:(٨٩٢) ایک آدمی نے ایک عورت پر نکاح کا دعوی کیا اور وہ انکار کرتی ہے۔ پھر عورت نے مرد سے مال پر صلح کی جس کو اس نے خرچ کیا تا کہ مرد دعوی چھوڑ دے تو جائز ہے اور یہ صلح خلع کے حکم میں ہے۔

ترجمہ:ا اس لئے کہ اس صلح کو صحیح قرار دینا ممکن ہے، کہ مرد کی جانب خلع سمجھا جائے اس کے گمان کا اعتبار کرتے ہوئے، اور عورت کی جانب یوں سمجھا جائے گا کہ جھگڑا دور کرنے کے لئے مال خرچ کیا

تشریح: ایک آدمی نے ایک عورت پر دعوی کیا کہ اس سے میرا نکاح ہوا تھا۔ لیکن عورت اس سے نکاح ہونے کا انکار کرتی ہے۔ بعد میں جان چھڑانے کے لئے کچھ دے کر مرد سے صلح کر لے تا کہ مرد نکاح کا دعوی چھوڑ دے تو عورت کا دینا جائز ہے۔

وجہ: (ا) عورت مقدمہ سے جان چھڑانے کے لئے رقم دے رہی ہے۔ چونکہ اس کا مال ہے۔ اس لئے جان چھڑانے کے لئے مال خرچ کر سکتی ہے، عورت کی جانب سے یہی سمجھا جائے گا (٢) مرد کی جانب سے یوں سمجھا جائے گا کہ نکاح ہوا تھا اور عورت نے گویا کہ خلع لیا اور خلع کے طور پر یہ رقم مجھے دی ہے۔ اس لئے اس کے لئے یہ رقم لینا جائز ہے

ترجمہ:٢ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر مرد دعوی میں باطل ہے تو فیما بینہ و بین اللہ اس کو یہ رقم لینا صحیح نہیں ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ:(٨٩٣) اور اگر عورت نے مرد پر نکاح کا دعوی کیا، اور مرد نے مال دیکر صلح کر لی تو جائز ہے

ترجمہ:ا قدوری کے بعض نسخوں میں ایسا ہی ہے، اور بعض نسخوں میں یہ ہے کہ یہ مال لینا جائز نہیں ہے، اور جائز نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جتنا مہر تھا اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے

تشریح: عورت نے دعوی کیا کہ میرا اس مرد سے نکاح ہوا ہے۔ اور مرد نے اسکا انکار کیا۔ بعد میں عورت کو مال دے کر صلح کر لی تا کہ جان چھوٹ جائے تو عورت کے لئے مال لینا جائز ہے۔ اس کی تاویل یہ کی ہے کہ جتنا مہر تھا اس سے زیادہ عورت

الثَّانِي أَنَّهُ بَذَلَ لَهَا الْمَالَ لِتَتْرُكَ الدَّعْوَى فَإِنْ جُعِلَ تَرْكُ الدَّعْوَى مِنهَا فُرْقَةً فَالزَّوْجُ لا يُعْطِي الْعِوَضَ فِي الْفُرْقَةِ، وَإِنْ لَمْ يُجْعَلْ فَالْحَالُ عَلَى مَا كَانَ عَلَيْهِ قَبْلَ الدَّعْوَى، فَلا شَيْءَ يُقَابِلُهُ الْعِوَضُ، فَلَمْ يَصِحَّ.

(۸۹۴)قَالَ: (وَإِنِ ادَّعَى عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ عَبْدُهُ، فَصَالَحَهُ عَلَى مَالٍ أَعْطَاهُ جَازَ، وَكَانَ فِي حَقِّ الْمُدَّعِي بِمَنْزِلَةِ الْإِعْتَاقِ عَلَى مَالٍ)؛ ١ لِأَنَّهُ أَمْكَنَ تَصْحِيحُهُ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ فِي حَقِّهِ لِزَعْمِهِ؛ ٢ وَلِهَذَا يَصِحُّ

کے لئے لینا جائز نہیں ہے،اور مہر سے کم لینا جائز ہے

وجه: اور دوسری کی وجہ (یعنی عورت کے لئے رقم لینا جائز نہیں ہے اس کی وجہ) یہ ہے کہ اگر عورت کو مال اس لئے دیا کہ تا کہ وہ دعوی چھوڑ دے، تو اس دعوی کے چھوڑنے کو جدائی قرار دی جائے تو عورت کی جانب سے جدائی ہو تو اس پر کوئی بدلہ لازم نہیں ہے، اور اگر جدائی ہی نہیں ہوئی تو عورت کا دعوی ویسے ہی رہ گیا تو اب مرد پر رقم لازم کیوں ہو

تشریح: یہاں عبارت پیچید ہے۔ جن حضرات نے فرمایا کہ اس صلح میں عورت کے لئے صلح کی رقم لینا جائز نہیں ہے، اس کی وجہ یوں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ عورت کی جانب سے یہ جدائیگی ہے تو مرد جب جدا کرے تو اس کے بدلے میں مرد پر کوئی رقم واجب نہیں ہوتی ہے، اس لئے عورت کے لئے یہ رقم لینا درست نہیں ہے۔ اور اگر یوں کہیں کہ جدائیگی ہوئی ہی نہیں ہے تو عورت کس چیز کا پیسہ لے رہی ہے، اس لئے دونوں صورتوں میں عورت کے لئے صلح کی رقم لینا جائز نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں اپنی جان چھڑانے کے لئے شوہر صلح کی رقم دے رہا ہے

ترجمہ: (۸۹۴) اگر کسی آدمی نے کسی آدمی پر دعوی کیا کہ یہ میرا غلام ہے۔ پس اس نے مال پر صلح کیا جو اس کو دے دیا تو جائز ہے۔ اور یہ مدعی کے حق میں مال پر آزادگی کے حکم میں ہوگا۔

ترجمہ: ١ اس کی اس طرح تصحیح کرنا ممکن ہے کہ مدعی کے گمان میں ہے کہ میں نے غلام کو مال لیکر آزاد کیا ہے

تشریح: ایک آدمی نے ایک آدمی پر دعوی کیا کہ یہ میرا غلام ہے۔ اس نے انکار کیا، بعد میں کچھ دے کر صلح کر لی تو مدعی کے لئے یہ رقم لینا جائز ہے۔

وجه: غلام تو یہ سمجھ کر دے رہا ہے کہ میں جان چھڑانے کے لئے دے رہا ہوں۔ اور مدعی کے حق میں یوں سمجھا جائے گا کہ یہ واقعی اس کا غلام تھا اور مدعی نے صلح کا مال لے کر اس کو آزاد کیا۔ اور مال لے کر آزاد کرنا جائز ہے۔ اس لئے مدعی کا مال لینا جائز ہے۔

اصول: پہلے گزر چکا ہے کہ جہاں جہاں مدعی اور مدعی علیہ میں جوڑ ہو سکتا ہو تو بات مان لی جائے گی اور جہاں جوڑ نہ ہو سکتا ہو تو الگ فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمہ: ٢ یہی وجہ ہے کہ حیوان کو دینے کا ذمہ لے اس پر بھی صلح کرنا جائز ہے

تشریح: عبارت پیچیدہ ہے۔ اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ، یہ آزادگی، اعتاق علی المال ہے، یعنی مال کی شرط پر آزاد کرنا ہے، بیع نہیں ہے، کیونکہ اگر بیع ہوتی تو جانور کو متعین کرنا پڑتا تب جا کر بیع صحیح ہوتی، یہاں جانور ابھی متعین نہیں ہے،

عَلَى حَيَوَانٍ فِي الذِّمَّةِ إِلَى أَجَلٍ . ٣ وَفِي حَقِّ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ يَكُونُ لِدَفْعِ الْخُصُومَةِ؛ لِأَنَّهُ يَزْعُمُ أَنَّهُ حُرًّا ٤ فَجَازَ إِلَّا أَنَّهُ لَا وَلَاءَ لَهُ لِإِنْكَارِ الْعَبْدِ إِلَّا أَنْ يُقِيمَ الْبَيِّنَةَ فَتُقْبَلَ وَيَثْبُتَ الْوَلَاءُ.

(٨٩٥)قَالَ (وَإِذَا قَتَلَ الْعَبْدُ الْمَأْذُونُ لَهُ رَجُلًا عَمْدًا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يُصَالِحَ عَنْ نَفْسِهِ، وَإِنْ قَتَلَ عَبْدٌ لَهُ رَجُلًا عَمْدًا فَصَالَحَ عَنْهُ جَازَ) ١ وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ رَقَبَتَهُ لَيْسَتْ مِنْ تِجَارَتِهِ؛ وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ

اس کو بعد میں دے گا، پھر بھی صلح درست ہوگئی اس کی وجہ یہ ہے کہ مال دینے کی شرط پر آزاد کرنا ہے

ترجمہ: ٣ مدعی علیہ (یعنی غلام کے حق میں) جھگڑا کو دور کرنے کے لئے یہ رقم دی ہے، اس لئے کہ وہ یہی گمان کر رہا ہے کہ وہ پیدائشی آزاد ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ٤ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ آزاد کرنے والے مدعی کو غلام کی ولا نہیں ملے گی، اس لئے کہ غلام نے انکار کر دیا ہے، ہاں اگر مدعی اس بات پر بینہ قائم کرے کہ وہ واقعی غلام تھا تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اور ولاء ثابت ہو جائے گی

تشریح: یہاں غلام نے غلام ہونے سے انکار کر دیا ہے، اور مجبوراً صلح کی ہے اس لئے مدعی کو اس غلام کی ولا نہیں ملے گی، ہاں مدعی دوبارہ یہ بینہ پیش کرے کہ یہ واقعی میرا غلام تھا، تو اب اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اور اس کو ولاء بھی ملے گی۔

ترجمہ: (٨٩٥) جس غلام کو تجارت کی اجازت دی ہے (عبد ماذون) اس نے کسی آدمی کو جان کر قتل کر دیا تو رقم دیکر اپنی جان کے لئے صلح کرنا جائز نہیں ہے (جب تک اس کا آقا اس کی اجازت نہ دے)، اور اگر اس ماذون غلام کا کوئی غلام ہے اس نے کسی کو جان کر قتل کر دیا تو ماذون غلام اپنے اس غلام کے بدلے رقم دیکر صلح کر لے تو جائز ہے۔

ترجمہ: ١ فرق کی وجہ یہ ہے کہ ماذون غلام کی ذات تجارت کے لئے نہیں ہے (وہ تو آقا کی ملکیت ہے) اسی لئے وہ اپنی ذات بیچنے کا مالک نہیں ہے، اسی طرح وہ آقا کے مال کو دیکر اپنی ذات کو بچانے کا مالک نہیں ہے، اور وہ اپنی ذات کے بارے میں اجنبی کی طرح ہو گیا۔ اور ماذون غلام کا جو غلام ہے وہ تجارت کے لئے ہے اور ماذون غلام اس غلام کو بیچ سکتا ہے، اسی طرح رقم دیکر اس کو چھڑا بھی سکتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غلام مستحق نکل گیا تو گویا کہ ماذون کی ملکیت سے نکل گیا، اور پیسہ دیکر صلح کرنا گویا کہ غلام کو خریدنا ہے اس لئے ماذون غلام اس کا مالک ہوگا

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ۔ ماذون غلام کی ذات آقا کی ملکیت ہے اس لئے اپنے آپ کو کسی کو دیکر صلح نہیں کر سکتا، جب تک کہ آقا اس سے راضی نہ ہو۔ اور ماذون غلام کا کوئی غلام ہو تو یہ تجارت کے لئے ہے اس لئے اس کو بچانے کے لئے رقم دیکر صلح کر سکتا ہے

تشریح: یہاں دو باتیں یاد رکھیں۔ ایک تو یہ کہ اس ماذون غلام کو آقا نے تجارت کرنے کی اجازت دی ہے اس لئے تجارت میں آقا کا پیسہ خرچ کر سکتا ہے، اور ماذون کے ہاتھ میں جو غلام ہے وہ تجارت کے لئے ہے، وہ بیچنے اور خریدنے کے

التَّصرُّف فِيهَا بَيْعًا فَكَذَا اسْتِخْلاصًا بِمَالِ الْمَوْلَى وَصَارَ كَالْأَجْنَبِيِّ، أَمَّا عَبْدُهُ فَمِنْ تِجَارَتِهِ، وَتَصرُّفُهُ نَافِذٌ فِيهِ بَيْعًا فَكَذَا اسْتِخْلاصًا، وَهٰذَا لِأَنَّ الْمُسْتَحَقَّ كَالزَّائِلِ عَنْ مِلْكِهِ وَهٰذَا شِرَاؤُهُ فَيَمْلِكُهُ.

(۸۹۶) قَالَ (وَمَنْ غَصَبَ ثَوْبًا يَهُودِيًّا قِيمَتُهُ دُونَ الْمِائَةِ فَاسْتَهْلَكَهُ فَصَالَحَهُ مِنْهَا عَلَى مِائَةِ دِرْهَمٍ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ.

لئے ہے، اس لئے اس نے ایسی غلطی کہ جس سے اس کی جان جاسکتی ہے تو اس کو بچانے کے لئے آقا کا پیسہ خرچ کرسکتا ہے۔ کیونکہ آقا نے پہلے سے اس کی اجازت دی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ماذون کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنی ذات کو بیچے یا خریدے، اس کی ذات کو آقا بیچ سکتا ہے، اس لئے اگر ماذون نے ایسی غلطی کی جس سے اس کی جان ختم ہوسکتی ہے تو اس کو آقا کا پیسہ دیکر نہیں بچاسکتا ہے، کیونکہ یہ گویا کہ اپنے آپ کو آقا کا پیسہ دیکر خریدنا ہوا، اور اس کو اس کی اجازت نہیں ہے، ہاں آقا کی اجازت سے ایسا کرے تو اب کرسکتا ہے

اب مسئلہ سمجھیں۔ ماذون نے قتل عمد کیا، اب اس پر قصاص ہے جس میں اس کو قتل کیا جائے گا، تو وہ آقا کا پیسہ دیکر اپنی جان نہیں چھڑا سکتا، اور صلح نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ رقم آقا کی ہے، اور اس کو آقا کی جانب سے تجارت کرنے کی اجازت ہے، اپنی جان کے بدلے آقا کی رقم خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے، ہاں آقا اس کی اجازت دے تو کرسکتا ہے

اور ماذون کا جو غلام تھا وہ خریدنے بیچنے کے لئے تھا، اس غلام نے قتل عمد کیا جس کی وجہ سے اس کو قتل کیا جانا تھا، اب اس ماذون نے رقم دیکر صلح کی اور اس غلام کی جان چھڑائی تو آقا کی اجازت کے بغیر بھی ایسا کرسکتا ہے

وجہ: ماذون کا جو غلام ہے یہ تجارت کے لئے ہے، خریدنے اور بیچنے کے لئے ہے ،اور جب آقا کا پیسہ دیکر اس کی جان چھڑائی تو گویا کہ اس غلام کو خریدا، اور ماذون کو خریدنے کی اجازت تھی اس لئے یہ صلح جائز ہوگی

ترجمہ: (۸۹۶) کسی نے یہودی کپڑا غصب کیا اس کی قیمت سو سے کم تھی پھر اس کو ہلاک کردیا، پھر سو درہم پر صلح کی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز ہے

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ کوئی کپڑا غصب کیا تو اس پر وہی کپڑا واپس کرنا ضروری ہے، اور اگر وہ ہلاک ہو چکا ہے تو اسی کی مثل کپڑا لوٹانا واجب ہے، درہم، یا دینار کے ذریعہ سے قیمت لوٹا واجب نہیں ہے، اس لئے کپڑے کی قیمت درہم یا دینار میں زیادہ لیا تو یہ جائز ہوگا، سود نہیں ہوا،

تشریح: کسی نے یہودی کپڑا غصب کیا، اور اس کو ہلاک کردیا، اس کپڑے کی قیمت نوے درہم تھی، اب سو درہم پر صلح کی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے (ایک گاؤں کا نام یہودی ہے، جس کا کپڑا مشہور تھا)

وجہ: غصب کیا ہے اس لئے وہی کپڑا واپس کرنا چاہئے، اور ہلاک کردیا ہے تو اس کی مثل کپڑا واپس کرنا چاہئے یہی اصل ہے، اس لئے درہم یا دینار میں کپڑے کی قیمت سے زیادہ پر صلح کرلی تو جائز ہوگا، سود نہیں ہوگا، کیونکہ سود اس وقت ہوتا ہے

۲؎ وَقَالَا: يَبْطُلُ الْفَضْلُ عَلَى قِيمَتِهِ بِمَا لَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ) لِأَنَّ الْوَاجِبَ هِيَ الْقِيمَةُ، وَهِيَ مُقَدَّرَةٌ، فَالزِّيَادَةُ عَلَيْهَا تَكُونُ رِبًا، ۳؎ بِخِلَافِ مَا إِذَا صَالَحَ عَلَى عَرَضٍ لِأَنَّ الزِّيَادَةَ لَا تَظْهَرُ عِنْدَ اخْتِلَافِ الْجِنْسِ، وَبِخِلَافِ مَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ لِأَنَّهُ يَدْخُلُ تَحْتَ تَقْوِيمِ الْمُقَوِّمِينَ فَلَا يَظْهَرُ الزِّيَادَةُ. ۴؎ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ حَقَّهُ فِي الْهَالِكِ بَاقٍ حَتَّى لَوْ كَانَ عَبْدًا وَتَرَكَ الْمَوْلَى أَخْذَ الْقِيمَةِ

جب درہم متعین ہو اس سے زیادہ درہم لے تب سود ہوگا، یہاں درہم متعین نہیں ہے اس لئے زیادہ درہم لینا سود نہیں ہوگا

ترجمہ: ۲؎ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ کپڑے کی قیمت سے جو زیادہ لیگا وہ باطل ہے، ہاں عام طور پر جتنی قیمت میں لوگ دھوکا نہیں کھاتے ہیں اتنا زیادہ لے سکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قیمت کی قیمت واجب تھی اور وہ متعین ہے اس لئے اس سے زیادہ لینا سود ہوگا، ہاں درہم اور دینار کے علاوہ پر صلح کرے سامان پر صلح کرے تو جائز ہے، کیونکہ خلاف جنس میں زیادتی ظاہر نہیں ہوگی

اصول: صاحبین کا اصول یہ ہے کہ کپڑا ہلاک ہو جائے تو درہم میں یا دینار میں جو اس کی قیمت ہوگی وہ واجب ہے، اس لئے اس قیمت سے زیادہ درہم لینا سود ہوگا، جائز نہیں ہوگا

تشریح: صاحبینؒ کے یہاں مثلا نوے درہم سے زیادہ لینا سود ہے، کیونکہ کپڑا ہلاک ہونے پر اس کی قیمت نوے درہم واجب تھی، اب اس سے زیادہ لینا سود ہے، اس لئے جائز نہیں ہوگی، ہاں اگر گیہوں، یا چاول پر صلح کی جس کی قیمت ایک سو پانچ درہم ہو تب بھی جائز ہوگا، کیونکہ گیہوں اور چاول درہم، یا دینار نہیں ہے، اس لئے خلاف جنس میں سود کا پتہ نہیں چلے گا

ترجمہ: ۳؎ بخلاف جتنے میں لوگ دھوکا کھاتے ہیں، اس لئے کہ وہ دو قیمت لگانے والے کی قیمت لگانے میں داخل ہے اس لئے اس میں زیادتی ظاہر نہیں ہوگی

تشریح: مثلا کپڑے کی قیمت نوے درہم تھی، لیکن اس سے اتنا درہم زیادہ لیا جتنے میں عام طور پر لوگ دھوکا کھاتے ہیں، مثلا پنچانوے لے لیا تو جائز ہوگا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی کپڑے کی قیمت لگی تو نہیں ہے، دو آدمی قیمت لگانے والے جتنی قیمت لگانے میں دھوکا کھاتے ہیں کپڑے کی قیمت اتنی سمجھی جائے گی

لغت: مایتغابن الناس: غبن سے مشتق ہے، جتنے میں لوگ دھوکا کھاتے ہیں

ترجمہ: ۴؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک کا حق اصل کپڑے میں ابھی باقی ہے (یعنی اصل کپڑا ہی واپس کرنا چاہئے، اس کی قیمت نہیں) یہی وجہ ہے کہ اگر غلام غصب کرتا، اور آقا قیمت نہ لیتا تو کفن آقا ہی پر لازم ہوتا (کیونکہ ابھی بھی اسی کا غلام ہے)، دوسری بات یہ ہے کہ کپڑے کا صورت کے اعتبار سے اور معنی کے اعتبار سے اس کی مثل ہی لازم ہوتی ہے، کیونکہ زیادتی کرنے کا ضمان مثل ہی ہے (قیمت نہیں) ہاں قاضی قیمت کا فیصلہ کرے تب قیمت ہوتی ہے، اور قاضی کے فیصلے سے پہلے جب دونوں زیادہ پر راضی ہو گئے تو یہ کپڑے کا بدلہ ہے (قیمت کا نہیں) اس لئے سود نہیں ہوگا

يَكُونُ الْكَفَنُ عَلَيْهِ، أَوْ حَقَّهُ فِي مِثْلِهِ صُورَةً وَمَعْنًى؛ لِأَنَّ ضَمَانَ الْعُدْوَانِ بِالْمِثْلِ، وَإِنَّمَا يَنْتَقِلُ إِلَى الْقِيمَةِ بِالْقَضَاءِ، فَقَبْلَهُ إِذَا تَرَاضَيَا عَلَى الْأَكْثَرِ كَانَ اعْتِيَاضًا فَلَا يَكُونُ رِبًا، ۵ بِخِلَافِ الصُّلْحِ بَعْدَ الْقَضَاءِ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ قَدِ انْتَقَلَ إِلَى الْقِيمَةِ.

(٨٩٧) قَالَ: (وَإِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ، أَعْتَقَهُ أَحَدُهُمَا وَهُوَ مُوسِرٌ، فَصَالَحَهُ الْآخَرُ عَلَى أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ قِيمَتِهِ فَالْفَضْلُ بَاطِلٌ) ۱ وَهَذَا بِالِاتِّفَاقِ، وَأَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِمَا بَيَّنَّا . وَالْفَرْقُ لِأَبِي حَنِيفَةَ

تشریح: یہ دلیل گزر چکی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کپڑا ہی لازم تھا، اس کی قیمت نہیں جب تک قاضی قیمت کا فیصلہ نہ کرے، اس لئے کپڑے کے بدلے میں جو زیادہ درہم لیا ہے وہ سود نہیں ہے، سود اس وقت ہوتا ہے جب درہم متعین ہو اس سے زیادہ لے

ترجمہ: ۵ بخلاف قاضی کے فیصلے کے بعد زیادہ لینا (جائز نہیں ہوگا) اس لئے کہ اب قیمت اصل بن گئی ہے

تشریح: قاضی نے مثلا کپڑے کی قیمت نوے درہم متعین کر دی تو اب غاصب پر قیمت نوے درہم ہی لازم ہوگی، اب اس سے زیادہ پر صلح کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ سود ہے

ترجمہ: (٨٩٧) غلام دو آدمیوں کے درمیان میں تھا، ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا، وہ مالدار تھا اب دوسرے نے آدھی قیمت سے زیادہ پر صلح کی، تو جو زیادہ لیا وہ باطل ہے

ترجمہ: ۱ یہ مسئلہ بالاتفاق ہے، صاحبینؒ کے نزدیک اس وجہ سے باطل ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا (یعنی مغصوب چیز کی قیمت ہی واجب تھی اس لئے اس سے زیادہ لینا سود تھا)۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس لئے باطل ہے کہ آزاد کرنے پر غلام کی آدھی قیمت نص میں ہے، اور شریعت کا متعین کرنا قاضی کے متعین کرنے سے کم نہیں ہوتا، اس لئے آدھی قیمت سے زیادہ پر صلح کرنا جائز نہیں ہوگا

تشریح: ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان میں تھا ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا، اور وہ مالدار بھی تھا، اس غلام کی قیمت مثلا ایک ہزار تھی، اب دوسرے شریک نے چھ سو لیکر صلح کی تو یہ ایک سو زیادہ لینا تمام کے نزدیک باطل ہے

وجہ (۱) صاحبینؒ کے نزدیک تو پہلے ہی تھا اس کی قیمت متعین ہے اس سے زیادہ لینا سود ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس لئے باطل ہے کہ باضابطہ حدیث میں ہے کہ اس آزاد کردہ غلام کی آدھی قیمت متعین ہے اس لئے اس سے زیادہ لینا سود ہوگا (۲) حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من اعتق شرکا له فی عبد فکان له مال یبلغ ثمن العبد قوم علیه قیمة عدل فاعطی شرکائه حصصهم و عتق علیه العبد** (مسلم شریف، کتاب العتق، باب من اعتق شرکا له فی عبد، ص ۶۵۳، نمبر ۱۵۰۱/۳۷۷۰/ بخاری شریف نمبر ۲۵۲۱) اس حدیث میں ہے کہ عادل آدمی غلام کی قیمت متعین کرے گا، اور شریک کو اس کا آدھا حصہ دے گا

أَنَّ الْقِيمَةَ فِي الْعِتْقِ مَنْصُوصٌ عَلَيْهَا .وَتَقْدِيرُ الشَّرْعِ لَا يَكُونُ دُونَ تَقْدِيرِ الْقَاضِي، فَلا يَجُوزُ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِ، ٢ وَبِخِلافِ مَا تَقَدَّمَ لِأَنَّهَا غَيْرُ مَنْصُوصٍ عَلَيْهَا . ٣ (وَإِنْ صَالَحَهُ عَلَى عُرُوضٍ جَازَ) لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ لَا يَظْهَرُ الْفَضْلُ.

﴿بَابُ التَّبَرُّعِ بِالصُّلحِ وَالتَّوْكِيلِ بِهِ﴾

(٨٩٨) قَالَ: (وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلًا بِالصُّلْحِ عَنْهُ فَصَالَحَ لَمْ يَلْزَمِ الْوَكِيلَ مَا صَالَحَ عَنْهُ إِلَّا أَنْ يَضْمَنَهُ، وَالْمَالُ لَازِمٌ لِلْمُوَكِّلِ) ١ وَتَأْوِيلُ هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ إِذَا كَانَ الصُّلْحُ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ أَوْ كَانَ الصُّلْحُ عَلَى

ترجمه :٢ بخلاف جو کپڑے میں زیادہ لینے کی بات گزری، اس کی قیمت باضابطہ حدیث میں متعین نہیں تھی (اس لئے زیادہ لے سکتا تھا)

تشریح: واضح ہے

ترجمه: ٣ اور اگر سامان پر صلح کی تو جائز ہوگا اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے پہلے بیان کی ہے اس لئے زیادتی ظاہر نہیں ہوگی

تشریح :مثلا غلام کی آدھی قیمت پانچ سو درہم تھی، شریک نے گیہوں پر صلح کی اور اس گیہوں کی قیمت چھ سو درہم تھی تو جائز ہے، کیونکہ جنس بدل گئی، گیہوں درہم کی جنس سے نہیں ہے، تو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ پانچ سو سے زیادہ دیا ہے، اس لئے سود نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

﴿باب التبرع بالصلح و التوكيل به﴾

ترجمه :(٨٩٨) کسی نے کسی آدمی کو اپنی جانب سے صلح کرنے کا وکیل بنایا، پس وکیل نے صلح کی تو وکیل کو لازم نہیں ہوگی وہ چیز جس پر صلح ہوئی، مگر یہ کہ وکیل اس کا ضامن بن جائے اور مال موکل پر لازم ہے۔

ترجمه :١ اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ، دم عمد کی صلح کا وکیل بنا ہو، یا قرض کا دعوی کر رہا ہو اس میں کچھ پر صلح کا وکیل بنا ہو، اس لئے ان صورتوں میں موکل کے اوپر سے کچھ چیزیں ساقط کرنا ہے، اس لئے وکیل صرف سفیر اور معبر ہوگا اس لئے اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا، جیسے نکاح میں وکیل ہوتا ہے (تو اس وکیل پر کچھ لازم نہیں ہوتا ہے) ہاں وکیل اپنے اوپر ضمان لازم کر لے تو اس وقت جس چیز پر صلح کی ہے اس کا ضامن ہوگا، عقد صلح سے ضامن نہیں ہوگا

تشریح : صلح کی دو صورتیں ہیں۔ایک وہ صلح جس میں صلح کے ذریعہ اپنے کچھ حقوق ساقط کرنا ہے۔ جیسے ہزار روپے قرض تھے اس میں کچھ ساقط کر کے پانچ سو روپے لئے۔ یا قتل عمد کیا تھا جس کی وجہ سے قصاص لازم تھا اور اس کو ساقط کر کے کچھ رقم لینی ہے تو اسقاط کی صورتوں میں صلح کرنے کا وکیل سفیر محض ہوتا ہے اور صرف موکل کی بات پہنچا دیتا ہے۔اس لئے صلح کے مال کی ذمہ داری اس پر نہیں ہوگی۔ بلکہ مال کی ذمہ داری موکل پر ہوگی۔ ہاں! وکیل صلح کے مال کا ضامن ہو جائے تو ضمانت کی وجہ سے اس پر ذمہ داری

بَعْضِ مَا يَدَّعِيهِ مِنَ الدَّيْنِ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ مَحْضٌ فَكَانَ الْوَكِيلُ فِيهِ سَفِيرًا وَمُعَبِّرًا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ كَالْوَكِيلِ بِالنِّكَاحِ إِلَّا أَنْ يَضْمَنَهُ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ هُوَ مُؤَاخَذٌ بِعَقْدِ الضَّمَانِ لَا بِعَقْدِ الصُّلْحِ، ٢ أَمَّا إِذَا كَانَ الصُّلْحُ عَنْ مَالٍ بِمَالٍ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْبَيْعِ، فَيَرْجِعُ الْحُقُوقُ إِلَى الْوَكِيلِ فَيَكُونُ الْمُطَالِبُ بِالْمَالِ هُوَ الْوَكِيلُ دُونَ الْمُوَكِّلِ.

(٨٩٩)قَالَ (وَإِنْ صَالَحَ رَجُلٌ عَنْهُ بِغَيْرِ أَمْرِهِ فَهُوَ عَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ: إِنْ صَالَحَ بِمَالٍ وَضَمِنَهُ تَمَّ

آئے گی ورنہ نہیں ۔جس طرح نکاح میں وکیل سفیر محض ہوتا ہے اور مہر اور نان ونفقہ کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہوجاتی ہے۔

اور صلح کی دوسری قسم وہ ہے جس میں اسقاط نہیں ہوتا ہے بلکہ بدل اور معاوضہ کی شکل ہوتی ہے۔جیسے اقرار کے بعد مال کے بدلے مال پر صلح کرے تو اس صلح میں وکیل ذمہ دار ہوتا ہے۔کیونکہ یہ بیع کی شکل ہے

وجہ: صلح میں وکیل بنانے کا ثبوت اس عمل صحابی میں ہے کہ حضرت معاویہ نے عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز کو صلح کا وکیل بنا کر حضرت حسن بن علی کے پاس بھیجا۔اور انہوں نے تمام ذمہ داری لی جس کی وجہ سے حضرت حسن اور حضرت معاویہ کے درمیان صلح ہوئی جس کے بارے میں حضورؐ نے ممبر پر خوشخبری دی تھی کہ میرا یہ بیٹا دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔قال سمعت الحسن يقول استقبل والله الحسن بن علی معاوية بكتائب امثال الجبال ... فبعث اليه رجلين من قريش من بنی عبد شمس عبد الرحمن بن سمرة و عبد الله بن عامر بن كريز فقال (معاوية) اذهبا الى هذا الرجل فاعرضا عليه وقولا له و اطلبا اليه فاتيا ه فدخلا عليه فتكلما (بخاری شریف، باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی ان ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین ،ص۴۷۳ نمبر ۲۷۰۴)اس قول صحابی میں حضرت معاویہؓ نے دو آدمیوں کو صلح کا وکیل بنا کر حضرت حسن کے پاس بھیجا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ صلح کے لئے وکیل بنا سکتے ہیں۔

ترجمہ: ٢ اور اگر صلح مال کی مال کے بدلے میں ہے تو یہ صلح بیع کے درجے میں ہے اس میں تمام حقوق وکیل کی طرف لوٹیں گے،اور مال کا مطالبہ وکیل سے ہوگا موکل سے نہیں ہوگا

تشریح: زید نے اقرار کیا کہ میرے اوپر عمر کا ایک ہزار درہم ہے،اب ساجد کو صلح کا وکیل بنایا،ساجد نے ایک گائے کے بدلے صلح کی تو یہ بیع کی شکل بنی،گویا کہ ساجد نے ایک ہزار کے بدلے گائے بیچی ہے،تو اب گائے کو عمر کے حوالے کرنا ساجد وکیل کی ذمہ داری ہے،کیونکہ اب وہی مشتری ہے۔

وجہ: (۱)یہ بیع کی شکل ہوجاتی ہے اور بیع میں خود وکیل ذمہ دار ہوتا ہے۔اس لئے اس صلح میں وکیل ضامن نہ بھی ہو پھر بھی صلح کرنے کی وجہ سے وکیل ضامن ہوجائے گا۔

ترجمہ: (۸۹۹)اور اگر صلح کر لی اس کی جانب سے کسی چیز پر بغیر اس کے حکم کے تو اس کی چار صورتیں ہیں (۱) اگر صلح کی مال پر اور اس کا ضامن بن گیا تو صلح پوری ہوگئی

الصُّلحُ) ۱؎ لِأَنَّ الْحَاصِلَ لِلْمُدَّعَى عَلَيْهِ لَيْسَ إِلَّا الْبَرَائَةَ وَفِي حَقِّهَا الْأَجْنَبِيُّ وَالْمُدَّعِي سَوَاءٌ، فَصُلْحُ أَصِيلًا فِيهِ إِذَا ضَمِنَهُ، كَالْفُضُولِيِّ بِالْخُلْعِ إِذَا ضَمِنَ الْبَدَلَ، وَيَكُونُ مُتَبَرِّعًا عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ كَمَا لَوْ تَبَرَّعَ بِقَضَاءِ الدَّيْنِ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ بِأَمْرِهِ . ۲؎ وَلَا يَكُونُ لِهَذَا الْمُصَالِحِ شَيْءٌ مِنَ الْمُدَّعَى، وَإِنَّمَا ذَلِكَ لِلَّذِي فِي يَدِهِ لِأَنَّ تَصْحِيحَهُ بِطَرِيقِ الْإِسْقَاطِ، وَلَا فَرْقَ فِي هَذَا بَيْنَ مَا إِذَا كَانَ مُقِرًّا أَوْ مُنْكِرًا . (۹۰۰)(وَكَذَلِكَ إِذَا قَالَ صَالَحْتُكَ عَلَى أَلْفِي هَذِهِ أَوْ عَلَى عَبْدِي هَذَا صَحَّ الصُّلْحُ وَلَزِمَهُ

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ مدعی علیہ کو برائت چاہئے اور وہ حاصل ہوگئی (اس لئے صلح پوری ہوگئی) اور بری کرنے کے لئے اجنبی اور مدعی علیہ برابر ہیں، اور جب ضامن بن گیا تو صلح کرنے کے لئے اصل ہو گیا، جیسے فضولی آدمی خلع کرائے اور بدل کا ضامن ہو جائے، اور یہ قرض کے ادا کرنے میں مدعی علیہ پر احسان کرنے والا ہوگا (اور مدعی علیہ سے کچھ نہیں لیگا، کیونکہ اس کے حکم کے بغیر صلح کی ہے) جیسے احسان کے طور پر قرض ادا کر دے، بخلاف اگر مدعی علیہ کے حکم سے صلح کرے (تو مدعی علیہ سے لیگا)

اصول: کوئی صلح کا مال دینے کی ذمہ داری لے لے تو موکل کی اجازت کے بغیر صلح مکمل ہو جائے گی۔

تشریح: (مصنف نے چار صورتیں لکھی ہیں، لیکن سب ملا کر چھ صورتیں ہو جاتی ہیں۔) یہ پہلی صورت ہے۔ اوپر مسئلہ یہ تھا کہ مقروض کے حکم سے صلح کرائی تھی، یہاں یہ ہے کہ جس پر قرض ہے اس کے حکم کے بغیر صلح کر لی، لیکن چونکہ خود مال دے دیا اس لئے صلح ہوگئی، اور چونکہ مقروض کے حکم کے بغیر اپنا مال دیا ہے، اس لئے اب مقروض سے یہ مال مقدمہ کر کے نہیں لے سکے گا، ہاں وہ خود دے تو اور بات ہے

وجہ: اس لئے کہ اس آدمی نے بغیر مقروض کے حکم کے اپنا مال دیکر احسان کیا ہے اس لئے یہ اپنا مال مقدمہ کر کے واپس نہیں لے سکتا ہے، وہ خود دے دے تو اور بات ہے

ترجمہ: ۲؎ اور صلح کرنے والے کو مدعی (لی ہوئی چیز میں) سے کچھ نہیں ملے گا، اور جو مقروض کے ہاتھ میں ہے وہ اسی کے ہاتھ میں رہے گا، اس لئے یہ تو اسقاط کے طور پر ہے، اور کوئی فرق نہیں ہے کہ مدعی علیہ قرض کا اقرار کرے یا انکار کرے

تشریح: یہاں مدعی کا ترجمہ ہے زید نے جو رقم عمر سے لی ہے، مثلا زید کے اوپر عمر کا ایک ہزار تھا، ساجد نے اپنی طرف سے آٹھ سو میں صلح کر لی اور یہ آٹھ سو درہم ساجد نے اپنی طرف سے عمر کو دے دیا، تو اب ساجد کو زید کے پیسے میں سے کچھ نہیں ملے گا، اس لئے کہ یہ مبادلہ نہیں ہے، بلکہ یوں سمجھا جائے گا کہ عمر نے اپنے حق میں کچھ ساقط کر کے صلح کی ہے۔ اور اس مسئلے میں چاہے زید نے اس قرض کا اقرار کیا ہو یا انکار کیا ہو دونوں صورتوں میں ایک ہی مسئلہ بنے گا

وجہ: زید کے حکم کے بغیر ساجد نے رقم دی ہے اس لئے زید کے پاس جو قرض کے پیسے ہیں اس میں ساجد کو کچھ نہیں ملے گا

ترجمہ: (۹۰۰)(۲) اور ایسے ہی اگر کہا میں نے آپ سے میرے اس ہزار پر صلح کی، یا میرے اس غلام پر صلح کی تو صلح پوری ہوگئی۔ اور وکیل کو اس کی طرف مال کا سونپنا لازم ہوگا

تَسْلِيمُهُ) ۱؎ لِأَنَّهُ لَمَّا أَضَافَهُ إِلَى مَالِ نَفْسِهِ فَقَدِ الْتَزَمَ تَسْلِيمَهُ فَصَحَّ الصُّلْحُ .
(۹۰۱)(وَكَذَلِكَ لَوْ قَالَ عَلَيَّ أَلْفٌ وَسَلَّمَهَا) ۱؎ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ إِلَيْهِ يُوجِبُ سَلَامَةَ الْعِوَضِ لَهُ فَيَتِمُّ الْعَقْدُ لِحُصُولِ مَقْصُودِهِ .۲؎ (وَلَوْ قَالَ صَالَحْتُكَ عَلَى أَلْفٍ فَالْعَقْدُ مَوْقُوفٌ، فَإِنْ أَجَازَهُ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ جَازَ وَلَزِمَهُ الْأَلْفُ، وَإِنْ لَمْ يُجِزْهُ بَطَلَ) لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الْعَقْدِ إِنَّمَا هُوَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ؛ لِأَنَّ دَفْعَ الْخُصُومَةِ حَاصِلٌ لَهُ، إِلَّا أَنَّ الْفُضُولِيَّ يَصِيرُ أَصِيلًا بِوَاسِطَةِ إِضَافَةِ الضَّمَانِ إِلَى نَفْسِهِ، فَإِذَا لَمْ يَصِفْهُ

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ جب اپنے مال کی طرف منسوب کیا تو اس کو سپرد کرنے کا بھی تسلیم کیا اس لئے صلح صحیح ہو جائے گی

تشریح : یہ صلح کی دوسری صورت ہے، کہ اپنے ایک ہزار کی طرف اشارہ کر کے کہا، یا اپنے غلام کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میرے اس ہزار، یا میرے اس غلام کے بدلے صلح ہو جائے گی، اور اسپر اس ہزار کو یا اس غلام کو سپرد کرنا لازم ہوگا

ترجمہ:(۹۰۱)(۳)اور ایسے ہی اگر کہا میں نے آپ سے صلح کی ہزار پر اور وہ ہزار اس کو سپرد کر دیا۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ جب سپرد کر دیا تو قرض دینے والے کی رقم سالم رہی تو مقصد حاصل ہونے کی وجہ سے صلح کا عقد پورا ہو جائے گا

تشریح : یہ صلح کی تیسری صورت ہے، صلح کرنے والے نے ہزار متعین نہیں کیا، لیکن فوراً ہزار دے بھی دیا تو قرض دینے والے کا مقصد پورا ہو گیا کہ اس کو اپنی چیز سلامت مل گئی اس لئے صلح ہو جائے گی

لغت: سلمھا : سپرد کر دیا۔

ترجمہ:۲؎ (۴)اور اگر کہا کہ میں آپ سے صلح کرتا ہوں ہزار پر اور اس کو ہزار سپرد نہیں کیا تو عقد صلح موقوف رہے گا، پس اگر مدعی علیہ نے اجازت دے دی تو جائز ہو جائے گی اور مدعی علیہ کو ہزار لازم ہو جائے گا اور اگر اجازت نہیں دی تو باطل ہو جائے گی۔ اس لئے کہ عقد میں اصل تو مدعی علیہ ہی ہے، اس لئے کہ اسی سے جھگڑا ختم ہوگا، لیکن فضولی اس وقت اصیل ہوگا جبکہ ضمان اپنی ذات کی طرف منسوب کرے گا، اور اپنی ذات کی طرف منسوب نہیں کیا تو مدعی علیہ کی جانب سے عقد کرنے والا رہے گا، اس لئے اس کی اجازت پر موقوف رہے گا

تشریح : یہ چوتھی صورت ہے۔ اس صورت میں فضولی نے اپنا درہم نہیں کہا ہے بلکہ مطلق ہزار درہم کہا ہے اور ہزار سپرد بھی نہیں کیا اس لئے اپنی ذمہ داری پر صلح نہیں کی اس لئے اب مدعی علیہ کی اجازت پر موقوف رہے گی۔ وہ اجازت دے گا تو صلح مکمل ہو جائے گی اور اس پر ہزار لازم ہوگا۔ اور اگر اجازت نہیں دی تو صلح باطل ہو جائے گی۔

وجہ : صلح کرنے والا اپنا مال دینے کا وعدہ کرے گا تب اس کی جانب سے صلح ہوگی، اور یہ نہیں کیا تو اصل عقد مدعی علیہ ہی کا ہے، اس لئے اس کی اجازت پر موقوف رہے گا، وہ اجازت دے گا تو صلح مکمل ہوگی، اور وہ اجازت نہیں دے گا تو یہ صلح باطل ہو جائے گی

بَقِيَ عَاقِدًا مِنْ جِهَةِ الْمَطْلُوبِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى إجَازَتِهِ .قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: وَوَجْهٌ آخَرُ: ٣ وَهُوَ أَنْ يَقُولَ صَالَحْتُكَ عَلَى هَذِهِ الْأَلْفِ أَوْ عَلَى هَذَا الْعَبْدِ وَلَمْ يَنْسُبْهُ إلَى نَفْسِهِ لِأَنَّهُ لَمَّا عَيَّنَهُ لِلتَّسْلِيمِ صَارَ شَارِطًا سَلَامَتَهُ لَهُ فَيَتِمُّ بِقَوْلِهِ. ٤ وَلَوْ اسْتَحَقَّ الْعَبْدَ وَوَجَدَ بِهِ عَيْبًا فَرَدَّهُ فَلَا سَبِيلَ لَهُ عَلَى الْمُصَالِحِ لِأَنَّهُ الْتَزَمَ الْإِيفَاءَ مِنْ مَحَلٍّ بِعَيْنِهِ وَلَمْ يَلْتَزِمْ شَيْئًا سِوَاهُ، فَإِنْ سَلِمَ الْمَحَلُّ لَهُ تَمَّ الصُّلْحُ، وَإِنْ لَمْ يَسْلَمْ لَمْ يَرْجِعْ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ. بِخِلَافِ مَا إذَا صَالَحَ عَلَى دَرَاهِمَ مُسَمَّاةٍ وَضَمِنَهَا وَدَفَعَهَا ثُمَّ اسْتُحِقَّتْ، أَوْ وَجَدَهَا زُيُوفًا؛ حَيْثُ يَرْجِعُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ جَعَلَ نَفْسَهُ أَصِيلًا فِي حَقِّ الضَّمَانِ؛ وَلِهَذَا يُجْبَرُ

ترجمہ:٣ (۵) پانچویں صورت اور بھی ہے کہ، کہے میں آپ سے اس ہزار پر، یا اس غلام پر صلح کرتا ہوں، اور اپنی ذات کی طرف منسوب نہ کرے (تو صلح ہو جائے گی) اس لئے کہ جب سپرد کرنے کے لئے متعین کر دیا تو مدعی کو سلامتی کے ساتھ دینے والا ہو گیا تو اس کی اس بات سے صلح مکمل ہو جائے گی

تشریح: یہ پانچویں صورت ہے، اوپر یہ تھا، کہ اپنے غلام، یا اپنے ہزار کی طرف منسوب کیا تھا، یہاں ہزار کی طرف اشارہ تو کیا، یا غلام کی طرف اشارہ تو کیا لیکن یہ نہیں کہا میرے اس ہزار کے بدلے میں صلح کریں یہ فرق ہے، اس صورت میں بھی صلح ہو جائے گی، کیونکہ اس نے ہزار متعین کر دیا ہے چاہے جس کا بھی ہو، البتہ اس غلام کو سپرد کرنا پڑے گا

ترجمہ:٤ اور اگر اس غلام کا کوئی مستحق نکل آیا، یا اس میں کوئی عیب نکل آیا اور مدعی نے واپس کر دیا تو صلح کرنے والے پر کوئی الزام نہیں ہے، اس لئے کہ اس نے صرف یہ کہا تھا کہ یہ غلام ہے، اور اسی کو سپرد کرنے کا وعدہ کیا تھا، اس کے علاوہ عیب وغیرہ سے خالی ہو اس کی ذمہ داری نہیں لی تھی، اور غلام سپرد کر دیا تو صلح پوری ہو گئی۔ اور اگر وہ غلام سپرد نہیں کیا تو مدعی صلح کرنے والے سے کچھ نہیں کہہ پائے گا (البتہ مدعی اپنے دعوی پر باقی رہے گا کہ اصل مدعی علیہ سے رجوع کرے گا)

تشریح: اس پانچویں صورت میں جس میں غلام سامنے متعین ہے، کوئی عیب نکل آیا جس کی وجہ سے مدعی نے غلام واپس کر دیا، یا یہ غلام کسی کا مستحق نکل آیا تو صلح کرنے والے پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہو گی۔ ہاں مدعی کو یہ حق ہو گا کہ اصل مدعی علیہ پر دوبارہ دعوی کرے اور اس سے صحیح غلام لے

وجہ: صلح کرنے والے نے اشارہ کر کے یہ کہا تھا کہ یہ غلام ہے، تو اس پر صرف یہ ذمہ داری تھی کہ وہ غلام مدعی کو سپرد کر دے، اور وہ کر بھی دیا، یہ ذمہ داری نہیں تھی کہ وہ عیب سے سالم رہے گا، یا کسی کا مستحق نہیں نکلے گا، اس لئے مدعی اس سے کچھ نہیں کر سکے گا، ہاں اس کو صحیح غلام نہیں ملا ہے اس لئے اصل مدعی علیہ سے دوبارہ رجوع کر سکتا ہے کہ مجھے صحیح غلام دو۔

ترجمہ:٥ (٦) بخلاف اگر متعین درہم پر صلح کی اور اس کو اپنی ذمہ داری پر لے لیا اور مدعی کو دے دیا، پھر وہ درہم کسی کا مستحق نکل گیا، یا اس میں کھوٹ نکل گیا تو صلح کرنے والے سے رجوع کرے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ، اس صورت میں اس نے ذمہ داری کے بارے میں اپنے آپ کو اصیل قرار دیا ہے، اسی لئے سپرد کرنے پر مجبور کیا جائے گا، پس جب مدعی کا مال سالم نہیں

عَلَى التَّسْلِيمِ، فَإِذَا لَمْ يُسَلِّمْ لَهُ مَا سَلَّمَهُ يَرْجِعُ عَلَيْهِ بِبَدَلِهِ.

﴿بَابُ الصُّلْحِ فِي الدَّيْنِ﴾

(۹۰۲)قَالَ: (وَكُلُّ شَيْءٍ وَقَعَ عَلَيْهِ الصُّلْحُ وَهُوَ مُسْتَحَقٌّ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ لَمْ يُحْمَلْ عَلَى الْمُعَاوَضَةِ، وَإِنَّمَا يُحْمَلُ عَلَى أَنَّهُ اسْتَوْفَى بَعْضَ حَقِّهِ وَأَسْقَطَ بَاقِيَهُ، كَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ أَلْفُ دِرْهَمٍ فَصَالَحَهُ عَلَى خَمْسِمِائَةٍ، وَكَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ أَلْفٌ جِيَادٌ فَصَالَحَهُ عَلَى خَمْسِمِائَةٍ زُيُوفٍ جَازَ وَكَأَنَّهُ أَبْرَأَهُ عَنْ بَعْضِ حَقِّهِ) لـ وَهَذَا لِأَنَّ تَصَرُّفَ الْعَاقِلِ يَتَحَرَّى تَصْحِيحَهُ مَا أَمْكَنَ، وَلَا وَجْهَ لِتَصْحِيحِهِ

رہا تو مدعی اس سے بدل وصول کرے گا

تشریح: یہ چھٹی صورت ہے، اس میں صلح کرنے والے نے متعین درہم پر صلح کی اور اس کی ذمہ داری بھی لی اور سپرد بھی کر دیا، اب اس میں کھوٹ نکل آیا، یا کسی کا مستحق نکل آیا تو مدعی صلح کرنے والے سے صحیح درہم لے گا

وجه: یہاں صلح کرنے والے نے صحیح درہم دینے کی ذمہ داری لی ہے، اس لئے کھوٹ نکل آیا تو اب صحیح درہم ادا کرے، کیونکہ ذمہ داری لینے کی وجہ سے وہ اصیل کے درجے میں ہو گیا ہے

﴿بَابُ الصُّلْحِ فِي الدَّيْنِ﴾

ترجمه: (۹۰۲) ہر وہ چیز جس پر صلح واقع ہوا اور اس میں وہ دین کے عقد سے مستحق ہو تو وہ معاوضہ پر حمل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس بات پر حمل کیا جائے گا کہ بعض حق کو لیا اور باقی کو ساقط کر دیا۔ جیسے کسی کا کسی آدمی پر ہزار درہم ہوں، پس اس سے صلح کی پانچ سو پر تو جائز ہے۔، یا جیسے کسی کا دوسرے پر ایک ہزار درہم اچھے ہوں، اور اس نے پانچ سو کھوٹے درہم پر تو جائز ہے اور گویا کہ اس کو بعض حق سے بری کر دیا

ترجمه: لـ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے عاقل بالغ آدمی کے تصرف کو صحیح قرار دینا چاہئے، اور بدلہ قرار دیں تو صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ سود ہو جائے گا، اس لئے پہلے مسئلے میں بعض درہم کو ساقط قرار دیا، اور دوسری صورت میں بعض درہم کو بھی ساقط قرار دیا، اور صفت کو بھی قرار دیا

اصول: جہاں ساقط کرنے کی صورت ہوگی وہاں صلح جائز ہوگی، اور جہاں بدلہ میں لین دین کرنے کی صورت ہوگی، وہاں نا جائز ہوگی، کیونکہ سود لازم آئے گا

تشریح: عقد مداینت کا مطلب یہ ہے کہ درہم، دینار وغیرہ قرض دیا ہو یا کوئی چیز درہم، دینار کے بدلے بیچی ہو اور وہ مشتری پر قرض ہو۔ اب درہم یا دینار قرض کے بدلے صلح کرنا چاہتا ہے تو اگر عدد کے اعتبار سے یا صفت کے اعتبار سے یا مدت کے اعتبار سے کم اور گھٹیا پر صلح کر رہا ہو تو اس کو درہم کے بدلے درہم شمار نہیں کریں گے اور معاوضہ نہیں کہیں گے۔ کیونکہ معاوضہ

مُعَاوَضَةً لِإِفْضَائِهِ إِلَى الرِّبَا فَجُعِلَ إِسْقَاطًا لِلْبَعْضِ فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى وَلِلْبَعْضِ وَالصِّفَةِ فِي الثَّانِيَةِ .
(۹۰۳)(وَلَوْ صَالَحَ عَلَى أَلْفٍ مُؤَجَّلَةٍ جَازَ وَكَأَنَّهُ أَجَّلَ نَفْسَ الْحَقِّ) لِ لِأَنَّهُ لا يُمْكِنُ جَعْلُهُ مُعَاوَضَةً لِأَنَّ بَيْعَ الدَّرَاهِمِ بِمِثْلِهَا نَسِيئَةً لَا يَجُوزُ فَحَمَلْنَاهُ عَلَى التَّأْخِيرِ .
(۹۰۴)(وَلَوْ صَالَحَهُ عَلَى دَنَانِيرَ إِلَى شَهْرٍ لَمْ يَجُزْ) لِ لِأَنَّ الدَّنَانِيرَ غَيْرُ مُسْتَحَقَّةٍ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ

کہیں گے تو برابر سرابر ہونا ضروری ہے ورنہ سود لازم آئے گا جو حرام ہے۔اس لئے یوں تاویل کریں گے کہ مدعی نے کچھ حق لیا اور کچھ ساقط کر دیا۔مثلا کسی آدمی کا کسی آدمی پر ایک ہزار عمدہ درہم قرض تھے۔اس نے پانچ سو گھٹیا اور کھوٹا درہم پر صلح کی تو یوں سمجھا جائے گا کہ عدد کے اعتبار سے باقی پانچ سو چھوڑ دیا اور صفت کے اعتبار سے عمدہ کو ساقط کر کے گھٹیا لیا۔یوں نہیں کہیں گے کہ ایک ہزار درہم کے بدلے پانچ سو درہم لیا۔اگر ایسا کہیں تو سود لازم آئے گا جو حرام ہے۔

وجہ: (ا)عدد کے اعتبار سے قرض ساقط کرنے کا ثبوت یہ حدیث ہے۔عن کعب بن مالک انه كان له على عبد الله بن ابی حدرد الاسلمی مال فلقيه فلزمه حتى ارتفعت اصواتها فمر بهما النبی ﷺ فقال يا كعب فاشار بيده كانه يقول النصف فاخذ نصف ماله عليه و ترک نصفا (بخاری شریف، باب ھل یشیر الامام بالصلح ،ص ۴۳۳، نمبر ۲۷۰۶)اس حدیث میں حضرت کعب نے حضورؐ کے کہنے پر آدھے دین پر صلح کر لی۔اور حدیث میں ترک نصفا سے معلوم ہوا کہ آدھا چھوڑ دیا۔

ترجمہ:(۹۰۳)اور اگر صلح کی ہزار تاخیر پر تو یہ بھی جائز ہے۔گویا کہ اس نے نفس حق کو مؤخر کر دیا۔

ترجمہ:لے اس لئے کہ معاوضہ قرار دینا ممکن نہیں ہے،اس لئے کہ درہم کو اسی مثل سے ادھار بیچنا جائز نہیں ہے،اس لئے ہم نے اس کو تاخیر پر حمل کیا

تشریح: کسی کا کسی پر ایک ہزار جلدی والا تھا۔لیکن تاخیر کے ساتھ دینے پر صلح کر لی تو اگر معاوضہ قرار دیتے ہیں تو ہزار پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے ورنہ تو سود لازم آئے گا۔کیونکہ ہزار ہزار کے بدلے ہو تو مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے۔اس لئے یوں تاویل کریں گے کہ مدعی کا حق تو جلدی کا تھا لیکن اس نے اپنا حق چھوڑ دیا اور تاخیر کے ساتھ دینے پر راضی ہو گیا۔

وجہ: تاخیر کرنے کے لئے اس حدیث سے اس کا ثبوت ہے۔عن جابر بن عبد الله انه اخبره ان اباه توفی و ترک علیه ثلاثين وسقا لرجل من اليهود فاستنظره جابر فابى ان ينظره فكلم جابر رسول الله ليشفع له اليه فجاء رسول الله و كلم اليهودی لياخذ ثمر نخله بالتی له فابی (بخاری شریف، باب اذا قاص او جازفہ فی الدین تمرا بتمر اوغیرہ ،ص ۳۲۲، نمبر ۲۳۹۶)اس حدیث میں حضرت جابر نے دین کو مؤخر کرنے کی درخواست کی لیکن یہودی نے نہیں مانا جس سے معلوم ہوا کہ قرض کو مؤخر کرنے پر صلح کی جا سکتی ہے۔

ترجمہ:(۹۰۴)اور اگر صلح کی دینار پر ایک مہینہ کی تاخیر کے ساتھ تو جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ قرض میں دینار نہیں تھا (ایک ہزار درہم تھے)،اس لئے اس کو تاخیر پر حمل کرنا ممکن نہیں ہے،اور

فَلَا يُمْكِنُ حَمْلُهُ عَلَى التَّأْخِيرِ، وَلَا وَجهَ لَهُ سِوَى الْمُعَاوَضَةِ، وَبَيْعُ الدَّرَاهِمِ بِالدَّنَانِيرِ نَسِيئًا لَا يَجُوزُ فَلَمْ يَصِحَّ الصُّلحُ

(۹۰۵) قَالَ: (وَلَوْ كَانَتْ لَهُ أَلْفٌ مُؤَجَّلَةٌ فَصَالَحَهُ عَلَى خَمْسِمِائَةٍ حَالَّةً لَمْ يَجُزْ). ۱؎ لِأَنَّ الْمُعَجَّلَ خَيْرٌ مِنَ الْمُؤَجَّلِ وَهُوَ غَيْرُ مُسْتَحَقٍّ بِالْعَقْدِ فَيَكُونُ بِإِزَاءِ مَا حَطَّهُ عَنْهُ، وَذَلِكَ اعْتِيَاضٌ عَنِ الْأَجَلِ وَهُوَ حَرَامٌ .

معاوضہ کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے، اور درہم کو دینار کے بدلے میں ادھار بیچنا جائز نہیں ہے، اس لئے صلح صحیح نہیں ہوگی

تشریح: کسی آدمی کا کسی آدمی پر ایک ہزار درہم فوری قرض تھے۔ اس نے ایک مہینہ کی تاخیر کے ساتھ کچھ دینار پر صلح کر لی تو یہ جائز نہیں ہے

وجہ: (۱) واجب تو درہم تھے دینار تو نہیں تھے۔ اس لئے درہم کے بدلے دینار پر صلح کی یہ اسقاط نہیں ہوا، بدلہ ہوا۔ اب درہم کے بدلے دینار ہوا تو دونوں ثمنین ہیں اس لئے مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے اور صلح کر لی مہینہ کی تاخیر پر جو سود ہے۔ اس لئے اس صورت میں مہینہ کی تاخیر پر صلح کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲)۔ **فسألنا رسول الله ﷺ عن الصرف فقال ان كان يدا بيد فلا بأس وان كان نسيأ فلا يصلح** (بخاری شریف، کتاب البیوع، باب التجارة فی البز وغیرہ، ص ۳۳۱، نمبر ۲۰۶۰) اس حدیث میں ہے کہ چاندی کے بدلے چاندی ادھار جائز نہیں ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جن شکلوں میں معاوضہ سود واقع ہو جائے وہ صلح جائز نہیں ہے۔

نوٹ: اگر ایک مہینہ کی تاخیر نہ کرتا اور فوری طور پر درہم کے بدلے کچھ دینار پر صلح کر لیتا اور مجلس میں دینار پر قبضہ کر لیتا تو جائز ہو جاتا۔ کیونکہ درہم کے بدلے دینار کم وبیش کر کے لے سکتا ہے۔ البتہ مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے تا کہ سود نہ ہو۔

ترجمہ: (۹۰۵) اور اگر کسی کا ہزار تاخیر کے ساتھ ہوں، پس اس سے صلح کر لی پانچ سو فوری پر تو جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ جلدی لینا یہ تاخیر کے لینے سے بہتر ہے، اور عقد کی وجہ سے جلدی لینے کا حقدار نہیں تھا اس لئے جو پانچ سو کم کیا ہے اس کے بدلے میں ہوا، اور یہ مدت کے بدلے میں ہوا اور یہ حرام ہے (اس لئے صلح صحیح نہیں ہوئی)

تشریح: کسی کا کسی پر ایک ہزار درہم تھے۔ لیکن تاخیر کے ساتھ ادا کرنے کی شرط تھی۔ پھر اس نے پانچ سو درہم پر صلح کر لی۔ لیکن جلدی ادا کرنے کی شرط لگائی تو جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) تاخیر کی قیمت کم ہے اور جلدی ادا کرنے کی قیمت زیادہ ہے۔ پس جب تاخیر کے بدلے جلدی ادا کرنے کی شرط لگائی تو چاہے ہزار کے بدلے پانچ سو لیا لیکن تاخیر کے بدلے جلدی لیا تو اسقاط کرنا اور معاف کرنا نہیں ہوا بلکہ بدلہ اور معاوضہ ہو گیا۔ اور درہم کے بدلے درہم ہوں تو برابر ہونا چاہئیں۔ کم وبیش کرنا سود ہے اس لئے جائز نہیں ہوگا (۲) قول تابعی میں اس کی ممانعت ہے۔ **عن ابی صالح عبید مولی السفاح انه اخبره انه باع بزا من اصحاب دار بحلة الی اجل ثم اراد الخروج فسألهم ان ينقدوه ويضع عنهم فسأل زيد بن ثابت عن ذلک فقال لا امرک ان تأكل**

(٩٠٦)(وَإِنْ كَانَ لَهُ أَلْفٌ سُودٌ فَصَالَحَهُ عَلَى خَمْسِمِائَةٍ بِيضٍ لَمْ يَجُزْ) ١ لِأَنَّ الْبِيضَ غَيْرُ مُسْتَحَقَّةٍ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ وَهِيَ زِيَادَةُ وَصْفٍ فَيَكُونُ مُعَاوَضَةُ الْأَلْفِ بِخَمْسِمِائَةٍ وَزِيَادَةِ وَصْفٍ وَهُوَ رِبًا، ٢ بِخِلَافِ مَا إِذَا صَالَحَ عَنِ الْأَلْفِ الْبِيضِ عَلَى خَمْسِمِائَةٍ سُودٍ لِأَنَّهُ إِسْقَاطُ بَعْضِ حَقِّهِ قَدْرًا وَوَصْفًا، ٣ وَبِخِلَافِ مَا إِذَا صَالَحَ عَلَى قَدْرِ الدَّيْنِ وَهُوَ أَجْوَدُ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمِثْلِ بِالْمِثْلِ، وَلَا

ذلک ولا توکلہ (مدونۃ مالک ج ثالث ص۱۷۲)۔اصول اوپر گزر گیا کہ سود کی شکل ہو تو صلح جائز نہیں ہے۔

لغت:مؤجلۃ: تاخیر کے ساتھ۔حالۃ: جلدی کے ساتھ،فوری طور پر، فی الحال۔

ترجمہ:(۹۰۶)اگر کسی کا ہزار درہم کھوٹے تھے، پس پانچ سو عمدہ درہموں پر صلح کی تو جائز نہیں ہے۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ دین کے عقد کی وجہ سے عمدہ درہم کا مستحق نہیں تھا،اور عمدہ ہونا صفت میں زیادتی ہے اس لئے گویا کہ ہزار کے بدلے میں پانچ سو درہم صفت کی زیادتی کے ساتھ آیا،اور یہ سود ہے (اس لئے یہ صلح جائز نہیں ہوگی)

وجہ: کھوٹے درہم کی قیمت کم ہے اور عمدہ درہم کی قیمت زیادہ ہے اس لئے جب کھوٹے کے بدلے عمدہ لیا تو اسقاط نہیں کیا بلکہ بدلہ کیا اور معاوضہ کیا اور درہم کے بدلے میں درہم ہو تو برابر ہونا چاہئے ورنہ تو سود ہوگا۔ یہاں ہزار کے بدلے پانچ سو درہم ہیں،اور عمدہ ہے اس لئے سود ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

اصول: اوپر گزر گیا کہ سود کی شکل میں صلح جائز نہیں۔

لغت:سود: کالا،کھوٹا درہم۔بیض: سفید،عمدہ درہم،کھرا درہم

ترجمہ:۲؎ بخلاف اگر ہزار درہم عمدہ تھے اس کو پانچ سو کھوٹے کے بدلے صلح کی (تو جائز ہے) اس لئے کہ مقدار کے اعتبار سے بھی اور صفت کے اعتبار سے بھی بعض حق ساقط کر دیا ہے

تشریح:ہزار درہم عمدہ تھے اور پانچ سو درہم گھٹیا پر صلح کی تو مقدار کے اعتبار سے پانچ سو کم کر دیا،اور صفت کے اعتبار سے بھی کم کر دیا اس لئے یہاں معاوضہ نہیں ہوا بلکہ اپنے حق کو ساقط کرنا ہوا اس لئے صلح صحیح ہوگی

ترجمہ:۳؎ بخلاف اگر بدلے کا ایک ہزار زیادہ عمدہ ہو (تو جائز ہوگی) اس لئے کہ برابر برابر ہوا،اور تھوڑی سی صفت زیادہ ہو جائے اس کا اعتبار نہیں ہے،لیکن مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے

اصول: دونوں طرف عمدہ ہی ہوں لیکن تھوڑی سی کمی بیشی ہو تو صلح جائز ہوگی

تشریح: ایک ہزار درہم عمدہ قرض تھا اب ایک ہزار ہی درہم پر صلح ہوئی لیکن وہ زیادہ عمدہ تھے،تو صلح جائز ہے،البتہ درہم کا بدلہ درہم ہے اس لئے مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہوگا

وجہ:اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک ہزار کے بدلے ایک ہزار ہیں،اور دونوں طرف عمدہ درہم ہیں،لیکن ایک طرف تھوڑے زیادہ عمدہ ہیں تو یہ تھوڑی سی صفت کا اعتبار نہیں ہوگا،اور صلح صحیح ہو جائے گی

مُعْتَبَرَ بِالصِّفَةِ إِلَّا أَنَّهُ يُشْتَرَطُ الْقَبْضُ فِي الْمَجْلِسِ، ۴ وَلَوْ كَانَ عَلَيْهِ أَلْفُ دِرْهَمٍ وَمِائَةُ دِينَارٍ فَصَالَحَ عَلَى مِائَةِ دِرْهَمٍ حَالَّةٍ أَوْ إِلَى شَهْرٍ صَحَّ الصُّلْحُ لِأَنَّهُ أَمْكَنَ أَنْ يُجْعَلَ إِسْقَاطًا لِلدَّنَانِيرِ كُلِّهَا وَالدَّرَاهِمِ إِلَّا مِائَةً وَتَأْجِيلًا لِلْبَاقِي فَلَا يُجْعَلُ مُعَاوَضَةً تَصْحِيحًا لِلْعَقْدِ وَلِأَنَّ مَعْنَى الْإِسْقَاطِ فِيهِ أَلْزَمُ .

(۹۰۷)قَالَ (وَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ أَلْفُ دِرْهَمٍ، فَقَالَ أَدِّ إِلَيَّ غَدًا مِنْهَا خَمْسَمِائَةٍ عَلَى أَنَّكَ بَرِيءٌ مِنَ

ترجمہ :۴ اور اگر ہزار درہم اور ایک سو دینار قرض تھے، پھر ایک سو درہم پر صلح کی فوری طور پر دینے پر یا ایک مہینہ مہلت پر تو صلح صحیح ہو جائے گی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ، اس طرح ممکن ہے کہ تمام دینار چھوڑ دئے، اور نو سو درہم بھی چھوڑ دئے، اور سو درہم ادا کرنے کے لئے مدت متعین کر دی (چاہے فوری مدت ہو یا تاخیر والی مدت ہو)، اس لئے صلح کو صحیح قرار دینے کے لئے معاوضہ قرار نہ دیا جائے (بلکہ اسقاط قرار دیا جائے) اس لئے کہ اسقاط کا معنی یہاں زیادہ صحیح ہے

تشریح : ایک ہزار درہم تھے اور ایک سو دینار بھی تھے، ایک سو درہم پر صلح کی، اور اس کی دو صورتیں ہیں یا یہ کہا کہ فوری ادا کرو، اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ماہ میں ادا کرو، تو دونوں صورتیں جائز ہیں

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ ایک سو دینار چھوڑ دئے، اور نو سو درہم بھی چھوڑ دئے، اور ایک سو درہم پر صلح کر لی، اور بدلے میں مدت نہیں لی بلکہ یوں کہا جائے کہ ایک سو ادا کرنے کے لئے مدت متعین کر دی، چاہے فوری والی مدت ہو یا تاخیر والی مدت ہو تو چونکہ بدلے میں کچھ نہیں لیا، صرف اسقاط ہی اسقاط ہے اس لئے صلح جائز ہو جائے گی

ترجمہ:(۹۰۷) کسی کا دوسرے پر ایک ہزار درہم تھا تو قرض دینے والے نے کہا، کہ مجھے اس میں سے پانچ سو کل ادا کر دو، اس بات پر کہ زیادہ سے بری ہو، تو اگر پانچ سو کل نہیں دیا تو اس پر ہزار لوٹ جائے گا یہی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے، اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اب ایک ہزار نہیں لوٹے گا (بلکہ پانچ سو ہی لازم ہوگا)، اس لئے کہ قرض دینے والے نے مطلق بری کر دیا ہے (چاہے کل ادا کرے یا نہ کرے)

اصول: یہاں کے تمام مسئلے اس بات پر ہیں کہ، لفظ علی، معاوضہ کے لئے آتا ہے، اور کبھی کبھار موقع دیکھ کر شرط کے لئے آتا ہے

اصول: دوسرا اصول یہ ہے، وقت یہ معاوضہ نہیں بنتا ہے

تشریح : یہاں عبارت پیچیدہ ہے، یہاں پانچ صورتیں ہیں، اور اصل بحث، حرف، علی، پر۔ سب کا حاصل یہ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کل ادا کرے اس شرط پر پانچ سو بری کیا ہے، اس لئے کل ادا نہیں کیا تو پانچ سو بری نہیں ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مطلقا بری کیا ہے، اس لئے کل ادا نہیں بھی کرے گا تب بھی بری ہے، ہاں کل ادا کر دینا چاہئے

وجہ :: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، علی، یہاں شرط کے معنی میں ہے، یعنی کل ادا کرنے کی شرط پر پانچ سو سے بری ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، علی، بدلے کے لئے ہے، اور وقت درہم کا بدلہ نہیں ہوتا، اس لئے، علی، بیکار جائے گا، اور مقروض مطلقا بری ہو جائے گا

الْفَضْلِ فَفَعَلَ فَهُوَ بَرِيءٌ، فَإِنْ لَمْ يَدْفَعْ إِلَيْهِ خَمْسَمِائَةٍ غَدًا عَادَ عَلَيْهِ الْأَلْفُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ . وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: لَا يَعُودُ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ إِبْرَاءٌ مُطْلَقٌ؛ ٢ أَلَا تَرَى أَنَّهُ جَعَلَ أَدَاءَ خَمْسِمِائَةٍ عِوَضًا؛ حَيْثُ ذَكَرَهُ بِكَلِمَةِ عَلَى وَهِيَ لِلْمُعَاوَضَةِ، وَالْأَدَاءُ لَا يَصْلُحُ عِوَضًا لِكَوْنِهِ مُسْتَحَقًّا عَلَيْهِ فَجَرَى وُجُودُهُ مَجْرَى عَدَمِهِ فَبَقِيَ الْإِبْرَاءُ مُطْلَقًا فَلَا يَعُودُ كَمَا إِذَا بَدَأَ بِالْإِبْرَاءِ . ٣ وَلَهُمَا أَنَّ هَذَا إِبْرَاءٌ مُقَيَّدٌ بِالشَّرْطِ فَيَفُوتُ بِفَوَاتِهِ لِأَنَّهُ بَدَأَ بِأَدَاءِ خَمْسِمِائَةٍ فِي الْغَدِ وَأَنَّهُ يَصْلُحُ غَرَضًا حِذَارَ إِفْلَاسِهِ أَوْ تَوَسُّلًا إِلَى تِجَارَةٍ أَرْبَحَ مِنْهُ، وَكَلِمَةُ عَلَى إِنْ كَانَتْ لِلْمُعَاوَضَةِ فَهِيَ مُحْتَمِلَةٌ لِلشَّرْطِ لِوُجُودِ مَعْنَى الْمُقَابَلَةِ فِيهِ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ تَعَذُّرِ الْحَمْلِ عَلَى الْمُعَاوَضَةِ تَصْحِيحًا لِتَصَرُّفِهِ أَوْ لِأَنَّهُ مُتَعَارَفٌ، ٤ وَالْإِبْرَاءُ مِمَّا يَتَقَيَّدُ بِالشَّرْطِ وَإِنْ كَانَ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ كَالْحَوَالَةِ.

ترجمہ :٢ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ کل میں پانچ سو کی ادائیگی بدلہ قرار دیا، اور اس کو کلمہ، علی، کے ذریعہ ذکر کیا جو معاوضہ کے لئے آتا ہے اور ادا کرنا یہ بدلہ نہیں بن سکتا، کیونکہ مقروض پر ادا کرنا تو لازم ہی تھا، اس لئے علی کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے، اس لئے مطلقا بری کرنا باقی رہا اس لئے اب پانچ سو واپس نہیں لوٹے گا، جیسا کہ شروع ہی میں بری کر دیتا (تو پورا ہی بری ہو جاتا)

تشریح : یہاں عبارت پیچیدہ ہے، یہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں لفظ علی، سے معاوضہ بیان کیا، اور کل پر ادا کرنا موقوف کیا، اور ادا کرنا معاوضہ نہیں بن سکتا، کیونکہ مقروض پر ادا کرنا تو پہلے سے لازم ہی تھا، اس لئے علی، لانا بیکار رہوا، اور بات یہ رہ گئی کہ اس نے مطلقا بری کر دیا چاہے کل ادا کرے یا نہ کرے

ترجمہ:٣ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں بری کرنا کل میں ادا کرنے کی شرط پر معلق ہے، اس لئے ادائیگی نہ کرنے سے بری کرنا بھی فوت ہو جائے گا، اس لئے کل میں پانچ سو ادا کرنے پر بری کرنا معلق کیا ہے، اور اس میں غرض ہے کہ افلاس سے بچنے کے لئے یہ شرط لگائی ہو، یا اس سے زیادہ نفع بخش کا وسیلہ ہو، اور کلمہ، علی، اگر چہ معاوضہ بیان کرنے کے لئے آتا ہے، لیکن شرط کا بھی احتمال رکھتا ہے، کیونکہ اس میں مقابلہ کا معنی ہے، اس لئے معاوضہ پر حمل کرنے سے متعذر رہوتے وقت علی، کو شرط پر ہی حمل کیا جائے گا، اس کے تصرف کو صحیح کرنے کے لئے، یا اس لئے بھی کہ علی، کا یہی شرط کا معنی ہی متعارف ہے

تشریح : یہ طرفین کی دلیل ہے، کہ علی کا معنی اگر چہ معاوضہ کا ہے، لیکن معاوضہ کے متعذر رہوتے وقت اس کو شرط پر حمل کریں گے، تا کہ قارض کا تصرف صحیح ہو، یا یوں کہیں گے کہ علی، کا معنی شرط ہی کا متعارف ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کل درہم آنے سے قارض کو کوئی زیادہ کی چیز خریدنا ہو اس لئے اس نے یہ کہا کہ کل ادا کر دو تو پانچ سو سے تم بری ہو

ترجمہ:٤ اور شرط پر مقید کر کے بری کرنا ممکن ہے اگر چہ اس سے متعلق نہیں ہے، جیسے حوالہ میں ہوتا ہے

تشریح : شرط کے ساتھ بری کرنا اگر چہ اصل نہیں ہے، لیکن ایسا کیا جا سکتا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ حوالہ میں یہ ہوتا ہے کہ زید پر قرض تھا اب عمر پر حوالہ کر دیا، کہ وہ قرض ادا کرے گا، لیکن اس شرط پر ہے کہ وہ آئندہ ضرور ادا کرے گا، تو دیکھئے ادا

۵ وَسَنُخَرِّجُ الْبِدَايَةَ بِالْإِبْرَاءِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى . ٦ قَالَ : وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى وُجُوهٍ: أَحَدُهَا مَا ذَكَرْنَاهُ .وَالثَّانِي إِذَا قَالَ صَالَحْتُکَ مِنَ الْأَلْفِ عَلَى خَمْسِ مِائَةٍ تَدْفَعُهَا إِلَيَّ غَدًا وَأَنْتَ بَرِيءٌ مِنَ الْفَضْلِ عَلَى أَنَّکَ إِنْ لَمْ تَدْفَعْهَا إِلَيَّ غَدًا فَالْأَلْفُ عَلَيْکَ عَلَى حَالِهِ .وَجَوَابُهُ: أَنَّ الْأَمْرَ عَلَى مَا قَالَ؛ لِأَنَّهُ أَتَى بِصَرِيحِ التَّقْيِيدِ فَيُعْمَلُ بِهِ . ۷ وَالثَّالِثُ إِذَا قَالَ: أَبْرَأْتُکَ مِنْ خَمْسِمِائَةٍ مِنَ الْأَلْفِ عَلَى أَنْ تُعْطِيَنِي خَمْسَمِائَةٍ غَدًا فَالْإِبْرَاءُ فِيهِ وَاقِعٌ أَعْطَى الْخَمْسَ مِائَةٍ أَوْ لَمْ يُعْطِ لِأَنَّهُ أَطْلَقَ الْإِبْرَاءَ أَوَّلًا، ۸ وَأَدَاءُ الْخَمْسِمِائَةِ لا يَصْلُحُ عِوَضًا مُطْلَقًا، وَلَكِنَّهُ يَصْلُحُ شَرْطًا، فَوَقَعَ الشَّکُّ فِي تَقْيِيدِهِ بِالشَّرْطِ فَلَا يَتَقَيَّدُ بِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا بَدَأَ بِأَدَاءِ خَمْسِ مِائَةٍ لِأَنَّ الْإِبْرَاءَ حَصَلَ مَقْرُونًا بِهِ، فَمِنْ حَيْثُ إِنَّهُ لا

کرنے کی شرط پر حوالہ ہوا، اسی طرح بری کرنا بھی کل کی شرط پر ہوگا، اور کل ادا نہیں کرے گا تو پانچ سو سے بری نہیں ہوگا

ترجمہ: ۵ اور پہلے ہی بری کر دے، اور بعد میں، علی، لائے اس کی بحث آگے کروں گا، ان شاء اللہ

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ کی دلیل میں یہ بات گزری تھی کہ پہلے بری کر دے اور بعد میں، علی، لائے تو آپ کے یہاں بھی بری ہو جاتا ہے، تو اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی بحث بعد میں تیسری صورت میں میں ذکر کروں گا

ترجمہ: ٦ اس مسئلے کی اور بھی چار صورتیں ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے۔ یوں کہا، ہزار کو پانچ سو کے بدلے میں صلح کرتا ہوں، اس شرط پر کہ تم اس کو مجھے کل دے دو، اور تم زیادہ سے بری ہو، اور اگر کل مجھے نہیں دیا تو تم پر ہزار ہی رہے گا، اور اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہا ویسی ہی بات رہے گی، اس لئے کہ صراحت کے ساتھ پانچ سو کو کل ادا کرنے پر مقید کر دیا اس لئے اس پر عمل کیا جائے گا

تشریح: یہاں صراحت کے ساتھ دونوں باتیں موجود ہیں کہ کل دو گے تو پانچ سو سے بری ہو اور کل نہیں دو گے تو بری نہیں ہو، اس لئے کل نہیں دے گا تو بری نہیں ہوگا، پورا ہزار دینا ہی ہوگا

ترجمہ : ۷ تیسری صورت یہ ہے کہ۔ اگر کہا کہ میں ہزار میں سے تم کو پانچ سو سے بری کرتا ہوں اس شرط پر کہ کل مجھے پانچ سو دے دیں، تو اس صورت میں بھی بری ہو جائے گا پانچ سو دے یا نہ دے، اس لئے کہ پہلے مطلقا بری کر چکا ہے

تشریح : تیسری صورت یہ ہے کہ پہلے پانچ سو سے بری کیا پھر بعد میں کہا کہ اس شرط پر کہ کل پانچ سو دے دو، تو چونکہ پہلے بری کر چکا ہے اس لئے پانچ سو دے یا نہ بری ہو جائے گا

ترجمہ: ۸ اور پانچ سو کی ادائیگی مطلقا عوض نہیں بن سکتی ہے، لیکن شرط بن سکتی ہے، اس لئے شرط کے ساتھ مقید کرنے میں شک ہو گیا، اس لئے شرط کے ساتھ مقید نہیں ہوگا، اس کے برخلاف اوپر کی پہلی صورت میں کہ پانچ سو ادائیگی سے شروع کیا، اس لئے کہ برأت پانچ سو کی ادائیگی پر ہے، تو اس حیثیت سے کہ وہ عوض نہیں بن سکتا ہے مطلقا واقع ہوگی، اور اس حیثیت سے کہ شرط کی صلاحیت رکھتا ہو تو مطلق واقع نہیں ہوگی اس لئے شک کی وجہ سے اطلاق ثابت نہیں ہوگی تو دونوں میں فرق ہو گیا

تشریح پہلی صورت، اور تیسری صورت کی عبارتوں کو دیکھیں

يَصْلُحُ عِوَضًا يَقَعُ مُطْلَقًا، وَمِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَصْلُحُ شَرْطًا لا يَقَعُ مُطْلَقًا فَلا يَثْبُتُ الْإِطْلَاقُ بِالشَّكِّ فَافْتَرَقَا . ۹؎ وَالرَّابِعُ إِذَا قَالَ أَدِّ إِلَيَّ خَمْسَ مِائَةٍ عَلَى أَنَّكَ بَرِيءٌ مِنَ الْفَضْلِ وَلَمْ يُوَقِّتْ لِلْأَدَاءِ وَقْتًا . وَجَوَابُهُ أَنَّهُ يَصِحُّ الْإِبْرَاءُ وَلَا يَعُودُ الدَّيْنُ لِأَنَّ هَذَا إِبْرَاءٌ مُطْلَقٌ، لِأَنَّهُ لَمَّا لَمْ يُوَقِّتْ لِلْأَدَاءِ وَقْتًا لَا يَكُونُ الْأَدَاءُ غَرَضًا صَحِيحًا لِأَنَّهُ وَاجِبٌ عَلَيْهِ فِي مُطْلَقِ الْأَزْمَانِ فَلَمْ يَتَقَيَّدْ بَلْ يُحْمَلُ عَلَى الْمُعَاوَضَةِ وَلَا يَصْلُحُ عِوَضًا، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ لِأَنَّ الْأَدَاءَ فِي الْغَدِ غَرَضٌ صَحِيحٌ . ۱۰؎ وَالْخَامِسُ إِذَا قَالَ إِنْ أَدَّيْتَ

۱۔اد الی غدا منها خمس مأة علی انک بری من الفضل	اس میں اد، پہلے ہے
۳۔ابرأتک من خمس مأة من الالف علی ان تعطینی خمس مأة غدا	اس میں ابرأ تک پہلے ہے

اور پہلی صورت اور اس تیسری صورت میں فرق بیان کرنا چاہتے ہیں۔اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی صورت میں اد الی خمس مأة، مجھے کل پانچ سو دو، یہ پہلے لایا کہ اور اس کو علی، کے ذریعہ کل پر معلق کیا ہے، اس لئے علی شرط کے معنی میں ہوگا، یعنی کل کی ادائیگی کی شرط پر پانچ سو سے بری ہے۔اور اس تیسری صورت میں ابــــرأتک ، میں نے تم کو بری کر دیا، پہلے لایا ہے، اور، علی ان تعطینی ، بعد میں لایا ہے، اس لئے علی، شرط کے معنی میں ہو، اس میں شک ہو گیا، اس لئے شرط کے معنی میں نہیں ہو گا، اور علی، معاوضہ کے معنی میں ہو تو وقت معاوضہ نہیں بنتا اس لئے بری ہو جائے گا چاہے کل ادا کرے یا نہ کرے

لغت: فمن حيث انه لا يصلح عوضا يقع مطلقا ، و من حيث انه يصلح شرطا لا يقع مطلقا فلا يثبت الاطلاق بالشک فافترقا : یہ دو منطقی جملے ہیں۔اس کا حاصل یہ ہے، علی، ہمیشہ عوض کے لئے آتا ہے اور شرط کے لئے کبھی کبھار آتا ہے، اور تیسری صورت میں شرط کے لئے ہے یا نہیں ہے اس میں شک ہو گیا، اس لئے تیسری صورت میں شک کی بنیاد پر علی شرط کے لئے نہیں ہوگا، اور مقروض کل ادا کرے یا نہ کرے بری ہو جائے گا

ترجمہ: ۹؎ چوتھی صورت یہ ہے کہ مجھے پانچ سو ادا کرو اس پر کہ باقی سے تم بری ہو، اور ادائیگی کا وقت متعین نہیں کیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بری کرنا صحیح ہوگا اور باقی قرض واپس نہیں آئے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ، یہاں مطلق بری کرنا ہے، اور ادائیگی کے لئے کوئی وقت متعین نہیں کیا ہے، اس لئے ادا کرنے کی کوئی صحیح غرض نہیں ہے، اس لئے کہ یہ پانچ سو کبھی بھی ادا کر سکتا ہے، تو بری کرنا مقید نہیں ہے، بلکہ علی، معاوضہ پر حمل کیا جائے گا، اور بری کرنا عوض نہیں بن سکتا (اس لئے مکمل بری ہو جائے گا) بخلاف پہلے مسئلوں کے اس لئے کہ کل ہی ادا کرنے میں کوئی صحیح غرض ہے

تشریح: چوتھی صورت۔یوں کہا کہ مجھے پانچ سو ادا کرو، اس پر کہ باقی سے بری ہو، تو اس صورت میں پانچ سو ہی ادا کرنا پڑے گا، اور باقی سے ہمیشہ کے لئے بری ہو جائے گا

وجہ: یہاں ادا کرنے کے لئے کوئی وقت متعین نہیں ہے، اس لئے موت سے پہلے پہلے ادا کر سکتا ہے، اس لئے مطلق بری کرنا ہے۔اور اس سے پہلے جو پہلی صورت تھی اس میں کل کا وقت متعین تھا، تو ہو سکتا ہے کہ کل رقم آنے سے کوئی بڑی چیز خرید لیتا،

إِلَـىَّ خَمْسَ مِائَةٍ أَوْ قَالَ إِذَا أَدَّيْتَ أَوْ مَتَى أَدَّيْتَ .فَالْـجَوَابُ فِيهِ أَنَّهُ لا يَصِحُّ الْإِبْرَاءُ لِأَنَّهُ عَلَّقَهُ بِالشَّرْطِ صَـرِيـحًـا، وَتَعْلِيقُ الْبَرَائَاتِ بِالشُّرُوطِ بَاطِلٌ لِمَا فِيهَا مِنْ مَعْنَى التَّمْلِيكِ حَتَّى يَرْتَدَّ بِالرَّدِّ، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ لِأَنَّهُ مَا أَتَى بِصَرِيحِ الشَّرْطِ فَحُمِلَ عَلَى التَّقْيِيدِ بِهِ.

(۹۰۸) قَالَ (وَمَنْ قَالَ لِآخَرَ لا أُقِرُّ لَكَ بِمَالِكَ حَتَّى تُؤَخِّرَهُ عَنِّي أَوْ تَحُطَّ عَنِّي فَفَعَلَ جَازَ عَلَيْهِ) ۱؎ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُكْرَهٍ، ۲؎ وَمَعْنَى الْمَسْأَلَةِ إِذَا قَالَ ذَلِكَ سِرًّا، أَمَّا إِذَا قَالَ عَلَانِيَةً يُؤْخَذُ بِهِ.

اس لئے وہاں کل ادا کرنا شرط کے درجے میں تھا اس لئے کل ادا کرے گا تو بری ہوگا ورنہ نہیں۔

ترجمہ: ۱۰؎ پانچویں صورت یہ ہے کہ، ان، اذا، متی، کے ذریعہ کہا کہ اگر تم نے پانچ سو کل ادا کیا تو باقی سے بری ہو، تو جواب یہ ہے کہ کل ادا نہیں کیا تو بری نہیں ہوگا، اس لئے کہ صراحت کے ساتھ شرط پر معلق کر دیا ہے، اور برأت کو شرط پر معلق کرنا باطل ہے، اس لئے کہ اس میں مالک بنانے کا معنی ہے، یہاں تک کہ مقروض رد کرے گا رد ہو جائے گا، بخلاف جو پہلے چار صورتیں گزریں، اس لئے کہ، علی، میں صراحت کے ساتھ شرط نہیں تھی اس لئے شرط کے ساتھ مقید ہونے پر حمل کیا گیا ہے

تشریح: یہاں لفظ علی، اور لفظ ان، اذا، اور متی، میں فرق بیان کر رہے ہیں، لفظ علی، زیادہ تر معاوضے کے لئے آتا ہے، اور مشکل سے موقع محل دیکھ کر شرط کے معنی میں آتا ہے اس لئے اس کے بارے میں چار بحثیں گزریں۔ لیکن لفظ، ان، اذا، اور متی، تو صرف شرط کے لئے ہی آتے ہیں اس لئے جن قارض نے ان الفاظ کے ساتھ کہا کہ اگر کل پانچ سو ادا کروگے تو باقی سے بری ہو، تو کل ادا کرے گا تو بری ہوگا، اور کل پانچ سو ادا نہیں کیا تو بری نہیں ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان الفاظ میں مالک بنانے کا معنی ہے اس لئے اگر مقروض نے کہہ دیا کہ میں کل ادا نہیں کروں گا تب بھی بری نہیں ہوگا، اور او فرختم ہو جائے گی۔

وجہ: اس لئے کہ یہ تینوں الفاظ صرف شرط کے معنی کے لئے آتے ہیں۔

ترجمہ: (۹۰۸) کسی نے دوسرے سے کہا کہ اگر آپ مہلت دیں گے تب ہی میں آپ کے لئے مال کا اقرار کروں گا، یا کچھ کم کریں گے تب ہی مال کا اقرار کروں گا تو اس نے مہلت دے دی، اور مقروض نے اقرار کیا تو ایسا جائز ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ اس صورت میں قارض مجبور نہیں ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ، بہت مجبور نہ کیا ہو تو اقرار کرنا جائز ہے۔۔

تشریح: زید کا ایک ہزار عمر پر تھا، عمر نے کہا کہ مجھے کچھ دنوں کی مہلت دو، یا کچھ رقم کم کرو تو اس بات کا اقرار کروں گا کہ آپ کا روپیہ میرے ذمے ہے، اب زید نے مہلت دی، یا کچھ رقم کم کی، پھر عمر نے پیسے کا اقرار کیا تو یہ اقرار صحیح ہے

وجہ: یہاں ایک قسم کا عمر کا زید پر دباو ہے، اس کو مجبور کرنا نہیں ہے، اس لئے ایسی حالت میں اقرار کرنا جائز ہے، اور یہ اقرار بھی صحیح ہے۔

ترجمہ: ۲؎ مسئلے کا معنی یہ ہے کہ چپکے سے یہ بات کہی ہو اس لئے کہ اگر اعلانیہ کہا تو (دو گواہ پیش کر کے) اس سے مواخذہ کیا جائے گا۔

تشریح: اگر عمر مقروض نے اعلانیہ زید سے کہا کہ کم کرو تو اقرار کروں گا، اور دو گواہ سن رہے تھے تب تو عمر کو پوری رقم دینی ہوگی۔

﴿فَصْلٌ فِي الدَّيْنِ الْمُشْتَرَكِ﴾

(۹۰۹) (وَإِذَا كَانَ الدَّيْنُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَصَالَحَ أَحَدُهُمَا مِنْ نَصِيبِهِ عَلَى ثَوْبٍ فَشَرِيكُهُ بِالْخِيَارِ، إِنْ شَاءَ اتَّبَعَ الَّذِي عَلَيْهِ الدَّيْنُ بِصِفَةٍ، وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ نِصْفَ الثَّوْبِ إِلَّا أَنْ يَضْمَنَ لَهُ شَرِيكُهُ رُبُعَ الدَّيْنِ)

وجه : جب دو گواہ سن رہے تھے کہ عمر پر ایک ہزار ہے، لیکن زید کم کرے گا تب جا کر عمر نوسو رقم کا اقرار کرے گا، تو زید اب دو گواہ پیش کر کے اس سے ہزار ہی لے گا، اس لئے مصنف فرما رہے ہیں کہ چپکے سے کہے تو عمر سے ہزار نہیں لے سکے گا، اور نوسو اقرار کرنا جائز ہو جائے گا۔

فصل فی الدین المشترک

ترجمه :(۹۰۹) اگر دین دو شریکوں کے درمیان ہو پس ان میں سے ایک نے اپنے حصے کے بدلے میں صلح کر لی کپڑے پر تو اس کے شریک کو اختیار ہے، اگر چاہے تو اس کا پیچھا کرے جس پر دین ہے اپنے آدھے دین کے لئے اور اگر چاہے تو آدھا کپڑا لے لے، مگر یہ کہ اس کا شریک چوتھائی دین کا ضامن ہو جائے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ، ایک آدمی نے آدھا قرض وصول کیا تو شریک کو یہ حق ہے کہ اس میں آدھا وصول کرنے والے سے لے لے۔ یہاں یہ خاص اصول ہے

تشریح : اس مسئلے میں تین صورتیں ہیں جن کو ایک ساتھ بیان کر دیا ہے۔ مثلا زید اور عمر کا ایک ہزار دین خالد پر تھا، زید نے اپنے حصے پانچ سو کے بدلے میں صلح کر کے کپڑا لے لیا۔ اب عمر شریک کو دو اختیار ہیں۔ یا تو اپنا حصہ (پانچ سو درہم) براہ راست خالد سے وصول کرے اور اس کا پیچھا کرے۔

وجه: کیونکہ عمر کا قرض اصل میں خالد پر ہے جس نے کپڑا دیا ہے۔ اس لئے اس سے وصول کر سکتا ہے۔

اور دوسرا اختیار یہ ہے کہ اس کا جو شریک زید ہے جس نے اپنے حصے کا کپڑا لیا ہے اس کپڑے میں شریک ہو جائے اور پھر دونوں ملکر پانچ سو کا مطالبہ خالد سے کریں۔

وجه : چونکہ دین شرکت کا تھا جس کو اس کے شریک زید نے قبضہ کیا ہے۔ اس لئے عمر کو اختیار ہے کہ زید کے قبضہ کئے ہوئے کپڑے میں آدھے کا شریک ہو جائے۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ زید نے اپنا حصہ آدھا قرض وصول کر لیا ہے اس لئے اس کے آدھے یعنی پورے قرض کی چوتھائی کا ذمہ دار زید بن جائے اور عمر شریک سے کہے کہ تمہارا چوتھائی قرض میں دوں گا۔ اس صورت میں عمر زید کے لئے ہوئے کپڑے میں شریک نہیں ہو سکے گا۔ البتہ چونکہ زید نے چوتھائی قرض عمر کو دیا اس لئے اب دونوں ملکر خالد سے آدھا قرض وصول کرینگے۔

ل وَأَصْلُ هٰذَا أَنَّ الدَّيْنَ الْمُشْتَرَكَ بَيْنَ اثْنَيْنِ إِذَا قَبَضَ أَحَدُهُمَا شَيْئًا مِنْهُ فَلِصَاحِبِهِ أَنْ يُشَارِكَهُ فِي الْمَقْبُوضِ لِأَنَّهُ ازْدَادَ بِالْقَبْضِ؛ إِذْ مَالِيَّةُ الدَّيْنِ بِاعْتِبَارِ عَاقِبَةِ الْقَبْضِ، وَهٰذِهِ الزِّيَادَةُ رَاجِعَةٌ إِلَى أَصْلِ الْحَقِّ فَيَصِيرُ كَزِيَادَةِ الْوَلَدِ وَالثَّمَرَةِ فَلَهُ حَقُّ الْمُشَارَكَةِ، ٢ وَلٰكِنَّهُ قَبْلَ الْمُشَارَكَةِ بَاقٍ عَلَى مِلْكِ الْقَابِضِ؛ لِأَنَّ الْعَيْنَ غَيْرُ الدَّيْنِ حَقِيقَةً وَقَدْ قَبَضَهُ بَدَلًا عَنْ حَقِّهِ فَيَمْلِكُهُ حَتَّى يَنْفُذَ تَصَرُّفُهُ فِيهِ، وَيَضْمَنَ لِشَرِيكِهِ حِصَّتَهُ، ٣ وَالدَّيْنُ الْمُشْتَرَكُ يَكُونُ وَاجِبًا بِسَبَبٍ مُتَّحِدٍ كَثَمَنِ الْمَبِيعِ إِذَا كَانَ

ترجمہ: ل اس کی اصل یہ ہے کہ قرض دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے، اس لئے ایک شریک نے مقروض سے کچھ قبضہ کیا تو شریک کو حق ہے کہ قبضہ کئے ہوئے میں شریک ہو جائے، اس لئے کہ قبضہ کرنے کی وجہ سے صفت بڑھ گئی ہے، اس لئے کہ قرض کی مالیت انجام کے اعتبار سے ہے (کہ وہ ادا ہوگا یا نہیں ہوگا) اور یہ قبضہ والی صفت اصل حق کی طرف لوٹتی ہے، اس لئے بچہ اور پھل کی زیادتی کی طرح ہوگئی، اس لئے کہ شریک کو یہ حق ہے کہ اس میں شریک ہو جائے

تشریح: شریک عمر کو کیوں یہ حق ہے کہ زید کے قبضہ کی رقم میں شریک ہو جائے، اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ دو دلیل دے رہے ہیں۔ ا۔ایک یہ کہ جو خالد پر قرض ہے اس کی حیثیت کم ہے، کیونکہ وہ ادھار ہے، اور جو زید نے پانچ سو قبضہ کر لیا ہے اس کی حیثیت زیادہ ہے، کیونکہ وہ نقد ہے، اس لئے نقد میں عمر شریک ہو سکتا ہے ۲۔دوسری بات یہ فرما رہے ہیں کہ یہ جو نقد ہوا یہ اصل قرض ہی کا ثمرہ ہے، جیسے گائے کسی کے پاس قرض ہو اور وہ بچہ دے دے، تو یہ بچہ دونوں قارض کا ہوتا ہے کیونکہ اسی کی گائے کا بچہ ہے، اسی طرح قرض زید کے پاس وصول ہو گیا تو یہ اصل قرض کا ثمرہ ہے اس لئے عمر بھی اس میں شریک ہو سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ لیکن اپنے شریک کو شریک کرنے سے پہلے قبضہ کرنے والے زید کی ملکیت میں باقی ہے اس لئے کہ جو قبضہ ہو چکا ہے وہ حقیقت میں قرض کے علاوہ ہے، لیکن اس نے اپنے حق کے بدلے میں قبضہ کیا ہے، اس لئے وہ مالک ہوگا، اور اس کا تصرف بھی نافذ ہوگا، لیکن شریک کے حصے کا ضامن ہوگا

تشریح: ۳۔اور تیسری بات یہ بتا رہے ہیں کہ جب تک زید قابض عمر کو شریک نہ کرے اس وقت تک یہ پانچ سو درہم زید کی ملکیت ہیں، وہ اپنے تصرف میں خرچ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، کیونکہ یہ زید کی ہی رقم ہے، البتہ زید نے پانچ سو درہم پر قبضہ کیا تو اس میں آدھے کا ضامن عمر شریک کے لئے بنے گا۔

ترجمہ: ۳ اور مشترک قرض وہ ہے جو متحد سبب سے واجب ہوا ہو، جیسے مبیع کی قیمت ہے، جبکہ ایک ہی عقد سے آئی ہو، یا مشترک مال کی قیمت، یا دونوں کا مورث ہو اس سے مال آیا ہو، یا مشترک مال ہلاک ہوا ہو اس سے یہ قیمت آئی ہو

تشریح: مشترک قرض کی تعریف یہ ہے کہ متحد سبب سے آیا ہو، اس کی چار مثالیں دے رہے ہیں، ا۔مبیع مشترک تھی اس کی قیمت آئی ہو تو یہ قیمت دونوں شریکوں کے درمیان دین مشترک ہوگا۔ ۲۔مشترک مال تھا اس کو بیچا اور اس کی قیمت آئی تو یہ دین مشترک ہے۔ ۳۔زید اور عمر دونوں کے والد خالد تھے، اس کے انتقال پر ایک مکان وراثت میں آیا تو یہ دونوں کے درمیان

صَفْقَةً وَاحِدَةً وَثَمَنِ الْمَالِ الْمُشْتَرَکِ وَالْمَوْرُوثِ بَيْنَهُمَا وَقِيمَةِ الْمُسْتَهْلَکِ الْمُشْتَرَکِ ۴؎ فَإِذَا عَرَفْتَ هٰذَا نَقُولُ فِی مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ: لَهُ أَنْ يَتْبَعَ الَّذِی عَلَيْهِ الْأَصْلُ لِأَنَّ نَصِيبَهُ بَاقٍ فِی ذِمَّتِهِ لِأَنَّ الْقَابِضَ قَبَضَ نَصِيبَهُ لٰكِنَّ لَهُ حَقَ الْمُشَارَكَةِ، وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ نِصْفَ الثَّوْبِ لِأَنَّ لَهُ حَقَ الْمُشَارَكَةِ إِلَّا أَنْ يَضْمَنَ لَهُ شَرِيكُهُ رُبُعَ الدَّيْنِ لِأَنَّ حَقَّهُ فِی ذٰلِکَ.

(۹۱۰)قَالَ (وَلَوِ اسْتَوْفَی أَحَدُهُمَا نِصْفَ نَصِيبِهِ مِنَ الدَّيْنِ كَانَ لِشَرِيكِهِ أَنْ يُشَارِكَهُ فِيمَا قَبَضَ) لِمَا قُلْنَا (ثُمَّ يَرْجِعَانِ عَلَی الْغَرِيمِ بِالْبَاقِی). ۱؎ لِأَنَّهُمَا لَمَّا اشْتَرَكَا فِی الْمَقْبُوضِ لَا بُدَّ أَنْ يَبْقَی الْبَاقِی عَلَی الشِّرْكَةِ.

دین مشترک ہے۔۴۔مشترک گائے کو ساجد نے ہلاک کر دی، تو اس کی جو قیمت آئے گی وہ دین مشترک ہے

ترجمہ: ۴؎ جب آپ کو یہ باتیں معلوم ہو گئیں تو متن کے بارے میں یہ عرض ہے کہ، شریک کو یہ بھی حق ہے کہ جس پر اصل قرض ہے اس کا پیچھا کرے، کیونکہ اس کا حصہ اسی کے ذمے باقی ہے، اس لئے قبضہ کرنے والے نے صرف اپنا حصہ وصول کیا ہے، لیکن اس کو یہ حق بھی ہے کہ شریک کے وصول کئے پیسے میں شریک ہو جائے، اور یہ بھی حق ہے کہ آدھا کپڑا لے لے، مگر یہ کہ شریک اس کی چوتھائی قرض کا ضامن بن جائے، اس لئے کہ اس میں اس کا حق ہے

تشریح: یہ تفصیل پہلے عرض کر چکا ہوں۔ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ متن میں عمر کے لئے تین حقوق ہیں۔۱۔اصل مقروض سے اپنا حصہ وصول کرے کیونکہ عمر کا اصل قرض اسی پر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زید نے جو رقم وصول کی ہے اس میں شریک ہو جائے، تیسری صورت یہ ہے کہ زید سے آدھا کپڑا لے لے، ہاں زید عمر کی چوتھائی قرض کا ضامن بن جائے تو عمر زید سے آدھا کپڑا نہیں لے پائے گا، اس لئے کہ عمر کا حق آدھے دین میں ہی ہے

ترجمہ: (۹۱۰) اگر اپنا آدھا حصہ قرض وصول کیا تو شریک کے لئے جائز ہے کہ جو کچھ قبضہ کیا اس میں شریک ہو جائے (اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہا۔ کہ نقد ہو گیا)۔ پھر دونوں وصول کرے مقروض سے باقی ماندہ۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ جب قبضہ کی ہوئی رقم میں دونوں شریک ہو گئے تو اب دونوں قرض میں شرکت پر باقی رہے

تشریح: مثلا زید اور عمر دو شریک تھے۔ زید نے اپنے حصہ کا روپیہ پانچ سو وصول کر لیا اور وصول قرض ہی کیا اس کے بدلے میں کوئی دوسری چیز پر صلح نہیں کی تو اس کے شریک عمر کو اختیار ہے کہ زید کے وصول کردہ قرض میں شریک ہو جائے اور آدھا روپیہ زید سے لے لے۔ اور اب یہ دونوں مل کر خالد مقروض سے باقی رقم وصول کریں

وجہ: عین قرض میں دونوں شریک تھے۔ اور ایک شریک نے عین قرض جو دونوں کا حق تھا وصول کیا تو دوسرے شریک کو اس میں سے آدھا لینے کا حق ہے۔ اس لئے کہ آدھا اس کا مال بھی وصول کیا۔ بعد میں دونوں ملکر مقروض سے اپنا آدھا قرض وصول کرے۔

وجہ: کیونکہ دونوں کا آدھا قرض ابھی مقروض کے پاس باقی ہے اس لئے دونوں ملکر وصول کریں گے۔

(۹۱۱)قَالَ (وَلَوْ اشْتَرَى أَحَدُهُمَا بِنَصِيبِهِ مِنَ الدَّيْنِ سِلْعَةً كَانَ لِشَرِيكِهِ أَنْ يُضَمِّنَهُ رُبُعَ الدَّيْنِ) ۱؎ لِأَنَّهُ صَارَ قَابِضًا حَقَّهُ بِالْمُقَاصَّةِ كَمَلًا، لِأَنَّ مَبْنَى الْبَيْعِ عَلَى الْمُمَاكَسَةِ بِخِلَافِ الصُّلْحِ لِأَنَّ مَبْنَاهُ عَلَى الْإِغْمَاضِ وَالْحَطِيطَةِ، فَلَوْ أَلْزَمْنَاهُ دَفْعَ رُبُعِ الدَّيْنِ يَتَضَرَّرُ بِهِ، فَيَتَخَيَّرُ الْقَابِضَ كَمَا ذَكَرْنَا، وَلَا سَبِيلَ لِلشَّرِيكِ عَلَى الثَّوْبِ فِي الْبَيْعِ؛ ۲؎ وَلَا سَبِيلَ لِلشَّرِيكِ عَلَى الثَّوْبِ فِي الْبَيْعِ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ

ترجمه :(۹۱۱)اور اگر خرید لیا دونوں میں سے ایک نے اپنے قرض کے حصے سے سامان تو اس کے شریک کو اختیار ہے کہ اس کو چوتھائی دین کا ذمہ دار بنا دے۔

ترجمه :۱؎ اس لئے کہ خریدنے والے نے اپنے حق کو پورا وصول کیا ہے، اس لئے کہ بیع کا مدار کس کر دام لگانے پر ہوتا ہے، بخلاف صلح کے، اس کا مدار چشم پوشی، اور کچھ حق ساقط کرنے پر ہے، اس لئے اگر چوتھائی قرض دینا واجب کر دیں تو اس سے قبضہ کرنے والے کو نقصان ہوگا، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا

تشریح: مثلا زید اور عمر خالد پر جو دین تھا اس میں شریک تھے۔ پھر زید نے اپنے حصے کے بدلے میں سامان خرید لیا تو عمر کو حق ہے کہ چوتھائی دین کا زید کو ضامن بنا دے۔

وجه : صلح کرنے کی شکل میں تو معافی کا پہلو غالب تھا اس لئے وہاں عمر زید کو قرض کا ضامن نہ بنا سکا۔ لیکن اس صورت میں تو دین کے حصے کے بدلے میں سامان خریدا ہے۔ اور خریدنے میں معاملہ کرارا ہوتا ہے، اور اپنا پورا ہی حق وصول کرتا ہے ۔اس لئے گویا کہ پورا پورا قرض وصول کیا۔ اور قاعدہ ہے کہ شریک اصل قرض وصول کرے تو دوسرے شریک کو اس میں سے آدھا لینے کا حق ہوتا ہے۔ یہاں دین کے بدلے میں سامان خرید لیا اس لئے یا تو سامان میں شریک ہو جائے یا چوتھائی قرض کا شریک کو ذمہ دار بنائے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ عین قرض وصول کیا ہو تو اس میں سے آدھا دوسرے شریک کا ہوگا۔

لغت: سلعۃ: سامان۔

ترجمه:۲؎ خریدے ہوئے کپڑے میں شریک نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ وہ عقد کی وجہ سے مالک ہوا ہے، اور قرض اور قیمت میں مقاصہ کر کے اپنا حصہ وصول کیا ہے

تشریح :،متن میں یہ تھا کہ عمر شریک کو صرف یہ حق ہے کہ زید کو چوتھائی قرض کا ضامن بنائے، یہاں بتا رہے ہیں کہ لیکن زید نے خالد سے جو کپڑا خریدا ہے اس میں عمر شریک ہونا چاہے تو نہیں ہو سکتا

وجه :اس کی وجہ یہ بتا رہے ہیں کہ زید کا جو اپنے حصے کا قرض تھا اس کے بدلے میں کپڑا خریدا ہے، اور یہ خرید کر اس کا مالک بھی بن چکا ہے، اس لئے عمر اس کپڑے میں شریک نہیں ہو سکتا ہے

لغت :المقاصہ:قص سے مشتق ہے، کاٹنا، اس کا مطلب ہے کہ اپنے حصے کے قرض کے بدلے میں کپڑا خریدا ہے۔

بِعَقْدِهِ وَالِاسْتِيفَاءِ بِالْمُقَاصَّةِ بَيْنَ ثَمَنِهِ وَبَيْنَ الدَّيْنِ . ٣ وَلِلشَّرِيكِ أَنْ يَتْبَعَ الْغَرِيمَ فِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا لِأَنَّ حَقَّهُ فِي ذِمَّتِهِ بَاقٍ لِأَنَّ الْقَابِضَ اسْتَوْفَى نَصِيبَهُ حَقِيقَةً لَكِنَّ لَهُ حَقَّ الْمُشَارَكَةِ فَلَهُ أَنْ لَا يُشَارِكَهُ، ٤ فَلَوْ سَلَّمَ لَهُ مَا قَبَضَ ثُمَّ تَوَى مَا عَلَى الْغَرِيمِ لَهُ أَنْ يُشَارِكَ الْقَابِضَ لِأَنَّهُ اَنَّمَا رَضِيَ بِالتَّسْلِيمِ لِيُسَلِّمَ لَهُ مَا فِي ذِمَّةِ الْغَرِيمِ وَلَمْ يُسَلِّمْ، ٥ وَلَوْ وَقَعَتِ الْمُقَاصَّةُ بِدَيْنٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنْ قَبْلُ

الاستفياء: وصول کرنا

ترجمه : ٣ اور شریک کو یہ بھی اختیار ہے کہ اوپر کی تمام صورتوں میں مقروض کے پیچھے جائے، اس لئے کہ اس کا حق اسی کے ذمے باقی ہے، اس لئے کہ قبضہ کرنے والے نے تو حقیقت میں صرف اپنا حق وصول کیا ہے، البتہ اس کو شریک ہونے کا حق ہے، اور اس کو یہ بھی حق ہے کہ شریک نہ ہو

تشریح : اوپر یہ آیا کہ زید کو چوتھائی دین کا ذمہ دار بنائے، اب یہ بتا رہے ہیں کہ عمر کو دوسرا اختیار یہ ہے کہ اصل مقروض خالد کے پیچھے لگے اور اس سے اپنا حصہ وصول کرے

وجه :اس کی وجہ یہ ہے کہ زید نے تو صرف اپنا حصہ وصول کیا ہے، اور عمر کا حصہ تو ابھی بھی خالد مقروض ہی کے پاس ہے، اس لئے اس سے بھی وصول کر سکتا ہے

ترجمه :٤ قبضہ کرنے والے جو کچھ قبضہ کیا تھا شریک نے اس کو ہی دے دیا، پھر مقروض کا قرض ڈوب گیا تو اب شریک کو یہ حق ہے کہ قبضہ کرنے والے کے حصے میں شریک ہو جائے، اس لئے کہ سپرد کرنے پر اس لئے راضی ہوا تھا کہ مقروض کے ذمے جو تھا وہ محفوظ رہے، اور وہ محفوظ نہیں رہا (اس لئے اس کو قابض کے حصے میں شریک ہونے کا حق ہوگا)

تشریح: پہلے بتایا کہ زید نے جو کپڑا قبضہ کیا ہے، اس میں عمر کو شریک ہونے کا حق نہیں ہے، لیکن اگر خالد کے پاس جو قرضہ تھا وہ ڈوب گیا، مثلا وہ مفلس ہو گیا، اور قاضی نے اس کو مفلس قرار دے دیا، تو اب عمر کو یہ اختیار ہے کہ زید نے جو خالد مقروض سے کپڑا خریدا تھا اس میں عمر شریک ہو جائے

وجه :اس کی وجہ یہ ہے کہ عمر کو کپڑے میں شریک نہ ہونے کا اختیار اس بنیاد پر تھا کہ اس کو اصل مقروض خالد سے ملنے کی امید تھی، لیکن خالد مفلس ہو گیا تو اب اس سے ملنے کی امید نہیں رہی اس لئے اب مجبورا وہ زید کے حصے میں شریک ہو جائے گا

ترجمه :٥ گر اپنے پرانے قرض کے بدلے مقروض سے بدلہ کر لیا تو شریک قابض سے کچھ نہیں لے سکتا ہے، اس لئے کہ اس نے اپنے حصے سے قرض چکایا ہے، اپنا قرض وصول نہیں کیا ہے

تشریح :زید کے اوپر خالد کا پرانا قرض تھا، زید نے اپنا قرض چکا دیا، خالد سے یوں کہا کہ میرا قرض جو تمہارے اوپر ہے اس کے بدلے میں میرا قرض کو تمہارے اوپر ہے، اس کو چکا دیا، تو اس میں عمر شریک نہیں ہو سکتا،

وجه: کیونکہ زید نے اپنا قرضہ خالد سے وصول نہیں کیا ہے، بلکہ اپنے اوپر جو قرضہ ہے اس کو چکایا ہے۔ شریک تو اس وقت

لَـمْ يَـرْجِـعْ عَلَيْهِ الشَّرِيکُ لِأَنَّهُ قَاضٍ بِنَصِيبِهِ لا مُقْتَضٍ، ٦ وَلَـوْ أَبْرَأَهُ عَنْ نَصِيبِهِ فَكَذَلِکَ؛ لِأَنَّهُ إِتْلافٌ وَلَيْسَ بِقَبْضٍ، ٧ وَلَوْ أَبْرَأَهُ عَنِ الْبَعْضِ كَانَتْ قِسْمَةُ الْبَاقِي عَلَى مَا بَقِيَ مِنَ السِّهَامِ، ٨ وَلَوْ أَخَّـرَ أَحَـدُهُمَا عَنْ نَصِيبِهِ صَحَّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ اعْتِبَارًا بِالْإِبْرَاءِ الْمُطْلَقِ. ٩ وَلَا يَصِحُّ عِنْدَهُمَا لِأَنَّهُ يُـؤَدِّي إِلَـى قِسْمَةِ الدَّيْنِ قَبْلَ الْقَبْضِ، ١٠ وَلَـوْ غَـصَـبَ أَحَـدُهُـمَـا عَيْنًا مِنْهُ أَوِ اشْتَرَاهُ شِرَاءً فَاسِدًا

ہوتا جب زید قرضہ وصول کرتا

ترجمہ: ٦ اور اگر اپنے حصے سے مقروض کو بری کر دیا تب بھی اس میں شریک نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ اپنے حصے کو ضائع کرنا ہے وصول کرنا نہیں ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شریک قرض وصول کرے تو اس میں سے آدھے کا ضامن بنے گا، اور وصول نہیں کیا بلکہ معاف کیا تو اس میں سے آدھے کا ضامن نہیں بنے گا

تشریح: زید نے خالد کو اپنا حصہ معاف کر دیا، تو اب عمر زید سے کچھ نہیں لے گا،

وجہ: کیونکہ زید وصول کرتا تو اس میں وہ عمر کا ضامن بنتا، یہاں زید نے اپنا حصہ وصول نہیں کیا، بلکہ معاف کیا ہے اس لئے عمر اس کو ضامن نہیں بنا سکتا ہے

ترجمہ: ٧ اور اگر اپنے بعض حصے کو معاف کر دیا تو قابض کا جو حصہ باقی رہ گیا ہے اس میں تقسیم کے اعتبار سے ہوگا

تشریح: یہ مسئلہ حساب پر مبنی ہے۔ مثلا زید اور عمر کا خالد پر ایک ہزار قرض تھا، زید نے اپنا پورا حصہ معاف نہیں کیا، بلکہ چوتھائی حصہ یعنی ۲۵۰ درہم معاف کر دیا، تو اب عمر کا ۵۰۰ درہم قرض رہا، یعنی دو حصے اور زید کا ایک حصہ قرض رہا، اب جب بھی قرض وصول ہوگا تو اس میں سے عمر کو دوگنا ملے گا، اور زید کو اس کا ایک گنا ملے گا، یہ حساب ہوگا

ترجمہ: ٨ اور اگر ایک شریک نے اپنا حصہ موخر کر دیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ صحیح ہے، کیونکہ جب اپنا پورا حصہ ہی معاف کر سکتا ہے تو اپنا حصہ موخر بھی کر سکتا ہے

تشریح: زید نے اپنا حصہ موخر کر دیا، خالد سے کہا کہ میرا قرض اتنے مہینے بعد ادا کرنا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے

وجہ: جب زید اپنا پورا حصہ معاف کر سکتا ہے تو اپنا حصہ موخر بھی کر سکتا ہے

ترجمہ: ٩ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں قبضہ کرنے سے پہلے اس کو تقسیم کرنا لازم آئے گا (اور یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے اپنے حصے کو موخر کرنا بھی جائز نہیں ہوگا)

وجہ: زید کا حصہ موخر ہو گیا، اور عمر کا حصہ جلدی والا ہوا تو اس صورت میں قبضہ سے پہلے اس کو تقسیم کرنا لازم آیا جو صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: ١٠ اگر دونوں میں سے ایک نے مقروض سے کوئی چیز غصب کر لی، یا اس سے کوئی چیز شراء فاسد سے خریدی، اور وہ

وَهَلَکَ فِي يَدِهِ فَهُوَ قَبْضٌ وَالِاسْتِئْجَارُ بِنَصِيبِهِ قَبْضٌ .۱۲ وَكَذَا الْإِحْرَاقُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ وَالتَّزَوُّجُ بِهِ إِتْلَافٌ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، وَكَذَا الصُّلْحُ عَلَيْهِ مِنْ جِنَايَةِ الْعَمْدِ .

(۹۱۲)قَالَ (وَإِذَا كَانَ السَّلَمُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَصَالَحَ أَحَدُهُمَا مِنْ نَصِيبِهِ عَلَى رَأْسِ الْمَالِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يَجُوزُ الصُّلْحُ) ۱ اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الدُّيُونِ

چیز ہلاک ہوگئی تو ان صورتوں میں بھی قبضہ سمجھا جائے گا ،اور اپنے حصے کو اجرت پر لینا بھی قبضہ شمار کیا جائے گا

تشریح: ان تین صورتوں میں بھی یہ سمجھا جائے گا کہ زید نے آدھے حصے پر قبضہ کیا ہے اس لئے عمر کو یہ حق ہوگا کہ چوتھائی دین کا زید کو ضامن بنادے، کیونکہ اس نے آدھے دین پر قبضہ کیا ہے۔ پہلا ہے زید نے اپنے حصے کو غصب کیا، اور وہ چیز ہلاک ہوگئی، دوسرا ہے شراء فاسد کے ماتحت خالد سے وہی چیز خریدی، اور وہ چیز زید کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی۔ اور تیسرا ہے کہ زید نے اپنے حصے کو اجرت پر لیا، مثلا زید نے اپنے پانچ سو کے بدلے خالد مقروض سے ایک سال کے لئے گھر کو کرایہ پر لیا، اور ایک سال رہا تو، ان تینوں صورتوں میں یہ سمجھا جائے گا کہ زید نے آدھے حصے پر قبضہ کیا اس لئے عمر کو اس میں آدھے یعنی چوتھائی دین کا ضامن بنانے کا اختیار ہوگا

لغت: استیجار: اجرت پر لینا۔ نصیب: حصہ۔

ترجمہ: ۱۲ ایسے ہی دین کی چیز کو جلا دینا امام محمدؒ کے نزدیک قبضہ ہے خلاف امام ابو یوسفؒ کے، اور دین کی چیز کے بدلے نکاح کرنا ضائع کرنا ہے، ایسے ہی جان کر جنایت کے بدلے میں صلح کرنا اتلاف ہے

تشریح: یہاں تین مسئلے ہیں۔ پہلا زید کا کپڑا خالد کے پاس قرض تھا، اس نے اپنا حصہ جلا دیا تو امام محمدؒ کے نزدیک یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنے حصے پر قبضہ کرلیا، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنے حصے کو ضائع کیا۔ دوسرا مسئلہ ہے، زید کا دین زینب کے پاس تھا، زید نے اپنے حصے کو مہر میں دیکر نکاح کرلیا تو یہ قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اتلاف سمجھا جائے گا، اس لئے عمر آدھے کا ضامن نہیں بنا سکتا۔ اور تیسرا مسئلہ ہے کہ زید نے جان کر خالد کا ہاتھ کاٹ دیا، اور اپنے حصے کے بدلے صلح کرلی تو یہ بھی قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اپنے حصے کا اتلاف سمجھا جائے گا، اس لئے عمر چوتھائی دین کا زید کو ضامن نہیں بنا سکتا ہے

ترجمہ: (۹۱۲) اگر بیع سلم ہو دو شریکوں کے درمیان، پس ان میں سے ایک نے اپنے حصے سے رأس المال پر صلح کرلی تو امام ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جائز ہے۔

ترجمہ: ۱ تمام دین پر قیاس کرتے ہوئے

تشریح: مثلا زید اور عمر نے ملکر خالد سے بیع سلم کی۔ اور دونوں نے ایک سو درہم ادا کیا یعنی پچاس درہم زید نے اور پچاس درہم عمر نے جس کو رأس المال کہتے ہیں۔ اور عقد بھی ایک ہی ہے۔ بعد میں ایک شریک مثلا زید نے اپنے حصے کے واپس لینے پر مسلم الیہ یعنی بائع سے صلح کرلی تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ان کا صلح کرنا اور اپنا حصہ واپس لینا بغیر شریک کی رضامندی کے جائز نہیں ہے۔

۲؎ وَبِمَا إذَا اشْتَرَيَا عَبْدًا فَأَقَالَ أَحَدُهُمَا فِي نَصِيبِهِ . ۳؎ وَلَهُمَا أَنَّهُ لَوْ جَازَ فِي نَصِيبِهِ خَاصَّةً يَكُونُ قِسْمَةُ الدَّيْنِ فِي الذِّمَّةِ، وَلَوْ جَازَ فِي نَصِيبِهِمَا لَا بُدَّ مِنْ إجَازَةِ الْآخَرِ . ۴؎ بِخِلَافِ شِرَاءِ الْعَيْنِ، وَهَذَا

وجه : (۱) دونوں نے ملکر عقد سلم کیا ہے اس لئے ایک اپنے حصے کو واپس لیکر عقد سلم کو توڑنا چاہے تو جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں قسمة الدین فی الذمہ، لازم آئے گا، قسمة الدین فی الذمہ، کا مطلب یہ ہے کہ ابھی دین وصول بھی نہیں ہوا ہے اور زید اپنے حصے کو تقسیم کر رہا ہے جو جائز نہیں ہے (۲) دوسری وجہ یہ کہ تفریق صفقہ لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے، تفریق صفقہ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں نے ایک ساتھ عقد کیا تھا، اب بیچ میں ہی عقد الگ الگ کر دیا جو جائز نہیں ہے

اصول: ان حضرات کا اصول یہ ہے کہ دوسرے کا نقصان ہو تو اپنے مال میں بھی تصرف نہیں کر سکتا۔ حضرت کی نگاہ دوسرے کے نقصان کی طرف گئی۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں ایک شریک کا صلح کر کے رأس المال لینا جائز ہے۔

وجہ : (۱) وہ فرماتے ہیں کہ آدھا حصہ اس شریک کا ذاتی مال تھا تو جس طرح اور ذاتی مال میں اپنی مرضی سے تصرف کر سکتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی اپنے حصے کو صلح کر کے مسلم الیہ (بائع) سے واپس لے سکتا ہے۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اور قرض ہو تو زید اس کے بدلے میں صلح کر سکتا ہے، تو اس پر قیاس کرتے ہوئے، بیع سلم کے راس المال کے بدلے میں بھی صلح کر سکتا ہے

اصول: ان کا اصول یہ ہے کہ اپنے مال میں دوسرے کی مرضی کے بغیر بھی تصرف کر سکتا ہے۔ اس حضرت کی نگاہ اپنے نقصان کی طرف گئی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ یا دو شریکوں نے غلام خریدا، اور دونوں میں سے ایک نے اپنے حصے کا اقالہ کر لیا

تشریح : زید نے اور عمر نے ایک غلام خریدا، پھر زید نے اپنے کا اقالہ کر لیا، یعنی واپس لے لیا، تو وہ اپنے حصے کو واپس لے سکتا ہے، تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے، سلم کی مبیع میں بھی ایک شریک اپنے حصے پر صلح کر سکتا ہے، کیونکہ یہ اس کی چیز ہے

لغت: اقالہ: مشتری کے کہنے پر بائع نے اپنی چیز واپس لے لی اس واپس لینے کو، اقالہ، کہتے ہیں۔

ترجمہ : ۳؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر صرف ایک شریک کے حصے میں جائز کر دیں تو ذمے میں دین کی تقسیم لازم آئے گی، اور اگر دونوں کے حصے میں جائز قرار دیں تو دوسرے کی اجازت ضروری ہے، (اور دوسرے نے اجازت نہیں دی ہے اس لئے بھی یہ جائز نہیں ہوگا)

تشریح : امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر زید نے جو مبیع سلم پر صلح کی ہے، اگر صرف اس کے حصے کو جائز قرار دیں تو ابھی وہ چیز قبضے میں نہیں آئی ہے اس سے پہلے ہی اس کو تقسیم کرنا لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے (۲) اور اگر دونوں کے حصے کو جائز قرار دیں تو دوسرے شریک کی اجازت چاہئے، اور اس نے اجازت نہیں دی ہے اس لئے دونوں کے حصے کے بدلے صلح نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ۴؎ بخلاف عین چیز خریدنے کے، اور فرق یہ ہے کہ مسلم فیہ (بیع سلم کی مبیع) عقد کی وجہ سے واجب ہوئی ہے، اور

لِأَنَّ الْمُسْلَمَ فِيهِ صَارَ وَاجِبًا بِالْعَقْدِ وَالْعَقْدُ قَامَ بِهِمَا فَلَا يَنْفَرِدُ أَحَدُهُمَا بِرَفْعِهِ، ۵ وَلِأَنَّهُ لَوْ جَازَ لَشَارَكَهُ فِي الْمَقْبُوضِ، فَإِذَا شَارَكَهُ فِيهِ رَجَعَ الْمُصَالِحُ عَلَى مَنْ عَلَيْهِ بِذَلِكَ فَيُؤَدِّي إِلَى عَوْدِ السَّلَمِ بَعْدَ سُقُوطِهِ . ٦ قَالُوا: هَذَا إِذَا خَلَطَا رَأْسَ الْمَالِ، فَإِنْ لَمْ يَكُونَا قَدْ خَلَطَاهُ فَعَلَى الْوَجْهِ الْأَوَّلِ هُوَ عَلَى الْخِلَافِ، وَعَلَى الْوَجْهِ الثَّانِي هُوَ عَلَى الِاتِّفَاقِ.

﴿فَصْلٌ فِي التَّخَارُجِ﴾

(٩١٣) قَالَ: وَإِذَا كَانَتِ التَّرِكَةُ بَيْنَ وَرَثَةٍ فَأَخْرَجُوا أَحَدَهُمْ مِنْهَا بِمَالٍ أَعْطَوْهُ إِيَّاهُ وَالتَّرِكَةُ عَقَارٌ أَوْ عُرُوضٌ جَازَ قَلِيلًا كَانَ مَا أَعْطَوْهُ إِيَّاهُ أَوْ كَثِيرًا ١ لِأَنَّهُ أَمْكَنَ تَصْحِيحُهُ بَيْعًا .وَفِيهِ أَثَرُ عُثْمَانَ، فَإِنَّهُ

عقد دونوں سے واقع ہوا ہے اس لئے ایک اس کو ختم نہیں کر سکتا

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی جانب سے امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ عین چیز دونوں خریدیں، اور ایک آدمی اقالہ کر لے تو یہ جائز ہے، کیونکہ یہ عین چیز ہے، اور مبیع سلم میں وہ عین نہیں ہوتی، وہ تو دونوں شریکوں کے عقد کی بنا پر مسلم الیہ کے ذمے ہوتی ہے، اس لئے ایک شریک صلح کر کے اس کو ختم نہیں کر سکتا ہے

ترجمہ : ۵ اور اگر یہ صلح جائز کر دیں تو جو کچھ قبضہ کیا ہے شریک اس میں شریک ہوگا، اور جب اس میں شریک ہوگا تو اب صلح کرنے والا مسلم الیہ کے پاس جائے گا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا اس کے حق میں سلم ختم ہونے کے بعد پھر لوٹ آئے گی

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے دوسری دلیل ہے۔ کہ اگر یہ صلح جائز قرار دیں، تو اس میں دوسرا شریک عمر بھی شریک ہوگا، اس کے بعد زید اور عمر دونوں خالد مسلم الیہ کے پاس باقی رقم لینے جائیں گے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ زید کے حق میں صلح کی وجہ سے بیع سلم ختم ہوگئی تھی، لیکن پھر اس کے حق میں بیع سلم لوٹ آئی، جو ٹھیک نہیں ہے، اس لئے زید کے لئے یہ صلح جائز قرار نہ دی جائے۔

ترجمہ : ٦ علماء نے فرمایا کہ یہ اختلاف کی صورتیں اس وقت ہیں کہ جب کہ دونوں نے راس المال کو خلط ملط کر دیا ہو پھر مبیع خریدی ہو، اور اگر خلط ملط نہ کیا ہو تو پہلی دلیل کی صورت میں اسی اختلاف پر ہوگا، اور دوسری دلیل کی صورت میں اتفاق پر مسئلہ بنے گا

تشریح : پہلی دلیل کا مطلب ہے قسمۃ الدین فی الذمہ، یعنی اگر دونوں نے اپنے راس المال کو خلط ملط نہ بھی کیا ہو تب بھی مبیع السلم پر قبضہ نہ ہونے کو تقسیم کرنا لازم آئے گا۔ اور دوسری دلیل کا مطلب یہ ہے کہ شریک مقبوض میں شریک ہو، یہ صورت اس لئے نہیں ہوگی، کیونکہ دونوں کے راس المال الگ الگ ہیں، اس لئے بالاتفاق جائز ہو جائے گی۔

فصل فی التخارج

ترجمہ : (٩١٣) اگر ترکہ کچھ ورثہ کے درمیان ہو، پس انہوں نے ان میں سے ایک کو کچھ مال دیکر ترکہ سے نکالا، اور ترکہ زمین ہے یا سامان ہے تو جائز ہے، جو کچھ دیا وہ کم ہو یا زیادہ۔

صَالَحَ تَمَاضُرَ الْأَشْجَعِيَّةَ امْرَأَةَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ رُبُعِ ثَمَنِهَا عَلَى ثَمَانِينَ أَلْفِ دِينَارٍ.

(٩١٤) قَالَ (وَإِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ فِضَّةً فَأَعْطَوْهُ ذَهَبًا أَوْ كَانَ ذَهَبًا فَأَعْطَوْهُ فِضَّةً فَكَذَلِكَ) لِ لِأَنَّهُ بَيْعُ الْجِنْسِ بِخِلَافِ الْجِنْسِ فَلَا يُعْتَبَرُ التَّسَاوِي وَيُعْتَبَرُ التَّقَابُضُ فِي الْمَجْلِسِ لِأَنَّهُ صَرْفٌ.

ترجمہ: لِ اس لئے کہ اس صلح کی تصحیح اس طرح کی جاسکتی ہے کہ وہ بیع ہے۔ اور اس بارے میں حضرت عثمانؓ کا عمل ہے کہ انہوں نے تماضر اشجعیہ، جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی بیوی تھی ان سے چوتھائی قیمت پر صلح کی تھی، جو اسی ہزار دینار تھے

تشریح: ایک آدمی کا انتقال ہوا اس کے بہت سے ورثہ تھے۔ لیکن ان میں سے ایک نے کچھ نقد لے کر اپنی وراثت کا حصہ چھوڑ دیا اور صلح کر لی، تو کچھ لے کر اپنا حصہ چھوڑ دینا جائز ہے۔ پھر ترکہ میں زمین ہو یا سامان ہو اور جس پر صلح ہوئی وہ نقد ہو تو یہ نقد وراثت کے حصہ سے کم ہو یا زیادہ ہو دونوں جائز ہیں۔

وجہ: (١) چونکہ وراثت کا حصہ اور صلح کا نقد ایک جنس نہیں ہیں اس لئے کم زیادہ سے سود اور ربوا نہیں ہوگا۔ اس لئے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ (٢) کچھ لے کر ترکہ چھوڑ دینے پر صلح کو تخارج کہتے ہیں۔ صاحب ہدایہ کی دلیل یہ عمل صحابی ہے کہ عبد الرحمٰن بن عوفؓ کی بیوی نے اپنی وراثت کو چھوڑا اور اسی ہزار درہم پر صلح کی۔ **عن عمر بن ابی سلمة عن ابیه قال صالحت امرأة عبد الرحمن من نصیبها ربع الثمن علی ثمانین الفا** (سنن للبیہقی، باب صلح المعاوضة وانہ بمنزلة البیع یجوز فیہ ما یجوز فی البیع الخ، ج سادس، ص ١٠٧، نمبر ١١٣٥٥ / مصنف عبدالرزاق، باب المرأة تصالح علی ثمنها ج ثامن ص ٢٨٩، نمبر ١٥٢٥٦) اس عمل صحابی میں حضرت عبدالرحمٰن کی چار بیویاں تھیں جس کی وجہ سے ایک بیوی کو پوری وراثت میں آٹھویں حصے کی چوتھائی یعنی بتیسواں حصہ ملا، اور خود وراثت میں سے تخارج کر کے اسی ہزار پر صلح کی۔ (٣) اس قول صحابی میں بھی ہے۔ **وقال ابن عباس لا بأس ان یتخارج الشریکان فیأخذ هذا دینا وهذا عینا فان توی لاحدهما لم یرجع علی صاحبه** (بخاری شریف، باب الصلح بین الغرماء واصحاب المیراث والمجازفة فی ذلک، ص ٣٧٤، نمبر ٢٧٠٩) اس اثر میں ہے کہ کچھ لے کر تخارج کر سکتا ہے

لغت: عقار: زمین۔ التخارج: خروج سے مشتق ہے، نکل جانا، یہاں مراد ہے کہ کچھ رقم لیکر وراثت کو باقی ورثہ کے لئے چھوڑ دینا، اور خود اس سے نکل جانا

ترجمہ: (٩١٤) اور اگر ترکہ چاندی ہے اور اس کو سونا دیا، اور سونا ہے اور اس کو چاندی دیا تو وہ ایسا ہی ہے یعنی جائز ہے۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ ایک جنس کو خلاف جنس سے بیچنا ہے اس لئے برابر ہونا ضروری نہیں ہے، لیکن مجلس میں قبضہ ضروری ہے، کیونکہ یہ بیع صرف ہے

تشریح: ترکہ میں چاندی ہے اور تخارج کرنے والے اور نکلنے والے کو سونا دے کر صلح کر لی۔ یا ترکہ میں سونا ہے اور چاندی دے کر تخارج کیا تو جائز ہے۔

وجہ: ترکہ میں چاندی ہے اور سونا دے کر تخارج کیا تو کم وبیش ہو تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ دو جنس ہوں تو

۲؎ غَيْرَ أَنَّ الَّذِي فِي يَدِهِ بَقِيَّةُ التَّرِكَةِ إِنْ كَانَ جَاحِدًا يَكْتَفِي بِذَلِكَ الْقَبْضِ لِأَنَّهُ قَبْضُ ضَمَانٍ فَيَنُوبُ عَنْ قَبْضِ الصُّلْحِ وَإِنْ كَانَ مُقِرًّا لَا بُدَّ مِنْ تَجْدِيدِ الْقَبْضِ لِأَنَّهُ قَبْضُ أَمَانَةٍ فَلَا يَنُوبُ عَنْ قَبْضِ الصُّلْحِ.

(۹۱۵) (وَإِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ ذَهَبًا وَفِضَّةً وَغَيْرَ ذَلِكَ فَصَالَحُوهُ عَلَى فِضَّةٍ أَوْ ذَهَبٍ فَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ مَا أَعْطَوْهُ أَكْثَرَ مِنْ نَصِيبِهِ مِنْ ذَلِكَ الْجِنْسِ حَتَّى يَكُونَ نَصِيبُهُ بِمِثْلِهِ وَالزِّيَادَةُ لِحَقِّهِ مِنْ بَقِيَّةِ التَّرِكَةِ) ۱؎ احْتِرَازًا عَنِ الرِّبَا، وَلَا بُدَّ مِنَ التَّقَابُضِ فِيمَا يُقَابِلُ نَصِيبَهُ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ لِأَنَّهُ

کمی بیشی سے سود لازم نہیں آتا ہے۔اس لئے جائز ہو گیا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دو جنس ہوں تو کمی بیشی سے سود لازم نہیں آئے گا۔

ترجمہ: ۲؎ یہ اور بات ہے کہ باقی وراثت جس کے قبضے میں ہے، اگر وہ قبضے کا انکار کرتا ہے تو یہی قبضہ کافی ہو جائے گا (نیا قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے) اس لئے کہ یہ ضمان کا قبضہ ہے، اس لئے صلح کے قبضے سے کافی ہو جائے گا، اور اگر قبضے کا اقرار کرنے والا ہے تو نیا قبضہ ضروری ہے اس لئے کہ یہ امانت کا قبضہ تھا، اس لئے یہ صلح کے قبضے کے لئے کافی نہیں ہوگا

اصول: انکار کا قبضہ ہو تو یہ صلح کے قبضے کے لئے کافی ہوگا۔اور اقرار کا قبضہ ہو تو یہ صلح کا قبضہ نہیں ہے، اس لئے نیا قبضہ کرنا ہوگا

تشریح: وراثت میں درہم تھا اور کچھ درہم دیکر صلح ہوئی تھی، تو یہ بیع صرف ہے، پس جس کے پاس وراثت کا مال ہے اگر وہ اس قبضے کا انکار کرتا ہے تو اس پر ضمان لازم ہے، اس لئے یہی قبضہ صلح کے قبضے کے لئے کافی ہے دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں۔اور اگر اقرار کرتا ہے کہ ہاں میرے پاس وراثت کا مال ہے، تو اس کا قبضہ امانت کا قبضہ ہے، اور یہ قبضہ صلح کے قبضے کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے دوبارہ قبضہ کرنا ہوگا

ترجمہ: (۹۱۵) اور اگر ترکہ سونا اور چاندی ہیں اور اس کے علاوہ ہے، پس سونے پر یا چاندی پر صلح کی تو ضروری ہے کہ جو کچھ دیا وہ زیادہ ہو اس کے اس جنس کے حصے سے تاکہ اس کا حصہ اس کے برابر ہو جائے اور جو زیادہ ہو وہ اس کے میراث سے باقی حق کے مقابلے میں ہو جائے

ترجمہ: ۱؎ سود سے بچنے کے لئے، اور جتنا سونا اور چاندی ہے اس پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ اس مقدار میں یہ بیع صرف ہے

تشریح: اس کو مثال سے سمجھیں۔مثلا جو آدمی میراث کے حصے سے نکلنا چاہتا ہے اس کا حصہ چاندی میں سے پانچ سو درہم، سونے میں بیس دینار اور جائیداد میں سے پانچ گائیں ملنے والے ہیں۔اب وہ چاندی لے کر اپنے حصے پر صلح کرنا چاہتا ہے تو چاندی پانچ سو درہم سے زیادہ ہونی چاہئے تاکہ پانچ سو چاندی اس کے پانچ سو درہم کے برابر ہو جائے جو اس کو وراثت میں ملنے والے ہیں اور جو زیادہ چاندی ہو وہ بیس دینار اور پانچ گایوں کے مقابلے میں ہو جائیں۔اور دینار پر صلح کرنا ہو تو بیس دینار سے زیادہ ہونے چاہئیں۔تاکہ اس کو جو وراثت میں سے بیس دینار ملنے والے ہیں اس کے برابر بیس دینار ہو جائیں اور

صَرْفٌ فِي هَذَا الْقَدْرِ، ٢ وَلَوْ كَانَ بَدَلَ الصُّلْحِ عَرَضًا جَازَ مُطْلَقًا لِعَدَمِ الرِّبَا،

(٩١٦) وَلَوْ كَانَ فِي التَّرِكَةِ الدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيرُ وَبَدَلُ الصُّلْحِ دَرَاهِمُ وَدَنَانِيرُ أَيْضًا جَازَ الصُّلْحُ. ١ كَيْفَمَا كَانَ صَرْفًا لِلْجِنْسِ إِلَى خِلَافِ الْجِنْسِ كَمَا فِي الْبَيْعِ لَكِنْ يُشْتَرَطُ التَّقَابُضُ لِلصَّرْفِ.

(٩١٧) قَالَ (وَإِنْ كَانَ فِي التَّرِكَةِ دَيْنٌ عَلَى النَّاسِ فَأَدْخَلُوهُ فِي الصُّلْحِ عَلَى أَنْ يُخْرِجُوا الْمُصَالِحَ عَنْهُ وَيَكُونَ الدَّيْنُ لَهُمْ فَالصُّلْحُ بَاطِلٌ). ١ لِأَنَّ فِيهِ تَمْلِيكَ الدَّيْنِ مِنْ غَيْرِ مَنْ عَلَيْهِ وَهُوَ حِصَّةُ الْمُصَالِحِ.

جوزیادہ ہوں وہ پانچ سو درہم اور گایوں کے مقابلے میں ہو جائیں۔بیس دینار سے کم پر صلح جائز نہیں

وجہ: تاکہ پانچ سو چاندی پانچ سو چاندی کے برابر ہو جائے، اور بیس دینار بیس دینار کے برابر ہو جائیں۔اور ایک جنس ہونے کی وجہ سے سود لازم نہ آئے۔اور جتنی مقدار چاندی ہے اس پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ بیع صرف کی شکل ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک جنس ہو تو برابری ضروری ہے تاکہ سود لازم نہ ہو۔اس لئے اس کے حصے سے زیادہ پر صلح کرنا ضروری ہے۔

ترجمہ: ٢ اور اگر بدل صلح سامان ہو تو مطلقا جائز ہے، کیونکہ اس میں سود نہیں ہے

تشریح: مثلا وراثت میں درہم، دینار ہیں اور گیہوں کے بدلے صلح ہوئی تو کم زیادہ بھی دے سکتا ہے، اور مجلس میں قبضہ کرنا بھی ضروری نہیں ہے، کیونکہ یہ بیع صرف نہیں ہے

ترجمہ: (٩١٦) اگر وراثت میں درہم اور دینار ہیں، اور بدل میں بھی درہم اور دینار ہیں تو کم بیش کر کے صلح کرے تب بھی جائز ہے

ترجمہ: ١ جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرتے ہوئے، جیسے بیع میں ہوتا ہے، لیکن مجلس میں قبضہ کرنا ضروری

تشریح: مثلا وراثت میں ایک سو دینار ہیں اور ایک سو درہم ہیں، اب نوے درہم اور نوے دینار پر صلح کی تو یہ جائز ہے لیکن چونکہ یہ بھی بیع صرف ہے اس لئے مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے

وجہ: نوے درہم کو سو دینار کے بدلے میں کیا جائے گا، اور نوے دینار کو سو درہم کے بدلے کیا جائے گا، اور چونکہ خلاف جنس بیع ہوئی ہے، اس لئے کمی بیشی کر کے بیچنا جائز ہے۔درہم کو درہم کے مقابلے نہیں کریں گے، یا دینار کو دینار کے بدلے میں نہیں کریں ورنہ سود لازم آئے گا، اور صلح صحیح نہیں ہوگی

ترجمہ: (٩١٧) اگر ترکہ میں لوگوں پر دین ہو، پس وارثین نے اس کو صلح میں داخل کر لیا اس شرط پر کہ صلح کرنے والے کو دین سے نکال دیں اور دین باقی وارثین کے لئے ہو تو صلح باطل ہے۔

ترجمہ: ١ جس پر دین نہیں ہے اس کو دین کا مالک بنانا ہے، حالانکہ وہ صلح کرنے والے کا حصہ ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے، قرض جب تک کہ وصول نہیں ہوا ہے، اس کو کسی کو مالک نہیں بنا سکتے

تشریح: اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ایک قاعدہ سمجھنا ضروری ہے۔وہ یہ ہے کہ قرض کا مالک اس کو بنا سکتے ہیں جس پر قرض

(٩٨١)(وَإِنْ شَرَطُوا أَنْ يَبْرَأَ الْغُرَمَاءُ مِنْهُ وَلَا يَرْجِعُ عَلَيْهِمْ بِنَصِيبِ الْمُصَالِحِ فَالصُّلْحُ جَائِزٌ) ١ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ اَوْهُوَ تَمْلِيكُ الدَّيْنِ مِمَّنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ وَهُوَ جَائِزٌ، وَهَذِهِ حِيلَةُ الْجَوَازِ، ٢ وَأُخْرَى أَنْ يُعَجِّلُوا

ہے یعنی مقروض کو۔کسی دوسرے کو قرض کا مالک نہیں بنا سکتے ہیں۔اور مقروض کو قرض کا مالک بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قرض معاف کردیں۔

صورت مسئلہ: مثلا زید کا انتقال ہوا اور اس نے پانچ لڑکے چھوڑے۔اور زید کا خالد پر پانچ سو درہم قرض ہیں۔اور کچھ جائداد ہے جسکو لڑکوں کے درمیان تقسیم کرنا ہے۔اب پانچوں لڑکوں میں سے ایک عمر وراثت سے نکلنا چاہتا ہے اور کچھ روپیوں پر صلح کرنا چاہتا ہے۔اور دین کی ذمہ داری بھی باقی بھائیوں پر دے دینا چاہتا ہے کہ دین کے بدلے مجھے کچھ دے دو اور میرے حق کا ایک سو درہم دین بھی خالد سے تم لوگ ہی وصول کرتے رہو۔تو فرماتے ہیں کہ دین کے بدلے میں کچھ لے لے۔اور دین وصول کرنے کا مالک بھی باقی چار بھائیوں کو بنا دینا جائز نہیں ہے۔

وجہ : (١) پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ دین کا مالک صرف مقروض کو بنا سکتا ہے کسی اور کو نہیں بنا سکتا۔اس لئے دین کے بدلے میں عین لے کر دین کا مالک وارثین کو بنانا جائز نہیں ہوگا۔(٢) دین کے مالک نہ بنانے کی وجہ یہ ہے کہ عین شیء کا مالک بنایا جاتا ہے دین کا نہیں، وہ تو صرف ایک وعدہ ہے۔

ترجمہ:(٩١٨) پس اگر ورثہ نے شرط لگائی کہ قرض لینے والے اس سے بری ہو جائیں گے اور ورثہ اس سے وصول نہیں کریں گے صلح کرنے والے کے حصے کو تو جائز ہے۔

ترجمہ:١ اس لئے کہ یہ تو مقروض کو معاف کرنا ہے، اور اس میں جس پر قرض ہے اسی کو مالک بنانا ہے، اور یہ صلح کے جائز ہونے کا ایک حیلہ ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس پر دین تھا اسی کو دین کا مالک بنا دیا یعنی معاف کر دیا تو جائز ہوگا۔

تشریح : نکلنے والے اور تخارج کرنے والے وارث نے یوں کہا کہ دین میں سے جو میرا حصہ ہوگا میں اس کو قرض والوں سے معاف کرتا ہوں۔میرا وہ حصہ باقی ورثہ بھی قرضداروں سے وصول نہیں کریں گے۔اس شرط پر جو جائداد حاضر ہے اس کے بدلے میں صلح کیا تو جائز ہے۔

وجہ : (١) یہاں جس پر قرض تھا اسی کو قرض کا مالک بنایا یعنی معاف کیا اس لئے یہ جائز ہو گیا۔(٢) اس حدیث میں ہے۔وهب الحسن بن علی علیهما السلام دینه لرجل وقال النبی ﷺ من کان له علیه حق فلیعطه او لیتحلله منه وقال جابر قتل ابی وعلیه دین فسأل النبی غرماءه ان یقبلوا ثمر حائطی ویحللوا ابی (بخاری شریف، باب اذا وهب دینا علی رجل، ص ٣٥٤، نمبر ٢٦٠١) اس حدیث میں دین معاف کرنے کا تذکرہ ہے جو جائز ہے۔

ترجمہ:٢ دوسرا حیلہ یہ ہے۔جتنے وارثین ہیں وہ صلح کرنے والے کو مفت میں اس کے حصے کی رقم دے دے۔لیکن ان

قَضَاءَ نَصِيبِهِ مُتَبَرِّعِينَ، وَفِي الْوَجْهَيْنِ ضَرَرٌ بِبَقِيَّةِ الْوَرَثَةِ . ٣ وَالْأَوْجَهُ أَنْ يُقْرِضُوا الْمُصَالِحَ مِقْدَارَ نَصِيبِهِ وَيُصَالِحُوا عَمَّا وَرَاءَ الدَّيْنِ .وَيُحِيلُهُمْ عَلَى اسْتِيفَاءِ نَصِيبِهِ مِنَ الْغُرَمَاءِ، ٤ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ فِي التَّرِكَةِ دَيْنٌ، وَأَعْيَانُهَا غَيْرُ مَعْلُومَةٍ، وَالصُّلْحُ عَلَى الْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ، قِيلَ: لَا يَجُوزُ لِاحْتِمَالِ الرِّبَا،

دونوں صورتوں میں ورثاء کا نقصان ہے

تشریح: صلح درست کرنے کے لئے دوسرا حیلہ یہ ہے کہ، مثلا زید نے صلح کی، اور وارثین میں دوسرے چار آدمی ہیں، اور عمر پر ایک ہزار قرض ہے تو زید کا قرض میں جو دوسو درہم حصہ ہوتا ہے، یہ دوسو درہم چاروں ورثاء زید کو مفت دے دیں، اور باقی چاروں ورثاء عمر سے پورا قرض ایک ہزار وصول کریں، یہ صورت جائز ہوگی، کیونکہ زید کو قرض کا مالک نہیں بنایا ہے۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں ورثاء کو نقصان ہوگا، کیونکہ ان کی جیب سے پیسہ گیا ہے

ترجمہ: ۳ بہتر حیلہ یہ ہے کہ وارثین صلح کرنے والے کو اس کے حصے کے برابر قرض دے دیں، اور قرض کے اس حصے کو چھوڑ کر صلح کرلیں، اور صلح کرنے والا باقی ورثاء کو کہے کہ تم سب مقروض سے میرا حصہ بھی وصول کرلو

تشریح: مثلا زید نے صلح کی، اور وارثین میں دوسرے چار آدمی ہیں، اور عمر پر ایک ہزار قرض ہے تو زید کا قرض میں جو دو سو درہم حصہ ہوتا ہے، یہ دوسو درہم چاروں ورثاء زید کو قرض دے دیں، اور زید اپنے ان دوسو درہم کو چھوڑ کر صلح کرلے، اور باقی چار ورثہ کو یہ کہے کہ تم سب عمر سے میرا حصہ بھی وصول کرلو۔ تو یہ صورت جائز ہے، اور باقی ورثہ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا

لغت: وراء الدین۔ قرض کے اس حصے کو چھوڑ کر صلح کرے۔ **یحیلھم**: حیلہ سے مشتق ہے، حوالہ کر دے کہ تم میرا حصہ بھی مقروض سے وصول کرلو۔ الغرماء: قرض لینے والے۔

ترجمہ: ۴ اگر وراثت میں کوئی قرض نہیں ہے، اور جو عین چیز ہے وہ کیا کیا چیزیں ہیں اور کتنی ہیں وہ معلوم نہیں ہے، اور کیلی اور وزنی چیز پر صلح کی تو جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں سود کا احتمال ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جائز ہے اس لئے اس صورت میں شبہۃ الشبہ ہے

تشریح: مثلا وراثت میں قرض نہیں صرف کیلی ہے، یعنی گیہوں، چاول ہے، اور وزنی چیز ہے، یعنی لوہا پیتل ہے، درہم دینار نہیں ہے، لیکن گیہوں کی مقدار کیا ہے، یا پیتل کی مقدار کیا ہے یہ معلوم نہیں ہے، اور گیہوں پر صلح کی تو یہ جائز نہیں ہے،

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ مثلا گیہوں سو کیلو ہے اور صلح نوے کیلو گیہوں پر صلح کی گیہوں کے بدلے میں گیہوں ہے اور کم بیش ہے اس لئے یہ سود ہے اس لئے یہ جائز نہیں ہے

اور جن حضرات نے فرمایا کہ یہ صلح جائز ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جب یہ پتہ ہی نہیں ہے کہ گیہوں کی مقدار کیا، یا پیتل کی مقدار کیا ہے تو یہ ممکن ہے کہ جتنا گیہوں ہے اس سے زیادہ دیکر صلح کی ہو تو اس میں سود کا احتمال نہیں ہے، بلکہ سود کے شبہ کا شبہ ہے، اور اس کی گنجائش ہے

وَقِیلَ: یَجُوزُ؛ لِأَنَّهُ شُبْهَةُ الشُّبْهَةِ، ۵ وَلَوْ کَانَتِ التَّرِکَةُ غَیْرَ الْمَکِیلِ وَالْمَوْزُونِ لَکِنَّهَا أَعْیَانٌ غَیْرُ مَعْلُومَةٍ قِیلَ: لَا یَجُوزُ لِکَوْنِهِ بَیْعًا إِذِ الْمُصَالَحُ عَنْهُ عَیْنٌ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ یَجُوزُ لِأَنَّهَا لَا تُفْضِی إِلَی الْمُنَازَعَةِ لِقِیَامِ الْمُصَالَحِ عَنْهُ فِی یَدِ الْبَقِیَّةِ مِنَ الْوَرَثَةِ، ٦ وَإِنْ کَانَ عَلَی الْمَیِّتِ دَیْنٌ مُسْتَغْرِقٌ لَا یَجُوزُ الصُّلْحُ وَلَا الْقِسْمَةُ لِأَنَّ التَّرِکَةَ لَمْ یَتَمَلَّکْهَا الْوَارِثُ، ۷ وَإِنْ لَمْ یَکُنْ مُسْتَغْرِقًا لَا یَنْبَغِی أَنْ یُصَالِحُوا مَا لَمْ یَقْضُوا دَیْنَهُ فَتُقَدَّمَ حَاجَةُ الْمَیِّتِ، وَلَوْ فَعَلُوا قَالُوا یَجُوزُ. وَذَکَرَ الْکَرْخِیُّ فِی الْقِسْمَةِ أَنَّهَا لَا تَجُوزُ

لغت : دین: قرض۔ ثمن: درہم، اور دینار۔ عین: پیتل، لوہا، گیہوں، چاول کو عین کہتے ہیں۔ کیلی: جو چیز کیل میں ڈال کر وزن کی جاتی ہو، جیسے چاول، گیہوں وغیرہ۔ وزنی: جو چیز وزن کر کے بیچی جاتی ہو جیسے پیتل، لوہا۔

ترجمہ : ۵ اور اگر وراثت میں کیلی اور وزنی چیز کے علاوہ ہو عین ہو یعنی دین نہ ہو اور اس کی مقدار معلوم نہ ہو تو کہا کہ صلح جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ بیع ہے اور جس چیز پر صلح ہوئی ہے وہ بھی عین ہے (تو سود ہونے کا خطرہ ہے) لیکن صحیح بات یہ ہے کہ صلح جائز ہے اس لئے کہ جھگڑے تک پہنچانے والی نہیں ہے، کیونکہ جس چیز پر صلح ہوئی ہے وہ باقی ورثہ کے قبضے میں ہی ہے

تشریح : مثلا وراثت میں عین چیز ہے، لیکن قرض نہیں ہے اور کیلی اور وزنی چیز نہیں ہے، مثلا عددی چیز ہے، اب اس پر صلح کی تو کچھ حضرات نے فرمایا کہ یہ صلح جائز نہیں ہے

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ ورثاء کے پاس عین ہے، اور جس پر صلح ہو رہی وہ بھی عین ہے، اس لئے یہ بیع ہوئی، اور بیع میں مبیع کا معلوم ہونا ضروری ہے اور یہاں مبیع مجہول ہے اس لئے یہ بیع فاسد ہے اس لئے یہ صلح جائز نہیں ہے

اور جن حضرات نے کہا کہ یہ صلح جائز ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ مبیع مجہول ہے اس لئے بیع تو فاسد ہے، لیکن اس مبیع کے مجہول ہونے سے جھگڑے تک پہنچانے والی نہیں ہے

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ جو مبیع دینی تھی وہ ورثاء ہی کے ہاتھ میں تھی اور اسی کے ہاتھ میں رہے گی، اس لئے اس بیع میں جھگڑے تک پہنچانے والی نہیں ہے، اس لئے یہ صلح جائز ہوگی

ترجمہ : ٦ اور اگر میت پر اتنا قرض ہو کہ پوری وراثت کو گھیرے ہوئے ہو تو صلح جائز نہیں ہے، اور وراثت کو تقسیم کرنا بھی جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وراث اس مال کا مالک ہی نہیں ہے

وجہ : میت کا پہلے قرضہ ادا کیا جائے گا، اور میت کا پورا مال قرضہ میں چلا گیا اس لئے میت کا مال نہ تقسیم ہوگا، اور نہ اس پر کسی کی صلح ہوگی۔

ترجمہ : ۷ اور اگر میت کے قرض نے پوری وراثت نہیں گھیری تب بھی مناسب نہیں ہے کہ صلح کرے جب تک کہ قرض ادا نہ کر دی جائے، کیونکہ میت کا حق مقدم ہے، اور اگر صلح کر ہی دی تو کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ صلح جائز ہے، اور حضرت کرخیؒ نے کتاب القسمۃ میں فرمایا کہ استحسانا جائز نہیں ہے، اور قیاسا جائز ہے

اسْتِحْسَانًا وَتَجُوزُ قِيَاسًا

تشریح : مثلا میت نے ایک ہزار درہم وراثت چھوڑی، اور نوسو درہم اس پر قرض ہیں، اور ایک سو درہم باقی ہیں، تو مناسب یہی ہے کہ صلح نہ کرے، لیکن اگر صلح کر ہی لی تو کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ صلح جائز ہے، کیونکہ کچھ درہم تو باقی ہیں۔ اور کرخیؒ فرماتے ہیں کہ استحسانا تو جائز نہیں ہے، کیونکہ پہلے قرض ادا کرنا چاہئے۔ اور قیاسا جائز ہے، کیونکہ کچھ درہم تو باقی ہے۔

﴿كِتَابُ الْمُضَارَبَةِ﴾

لے الْـمُـضَـارَبَةُ مُشْتَـقَّةٌ مِنَ الضَّرْبِ فِي الْأَرْضِ؛ سُمِّيَ بِهَا؛ لِأَنَّ الْمُضَارِبَ يَسْتَحِقُّ الرِّبْحَ بِسَعْيِهِ وَعَـمَـلِـهِ، وَهِـيَ مشـروعة للحاجة إليها، فَإِنَّ النَّاسَ بَيْنَ غَنِيٍّ بِالْمَالِ غَبِيٍّ عَنِ التَّصَرُّفِ فِيهِ، وَبَيْنِ مُهْتَدٍ فِـي التَّـصَـرُّفِ صِـفْـرِ الْيَـدِ عَنْهُ، فَمَسَّتِ الْحَاجَةُ إِلَى شَرْعِ هَذَا النَّوْعِ مِنَ التَّصَرُّفِ لِيَنْتَظِمَ مَـصْـلَحَةُ الْغَبِيِّ وَالذَّكِيِّ وَالْفَقِيرِ وَالْغَنِيِّ. ٢ وَبُـعِـثَ الـنَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالنَّاسُ يُبَاشِرُونَهُ فَقَرَّرَهُمْ عَلَيْهِ وَتَعَامَلَتْ بِهِ الصَّحَابَةُ، ٣ ثُـمَّ الْـمَدْفُوعُ إِلَى الْمُضَارِبِ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ لِأَنَّهُ قَبَضَهُ بِأَمْرِ مَالِكِهِ لا عَلَى

﴿ كتاب المضاربة ﴾

ترجمہ: لے مضاربت ضرب فی الارض سے مشتق ہے (یعنی زمین میں سفر کرنا)۔ مضاربت کو مضاربت اس لئے کہتے ہیں کہ، مضاربت کرنے والا اپنی کوشش اور اپنے عمل سے نفع کا مستحق ہوتا ہے۔ مضاربت اس لئے جائز ہے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے، کیونکہ بعض آدمی مالدار ہوتے ہیں، لیکن تجارت کرنے کی مہارت نہیں ہوتی، اور بعض آدمی کو تجارت کی مہارت ہوتی ہے، لیکن ہاتھ خالی ہوتا ہے، اس لئے مضاربت کو جائز کرنے کی ضرورت پڑی تا کہ غبی اور سمجھدار، اور فقیر اور مالدار کی مصلحت پوری ہو جائے

تشریح: واضح ہے

لغت: ضرب: کا ترجمہ ہے سفر کرنا، مارنا، یہاں مراد ہے زمین میں سفر کرنا۔ مہتد: ہدایت سے مشتق ہے، ہدایت یافتہ۔ صفر الید: جس کا ہاتھ خالی ہو۔ الذکی: ذہین۔

ترجمہ: ٢ حضور ﷺ کو مبعوث کیا اس زمانے میں لوگ مضاربت کا معاملہ کر رہے تھے، تو آپ نے اس کو برقرار رکھا، اور صحابہ نے بھی یہ معاملہ کئے ہیں

وجہ: (١) ان ابـن عمر كان يكون عنده مال اليتيم فيزكيه و يعطيه مضاربة (سنن بیہقی، کتاب القراض، ج ٦، ص ١٨٦، نمبر ١١٦٠٨ ر مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی مال الیتیم یدفع مضاربۃ، ج ٤، ص ٣٩٠، نمبر ٢١٣٦٨) اس عمل صحابی میں ہے کہ وہ مضاربت کیا کرتے تھے۔ (٢) اس تجارت کا ثبوت اس حدیث سے ہے۔ عـن عـروة يـعـنـى ابـن الجعد البارقى قال اعطاه النبى ﷺ دينارا يشترى به اضحية او شاة فاشترى شاتين فباع احداهما بدينار فاتاه بشـاة و ديـنـار فـدعـا لـه بالبركة فى بيعه فكان لو اشترى ترابا لربح فيه (ابو داؤد شریف، باب فی المضارب یخالف، ص ١٢٤، نمبر ٣٣٨٤) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مضاربت کی تجارت کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ٣ پھر مضارب کو جو مال دیا جائے گا وہ اس کے ہاتھ میں امانت ہوگا، اس لئے کہ مالک کے حکم سے قبضہ کیا ہے، اور بدل کے طریقے پر بھی نہیں ہے اور وثیقہ کے طور پر بھی نہیں ہے، اور مضارب مال کے بارے میں وکیل ہے، کیونکہ مالک

وَجْـهِ الْبَدَلِ وَالْوَثِيقَةِ، وَهُوَ وَكِيلٌ فِيهِ لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ فِيهِ بِأَمْرِ مَالِكِهِ، ٤ وَإِذَا رَبِحَ فَهُوَ شَرِيكٌ فِيهِ لِتَمَلُّكِهِ جُزْءًا مِنَ الْمَالِ بِعَمَلِهِ، ٥ فَإِذَا فَسَدَتْ ظَهَرَتِ الْإِجَارَةُ حَتَّى اسْتَوْجَبَ الْعَامِلُ أَجْرَ مِثْلِهِ، وَإِذَا خَالَفَ كَانَ غَاصِبًا لِوُجُودِ التَّعَدِّي مِنْهُ عَلَى مَالِ غَيْرِهِ .

(٩١٩) قَالَ (الْمُضَارَبَةُ عَقْدٌ يَقَعُ عَلَى الشَّرِكَةِ بِمَالٍ مِنْ أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ) ١ وَمُرَادُهُ الشَّرِكَةُ فِي الرِّبْحِ وَهُوَ يُسْتَحَقُّ بِالْمَالِ مِنْ أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ (وَالْعَمَلِ مِنَ الْجَانِبِ الْآخَرِ) وَلَا مُضَارَبَةَ بِدُونِهَا؛

کے حکم سے تصرف کررہا ہے

تشریح : بھاؤ تاؤ کرنے کے لئے کوئی آدمی مبیع لے جاتا ہے تو یہ ثمن اور قیمت کے بدلے میں لیجاتا ہے، اور رہن کے بدلے میں کوئی آدمی اپنی چیز راہن کے پاس رکھتا ہے تو یہ اعتماد دلانے کے لئے اور وثیقہ کے طور پر ہوتا ہے، لیکن مضاربت کا مال ان دونوں میں کوئی بھی نہیں ہے، اس لئے مضاربت کا مال امانت کے طور پر ہے۔ عن الحسن قال المضارب موتمن و ان خالف ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی المضاربۃ والعاریۃ والودیۃ، ج ۴، ص ۳۹۷، نمبر ۲۱۴۵۳) اس قول تابعی میں ہے کہ مضارب امین ہوتا ہے

ترجمہ: ٤ مضارب جو نفع کمائے گا اس میں وہ شریک ہوگا کیونکہ کام کرنے کی وجہ سے مال کے ایک ٹکڑے کا مالک بن رہا ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ : ٥ اگر مضاربت فاسد ہو جائے تو اب یہ اجرت کا معاملہ ہو جائے گا، اس لئے کام کرنے والے کو اجرت مثل ملے گی۔ اور اگر مضارب نے شرط کی مخالفت کی تو غاصب ہو جائے گا، کیونکہ غیر کے مال میں تعدی کر دی ہے

تشریح: مضاربت کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو یہ اجرت کا معاملہ ہوگا، اب جو کام کرے گا اس میں بازار میں اس کام کی جو اجرت ہوگی وہ ملے گی۔ اور اگر مضاربت کی شرط کی مخالفت کی تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس نے مال کو غصب کیا، اور اب اس پر غصب کے احکام جاری ہوں گے

ترجمہ: (٩١٩) مضاربت شرکت کا عقد ہے نفع میں شریکین میں سے ایک کے مال اور دوسرے کے عمل کے ساتھ۔

ترجمہ : ١ متن کی مراد ہے نفع میں شریک ہے، اور اس میں ایک جانب سے مال ہے، اور دوسری جانب سے کام ہے، اور اس کے بغیر مضاربت نہیں ہوگی

تشریح : مضاربت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کی جانب سے مال ہو اور دوسرے کی جانب سے کام اور عمل ہو اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔

وجہ : (١) اوپر کی حدیث اس کا ثبوت ہے (٢) اس قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ قال خرج عبد الله وعبيد الله ابنا عمر بن الخطاب فى جيش الى العراق فلما قفلا مرا على ابى موسى الاشعرى وهو امير البصرة

٢ أَلَا تَرَى أَنَّ الرِّبْحَ لَوْ شُرِطَ كُلُّهُ لِرَبِّ الْمَالِ كَانَ بِضَاعَةً، وَلَوْ شُرِطَ جَمِيعُهُ لِلْمُضَارِبِ كَانَ قَرْضًا.
(٩٢٠) قَالَ (وَلَا تَصِحُّ إِلَّا بِالْمَالِ الَّذِي تَصِحُّ بِهِ الشَّرِكَةُ) ١ وَقَدْ تَقَدَّمَ بَيَانُهُ مِنْ قَبْلُ، ٢ وَلَوْ دَفَعَ

فرحب بهما وسهل ثم قال لو اقدر لكما على امر انفعكما به لفعلت ثم قال بلى ههنا مال من مال الله اريد ان ابعث به الى امير المؤمنين فاسلفكماه فتبتاعان به متاعا من متاع العراق ثم تبيعانه بالمدينة فتؤديان رأس المال الى امير المؤمنين فيكون لكما الربح فقال وددنا ففعل (موطاامام مالک، کتاب القراض ماجاء فی القراض، ص ٦١٧ / دارقطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ٥٣، نمبر ٣٠١٣) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ مضاربت جائز ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک جانب سے مال ہو اور دوسری جانب سے عمل ہو۔

ترجمہ: ٢ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ اگر یہ شرط ہو کہ پورا نفع مال والے کا ہو جائے تو اس کو، بضاعت، کہتے ہیں، اور اگر تمام نفع مضارب کے لئے ہو تو اس کو، قرض، کہتے ہیں

تشریح : اگر یہ شرط ہو کہ پورا نفع مال والے کا ہے تو اس، بضاعت، کہتے ہیں، یعنی پورا نفع مال والے کا ہے، اور کام کرنے والے کو اس کی اجرت مل جائے گی، نفع میں وہ شریک نہیں ہوگا۔ اور اگر پورا نفع مضارب کا ہو تو یہ قرض ہو گیا کہ آدمی قرض لیکر اپنی تجارت کر رہا ہے، اور پورا نفع خود کما رہا ہے، اس لئے مضاربت کی شرط یہ ہے کہ نفع میں مال والا بھی شریک ہوگا، اور کام کرنے والا بھی شریک ہوگا

لغت : رب المال: مضاربت میں جس کا مال ہے، اس کو، رب المال، کہتے ہیں۔ رأس المال: جس مال سے مضاربت کرے گا، اس کو، رأس المال، کہتے ہیں۔ مضارب: جو آدمی مضاربت میں کام کرے گا، تجارت کرے گا اس کو، مضارب، کہتے ہیں۔ ربح: مضاربت میں جو نفع ہوگا اس کو ربح، کہتے ہیں

ترجمہ: (٩٢٠) جن مالوں میں شرکت ہو سکتی ہے انہیں مالوں میں مضاربت ہوگی

ترجمہ: ١ پہلے کتاب الشرکت کے بیان میں اس کا ذکر ہو چکا ہے

تشریح : کتاب الشرکت میں بیان کیا کہ درہم، دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ شرکت صحیح ہے۔ سامان کے ذریعہ نہیں۔ اسی طرح مضاربت بھی درہم، دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ صحیح ہے، سامان کے ذریعہ نہیں۔

وجہ : (١) اس قول تابعی میں ہے کہ درہم اور دینار میں ہی مضاربت ہو۔ عن ابراهيم انه كره البز مضاربة يقول لا، الا الذهب والفضة، قال سفيان ونحن نقول له اجر مثله اذا اعطاه العروض مضاربة (مصنف عبدالرزاق، باب المضاربة بالعروض ج ثامن ص ٢٥٠ نمبر ١٥٠٩٥ / مصنف ابن ابی شیبة، باب فی البز یدفع مضاربة، ج ٤، ص ٤٨٣، نمبر ٢٢٣٤٦) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ سامان کے ذریعہ مضاربت صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ : ٢ اور اگر مضارب کو سامان دیا (گیہوں، چاول وغیرہ) اور کہا کہ اس کو بیچو اور اس کے بعد اس کی قیمت میں

إِلَيْـهِ عَـرْضًـا وَقَـالَ بِـعْـهُ وَاعْـمَـلْ مُـضَارَبَةً فِي ثَمَنِهِ جَازَ لَهُ لِأَنَّهُ يَقْبَلُ الْإِضَافَةَ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ تَوْكِيلٌ وَإِجَارَةٌ فَلَا مَانِعَ مِنَ الصِّحَّةِ، ۳ وَكَذَا إِذَا قَالَ لَهُ اقْبِضْ مَا لِي عَلَى فُلَانٍ وَاعْمَلْ بِهِ مُضَارَبَةً جَازَ لِمَا قُلْنَا، ۴ بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ اعْمَلْ بِالدَّيْنِ الَّذِي فِي ذِمَّتِكَ حَيْثُ لَا يَصِحُّ الْمُضَارَبَةُ؛ لِأَنَّ

مضاربت کروتو مضاربت جائز ہو جائے گی ، اس لئے کہ مضاربت اضافت کو قبول کرتی ہے، اور اس کی شکل یہ ہوگی کہ مال والے نے مضارب کو پہلے وکیل بنایا، اور اجرت پر کام کروایا (پھر مضاربت کی) تو اس کے صحیح ہونے میں کوئی مانع نہیں ہے

تشریح : اگر مال والے نے مضارب کو درہم ، یا دینار ، یا سکہ رائج الوقت نہیں دیا، بلکہ گیہوں ، چاول وغیرہ سامان دیا، اور یوں کہا کہ پہلے میرے اس گیہوں ، چاول کو میرے وکیل ہونے کی حیثیت سے بیچو، پھر جب اس کی قیمت میں درہم ، یا دینار ، یا سکہ رائج الوقت آجائے جو درہم ، دینار ، یا سکہ رائج الوقت میرے ہیں، پھر اس درہم ، یا دینار میں مضاربت کرو، تو یہ جائز ہو جائے گا

وجه :(۱) یہاں دو معاملے ہیں۔ ایک ہے پہلے مال والے کی جانب سے سامان بیچنے کا وکیل ہوا۔ اور بیچنے کے بعد جب درہم ، یا دینار آیا، اور یہ درہم ، اور دینار بھی مال والے کا ہی ہے، تو اب مضارب نے اس میں تجارت شروع کی ، تو یہ مضاربت درست ہوگی۔ (۲) البتہ سامان بیچنے کے بعد اس کی قیمت میں مضاربت شروع ہوگی اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن حماد فی رجل دفع الی رجل مالا مضاربة فقوم المتاع الف درهم ثم باعه بتسع مائة قال رأس المال تسع مائة** (مصنف ابن ابی شیبة ۱۹۹ فی الرجل یدفع الی الرجل الشیء مضاربة ، ج رابع ،ص ۴۱۳ ، نمبر ۲۱۵۷۱) اس تابعی کے قول میں ہے کہ سامان نوسو میں فروخت ہوا تو نوسو درہم مضاربت کا رأس المال ٹھہرا اور وہاں سے مضاربت شروع ہوئی۔ (۳)۔ **عن حماد فی الرجل یعطی البز مضاربة ، قال اصل قراضهما علی الذی با ع به العروض** ۔ (مصنف عبد الرزاق ، باب المضاربة بالعروض ، ج ۸ ، ص ۲۵۰ ، نمبر ۱۵۰۹۶)

لغت : یقبل الاضافة : یہ ایک منطقی جملہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مضاربت کے معاملے سے پہلے مضارب کو سامان بیچنے کا وکیل بنائے تو یہ قبول کرتا ہے۔ اور رقم ہاتھ میں آجانے کے بعد اس رقم میں مضاربت شروع ہوگی۔ تو ایک ساتھ یہ دو معاملے کرنا جائز ہے۔

ترجمه : ۳ ایسے ہی اگر مضارب سے کہا کہ فلاں پر میرا مال قرض ہے اس کو قبضہ کرواور اس کے بعد مضاربت کروتو بھی جائز ہے، اس دلیل کی بنا پر جو میں پہلے کہا

تشریح : اس صورت میں یہ ہے کہ سامان مضارب کو نہیں دیا، لیکن دوسرے پر درہم قرض ہے، اس کو قبضہ کرنے کا پہلے وکیل بنایا، اور جب مضارب کے ہاتھ میں مال والے کی رقم آگئی اس کے بعد مضاربت شروع ہوئی ، تو یہاں بھی دو معاملے ہیں، پہلے وکیل بن کر رقم وصول کرنا ، اس کے بعد مضاربت شروع ہوگی، اس لئے جائز ہوگی

ترجمه : ۴ بخلاف اگر کہا کہ تیرے ذمے جو میرا قرض ہے اس میں مضاربت کر تو مضاربت صحیح نہیں ہوگی ، اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ وکیل بنانا صحیح نہیں ہے، جیسا کہ باب الوکالة بالبیع میں گزرا ہے

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَؒ لَا يَصِحُّ هَذَا التَّوْكِيلُ عَلَى مَا مَرَّ فِي الْبُيُوعِ .۵؎ وَعِنْدَهُمَا يَصِحُّ لَكِنْ يَقَعُ الْمِلْكُ فِي الْمُشْتَرِي لِلْآمِرِ فَتَصِيرُ مُضَارَبَةً بِالْعَرَضِ .

(۹۲۱) قَالَ (وَمِنْ شَرْطِهَا أَنْ يَكُونَ الرِّبْحُ بَيْنَهُمَا مُشَاعًا لَا يَسْتَحِقُّ أَحَدُهُمَا دَرَاهِمَ مُسَمَّاةً) مِنَ الرِّبْحِ .۱؎ لِأَنَّ شَرْطَ ذَلِكَ يَقْطَعُ الشَّرِكَةَ بَيْنَهُمَا وَلَا بُدَّ مِنْهَا كَمَا فِي عَقْدِ الشَّرِكَةِ.

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کے ذمے قرض ہو اسی کو قرض کو وصول کرنے کا وکیل بنانا صحیح نہیں ہے

تشریح: زید کا ایک ہزار درہم عمر پر قرض تھا، زید نے کہا میرا جو قرض ہے اسی میں مضاربت کر تو یہ مضاربت صحیح نہیں ہوگی

وجہ: یہاں عمر پر قرض تھا اور اسی کو اس قرض کو وصول کرنے کا وکیل بنایا، یہ درست نہیں ہے، کیونکہ جس پر قرض ہو اسی کو اس کے وصول کرنے کا وکیل بنانا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک درست نہیں ہے

ترجمہ:۵؎ اور صاحبینؒ کے نزدیک صحیح ہے لیکن خریدی ہوئی چیز مال والے کی ہوگی، اور مضاربت سامان میں ہوگی

تشریح: صاحبینؒ کے نزدیک یہ مضاربت صحیح ہوگی، اور صورت یہ ہوگی، جب مضارب اپنے اوپر کے قرض سے مال خریدے گا تو یہ سامان مال والے کا ہوگا، اور سامان سے مضاربت شروع ہوگی، اور یوں کہا جائے گا کہ درہم، دینار سے ہی نہیں سامان دیگر بھی مضاربت کی جا سکتی ہے

وجہ: اس قول تابعی میں ہے کہ ایک مرتبہ سامان میں بھی مضاربت کی گنجائش ہے۔ ان ابن سیرین رخص ان یعمل بالبز مضاربة مرة واحدة فاذا عمل به كان الربح بينهما (مصنف عبد الرزاق، باب المضاربۃ بالعروض، ج ۸، ص ۲۵۰، نمبر ۱۵۰۹۸)

لغت: العروض: سامان۔

ترجمہ: (۹۲۱) اور مضاربت کی شرط میں سے یہ ہے کہ نفع دونوں کے درمیان مشترک ہو۔ ان دونوں میں سے ایک متعین درہم کا مستحق نہ ہو

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ اس شرط کی وجہ سے دونوں کے درمیان شرکت ختم ہو جائے گی حالانکہ دونوں کے درمیان نفع میں شرکت ضروری ہے، جیسا کہ عقد شرکت میں ہوتا ہے

تشریح: جو کچھ نفع ہو اس میں سے شرط کے مطابق دونوں کا نفع ہو، ایسا نہ ہو کہ مثلا نفع میں سے پچاس درہم ایک شریک کو پہلے دے دیا جائے باقی جو بچے اس میں سے دونوں تقسیم کریں، ایسی شرط نہ ہو۔

وجہ: (۱) ممکن ہے کہ صرف پچاس درہم ہی نفع ہو تو وہ ایک کو مل جائیں گے اور دوسرے شریک کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس لئے ایسی شرط فاسد ہے (۲)۔ سمعت حماد يقول لا يحل الربح لواحد منهما، والضمان على من تعدى (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدى، ج ۸، ص ۲۵۳، نمبر ۱۵۱۱۱) اس قول تابعی میں ہے کہ کسی ایک کے لئے نفع خاص کرنا صحیح

(٩٢٢)قَالَ (فَإِنْ شَرَطَ زِيَادَةَ عَشَرَةٍ فَلَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ) ١ لِفَسَادِهِ فَلَعَلَّهُ لا يَرْبَحُ إِلَّا هَذَا الْقَدْرَ فَيَقْطَعُ الشَّرِكَةُ فِي الرِّبْحِ، وَهَذَا لِأَنَّهُ ابْتَغَى عَنْ مَنَافِعِهِ عِوَضًا وَلَمْ يَنَلْ لِفَسَادِهِ، ٢ وَالرِّبْحُ لِرَبِّ الْمَالِ لِأَنَّهُ نِمَاءُ مِلْكِهِ، وَهَذَا هُوَ الْحُكْمُ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ لَمْ تَصِحِّ الْمُضَارَبَةُ . ٣ وَلا تُجَاوِزُ بِالْأَجْرِ الْقَدْرَ

نہیں ہے(٣)اس قول تابعی میں ہے عن قتادة فی رجل قال له ابیعک ثمر حائطی بمائة دینار الا خمسین فرقا فکرهه (مصنف عبدالرزاق، باب بیع الثمر ویشترط منها کیلا، ج ثامن، ص ٦١ ٢، نمبر ١٥١٤٨)اس قول تابعی میں بھی متعین چیز کومستثنے کرنے کومکروہ سمجھا ہے۔اس لئے نفع میں سے متعین درہم کومستثنی کرنے سے مضاربت صحیح نہیں ہوگی۔

ترجمہ:(٩٢٢) اوراگردس درہم زیادہ کی شرط لگائی تو (مضاربت فاسد ہوگئی)اس لئے اس کومثلی اجرت ملے گی

ترجمہ:١ کیونکہ مضاربت فاسد ہوگئی، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اتنا ہی نفع ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ مضارب نے اپنے نفع کا بدلہ لینا چاہا، اور مضاربت فاسد ہونے کی وجہ سے اس کو یہ نفع نہیں ملا۔

تشریح: اگر یہ شرط لگائی کہ مثلا دس درہم پہلے ایک فریق کو ملے تو اس صورت میں مضاربت فاسد ہو جائے گی، کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ دس درہم ہی نفع ہوا ہو تو یہ ایک آدمی کو ملے گا اور دوسرے فریق کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اب مضاربت کے فاسد ہونے کی وجہ سے مضارب کومثلی اجرت ملے گی

لغت: اجر مثلہ: اتنا کام کرنے کا بازار میں جو اجرت ملتی ہے اس کو، اجر مثل، کہتے ہیں

ترجمہ:٢ اور نفع مال والے کا ہوگا اس لئے کہ اسی کے مال کا ثمرہ ہے، اور یہی حکم ہے ہر وہ جگہ جہاں مضاربت صحیح نہیں ہوئی ہو

تشریح: جہاں جہاں مضاربت فاسد ہو جائے اس کا حکم یہی دو باتیں ہیں ا۔ پہلی بات۔ پورا نفع مال والے کا ہوگا۔ اور ٢۔ دوسری بات کہ، مضارب کومثلی اجرت ملے گی

ترجمہ:٣ لیکن یہ مثلی اجرت مضاربت میں جتنی شرط تھی اس سے زیادہ نہ ہو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، خلاف امام محمدؒ کے جیسا کہ ہم نے کتاب الشرکت میں بیان کیا ہے

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر مضاربت صحیح ہوتی تو اس کام کا جتنا نفع مضارب کو مل سکتا تھا، مثلی اجرت اس سے زیادہ نہ ہو، اس کے قریب ہو، یا اس سے کم ہو۔ اور امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ مضاربت صحیحہ میں جتنا نفع مضارب کو مل سکتا تھا مثلی اجرت اس سے زیادہ ہو جائے تو زیادہ بھی دی جا سکتی ہے

وجہ: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل تو مضاربت ہی ہے، اس لئے اس کی روشنی میں مثلی اجرت طے ہوگی۔ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مضاربت تو بالکل ہی ختم ہوگئی ہے، اس لئے مثلی اجرت جتنی ہو سکتی ہے ہونے دیں

الْمَشْرُوطِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ كَمَا بَيَّنَّا فِي الشَّرِكَةِ، ۴ وَيَجِبُ الْأَجْرُ وَإِنْ لَمْ يَرْبَحْ فِي رِوَايَةِ الْأَصْلِ لِأَنَّ أَجْرَ الْأَجِيرِ يَجِبُ بِتَسْلِيمِ الْمَنَافِعِ أَوِ الْعَمَلِ وَقَدْ وُجِدَ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَجِبُ اعْتِبَارًا بِالْمُضَارَبَةِ الصَّحِيحَةِ مَعَ أَنَّهَا فَوْقَهَا، ۵ وَالْمَالُ فِي الْمُضَارَبَةِ الْفَاسِدَةِ غَيْرُ مَضْمُونٍ بِالْهَلَاكِ اعْتِبَارًا بِالصَّحِيحَةِ، وَلِأَنَّهُ عَيْنٌ مُسْتَأْجَرَةٌ فِي يَدِهِ، ۶ وَكُلُّ شَرْطٍ يُوجِبُ

ترجمہ: ۴ اصل مبسوط کی روایت یہ ہے کہ چاہے نفع نہ ہوا ہو تب بھی اجرت ہوگی، اس لئے کہ نفع سپرد کر دے، یا کام سپرد کر دے دونوں صورتوں میں اجرت ہوتی ہے، اور وہ پایا گیا ہے، اور امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ اجرت واجب نہیں ہوگی، مضاربت صحیحہ پر قیاس کرتے ہوئے، حالانکہ مضاربت اس سے اعلی ہے

تشریح: نفع نہ ہوا ہو اور مضاربت فاسد ہو جائے تب بھی مبسوط کی روایت یہ ہے کہ مضارب کو اجرت ملے گی

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ کام کر کے دے تب بھی اجرت ملتی ہے، یا نفع سپرد کر دے تب بھی اجرت ملتی ہے، یہاں کام بھی کیا ہے اور نفع بھی مال والے کو سپرد کیا ہے، اس لئے مضارب کو اجرت ملنی چاہئے۔

لیکن امام ابو یوسفؒ کی ایک رائے یہ ہے کہ مضارب کو اجرت نہیں ملے، اس کی وجہ یہ ہے نفع نہ ہوا تو صحیح مضاربت ہوتی تب بھی مضارب کو کوئی نفع نہیں ملتا تو مضاربت فاسدہ میں کیا ملے گا، وہ تو اور خراب ہے، اس لئے مضاربت فاسدہ میں اجرت نہیں ملے گی

ترجمہ: ۵ مال ہلاک ہو جائے تو مضاربت فاسدہ میں ضمان لازم نہیں ہوگا مضاربت صحیحہ پر قیاس کرتے ہوئے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مضارب کے ہاتھ اجرت کا مال ہے

تشریح: مضاربت فاسد ہوگئی تو مضارب کے ہاتھ میں جو مال ہے وہ امانت کا مال ہے، اس لئے ہلاک ہو جائے تو مضارب پر اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا

وجہ: (۱) صحیح مضاربت ہوتی تو ہلاک ہونے پر ضمان لازم نہیں ہوتا ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے مضاربت فاسدہ میں بھی ضمان لازم نہیں ہوگا۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مضاربت فاسد ہونے کے بعد مضارب کے ہاتھ میں یہ مال اجرت کے طور پر ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ اجرت کے طور پر مستاجر کے ہاتھ میں مال ہو تو وہ مال امانت کے طور پر ہوتا ہے، اور ہلاک ہونے پر ضمان لازم نہیں ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی ضمان لازم نہیں ہوگا

ترجمہ: ۶ ہر وہ شرط جس میں نفع کی جہالت ہو اس سے مضاربت فاسد ہو جاتی ہے اس لئے کہ جو مقصد تھا (دونوں کو نفع ملنا) اس میں خلل ہو گیا، اس کے علاوہ جو فاسد شرطیں ہوں اس سے مضاربت فاسد نہیں ہوگی، بلکہ شرط ہی ختم ہو جائے گی، جیسے گھٹتی کی شرط مضارب پر لگائی جائے

تشریح: یہاں ایک قاعدہ کلیہ بتا رہے ہیں، کہ جن جن شرطوں سے نفع کی تقسیم میں خلل واقع ہو اس سے مضاربت فاسد ہو جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ مضاربت کا مقصد ہی تھا دونوں کو مناسب نفع ملے، اور وہی مقصد پورا نہیں ہوا تو مضاربت فاسد

جَهَالَةً فِي الرِّبْحِ يُفْسِدُهُ لِاخْتِلَالِ مَقْصُودِهِ، وَغَيْرَ ذَلِكَ مِنَ الشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ لَا يُفْسِدُهَا، وَيَبْطُلُ الشَّرْطُ كَاشْتِرَاطِ الْوَضِيعَةِ عَلَى الْمُضَارِبِ.

(٩٢٣) قَالَ (وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْمَالُ مُسَلَّمًا إِلَى الْمُضَارِبِ وَلَا يَدَ لِرَبِّ الْمَالِ فِيهِ) لِ لِأَنَّ الْمَالَ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّسْلِيمِ إِلَيْهِ، وَهَذَا بِخِلَافِ الشَّرِكَةِ لِأَنَّ الْمَالَ فِي الْمُضَارَبَةِ مِنْ أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ وَالْعَمَلَ مِنَ الْجَانِبِ الْآخَرِ، فَلَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَخْلُصَ الْمَالُ لِلْعَامِلِ لِيَتَمَكَّنَ مِنَ التَّصَرُّفِ فِيهِ .٢ أَمَّا الْعَمَلُ فِي الشَّرِكَةِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فَلَوْ شَرَطَ خُلُوصَ الْيَدِ لِأَحَدِهِمَا لَمْ تَنْعَقِدِ الشَّرِكَةُ،

ہو جائے گی۔ لیکن اگر ایسی شرط لگائے جس سے نفع تو ٹھیک رہے، لیکن کسی ایک فریق کا ذاتی نقصان ہو تو اس سے خود شرط ہی بیکار ہو جائے گی، اور مضاربت باقی رہے گی۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں جیسے مال والے نے یہ شرط لگا دی کہ مال میں نقصان ہوگا یا کوئی کمی آئے گی تو اس کی بھرپائی مضارب کے مال سے کی جائے گی، تو اس شرط سے مضارب کا نقصان ہے، لیکن نفع کی تقسیم میں کوئی خرابی نہیں ہے، اس لئے یہ شرط خود ختم ہو جائے گی، لیکن مضاربت باقی رہے گی

لغت::الوضیعۃ: وضع سے مشتق ہے، نقصان ہونا۔

ترجمہ:(٩٢٣) اور یہ ضروری ہے کہ مضارب کو مال سپرد کر دیا جائے، اور مال والے کا اس میں کوئی دخل نہ ہو۔

ترجمہ:١ اس لئے کہ مال مضارب کے ہاتھ میں امانت ہے، اس لئے اس کو سپرد کرنا ضروری ہے، اور یہ شرکت کے خلاف ہے، اس لئے کہ مضاربت میں ایک جانب سے مال ہے اور دوسری جانب سے کام ہے، اس لئے ضروری ہے کام کرنے والے کو مال سپرد کر دیا جائے تو اس میں تصرف کر سکے

تشریح: مضاربت کی شرط میں سے یہ ہے کہ مال مضارب کو مکمل طور پر سپرد کر دے تا کہ وہ تجارت کر سکے اور اس پر مال والے کا کوئی قبضہ نہ ہو۔

وجہ: (١) اگر مال والے کا قبضہ ہوگا تو مضارب اپنی مرضی سے تجارت نہیں کر سکے گا اور کما حقہ نفع نہیں کما سکے گا۔ اس لئے مضارب کو مکمل طور پر مال سپرد کرنا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ہو کہ صاحب مال کا اس پر قبضہ نہ رہے (٢) اس حدیث میں حضور ﷺ نے دینار سپرد کیا۔ عن عروة يعنى ابن الجعد البارقى قال اعطاه النبى ﷺ دينارا يشترى به اضحية او شاة . (ابوداؤد شریف، باب فی المضارب یخالف، ص ١٢٤، نمبر ٣٣٨٤)

ترجمہ:٢ اور شرکت میں دونوں فریق کام کرتے ہیں اس لئے ایک کے قبضے میں دینے کی شرط ہو شرکت نہیں ہوگی

تشریح: عقد شرکت میں دونوں شریک کام کرتے ہیں اس لئے ایک کے ہاتھ میں رقم دینے کی شرط ہو کام میں شرکت نہیں ہوگی، اس لئے شرکت میں ایک کو دینے کی شرط غلط ہے، لیکن مضاربت میں ایک ہی آدمی کام کرتا ہے، اس لئے اس کے ہاتھ میں رقم دینا ضروری ہے۔

۳ وَشَرْطُ الْعَمَلِ عَلَى رَبِّ الْمَالِ مُفْسِدٌ لِلْعَقْدِ لِأَنَّهُ يَمْنَعُ خُلُوصَ يَدِ الْمُضَارِبِ فَلَا يَتَمَكَّنُ مِنَ التَّصَرُّفِ فَلَا يَتَحَقَّقُ الْمَقْصُودُ سَوَاءٌ كَانَ الْمَالِكُ عَاقِدًا أَوْ غَيْرَ عَاقِدٍ كَالصَّغِيرِ لِأَنَّ يَدَ الْمَالِكِ ثَابِتٌ لَهُ، وَبَقَاءُ يَدِهِ يَمْنَعُ التَّسْلِيمَ إِلَى الْمُضَارِبِ، ۴ وَكَذَا أَحَدُ الْمُتَفَاوِضَيْنِ وَأَحَدُ شَرِيكَيِ

ترجمہ: ۳ اگر مال والا بھی اس میں مضاربت کی شرط لگائے تو مضاربت کو فاسد کرنے والی ہے، اس لئے کہ اس سے مضارب کو رأس المال پر قبضہ نہیں ملے گا، اس لئے کہ وہ تصرف نہیں کر پائے گا، اس لئے مقصود حاصل نہیں ہوگا، چاہے مالک عقد کرنے والا، (مثلا بالغ ہے) یا عقد کرنے والا نہ ہو، مثلا بچہ ہے، اس لئے کہ مالک کا قبضہ ثابت ہے، اور مالک کا قبضہ مضارب کو سپرد کرنے سے مانع ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مضارب کے قبضہ میں مال مکمل جائے تب ہی مضاربت صحیح ہوگی، اور اگر مکمل اس کے قبضے میں نہیں گیا، مالک کا بھی کچھ قبضہ رہ گیا تو مضاربت صحیح نہیں ہوگی

تشریح: اگر مال والے نے بھی مضاربت میں کام کرنے کی شرط لگادی تو مضاربت فاسد ہو جائے گی، چاہے وہ مال والا عقد کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسے عاقل بالغ آدمی ہو، یا عقد کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، جیسے مال والا بچہ ہو

وجہ: اگر مال والے کو کام کرنے کی شرط ہو تو کچھ دخل مال والے کا بھی مال پر ہوگا تو پورے طور پر مضارب کو مال نہیں دیا گیا، اور وہ پورے طور پر کام نہیں کر سکے گا، اس لئے یہ عقد مضاربت فاسد ہو جائے گا

ترجمہ: ۴ ایسے ہی شرکت مفاوضہ میں سے ایک نے، یا شرکت عنان میں سے ایک نے مال مضاربت پر دیا، اور اپنے ساتھی کے کام کرنے کی شرط لگادی (تو مضاربت صحیح نہیں ہوگی) اس لئے کہ ساتھی کی ملکیت اس مال میں ہے، اگر چہ اس نے مال مضاربت سپرد نہیں کیا ہے

لغت: شرکت مفاوضہ: مفاوضہ کا معنی ہے سپرد کر دینا۔ دو آدمی برابر برابر مال جمع کریں، اور دونوں ایک دوسرے کا وکیل بھی ہوں اور کفیل بھی ہوں، یعنی جو کچھ ایک شریک خریدے گا تو دوسرا اس کا وکیل بھی ہوگا اور کفیل بھی ہوگا اس کو شرکت مفاوضہ، کہتے ہیں۔ شرکت عنان: عنان کا ترجمہ ہے روکنا، یعنی ایک دوسرے کو کفیل بننے سے روکنا۔ دو آدمی شرکت میں کام کریں، لیکن دونوں ایک دوسرے کے وکیل تو ہوں، لیکن کفیل نہ ہوں تو اس کو شرکت عنان، کہتے ہیں۔ عاقدا: یہاں عاقدا کا ترجمہ ہے کہ خود اس نے مال مضارب کو سپرد نہیں کیا ہے۔

اصول: خود مال مضارب کو نہ دیا ہو، بلکہ اس کے ساتھی نے مال دیا ہو، لیکن جو آدمی مضارب کے ساتھ کام کرے گا وہ اس مال کا کچھ نہ کچھ مالک ہے تب بھی مضاربت صحیح نہیں ہوگی

تشریح: زید اور عمر شرکت مفاوضہ میں، یا شرکت عنان میں کام کر رہے تھے، زید نے شرکت کا کچھ مال خالد کو مضاربت پر دیا، اور یہ شرط لگائی کہ اس میں عمر بھی کام کرے گا، تو مضاربت صحیح نہیں ہے

الْعَنَانِ إِذَا دَفَعَ الْمَالَ مُضَارَبَةً وَشَرَطَ عَمَلَ صَاحِبِهِ لِقِيَامِ الْمِلْكِ لَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ عَاقِدًا، ۵ وَاشْتِرَاطُ الْعَمَلِ عَلَى الْعَاقِدِ مَعَ الْمُضَارِبِ وَهُوَ غَيْرُ مَالِكٍ يُفْسِدُهُ إِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الْمُضَارَبَةِ فِيهِ كَالْمَأْذُونِ، ٦ بِخِلَافِ الْأَبِ وَالْوَصِيِّ لِأَنَّهُمَا مِنْ أَهْلِ أَنْ يَأْخُذَا مَالَ الصَّغِيرِ مُضَارَبَةً بِأَنْفُسِهِمَا فَكَذَا اشْتِرَاطُهُ عَلَيْهِمَا بِجُزْءٍ مِنَ الْمَالِ.

(۹۲۴) قَالَ (وَإِذَا صَحَّتِ الْمُضَارَبَةُ مُطْلَقَةً جَازَ لِلْمُضَارِبِ أَنْ يَبِيعَ وَيَشْتَرِيَ وَيُوَكِّلَ وَيُسَافِرَ وَيُبْضِعَ

وجه: عمر نے خالد کو مال نہیں دیا ہے، لیکن عمر اس مال کا آدھا مالک ہے، اس لئے خالد کھل کر کام نہیں کر سکے گا، اور گویا کہ پورے طور پر اس کو مال سپرد نہیں کیا، اس لئے کہ مضاربت فاسد ہوگی

ترجمہ: ۵ یا مضارب کے ساتھ عقد کرنے والے کے کام کرنے کی شرط لگائی اگر چہ وہ مال کا مالک نہیں ہے تو اگر وہ اس مال میں مضاربت کرنے کا اہل نہیں ہے تو بھی مضاربت فاسد ہوگی، جیسے ماذون التجارت غلام

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے، زید ساجد کا غلام ہے اس کو تجارت کرنے کی اجازت ہے، اب زید نے عمر کو مضاربت پر مال دیا اور یہ شرط لگائی کہ میں بھی اس میں کام کروں گا، تو یہ مضاربت فاسد ہوگی

وجہ: (۱) یہ مال زید کا نہیں ہے، بلکہ اس کے مالک ساجد کا ہے، لیکن زید کا پورا تصرف اس مال پر ہے، اس لئے پورا تصرف ہونے کی وجہ سے مضاربت میں شریک ہوگا تو عمر مضارب کو پورے طور پر سپرد کرنا نہیں پایا جائے گا، اس لئے یہ مضاربت صحیح نہیں ہوگی۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ خود زید کو یہ اجازت نہیں ہے کہ اس مال میں مضاربت کرے، اور اس کا آدھا نفع خود لے، اور آدھا نفع اپنے مالک ساجد کو دے، بلکہ پورا نفع بھی ساجد کا ہے، اور پورا مال بھی حقیقت میں ساجد ہی کا ہے، اس لئے بھی اس عبد ماذون کے کام کرنے کی شرط لگانا مضاربت کو فاسد کرتی ہے۔ صاحب ہدایہ نے اسی نکتے کو یہاں لکھا ہے

ترجمہ: ٦ بخلاف باپ اور وصی کے (کام میں ان کی شرط سے مضاربت فاسد نہیں ہوگی) اس لئے کہ یہ دونوں خود بچے کا مال مضاربت کے طور پر لے سکتے ہیں اسی طرح مال کے کچھ حصے میں کام کرنے کی شرط لگانے سے مضاربت فاسد نہیں ہوگی

تشریح: چھوٹا بچہ ہے اس کا باپ ہے یا وصی ہے، یہ دونوں بچے کے مال کی نگرانی کرتے ہیں۔ یہ مال ان دونوں کا نہیں ہوتا، بلکہ چھوٹے بچے کا مال ہوتا ہے۔ لیکن ان دونوں کو یہ حق ہے کہ بچے کے مال کو لیکر اس میں خود مضاربت کریں۔ اب مثلا باپ نے بچے کے مال کو عمر کو مضاربت پر دیا، اور یہ شرط لگائی کہ میں بھی اس میں کام کروں گا، تو اس شرط سے مضاربت فاسد نہیں ہوگی

وجہ: (۱) یہ مال خود ان کا نہیں ہے، اور نہ اس میں تصرف کر سکتا ہے، صرف نگرانی کر سکتا ہے، اس لئے اس کام میں شریک ہونے سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ مضارب کو پورے طور پر مال سپرد نہیں کیا، اس لئے مضاربت درست رہے گی (۲) یہ جب اس مال میں خود مضاربت کر سکتے ہیں تو دوسرے مضارب کے ساتھ بھی کام کر سکتے ہیں۔ اس سے مضاربت فاسد نہیں ہوگی

ترجمہ: (۹۲۴) پس جب مضاربت مطلق صحیح ہو جائے تو مضارب کے لئے جائز ہے کہ خریدے اور بیچے اور سفر کرے اور بضاعت پر دے اور امانت پر دے۔

وَيُودِعَ) ١ لِإِطْلَاقِ الْعَقْدِ وَالْمَقْصُودُ مِنْهُ الِاسْتِرْبَاحُ وَلَا يَتَحَصَّلُ إِلَّا بِالتِّجَارَةِ، فَيَنْتَظِمُ الْعَقْدُ صُنُوفَ التِّجَارَةِ وَمَا هُوَ مِنْ صَنِيعِ التُّجَّارِ، وَالتَّوْكِيلُ مِنْ صَنِيعِهِمْ، وَكَذَا الْإِبْضَاعُ وَالْإِيدَاعُ وَالْمُسَافَرَةُ؛ ٢ أَلَا تَرَى أَنَّ الْمُودِعَ لَهُ أَنْ يُسَافِرَ فَالْمُضَارِبُ أَوْلَى، كَيْفَ وَأَنَّ اللَّفْظَ دَلِيلٌ عَلَيْهِ لِأَنَّهَا مُشْتَقَّةٌ مِنَ الضَّرْبِ فِي الْأَرْضِ وَهُوَ السَّيْرُ. ٣ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ أَنْ يُسَافِرَ. ٤ وَعَنْهُ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ إِنْ دَفَعَ فِي بَلَدِهِ لَيْسَ لَهُ أَنْ يُسَافِرَ بِهِ لِأَنَّهُ تَعْرِيضٌ عَلَى الْهَلَاكِ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ. ٥

ترجمہ: ١ اس لئے کہ مضاربت کا عقد مطلق ہے، اور اس سے مقصود نفع کمانا ہے، اور تجارت کے بغیر نفع حاصل نہیں ہو سکتا ہے، اس لئے مضاربت کا عقد تجارت کی تمام قسموں کو شامل ہوگا، اور تجارت کے اور جتنے کام ہیں ان کو بھی شامل ہوگا، اور وکیل بنانا بھی تجارت کا کام ہے، ایسے ہی امانت پر مال دینا، بضاعت پر دینا، اور سفر کرنا، (یہ سب تجارت کے اسباب ہیں، اور مضارب کو یہ سب کام کرنے کی گنجائش ہوگی)

تشریح: جب مضاربت صحیح ہو جائے اور وہ بھی مطلق ہو، اس میں کسی قسم کی قید نہ ہو تو وہ تمام کام کر سکتا ہے جو تجارت کے لئے مفید ہو اور نفع بخش ہو۔ مثلا اس کے رأس المال سے کوئی چیز خرید سکتا ہے پھر اس کو بیچ سکتا ہے۔ اس مال کو لیکر سفر کر سکتا ہے۔ کیونکہ ضرب کے معنی ہی سفر کرنا ہے۔ اور اس مال کو بضاعت پر دے سکتا ہے۔ بضاعت کا مطلب ہے کہ کسی کو کام کرنے کیلئے مال دے کہ اس پر کچھ مزدوری دے دیں گے۔

وجہ: (١) اس قول صحابی میں ہے۔ ان حکیم بن حزام صاحب رسول الله ﷺ کان یشرط علی الرجل اذا اعطاه مالا مقارضة یضرب له به ان لا تجعل مالی فی کبد رطبة ولا تحملہ فی بحر ولا تنزل به بطن مسیل فان فعلت شیئا من ذلک فقد ضمنت مالی۔ (دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ٥٣، نمبر ٣٠١٤) (٢) اور سنن بیہقی میں اس حدیث میں یہ جملہ زیادہ ہے۔ فرفع شرطه الی رسول الله ﷺ فاجازه (سنن للبیہقی، کتاب القراض، ج سادس، ص ١٨٤، نمبر ١١٦١١) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی شرط لگانا جائز ہے جس سے مال کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔

لغت: الایداع: ودیعت پر رکھنا، امانت پر رکھنا۔ الابضاع: مزدوری پر کام کروانے کو بضاعت، کہتے ہیں

ترجمہ: ٢ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ امانت پر رکھنے والا سفر کر سکتا ہے تو مضارب بدرجہ اولی سفر کر سکتا ہے، اور ایک بات یہ بھی ہے کہ لفظ، ضرب، سفر پر دلیل ہے، کیونکہ یہ ضرب فی الارض سے مشتق ہے، یعنی زمین میں سفر کرنا (اس لئے مضارب مال لیکر سفر کر سکتا ہے)

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ٣ حضرت امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مضارب کو سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے

وجہ: امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مضاربت کے مال کو لیکر ایسا سفر نہیں کر سکتا جس سے مال کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔

ترجمہ: ٤ امام ابو یوسفؒ اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت یہ ہے کہ اگر شہر میں مال دیا ہے تو اس کے لئے یہ اجازت نہیں ہے

وَإِنْ دَفَعَ فِي غَيْرِ بَلَدِهِ لَهُ أَنْ يُسَافِرَ إِلَى بَلَدِهِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُرَادُ فِي الْغَالِبِ، وَالظَّاهِرُ مَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ.
(۹۲۵)قَالَ (وَلَا يُضَارِبُ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ رَبُّ الْمَالِ أَوْ يَقُولَ لَهُ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ) ١ لِأَنَّ الشَّيْءَ لَا يَتَضَمَّنُ مِثْلَهُ لِتَسَاوِيهِمَا فِي الْقُوَّةِ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّنْصِيصِ عَلَيْهِ أَوِ التَّفْوِيضِ الْمُطْلَقِ إِلَيْهِ وَكَانَ كَالتَّوْكِيلِ، فَإِنَّ الْوَكِيلَ لَا يَمْلِكُ أَنْ يُوَكِّلَ غَيْرَهُ فِيمَا وَكَّلَهُ بِهِ إِلَّا إِذَا قِيلَ لَهُ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ، ٢ بِخِلَافِ الْإِيدَاعِ

کہ سفر کرے، کیونکہ بغیر ضرورت کے ہلاکت پڑ ڈالنا ہے

تشریح: عام طور پر شہر ہی میں تجارت ہوتی ہے، دیہات میں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، اس لئے اگر شہر میں مضارب کو مال سپرد کیا تو بلا وجہ سفر کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ سفر میں مال کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے، اس لئے سفر کی گنجائش نہیں ہوگی، ہاں رب المال اس کی اجازت دے تو اب سفر کرسکتا ہے۔

ترجمہ: ۵ اور اگر جس شہر میں مضارب رہتا ہے اس شہر میں مال نہیں دیا تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ مال لیکر اپنے شہر کی طرف سفر کرے، اس لئے کہ غالب مراد یہی ہے، اور متن کا ظاہری مطلب بھی یہی ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: (۹۲۵) اور مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ مال کو مضاربت پر دے مگر یہ کہ مال والا اس کی اجازت دے، یا کہہ دے کہ اپنی رائے کے مطابق عمل کریں۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ چیز اپنے مثل کو شامل نہیں ہوتی، اس لئے قوت میں دونوں برابر ہیں، اس لئے اس کی تصریح کرنی ضروری ہے، یا مضارب کو مطلق سپرد کردے، اور یہ وکیل بنانے کی طرح ہوگیا، اس لئے کہ وکیل کو یہ اختیار نہیں ہے جس چیز کا وہ وکیل ہے اس کا کسی اور کو وکیل بنائے، مگر یہ کہ اس کو کہے کہ اپنی رائے پر عمل کریں۔

اصول: قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کا وہ ذمہ دار بنا ہے وہی ذمہ داری کسی اور کو نہیں دے سکتا، جب تک کہ ذمہ دار بننے والا اس کو اس کا اختیار نہ دے

تشریح: یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ جو عہدہ اس کو سپرد کیا ہے اسی قسم کا عہدہ دوسرے کو اپنے اختیار سے نہیں دے سکتا۔ مثلا مال والے نے اس کو مضارب بنایا ہے تو یہ اپنے اختیار سے اس مال کا کسی کو مضارب نہیں بنا سکتا اور اس مال کو مضاربت پر نہیں دے سکتا۔ ہاں! اس کو مضارب بنانے کا اختیار دیا ہو یا کہا ہو کہ اپنی رائے کے مطابق عمل کیا کریں تو اب اس مال کو دوسرے کو مضاربت پر دے سکتا ہے۔

وجہ: (١) صاحب مال نے مضاربت کے بارے میں مضارب پر اعتماد کیا ہے، کسی دوسرے پر نہیں اس لئے بغیر اختیار دیئے ہوئے دوسرے کو مضاربت پر مال نہیں دے سکتا (٢) مضاربت پر دینا تجارت کے حقوق میں سے نہیں ہے۔ اس لئے اس کے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ترجمہ: ٢ بخلاف امانت پر دینا، اور بضاعت پر دینا، (جائز ہے) اس لئے کہ یہ دونوں مضاربت سے کم ہیں

وَالْإِبْضَاعِ لِأَنَّهُ دُونَهُ فَيَتَضَمَّنُهُ، ٣ وَبِخِلَافِ الْإِقْرَاضِ حَيْثُ لَا يَمْلِكُهُ . وَإِنْ قِيلَ لَهُ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ لِأَنَّ الْمُرَادَ مِنْهُ التَّعْمِيمُ فِيمَا هُوَ مِنْ صَنِيعِ التُّجَّارِ وَلَيْسَ الْإِقْرَاضُ مِنْهُ وَهُوَ تَبَرُّعٌ كَالْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ فَلَا يَحْصُلُ بِهِ الْغَرَضُ وَهُوَ الرِّبْحُ لِأَنَّهُ لَا تَجُوزُ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِ، ٤ أَمَّا الدَّفْعُ مُضَارَبَةً فَمِنْ صَنِيعِهِمْ، وَكَذَا الشَّرِكَةُ وَالْخَلْطُ بِمَالِ نَفْسِهِ فَيَدْخُلُ تَحْتَ هَذَا الْقَوْلِ.

(٩٢٦)قَالَ (وَإِنْ خَصَّ لَهُ رَبُّ الْمَالِ التَّصَرُّفَ فِي بَلَدٍ بِعَيْنِهِ أَوْ فِي سِلْعَةٍ بِعَيْنِهَا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَتَجَاوَزَهَا) ١ لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ. وَفِي التَّخْصِيصِ فَائِدَةٌ فَيَتَخَصَّصُ،

تشریح :مضارب رأس المال کوامانت پر دے سکتا ہے،اور مزدوری پر کام کرواسکتا ہے، کیونکہ یہ دونوں تجارتیں مضاربت سے کم ہیں اس لئے مالک اس کی اجازت نہ بھی دے تب بھی مضارب اس کے کرنے کا اختیار رکھتا ہے

ترجمہ : ٣ بخلاف مضارب قرض دینے کا مالک نہیں ہوگا، چاہے مالک نے کہا ہو کہ اپنی رائے پر عمل کرلیں، اس لئے کہ اس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تجارت کی جتنی قسمیں ہیں ان میں اپنی رائے پر عمل کریں، اور قرض دینا تجارت میں نہیں ہے، وہ تو احسان کرنا ہے، جیسے ہبہ کرنا اور صدقہ کرنا ہے (مضارب اس کے کرنے کا اختیار نہیں رکھتا) اس لئے کہ نفع جو غرض ہے وہ حاصل نہیں ہوگا اس لئے اس سے زیادہ جائز نہیں ہے،

تشریح : رأس المال کو قرض دینا یہ ہبہ اور صدقہ کی طرح احسان کرنا ہے، یہ تجارت ہرگز نہیں ہے، اس لئے مالک مضارب سے یوں کہے کہ اپنی رائے پر عمل کرلیں تب بھی قرض دینے کا اختیار نہیں ہوگا

ترجمہ :٤ بہرحال مضاربت پر دینا یہ تجارت کے کام میں سے ہے، جیسے شرکت پر دینا، اور اپنے مال کے ساتھ ملا دینا تو وہ اس قول میں داخل ہیں

تشریح: یہ تین چیزیں تجارت میں سے ہیں اس لئے مالک نے مضارب سے یوں کہا کہ اپنی رائے پر عمل کرلیں تو اس کو یہ تین چیزیں کرنے کا اختیار ہوگا۔ مضاربت پر دینے کا، شرکت پر دینے کا، اور اپنے مال کے ساتھ راس المال کو ملا لینے کا، کیونکہ اپنے مال کے ساتھ ملا لینے سے ایک جگہ سے دوسری جگہ تک مال لیجانے میں آسانی ہوتی ہے

ترجمہ :(٩٢٦) اگر مال والے نے تصرف کرنا کسی متعین شہر میں خاص کیا یا متعین سامان میں خاص کیا تو مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس سے تجاوز کرے۔

ترجمہ:١ اس لئے کہ عقد مضاربت وکیل بنانا ہے، اور شہر کو خاص کرنے میں فائدہ ہے، اس لئے خاص ہوگا

اصول: مضاربت میں تعین شہر اور تعین سامان جائز ہے۔

تشریح : مال والے نے شرط لگائی کہ صرف فلاں شہر میں تجارت کریں گے یا صرف فلاں چیز کی تجارت کریں گے۔ مثلا

۲؎ وَكَذَا لَيسَ لَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ بِضَاعَةً إِلَى مَنْ يُخرِجُهَا مِنْ تِلْكَ الْبُلْدَةِ لِأَنَّهُ لا يَمْلِكُ الْإِخْرَاجَ بِنَفْسِهِ فَلا يَمْلِكُ تَفْوِيضَهُ إِلَى غَيْرِهِ .

(۹۲۷) قَالَ (فَإِنْ خَرَجَ إِلَى غَيْرِ تِلْكَ الْبُلْدَةِ فَاشْتَرَى ضَمِنَ) وَكَانَ ذٰلِكَ لَهُ، ۱؎ وَلَهُ رِبْحُهُ لِأَنَّهُ

کپڑے کی تجارت کریں گے تو ایسا کرنا جائز ہے۔اور ایسی شرط کی مخالفت کرنا مضارب کے لئے جائز نہیں ہے۔

وجہ:(۱) یہ شرطیں اس لئے لگائی جاتی ہیں تا کہ مال ہلاک نہ ہو یا نفع زیادہ ہو، اس لئے ایسی شرط لگانا جائز ہے۔اور چونکہ شرط ہوگئی اس لئے مضارب کو اس کی پاسداری کرنا ضروری ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مضاربت اصل میں وکیل بنانا ہے، اور وکیل بنانے میں شرط لگائی جا سکتی ہے، اس لئے مضاربت میں بھی شرط لگائی جا سکتی ہے کہ فلاں شہر ہی میں مضاربت کریں (۳) اس قول صحابی میں ہے۔ **ان حکیم بن حزام صاحب رسول الله ﷺ کان یشرط علی الرجل اذا اعطاہ مالا مقارضة یضرب له به ان لا تجعل مالی فی کبد رطبة ولا تحمله فی بحر ولا تنزل به بطن مسیل فان فعلت شیئا من ذلک فقد ضمنت مالی**۔(دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۵۳، نمبر ۳۰۱۴) اس قول صحابی میں ہے کہ حکیم بن حزام اور حضرت عباس مضارب کو دیتے وقت شرط لگاتے تھے کہ میرے مال سے کوئی جاندار نہیں خریدنا۔اس کو لیکر سمندر کا سفر نہ کرنا، اس کو لیکر کسی وادی میں قیام نہ کرنا، اور تم نے ایسا کیا اور مال ہلاک ہوا تو تم اس کے ذمہ دار ہوں گے (۴) اور سنن بیہقی میں اس حدیث میں یہ جملہ زیادہ ہے۔ **فرفع شرطه الی رسول الله ﷺ فاجازہ** (سنن للبیہقی، کتاب القراض، ج سادس، ص ۱۸۴، نمبر ۱۱۶۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی شرط لگانا جائز ہے جس سے مال کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔(۵)۔ **عن ابی قلابة فی المضارب اذا شرطوا علیه لا یجاوز فجاوز فهو ضامن**۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب فی المضاربة والعاریة والودیعة، ج ۴، ص ۳۹۹، نمبر ۲۱۴۶۳) اس قول تابعی میں ہے کہ شرط کے خلاف کرے گا تو مضارب ضامن ہوگا

ترجمہ: ۲؎ ایسے ہی مضارب کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ایسے آدمی کو مزدوری پر مال دے جو ایسے شہر میں لیجائے جہاں خود مضارب کو لیجانے کی اجازت نہیں ہے، تو دوسروں کو سپرد کرنے کا بھی اختیار نہیں ہوگا۔

تشریح: مضارب جس شہر میں خود لیجانے کا اختیار نہیں رکھتا، مزدوری پر کسی کو مال دے کہ اس شہر میں لیجاو۔یہ بھی نہیں کر سکتا،

وجہ: کیونکہ جب خود نہیں لیجا سکتا ہے تو دوسروں کو لیجانے کے لئے کیسے دے سکتا ہے

ترجمہ: (۹۲۷) جس شہر میں مضاربت کرنے کے لئے کہا تھا وہاں سے کوئی دوسرا شہر لیکر گیا اور راس المال سے کوئی چیز خرید لی تو مضارب رأس المال کا ضامن ہو جائے گا، اور یہ مال اور اس کا نفع مضارب کا ہوگا

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ اس نے مضارب کے حکم کے بغیر تصرف کیا ہے

اصول: یہاں اصول یہ ہے کہ مخالفت کرنے کی وجہ سے مضارب مال کا غاصب ہو گیا، اس لئے اب یہ مال بھی اسی کا ہوا، اور اس کا نفع بھی اسی کا ہوا

تَصَرَّفَ بِغَيْرِ أَمْرِهِ.
(٩٢٨)وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِ حَتَّى رَدَّهُ إِلَى الْكُوفَةِ وَهِيَ الَّتِي عَيَّنَهَا بَرِءَ مِنَ الضَّمَانِ ١ كَالْمُودَعِ إِذَا خَالَفَ فِي الْوَدِيعَةِ ثُمَّ تَرَكَ وَرَجَعَ الْمَالُ مُضَارَبَةً عَلَى حَالِهِ لِبَقَائِهِ فِي يَدِهِ بِالْعَقْدِ السَّابِقِ، ٢ وَكَذَا إِذَا رَدَّ

تشریح: زید نے عمر کو مضاربت پر مال دیا اور کہا کہ کوفہ ہی میں مضاربت کرنا، لیکن وہ اس مال کو لیکر بصرہ چلا گیا تو، مالک کی مخالفت کرنے کی وجہ سے گویا کہ وہ غاصب ہو گیا، اس لئے مضارب پر راس المال کا ضمان لازم آئے گا، اور یہ راس المال مضارب کا ہو گیا، اور جب مال مضارب کا ہو گیا تو اب جو اس مال سے نفع ہوا وہ مضارب کے مال سے نفع ہوا، اس لئے یہ مال اور نفع دونوں مضارب کا ہوگا

وجه: (١) اس قول صحابی میں ہے کہ مخالفت کی وجہ سے مضارب ضامن ہو جائے گا۔ **عن ابی هريرة قال اذا اشترط عليه رب المال ان لا ينزل بطن واد فنزل فهلك فهو ضامن** (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی، ج ٨، ص ٢٥٢، نمبر ١٥١١٥) (٢) اور ضمان ادا کرنے کے بعد راس المال مضارب کا ہو جائے گا، اس کے لئے تابعی کا یہ قول ہے۔ **عن ابراهيم النخعي قال هو له بضمانه و سره منه فيصدق به** (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی، ج ٨، ص ٢٥٢، نمبر ١٥١٠٩)

ترجمه: (٩٢٨) اور اگر دوسرے شہر میں کچھ خریدا نہیں اور راس المال واپس کوفہ لے آیا جس شہر کو مالک نے متعین کیا تھا تو ضمان سے بری ہو جائے گا

ترجمه: ١ جیسے امانت رکھنے والا امانت کی مخالفت کرے پھر مخالفت چھوڑ دے (تو ضمان سے بری ہو جاتا ہے) اور دوبارہ مضاربت پر لوٹ آئے گا، اس لئے کہ پہلے عقد کی وجہ سے اس کے قبضے میں مال باقی ہے

اصول: مالک کی مخالفت تو کی لیکن وقت سے پہلے مخالفت چھوڑ دی تو مضاربت بحال رہے گی

تشریح: مضارب کو کہا تھا کہ فلاں شہر میں نہ جائیں، لیکن وہ چلا گیا، لیکن پھر بغیر کچھ خریدے واپس آ گیا تو مضاربت بحال رہے گی، اس لئے کہ اس کے قبضے میں مال باقی ہے، جیسے امانت رکھنے والے نے امانت کی شرطوں کی مخالفت کی لیکن وقت سے پہلے مخالفت چھوڑ دی تو امانت بحال رہتی ہے

ترجمه: ٢ ایسے ہی اگر بعض راس المال واپس لے آیا اور بعض راس المال سے متعین والے شہر میں سامان خریدا تو واپس کی ہوئی چیز اور جو شہر میں خریدا وہ دونوں مضاربت پر ہوں گے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہا (کہ مضارب کا قبضہ ابھی بھی باقی ہے)

تشریح: مثلا مضارب کو ایک ہزار درہم دئے اور کہا کہ کوفہ ہی میں تجارت کریں، مضارب نے پانچ سو سے کوفہ میں سامان خریدا، اور مضارب مال لیکر بصرہ چلا گیا، لیکن وہاں کچھ نہیں خریدا، تو جو پانچ سو بصرہ سے واپس لایا ہے، اور جس پانچ سو سے کوفہ

بَعْضَهُ وَاشْتَرَى بِبَعْضِهِ فِي الْمِصْرِ كَانَ الْمَرْدُودُ وَالْمُشْتَرَى فِي الْمِصْرِ عَلَى الْمُضَارَبَةِ لِمَا قُلْنَا، ٣ ثُمَّ شَرَطَ الشِّرَاءَ بِهَا هَاهُنَا وَهُوَ رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ، وَفِي كِتَابِ الْمُضَارَبَةِ ضَمِنَهُ بِنَفْسِ الْإِخْرَاجِ وَالصَّحِيحُ أَنَّ بِالشِّرَاءِ يَتَقَرَّرُ الضَّمَانُ لِزَوَالِ احْتِمَالِ الرَّدِّ إِلَى الْمِصْرِ الَّذِي عَيَّنَهُ، أَمَّا الضَّمَانُ فَوُجُوبُهُ بِنَفْسِ الْإِخْرَاجِ، وَإِنَّمَا شَرَطَ الشِّرَاءَ لِلتَّقَرُّرِ لَا لِأَصْلِ الْوُجُوبِ، ٤ وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ عَلَى أَنْ تَشْتَرِيَ فِي سُوقِ الْكُوفَةِ حَيْثُ لَا يَصِحُّ التَّقْيِيدُ لِأَنَّ الْمِصْرَ مَعَ تَبَايُنِ أَطْرَافِهِ كَبُقْعَةٍ وَاحِدَةٍ فَلَا يُفِيدُ

ہی میں سامان خریدا ہے، یہ دونوں مضاربت پر باقی رہیں گے

وجہ جب بصرہ میں کچھ نہیں خریدا اور راس المال واپس لے آیا تو مضارب ابھی بھی مضاربت پر باقی ہے اس لئے، دونوں مال مضاربت پر رہیں گے

ترجمہ: ۳ پھر دوسرے شہر میں خریدنے کے بعد مضارب پر ضمان لازم ہوگا، یہ جامع صغیر کی عبارت ہے، اور مبسوط کی کتاب المضاربۃ میں ہے کہ صرف شہر سے نکال دینے سے ہی مضارب ضامن ہو جائے گا، اور صحیح بات یہ ہے کہ دوسرے شہر میں خریدنے سے ضمان بیٹھ جائے گا کیونکہ جس شہر کو متعین کیا تھا اس کی طرف واپس لانے کا احتمال نہیں رہا، لیکن صرف اس شہر کی طرف لیجانے سے ضمان واجب ہو جائے گا، لیکن خریدنا ثابت کرنے کے لئے ہے واجب کرنے کے لئے نہیں ہے

تشریح: جامع صغیر، اور مبسوط میں جو فرق ہے وہ بیان کر رہے ہیں۔ جامع صغیر میں ہے کہ دوسرے شہر میں راس المال سے سامان خریدے گا تب ضمان لازم ہوگا، اور مبسوط میں ہے کہ صرف دوسرا شہر لیجائے گا تب بھی ضمان لازم ہو جائے گا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ خریدنے سے اب متعین شہر کی طرف راس المال کو واپس لانے کا امکان ختم ہو گیا ہے، (ورنہ تو خریدنے سے پہلے راس المال واپس بھی لا سکتا تھا)، اس لئے اب تو لازمی طور پر ضمان ہی لازم ہوگا، اس لئے جامع صغیر میں کہا کہ خریدے گا تو ضمان لازم ہوگا۔ ورنہ صرف دوسرا شہر لیجائے گا تو حکم کی مخالفت ہوئی اس سے ہی ضمان واجب ہو جائے گا، مبسوط میں اسی کو ذکر کیا ہے

ترجمہ: ۴ یہ بخلاف اگر کہا، میں تمکو رقم دیتا ہوں، اس شرط پر کہ تم کوفہ کے بازار سے خریدو تو کوفہ کے بازار کو مقید کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ کوفہ شہر کی وسعت کی وجہ سے تمام اطراف ایک ہی جگہ کی طرح ہے اس لئے ایک بازار کو خاص کرنا مفید نہیں ہے، ہاں اگر تصریح کے ساتھ منع کرے، مثلا یوں کہے، کوفہ کے بازار میں کام کرو، اور کوفہ کے بازار کے علاوہ میں کام نہیں کرنا، یہاں ممانعت کی تصریح کی، اور مالک کو اس کی ولایت ہے

تشریح: مالک جب مضارب کو مال دیتا ہے، اور اس پر شرط لگاتا ہے، تو اس کے لئے ۸ آٹھ طرح کے الفاظ استعمال کرتا ہے، ان میں کن کن الفاظ کا مطلب یہ ہوگا کہ یہی کام کرنا ہے، اور دوسرا نہیں کرنا ہے ورنہ ضمان لازم ہو جائے گا۔ اور کن کن الفاظ سے یہ ہوگا کہ اس کے علاوہ بھی تھوڑا سا کرنے کی گنجائش ہے

ان میں سے پہلا ہے ا۔علی ان تشتری فی سوق الکوفۃ۔ کوفہ شہر کا نام بھی ہے، اور چونکہ وہ بہت بڑا ضلع ہے اس لئے کوفہ

التَّقْيِيدُ، إِلَّا إِذَا صَرَّحَ بِالنَّهْيِ بِأَنْ قَالَ اعْمَلْ فِي السُّوقِ وَلَا تَعْمَلْ فِي غَيْرِ السُّوقِ لِأَنَّهُ صَرَّحَ بِالْحَجْرِ وَالْوِلَايَةُ إِلَيْهِ. ٤ وَمَعْنَى التَّخْصِيصِ أَنْ يَقُولَ عَلَى أَنْ تَعْمَلَ كَذَا أَوْ فِي مَكَانِ كَذَا، وَكَذَا إِذَا قَالَ خُذْ هَذَا الْمَالَ تَعْمَلُ بِهِ فِي الْكُوفَةِ لِأَنَّهُ تَفْسِيرٌ لَهُ، أَوْ قَالَ فَاعْمَلْ بِهِ فِي الْكُوفَةِ لِأَنَّ الْفَاءَ لِلْوَصْلِ أَوْ قَالَ خُذْهُ بِالنِّصْفِ بِالْكُوفَةِ لِأَنَّ الْبَاءَ لِلْإِلْصَاقِ، ٥ أَمَّا إِذَا قَالَ خُذْ هَذَا الْمَالَ وَاعْمَلْ بِهِ بِالْكُوفَةِ فَلَهُ أَنْ يَعْمَلَ فِيهَا وَفِي غَيْرِهَا لِأَنَّ الْوَاوَ لِلْعَطْفِ فَيَصِيرُ بِمَنْزِلَةِ الْمَشُورَةِ،

سے باہر بہت سے دیہات ہیں جن میں کئی بازار لگتے ہیں، وہ کوفہ ہی کے ضلع میں آتے ہیں، لیکن شہر کے بازار سے باہر ہیں، اس لئے اس عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ کوفہ شہر کے اندر جو بازار ہے صرف اس میں ہی نہیں خریدو، بلکہ شہر کے باہر جو کوفہ ہی کے دیہات ہیں، ان بازاروں میں بھی خرید وفروخت کر سکتے ہو، اس سے ضمان لازم نہیں ہوگا۔ لیکن اگر مالک نے باضابطہ یہ کہہ کر منع کر دیا کہ شہر کے اندر جو بازار ہے اس سے باہر نہ خریدیں تو اب باہر خریدنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ وہ مالک ہے اس کو بازار کو خاص کرنے کا حق ہے

لغت: مع تبائن اطرافه کبقعة واحدة: بقعة ٹکڑا۔ اس کے اطراف کے پھیلے ہونے کے باوجود زمین کے ایک ٹکڑے کی طرح ہے۔ الحجر: منع کرنا، روکنا۔

ترجمہ: ٤ ایک ہی بازار کو خاص کرنے کے الفاظ یہ بھی ہیں۔ ٢۔ خذ ھذا المال علی ان تعمل کذا، اسی پر عمل کرو یا اسی جگہ پر خریدو، یا یوں کہے۔ ٣۔ خذ ھذا المال تعمل به فی الکوفة، یہ بھی علی ان تعمل کی تفسیر ہے، یا یوں کہے۔ ٤۔ خذ ھذا المال فاعمل به فی الکوفه، کہ مال لو اور کوفہ میں کام کرو۔ اس لئے کہ حرف، ف، ملانے کے لئے آتا ہے، یا یوں کہے۔ ٥۔ و خذه بالنصف بالکوفه، آدھے پر مال لو اور کوفہ ہی میں خرید وفروخت کرو (تو ان پانچ الفاظ سے شرط لگائی تو کوفہ شہر کا بازار خاص ہوگا،

تشریح:

١۔ علی ان تشتری فی سوق الکوفة،	٢۔ خذ ھذا المال علی ان تعمل کذا۔
٣۔ خذ ھذا المال تعمل به فی الکوفة،	٤۔ خذ ھذا المال فاعمل به فی الکوفه،
۔٥۔ خذه بالنصف بالکوفه،	

اوپر کے یہ پانچ الفاظ ہیں اگر مالک نے ان الفاظ کے ساتھ شرط لگائی تو کوفہ شہر کے بازار کے ساتھ خاص ہوگا، دوسری جگہ خرید وفروخت کرنے سے مضارب پر ضمان لازم ہو جائے گا

ترجمہ: ٥ اور اگر کہا، خذ ھذا المال و اعمل به بالکوفه، تو مضارب کو یہ حق ہے کہ کوفہ شہر کے بازار میں خرید وفروخت کرے یا اس کے علاوہ میں خرید وفروخت کرے، اس لئے کہ، واو، عطف کے لئے ہے، اس لئے و اعمل به بالکوفه مشورہ کے طور پر ہے

تشریح: خذ ھذا المال و اعمل به بالکوفه، اس عبارت میں واعمل، واو کے ساتھ ہے اس لئے کوفہ میں خرید وفروخت

٦ وَلَوْ قَالَ عَلَى أَنْ تَشْتَرِيَ مِنْ فُلَانٍ وَتَبِيعَ مِنْهُ صَحَّ التَّقْيِيدُ لِأَنَّهُ مُفِيدٌ لِزِيَادَةِ الثِّقَةِ بِهِ فِي الْمُعَامَلَةِ، ٧ بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ عَلَى أَنْ تَشْتَرِيَ بِهَا مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ، أَوْ دَفَعَ مَالًا فِي الصَّرْفِ عَلَى أَنْ تَشْتَرِيَ بِهِ مِنَ الصَّيَارِفَةِ وَتَبِيعَ مِنْهُمْ فَبَاعَ بِالْكُوفَةِ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهَا أَوْ مِنْ غَيْرِ الصَّيَارِفَةِ جَازَ؛ لِأَنَّ فَائِدَةَ الْأَوَّلِ التَّقْيِيدُ بِالْمَكَانِ، وَفَائِدَةَ الثَّانِي التَّقْيِيدُ بِالنَّوْعِ، هَذَا هُوَ الْمُرَادُ عُرْفًا لَا فِيمَا وَرَاءَ ذَلِكَ .

(٩٢٩) قَالَ (وَكَذَلِكَ إِنْ وَقَّتَ لِلْمُضَارَبَةِ وَقْتًا بِعَيْنِهِ يَبْطُلُ الْعَقْدُ بِمُضِيِّهِ) ١ لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ فَيَتَوَقَّتُ بِمَا وَقَّتَهُ وَالتَّوْقِيتُ مُفِيدٌ وَأَنَّهُ تَقْيِيدٌ بِالزَّمَانِ فَصَارَ كَالتَّقْيِيدِ بِالنَّوْعِ وَالْمَكَانِ .

کرنے کا مشورہ ہے، کوفہ کے بازار کے ساتھ تخصیص نہیں ہے، اس لئے مضارب دوسری جگہ بھی خرید وفروخت کرسکتا ہے

ترجمہ : ٦ اور اگر کہا کہ، علی ان تشتری من فلان و تبیع منه ، کہ فلاں ہی سے خریدو اور بیچو تو اس سے تخصیص ہو جائے گی اس لئے زیادہ اعتماد کا فائدہ دیتا ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ٧ بخلاف اگر کہا کہ اس مال سے اہل کوفہ سے خریدو، یا بیع صرف کرنے کے لئے مال دیا اور کہا کہ صراف سے خریدو اور اسی سے بیچو، تو کوفہ ہی میں بیچا لیکن غیر کوفہ سے بیچا، یا غیر صراف سے بیچا تو جائز ہے اس لئے کہ پہلے جملے کا فائدہ یہ ہے کہ کوفہ میں خریدو، اور دوسرے جملے کا فائدہ یہ ہے کہ اس قسم کا خرید وفروخت کرو، عرف میں یہی مراد ہے، اس کے علاوہ مراد نہیں ہے

تشریح :۔ تشتری من اهل الکوفه ، کہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوفہ میں خریدو، چاہے وہ آدمی کوفہ کا ہو، یا غیر کوفہ کا ہو دونوں سے خرید سکتا ہے، لیکن کوفہ میں خریدے یہ کافی ہے۔ اور اگر سونا، چاندی خریدنے کے لئے کہا، اور مال دیکر کہا کہ، ان تشتری به من الصیارفة ، صراف سے خریدنا، تو اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ سونا خریدنا چاہے سونی سے خریدو، یا غیر سونی سے خریدو دونوں کی گنجائش ہے، عرف میں اس کا مطلب یہی ہے

ترجمہ : (٩٢٩) ایسے ہی اگر مالک نے مضاربت کی مدت متعین کردی تو جائز ہے اور اس وقت کے گزرنے سے عقد باطل ہو جائے گا۔

ترجمہ : ١ اس لئے کہ یہ وکیل بنانا ہے، اس لئے وقت معین کرنے سے معین ہو جائے گا، اور وقت متعین کرنا مفید ہے، اس لئے کہ زمانے کے ساتھ مقید ہو جاتا ہے، تو نوع اور مکان کے ساتھ مقید کرنے کی طرح ہو گیا

تشریح : مثلا مالک نے کہا کہ تین مہینے تک مضاربت پر مال لے سکتے ہو اس کے بعد مضاربت ختم، تو اس طرح مضاربت کے لئے وقت متعین کرنا جائز ہے۔ اور جب معینہ وقت گزر جائے گا تو مضاربت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

وجه: (١) مالک کا مال ہے اس لئے وہ اپنی سہولت کے لئے وقت متعین کرسکتا ہے۔ (٢)۔ عن ابن سیرین رخص ان یعمل بالبز مضاربة مرة واحدة، فاذا عمل به کان الربح بینهما و یرد رأس ماله ثم ان شاء دفعه الیه

(۹۳۰)قَالَ (وَلَيْسَ لِلْمُضَارِبِ أَنْ يَشْتَرِيَ مَنْ يُعْتَقُ عَلَى رَبِّ الْمَالِ لِقَرَابَةٍ أَوْ غَيْرِهَا) ۱ لِأَنَّ الْعَقْدَ وُضِعَ لِتَحْصِيلِ الرِّبْحِ وَذَلِكَ بِالتَّصَرُّفِ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى، وَلَا يَتَحَقَّقُ فِيهِ لِعِتْقِهِ ۲ وَلِهَذَا لَا يَدْخُلُ فِي الْمُضَارَبَةِ شِرَاءُ مَا لَا يُمْلَكُ بِالْقَبْضِ كَشِرَاءِ الْخَمْرِ وَالشِّرَاءِ بِالْمَيْتَةِ . ۳ بِخِلَافِ الْبَيْعِ الْفَاسِدِ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ بَيْعُهُ بَعْدَ قَبْضِهِ فَيَتَحَقَّقُ الْمَقْصُودُ .

بعد (مصنف عبدالرزاق، باب المضاربۃ بالعروض، ج ثامن، ص ۲۵۰ نمبر ۱۵۰۹۸) اس قول تابعی کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ مضارب وقت متعین کرسکتا ہے

ترجمہ: (۹۳۰) اور مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ مال والے کے باپ کو خریدے اور نہ اس کے بیٹے کو اور نہ ایسے آدمی کو جو اس پر آزاد ہو جائے،

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ مضاربت نفع حاصل کرنے کے لئے ہے، اور یہ نفع بار بار خرید و فروخت سے ہوگا، اور آزاد ہو جانے سے بار بار خرید و فروخت ہوگا نہیں (اس لئے اس کی گنجائش نہیں ہوگی)

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مضارب کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے مال والے کو نقصان اٹھانا پڑے

تشریح : یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ مضارب کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے مال والے کو نقصان اٹھانا پڑے۔ مثلا مال والے کے باپ کو خریدے گا تو وہ مال والے پر آزاد ہو جائے گا تو اس سے رب المال کو نفع کے بجائے نقصان ہوگا۔ اسی طرح اس کے بیٹے کو خریدے گا۔ یا ایسے آدمی کو خریدا جو مال والے پر آزاد ہوسکتا ہو مثلا اس کے قریبی رشتہ دار کو خریدا تو ایسی صورت میں وہ مضاربت کے لئے نہیں ہوگا بلکہ خود مضارب کے لئے ہوگا۔

وجہ : (۱) اس قول تابعی میں ہے۔ عن ابن سیرین قال اذا خالف المضارب ضمن (مصنف عبدالرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی ولمن الربح؟، ج ثامن، ص ۲۵۲ نمبر ۱۵۱۰۷) اس سے معلوم ہوا کہ مضارب نے مخالفت کی تو وہ ضامن ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۲ یہی وجہ ہے کہ ایسی چیز کو خریدنا جس پر قبضہ نہ کرسکتا ہو مضاربت میں یہ داخل نہیں ہے، جیسے شراب خرید لے، یا مردار خرید لے،

تشریح: جس چیز کو خرید کر اس پر قبضہ نہیں کرسکتا ہو مضارب ایسی چیز کو بھی نہیں خرید سکتا ہے، جیسے شراب، اور مردار نہیں خرید سکتا ہے، کیونکہ یہ دونوں مسلمان کے حق میں مال نہیں ہے، اور حرام ہونے کی وجہ سے اس پر قبضہ بھی نہیں ہوسکتا ہے، پھر اس میں نفع بھی نہیں ہوگا

ترجمہ: ۳ بخلاف بیع فاسد کے اس لئے کہ بیع فاسد میں قبضہ کرنے کے بعد اس کو بیچ سکتا ہے، اس لئے نفع کا مقصد پورا ہو جاتا ہے

تشریح : مضارب کو بیع فاسد کرنے کی گنجائش ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع فاسد ہوئی ہو لیکن اس میں مبیع پر قبضہ کر لے تو ینقلب جائزا، یعنی پلٹ کر جائز ہو جاتی ہے، اور اس کو بیچ کر مضارب نفع کما سکتا ہے، اس لئے اس کی گنجائش ہوگی

(۹۳۱)قَالَ (وَلَوْ فَعَلَ صَارَ مُشْتَرِيًا لِنَفْسِهِ دُونَ الْمُضَارَبَةِ) . ١ لِأَنَّ الشِّرَاءَ مَتَى وَجَدَ نَفَاذًا عَلَى الْمُشْتَرِي نَفَذَ عَلَيْهِ كَالْوَكِيلِ بِالشِّرَاءِ إِذَا خَالَفَ .

(۹۳۲) قَالَ (فَإِنْ كَانَ فِي الْمَالِ رِبْحٌ لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ مَنْ يُعْتَقُ عَلَيْهِ) ١ لِأَنَّهُ يُعْتَقُ عَلَيْهِ نَصِيبُهُ وَيُفْسِدُ نَصِيبَ رَبِّ الْمَالِ أَوْ يُعْتِقُ عَلَى الِاخْتِلَافِ الْمَعْرُوفِ فَيَمْتَنِعُ التَّصَرُّفُ فَلَا يَحْصُلُ الْمَقْصُودُ.

ترجمه : (۹۳۱) لیکن اگر مضارب نے ایسے آدمی کو خرید ہی لیا جو مالک پر آزاد ہو جائے تو یہ مبیع خود مضارب ہی کی ہو گی، مضاربت پر نہیں ہوگی

ترجمه : ١ اس لئے کہ خریدی ہوئی چیز جب مشتری پر نافذ ہونا ممکن ہو تو اسی پر نافذ ہوتی ہے، جیسے خریدنے کا وکیل مخالفت کرے (تو چیز وکیل ہی کی ہوتی ہے

اصول : یہاں اصول یہ ہے کہ مخالفت کرنے کی وجہ سے مضارب مال کا غاصب ہو گیا، اس لئے اب یہ مال بھی اسی کا ہوا، اوراس کا نفع بھی اسی کا ہوا

وجه : (۱) اس قول صحابی میں ہے کہ مخالفت کی وجہ سے مضارب ضامن ہو جائے گا۔ عن ابی هريرة قال اذا اشترط عليه رب المال ان لا ينزل بطن واد فنزل فهلک فهو ضامن (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی، ج ۸، ص ۲۵۲، نمبر ۱۵۱۱۵) (۲) اور ضمان ادا کرنے کے بعد راس المال مضارب کا ہو جائے گا، اس کے لئے تابعی کا یہ قول ہے۔ عن ابراهيم النخعی قال هو له بضمانه و سره منه فيصدق به (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی، ج ۸، ص ۲۵۲، نمبر ۱۵۱۰۹)

ترجمه: (۹۳۲) اگر مال میں نفع ہوا تو مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ خریدے ایسے آدمی کو جو خود مضارب پر آزاد ہو جائے

ترجمه : ١ اس لئے کہ اس صورت میں مضارب کا حصہ خود مضارب پر آزاد ہو جائے گا، اور مال والے کا حصہ خراب ہوگا، یا مال والے کو بھی اپنا حصہ آزاد کرنا پڑے گا، جیسا کہ ائمہ کے درمیان مشہور اختلاف ہے، تو اب اس غلام کو بیچ بھی نہیں سکتا تو نفع والا مقصد حاصل نہیں ہوا

تشریح : اگر مال میں نفع ہو تو مضارب کے لئے یہ جائز نہیں کہ مضارب اپنے ایسے رشتہ دار کو خریدے جو مضارب پر آزاد ہو سکتا ہو، مثلا اپنے باپ یا بیٹے وغیرہ کو، البتہ اگر نفع نہیں ہے تو ایسے رشتہ دار کو خرید سکتا ہے۔

وجه : اگر مال میں نفع ہے تو کچھ نہ کچھ نفع مضارب کا بھی ہوگا اس لئے جتنا حصہ مضارب کا ہوگا اتنا حصہ آزاد ہو جائے گا۔ اب رب المال کو نقصان ہوگا کہ اس کو بھی آزاد کرنا ہوگا یا سعی کروانا ہوگا۔ اور یہ نقصان مضارب کے اپنے رشتہ دار کو خریدنے سے ہوا اس لئے مضارب اس کے اپنے آزاد ہونے والے رشتہ دار کو نہیں خرید سکتا۔ البتہ اگر مال میں نفع نہیں ہے تو مضارب کا حصہ اس میں کچھ بھی نہیں ہے اس لئے مضارب کا رشتہ دار آزاد نہیں ہوگا۔ اس لئے ایسی صورت میں مضارب اپنا

(۹۳۳)(وَإِنِ اشْتَرَاهُمْ ضَمِنَ مَالَ الْمُضَارَبَةِ) لِ لِأَنَّـهُ يَصِيرُ مُشْتَرِيًا لِلْعَبْدِ فَيَضْمَنُ بِالنَّقْدِ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ

(۹۳۴)وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْمَالِ رِبْحٌ جَازَ أَنْ يَشْتَرِيَهُمْ لِ لِأَنَّـهُ لَا مَانِعَ مِنَ التَّصَرُّفِ، إِذْ لَا شَرِكَةَ لَهُ فِيهِ لِيُعْتَقَ عَلَيْهِ

(۹۳۵)(فَإِنْ زَادَتْ قِيمَتُهُمْ بَعْدَ الشِّرَاءِ عَتَقَ نَصِيبُهُ مِنْهُمْ). لِمِلْكِهِ بَعْضَ قَرِيبِهِ (وَلَمْ يَضْمَنْ لِرَبِّ الْمَالِ شَيْئًا) لِ لِأَنَّـهُ لَا صُنْعَ مِنْ جِهَتِهِ فِي زِيَادَةِ الْقِيمَةِ وَلَا فِي مِلْكِهِ الزِّيَادَةَ. لِأَنَّ هَذَا شَيْءٌ

آزاد ہونے والے رشتہ دار خرید سکتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ بھی اوپر کے اصول پر ہے کہ مضارب کوئی ایسا کام نہیں کرسکتا جس سے رب المال کو نقصان ہو۔

ترجمہ: (۹۳۳)اور اگر اس کو خریدا تو مضاربت کے مال کا ضامن ہو جائے گا۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ یہ اپنے لئے غلام کو خریدنے والا ہوا، اس لئے مال مضاربت کے نقد کا ضامن ہو جائے گا

تشریح: لیکن اگر مضارب نے ایسا غلام خرید ہی لیا جو مضارب پر آزاد ہوسکتا تھا تو اب وہ مال مضاربت کا ضامن ہو گا (کیونکہ مالک کی مخالفت کی ہے)

ترجمہ: (۹۳۴)اور اگر مال میں نفع نہیں تھا تو مضارب کے لئے آزاد ہونے والے غلام کو خریدنے کی گنجائش ہے

ترجمہ: لے اس لئے کہ اس میں تصرف کرنے میں مانع نہیں ہے اس لئے مضارب کا اس غلام میں شرکت نہیں ہے کہ اس پر آزاد ہو جائے

تشریح: مضاربت میں کوئی نفع نہیں تھا، اور مضارب نے ایسا غلام خرید لیا جو خود مضارب پر آزاد ہوسکتا تھا، تو چونکہ نفع نہ ہونے کی وجہ سے اس غلام میں مضارب کی شرکت نہیں ہے اس لئے اس کا حصہ آزاد نہیں ہوگا، اس لئے اس غلام کو دوبارہ بیچ کر نفع کما سکتا ہے، اس لئے اس کی گنجائش ہے، پھر بھی ایسا غلام خریدنا اچھا نہیں ہے

ترجمہ: (۹۳۵) پس اگر غلام کی قیمت زیادہ ہوگئی تو مضارب کا حصہ غلام سے آزاد ہو جائے گا (اس لئے کہ مضارب غلام کے کچھ حصے کا مالک بن گیا) اور مضارب رب المال کا کچھ ضامن نہیں ہوگا۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ مضارب کی جانب سے قیمت بڑھنے میں کوئی حرکت نہیں ہے، اور نہ اس کی ملکیت کی زیادتی میں اس کی کوئی حرکت ہے، اس لئے کہ یہ زیادتی بطریقۂ حکم ثابت ہوئی ہے، تو ایسا ہوا کہ مضارب غیر کے ساتھ وارث بن گیا

تشریح: مال میں نفع نہیں تھا ایسی صورت میں مضارب نے اپنے آزاد ہونے والے رشتہ دار کو خرید لیا جو اس کے لئے جائز تھا، بعد میں اس غلام کی قیمت بڑھ گئی، مثلا ایک ہزار میں غلام خریدا تھا اب اس کی قیمت بارہ سو درہم ہوگئی تو دو سو درہم میں سے ایک سو نفع رب المال کا ہوا اور ایک سو نفع مضارب کا ہوا اس لئے مضارب کا جو ایک سو نفع ہے وہ حصہ آزاد ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ

يَثْبُتُ مِنْ طَرِيقِ الْحكَمِ فَصَارَ كَمَا إِذَا وَرِثَهُ مَعَ غَيْرِهِ .
(٩٣٦)(وَيَسْعَى الْعَبْدُ فِي قِيمَةِ نَصِيبِهِ مِنْهُ) ل لِأَنَّهُ احْتُبِسَتْ مَالِيَّتُهُ عِنْدَهُ فَيَسْعَى فِيهِ كَمَا فِي الْوَرَثَةِ.
(٩٣٧)قَالَ (فَإِنْ كَانَ مَعَ الْمُضَارِبِ أَلْفٌ بِالنِّصْفِ فَاشْتَرَى بِهَا جَارِيَةً قِيمَتُهَا أَلْفٌ فَوَطِئَهَا فَجَائَتْ بِوَلَدٍ يُسَاوِي أَلْفًا فَادَّعَاهُ ثُمَّ بَلَغَتْ قِيمَةُ الْغُلَامِ أَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ وَالْمُدَّعِي مُوسِرٌ، فَإِنْ شَاءَ رَبُّ الْمَالِ

آزاد ہونے میں مضارب کی کوئی حرکت نہیں ہے،، اسی طرح قیمت کے بڑھنے میں اس کی کوئی حرکت نہیں ہے، اور یہ زیادہ قیمت کا جو وہ مالک بنا ہے اس میں بھی مضارب کا کوئی دخل نہیں، یہ خود بخود حکم کی وجہ سے ہوا ہے، اور بخود آزاد ہوا ہے اس لئے مضارب رب المال کے لئے کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا۔ اب غلام کا چونکہ بارہ سو میں ایک سو آزاد ہوا ہے باقی گیارہ سو رب المال کا ہے اس لئے غلام گیارہ سو درہم سعایت کر کے رب المال کو ادا کرے گا جو رب المال کا حصہ ہے اور پھر غلام مکمل آزاد ہو جائے گا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حادثاتی طور پر مضارب کی بغیر کسی حرکت کے رب المال کو نقصان ہو جائے تو مضارب اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

اور دوسرا اصول یہ ہے کہ مضارب نے آزاد نہیں کیا ہے بلکہ غلام خود آزاد ہوا ہے اس لئے مضارب سے غلام کی بقیہ قیمت وصول نہیں کی جائے گی بلکہ غلام رب المال کا حصہ سعی کر کے ادا کرے گا۔

لغت: یسعی: سعایت کرے گا، غلام مال کما کر مولی کو ادا کرے گا تا کہ مکمل آزاد ہو جائے۔

ترجمہ: (٩٣٦) اور آزاد ہونے والا غلام رب المال کے لئے اس کے حصے کی قیمت میں سعی کرے گا۔

ترجمہ : ل کیونکہ مالک کا مال اس غلام کے پاس رک گیا ہے، اس لئے جیسے وراثت میں کوئی ایک آدمی اپنے حصے کو آزاد کر دے تو غلام باقی حصے کو کما کر ادا کرتا ہے، اسی طرح یہاں بھی مالک کو کما کر ادا کرے گا

تشریح: چونکہ مالک کا حصہ غلام کے پاس رکا ہوا ہے اس لئے غلام اتنا حصہ کما کر ادا کرے گا

ترجمہ : (٩٣٧) پس اگر مضارب کے پاس ایک ہزار درہم تھے آدھے آدھے نفع پر، اس نے ایک باندی خریدی جس کی قیمت ایک ہزار تھی، اس سے مضارب نے جماع کیا اور ایک بچہ پیدا ہوا جس کی قیمت ایک ہزار ہے، اب مضارب نے یہ دعوی کیا کہ یہ غلام میرا بچہ ہے، پھر غلام کی قیمت ڈیڑھ ہزار ہوگئی، اور مضارب مالدار ہے، اب مال والا چاہے تو غلام سے ساڑھے بارہ سو کما کر لے، اور چاہے تو اس آزاد کر دے (تاہم مضارب سے کچھ نہیں لے سکتا، کیونکہ اس کی حرکت نہیں ہے)

عبارت کا خلاصہ یہاں تین باتیں یاد رکھیں، ایک بات یہ ہے کہ مالک کا جو غلام میں ساڑھے بارہ سو حصہ ہے وہ غلام ہی سے وصول کرے گا، یا اس کو آزاد کر دے گا، مضارب سے وصول نہیں کرے گا

وجہ : کیونکہ غلام کے آزاد ہونے میں مضارب کی کوئی حرکت نہیں ہے، غلام کی قیمت خود بڑھی ہے، اور وہ خود آزاد ہوا ہے، اس لئے مضارب سے وصول نہیں کرے گا

اِسْتَسْعَى الْغُلَامَ فِي أَلْفٍ وَمِائَتَيْنِ وَخَمْسِينَ، وَإِنْ شَاءَ أَعْتَقَ) ۱ وَوَجْهُ ذَلِكَ أَنَّ الدَّعْوَةَ صَحِيحَةٌ فِي الظَّاهِرِ حَمْلًا عَلَى فِرَاشِ النِّكَاحِ، لَكِنَّهُ لَمْ يَنْفُذْ لِفَقْدِ شَرْطِهِ وَهُوَ الْمِلْكُ لِعَدَمِ ظُهُورِ الرِّبْحِ لِأَنَّ كُلَّ

اور دوسری بات یہ ہے کہ، باندی میں جو حصہ مال والے کا ہے، وہ حصہ مضارب سے وصول کرے گا، باندی سے وصول نہیں کرے گا

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ باندی جو مضارب کی ام ولد بن گئی، اور اس کے حصے میں آزادگی آ گئی، یہ مضارب کے وطی کرنے کی وجہ سے ہے، اس لئے مضارب سے باندی کی قیمت وصول کرے گا۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ، باندی کی قیمت بھی ایک ہزار ہے، اور غلام کی قیمت بھی ایک ہزار ہے تو اس وقت پتہ نہیں چلے گا کہ باندی نفع میں ہے یا وہ غلام نفع میں ہے، لیکن جب غلام کی قیمت بڑھ کر ڈیڑھ ہزار ہوگئی تو اب پتہ چلا کہ غلام کی قیمت میں پانچ سو نفع کا ہے، اور اس میں سے آدھا ڈھائی سو مالک کا، اور ڈھائی سو مضارب کا نفع ہے، اور اس کے بعد پتہ چلا کہ پوری باندی نفع میں ہے۔ اس پوری عبارت میں یہی بات سمجھائی گئی ہے۔ البتہ عبارت پیچیدہ ہے

تشریح : مضارب کو ایک ہزار درہم دیا اور آدھے آدھے نفع پر دیا، اب اس نے ایک ہزار میں ایک باندی خریدی، پھر اس سے مضارب نے وطی کر لی، اس سے غلام پیدا ہوا، ، اور مضارب نے یہ دعوی کر دیا کہ یہ غلام میرا بیٹا ہے۔ اور اس غلام کی قیمت ایک ہزار ہے، اب چونکہ باندی کی قیمت بھی ایک ہزار ہے، اور غلام کی قیمت بھی ایک ہزار ہے، اس لئے اس وقت یہ پتہ نہیں چلے گا کہ باندی نفع میں ہے، یا غلام نفع میں ہے، لیکن جب غلام کی قیمت بڑھ کر ڈیڑھ ہزار ہوگئی تو اب پتہ چلا کہ غلام کی قیمت میں نفع ہے۔ اب مالک کے لئے ایک ہزار اصل راس المال ہے اور ڈھائی سو درہم نفع کا ہے، اور ڈھائی سو درہم مضارب کا نفع ہے، اس لئے غلام میں اتنا حصہ آزاد ہو جائے گا، اب مالک اپنا حصہ (ساڑھے بارہ سو درہم) غلام سے وصول کرے گا، مضارب سے وصول نہیں کرے گا

وجہ غلام کے آزاد ہونے میں مضارب کا دخل نہیں ہے، اس لئے غلام کا حصہ مضارب سے وصول نہیں کیا جائے گا،

ترجمہ : ۱ اس کی وجہ یہ ہے کہ مضارب کا دعوی ظاہر میں صحیح ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ بائع نے مضارب سے نکاح کروایا ہو، لیکن نکاح نافذ نہیں ہوا اس لئے اس کی شرط نہیں پائی گئی (یعنی مضارب کی ملکیت نہیں ہے) نفع نہ ظاہر ہونے کی وجہ سے، اس لئے کہ دونوں یعنی ام ولد، اور لڑکا مضاربت کے مال کی طرح راس المال میں مستحق ہیں۔ جبکہ دونوں عینی ہو، اور دونوں کا عین راس المال کے برابر ہے اس لئے نفع ظاہر نہیں ہوگا، ایسے ہی یہاں ہے، پس جب غلام کی قیمت زیادہ ہوگئی تو اب غلام میں نفع ظاہر ہوا، اور مضارب کا پچھلا دعوی (یہ غلام میرا بیٹا ہے) ظاہر ہوا

تشریح :اس لمبی عبارت میں تین باتیں بتا رہے ہیں ۱۔ کہ مضارب نے جب بیٹا ہونے کا دعوی کیا تھا، تو اس وقت اس کی بات نہیں مانی تھی، کیونکہ ابھی پتہ نہیں تھا کہ نفع ہے یا نہیں ہے، لیکن جب غلام کی قیمت ڈیڑھ ہزار ہوگئی تو اب پتہ چلا کہ مضارب کا نفع ڈھائی سو درہم ہے، اس لئے اب مضارب کا پرانا دعوی کہ، یہ میرا بیٹا ہے، مان لیا گیا۔۔

۲۔ دوسری بات یہ فرما رہے ہیں کہ باندی کی قیمت بھی ایک ہزار ہے، اور غلام کی قیمت بھی پہلے ایک ہزار تھی، اور یہ راس المال

وَاحِدٍ مِنهُمَا: أَعْنِى الْأُمَّ وَالْوَلَدَ مُسْتَحَقٌّ بِرَأْسِ الْمَالِ، كَمَالِ الْمُضَارَبَةِ إِذَا صَارَ أَعْيَانًا كُلُّ عَيْنٍ مِنهَا يُسَاوِى رَأْسَ الْمَالِ لَا يَظْهَرُ الرِّبْحُ كَذَا هَذَا، فَإِذَا زَادَتْ قِيمَةُ الْغُلَامِ الْآنَ ظَهَرَ الرِّبْحُ فَنَفَذَتِ الدَّعْوَةُ السَّابِقَةُ، ۲؎ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَعْتَقَ الْوَلَدَ ثُمَّ ازْدَادَتِ الْقِيمَةُ .لِأَنَّ ذَلِكَ إِنْشَاءُ الْعِتْقِ، فَإِذَا بَطَلَ لِعَدَمِ الْمِلْكِ لَا يَنْفُذُ بَعْدَ ذَلِكَ بِحُدُوثِ الْمِلْكِ، أَمَّا هَذَا فَإِخْبَارٌ فَجَازَ أَنْ يَنْفُذَ عِنْدَ حُدُوثِ الْمِلْكِ كَمَا إِذَا أَقَرَّ بِحُرِّيَّةِ عَبْدِ غَيْرِهِ ثُمَّ اشْتَرَاهُ، ۳؎ وَإِذَا صَحَّتِ الدَّعْوَةُ وَثَبَتَ النَّسَبُ عَتَقَ الْوَلَدُ لِقِيَامِ

ایک ہزار کے برابر ہے اس لئے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ نفع میں کون ہے، اس لئے دونوں کو راس المال مان لیا گیا، لیکن جب غلام کی قیمت بڑھ کر ڈیڑھ ہزار ہوگئی تب پتہ چلا کہ غلام میں نفع ہے۔

۳۔اور تیسری بات یہ بتا رہے ہیں کہ مضارب نے باندی سے وطی کی تو یہ وطی حرام ہے، کیونکہ یہ باندی حقیقت میں رب المال کی ہے، اس لئے بیٹے کا دعوی کرنا غلط ہے، اس کی تاویل مصنف نے کی ہے کہ یہ ممکن ہے کہ بائع نے مضارب سے نکاح کروا دیا، اور نکاح کی حالت میں مضارب نے وطی کی ہے، اور یہ بیٹا حلال کا ہے۔۔ بعد میں نفع ظاہر ہونے پر کہا جائے گا کہ آدھی باندی مضارب کی بھی ہے

ترجمہ :۲؎ بخلاف مضارب نے اپنے اس بیٹے کو آزاد کیا پھر اس کی قیمت بڑھ گئی (تو بیٹا آزاد نہیں ہوگا کیونکہ آزاد کرتے وقت بیٹے میں مضارب کا نفع نہیں تھا) اس لئے کہ یہ آزادگی کو پیدا کرنا ہے، اور ملک نہ ہونے کی وجہ سے آزادگی باطل ہوگئی تو ملک کے پیدا ہونے کے بعد بھی یہ نافذ نہیں ہوگا، اور بیٹے کے دعوی کا معاملہ ایسا ہے کہ وہ خبر دینا ہے اس لئے ملکیت ہوتے ہی وہ نافذ ہو جائے گا، اس کی مثال یہ ہے کہ غیر کے غلام کے بارے میں اقرار کیا یہ آزاد ہے پھر اس کو خرید ا (تو اب وہ آزاد ہو جائے گا)

تشریح : یہاں انشاء، اور اخبار کا منطقی محاورہ ہے۔مضارب نے جس وقت اپنے بیٹے کو آزاد کیا اس وقت بیٹے میں نفع ظاہر نہیں تھا، کیونکہ اس وقت بیٹے کی قیمت ایک ہزار تھی، اور مضارب کی اس میں ملکیت نہیں ہوئی تھی، اس لئے بیٹا آزاد نہیں ہوا، بعد میں بیٹے کی قیمت ڈیڑھ ہزار ہوگئی، اور مضارب کا اس بیٹے میں حصہ ہو گیا، لیکن اب بھی آزاد نہیں ہوگا، کیونکہ آزاد کرتے وقت مضارب کی ملکیت نہیں تھی۔اسی کو انشاء ملک کہتے ہیں۔اور متن کے مسئلے میں بیٹا ہونے کا دعوی جب کیا اس وقت بھی مضارب کی ملکیت بیٹے میں نہیں تھی، بعد میں ہوئی، لیکن پھر بھی اس لئے اس کا بیٹا مان لیا گیا، کہ مضارب کا دعوی گویا کہ یہ خبر دینا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اس لئے اس وقت بات نہیں مانی گئی، پھر جب بیٹے پر مضارب کی ملکیت ہوئی تو اس کی بات مان لی گئی اسی کو، اخبار، کہتے ہیں، اس کی ایک مثال دی ہے کہ زید کا ایک غلام تھا، عمر نے اقرار کیا کہ یہ غلام آزاد ہے، تو چونکہ ابھی عمر کی ملکیت نہیں ہے اس لئے آزاد نہیں ہوگا، مہینے بعد عمر نے اس غلام کو خرید لیا تو اب یہ عمر پر آزاد ہو جائے گا، عمر کی پچھلی خبر دینے کی وجہ سے۔

ترجمہ : ۳؎ پس جب دعوی صحیح ہو گیا اور مضارب سے نسب ثابت ہو گیا تو لڑکا آزاد ہو جائے گا، کیونکہ لڑکے کے بعض حصے میں مضارب کی ملکیت ثابت ہوگئی، اور مضارب مال والے کا لڑکے کی قیمت میں کچھ ضامن نہیں بنے گا، اس لئے کہ لڑکے

مِلْكِهِ فِي بَعْضِهِ، وَلَا يَضْمَنُ لِرَبِّ الْمَالِ شَيْئًا مِنْ قِيمَةِ الْوَلَدِ لِأَنَّ عِتْقَهُ ثَبَتَ بِالنَّسَبِ وَالْمِلْكِ وَالْمِلْكُ آخِرُهُمَا فَيُضَافُ إِلَيْهِ وَلَا صُنْعَ لَهُ فِيهِ، ۴ وَهَذَا ضَمَانُ إِعْتَاقٍ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّعَدِّي وَلَمْ يُوجَدْ ۵ (وَلَهُ أَنْ يَسْتَسْعِيَ الْغُلَامَ) لِأَنَّهُ احْتُبِسَتْ مَالِيَّتُهُ عِنْدَهُ، وَلَهُ أَنْ يَعْتِقَ لِأَنَّ الْمُسْتَسْعَى كَالْمُكَاتَبِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَيَسْتَسْعِيهِ فِي أَلْفٍ وَمِائَتَيْنِ وَخَمْسِينَ، لِأَنَّ الْأَلْفَ مُسْتَحَقٌّ بِرَأْسِ الْمَالِ وَالْخَمْسَمِائَةِ رِبْحٌ وَالرِّبْحُ بَيْنَهُمَا فَلِهَذَا يَسْعَى لَهُ فِي هَذَا الْمِقْدَارِ. ۶ ثُمَّ إِذَا قَبَضَ رَبُّ الْمَالِ الْأَلْفَ لَهُ أَنْ يُضَمِّنَ

کی آزادگی نسب ثابت ہونے کی وجہ سے اور خود بخود لڑکے میں ملکیت ہونے کی وجہ سے ہے، اور ملکیت بعد میں آئی ہے، اور اس ملکیت کے آنے میں مضارب کا کوئی دخل نہیں ہے (اس لئے مضارب رب المال کا ضامن نہیں بنے گا

تشریح : جب مضارب کا دعوی صحیح ہو گیا، اور بچے کا نسب ثابت ہو گیا، اور خود بخود قیمت بڑھنے کی وجہ سے اس میں مضارب کی ملکیت بھی ہو گئی، تو اب بچے کا کچھ حصہ آزاد ہو جائے گا، لیکن اس سے رب المال کا نقصان ہوا تو یہ نقصان مضارب ادا نہیں کرے گا،

وجه: کیونکہ اس نقصان میں مضارب کا دخل نہیں ہے، یہ تو خود بخود غلام کی قیمت بڑھی تھی، اس لئے مضارب ضامن نہیں ہوگا

ترجمه: ۴ یہ آزاد کرنے کا ضمان ہے تو اس میں زیادتی ہوگی تب ضمان ہوگا، اور مضارب کی کوئی زیادتی نہیں ہے (اس لئے اس پر ضمان نہیں ہے

تشریح: یہ دوسری دلیل ہے، مضارب پر جو یہ ضمان ہے وہ بیٹے کو آزاد کرنے کا ضمان ہے، اور مضارب نے تو بیٹے کو آزاد کیا ہی نہیں ہے، بلکہ قیمت بڑھنے کی وجہ سے وہ خود بخود آزاد ہوا ہے، اس لئے مضارب پر ضمان نہیں ہے

ترجمه: ۵ مال والے کو یہ اختیار ہے کہ غلام سے سعی کروالے، اس لئے کہ اس کی مالیت غلام کے پاس رکی ہوئی ہے، اور دوسرا اختیار یہ ہے کہ غلام کو آزاد کر دے، اس لئے سعی والا غلام امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکاتب غلام کی طرح ہے۔ اور غلام سے ساڑھے بارہ سو درہم سعی کرائے، اس لئے کہ ایک ہزار تو راس المال ہے، اور پانچ سو نفع ہے، اور نفع آدھا آدھا ہے (یعنی نفع ڈھائی سو درہم ہے) اس لئے یہ مقدار سعی کر کے وصول کرے

تشریح: رب المال مضارب لڑکے کا ضمان نہیں لے پائے گا تو اب اس کے پاس دو اختیار ہیں، یا تو اپنا حصہ ساڑھے بارہ سو درہم غلام سے سعی کروا کر وصول کرے، اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس کو مکمل آزاد کر دے، جس طرح مکاتب غلام ہو تو یہ بھی اختیار ہے کہ اس سے مکاتبت کا مال وصول کرے اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس کو مفت میں آزاد کر دے، ویسے ہی یہاں بھی ہے۔ سعی کروا کر وصول کرنا ہو تو ساڑھے بارہ سو درہم وصول کرے

اصول: خود بخود ہاتھ میں ملکیت آگئی ہو تو اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا، کیونکہ اس کی دخل اندازی نہیں ہے۔

ترجمه: ۶ پھر رب المال نے اپنا ہزار لڑکے سے وصول کر لیا، تو اب اس کو اختیار ہے کہ مضارب کو ماں (باندی) کی

الْـمُـدَّعِـىَ نِـصْفَ قِيمَةِ الْأُمِّ لِأَنَّ الْأَلْفَ الْمَأْخُوذَ لَمَّا اسْتُحِقَّ بِرَأْسِ الْمَالِ لِكَوْنِهِ مُقَدَّمًا فِي الِاسْتِيفَاءِ ظَهَرَ أَنَّ الْجَارِيَةَ كُلَّهَا رِبْحٌ فَتَكُونُ بَيْنَهُمَا، ۷ وَقَدْ تَقَدَّمَتْ دَعْوَةٌ صَحِيحَةٌ لِاحْتِمَالِ الْفِرَاشِ الثَّابِتِ بِالنِّكَاحِ وَتَوَقَّفَ نَفَاذُهَا لِفَقْدِ الْمِلْكِ، فَإِذَا ظَهَرَ الْمِلْكُ نَفَذَتْ تِلْكَ الدَّعْوَةُ ۸ وَصَارَتِ الْجَارِيَةُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ وَيَضْمَنُ نَصِيبَ رَبِّ الْمَالِ لِأَنَّ هَذَا ضَمَانُ تَمَلُّكٍ وَضَمَانُ التَّمَلُّكِ لَا يَسْتَدْعِيَ صُنْعًا كَمَا إِذَا اسْتَوْلَدَ جَارِيَةً بِالنِّكَاحِ ثُمَّ مَلَكَهَا هُوَ وَغَيْرُهُ وِرَاثَةً يَضْمَنُ نَصِيبَ شَرِيكِهِ كَذَا هَذَا؛ بِخِلَافِ ضَمَانِ الْوَلَدِ عَلَى مَا مَرَّ.

آدھی قیمت کا ضامن بنائے ،اس لئے کہ راس المال ہزار کا وصول کرنا پہلے تھا،تو اب ظاہر ہوا کہ پوری باندی نفع میں ہے،اس لئے باندی آدھی آدھی ہوگی

تشریح: رب المال پہلے غلام میں اپنا راس المال ایک ہزار وصول کرے گا، کیونکہ وہ مقدم ہے،اور جب اپنا ایک ہزار وصول کر لیا تو اب پتہ چلا کہ پوری باندی نفع میں ہے

ترجمہ: ۷ ،اور مضارب کا پہلا دعوی صحیح ہوا، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ نکاح کے ذریعہ سے فراش ثابت ہو،لیکن مضارب کی ملکیت نہ ہونے کی وجہ اس کا نفاذ موقوف تھا،لیکن مضارب کی ملکیت ظاہر ہوئی تو دعوی نافذ ہو گیا،اور باندی مضارب کی ام ولد بن گئی،اور رب المال اپنے حصے کا ضامن بنائے گا،اس لئے کہ مضارب کے مالک بننے کی وجہ سے یہ ضمان ہے، مالک بننے کے ضمان میں دخل اندازی کرنا ضروری نہیں ہے

تشریح: جب باندی نفع میں ہے تو مضارب کا اس میں آدھا ہے،اس لئے اس کی ملکیت ہونے کی وجہ سے اس کا پرانا دعوی کہ یہ میرا بیٹا ہے نافذ کر دیا گیا۔اور چونکہ مضارب نے خود باندی سے صحبت کی ہے، پھر اس کو زبردستی ام ولد بنایا ہے اس لئے یہ رب المال کا ضامن بنے گا

لغت: ضمان تملک : زبردستی مالک بن گیا اس کا ضمان ہے

اصول: جان کر دوسرے کی چیز کا مالک بنا ہو تو اس کا ضمان لازم ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۸ جیسے نکاح کر کے باندی کو ام ولد بنا لیا، پھر دوسرے کے ساتھ وارث بن کر اس عورت کا ماسلک بن گیا تو اپنے شریک کے حصے کا ضامن ہوگا،ایسے یہاں بھی ہے،بخلاف بچے کے مسئلے کے،جیسا کہ پہلے گزرا

تشریح :زید نے اپنے باپ عمر کی باندی سے نکاح کیا،اور اس سے بچہ پیدا کر لیا،جس کی وجہ سے باندی گویا کہ زید کی ام ولد بن گئی، پھر باپ مرا تو زید اور اس کا بھائی ساجد باندی کا وارث بنے۔اب یہ ہوا کہ زید جیسے ہی باندی کا مالک بنا تو وہ ام ولد ہونے کی وجہ سے آزاد ہوگئی،اب ساجد کا آدھا حصہ اس باندی میں پھنس گیا،تو زید ساجد کو آدھا ضمان دیگا، کیونکہ زید کی صحبت کرنے کی وجہ سے ساجد کا مال پھنسا ہے،ایسے ہی اوپر کے مسئلے میں مضارب کی صحبت کرنے کی وجہ سے رب المال کا مال پھنسا تھا اس لئے مضارب ضمان دیگا۔ برخلاف لڑکے کے کہ اس میں مضارب قیمت بڑھنے کی وجہ سے مالک بنا تھا اس لئے لڑکے کا ضمان نہیں دیگا

﴿بَابُ الْمُضَارِبِ يُضَارِبُ﴾

(٩٣٨) قَالَ (وَإِذَا دَفَعَ الْمُضَارِبُ الْمَالَ إِلَى غَيْرِهِ مُضَارَبَةً وَلَمْ يَأْذَنْ لَهُ رَبُّ الْمَالِ لَمْ يَضْمَنْ بِالدَّفْعِ وَلَا يَتَصَرَّفُ الْمُضَارِبُ الثَّانِي حَتَّى يَرْبَحَ، فَإِذَا رَبِحَ ضَمِنَ الْأَوَّلُ لِرَبِّ الْمَالِ) وَهَذَا رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَا: إِذَا عَمِلَ بِهِ ضَمِنَ رَبِحَ أَوْ لَمْ يَرْبَحْ، ١ وَهَذَا ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ .وَقَالَ زُفَرُ: يَضْمَنُ

﴿ باب المضارب یضارب ﴾

ترجمه :(٩٣٨) اگر مضارب نے مال دوسرے کو مضاربت پر دیا حالانکہ رب المال نے اس کو مضاربت پر دینے کی اجازت نہیں دی تھی تو صرف دینے سے ضامن نہیں ہوگا۔ اور دوسرے مضارب کے تجارت کرنے سے بھی ضامن نہیں ہوگا جب تک کہ دوسرا مضارب نفع نہ کمالے، پس جب دوسرا مضارب نفع کمالے تو پہلا مضارب ضامن بنے گا (یہ ابو حنیفہؒ کی روایت ہے حضرت حسنؒ سے) اور صاحبینؒ نے فرمایا جب دوسرا مضارب تجارت کرلے تو ضامن ہو جائے گا چاہے نفع کمائے یا نہ کمائے

ترجمه : ١ یہ ظاہر روایت ہے، اور امام زفرؒ نے فرمایا صرف دینے سے ضامن ہو جائے گا کام شروع کیا ہو یا نہیں کیا ہو، یہ امام ابو یوسفؒ کی روایت ہے

خلاصه۔ یہاں تین اصول ہیں

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ دوسرا مضارب نفع کمالے تب جا کر پہلا مضارب ضامن بنے گا

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ دوسرا مضارب کام کرنے لگے تو پہلا مضارب ضامن بن جائے گا

اصول: امام زفرؒ کا اصول یہ ہے کہ پہلا مضارب دوسرے کو مضاربت پر دے تب ہی ضامن بن جائے گا، چاہے ابھی کام کیا ہو یا نہیں کیا ہو

تشریح : رب المال نے مضارب کو مضاربت پر مال دینے کی اجازت نہیں دی تھی اس کے باوجود اس نے دوسرے کو مضاربت پر مال دے دیا تو مضارب رب المال کے مال کا ضامن ہوگا۔ لیکن کب ہوگا اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف مال حوالے کرنے سے نہیں ہوگا۔ اسی طرح مضارب ثانی کے کام شروع کرنے سے ضامن نہیں ہوگا بلکہ جب مضارب ثانی کام کر کے اس میں کچھ نفع کمالے گا تب مضارب اول رب المال کا ضامن ہوگا۔

وجه: وہ فرماتے ہیں کہ صرف مال حوالہ کرنے سے ابھی مضاربت شروع نہیں ہوئی بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ ابھی امانت کے طور پر مضارب ثانی کے پاس مال ہے۔ اور جب کام شروع کرے گا تو کہا جا سکتا ہے کہ بضاعت کے طور پر کام کر رہا ہے یعنی اجرت لے کر کام کر رہا ہے۔ لیکن جب نفع حاصل ہو گیا تو اب نفع میں شریک ہونے کی وجہ سے مضارب ثانی حقیقت میں مضارب بن گیا۔ جس کی رب المال کی جانب سے اجازت نہیں تھی۔ اس لئے اب مضارب اول رب المال کا ضامن ہوگا۔

بِالدَّفْعِ عَمِلَ أَوْ لَمْ يَعْمَلْ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ . ٢ لِأَنَّ الْمَمْلُوكَ لَهُ الدَّفْعُ عَلَى وَجْهِ الْإِيدَاعِ، وَهَذَا الدَّفْعُ عَلَى وَجْهِ الْمُضَارَبَةِ. ٣ وَلَهُمَا أَنَّ الدَّفْعَ إِيدَاعٌ حَقِيقَةً، وَإِنَّمَا يَتَقَرَّرُ كَوْنُهُ لِلْمُضَارَبَةِ بِالْعَمَلِ فَكَانَ الْحَالُ مُرَاعًى قَبْلَهُ . ٤ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الدَّفْعَ قَبْلَ الْعَمَلِ إِيدَاعٌ وَبَعْدَهُ

صاحبین فرماتے ہیں کہ جب مضارب ثانی نے کام شروع کر دیا تو مضاربت شروع ہو گئی۔اس لئے کام شروع کرنے پر مضارب اول رب المال کا ضامن ہوگا۔ چاہے ابھی نفع حاصل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

اور زفرؒ فرماتے ہیں کہ جب دوسرے مضارب کو دیا تب ہی ضامن بن جائے گا، چاہے ابھی کام شروع کیا ہو یا نہیں کیا ہو

وجه: جب مضاربت پر دے دیا تو مالک کے حکم کا خلاف کیا ہے اس لئے ضامن بن جائے گا۔

یہ تمام عبارتوں کا حاصل ہے

ترجمه: ٢ اس لئے کہ مضارب کو امانت کے طور پر دینے کا حق تھا، اور یہ مضاربت کے طور پر دے رہا ہے (اس لئے مضارب ضامن ہو جائے گا)

تشریح: یہ امام زفرؒ کی دلیل ہے کہ مضارب صرف اتنا حق تھا کہ دوسرے کو امانت کے طور پر دے، لیکن اس نے مضاربت کے طور پر دیکر مالک کی مخالفت کی ہے، اس لئے مضارب ضامن ہوگا

ترجمه: ٣ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مضارب کا یہ دینا حقیقت میں امانت کے طور پر ہے، اور دوسرے مضارب کے کام شروع کرنے سے مضاربت ثابت ہوگی، اس لئے کام شروع کرنے سے پہلے حکم موقوف رہے گا

تشریح: صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب مضارب اول نے مال دیا تو یہ امانت کے طور پر دیا ہے اس لئے جب تک مضارب ثانی نے مضاربت کا کام شروع نہیں کیا حکم کا انتظار کیا جائے گا کہ مضارب ثانی کیا کرتا ہے، جب شروع کر دے گا تو اب مضاربت متحقق ہو گئی ہے، اب مضارب اول پر ضمان لازم ہوگا

لغت: الحال مراعی قبلہ: یہ رعی سے مشتق ہے، انتظار کرنا، اس سے پہلے حکم کا انتظار کیا جائے گا

ترجمه: ٤ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مضاربت کا کام شروع کرنے سے پہلے یہ امانت رکھنے کے لئے دینا ہے، اور کام شروع کرنے کے بعد مزدوری پر کام کروانا ہے، اور مضارب ان دونوں کا حق رکھتا ہے، اس لئے ان دونوں کاموں سے ضامن نہیں ہوگا، مگر جب نفع ہو جائے تو مال میں مضارب ثانی کی شرکت ہو گئی اس لئے اب ضامن ہوگا، جیسے مضارب اپنے مال کے ساتھ خلط ملط کر دے تو ضامن ہو جاتا ہے

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے۔ مضارب کو یہ حق ہے کہ راس المال کو امانت پر رکھنے دے، اور یہ بھی حق ہے کہ بضاعت، (مزدوری پر) کام کرنے کے لئے کسی کو دے، اس لئے جب مال دیا تو یہی کہا جائے گا کہ امانت کے طور پر دیا ہے، اور جب کام شروع کیا تو یہ کہا جائے گا کہ مزدوری پر کام کرنے کے لئے دیا ہے، لیکن جب نفع ہوا اور نفع میں مضارب ثانی

إِبْضَاعٌ، وَالْفِعْلَانِ يَمْلِكُهُمَا الْمُضَارِبُ فَلَا يَضْمَنُ بِهِمَا، إِلَّا أَنَّهُ إِذَا رَبِحَ فَقَدْ أَثْبَتَ لَهُ شِرْكَةً فِي الْمَالِ فَيَضْمَنُ كَمَا لَوْ خَلَطَهُ بِغَيْرِهِ، ۵ وَهَذَا إِذَا كَانَتِ الْمُضَارَبَةُ صَحِيحَةً، فَإِنْ كَانَتْ فَاسِدَةً لَا يَضْمَنُهُ الْأَوَّلُ، وَإِنْ عَمِلَ الثَّانِي لِأَنَّهُ أَجِيرٌ فِيهِ وَلَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ فَلَا يَثْبُتُ الشِّرْكَةُ بِهِ . ٦ ثُمَّ ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ يَضْمَنُ الْأَوَّلُ وَلَمْ يَذْكُرِ الثَّانِيَ . وَقِيلَ يَنْبَغِي أَنْ لَا يَضْمَنَ الثَّانِي عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَؒ وَعِنْدَهُمَا يَضْمَنُ بِنَاءً عَلَى اخْتِلَافِهِمْ فِي مُودِعِ الْمُودَعِ . ٧ وَقِيلَ رَبُّ الْمَالِ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْأَوَّلَ وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ

شریک ہوگیا تو اب معلوم ہوا کہ یہ مال مضاربت پر دیا گیا ہے تو اب جا کر اس پر ضمان لازم ہوگا

ترجمہ : ۵ یہ حکم اس وقت ہے جب مضاربت صحیح والی ہو، اور اگر مضاربت فاسد ہو تو مضارب اول ضامن نہیں ہوگا چاہے مضارب ثانی نے کام بھی شروع کر دیا، اس لئے کہ مضارب ثانی اجرت پر کام کر رہا ہے، اور مضارب ثانی کو مثلی اجرت مل جائے گی، اس لئے نفع میں شرکت نہیں ہوگی (اس لئے مضاربت بھی نہیں ہوئی اس لئے ضمان بھی لازم نہیں ہوگا)

تشریح : یہاں قاعدہ یہ ہے کہ اگر مضارب اول نے مضارب ثانی کو مضاربت فاسدہ پر دیا ہے تو وہ فاسد ہونے کی وجہ مضاربت ہی نہیں ہوئی، اجرت پر ہوگئی، اس لئے مضارب ثانی نے جو کام کیا ہے وہ اجرت (بضاعت) کے طور پر کیا ہے، اور مضارب ثانی کا نفع میں شرکت نہیں ہوئی، اور اجرت پر کام دینے کا مضارب کو حق ہے اس لئے نفع بھی ہوا تب بھی مضارب اول پر ضمان لازم نہیں ہوگا

ترجمہ : ٦ پھر متن میں یہ ذکر کیا ہے کہ، مضارب اول کو ضامن بنائے، اور یہ ذکر نہیں کیا کہ مضارب ثانی کو ضامن بنائے، اور کہا گیا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں مضارب ثانی کو ضامن نہ بنائے، اور صاحبینؒ کے یہاں ضامن بنائے، یہ اختلاف اس بنیاد پر ہے کہ امانت رکھنے والے نے دوسرے کو امانت رکھنے دیا (اور اس سے ہلاک ہوگیا) تو دوسرے امین پر ضمان ہے یا نہیں اس بارے میں ہی اختلاف ہے

تشریح : متن میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ مضارب اول کو ضامن بنائے گا، لیکن مضارب ثانی کو ضامن بنائے گا یا نہیں بنائے گا، اس بارے میں خاموش ہے،، آگے مصنف فرماتے ہیں کہ ایک اور اختلاف ہے، زید نے عمر کو امانت رکھنے کے لئے دیا، اب عمر نے ساجد کو امانت رکھنے کے لئے دے دیا، اور ساجد سے مال ہلاک ہوگیا تو ساجد پر ضمان لازم ہوگا یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ ساجد پر ضمان لازم نہیں ہوگا، اور صاحبینؒ کی رائے ہے کہ ساجد پر ضمان لازم ہوگا

اسی قاعدے کی بنیاد پر صاحبینؒ کے یہاں مضارب ثانی پر ضمان لازم ہونا چاہئے، اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں مضارب ثانی پر ضمان لازم نہیں ہونا چاہئے

ترجمہ : ٧ بعض حضرات نے فرمایا کہ بالاتفاق یہ بات ہے کہ، رب المال کو اختیار ہے کہ چاہے تو پہلے مضارب کو ضامن بنائے اور چاہے تو دوسرے مضارب کو ضامن بنائے یہی مشہور ہے، یہ بات صاحبینؒ کے مسلک پر ظاہر ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے

الثَّـانِي بِالْإِجْمَاعِ وَهُوَ الْمَشْهُورُ، وَهَذَا عِنْدَهُمَا ظَاهِرٌ وَكَذَا عِنْدَهُ، ٨ وَوَجْهُ الْفَرْقِ لَهُ بَيْنَ هَذِهِ وَبَيْنَ مُودِعِ الْمُودَعِ أَنَّ الْمُودَعَ الثَّانِيَ يَقْبِضُهُ لِمَنْفَعَةِ الْأَوَّلِ فَلَا يَكُونُ ضَامِنًا، أَمَّا الْمُضَارِبُ الثَّانِي يَعْمَلُ فِيهِ لِنَفْعِ نَفْسِهِ فَجَازَ أَنْ يَكُونَ ضَامِنًا . ٩ ثُمَّ إِنْ ضَمِنَ الْأَوَّلُ صَحَّتِ الْمُضَارَبَةُ بَيْنَ الْأَوَّلِ وَبَيْنَ الثَّانِي وَكَانَ الرِّبْحُ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا شَرَطَا لِأَنَّهُ ظَهَرَ أَنَّهُ مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ مِنْ حِينِ خَالَفَ بِالدَّفْعِ إِلَى غَيْرِهِ لَا عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي رَضِيَ بِهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا دَفَعَ مَالَ نَفْسِهِ، ١٠ وَإِنْ ضَمِنَ الثَّانِي رَجَعَ عَلَى الْأَوَّلِ بِالْعَقْدِ لِأَنَّهُ عَامِلٌ لَهُ كَمَا فِي الْمُودَعِ وَلِأَنَّهُ مَغْرُورٌ مِنْ جِهَتِهِ فِي ضِمْنِ الْعَقْدِ.

یہاں بھی ایسا ہی ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ : ٨ فرق کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مضارب ثانی اور امین ثانی کے درمیان فرق یہ ہے کہ، امین ثانی امین اول کے لئے قبضہ کرتا ہے اس لئے وہ ضامن نہیں ہوگا، اور مضارب ثانی اپنے نفع کے لئے کام کرتا ہے تو یہ جائز ہے کہ مضارب ثانی کو ضامن بنایا جائے

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امین ثانی کو ضامن نہیں بنایا جاتا، اور مضارب ثانی کو ضامن بنایا جاتا ہے تو اس میں فرق یہ ہے کہ امین ثانی امین اول کے لئے کام کرتا ہے، اس میں اس کا اپنا فائدہ نہیں ہے، اس لئے اس سے چیز ہلاک ہو جائے تو اس کو ضامن نہیں بنایا جائے گا۔ اور مضارب ثانی جو کام کرتا ہے اس میں اس کو بھی نفع ملے گا اس لئے اس کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو اس کو ضامن بنایا جائے گا، دونوں میں یہ فرق ہے

ترجمہ: ٩ اگر مضارب اول کو ضامن بنایا تو مضارب اول اور مضارب ثانی کے درمیان مضاربت صحیح ہو جائے گی، اور شرط کے مطابق نفع دونوں کے درمیان ہوگا، اس لئے ظاہر ہو گیا کہ مالک جس بات پر راضی تھا اس کی مخالفت کر کے دوسرے کو مال دیا تو اس کا ضمان دینے کی وجہ سے مخالفت کے وقت سے ہی مضارب اول مال کا مالک بن گیا ۔ تو ایسا ہو گیا مضارب اول نے اپنا مال دیا

تشریح : رب المال نے مضارب اول سے ضمان لے لیا تو مضارب اول اس مال کا مالک بن گیا، اور گویا کہ مضارب اول نے اپنا مال مضارب ثانی کو دیا، اس لئے مضارب اول اور مضارب ثانی کے درمیان جو مضاربت ہوئی وہ صحیح ہوگئی، اور شرط کے مطابق نفع بھی تقسیم کرنا صحیح ہوگا

ترجمہ: ١٠ اور اگر دوسرے مضارب کو مالک نے ضامن بنایا تو وہ عقد کی وجہ سے پہلے مضارب سے وصول کرے گا، اس لئے کہ دوسرا مضارب پہلے مضارب کے لئے کام کر رہا ہے، جیسے امانت کے معاملے میں تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ دوسرے مضارب کو پہلے مضارب کی وجہ سے ضمان دینا پڑا ہے (اس لئے دوسرا مضارب پہلے مضارب سے وصول کرے گا)

تشریح: واضح ہے

١١ وَتَصِحُّ الْمُضَارَبَةُ وَالرِّبْحُ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا شَرَطَا لِأَنَّ قَرَارَ الضَّمَانِ عَلَى الْأَوَّلِ فَكَأَنَّهُ ضَمِنَهُ ابْتِدَاءً، ١٢ وَيَطِيبُ الرِّبْحُ لِلثَّانِي وَلَا يَطِيبُ لِلْأَعْلَى لِأَنَّ الْأَسْفَلَ يَسْتَحِقُّهُ بِعَمَلِهِ وَلَا خُبْثَ فِي الْعَمَلِ، وَالْأَعْلَى يَسْتَحِقُّهُ بِمِلْكِهِ الْمُسْتَنِدِ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ فَلَا يُعَرَّىٰ عَنْ نَوْعِ خُبْثٍ.

(٩٣٩) قَالَ (وَإِذَا دَفَعَ إِلَيْهِ رَبُّ الْمَالِ مُضَارَبَةً بِالنِّصْفِ وَأَذِنَ لَهُ بِأَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى غَيْرِهِ فَدَفَعَهُ بِالثُّلُثِ وَقَدْ تَصَرَّفَ الثَّانِي وَرَبِحَ، فَإِنْ كَانَ رَبُّ الْمَالِ قَالَ لَهُ عَلَى أَنَّ مَا رَزَقَ اللّٰهُ فَهُوَ بَيْنَنَا نِصْفَانِ فَلِرَبِّ الْمَالِ النِّصْفُ وَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِي الثُّلُثُ وَلِلْمُضَارِبِ الْأَوَّلِ السُّدُسُ) ١ لِأَنَّ الدَّفْعَ إِلَى الثَّانِي

ترجمہ: ١١ شرط کے مطابق پہلے مضارب اور دوسرے مضارب کے درمیان والی مضاربت بھی صحیح ہو جائے گی، اور نفع بھی صحیح ہو جائے گا، اس لئے کہ پہلے مضارب پر ضمان آ گیا تو یوں سمجھا جائے گا شروع ہی سے پہلے مضارب نے اپنی رقم دوسرے مضارب کو دی ہے

تشریح: جب مالک نے دوسرے مضارب سے ضمان لے لیا، اور مضارب ثانی نے مضارب اول سے اپنا دیا ہوا پیسہ لے لیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ شروع ہی میں مضارب اول نے ہی اپنا ضمان مالک کو ادا کر دیا ہے، اور یہ راس المال مضارب اول کا ہو گیا ہے، اس لئے اب مضارب اول اور مضارب ثانی کے درمیان جو مضاربت ہے وہ بھی صحیح ہے، اور نفع بھی جائز ہے

ترجمہ: ١٢ اور نفع مضارب ثانی کے لئے پاکیزہ ہے، اور مضارب اول کے لئے اتنا پاکیزہ نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسفل یعنی مضارب ثانی اپنے کام کی وجہ سے نفع کا مستحق ہوا ہے، اور اس کے کام میں کوئی برائی نہیں ہے، اور اعلی، یعنی مضارب اول اپنی ملکیت کی وجہ سے نفع کا مستحق ہے، اور اس کی ملکیت کا مدار ضمان کی ادائیگی پر ہے، اور ضمان کی ادائیگی ایک طرح کی برائی سے خالی نہیں ہے، (اس لئے اس کے لئے نفع اتنا پاکیزہ نہیں ہے)

تشریح: مضارب ثانی نے جو نفع لیا ہے وہ اپنی کمائی کا لیا ہے اس لئے وہ اس کے لئے پاکیزہ ہے۔ اور مضارب اول نے جو نفع لیا ہے وہ اس کی رقم کی کمائی ہے، اور رقم کا مالک ضمان دیکر ہوا ہے، اور ضمان دیکر مالک بننا کوئی اچھا نہیں ہے، اس لئے یہ نفع بھی اس کے لئے برائی سے خالی نہیں ہے، تاہم جائز ہے کیونکہ یہ حلال کی کمائی ہے

ترجمہ (٩٣٩) اگر مالک نے مضارب کو آدھے نفع پر مضاربت پر دیا پھر اس کو اجازت دی کہ دوسرے کو مضاربت پر دے سکتا ہے۔ پس اس نے تہائی نفع پر دیا تو جائز ہے۔ پس اگر مالک نے مضارب سے کہا ہو کہ جو کچھ اللہ دے اس کا ہم دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا تو مالک کا آدھا نفع ہوگا اور مضارب ثانی کی ایک تہائی ہوگی اور مضارب اول کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔

ترجمہ ١ اس لئے کہ دوسرے کو مضاربت پر دینا صحیح ہے، کیونکہ مالک کا حکم تھا، اور رب المال نے اپنے لئے پورے نفع کے آدھے کی شرط لگائی تھی، اس لئے مضارب اول کے لئے آدھا ہی باقی رہا، اب اس کا تصرف اس کی بچت کی طرف جائے گا، اور ان میں سے پورے نفع کی ایک تہائی مضارب ثانی کے لئے طے ہے اس لئے ایک تہائی مضارب ثانی کے لئے ہوگا، اس

مُضَارَبَةً قَدْ صَحَّ لِوُجُودِ الْأَمْرِ بِهِ مِنْ جِهَةِ الْمَالِكِ وَرَبُّ الْمَالِ شَرَطَ لِنَفْسِهِ نِصْفَ جَمِيعِ مَا رَزَقَ اللَّهُ تَعَالَى فَلَمْ يَبْقَ لِلْأَوَّلِ إلَّا النِّصْفُ فَيَتَصَرَّفُ تَصَرُّفُهُ إلَى نَصِيبِهِ وَقَدْ جَعَلَ مِنْ ذَلِكَ بِقَدْرِ ثُلُثِ الْجَمِيعِ لِلثَّانِي فَيَكُونُ لَهُ فَلَمْ يَبْقَ إلَّا السُّدُسُ، ٢ وَيَطِيبُ لَهُمَا ذَلِكَ لِأَنَّ فِعْلَ الثَّانِي وَاقِعٌ لِلْأَوَّلِ كَمَنِ اسْتُؤْجِرَ عَلَى خِيَاطَةِ ثَوْبٍ بِدِرْهَمٍ وَاسْتَأْجَرَ غَيْرَهُ عَلَيْهِ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ .

(٩٤٠)(وَإِنْ كَانَ قَالَ لَهُ عَلَى أَنَّ مَا رَزَقَكَ اللَّهُ فَهُوَ بَيْنَنَا نِصْفَانِ فَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِي الثُّلُثُ وَالْبَاقِي بَيْنَ الْمُضَارِبِ الْأَوَّلِ وَرَبِّ الْمَالِ نِصْفَانِ) ١ لِأَنَّهُ فَوَّضَ إلَيْهِ التَّصَرُّفَ وَجَعَلَ لِنَفْسِهِ نِصْفَ مَا رُزِقَ الْأَوَّلُ وَقَدْ رُزِقَ الثُّلُثَيْنِ فَيَكُونُ بَيْنَهُمَا، بِخِلَافِ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ جَعَلَ لِنَفْسِهِ نِصْفَ جَمِيعِ الرِّبْحِ فَافْتَرَقَا.

لئے مضارب اول کے لئے چھٹا حصہ ہی باقی رہا۔

تشریح : چونکہ مالک نے یہ کہا تھا کہ جتنا نفع ہوگا اس میں آدھا میرا ہوگا، تو پورے نفع میں آدھا 50% رب المال کا ہو گیا۔ باقی آدھا نفع رہا۔ اس میں سے ایک تہائی 30.33% مضارب ثانی کو دے دیا۔ اب چھٹا حصہ 16.66% باقی بچا یہ مضارب اول کا حصہ ہوگا۔ مثلا چھ درہم نفع ہوا، آدھا یعنی تین درہم مالک کا ہو گیا اور ایک تہائی یعنی دو درہم مضارب ثانی کے ہو گئے، باقی ایک درہم یعنی چھٹا حصہ باقی رہا یہ مضارب اول کے ملے گا۔ اس دور کا کلکیو لیٹر والا حساب اس طرح ہوگا مالک کا سو میں سے 50% مضارب ثانی کا 33.33% مضارب اول کا حصہ 16.66% ہوگا۔

ترجمہ :٢ اور مضارب اول اور مضارب ثانی دونوں کے لئے یہ نفع حلال ہے، اس لئے کہ دوسرے مضارب کا کام پہلے کے لئے واقع ہوا ہے، جیسے ایک درہم کے عوض اجرت پر کپڑا سینے کے لئے دیا، اس نے دوسرے کو آدھے درہم پر سینے دے دیا ہو

تشریح: مضارب اول اور مضارب ثانی دونوں کے لئے یہ نفع حلال ہے

وجہ :(١) مضارب اول نے مالک کے کہنے سے مضارب ثانی کو کام کرنے دیا تھا، اور مضارب ثانی نے مضارب اول کے لئے کام کیا ہے اس لئے دونوں کے لئے اپنا حصہ نفع حلال ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ۔ زید نے عمر کو ایک درہم میں کپڑا سینے کے لئے دیا، عمر نے زید کی اجازت سے ساجد کو آدھے درہم میں کپڑا سینے دے دیا، اور آدھا درہم بچا لیا تو دونوں کے لئے یہ نفع حلال ہے، ایسے ہی یہاں ہوگا

ترجمہ:(٩٤٠) اور اگر مالک نے کہا ہو جو کچھ آپ کو اللہ دے اس میں سے ہمارے اور آپ کے درمیان آدھا آدھا ہوگا تو مضارب ثانی لئے تہائی اور جو نفع باقی رہا وہ مالک اور مضارب اول کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

ترجمہ :١ اس لئے کہ رب المال نے مضارب اول کو تصرف سپرد کر دیا، اور مضارب اول کو جو ملے گا اس میں سے آدھا اپنے لئے مقرر کیا ہے، اور مضارب اول کو دو ثلث نفع ملا ہے تو اب دو ثلث میں سے آدھا آدھا ہو جائے گا۔ بخلاف پہلی بات کے، وہاں رب المال نے پورے نفع میں سے اپنے لئے آدھا مقرر کیا تھا، اس لئے دونوں شرطوں میں فرق ہو گیا

(۹۴۱)(وَلَوْ كَانَ قَالَ لَهُ فَمَا رَبِحْتَ مِنْ شَيْءٍ فَبَيْنِي وَبَيْنَكَ نِصْفَانِ وَقَدْ دَفَعَ إِلَى غَيْرِهِ بِالنِّصْفِ فَلِلثَّانِي النِّصْفُ وَالْبَاقِي بَيْنَ الْأَوَّلِ وَرَبِّ الْمَالِ) لِ لِأَنَّ الْأَوَّلَ شَرَطَ لِلثَّانِي نِصْفَ الرِّبْحِ وَذَلِكَ مُفَوَّضٌ إِلَيْهِ مِنْ جِهَةِ رَبِّ الْمَالِ فَيَسْتَحِقُّهُ. وَقَدْ جَعَلَ رَبُّ الْمَالِ لِنَفْسِهِ نِصْفَ مَا رَبِحَ الْأَوَّلُ وَلَمْ يَرْبَحْ إِلَّا النِّصْفُ فَيَكُونُ بَيْنَهُمَا.

(۹۴۲)(وَلَوْ كَانَ قَالَ لَهُ عَلَى أَنَّ مَا رَزَقَ اللَّهُ تَعَالَى فَلِي نِصْفُهُ أَوْ قَالَ فَمَا كَانَ مِنْ فَضْلٍ فَبَيْنِي وَبَيْنَكَ نِصْفَانِ وَقَدْ دَفَعَ إِلَى آخَرَ مُضَارَبَةً بِالنِّصْفِ فَلِرَبِّ الْمَالِ النِّصْفُ وَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِي

تشریح : پہلے قول اوراس قول میں فرق ہے۔اس لئے نفع تقسیم ہونے میں فرق ہوگیا۔پہلے میں مالک نے مضارب سے کہا تھا کہ جتنا نفع ہواس تمام میں سے مجھے آدھا چاہئے ،باقی آپ جانیں۔اوراس مسئلے میں یہ ہے کہ مالک نے مضارب اول سے یہ کہا کہ جو کچھ آپ کو نفع ہوگا اس آپ کے نفع میں سے مجھے آدھا نفع دیں۔اس صورت میں ایک تہائی 33.33 مضارب ثانی کے پاس چلا گیا۔اب باقی دو تہائی 66.66 رہے۔اس دو تہائی میں سے آدھا آدھا یعنی ایک ایک تہائی مالک اور مضارب اول تقسیم کریں گے۔کلکیو لیٹر والا حساب اس طرح ہوگا۔مضارب ثانی کے لئے 33.33% ہوا۔باقی نفع دو تہائی 66.66% رہا اس میں سے آدھا مالک کو ملے گا 33.33% اور مضارب اول کو ملے گا 33.33% گویا کہ تینوں کو ایک ایک تہائی مل جائے گی۔

ترجمه :(۹۴۱) اوراگر رب المال مضارب اول سے کہا کہ تم کو جو نفع ملے اس میں میرے اور تمہارے درمیان ادھا آدھا ہے،اور مضارب اول نے مضارب ثانی کو آدھے نفع پر دے دیا،تو مضارب ثانی کو آدھا ملے گا،اور جو باقی آدھا رہے گا وہ رب المال اور مضارب اول کے درمیان تقسیم ہوگا

ترجمه :لے اس لئے کہ مضارب اول نے مضارب ثانی کے لئے آدھے نفع کی شرط کی ہے،اور رب المال کی جانب سے اس کی اجازت تھی اس لئے مضارب ثانی اس آدھے کا مستحق ہوگا،اور مضارب اول کو جو نفع ہوگا اس میں آدھا رب المال نے اپنے لئے مقرر کیا تو،اور مضارب اول کو آدھا ہی نفع ملا ہے تو یہ دونوں کے درمیان چوتھائی چوتھائی ہو جائے گا

تشریح :رب المال نے مضارب اول سے کہا کہ آپ کو جتنا نفع ملے اس میں میرا آدھا ہے،اب مضارب اول نے مضارب ثانی کو آدھے نفع 50% پر دے دیا تو مضارب اول کے پاس آدھا نفع 50% ہی آیا ۔اب آدھے میں سے آدھا مالک کے لئے ہوگا اور آدھا مضارب اول کو ملے گا تو گویا کہ ان دونوں کو چوتھائی 25%، چوتھائی 25% ملے گا۔کلکیو لیٹر سے حساب اس طرح ہو گا۔مضارب ثانی کو پورے نفع کا آدھا 50%،اور مضارب اول کو چوتھائی 25%،اور رب المال کو چوتھائی 25%، ملے گی

ترجمه:(۹۴۲)اوراگر مالک نے مضارب اول سے کہا ہو کہ جو کچھ اللہ دے اس پورے میں سے میرا آدھا ہوگا،یا مضارب اول سے یوں کہا کہ جو اللہ کا فضل ہو یعنی نفع آئے تو وہ ہمارے اور تمہارے درمیان آدھا آدھا ہے پھر بھی دوسرے کو مال مضاربت کے طور پر آدھے پر دیا ہو تو رب المال کے لئے آدھا ہوگا،اور مضارب ثانی کے لئے آدھا نفع ہوگا اور مضارب اول کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔

النِّصْفُ وَلَا شَيْءَ لِلْمُضَارِبِ الْأَوَّلِ) لِ لِأَنَّهُ جَعَلَ لِنَفْسِهِ نِصْفَ مُطْلَقِ الْفَضْلِ فَيَنْصَرِفُ شَرْطُ الْأَوَّلِ النِّصْفَ لِلثَّانِي إِلَى جَمِيعِ نَصِيبِهِ فَيَكُونُ لِلثَّانِي بِالشَّرْطِ وَيَخْرُجُ الْأَوَّلُ بِغَيْرِ شَيْءٍ، كَمَنِ اسْتُؤْجِرَ لِيَخِيطَ ثَوْبًا بِدِرْهَمٍ فَاسْتَأْجَرَ غَيْرَهُ لِيَخِيطَهُ بِمِثْلِهِ.

(۹۴۳)(وَإِنْ شَرَطَ لِلْمُضَارِبِ الثَّانِي ثُلُثَي الرِّبْحِ فَلِرَبِّ الْمَالِ النِّصْفُ وَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِي النِّصْفُ وَيَضْمَنُ الْمُضَارِبُ الْأَوَّلُ لِلثَّانِي سُدُسَ الرِّبْحِ فِي مَالِهِ) لِ لِأَنَّهُ شَرَطَ لِلثَّانِي شَيْئًا هُوَ مُسْتَحَقٌّ لِرَبِّ الْمَالِ فَلَمْ يَنْفُذْ فِي حَقِّهِ لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِبْطَالِ، لَكِنَّ التَّسْمِيَةَ فِي نَفْسِهَا صَحِيحَةٌ لِكَوْنِ الْمُسَمَّى مَعْلُومًا فِي عَقْدٍ يَمْلِكُهُ وَقَدْ ضَمِنَ لَهُ السَّلَامَةَ فَيَلْزَمُهُ الْوَفَاءُ بِهِ،

ترجمہ: لِ اس لئے کہ رب المال نے اپنے لئے پورے نفع کا آدھا مقرر کیا ہے، اس لئے مضارب ثانی کو پورے نفع کا آدھا ملے گا، اس لئے مضارب ثانی کو شرط کی بنیاد پر آدھا مل جائے گا، اور مضارب اول کو کچھ نہیں ملے گا، اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے ایک درہم پر کپڑا سینے کے لئے اجرت پر لیا، اس نے دوسرے درزی کو بھی ایک ہی درہم پر سینے کے لئے دے دیا (تو پہلے درزی کو کچھ نہیں ملے گا)

تشریح: مالک نے کہا تھا کہ جتنا نفع ہو سب میں سے آدھا میرا ہوگا۔ اس کے باوجود مضارب نے دوسرے کو آدھے نفع کی شرط پر مضاربت پر دے دیا تو اس صورت میں آدھا نفع مالک کو ملے گا 50% اور آدھا نفع مضارب ثانی کو ملے گا 50% اب باقی کچھ نہیں رہا اس لئے مضارب اول کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

ترجمہ: (۹۴۳) اور اگر شرط کیا مضارب ثانی کے لئے نفع کی دو تہائی تو مالک کے لئے نفع کا آدھا ہوگا اور مضارب ثانی کے لئے نفع کا آدھا ہوگا اور مضارب اول مضارب ثانی کے لئے نفع کے چھٹے کی مقدار کا ضامن ہوگا اپنے مال میں سے۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ مضارب اول نے مضارب ثانی کے لئے ایسی شرط لگائی جس کا مستحق رب المال تھا اس لئے یہ رب المال پر نافذ نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس میں رب المال کے حق کو باطل کرنا ہے، لیکن فی نفسہ یہ دو تہائی مقرر کرنا صحیح ہے اس لئے مضارب اول جس عقد کا مالک ہے یہ مقدار معلوم ہے، اور مضارب اس کی سلامتی کا ذمہ دار ہے اس لئے اس کو پورا کرنا لازم ہو جائے گا

تشریح: مالک نے کہا تھا کہ میں پورے نفع کا آدھا لوں گا۔ اور مضارب اول نے دوسرے مضارب کو پورے نفع کی دو تہائی پر دے دیا تو آدھے نفع میں سے بھی ایک چھٹا حصہ زیادہ نفع دے دیا تو اس چھٹے حصے کا ذمہ دار مضارب اول ہوگا۔

وجہ: کیونکہ اسی نے ہی دو تہائی نفع دینے کا وعدہ کیا ہے۔ کلکیو لیٹر والا حساب اس طرح ہوگا۔ مالک کا آدھا ہوگا 50% مضارب ثانی کا 66.66% دو تہائی اور مضارب اول اپنے مال میں سے 16.66% ایک چھٹا حصہ ادا کرے گا۔

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ جیسی جیسی شرطیں آپس میں طے ہوئی ہیں نفع اسی کے مطابق تقسیم کیا جائے گا (۲) المسلمون عند شروطهم (بخاری شریف نمبر ۲۲۷۴)

۲؎ وَلِأَنَّهُ غَرَّهُ فِي ضِمْنِ الْعَقْدِ وَهُوَ سَبَبُ الرُّجُوعِ فَلِهَذَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ، وَهُوَ نَظِيرُ مَنِ اسْتُؤْجِرَ لِخِيَاطَةِ ثَوْبٍ بِدِرْهَمٍ فَدَفَعَهُ إِلَى مَنْ يَخِيطُهُ بِدِرْهَمٍ وَنِصْفٍ .

﴿فَصْلٌ﴾

(۹۴۴)قَالَ (وَإِذَا شَرَطَ الْمُضَارِبُ لِرَبِّ الْمَالِ ثُلُثَ الرِّبْحِ وَلِعَبْدِ رَبِّ الْمَالِ ثُلُثَ الرِّبْحِ عَلَى أَنْ يَعْمَلَ مَعَهُ وَلِنَفْسِهِ ثُلُثَ الرِّبْحِ فَهُوَ جَائِزٌ)

ترجمه:۲؎ اور اس وجہ سے کہ مضارب اول نے مضارب ثانی کو عقد کے ضمن میں دھوکا دیا، اور یہ رجوع کرنے کا سبب ہے اس مضارب ثانی مضارب اول سے رقم وصول کرے گا، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک کپڑے کو ایک درہم پر سینے کے لئے لیا، اور اسی کپڑے کو دوسرے کو ڈیڑھ درہم پر سینے دے دیا (یہ آدھا درہم درزی اول پر لازم ہوگا)

تشریح: یہ دوسری وجہ ہے کہ مضارب ثانی کو مضارب اول نے عقد میں دھوکا دیا ہے، اس لئے مضارب ثانی مضارب اول سے چھٹا حصہ وصول کرے گا، اس کی مثال یہ ہے کہ زید نے عمر کو ایک درہم میں ایک کپڑا سینے کے لئے دیا، اب عمر نے اسی کپڑے کو ڈیڑھ درہم میں ساجد کو سینے دے دیا، تو یہ آدھا درہم عمر پر لازم ہو جائے گا، اور عمر کو گھاٹا ہوگا، اسی طرح یہاں بھی ہوگا

فصل

ترجمه: (۹۴۴) مضارب نے یہ شرط کی کہ رب المال کے لئے نفع کی ایک تہائی ہوگی، اور رب المال کے غلام کے لئے ایک تہائی ہوگی اس شرط پر کہ وہ غلام بھی مضارب کے ساتھ کام کرے گا، اور اپنے لئے نفع کی ایک تہائی ہوگی تو جائز ہے

یہ مسئلہ دو اصولوں پر ہے

اصول: پہلے سے یہ طے ہے کہ رب المال خود مضارب کے ساتھ کام کرے تو مضاربت صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ اس سے مضارب کو پورے طور پر مال سپرد کرنا تخلیہ کرنا نہیں پایا جائے گا

دوسرا اصول: غلام کا قبضہ مالک سے الگ ہے، اس لئے مضاربت میں غلام کے کام کی شرط ہو تو اس سے آقا کا قبضہ شمار نہیں کیا جاتا ہے

تشریح: زید رب المال نے عمر مضارب کو ایک ہزار درہم دیا، اور یہ شرط لگائی کہ زید کا غلام ساجد بھی مضارب کے ساتھ کام کرے گا اور اس کو تہائی نفع ملے گا تو یہ مضاربت جائز ہے

وجه: مال زید کا ہے اس لئے زید مضاربت کے کام میں شریک نہیں ہو سکتا ہے، کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ زید نے پورے طور پر عمر مضارب کو مال سپرد نہیں کیا، اور تخلیہ نہیں کیا، لیکن زید کا غلام جس کو تجارت کی اجازت دی گئی ہے، اس کا قبضہ زید سے بالکل الگ ہے، اس لئے اس کی مضاربت سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ زید کا مال پر قبضہ ہے، اس لئے غلام کی مضاربت کی

۱؎ لِأَنَّ لِلْعَبْدِ يَدًا مُعْتَبَرَةً خُصُوصًا إِذَا كَانَ مَأْذُونًا لَهُ وَاشْتِرَاطُ الْعَمَلِ اِذِنَ لَهُ، ۲؎ وَلِهَذَا لَا يَكُونُ لِلْمَوْلَى وِلَايَةُ أَخْذِ مَا أَوْدَعَهُ الْعَبْدُ وَإِنْ كَانَ مَحْجُورًا عَلَيْهِ، وَلِهَذَا يَجُوزُ بَيْعِ الْمَوْلَى مِنْ عَبْدِهِ الْمَأْذُونِ لَهُ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ لَمْ يَكُنْ مَانِعًا مِنَ التَّسْلِيمِ وَالتَّخْلِيَةِ بَيْنَ الْمَالِ وَالْمُضَارِبِ، ۳؎ بِخِلَافِ اشْتِرَاطِ الْعَمَلِ عَلَى رَبِّ الْمَالِ لِأَنَّهُ مَانِعٌ مِنَ التَّسْلِيمِ عَلَى مَا مَرَّ، ۴؎ وَإِذَا صَحَّتِ

شرط صحیح ہے، اور نفع بھی صحیح ہے

ترجمہ : ۱؎ اس کی وجہ یہ ہے کہ غلام کا قبضہ بالکل الگ ہے، خصوصا جب کہ اس کو تجارت کرنے کی اجازت ہو، اور پہلے تجارت کی اجازت نہ بھی تھی تو کام کی شرط لگانے سے ہی تجارت کی اجازت ہوگئی ہے،

تشریح : غلام مضاربت کے کام میں شریک ہو، اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ غلام کا قبضہ معتبر ہے، یعنی آقا کے قبضہ سے بالکل الگ ہے، خاص طور پر جب غلام کو تجارت کی اجازت دی ہو، اور اگر پہلے سے تجارت کی اجازت نہیں دی تو اب جب آقا نے کہا کہ مضارب کے ساتھ کام کرسکتا ہے تو اب تجارت کی اجازت ہوگئی ہے

ترجمہ :۲؎ یہی وجہ ہے کہ غلام نے کوئی امانت کسی کے پاس رکھی ہو تو آقا اس کو امین سے واپس نہیں لے سکتا ہے، چاہے غلام کو تجارت کی اجازت نہ بھی ہو، اور یہی وجہ ہے کہ آقا اپنے ماذون غلام سے اپنی چیز بیچ سکتا ہے، اور ایسا ہوا تو (غلام کے کام کرنے کی شرط سے) مال کے سپرد کرنے اور تخلیہ کرنے سے مانع نہیں ہوا

تشریح : غلام کا قبضہ آقا کے قبضہ سے الگ ہے اس کی دو وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ ایک یہ کہ غلام نے آقا ہی کا مال کہیں امانت رکھا ہو تو آقا کو یہ حق نہیں ہے کہ جس کے پاس امانت رکھا ہے وہاں سے غلام کی اجازت کے بغیر اس مال کو لے، حالانکہ یہ مال آقا ہی کا ہے، لیکن غلام کا قبضہ اور ہے اور آقا کا قبضہ اور ہے اس لئے آقا کا مال ہونے کے باوجود اس کو نہیں لے سکتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ غلام کا قبضہ اور ہے اور آقا کا قبضہ اور ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آقا اپنے مال کو ماذون غلام سے بیچ سکتا ہے، حالانکہ ماذون غلام کے پاس جو مال ہے وہ آقا ہی کا ہے، لیکن چونکہ غلام کا قبضہ الگ ہے اس لئے آقا غلام سے خرید وفروخت کرسکتا ہے۔ اور جب غلام کا قبضہ الگ ہوا تو مضارب کے ساتھ غلام کرے تو اس میں رب المال کا دخل نہیں ہوا، اس لئے مضاربت صحیح ہوگئی

ترجمہ: ۳؎ بخلاف مضارب کے ساتھ رب المال کے کام کرنے کی شرط ہو تو وہ سپرد کرنے سے مانع ہوا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے

تشریح :ہاں یہ شرط لگائے کہ مضارب کے ساتھ خود رب المال کام کرے گا تو مضاربت صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ اس صورت میں رب المال کا دخل رہے گا، اور پورے طور پر مال کو تخلیہ نہیں کیا، اور سپرد نہیں کیا۔

ترجمہ :۴؎ اور جب مضاربت صحیح ہوگئی تو شرط کے مطابق ایک تہائی مضارب کا ہوگا، دو تہائی آقا کا ہوگا، اس لئے کہ غلام

الْـمُـضَـارَبَةُ يَـكُـونُ الثُّلُثُ لِلْمُضَارِبِ بِالشَّرْطِ وَالثُّلُثَانِ لِلْمَوْلَى، لِأَنَّ كَسْبَ الْعَبْدِ لِلْمَوْلَى إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ، وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَهُوَ لِلْغُرَمَاءِ .هَذَا إِذَا كَانَ الْعَاقِدُ هُوَ الْمَوْلَى،

(٩٤٥) وَلَـوْ عَقَدَ الْعَبْدُ الْمَأْذُونُ عَقْدَ الْمُضَارَبَةِ مَعَ أَجْنَبِيٍّ وَشَرَطَ الْعَمَلَ عَلَى الْمَوْلَى لا يَصِحُّ إِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ . لِ لِأَنَّ هَذَا اشْتِرَاطُ الْعَمَلِ عَلَى الْمَالِكِ،

(٩٤٦) وَإِنْ كَانَ عَلَى الْعَبْدِ دَيْنٌ صَحَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِ لِأَنَّ الْمَوْلَى بِمَنْزِلَةِ الْأَجْنَبِيِّ عِنْدَهُ عَلَى مَا عُرِفَ.

کی آقا ہی لیگا اگر غلام پر کوئی قرض نہ ہو، اور اگر غلام پر قرض ہو تو غلام کا حصہ قرض والے لیں گے، یہ مسئلہ اس صورت میں تھا جب رقم آقا ہی دے رہا ہو (اور غلام کام کر رہا ہو)

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: (۹۴۵) اور اگر عبد ماذون نے اجنبی کے ساتھ مضاربت کی اور آقا کے کام کرنے کی شرط لگائی، تو اگر غلام پر قرض نہیں ہے تو یہ مضاربت صحیح نہیں ہوگی

ترجمہ: لے اس لئے کہ مال کے مالک کے کام کرنے کی شرط لگا رہا ہے

اصول: یہاں اصول یہ ہے کہ غلام پر قرض نہیں ہے تو غلام کا مال آقا کا ہی ہے، اور آقا کے کام کی شرط لگائی تو مضارب کو پورے طور پر سپرد نہیں کیا اس لئے مضاربت صحیح نہیں ہوگی

تشریح: عبد ماذون زید کا مال تھا اور عمر کو مضاربت پر دیا، اور یہ بھی شرط لگائی کہ میرا آقا ساجد اس میں کام کرے گا، اور غلام پر قرض نہیں ہے تو یہ مضاربت صحیح نہیں ہوگی

وجہ: کیونکہ یہ سارا مال آقا کا ہی ہے، اس لئے اس کے کام کرنے کی شرط سے مال سپرد کرنا، اور تخلیہ کرنا نہیں پایا گیا، اس لئے مضاربت صحیح نہیں ہوگی

ترجمہ: (۹۴۶) اور اگر غلام پر قرض ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ مضاربت صحیح ہے،

ترجمہ: لے غلام پر قرض ہونے کی وجہ سے آقا غلام سے اجنبی کی طرح ہے، جیسا کہ پہلے معلوم ہوا ہے

اصول: ماذون غلام پر قرض ہے تو غلام کا مال آقا کا مال نہیں ہے، اس لئے آقا کے کام کی شرط سے مال سپرد کرنے میں خلل نہیں ہوا ہے

تشریح: واضح ہے

﴿فَصلٌ فِی الْعَزْلِ وَالْقِسْمَةِ﴾

(٩٤٧) قَالَ (وَإذَا مَاتَ رَبُّ الْمَالِ أَوِ الْمُضَارِبُ بَطَلَتِ الْمُضَارَبَةُ) ١ لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ عَلَى مَا تَقَدَّمَ، وَمَوْتُ الْمُوَكِّلِ يُبْطِلُ الْوَكَالَةَ، وَكَذَا مَوْتُ الْوَكِيلِ وَلَا تُورَثُ الْوَكَالَةُ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ.

(٩٤٨) (وَإِن ارْتَدَّ رَبُّ الْمَالِ عَنِ الْإِسْلَامِ) وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ (وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ) (بَطَلَتِ الْمُضَارَبَةُ) ١ لِأَنَّ اللُّحُوقَ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ يُقَسَّمُ مَالُهُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ ٢ وَقَبْلَ لُحُوقِهِ يَتَوَقَّفُ تَصَرُّفُ مُضَارِبِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ لَهُ فَصَارَ كَتَصَرُّفِهِ بِنَفْسِهِ

﴿فصل فی العزل والقسمة﴾

ترجمہ:(٩٤٧) اگر مالک کا، یا مضارب کا انتقال ہو گیا تو مضاربت باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ: ١ اس کی وجہ یہ ہے کہ مضارب بنانا وکیل بنانا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، اور موکل کے مرنے سے وکالت باطل ہو جاتی ہے، ایسے ہی وکیل کے مرنے سے بھی وکالت باطل ہو جاتی ہے، اور وکالت میں وراثت بھی نہیں ہوتی (کہ وارث مضارب بن جائے)، پہلے یہ بحث گزر چکی ہے

اصول: وکیل یا موکل کے مرنے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے

وجہ: (١) مضاربت میں مضارب مالک کا وکیل ہوتا ہے اور انتقال ہونے سے وکالت باطل ہو جاتی ہے اس لئے دونوں میں سے کسی ایک کے انتقال سے مضاربت باطل ہو جائے گی (٢) حدیث میں ہے۔ **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة اشياء** (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی الصدقة عن المیت ج ثانی، ص ٤٢، نمبر ٢٨٨٠) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انتقال سے مضاربت باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ:(٩٤٨) اگر مالک اسلام سے مرتد ہو جائے اور دار الحرب چلا جائے تو مضاربت باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ دار الحرب میں چلا جانا موت کے درجے میں ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ اس کا مال ورثہ میں تقسیم کر دیا جاتا ہے

تشریح: اسلام سے مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے اندازہ ہے کہ کبھی واپس نہیں آئے گا تو وہ مرنے کے درجے میں ہو گیا۔ اس لئے ان میں مضاربت باطل ہو جائے گی

وجہ: حدیث اوپر گزر گئی **اذا مات الانسان انقطع عنه عمله۔**

ترجمہ: ٢ رب المال مرتد تو ہوا لیکن ابھی دار الحرب نہیں گیا ہے تو مضارب کا تصرف موقوف رہے گا، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اس لئے مضارب کا تصرف رب المال کے لئے تصرف کر رہا ہے، تو رب المال کے تصرف کی طرح ہو گیا (مرتد

(٩٤٩)(وَلَوْ كَانَ الْمُضَارِبُ هُوَ الْمُرْتَدُّ فَالْمُضَارَبَةُ عَلَى حَالِهَا) ؛ لِ لِأَنَّ لَهُ عِبَارَةً صَحِيحَةً، وَلَا تُوقَفُ فِي مِلْكِ رَبِّ الْمَالِ فَبَقِيَتِ الْمُضَارَبَةُ .

(٩٥٠)قَالَ (فَإِنْ عَزَلَ رَبُّ الْمَالِ الْمُضَارِبَ وَلَمْ يَعْلَمْ بِعَزْلِهِ حَتَّى اشْتَرَى وَبَاعَ فَتَصَرُّفُهُ جَائِزٌ) لِ لِأَنَّهُ وَكِيلٌ مِنْ جِهَتِهِ وَعَزْلُ الْوَكِيلِ قَصْدًا يَتَوَقَّفُ عَلَى عِلْمِهِ

ہونے کی وجہ سے رب المال کا تصرف موقوف ہے اس لئے مضارب کا تصرف بھی موقوف رہے گا)

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ رب المال مرتد ہو جائے اور ابھی دار الحرب نہیں گیا ہو تو اس کا تصرف موقوف رہے گا(،اگر مسلمان ہو گیا تو تصرف لوٹ آئے گا، اور مسلمان نہیں ہوا، اور مرتد ہونے کی وجہ سے قتل ہوا تو مضاربت ختم ہو جائے گی، تاہم ابھی اس کا تصرف موقوف رہے گا، اور مضارب رب المال کے لئے مضاربت کرتا ہے، اس لئے اس کا تصرف بھی موقوف رہے گا)

تشریح: رب المال مرتد تو ہو گیا ہے لیکن ابھی دار الحرب نہیں گیا ہے تو اس کا تصرف موقوف ہو جاتا ہے، اس لئے مضارب کی مضاربت بھی موقوف رہے گی

ترجمہ: (٩٤٩)اور اگر مضارب ہی مرتد ہوا تو مضاربت باقی رہے گی

ترجمہ: لِ اس لئے کہ مضارب کی بات صحیح ہے اور رب المال میں کوئی توقف نہیں آیا ہے اس لئے مضاربت باقی رہے گی

تشریح: رب المال مرتد نہیں ہوا تھا، لیکن مضارب مرتد ہو گیا تو مضاربت باقی رہے گی

وجہ: مضارب عاقل اور بالغ ہونے کی وجہ سے اس کی عبارت صحیح ہے اس لئے مضاربت باقی رہے گی، یہ اور بات ہے کہ مرتد ہونے کی وجہ سے اس کا تصرف موقوف رہے گا، اس لئے ابھی مضاربت کا کام موقوف رہے گا، تاہم مضاربت ختم نہیں ہوگی

ترجمہ: (٩٥٠) اگر مالک نے مضارب کو معزول کر دیا اور اس کو اپنے معزول ہونے کا علم نہیں ہوا یہاں تک کہ خریدا یا بیچا تو اس کا تصرف جائز ہے۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ مضارب رب المال کی جانب سے وکیل ہے اور وکیل کو جان کر معزول کرے تو اس کو علم ہو اس پر موقوف ہے (اور مضارب کو علم نہیں ہوا تو اس کا خریدنا اور بیچنا بھی جائز ہے)

اصول: اختیاری معزولی میں وکیل کو علم سے پہلے وہ معزول نہیں ہوگا۔

تشریح: رب المال نے مضارب کو معزول کیا لیکن اس کو اس کا علم نہیں ہو سکا، اس درمیان جو کچھ بھی خریدا یا بیچا تو وہ خریدنا اور بیچنا جائز ہے

وجہ: اس کو علم نہیں تھا اس لئے وہ معزول نہیں ہوا تھا

(٩٥١)(وَإِنْ عَلِمَ بِعَزْلِهِ وَالْمَالُ عُرُوضٌ فَلَهُ أَنْ يَبِيعَهَا وَلَا يَمْنَعُهُ الْعَزْلُ مِنْ ذَلِكَ) ١ لِأَنَّ حَقَّهُ قَدْ ثَبَتَ فِي الرِّبْحِ، وَإِنَّمَا يَظْهَرُ بِالْقِسْمَةِ وَهِيَ تُبْتَنَى عَلَى رَأْسِ الْمَالِ، وَإِنَّمَا يَنِضُّ بِالْبَيْعِ .

(٩٥٢)قَالَ (ثُمَّ لَا يَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِيَ بِثَمَنِهَا شَيْئًا آخَرَ) ١ لِأَنَّ الْعَزْلَ إِنَّمَا لَمْ يَعْمَلْ ضَرُورَةَ مَعْرِفَةِ رَأْسِ الْمَالِ وَقَدِ انْدَفَعَتْ حَيْثُ صَارَ نَقْدًا فَيَعْمَلُ الْعَزْلُ

(٩٥٣)(فَإِنْ عَزَلَهُ وَرَأْسُ الْمَالِ دَرَاهِمُ أَوْ دَنَانِيرُ وَقَدْ نَضَّتْ لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَتَصَرَّفَ فِيهَا) ١ لِأَنَّهُ

ترجمہ :(٩٥١)اور اگر معزول کرنے کی اطلاع ہوئی اور مال اس کے ہاتھ میں سامان تھا تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو بیچے اور معزول کرنا مضارب کو بیچنے سے نہیں روکے گا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چاہے مضارب کو معزول کر دیا ہو لیکن اگر اس کا نقصان ہو رہا ہو تو نقصان کی تلافی تک وہ معزول نہیں ہوگا۔لا ضرر و لا ضرار .

ترجمہ : ١ اس لئے کہ نفع میں مضارب کا حق ثابت ہو چکا ہے، اور یہ بٹوارہ کرنے کے بعد ظاہر ہوگا، اور اور راس المال الگ کرنے کے بعد نفع کا بٹوارہ ہو سکے، اور فروخت کرنے کے بعد ہی نقد ہوگا

تشریح :مالک نے مضارب کو معزول کر دیا اور اس کو معزولی کی اطلاع بھی ہوئی لیکن اس وقت اس کے پاس مضاربت کا سامان تھا تو وہ سامان بیچ سکتا ہے۔البتہ جب سامان کی قیمت آجائے تو اس قیمت سے مزید کوئی چیز نہ خریدے۔

وجہ:مضارب کا حق نفع میں ہے، اور راس المال کتنا ہے اور اس میں سے نفع کتنا ہے یہ سامان بیچنے کے بعد پتہ چلے گا، اس لئے مضارب کو سامان بیچنے کا حق ہوگا

لغت :ینض :نقد کرنا

ترجمہ: (٩٥٢) پھر اس سامان کی قیمت سے کسی مضارب کے لئے کسی چیز کو خریدنا جائز نہیں ہوگا

ترجمہ :١ اس لئے معزول ہونے کا اعتبار اس لئے نہیں تھا کہ راس المال کی مقدار پہچاننا تھا اور وہ ضرورت پوری ہوگئی کیونکہ سامان بک کر نقد ہو گیا اس لئے معزول ہونا کام کرے گا

تشریح :رب المال کے معزول کرنے کے باوجود سامان بیچنے کی اجازت اس لئے تھی کہ نفع کا اور راس المال کی مقدار کا پتہ چل جائے ،اور سامان کے بک جانے کے بعد پتہ چل گیا، اس لئے اب معزول ہونے کا اعتبار ہوگا، اور اب مضارب دوبارہ کچھ نہیں خرید سکے گا

ترجمہ :(٩٥٣)اور اگر مضارب کو معزول کیا اس حال میں کہ رأس المال نقد درہم یا دینار ہو تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس میں تصرف کرے۔

تشریح:راس المال نقد درہم، یا دینار ہے تو معزول مضارب کو یہ حق نہیں ہے کہ اس میں تصرف کرے، کیونکہ وہ معزول ہو چکا ہے

ترجمہ:١ اس لئے کہ معزول کو موثر بنانے میں نفع کا حق باطل نہیں ہوتا ہے تو تصرف کی ضرورت نہیں ہے

لَيْسَ فِی إِعْمَالِ عَزْلِهِ إِبْطَالُ حَقِّهِ فِی الرِّبْحِ فَلا ضَرُورَةَ . ٢ قَالَ: وَهَذَا الَّذِی ذَكَرَهُ إِذَا كَانَ مِنْ جِنْسِ رَأْسِ الْمَالِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ بِأَنْ كَانَ دَرَاهِمَ وَرَأْسُ الْمَالِ دَنَانِيرُ أَوْ عَلَى الْقَلْبِ لَهُ أَنْ يَبِيعَهَا بِجِنْسِ رَأْسِ الْمَالِ اسْتِحْسَانًا لِأَنَّ الرِّبْحَ لا يَظْهَرُ إِلَّا بِهِ وَصَارَ كَالْعُرُوضِ، ٣ وَعَلَى هَذَا مَوْتُ رَبِّ الْمَالِ فِی بَيْعِ الْعُرُوضِ وَنَحْوِهَا.

(٩٥٤)قَالَ (وَإِذَا افْتَرَقَا وَفِی الْمَالِ دُيُونٌ وَقَدْ رَبِحَ الْمُضَارِبُ فِيهِ أَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى اقْتِضَاءِ الدُّيُونِ) ١ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْأَجِيرِ وَالرِّبْحُ كَالْأَجْرِ لَهُ.

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ مضارب کا نفع خراب نہ ہوتا ہو تو معزول جو کیا ہے اس کو موثر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے

لغت: نضت: سامان کے بعد نقد ہوا ہو۔

ترجمہ: ٢ مصنف فرماتے ہیں کہ یہ جو ذکر کیا کہ نقد درہم اور دینار ہو تو اب اس سے کچھ نہیں کرنا ہے (صرف نفع تقسیم کرنا ہے) اس وقت ہے جب کہ وہ نقد راس المال کی جنس سے ہو، لیکن اگر راس المال کی جنس سے نہ ہو، مثلا مضارب کے پاس درہم ہے اور راس المال دینار ہے، یا اس کا الٹا ہے (مضارب کے پاس دینار ہے اور راس المال درہم ہے) تو مضارب کو راس المال کی جنس بیچنے کی استحسانا گنجائش ہے، اس لئے کہ بغیر بیچے نفع کا پتہ نہیں چلے گا، تو وہ بھی سامان کی طرح ہو گیا

تشریح: مضارب کے پاس نقد تو آیا ہے تو راس المال کی جنس سے نہیں ہے تو مضارب کو راس المال کی جنس سے بیچنے کی گنجائش ہے تا کہ پتہ چل سکے کہ اس میں راس المال کتنا ہے، اور نفع کتنا ہے

ترجمہ: ٣ اور اسی تفصیل پر ہے، رب المال مر گیا تو سامان کے بیچنے میں اور مسائل میں

تشریح: رب المال نے مضارب کو معزول کر دیا تھا، اس کے بعد رب المال کا انتقال ہو گیا، اور مضارب کے پاس سامان ہے تو اس کو بیچنے کا اختیار ہو گا، اور بیچ کر نقد آئے گا تب نفع تقسیم کر کے رب المال کے وارثین کو دیگا

ترجمہ: (٩٥٤) اگر مالک اور مضارب علیحدہ ہوئے اور راس المال بہت سے لوگوں پر ادھار ہے اور مضارب اس سے نفع لے چکا ہے تو حاکم اس کو ادھار وصول کرنے پر مجبور کرے گا۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ مضارب مزدور کی طرح ہے اور نفع اس کی مزدوری ہے (اور نفع لے چکا ہے، یعنی ادھار وصول کرنے کی مزدوری لے چکا ہے اس لئے ادھار وصول کرنے کی ذمہ داری مضارب کی ہے

تشریح: مالک اور مضارب مضاربت سے جدا جدا ہو رہے ہیں۔ اور صورت حال یہ ہے کہ کچھ مال مضاربت ادھار پر گیا ہوا ہے، اب اس کی قیمت کون وصول کرے؟ مالک یا مضارب؟ تو فرماتے ہیں کہ اگر مضارب اس مال سے نفع لے چکا ہے تو ادھار وصول کرنا مضارب کا کام ہے۔

(٩٥٥)(وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ رِبْحٌ لَمْ يَلْزَمْهُ الِاقْتِضَاءُ) لِأَنَّهُ وَكِيلٌ مَحْضٌ وَالْمُتَبَرِّعُ لَا يُجْبَرُ عَلَى إِيفَاءِ مَا تَبَرَّعَ بِهِ، (وَيُقَالُ لَهُ: وَكِّلْ رَبَّ الْمَالِ فِي الِاقْتِضَاءِ) ١؎ لِأَنَّ حُقُوقَ الْعَقْدِ تَرْجِعُ إِلَى الْعَاقِدِ، فَلَا بُدَّ مِنْ تَوْكِيلِهِ وَتَوَكُّلِهِ كَيْ لَا يَضِيعَ حَقُّهُ. ٢؎ وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: يُقَالُ لَهُ: أَحِّلْ مَكَانَ قَوْلِهِ: وَكِّلْ، وَالْمُرَادُ مِنْهُ الْوَكَالَةُ وَعَلَى هَذَا سَائِرُ الْوَكَالَاتِ، ٣؎ وَالْبَيَّاعُ وَالسِّمْسَارُ يُجْبَرَانِ عَلَى

وجــه : جب مضارب نے نفع لیا تو گویا کہ وہ اجیر کے مانند ہو گیا۔اس نے بیچنے،خریدنے اور ادھار وصول کرنے کی اجرت لے لی۔اس لئے ادھار وصول کرنا اس پر لازم ہوگا۔

تــرجـمـه :(٩٥٥)اور اگر مال میں نفع نہ ہوا ہو تو مضارب کو ادھار وصول کرنا لازم نہیں ہے۔(اس لئے کہ مضارب صرف وکیل ہے اور نفع نہیں لیا ہے،اس لئے صرف احسانا کام کرنے والا ہے،اور احسان کرنے والے کو مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے)اس کو کہا جائے گا کہ مالک کو وصول کرنے کا وکیل بنادے۔

تشـريـح:اور اگر نفع نہیں لیا ہے تو مضارب تبرع اور احسان کے طور پر بیچنے خریدنے کا وکیل بنا ہوا ہے۔اور تبرع اور احسان والے کو مزید کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔اس لئے حاکم اس کو ادھار وصول کرنے پر مجبور نہیں کرے گا۔البتہ مضارب اس ادھار کو وصول کرنے کا وکیل مالک کو بنادے تا کہ اس کی وکالت میں وہ ادھار وصول کر سکے اور اس کا مال ضائع نہ ہو۔

وجه : چونکہ مضارب نے عقد کیا تھا اس لئے ادھار وصول کرنا اس کے حقوق میں سے تھا۔اس لئے وہ مالک کو باضابطہ وکیل بنائے تا کہ وہ اس کی وکالت میں ادھار وصول کر سکے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ تبرع اور احسان میں کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

لغت : دیون : قرض،ادھار۔ اقتضاء : وصول کرنا۔

تـرجـمـه :١؎ اس لئے کہ عقد کے حقوق عاقد (مضارب) کی طرف لوٹتے ہیں اس لئے اس کا وکیل بنانا ضروری ہے،اور رب المال کا وکالت کا قبول کرنا ضروری ہے تا کہ رب المال کا حق ضائع نہ ہو

تشريح:واضح ہے

تـرجـمـه: ٢؎ جامع صغیر میں وکل کی جگہ پر احل، ہے لیکن اس سے مراد وکیل بنانا ہی ہے،اور تمام وکالتوں کا حال بھی یہی ہے

تشـــريـح : جامع صغیر میں،وکل، کا لفظ نہیں ہے بلکہ،احل، کا لفظ ہے،آگے فرماتے ہیں کہ تمام وکالتوں کا حال یہی ہے کہ اجرت کے بغیر کام کر رہا ہو تو ادھار کے وصول کرنے پر وکیل کو مجبور نہیں کر سکتے ہیں،البتہ اس کو یہ کہا جائے گا کہ اصل مالک کو ادھار وصول کرنے کا وکیل بنادو،تا کہ اس کا مال ضائع نہ ہو

تــر جـــمـــه: ٣؎ بیچنے والے اور دلال کو ادھار وصول کرنے پر مجبور کیا جائے گا،اس لئے کہ یہ لوگ عادۃ اجرت لیکر ہی کام کرتے ہیں

التَّقَاضِی لِأَنَّهُمَا يَعْمَلَانِ بِأُجْرَةٍ عَادَةً .

(۹۵۶)قَالَ (وَمَا هَلَکَ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ فَهُوَ مِنَ الرِّبْحِ دُونَ رَأْسِ الْمَالِ) ۱؎ لِأَنَّ الرِّبْحَ تَابِعٌ وَصَرْفُ الْهَلَاکِ إِلَی مَا هُوَ التَّبَعُ أَوْلَی کَمَا يُصْرَفُ الْهَلَاکُ إِلَی الْعَفْوِ فِی الزَّکَاةِ .

(۹۵۷)(فَإِنْ زَادَ الْهَالِکُ عَلَی الرِّبْحِ فَلَا ضَمَانَ عَلَی الْمُضَارِبِ) ۱؎ لِأَنَّهُ أَمِينٌ

لغت : البياع :جو اجرت لیکر دوسروں کا مال خرید وفروخت کرے۔سمسار: بائع اور مشتری کے درمیان سفیر ہو۔ یہ بھی اجرت پر کام کرتے ہیں۔اور دوسرا ترجمہ ہے دلال، یعنی اجرت پر خرید وفروخت کرے

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اجرت پر خرید وفروخت کرے تو ادھار وصول کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے۔اور تبرع اور احسان سے خرید وفروخت کرے تو ادھار وصول کرنا اس کی ذمہ داری نہیں ہے

ترجمہ:(۹۵۶) جو کچھ ہلاک ہو جائے مضاربت کے مال سے تو وہ نفع سے ہوگا نہ کہ اصلی پونجی سے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ نفع تابع ہے اور ہلاک شدہ کو تابع کی طرف پھیرنا زیادہ بہتر ہے، جیسے زکوۃ ہلاک ہو جائے تو پہلے عفو کی طرف پھیرتے ہیں

تشریح : یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ مال کی ہلاکت پہلے نفع میں سے وضع کی جائے گی۔ہلاکت اس سے بھی زیادہ ہو تو اصل پونجی سے جائے گی۔شروع میں ہی ہلاکت اصل پونجی سے وضع نہیں کریں گے۔اس لئے مال ہلاک ہو جائے تو پہلے نفع سے وضع کی جائے گی اصل پونجی سے نہیں۔

وجہ : (۱) نفع تابع ہے اور پونجی اصل ہے۔اس لئے ہلاکت پہلے تابع سے وضع کی جائے گی (۲) قول تابعی میں ہے۔عن ابن سيرين و ابو قلابه قالافی رجل دفع الی رجل مالا مضاربة فضاع بعضه او وضع قالا ان كان صاحب المال لم يحاسبه حتی ضرب به اخری فربح فلا ربح للمقارض حتی يستوفی صاحب المال رأس ماله وان كان قد حاسبه او آجره ثم ضرب به مرة اخری اقتسما الربح بينهما' وكان الوضيع الاول علی المال (مصنف عبد الرزاق، باب اختلاف المضاربين اذا ضرب به مرة اخری، ج ثامن، ص ۲۵۱، نمبر ۱۵۰۹۹) اس قول تابعی میں ہے کہ کچھ مال ہلاک ہو جائے اور پہلے نفع کا حساب نہ کیا ہو تو ہلاکت نفع میں سے وضع کی جائے گی۔اور اس وقت تک مضارب کو نفع نہیں ملے گا جب تک پونجی پوری نہ ہو جائے۔اور اگر پہلا حساب ہو چکا ہو یعنی پہلا عقد ختم ہو چکا ہو پھر دوسرے عقد میں نفع ہوا ہو تو یہ نفع پہلی پونجی میں وضع نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ:(۹۵۷) پس اگر ہلاک ہونے والا مال نفع سے بڑھ جائے تو مضارب پر اس میں ضمان نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ کیونکہ وہ امین ہے

تشریح : مثلا ایک ہزار درہم پونجی تھی اور دو سو درہم نفع کمایا تھا۔بعد میں تین سو درہم ہلاک ہو گئے تو دو سو درہم نفع میں سے

(٩٥٨)(وَإِنْ كَانَا يَقْتَسِمَانِ الرِّبْحَ، وَالْمُضَارَبَةُ بِحَالِهَا ثُمَّ هَلَكَ الْمَالُ بَعْضُهُ أَوْ كُلُّهُ تَرَادَّا الرِّبْحَ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ رَبُّ الْمَالِ رَأْسَ الْمَالِ) ۱ لِأَنَّ قِسْمَةَ الرِّبْحِ لَا تَصِحُّ قَبْلَ اسْتِيفَاءِ رَأْسِ الْمَالِ لِأَنَّهُ هُوَ الْأَصْلُ وَهَذَا بِنَاءٌ عَلَيْهِ وَتَبَعٌ لَهُ، فَإِذَا هَلَكَ مَا فِي يَدِ الْمُضَارِبِ أَمَانَةً تَبَيَّنَ أَنَّ مَا اسْتَوْفَيَاهُ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ، فَيَضْمَنُ الْمُضَارِبُ مَا اسْتَوْفَاهُ لِأَنَّهُ أَخَذَهُ لِنَفْسِهِ وَمَا أَخَذَهُ رَبُّ الْمَالِ مَحْسُوبٌ مِنْ رَأْسِ مَالِهِ.

وضع کئے جائیں گےاور بعد میں ایک سودرہم اصل پونجی سے جائے گا۔اور مضارب اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

وجه : (١)مضارب امین ہےاور بغیر تعدی کےامین سے کوئی چیز ہلاک ہوجائے تواس پرضمان لازم نہیں ہوتا ہے۔اس لئے مضارب پرضمان لازم نہیں ہوگا(٢) پہلےقول تابعی میں گزرا و كان الوضيع الاول على المال (مصنف عبدالرزاق، نمبر١٥٠٩٩)(٣) حضرت علی کا قول ہے۔عن علی فی المضاربة ،الوضيعة على المال والربح على ما اصطلحوا عليه (مصنف عبدالرزاق، باب نفقة المضارب ووضيعته، ج ثامن،ص ٢٤٨،نمبر ١٥٠٨٧/مصنف ابن ابی شیبة ا من قال الربح على ما اصطلح عليه والوضيعة على رأس المال، ج رابع،ص٢٧٢،نمبر١٩٩٥٤)اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ ہلاکت پونجی سے شمار کی جائے گی۔اس لئے مضارب اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

ترجمه :(٩٥٨)اوراگردونوں نفع تقسیم کر چکے ہوں اور مضاربت اپنی حالت پر ہو، پھر کل پونجی ہلاک ہوجائے یا بعض ہلاک ہوجائے تو دونوں نفع واپس لوٹائیں گے یہاں تک کہ مالک اصل پونجی پوری کر لے۔

ترجمه : ۱ اس لئے کہ راس المال پورا ہونے سے پہلے نفع کو تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ راس المال اصل ہے،اور یہ نفع اسی کی بنیاد پر ہے اور راس المال کے تابع ہے، پس جب وہ مضارب کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو پتہ چلا کہ جو وصول کیا ہے وہ راس المال سے وصول کیا ہے تو مضارب نے جتنا وصول کیا اس کا ضامن ہوگا ،اس لئے کہ مضارب نے اپنے لئے لیا ہے،اور رب المال نے جو نفع لیا ہے اس کو بھی راس المال میں گنا جائے گا

تشریح: مضارب اور مالک نفع تقسیم کر چکے تھےلیکن مضاربت کا عقد اپنی حالت پر بدستور تھا اس کو ختم نہیں کیا تھا کہ اسی دوران پوری پونجی یا کچھ پونجی ہلاک ہوگئی تو قاعدہ یہ ہے کہ دونوں نے جو نفع تقسیم کیا تھا وہ واپس کرے اور اصل پونجی میں شامل کرے تا کہ مالک کی اصل رقم پوری ہو جائے۔

وجه : (١) جب پونجی ہلاک ہوگئی تو معلوم ہوا کہ نفع تقسیم کرنا صحیح نہیں تھا۔اس لئے کہ نفع اصل پونجی پوری ہونے کے بعد ہوتا ہے۔اور یہاں اصل پونجی میں کمی واقع ہوگئی۔اس لئے نفع واپس کر کے اصل پونجی پوری کی جائے گی (٢)اصل پونجی نفع سے پوری نہ کریں تو مالک کو بلاوجہ نقصان ہوگا جس سے بچانا ضروری ہے(٣) ابھی اوپر قول تابعی گزرا۔عن ابن سيرين و ابی قلابة قالا فی رجل دفع الی رجل مالا مضاربة فضاع بعضه او وضع قالا ان كان صاحب المال لم يحاسبه حتى

(٩٥٩)(وَإِذَا اسْتَوْفَى رَأْسَ الْمَالِ، فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ كَانَ بَيْنَهُمَا لِأَنَّهُ رِبْحٌ وَإِنْ نَقَصَ فَلَا ضَمَانَ عَلَى الْمُضَارِبِ) لِمَا بَيَّنَّا .

(٩٦٠)(فَلَوْ اقْتَسَمَا الرِّبْحَ وَفَسَخَا الْمُضَارَبَةَ ثُمَّ عَقَدَاهَا فَهَلَكَ الْمَالُ لَمْ يَتَرَادَّا الرِّبْحَ الْأَوَّلَ) لِ لِأَنَّ الْمُضَارَبَةَ الْأُولَى قَدِ انْتَهَتْ وَالثَّانِيَةَ عَقْدٌ جَدِيدٌ، فَهَلَاكُ الْمَالِ فِي الثَّانِي لَا يُوجِبُ انْتِقَاضَ الْأَوَّلِ كَمَا إِذَا دَفَعَ إِلَيْهِ مَالًا آخَرَ.

ضرب به اخرى فربح فلا ربح للمقارض حتى يستوفى صاحب المال رأس ماله(مصنف عبدالرزاق، باب اختلاف المضاربين اذا ضرب به مرة اخرى، ج ثامن،ص ٢٥١،نمبر ١٥٠٩٩)اس قول تابعی میں ہے کہ مضارب کو اس وقت تک نفع نہیں دیا جائے گا جب تک کہ اصل پونجی پوری نہ ہو جائے۔اس لئے واپس لوٹا کر اصل پونجی پوری کی جائے گی۔

ترجمه :(٩٥٩) پس اگر کچھ نفع بچ جائے تو دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔اور اگر پونجی میں کچھ کم رہ جائے تو مضارب ضامن نہیں ہوگا۔(اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کیا، کہ وہ امین ہے)

تشریح : نفع دونوں نے واپس کیا پھر بھی ہلاکت اتنی تھی کہ اصل پونجی پوری نہیں ہو پائی تو اب اس نقص کا ذمہ دار مضارب نہیں ہوگا۔مثلا ایک ہزار درہم اصل پونجی تھی۔پھر دو سو درہم نفع کمایا تھا۔لیکن ہلاکت تین سو درہم تھی اس لئے نفع کے دو سو درہم واپس کئے۔پھر بھی ایک سو درہم پونجی میں سے باقی رہ گئے تو اس ایک سو درہم کا ضمان مضارب نہیں دے گا۔

وجه : (١) پہلے گزر گیا ہے کہ مضارب امین ہے (٢) اس قول صحابی میں تھا الوضیعة علی المال (مصنف عبدالرزاق نمبر ١٥٠٨٧)اس لئے مضارب اس نقص کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

ترجمه :(٩٦٠) اور اگر دونوں نے نفع تقسیم کر لیا ہو اور مضاربت توڑ دی ہو پھر دونوں نے عقد مضاربت کیا ہو پھر کل مال ہلاک ہوا تو پہلا نفع نہیں لوٹائیں گے۔

ترجمه: لِ اس لئے کہ پہلی مضاربت ختم ہو گئی تھی، اور دوسری مضاربت نیا عقد ہے، اس لئے دوسرے عقد میں ہلاکت کو پہلے کے نقص کی بھرپائی واجب نہیں ہوگی، جیسے مضارب کو دوسرا مال دیا ہو تو اس میں پہلے کی بھرپائی واجب نہیں ہے

وجه:(١) پہلا عقد بالکل ختم ہو گیا ہے۔اور یہ دوسرا عقد عقد جدید ہے۔اس لئے اس کی پونجی کی ہلاکت پہلے میں شامل نہیں ہوگی۔اور پہلا نفع واپس کر کے اس پونجی کو پوری نہیں کی جائے گی (٢) قول تابعی میں تھا۔عن ابن سیرین و ابی قلابة ...وان کان قد حاسبه او آجره ثم ضرب به مر ة اخرى اقتسما الربح بینهما وکان الوضیع الاول علی المال (مصنف عبدالرزاق، نمبر ١٥٠٩٩)اس قول تابعی میں ہے کہ پہلے عقد کا حساب ہو گیا ہو تو دوسرے عقد کا اثر پہلے پر نہیں پڑے گا۔

فَصْلٌ فِيمَا يَفْعَلُهُ الْمُضَارِب

(۹۶۱)قَالَ (وَيَجُوزُ لِلْمُضَارِبِ أَنْ يَبِيعَ وَيَشْتَرِيَ بِالنَّقْدِ وَالنَّسِيئَةِ) ۱۔ لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ مِنْ صَنِيعِ التُّجَّارِ فَيَنْتَظِمُهُ إِطْلَاقُ الْعَقْدِ.

(۹۶۲) إِلَّا إِذَا بَاعَ إِلَى أَجَلٍ لَا يَبِيعُ التُّجَّارُ إِلَيْهِ ۱۔ لِأَنَّ لَهُ الْأَمْرَ الْعَامَّ الْمَعْرُوفَ بَيْنَ النَّاسِ، ۲۔ وَلِهَذَا كَانَ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ دَابَّةً لِلرُّكُوبِ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ سَفِينَةً لِلرُّكُوبِ، وَلَهُ أَنْ يَسْتَكْرِيَهَا اعْتِبَارًا لِعَادَةِ التُّجَّارِ، ۳۔ وَلَهُ أَنْ يَأْذَنَ لِعَبْدِ الْمُضَارَبَةِ فِي التِّجَارَةِ فِي الرِّوَايَةِ الْمَشْهُورَةِ لِأَنَّهُ مِنْ صَنِيعِ

فصل فیما یفعلہ المضارب

ترجمہ:(۹۶۱) مضارب کے لئے جائز ہے کہ نقد بیچے یا ادھار بیچے۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ سب تجارت کرنے کے طریقے ہیں اس لئے مطلق عقد ان تمام طریقوں کو شامل ہیں

اصول عام عرف میں تاجر جو کام کرتے ہیں مضارب کو وہ کرنے کی اجازت ہوگی، الا یہ کہ رب المال صراحت کے ساتھ منع کر دے

وجہ: چونکہ تجارت میں نقد اور ادھار دونوں طرح بیچنے کا رواج ہے اس لئے مضارب کو دونوں طرح بیچنے کا حق ہوگا۔

ترجمہ: (۹۶۲) تاجر جتنی دیر تک ادھار نہیں بیچتے اتنی دیر تک ادھار بیچنا صحیح نہیں ہوگا

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ مضارب وہ کام کرنے کی اجازت جو لوگوں کے درمیان مشہور ہے

تشریح: مثلا عام طور پر تاجر یہ کرتے ہیں کہ آج مبیع بیچی اور ایک مہینے میں اس کی قیمت وصول کی تو مضارب کو بھی اتنی تاخیر سے بیچنے کی گنجائش ہوگی، اس سے زیادہ پر بیچا تو مخالفت ہوگی

وجہ: عام عرف میں تاجر جو کام کرتے اس کے کرنے کی اجازت ہوگی

ترجمہ : ۲۔ یہی وجہ ہے کہ مضارب کو سواری کے لئے گھوڑا خریدنے کی اجازت ہوگی (اس لئے کہ تاجر سواری خریدتے ہیں) اور سواری کے لئے کشتی خریدنے کی اجازت نہیں ہوگی (اس لئے کہ تاجر تجارت کے لئے کشتی نہیں خریدتے ہیں) مضارب کو یہ اجازت ہوگی کہ کشتی کو کرایہ پر لے (کیونکہ تاجر کشتی کرایہ پر لیتے ہیں) تاجروں کی عادت کا اعتبار کرتے ہوئے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ۳۔ مضارب کو یہ اجازت ہوگی کہ مضاربت کے غلام کو تجارت کی اجازت دے، امام ابوحنیفہؒ کی مشہور روایت یہی ہے، اس لئے کہ تاجروں کی عادت ہے

تشریح: مضاربت کے مال میں غلام بھی تھا تو مضارب کے لئے یہ گنجائش ہوگی کہ وہ اس غلام کو تجارت کرنے کی اجازت دے، کیونکہ تاجروں کا ایک طریقہ یہ بھی ہے

التُّجَّارِ. ۴ وَلَوْ بَاعَ بِالنَّقْدِ ثُمَّ أَخَّرَ الثَّمَنَ جَازَ بِالْإِجْمَاعِ، أَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِأَنَّ الْوَكِيلَ يَمْلِكُ ذَلِكَ فَالْمُضَارِبُ أَوْلَى، إِلَّا أَنَّ الْمُضَارِبَ لَا يَضْمَنُ لِأَنَّ لَهُ أَنْ يُقَابِلَ ثُمَّ يَبِيعَ نَسِيئَةً، وَلَا كَذَلِكَ الْوَكِيلُ لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ ذَلِكَ. ۵ وَأَمَّا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ فَلِأَنَّهُ يَمْلِكُ الْإِقَالَةَ ثُمَّ الْبَيْعَ بِالنَّسَاءِ. بِخِلَافِ الْوَكِيلِ لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْإِقَالَةَ.

(٩٦٣)وَلَوِ احْتَالَ بِالثَّمَنِ عَلَى الْأَيْسَرِ أَوِ الْأَعْسَرِ جَازَ ١ لِأَنَّ الْحَوَالَةَ مِنْ عَادَةِ التُّجَّارِ، بِخِلَافِ

ترجمه : ۴ اگر مضارب نے نقد بیچا پھر اس کی قیمت موخر کر دی تو بالا جماع جائز ہے، صاحبینؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ تجارت کے وکیل کو ایسا کرنے کی اجازت ہے تو مضارب کو بدرجہ اولی اس کی اجازت ہوگی، یہ اور بات ہے کہ مضارب ضامن نہیں ہوگا، مضارب کو اجازت کی وجہ یہ ہے کہ مضارب کو اقالہ کرنے کی اجازت ہوتی ہے، پھر ادھار کر کے بیچنے کی اجازت ہے ،لیکن وکیل کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ اس کا مالک نہیں ہوتا

تشریح: مضارب نے پہلے نقد بیچا، پھر مشتری سے کہا کہ چلو ایک مہینے کے بعد قیمت دینا تو مضارب ایسا کر سکتا ہے

وجه : (۱) تاجروں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ پہلے نقد بیچے، پھر مشتری کے پاس رقم نہ ہو تو دو چار دن کی مہلت دے دے، اس لئے مضارب بھی ایسا کر سکتا ہے۔(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ تجارت کا وکیل ہو تو اس کو بھی یہ حق ہے کہ نقد بیچے پھر ادھار کر دے ،اس پر قیاس کرتے ہوئے مضارب کو بدرجہ اولی اس کا حق ہوگا

مضارب وکیل سے افضل ہے البتہ مضارب اور وکیل بالتجارت میں یہ دو فرق ہیں کہ ایسا کرنے میں مضارب سے مال ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ وہ امین ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ مضارب ایسا کر سکتا ہے کہ بیچی ہوئی چیز کا اقالہ کرے، یعنی مشتری سے واپس لے لے، اور پھر اسی مشتری سے دوبارہ ادھار بیچ دے، لیکن وکیل ایسا نہیں کر سکتا ہے، ان دو فرق کی وجہ سے مضارب وکیل سے بہتر ہے

لغت : یقابل: اقالہ کرے، یعنی مشتری کی درخواست پر مبیع مشتری سے واپس لے لئے۔ نسیئۃ :ادھار بیچے۔

ترجمه:۵ بہر حال امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو مضارب کو اس بات کا اختیار ہے کہ اقالہ کرے پھر ادھار بیچے، بخلاف وکیل بالبیع کے کہ وہ اقالہ کا اختیار نہیں رکھتا ہے

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مضارب کو یہ اختیار ہے کہ مشتری سے مبیع واپس لے لے، پھر اسی سے ادھار بیچ دے، البتہ وکیل بالتجارت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اقالہ کرے پھر مشتری سے بیچے، مضارب اور وکیل بالتجارت میں یہ فرق ہے

ترجمه: (٩٦٣) اگر مبیع کی قیمت کو کسی مالدار، یا تنگ دست پر حوالہ کر دیا تو جائز ہے

ترجمه : ١ اس لئے کہ ایسا کرنا تجار کی عادت ہے، بخلاف وصی کے کہ وہ یتیم کے مال کا حوالہ قبول کرے تو وہاں نفع دیکھا جائے گا (یعنی یہ حوالہ یتیم کے لئے نفع بخش ہو تو قبول کرنا جائز ہوگا، اور نفع بخش نہ ہو تو جائز نہیں ہوگا) اس لئے کہ اس میں یتیم

الْوَصِيِّ يَحْتَالُ بِمَالِ الْيَتِيمِ حَيْثُ يُعْتَبَرُ فِيهِ الْأَنْظَرُ، لِأَنَّ تَصَرُّفَهُ مُقَيَّدٌ بِشَرْطِ النَّظَرِ. ۲ وَالْأَصْلُ أَنَّ مَا يَفْعَلُهُ الْمُضَارِبُ ثَلَاثَةُ أَنْوَاعٍ: نَوْعٌ يَمْلِكُهُ بِمُطْلَقِ الْمُضَارَبَةِ وَهُوَ مَا يَكُونُ مِنْ بَابِ الْمُضَارَبَةِ وَتَوَابِعِهَا وَهُوَ مَا ذَكَرْنَا، وَمِنْ جُمْلَتِهِ التَّوْكِيلُ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ لِلْحَاجَةِ إِلَيْهِ وَالِارْتِهَانُ وَالرَّهْنُ لِأَنَّهُ إِيفَاءٌ وَاسْتِيفَاءٌ وَالْإِجَارَةُ وَالِاسْتِئْجَارُ وَالْإِيدَاعُ وَالْإِبْضَاعُ وَالْمُسَافَرَةُ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ. ۳ وَنَوْعٌ لَا يَمْلِكُهُ بِمُطْلَقِ الْعَقْدِ وَيَمْلِكُهُ إِذَا قِيلَ لَهُ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ، وَهُوَ مَا يَحْتَمِلُ أَنْ يَلْحَقَ بِهِ فَيَلْحَقَ عِنْدَ وُجُودِ

کے لئے انفع کا اعتبار کیا گیا ہے، کیونکہ وصی کا تصرف بہتری کے ساتھ مقید ہے

تشریح: مضاربت کی رقم مشتری پر تھی اس نے کہا کہ یہ رقم اب زید دیگا، اور مضارب نے اس کو قبول کرلیا تو زید مالدار ہو یا غریب دونوں صورتوں میں اس کے قبول کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ تاجروں کی عادت ہے کہ ایک کی رقم دوسرے سے وصول کی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی آدمی یتیم کا وصی اور نگراں ہے، اور یتیم کا پیسہ کسی پر ہے، اور اب کسی اور پر حوالہ کرتا ہے تو جس پر حوالہ کیا اس سے یتیم کا پیسہ جلدی وصول ہوگا تب تو وصی کے لئے جائز ہے کہ اس کو قبول کرے، اور اگر وہ غریب ہے تو وصی کے لئے اس کو قبول کرنا جائز نہیں ہے

وجہ: مضارب کو دونوں سے حوالہ قبول کرنے کا اختیار ہے۔ اور وصی کو صرف اس سے حوالہ قبول کرنے کا اختیار ہے جو یتیم کے لئے بہتری ہو

لغت: الایسر: یسر سے مشتق ہے، آسان، یعنی جو مالدار ہو اور آسانی سے رقم دیتا ہو۔ الاعسر: عسر سے مشتق ہے، جو غریب ہو اور مشکل سے رقم دیتا ہو۔ احتال: حوالہ کرنا، زید کا پیسہ عمر پر تھا، اب عمر نے کہا کہ یہ پیسہ خالد دے گا، اور خالد کے ذمہ ادائیگی کو حوالہ کر دیا، اس کو، حوالہ، کہتے ہیں الانظر: نظر سے مشتق ہے، جس میں بہتری ہو۔

ترجمہ: ۲ یہاں اصل قاعدہ یہ ہے کہ مضارب جو کچھ کرتا ہے تو اس کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ بغیر کچھ کہے مضارب اس کا مالک ہوتا ہے۔ جو چیز مضاربت کے باب میں سے ہیں، یا اس کے تابع ہیں، جس کا میں نے ذکر کیا ہے، ان میں سے بیچنے اور خریدنے کا وکیل بنانا ہے، کیونکہ ان کی ضرورت پڑتی ہے، اور رہن پر لینا، یا دوسرے کی چیز رہن پر رکھنا ہے، کیونکہ اس میں دینا ہے، یا وصول کرنا ہے۔ یا اجرت پر دینا ہے، یا اجرت پر لینا ہے، و امانت پر رکھنا ہے، مزدوری پر دینا ہے، اور سفر کرنا، اس تفصیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی (یعنی مضاربت میں ان کی ضرورت پڑتی ہے)

تشریح: مضاربت میں اوپر کی تمام چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے رب المال باضابطہ اس کی اجازت نہ بھی دے تب بھی مضارب کو ان کاموں کے کرنے کا اختیار ہوگا۔

ترجمہ: ۳ دوسری قسم وہ ہے کہ مطلق عقد سے مضارب اس کا مالک نہیں بنے گا، اور اگر یوں کہے کہ،، اعمل برأیک، اپنی رائے سے کام کرو، تو مضارب کو اس کے کرنے کا اختیار ہوگا، یہ وہ اعمال ہیں جو مضاربت کے ساتھ لاحق ہو سکتے ہوں، اس لئے دلالت کے پائے جاتے وقت وہ لاحق ہو جائیں گے، جیسے کسی کو مضاربت، یا شرکت پر مال دینا، یا مضاربت کے مال کو اپنے مال کے ساتھ یا غیر کے مال کے ساتھ ملا دینا، کیونکہ رب المال مضارب کی شرکت سے راضی ہے دوسرے کی شرکت

الـدَّلالَةِ، وَذلِکَ مِثلُ دَفعِ الـمَـالِ مُضَارَبَةً أَوْ شَرِكَةً إِلَى غَيْرِهِ وَخَلْطِ مَالِ الْمُضَارَبَةِ بِمَالِهِ أَوْ بِمَالِ غَيْـرِهِ لِأَنَّ رَبَّ الْـمَـالِ رَضِـيَ بِشِـرْكَتِـهِ لا بِشِرْكَةِ غَيْرِهِ، وَهُوَ أَمْرٌ عَارِضٌ لا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ التِّجَارَةُ فَلا يَـدْخُـلُ تَـحْـتَ مُـطْـلَقِ الْعَقْدِ وَلَكِنَّهُ جِهَةٌ فِي التَّثْمِيرِ، فَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ يُوَافِقُهُ فَيَدْخُلُ فِيهِ عِنْدَ وُجُودِ الـدَّلالَةِ وَقَـوْلُهُ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ دَلالَةٌ عَلَى ذلِکَ. ؎ وَنَـوْعٌ لا يَـمْـلِكُهُ بِمُطْلَقِ الْعَقْدِ وَلا بِقَوْلِهِ اعْمَلْ بِـرَأْيِكَ إِلَّا أَنْ يَـنُـصَّ عَـلَـيْـهِ رَبُّ الْـمَـالِ وَهُـوَ الِاسْتِدَانَةُ، وَهُوَ أَنْ يَشْتَرِيَ بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ بَعْدَمَا

کے ساتھ راضی نہیں ہے، اور یہ عارضی امر ہے اس پر تجارت موقوف نہیں ہے اس لئے مطلق عقد میں یہ داخل نہیں ہوگا، لیکن نفع کمانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے، اس لئے دلالۃ اجازت میں یہ داخل ہوگا، اور اعمل برأیک، اس پر دلالت اجازت ہے

اصـــــول : یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ دلالت سے بھی رب المال نے اس کی اجازت دی تو اس کی اجازت ہوگی، کیونکہ یہ طریقے بھی نفع کمانے کے ہوتے ہیں

تشریح : یہ دوسری قسم ہے، یہ تجارت میں شامل نہیں ہے، لیکن نفع کمانے کا ایک طریقہ ہے، اس لئے ، اعمل برأیک ، کہا تو یوں سمجھا جائے گا کہ صراحت کے ساتھ اس کام کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، البتہ دلالت سے پتہ چلا کہ رب المال نے ان کاموں کے کرنے کی گنجائش دی ہے۔ اس کی چار صورتیں بیان کر رہے ہیں ایک یہ ہے کہ مضارب راس المال کو مضاربت پر دے، دوسری صورت یہ ہے کہ مال کسی کو شرکت پر دے دے، یعنی دوسرے کو مال دے دے کہ وہ اپنے مال کے ساتھ ملا کر تجارت کرے اور نفع دے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مضارب اپنے مال کے ساتھ راس المال کو ملا دے، چوتھی صورت یہ ہے کہ مضارب دوسرے کے مال کے ساتھ راس المال کو ملا دے اور تجارت کرے، ان چاروں صورتوں کا اختیار مضارب کو اس وقت ہوگا جب رب المال، اعمل برأیک، کہے

وجـــه : اس کی وجہ یہ ہے کہ نفع کمانے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے، یہ امر عارض ہے، تجارت اس پر موقوف نہیں ہے، اس لئے ، اعمل برأیک، کہے گا تو مضارب کو اوپر کی چاروں صورتوں کا دلالۃ اختیار ملے گا، ورنہ نہیں

لـغـت : عـنـد وجـود الدلالة : یہ منطقی لفظ ہے، ایک ہوتا ہے صراحت کے ساتھ کسی چیز کی اجازت دینا، اور دوسرا ہے کہ دلالت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کی بھی اجازت دی ہے۔ اوپر کی چاروں صورتوں کی اجازت رب المال نے صراحت کے ساتھ نہیں دی ہے، البتہ اوپر کے چاروں طریقے بھی نفع کمانے کے ہیں اس لئے دلالت سے اس کی اجازت ہوگی۔

تـرجـمـه : ؎ اور تیسری صورت یہ ہے کہ، مطلق عقد سے اس کا اختیار نہیں ہوگا، اور، اعمل برأیک ، کہنے سے بھی اس کا اختیار نہیں ہوگا جب تک کہ رب المال صراحت کے ساتھ اس کی اجازت نہ دے، اور وہ ہیں، ادھار لینا، جس کی صورت یہ ہے کہ راس المال سے مال خرید لینے کے بعد، درہم، دینار سے کوئی چیز خریدے یا اس کے جو مشابہ ہو، کیونکہ جتنے مال پر مضاربت ہوئی تھی اس سے زیادہ ہو گیا ہے۔ اس لئے مالک اس سے راضی نہیں ہوگا، اور نہ اپنے ذمے کو قرض سے مشغول کرے گا،

اصـــــول : یہ سارے کام تجارت کے نہیں ہیں، بلکہ رب المال پر ایک قسم کا بوجھ ہے، اس لئے جب تک رب المال صراحت

اشْتَرَى بِرَأْسِ الْمَالِ السِّلْعَةَ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ لِأَنَّهُ يَصِيرُ الْمَالُ زَائِدًا عَلَى مَا انْعَقَدَ عَلَيْهِ الْمُضَارَبَةُ فَلَا يَرْضَى بِهِ وَلَا يَشْغَلُ ذِمَّتَهُ بِالدَّيْنِ، ۵ وَلَوْ أَذِنَ لَهُ رَبُّ الْمَالِ بِالِاسْتِدَانَةِ صَارَ الْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ بِمَنْزِلَةِ شِرْكَةِ الْوُجُوهِ . ٦ وَأَخْذَ السَّفَاتِجِ لِأَنَّهُ نَوْعٌ مِنْ الِاسْتِدَانَةِ، ۷ وَكَذَا إعْطَاؤُهَا لِأَنَّهُ إقْرَاضٌ وَالْعِتْقُ بِمَالٍ وَبِغَيْرِ مَالٍ وَالْكِتَابَةُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِتِجَارَةٍ . ٨ وَالْإِقْرَاضُ وَالْهِبَةُ وَالصَّدَقَةُ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ مَحْضٌ.

کے ساتھ مضارب سے نہیں کہے گا، مضارب کو ان کاموں کو کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

تشریح : مضاربت میں جتنے راس المال دئے تھے مضارب نے سب سے مال خرید لیا تھا، اس کے بعد مزید ادھار پر مضارب نے مال خرید لیا تو یہ خریدنا رب المال پر ایک طرح کا قرض ہوگا، اور رب المال اس سے راضی نہیں ہوگا کہ اپنے اوپر قرض لے لئے، اس لئے صراحت کے ساتھ رب المال اس کی اجازت دے گا تو مضارب کو اس کا اختیار ہوگا ورنہ نہیں۔

ترجمہ : ۵ اور اگر رب المال نے مضارب کو ادھار لینے کی اجازت دے دی تو ادھار خریدی ہوئی چیز شرکت وجوہ کی طرح ان دونوں میں آدھی آدھی ہوگی،

تشریح : رب المال نے صراحت کے ساتھ کہا کہ قرض لیکر مضاربت کرو، اور مضارب نے قرض لیکر سامان خرید لیا تو قرض لیا ہوا مال رب المال اور مضارب کے درمیان آدھا آدھا ہوگا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ یہ شرکت وجوہ ہوئی ہے۔

لغت : شرکت وجوہ: وجوہ: کا ترجمہ ہے چہرہ، شرکت وجوہ یہ ہے کہ دونوں آدمی کے پاس مال نہ ہو صرف اپنے اپنے رسوخ سے لوگوں سے مال ادھار لے اور دونوں مل کر تجارت کرے، اور دونوں کو آدھا آدھا نفع ہوگا

ترجمہ: ٦ اور ہنڈی لینا، کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا ادھار لینا ہے، اسی طرح ہنڈی دینا، کیونکہ یہ بھی قرض دینا ہوتا ہے،

تشریح: سفتج: ہنڈی لینا، یا ہنڈی دینا ہنڈی کی شکل یہ ہوتی ہے کہ مثلا زید نے عمر کو ایک ہزار انگلینڈ میں دیا اور یہ کہا کہ ہندوستان میں اس کو خالد کو دے دیں، اور عمر نے اس کو قبول کیا، اور اس ایک ہزار کو ہندوستان میں خالد کو دیا، اس کو ہنڈی دینا، کہتے ہیں، اس میں رقم راستے کے خطرے سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس ہنڈی میں گویا کہ رقم کو قرض لینا ہوتا ہے، اور یہ رب المال پر قرض ہوگا، اس لئے صراحت کے ساتھ رب المال اس کی اجازت دے گا تو مضارب کو اختیار ہوگا ورنہ نہیں۔

ترجمہ: ۷ اور مضاربت کے غلام کو مال کے بدلے، یا بغیر مال کے آزاد کرنا، اور مکاتب بنانا، یہ سب تجارت کے اعمال نہیں ہیں۔

تشریح : مال کے بدلے غلام آزاد کرنا، یا بغیر مال کے آزاد کرنا، یا غلام کو مکاتب بنانا یہ تجارت میں سے نہیں ہے بلکہ رب المال کے مال کو ضائع کرنا ہے اس لئے صراحت سے اجازت کے بغیر مضارب کو اس کا اختیار نہیں ہوگا

ترجمہ: ٨ اور قرض دینا، ہبہ کرنا، صدقہ دینا بھی جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ سب احسان کرنا ہے اعمال تجارت میں سے نہیں ہیں

تشریح: واضح ہے

(۹۶۴) قَالَ (وَلَا يُزَوِّجُ عَبْدًا وَلَا أَمَةً مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ) ۱؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُزَوِّجُ الْأَمَةَ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ الِاكْتِسَابِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَسْتَفِيدُ بِهِ الْمَهْرَ وَسُقُوطَ النَّفَقَةِ . ۲؎ وَلَهُمَا أَنَّهُ لَيْسَ بِتِجَارَةٍ وَالْعَقْدُ لَا يَتَضَمَّنُ إِلَّا التَّوْكِيلَ بِالتِّجَارَةِ وَصَارَ كَالْكِتَابَةِ وَالْإِعْتَاقِ عَلَى مَالٍ لِأَنَّهُ اكْتِسَابٌ، وَلَكِنْ لَمَّا لَمْ يَكُنْ تِجَارَةً لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْمُضَارَبَةِ فَكَذَا هَذَا.

(۹۶۵) قَالَ (فَإِنْ دَفَعَ شَيْئًا مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ إِلَى رَبِّ الْمَالِ بِضَاعَةً فَاشْتَرَى رَبُّ الْمَالِ وَبَاعَ فَهُوَ

ترجمہ: (۹۶۴) اور مضارب نہ شادی کرائے غلام کی یا باندی کی مضاربت کے مال سے۔

تشریح مضاربت کے مال سے غلام یا باندی خریدا ہوا اور اس کی شادی کروانا چاہے تو مالک کی اجازت کے بغیر شادی نہیں کرواسکتا۔

وجہ: باندی کی شادی کرانے سے مہر ملے گا، نفقہ ملے گا اور بچہ پیدا ہوگا تو وہ بھی غلام ہوگا یہ سب فوائد تو ہیں لیکن یہ تجارت کے متعلقات میں سے نہیں ہیں اس لئے مضارب باندی یا غلام کی شادی بغیر مالک کی اجازت کے نہیں کرواسکتا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مضارب متعلقات تجارت کا کام کرسکتا ہے اور جو متعلقات تجارت نہ ہوا ایسا کام نہیں کرسکتا۔

ترجمہ: ۱؎ حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ مضارب باندی کا نکاح کرواسکتا ہے اس لئے یہ بھی کمانے کا طریقہ ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ اس سے مہر ملتا ہے، باندی کا نفقہ آقا سے ساقط ہوجاتا ہے (اور شوہر کے ذمے نفقہ ہوجاتا ہے) اس لئے مضارب کو باندی کے نکاح کرانے کا اختیار ہوگا

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کرانا تجارت میں سے نہیں ہے، اور مضاربت کا عقد وکیل بالتجارت ہوتا ہے (اس لئے نکاح کرانے کا اختیار نہیں ہوگا) اس لئے مال کے بدلے غلام کو مکاتب بنانے اور آزاد کرنے کی طرح ہوگیا، اس لئے یہ اس میں مال کمانا ہے، لیکن تجارت نہیں ہے اس لئے مضاربت میں داخل نہیں ہوگا اسی طرح یہ بھی ہوگا

تشریح: طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ باندی کے نکاح سے مہر آئے گا یہ تھوڑا سا فائدہ ہے لیکن یہ تجارت نہیں ہے اس لئے مضارب کو یہ اختیار نہیں ہوگا، اس کی دو مثالیں دی ہیں۔ پہلی یہ کہ غلام کو مکاتب بنائے تو اس میں رقم آتی ہے، دوسری، یا مال کے بدلے غلام کو آزاد کرے تو اس میں بھی مال آتا ہے لیکن یہ تجارت نہیں ہے اس لئے مضارب کو اس کا اختیار نہیں ہوگا، اسی طرح نکاح کا اختیار نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۹۶۵) اگر مضارب نے مضاربت کے مال کو رب المال کو مزدوری پر تجارت کرنے کے لئے دیا، پھر رب المال نے کچھ خریدا اور بیچا پھر بھی مضاربت باقی رہے گی

اصول: پہلے گزر چکا ہے کہ رب المال مضارب کو پورا تخلیہ کر کے مال دے، اور اپنا کوئی تصرف نہ رکھے تب جا کر مضاربت

عَلَى الْمُضَارَبَةِ). ١ وَقَالَ زُفَرٌ: تَفْسُدُ الْمُضَارَبَةُ لِأَنَّ رَبَّ الْمَالِ مُتَصَرِّفٌ فِي مَالِ نَفْسِهِ فَلَا يَصْلُحُ وَكِيلًا فِيهِ فَيَصِيرُ مُسْتَرَدًّا وَلِهَذَا لَا تَصِحُّ إِذَا شَرَطَ الْعَمَلَ عَلَيْهِ ابْتِدَاءً. ٢ وَلَنَا أَنَّ التَّخْلِيَةَ فِيهِ قَدْ تَمَّتْ وَصَارَ التَّصَرُّفُ حَقًّا لِلْمُضَارِبِ فَيَصْلُحُ رَبُّ الْمَالِ وَكِيلًا عَنْهُ فِي التَّصَرُّفِ وَالْإِبْضَاعُ تَوْكِيلٌ مِنْهُ فَلَا يَكُونُ اسْتِرْدَادًا، بِخِلَافِ شَرْطِ الْعَمَلِ عَلَيْهِ فِي الِابْتِدَاءِ لِأَنَّهُ يَمْنَعُ التَّخْلِيَةَ. ٣ بِخِلَافِ شَرْطِ الْعَمَلِ

صحیح ہوتی ہے۔لیکن اگر مزدوری اور بضاعت کے طور پر مضارب نے رب المال کو مضاربت کا مال دیا تو یہ تخلیہ کے منافی ہے یا نہیں ہے۔اس بارے میں فرماتے ہیں کہ مزدوری کے طور پر رب المال کو مال دینے میں تخلیہ کے منافی نہیں ہے، بلکہ یوں سمجھا جائے گا کہ اب رب المال مضارب کا وکیل بالتجارت ہے اس لئے مضاربت باقی رہے گی

اصول :اصول یہ ہے کہ اگر مضارب نے رب المال کو مضاربت کے طور پر مال دیا تو یہ صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ مضاربت کے طور پر مال دینے سے رب المال کا غلبہ ہو جائے گا اور مال کا تخلیہ نہیں ہوا، اس لئے رب المال کو مضاربت پر مال دینا صحیح نہیں ہے

تشریح :مضارب نے رب المال کو بضاعت یعنی مزدوری کے طور پر مال دیا یعنی یہ کہا کہ آپ تجارت کریں اور جو مزدوری ہوگی تو وہ دوں گا تو اس سے پہلی مضاربت ختم نہیں ہوگی، بلکہ مضاربت پر باقی رہے گی

وجہ :بضاعت، اور مزدوری پر دینے سے رب المال کا دبدبہ نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ صرف مضارب کا وکیل بنتا ہے، اس لئے بضاعت پر دینا صحیح ہے اور اور پہلی مضاربت باقی رہے گی

ترجمہ :١ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مضاربت فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ رب المال خود اپنے مال میں تصرف کرنے لگا ہے اس لئے اس میں وکیل بھی نہیں بن سکتا ہے تو گویا کہ رب المال نے اپنا مال واپس لے لیا، یہی وجہ ہے کہ شروع میں رب المال مضاربت کی شرط لگائے تو درست نہیں ہوتا ہے

تشریح :امام زفرؒ کی رائے ہے کہ بضاعت پر دینے سے بھی ایسا ہو گیا کہ رب المال اپنے ہی مال میں تصرف کرنے والا ہو گیا، اور کامل تخلیہ نہیں رہا، اس لئے یہ صحیح نہیں ہے، اور اس طرح کرنے سے پہلی مضاربت فاسد ہو جائے گی

ترجمہ :٢ ہماری دلیل یہ ہے کہ رب المال کے دینے سے تخلیہ پورا ہو چکا ہے، اور تصرف کرنا مضارب کا حق ہو چکا ہے، اس لئے اب رب المال مضارب کا وکیل بن سکتا ہے، اور مزدوری پر دینا رب المال کو وکیل ہی بنانا ہے اس لئے مال واپس لینا نہیں ہوا

تشریح :ہماری دلیل ہے کہ جب رب المال نے مکمل طور پر مال مضارب کو سپرد کر دیا تھا اسی وقت تخلیہ پورا ہو گیا تھا، اور مضارب کو وکیل رکھنے کا حق ہو گیا تھا، اور رب المال کو مزدوری پر دینا اس کو تجارت کا وکیل بنانا ہے، اس لئے یہ مال واپس لینا نہیں ہوا،، اس لئے ایسا کرنا صحیح ہے، اور اس لئے مضاربت باقی رہے گی

ترجمہ :٣ بخلاف اگر شروع ہی میں رب المال پر کام کی شرط لگائی (تو مضاربت صحیح نہیں ہوگی) اس لئے کہ اس سے تخلیہ نہیں ہوگی

عَلَيْهِ فِي الِابْتِدَاءِ لِأَنَّهُ يَمْنَعُ التَّخْلِيَةَ، ٤ وَبِخِلَافِ مَا إِذَا دَفَعَ الْمَالَ إِلَى رَبِّ الْمَالِ مُضَارَبَةً حَيْثُ لَا يَصِحُّ لِأَنَّ الْمُضَارَبَةَ تَنْعَقِدُ شِرْكَةً عَلَى مَالِ رَبِ الْمَالِ وَعَمَلِ الْمُضَارِبِ وَلَا مَالَ هَاهُنَا لِلْمُضَارِبِ، فَلَوْ جَوَّزْنَاهُ يُؤَدِّي إِلَى قَلْبِ الْمَوْضُوعِ، وَإِذَا لَمْ تَصِحَّ بَقِيَ عَمَلُ رَبِّ الْمَالِ بِأَمْرِ الْمُضَارِبِ فَلَا يَبْطُلُ بِهِ الْمُضَارَبَةُ الْأُولَى.

(٩٦٦)قَالَ: (وَإِذَا عَمِلَ الْمُضَارِبُ فِي الْمِصْرِ فَلَيْسَتْ نَفَقَتُهُ فِي الْمَالِ، وَإِنْ سَافَرَ فَطَعَامُهُ وَشَرَابُهُ وَكِسْوَتُهُ وَرُكُوبُهُ) وَمَعْنَاهُ شِرَاءٌ وَكِرَاءٌ فِي الْمَالِ. ١ وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ النَّفَقَةَ تَجِبُ بِإِزَاءِ الِاحْتِبَاسِ كَنَفَقَةِ الْقَاضِي وَنَفَقَةِ الْمَرْأَةِ، وَالْمُضَارِبُ فِي الْمِصْرِ سَاكِنٌ بِالسُّكْنَى الْأَصْلِيِّ، وَإِذَا

تشریح:اگر شروع ہی میں یہ شرط لگائی کہ رب المال کام کرے گا تو اس سے تخلیہ نہیں ہوگی جو شرط ہے اور مضاربت صحیح نہیں ہوگی

ترجمه: ٤ بخلاف مضارب رب المال کو مضاربت کے طور پر مال دے تو بھی صحیح نہیں ہے،اس لئے کہ مضاربت میں رب المال کے مال میں شرکت ہوتی ہے،اور مضارب کا عمل ہوتا ہے،اور یہاں مضارب کے پاس اپنا مال ہی نہیں ہے تو اگر اس دوسری مضاربت کو جائز قرار دیں تو بات الٹ جائے گی (کہ مضارب رب المال کو رب المال ہی کا مال دے رہا ہے)، اور جب دوسری مضاربت صحیح نہیں ہوئی تو رب المال کا کام مضارب کے حکم سے ہوا اس لئے پہلی مضاربت باطل نہیں ہوگی

تشریح :شروع میں رب المال کے کام کی شرط نہیں تھی،لیکن بعد میں رب المال کو مال مضاربت پر دیا تو یہ مضاربت صحیح نہیں ہے

وجه :(۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ مضاربت میں ہوتا یہ ہے کہ رب المال اپنا مال مضارب کو دیتا ہے، یہاں مضارب کے پاس اپنا مال ہے ہی نہیں ہے، یہ مال تو رب المال ہی کا ہے تو مضارب اپنا مال کیسے دے گا ،اس لئے مضارب نے جو رب المال کو مضارب بنایا یہ صحیح نہیں ہے،اس لئے رب المال جو کام کرے گا وہ مضارب کے حکم سے مزدوری پر کرے گا ،پس جب دوسری مضاربت نہیں ہوئی،تو پہلے مضاربت باقی رہے گی

ترجمه :(۹۶۶) اگر مضارب نے شہر میں کام کیا تو مضاربت کے مال میں اس کا نفقہ نہیں ہے،اور اگر سفر کیا تو مضارب کا کھانا،اس کا پینا،اس کا کپڑا،اس کی سواری کا خرچ (اس کا معنی ہے جانور خرید بھی سکتا ہے،اور اس کو کرایہ پر بھی لے سکتا ہے(جیسا ماحول ہو) مضاربت کے مال میں ہوگا

ترجمه :۱ سفر اور غیر سفر میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ نفقہ احتباس کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسے قاضی کا نفقہ، بیوی کا نفقہ (احتباس کی وجہ سے ہوتا ہے)اور مضارب جب شہر میں ہو تو اپنے اصلی گھر میں رہ رہا ہے (اس لئے اس کو نفقہ نہیں ملے گا)اور جب سفر کر رہا ہے تو مضاربت میں محبوس ہے اس لئے اس میں نفقہ کا مستحق ہوگا

تشریح :مضارب شہر سے باہر جائے گا تو اس کو مضاربت کے مال میں نفقہ ملے گا اور شہر میں خرید وفروخت کرے گا تو اس کو

سَافَرَ صَارَ مَحْبُوسًا بِالْمُضَارَبَةِ فَيَسْتَحِقُّ النَّفَقَةَ فِيهِ، ٢ وَهَذَا بِخِلَافِ الْأَجِيرِ لِأَنَّهُ يَسْتَحِقُّ الْبَدَلَ لَا مَحَالَةَ فَلَا يَتَضَرَّرُ بِالْإِنْفَاقِ مِنْ مَالِهِ، أَمَّا الْمُضَارِبُ فَلَيْسَ لَهُ إلَّا الرِّبْحُ وَهُوَ فِي حَيِّزِ التَّرَدُّدِ، فَلَوْ أَنْفَقَ مِنْ مَالِهِ يَتَضَرَّرُ بِهِ. ٣ وَبِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ الْفَاسِدَةِ لِأَنَّهُ أَجِيرٌ، وَبِخِلَافِ الْبِضَاعَةِ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ .

(٩٦٧)قَالَ (فَإِنْ بَقِيَ شَيْءٌ فِي يَدِهِ بَعْدَمَا قَدِمَ مِصْرَهُ رَدَّهُ فِي الْمُضَارَبَةِ) ١ لِانْتِهَاءِ الِاسْتِحْقَاقِ،

نفقہ نہیں ملے گا۔اور نفقہ میں کھانا، پینا، کپڑا، سواری شامل ہیں

وجه:(١)۔ عن قتادة فی رجل قارض رجلا مالا و ثبت السفر بينه و بينه فخرج ، علی من النفقة ؟ قال النفقة فی المال و الربح علی ما اصطلحوا عليه و الوضيعة علی المال ۔(مصنف عبد الرزاق، باب نفقة المضارب ووضيعته، ج ٨، ص ٢٤٧، نمبر ١٥٠٨١)(٢)۔عن الحسن قال نفقة المضارب من جميع المال ،(مصنف ابن ابی شيبة ، باب فی المضارب من اين يكون نفقته ، ج ٤، ص ٣٨٣، نمبر ٢١٢٩٣) ان دونوں قول تابعی میں ہے کہ مضارب سفر میں ہو تو اس کو نفقہ ملے گا۔(٣) نفقہ محبوس ہونے کی وجہ سے ملتا ہے، اور سفر میں گیا تو پورے طور پر مضاربت میں محبوس ہو گیا اس لئے اس کو نفقہ ملے گا

ترجمه: ٢ اس کے برخلاف اجرت پر تجارت کرنے والے کا مسئلہ دوسرا ہے، (اس کو سفر میں نفقہ نہیں ملے گا) اس لئے کہ اس کو ہر حال میں اجرت ملتی ہے اس لئے اس کے اپنے مال میں خرچ کرنے سے اس کو نقصان نہیں ہوگا، اور مضارب کا حال یہ ہے کہ اس کو نفع کے علاوہ کچھ نہیں ملتا اور وہ بھی تردد میں ہے کہ (ملے گا یا نہیں ملے گا)، اس لئے مضارب اگر اپنا مال خرچ کر دے گا تو اس کو بہت نقصان ہوگا (اس لئے مضارب کو نفقہ ملے گا، اور اجرت پر کام کرنے والے کو سفر میں بھی نفقہ نہیں ملے گا)

تشریح: واضح ہے

ترجمه: ٣ مضاربت فاسدہ کا مسئلہ دوسرا ہے، (اس کو سفر میں بھی نفقہ نہیں ملے گا) اس لئے کہ وہ اجرت پر کام کرنے والا ہے، اور بضاعت پر کام کرنے والے کو بھی نفقہ نہیں ملے گا کیونکہ وہ احسانا کام کر رہا ہے

تشریح: مضاربت جب فاسد ہو جائے تو مضارب اجرت پر کام کرنے والا ہو جاتا ہے، اور جب اس کو بھر پورا اجرت مل گئی تو اس کو سفر کا نفقہ نہیں ملے گا۔ اور بضاعت پر جو کام کرتا ہے وہ ایک قسم کا احسان کر رہا ہے اس لئے اس کو بھی نفقہ نہیں ملے گا۔

ترجمه: (٩٦٧) اور اگر شہر واپس آنے پر نفقہ میں سے کچھ بچ گیا تو مضاربت میں واپس کر دے گا

ترجمه: ١ کیونکہ سفر کی وجہ سے نفقہ تھا، اور سفر سے واپس آنے پر استحقاق ختم ہو گیا

تشریح: سفر کی وجہ سے نفقہ تھا، اور سفر سے واپس آنے پر استحقاق ختم ہو گیا اس لئے بچت مال کو مضاربت کے مال میں واپس کر دے گا

(۹۶۸)وَلَوْ كَانَ خُرُوجُهُ دُونَ السَّفَرِ فَإِنْ كَانَ بِحَيْثُ يَغْدُو ثُمَّ يَرُوحُ فَيَبِيتُ بِأَهْلِهِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ السُّوقِيِّ فِي الْمِصْرِ، وَإِنْ كَانَ بِحَيْثُ لا يَبِيتُ بِأَهْلِهِ فَنَفَقَتُهُ فِي مَالِ الْمُضَارَبَةِ ۱؎ لِأَنَّ خُرُوجَهُ لِلْمُضَارَبَةِ، ۲؎ وَالنَّفَقَةُ هِيَ مَا يُصْرَفُ إلَى الْحَاجَةِ الرَّاتِبَةِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَا، وَمِنْ جُمْلَةِ ذَلِكَ غَسْلُ ثِيَابِهِ وَأُجْرَةُ أَجِيرٍ يَخْدُمُهُ وَعَلَفُ دَابَّةٍ يَرْكَبُهَا وَالدُّهْنُ فِي مَوْضِعٍ يُحْتَاجُ إلَيْهِ عَادَةً كَالْحِجَازِ، وَإِنَّمَا يُطْلَقُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ بِالْمَعْرُوفِ حَتَّى يَضْمَنَ الْفَضْلَ إنْ جَاوَزَهُ اعْتِبَارًا لِلْمُتَعَارَفِ فِيمَا بَيْنَ التُّجَّارِ. ۳؎ قَالَ (وَأَمَّا الدَّوَاءُ فَفِي مَالِهِ) فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَدْخُلُ فِي النَّفَقَةِ لِأَنَّهُ لِإِصْلَاحِ بَدَنِهِ وَلَا يَتَمَكَّنُ مِنَ التِّجَارَةِ إلَّا بِهِ فَصَارَ كَالنَّفَقَةِ، وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْحَاجَةَ إلَى النَّفَقَةِ مَعْلُومَةُ الْوُقُوعِ وَإِلَى الدَّوَاءِ بِعَارِضِ الْمَرَضِ، وَلِهَذَا كَانَتْ نَفَقَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى الزَّوْجِ وَدَوَاؤُهَا فِي مَالِهَا.

ترجمہ: (۹۶۸) اوراگرسفر سے کم کی مسافت میں نکلا کہ صبح ،شام گھر واپس آسکتا ہے،اورگھر والوں کے ساتھ سوسکتا ہے، تو وہ شہر کے بازار میں خریدنے والے کی طرح ہے (اس کو نفقہ نہیں ملے گا) اوراگر اتنا دور گیا ہے گھر والوں کے ساتھ نہیں سوسکتا ہے تو اس کا نفقہ مضاربت کے مال میں ہوگا،

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ اس کا نکلنا مضاربت کی وجہ سے ہے

تشریح: سفر کی مسافت تو نہیں گیا ہے۔لیکن اتنا دور چلا گیا ہے کہ شام کو گھر نہیں آسکتا تو اب یہ مضاربت میں محبوس ہے اس لئے اس کا نفقہ ہوگا۔اوراگر شام کو گھر آسکتا ہے تو یہ مضاربت میں محبوس نہیں ہے اس لئے اس کا نفقہ مضاربت کے مال میں نہیں ہوگا

نوٹ: یہ سب عام حالات میں ہے، ورنہ نفقہ کے بارے میں جو آپس میں طے ہوا ہے وہی ہوگا

ترجمہ: ۲؎ اور جو روزانہ کی ضرورتوں میں کام آتے ہیں اس کو نفقہ کہتے ہیں، اور یہ وہی ضرورتیں جن کو ہم ذکر کر چکے ہیں، ان میں سے کپڑے کی دھلائی ہے، خدمت گار کی مزدوری ہے، سواری کے جانور کا چارہ ہے، اور جہاں تیل لگانے کی عادت ہے وہاں تیل بھی نفقہ میں شامل ہے، جیسے ملک حجاز، پھر ان سب میں معروف طریقے پر استعمال کی اجازت ہے، اس سے زائد استعمال کرنے پر ضامن ہوگا، تاجروں کے یہاں جو متعارف ہے اس کا اعتبار کرتے ہوئے،

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ۳؎ اور دوا وہ مضارب کے مال سے ہوگی ظاہر روایت یہی ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ دوا بھی نفقہ میں شامل ہے، کیونکہ وہ اصلاح بدن کے لئے ہے، جس کے بغیر وہ تجارت نہیں کرسکتا، اس لئے دوا بھی نفقہ کی طرح ہوگئی، اور ظاہر روایت میں ہے کہ دوا مضارب کے مال میں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نفقہ کی ضرورت معلوم ہے اور دوا کی ضرورت بیماری کے عارض کی وجہ سے ہے، اسی وجہ سے بیوی کا نفقہ شوہر پر ہوتا ہے اور دوا بیوی کے مال میں ہوتا ہے

تشریح: واضح ہے

(۹۶۹)قَالَ (وَإِذَا رَبِحَ أَخَذَ رَبُّ الْمَالِ مَا أَنْفَقَ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ،

(۹۷۰)فَإِنْ بَاعَ الْمَتَاعَ مُرَابَحَةً حَسَبَ مَا أَنْفَقَ عَلَى الْمَتَاعِ مِنَ الْحُمْلَانِ وَنَحْوِهِ، وَلَا يَحْتَسِبُ مَا أَنْفَقَ عَلَى نَفْسِهِ). ۱؎ لِأَنَّ الْعُرْفَ جَارٍ بِإِلْحَاقِ الْأَوَّلِ دُونَ الثَّانِي، ۲؎ وَلِأَنَّ الْأَوَّلَ يُوجِبُ زِيَادَةً فِي الْمَالِيَّةِ بِزِيَادَةِ الْقِيمَةِ وَالثَّانِيَ لَا يُوجِبُهَا.

(۹۷۱)قَالَ (فَإِنْ كَانَ مَعَهُ أَلْفٌ فَاشْتَرَى بِهَا ثِيَابًا فَقَصَّرَهَا أَوْ حَمَلَهَا بِمِائَةٍ مِنْ عِنْدِهِ وَقَدْ قِيلَ لَهُ

ترجمه:(۹۶۹) مضارب نے نفع کمایا تو جتنا راس المال میں سے خرچ ہوا رب المال پہلے اس کو لے گا،

تشریح :سامان نفع میں فروخت ہوا تو وہ نفع پہلے نفقہ کے خرچ میں منہا ہوگا، اس کے بعد جو نفع بچے گا اس کو آدھا آدھا تقسیم کریں گے۔ مثلا ایک ہزار درہم مضاربت پر تھا، اس سے سامان خریدا، پھر دوسو درہم مضارب کے نفقہ میں خرچ ہوا۔ اب سامان پندرہ سو میں بکا تو، رب المال پہلے دوسو درہم نفقہ کا لیگا، اور اب جو تین سو درہم نفع رہا اس کو آدھا آدھا تقسیم کرے گا

ترجمه :(۹۷۰) اس لئے سامان مرابحہ کے طور پر بیچے تو سامان کے اٹھانے وغیرہ میں جو خرچ ہوا اس کو قیمت میں شامل کرے گا، اور مضارب نے جو اپنی ذات پر خرچ کیا ہے اس کو قیمت میں شامل نہیں کرے گا

ترجمه:۱؎ اس لئے کہ عرف میں پہلے کو قیمت میں شامل کرتے ہیں دوسرے کو نہیں،

اصول :یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کون کون سا خرچ سامان کی قیمت میں لگایا جائے گا، اور بائع یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے یہ چیز اتنے میں پڑی ہے۔ اور کون کون سا خرچ سامان کی قیمت میں نہیں لگایا جائے گا

تشریح :سامان کے اٹھانے کا کرایہ سامان کی قیمت میں لگائی جائے گی، اور مرابحہ کے طور پر بیچنا ہو تو یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سامان اتنے کا پڑا ہے۔ لیکن مضارب نے اپنی ذات پر جو خرچ کیا ہے وہ سامان کی قیمت میں نہیں لگائی جائے گی، اور مرابحہ کے طور پر بیچنے سے یہ نہیں کہے گا کہ سامان اتنے میں پڑا ہے

ترجمه:۲؎ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مالیت کے اضافہ کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہوتا ہے، اور دوسرا ایسا نہیں کرتا

تشریح :ایک جگہ سے دوسری جگہ تک لیجانے میں کرایہ خرچ ہوتا ہے، لیکن اس سے چیز کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے، مثلا شہر میں اس کی قیمت ایک ہزار ہے، تو کرایہ خرچ کر کے دیہات میں لیجانے سے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اس لئے اٹھانے کا کرایہ سامان کی قیمت میں لگائی جاتی ہے، اور مضارب کے اوپر جو خرچ ہوتا ہے اس سے چیز کی قیمت نہیں بڑھتی ہے، اس لئے مضارب کے اوپر کا خرچ سامان میں نہیں لگایا جائے گا

اصول:اٹھانے کا کرایہ سامان پر لگے گا، مضارب کا ذاتی خرچ سامان پر نہیں لگے گا

ترجمه :(۹۷۱) اگر مضارب کے پاس ہزار درہم ہیں، اس سے کپڑا خریدا، اور اس کو اپنے پاس سے سو درہم خرچ کر کے دھلوایا، یا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک لے گیا، اور رب المال نے کہا تھا کہ، اعمل برأیک، تو اس بارے میں مضارب مفت

اعْمَلْ بِرَأْيِكَ فَهُوَ مُتَطَوِّعٌ) ‏ ۱؎ لِأَنَّهُ اسْتِدَانَةٌ عَلَى رَبِّ الْمَالِ فَلَا يَنْتَظِمُهُ هَذَا الْمَقَالُ عَلَى مَا مَرَّ.
(٩٧٢)(وَإِنْ صَبَغَهَا أَحْمَرَ فَهُوَ شَرِيكٌ بِمَا زَادَ الصَّبْغُ فِيهَا وَلَا يَضْمَنُ) ‏ ۱؎ لِأَنَّهُ عَيْنُ مَالٍ قَائِمٍ بِهِ حَتَّى إِذَا بِيعَ كَانَ لَهُ حِصَّةُ الصَّبْغِ وَحِصَّةُ الثَّوْبِ الْأَبْيَضِ عَلَى الْمُضَارَبَةِ.

کرنے والا ہوگا

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ اس طرح یہ رب المال پر قرض چڑھا رہا ہے تو رب المال کی بات، اعمل برأئک، اس کو شامل نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے

اصول: کپڑے پر ایسا خرچ جو بعد میں بھی اس کا اثر باقی رہتا ہے، وہ خرچ، اعمل برأئک، میں شامل ہوگا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ مضارب نے اپنی طرف سے یہ رقم مضاربت میں لگائی ہے، اس لئے یہ مضاربت میں شرکت ہو جائے گی۔ اور اگر ایسا خرچ کیا جس کا اثر بعد میں باقی نہیں رہتا تو وہ، اعمل برأئک، میں شامل نہیں ہوگا اور ایسا سمجھا جائے گا کہ مضارب نے احسان کیا ہے

لغت: قصرھا: کپڑا دھلوانا، حمل: کسی چیز کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لیجانا۔

تشریح: رب المال نے مضارب کو، اعمل برأیک، کہا تھا کہ اپنی رائے سے کام کریں۔ مضارب کے پاس ہزار درہم تھا اس سے کپڑا خریدا، اور اس کو ایک سو درہم میں دھلوایا، یا ایک جگہ سے دوسری جگہ کرایہ دیکر لے گیا، تو یہ، اعمل برأیک، میں شامل نہیں ہوگا، اور یہ ایک سو درہم رب المال پر نہیں ڈال سکے گا، بلکہ مضارب کا یہ کام تطوع ہوگا

وجہ: کو دھلوانے کا اثر، یا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک لیجانے کا اثر کپڑے پر بعد تک نہیں رہتا ہے، اور مضارب رب المال پر اس بے اثر چیز کا قرض چڑھا رہا ہے اس لئے یہ، اعمل برأیک، میں داخل نہیں ہوگا، اس کے برخلاف کپڑے کو سو درہم میں لال رنگ سے رنگ دیتا تو اس رنگ کا اثر بعد تک رہتا ہے، تو سو درہم، اعمل برأیک، میں داخل ہوگا

ترجمہ: (٩٧٢) اور اگر کپڑے کو لال رنگ سے رنگ دیا تو رنگنے سے جتنا قیمت میں اضافہ ہوا ہے مضارب اتنے کا شریک ہوگا، اور ضامن نہیں ہوگا

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ یہ رنگ عین مال ہے جو کپڑے کے ساتھ قائم ہے، یہاں تک کہ اگر کپڑا بیچا جائے تو رنگ کا حصہ مضارب کے لئے ہوگا، اور سفید کپڑے کا حصہ مضاربت پر ہوگا

تشریح: کپڑے کو لال رنگ سے رنگ دیا اور اس سے کپڑے کی قیمت میں اضافہ ہوا تو چونکہ یہ عین چیز ہے جو بعد میں بھی باقی رہتی ہے تو رنگ کی وجہ سے جتنا اضافہ ہوا ہے وہ گویا کہ مضارب کا ہے اس لئے اتنے حصے کا مضارب مضاربت میں شریک ہوگا۔ مثلا کپڑا ایک ہزار کا تھا، دو سو کا رنگ لگا، اور کپڑا بارہ سو میں بکا تو ایک ہزار مضاربت پر رہے گا، اور دو سو درہم مضارب کا ہے، اور اس دو سو میں مضارب رب المال کے ساتھ شریک رہے گا۔

وجہ: لال رنگ کی ایک قیمت ہوتی ہے، اور بعد تک رہتا ہے اس لئے یہ قیمت مضارب کا ہوگا، اور اس میں رب المال کے ساتھ شریک ہوگا

۲ بِخَلَافِ الۡقِصَارَةِ وَالۡحَمۡلِ لِأَنَّهُ لَيۡسَ بِعَيۡنِ مَالٍ قَائِمٍ بِهِ، وَلِهَذَا إِذَا فَعَلَهُ الۡغَاصِبُ ضَاعَ عمله وَلَا يَضِيعُ إِذَا صَبَغَ الۡمَغۡصُوبَ، ۳ وَإِذَا صَارَ شَرِيكًا بِالصَّبۡغِ انۡتَظَمَهُ قَوۡلُهُ اعۡمَلۡ بِرَأۡيِكَ انۡتِظَامَهُ الۡخُلۡطَةَ فَلَا يَضۡمَنُهُ.

﴿فَصۡلٌ آخَرُ﴾

(۹۷۳)قَالَ (فَإِنۡ كَانَ مَعَهُ أَلۡفٌ بِالنِّصۡفِ فَاشۡتَرَى بِهَا بَزًّا فَبَاعَهُ بِأَلۡفَيۡنِ ثُمَّ اشۡتَرَى بِالۡأَلۡفَيۡنِ عَبۡدًا فَلَمۡ يَنۡقُدۡهُمَا حَتَّى ضَاعَا يَغۡرَمُ رَبُّ الۡمَالِ أَلۡفًا وَخَمۡسَمِائَةٍ وَالۡمُضَارِبُ خَمۡسَمِائَةٍ وَيَكُونُ رُبۡعُ

لغت: ولا یضمن: رب المال نے ،اعمل بر أیک ، کہا تو اور لال رنگ سے رنگنا قیمت میں اضافہ کرنا ہے اس لئے ،اعمل بر أیک ، میں داخل ہے اس لئے مضارب ضامن نہیں ہوگا

ترجمہ: ۲ بخلاف کپڑا دھلوانے کے اور اس کو اٹھوانے کے اس لئے کہ یہ کوئی عینی چیز نہیں ہے جو کپڑے کے ساتھ قائم ہو اس لئے یہ،اعمل بر أیک ، میں داخل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ غاصب یہ عمل کرے تو اس کا عمل ضائع ہوگا، لیکن غصب شدہ چیز کو لال رنگ سے رنگے تو ضائع نہیں ہوگا،

تشریح: کپڑا دھلوانا، اور کپڑے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانا کوئی عینی چیز نہیں ہے، اور بعد تک بھی نہیں رہتا ہے اس لئے مضارب یہ کرے گا تو اس عمل سے مضاربت میں شرکت نہیں ہوگی، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ غاصب کپڑا دھلوائے تو اس کو کچھ نہیں ملے گا، لیکن اگر لال رنگ سے رنگوائے تو غاصب کو اس کی قیمت ملے گی، ایسے ہی یہاں بھی ہوگا

ترجمہ: ۳ اور جب رنگنے کی وجہ سے مضارب مضاربت میں شریک ہوگیا، تو رب المال کا کہنا، اعمل بر أیک ، اس کو شامل ہوگا اس لئے اس ملانے سے مضارب ضامن نہیں ہوگا

تشریح: لال رنگنے کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہوا اور مضارب مضاربت کے مال میں شریک ہوگیا، اور رب المال نے کہا تھا، اعمل بر أیک ، اس لئے مضارب رب المال کا ضامن نہیں بنے گا

فصل آخر

ترجمہ: (۹۷۳) اگر مضارب کے پاس ایک ہزار درہم ہوں اور آدھے نفع پر مضاربت ہو، اب مضارب نے کپڑے کا تھان خریدا، پھر اس کو دو ہزار میں بیچ دیا، اور دو ہزار کا غلام خرید لیا، ابھی غلام کی قیمت ادا بھی نہیں کی تھی کہ دو ہزار ہلاک ہوگئے تو رب المال کو پندرہ سو دینا ہوگا، (کیونکہ راس المال اور نفع ملا کر رب المال کا پندرہ سو تھا اور مضارب کے نفع کا پانچ سو تھا) اور چوتھائی غلام مضارب کا تھا، اور تین چوتھائی غلام مضاربت پر تھا

تشریح: رب المال نے ، اعمل بر أیک ، کہا تھا اس لئے مضارب دوبارہ خریدنے میں رب المال کا وکیل تھا اس لئے وہ دوبارہ غلام خرید سکتا تھا۔ حساب یہ ہے کہ ایک ہزار میں تھان خریدا، پھر تھان کو دو ہزار میں بیچا تو ایک ہزار نفع ہوا، اس میں

الْعَبْدِ لِلْمُضَارِبِ وَثَلَاثَةُ أَرْبَاعِهِ عَلَى الْمُضَارَبَةِ) ١ قَالَ: هَذَا الَّذِى ذَكَرَهُ حَاصِلُ الْجَوَابِ، لِأَنَّ الثَّمَنَ كُلَّهُ عَلَى الْمُضَارِبِ إِذْ هُوَ الْعَاقِدُ، إِلَّا أَنَّ لَهُ حَقَّ الرُّجُوعِ عَلَى رَبِّ الْمَالِ بِأَلْفٍ وَخَمْسِمِائَةٍ عَلَى مَا نُبَيِّنُ فَيَكُونُ عَلَيْهِ فِي الْآخِرَةِ .وَوَجْهُهُ أَنَّهُ لَمَّا نَضَّ الْمَالُ ظَهَرَ الرِّبْحُ وَهُوَ خَمْسُمِائَةٍ، فَإِذَا اشْتَرَى بِالْأَلْفَيْنِ عَبْدًا صَارَ مُشْتَرِيًا رُبُعَهُ لِنَفْسِهِ وَثَلَاثَةَ أَرْبَاعِهِ لِلْمُضَارَبَةِ عَلَى حَسَبِ انْقِسَامِ الْأَلْفَيْنِ، وَإِذَا ضَاعَتِ الْأَلْفَانِ وَجَبَ عَلَيْهِ الثَّمَنُ لِمَا بَيَّنَّاهُ، وَلَهُ الرُّجُوعُ بِثَلَاثَةِ أَرْبَاعِ الثَّمَنِ عَلَى رَبِّ الْمَالِ لِأَنَّهُ وَكِيلٌ مِنْ جِهَتِهِ فِيهِ ٢ وَيَخْرُجُ نَصِيبُ الْمُضَارِبِ وَهُوَ الرُّبُعُ مِنَ الْمُضَارَبَةِ لِأَنَّهُ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ وَمَالُ الْمُضَارَبَةِ أَمَانَةٌ وَبَيْنَهُمَا مُنَافَاةٌ ٣ وَيَبْقَى ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الْعَبْدِ عَلَى الْمُضَارَبَةِ لِأَنَّهُ

سے مضارب کا پانچ سو ہے، اور رب المال کا پانچ سو نفع ہے، اس لئے رب المال کی اصل رقم ایک ہزار اور یہ نفع پانچ سو ملا کر پندرہ سو ہو گئے، جو گویا کہ مضاربت پر ہے، اور غلام کی قیمت ادا کرنے سے پہلے رقم ہلاک ہوئی ہے، اور غلام کی قیمت دینی ہے تو رب المال کو پندرہ سو دینا ہوگا، اور مضارب کو پانچ سو دینا ہوگا

ترجمہ :١ مصنف فرماتے ہیں کہ یہ جو کہا گیا وہ جواب کا حاصل ہے، اس لئے کہ غلام کی پوری قیمت مضارب پر ہے کیونکہ اسی نے عقد کیا ہے، لیکن اس کو رب المال سے پندرہ سو وصول کرنے کا حق ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اس لئے آخیر میں رب المال پر یہی حساب بیٹھے گا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ، جب مال نقد ہو گیا تو نفع ظاہر ہو گیا، اور پانچ سو نفع مضارب کا ہو گیا۔ پھر جب دو ہزار میں غلام خریدا تو مضارب ایک چوتھائی اپنے لئے خریدنے والا ہو گیا، اور تین چوتھائی مضاربت پر رہی، دو ہزار کی تقسیم اسی طرح ہوگی۔ اور جب دو ہزار ہلاک ہوئے تو مضارب پر قیمت لازم ہوگی، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اور تین چوتھائی رب المال سے وصول کرنے کا حق ہے، اس لئے کہ مضارب رب المال کا وکیل ہے،

تشریح: واضح ہے

ترجمہ:٢ اور مضارب کی چوتھائی حصہ مضاربت سے الگ ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ تو خود مضارب پر ضمان ہے اور مضاربت کا مال امانت ہے، اس لئے امانت اور ضمانت میں منافات ہے (اس لئے مضارب کا پانچ سو درہم مضاربت پر نہیں ہوگا)

تشریح : مضارب کا جو پانچ درہم نفع کا ہے وہ مضاربت پر نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ بتا رہے ہیں کہ مضارب پر جو پانچ سو ہیں وہ ضمان ہیں، اور رب المال کا جو پندرہ سو ہیں وہ مضارب کے پاس امانت ہیں، اور ضمان اور امانت میں منافات ہے اس لئے یہ پانچ سو مضاربت پر نہیں رہیں گے۔

وجہ بڑی وجہ یہ ہے کہ مضارب نے اپنا نفع مضاربت میں لگایا ہی نہیں ہے اس لئے وہ رقم مضاربت پر نہیں ہوگا، صرف رب المال والا پیسہ مضاربت پر رہے گا

ترجمہ:٣ غلام کی تین چوتھائی حصہ مضاربت پر رہے گا، اس لئے کہ اس میں منافات نہیں ہے

لَيْسَ فِيهِ مَا يُنَافِي الْمُضَارَبَةَ . ۴؎ (وَيَكُونُ رَأْسُ الْمَالِ أَلْفَيْنِ وَخَمْسَمِائَةٍ) لِأَنَّهُ دَفَعَهُ مَرَّةً أَلْفًا وَمَرَّةً أَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ. ۵؎ (وَلَا يَبِيعُهُ مُرَابَحَةً إِلَّا عَلَى الْأَلْفَيْنِ) لِأَنَّهُ اشْتَرَاهُ بِأَلْفَيْنِ، ۶؎ وَيَظْهَرُ ذَلِكَ فِيمَا إِذَا بِيعَ الْعَبْدُ بِأَرْبَعَةِ آلَافٍ فَحِصَّةُ الْمُضَارَبَةِ ثَلَاثَةُ آلَافٍ يَرْفَعُ رَأْسَ الْمَالِ وَيَبْقَى خَمْسُمِائَةٍ رِبْحًا بَيْنَهُمَا.

(۹۷۴)قَالَ: (وَإِنْ كَانَ مَعَهُ أَلْفٌ فَاشْتَرَى رَبُّ الْمَالِ عَبْدًا بِخَمْسِمِائَةٍ وَبَاعَهُ إِيَّاهُ بِأَلْفٍ فَإِنَّهُ يَبِيعُهُ مُرَابَحَةً عَلَى خَمْسِمِائَةٍ) ۱؎ لِأَنَّ هَذَا الْبَيْعَ مَقْضِيٌّ بِجَوَازِهِ لِتَغَايُرِ الْمَقَاصِدِ دَفْعًا لِلْحَاجَةِ وَإِنْ كَانَ

تشریح : غلام کی جو تین چوتھائی ہے وہ، چاہے راس المال ہو یا نفع ہو، سب رب المال کا ہے، اور وہ سب امانت کا ہے، اور رب المال نے، اعمل برأیک ، کہہ کر مضارب کو مزید مضاربت کرنے کا وکیل بنایا ہے، اس لئے غلام کی یہ تین چوتھائی مضاربت پر ہوگی۔

ترجمہ :۴؎ اور راس المال ڈھائی ہزار ہو جائیں گے، اس لئے کہ پہلے ایک ہزار دئے تھے، اور دوسری مرتبہ کے پندرہ سو ہوئے (سب ملا کر ڈھائی ہزار درہم راس المال کے ہو گئے)

تشریح: واضح ہے

ترجمہ:۵؎ اور مرابحہ پر بیچنا ہو تو دو ہزار پر ہی مرابحہ کرنا ہوگا، اس لئے کہ مضارب نے غلام کو دو ہزار ہی میں خریدا تھا

تشریح: واضح ہے

ترجمہ:۶؎ اور پورا حساب ظاہر ہوگا جبکہ غلام چار ہزار میں بکے، تو مضاربت کا حصہ تین ہزار ہوگا، پھر ڈھائی ہزار راس المال کا نکالا جائے گا اور صرف پانچ سو نفع کا ہوگا جو مضارب اور رب المال کا ہوگا

تشریح : حساب اس طرح ہے۔ مضارب کا پورے غلام میں چوتھائی حصہ تھا، اس کا اپنا تھا جو مضاربت پر نہیں تھا، اس لئے غلام چار ہزار کا بکا ہے تو ایک چوتھائی، یعنی ایک ہزار پہلے مضارب اپنا حصہ لے گا۔ باقی رہا تین ہزار مضاربت کا تو اس میں سے ڈھائی ہزار راس المال کا تھا، اس لئے اب صرف پانچ سو نفع کا بچا، اس پانچ سو میں سے ڈھائی سو رب المال کا نفع ہے، اور ڈھائی سو مضارب کا نفع ہے

نوٹ میرا خیال یہ ہے کہ رب المال کا راس المال ڈھائی ہزار نہیں ہے بلکہ پندرہ سو ہے، کیونکہ ایک ہزار دیا تھا اور پانچ سو نفع کا ہے۔ اس لئے نفع میں سے پندرہ سو بچا اور دونوں کو ساڑھے سات سو، ساڑھے سات سو ملیں گے

ترجمہ :(۹۷۴) اگر مضارب کے پاس ایک ہزار درہم تھا، پھر رب المال نے ایک غلام پانچ سو میں خریدا، اور مضارب کو ایک ہزار میں بیچ دیا، تو مضارب اس کو پانچ سو درہم پر مرابحہ کرے گا

ترجمہ :۱؎ اس کی وجہ یہ ہے کہ ضرورت پوری کرنے کے لئے الگ الگ مقصد کی وجہ سے اس بیع کو جائز رکھا گیا ہے،

بِيعَ مِلْكُهُ بِمِلْكِهِ إِلَّا أَنَّ فِيهِ شُبْهَةَ الْعَدَمِ، وَمَبْنَى الْمُرَابَحَةِ عَلَى الْأَمَانَةِ وَالِاحْتِرَازِ عَنْ شُبْهَةِ الْخِيَانَةِ فَاعْتُبِرَ أَقَلُّ الثَّمَنَيْنِ،
(۹۷۵)وَلَوِ اشْتَرَى الْمُضَارِبُ عَبْدًا بِأَلْفٍ وَبَاعَهُ مِنْ رَبِّ الْمَالِ بِأَلْفٍ وَمِائَتَيْنِ بَاعَهُ مُرَابَحَةً بِأَلْفٍ وَمِائَةٍ لِ لِأَنَّهُ اعْتُبِرَ عَدَمًا فِي حَقِّ نِصْفِ الرِّبْحِ وَهُوَ نَصِيبُ رَبِّ الْمَالِ وَقَدْ مَرَّ فِي الْبُيُوعِ.
(۹۷۶)قَالَ: (فَإِنْ كَانَ مَعَهُ أَلْفٌ بِالنِّصْفِ فَاشْتَرَى بِهَا عَبْدًا قِيمَتُهُ أَلْفَانِ فَقَتَلَ الْعَبْدُ رَجُلًا خَطَأً

حالانکہ یہاں اپنی ہی ملکیت والی رقم کے ساتھ بیچنا ہے، اوراس میں عدم جواز کا شبہ ہے، اورمرابحہ کا معاملہ امانت پر ہے اور خیانت کے شبہ سے بھی بچنا ہے، اس لئے دو قیمت میں سے کم کا اعتبار کیا گیا ہے

تشریح : رب المال نے پانچ سو میں غلام خریدا اوراس کو مضارب کے ہاتھ میں ایک ہزار میں بیچ دیا، تو مضارب کے پاس جو ایک ہزار تھا وہ بھی رب المال ہی کا مال تھا، تو گویا کہ رب المال نے اپنے ہی مال کے ساتھ بیچا ہے اس لئے اس بیع کے جائز ہونے میں شبہ ہے، اورمرابحہ کا معاملہ امانت پر ہے، اور خیانت سے بچنا ہے، اس لئے جو کم قیمت ہے، یعنی پانچ سو درہم میں خریدا ہوا، اس لئے مرابحہ کرنا چاہے تو پانچ سو پر مرابحہ کرے گا

لغت :تغاير المقاصد :رب المال کا مقصد ہے ایک ہزار وصول کر لیں۔اور مضارب کا مقصد ہے کہ کسی نہ کسی طرح مبیع مل جائے ،تو دونوں کے مقاصد الگ الگ ہیں، اسی کو، تغایر المقاصد، کہتے ہیں۔المرابحة: مرابحہ بیع کی صورت یہ ہوتی ہے کہ پانچ سو میں غلام خریدا ہے تو مشتری کو صاف صاف بتائے کہ میں نے غلام کو پانچ سو میں خریدا ہے اورایک سو نفع لیکر چھ سو میں بیچتا ہوں۔اور اگر اصل قیمت کیا ہے یہ نہ بتائے بلکہ یوں کہے کہ میں اس کو چھ سو میں بیچتا ہوں تو اس کو مرابحہ نہیں کہتے ، بلکہ عام بیع کہتے ہیں

ترجمہ:(۹۷۵)اور اگر مضارب نے ہزار میں غلام خریدا، اوراس کو رب المال کے ہاتھ ایک ہزار دو سو میں بیچا تو اب رب المال اس کو ایک ہزار ایک سو پر مرابحہ کر سکتا ہے

ترجمہ :لِ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدھا نفع جو ایک سو ہے وہ رب المال کا حصہ ہے اس کو معدوم قرار دیا جائے گا، اس کی تفصیل کتاب البیوع میں گزر چکی ہے

تشریح: مضارب نے ایک ہزار کا غلام خریدا تھا اور ایک ہزار دو سو میں رب المال کے ہاتھ میں بیچا تو اس میں سے ایک سو رب المال کا نفع ہے، اس لئے رب المال کو حقیقت میں یہ غلام ایک ہزار ایک سو میں پڑا ہے، اس لئے مرابحہ کرے گا تو ایک ہزار ایک سو ہی کہے گا، کیونکہ مرابحہ کا معاملہ امانت پر ہے

ترجمہ :(۹۷۶) اگر مضارب کے پاس ایک ہزار تھا آدھے نفع پر، اس سے ایک غلام خریدا جس کی قیمت دو ہزار تھی، اب اس غلام نے کسی کو قتل خطاء کیا تو غلام کے فدئے کی تین چوتھائی رب المال پر ہوگی، اور ایک چوتھائی مضارب پر ہوگی

فَثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الْفِدَاءِ عَلَى رَبِّ الْمَالِ وَرُبُعُهُ عَلَى الْمُضَارِبِ) ۱؎ لِأَنَّ الْفِدَاءَ مُؤْنَةُ الْمِلْكِ فَيُتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الْمِلْكِ وَقَدْ كَانَ الْمِلْكُ بَيْنَهُمَا أَرْبَاعًا، لِأَنَّهُ لَمَّا صَارَ الْمَالُ عَيْنًا وَاحِدًا قِيمَتُهُ أَلْفَانِ ظَهَرَ الرِّبْحُ وَهُوَ أَلْفٌ بَيْنَهُمَا وَأَلْفٌ لِرَبِّ الْمَالِ بِرَأْسِ مَالِهِ لِأَنَّ قِيمَتَهُ أَلْفَانِ، ۲؎ وَإِذَا فَدَيَا خَرَجَ الْعَبْدُ عَنِ الْمُضَارَبَةِ، أَمَّا نَصِيبُ الْمُضَارِبِ فَلِمَا بَيَّنَّاهُ، وَأَمَّا نَصِيبُ رَبِّ الْمَالِ لِقَضَاءِ الْقَاضِي بِانْقِسَامِ الْفِدَاءِ عَلَيْهِمَا لِمَا أَنَّهُ يَتَضَمَّنُ قِسْمَةَ الْعَبْدِ بَيْنَهُمَا وَالْمُضَارَبَةُ تَنْتَهِي بِالْقِسْمَةِ، ۳؎ بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ لِأَنَّ جَمِيعَ الثَّمَنِ فِيهِ عَلَى الْمُضَارِبِ وَإِنْ كَانَ لَهُ حَقُّ الرُّجُوعِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى الْقِسْمَةِ،

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ ملکیت کے اعتبار سے فدیہ لازم ہوتا ہے، اور مضارب اور رب المال کی ملکیت چوتھائی کے اعتبار سے ہے (ایک چوتھائی مضارب کی ملکیت ہے، اور تین چوتھائی رب المال کی ملکیت ہے)، اس لئے کہ جب مال ایک عین ہو گیا جس کی قیمت دو ہزار ہے تو یہ ظاہر ہو گیا کہ ایک ہزار نفع ہے جو دونوں کے درمیان ہے، اور ایک ہزار رب المال کا راس المال ہے، اس لئے کہ اس کی قیمت دو ہزار ہے

تشریح: ایک ہزار کا غلام تھا، اور اب اس کی قیمت دو ہزار ہو گئی تو پتہ چلا کہ ایک ہزار نفع ہے، اور اس نفع میں سے پانچ سو مضارب کا ہے، اور پانچ سو رب المال کا ہے، اس حساب سے غلام کی تین چوتھائی رب المال کا ہے، اور ایک چوتھائی مضارب کا ہے، اس لئے غلام کا فدیہ تین چوتھائی رب المال پر ہوگی، اور ایک چوتھائی مضارب پر ہوگی

وجہ: جس کی جتنی مالیت ہوتی ہے اسی حساب سے فدیہ لازم ہوتا ہے

ترجمہ:۲؎ اور جب فدیہ دے دیا تو پورا غلام مضاربت سے نکل جائے گا، مضارب کا حصہ تو اس لئے نکلے گا کہ وہ پہلے سے مضاربت پر رہے ہی نہیں، اور رب المال کا حصہ اس لئے نکلے گا کہ جب قاضی نے دونوں پر فدیہ کے تقسیم کا فیصلہ کر دیا تو دونوں کے درمیان غلام کی بھی تقسیم ہو گئی، اور تقسیم سے مضاربت ختم ہو جاتی ہے

تشریح: جب فدئے کا فیصلہ کر دیا تو پورا غلام مضاربت سے نکل گیا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ مضارب کا حصہ تو اس لئے نکل گیا کہ وہ مضاربت پر رہے ہی نہیں۔ اور جب قاضی نے تقسیم کر کے فدیہ کا فیصلہ کر دیا تو نفع کی تقسیم ہو گئی، اور قاعدہ یہ ہے کہ نفع کی تقسیم ہو جائے تو مضاربت ختم ہو جاتی ہے، اس لئے پورا غلام مضاربت سے نکل جائے گا

ترجمہ:۳؎ یہ مسئلہ پہلے مسئلے کے خلاف ہے، اس لئے وہاں تمام قیمت مضارب پر ہی ہے، البتہ رب المال سے واپس لینے کا حق ہے، اس لئے وہاں نفع تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے

تشریح: اوپر تھان والے مسئلے میں اور اس غلام والے مسئلے میں فرق یہ ہے کہ تھان والے مسئلے میں سب پیسہ مضارب پر ہے، صرف رب المال سے وصول کرنے کا حق ہے، اس لئے وہاں نفع تقسیم نہیں ہوا اس لئے مضاربت ختم نہیں ہوئی۔ اور یہاں کے مسئلے میں قاضی

۴؎ وَلِأَنَّ الْعَبْدَ كَالزَّائِلِ عَنْ مِلْكِهِمَا بِالْجِنَايَةِ، وَدَفْعُ الْفِدَاءِ كَابْتِدَاءِ الشِّرَاءِ فَيَكُونُ الْعَبْدُ بَيْنَهُمَا أَرْبَاعًا لَا عَلَى الْمُضَارَبَةِ يَخْدُمُ الْمُضَارِبَ يَوْمًا وَرَبَّ الْمَالِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ .

(۹۷۷)قَالَ: (وَإِنْ كَانَ مَعَهُ أَلْفٌ فَاشْتَرَى بِهَا عَبْدًا فَلَمْ يَنْقُدْهَا حَتَّى هَلَكَتِ الْأَلْفُ يَدْفَعُ رَبُّ الْمَالِ ذَلِكَ الثَّمَنَ ثُمَّ وَثُمَّ وَرَأْسُ الْمَالِ جَمِيعُ مَا يَدْفَعُ إِلَيْهِ رَبُّ الْمَالِ) ١؎ لِأَنَّ الْمَالَ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ، وَالِاسْتِيفَاءُ إِنَّمَا يَكُونُ بِقَبْضٍ مَضْمُونٍ وَحُكْمُ الْأَمَانَةِ يُنَافِيهِ فَيَرْجِعُ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى،

نے نفع تقسیم کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے اس لئے مضاربت ختم ہوگئی ہے، کیونکہ نفع تقسیم ہونے کے بعد مضاربت ختم ہو جاتی ہے

ترجمه :۴؎ دوسری وجہ یہ ہے کہ جنایت کرنے کی وجہ سے گویا کہ غلام ملکیت سے نکل چکا ہے، اور فدیہ دینے کا مطلب یہ ہوا کہ دوبارہ شروع سے اس غلام کو خریدا، اس لئے غلام چار حصے ہو کر مشترک ہو گیا، اور مضاربت پر نہیں رہا، اب غلام ایک دن مضارب کی خدمت کرے گا، اور تین دن رب المال کی خدمت کرے گا، بخلاف پہلے مسئلے کے

تشریح : یہ دوسری وجہ ہے۔ کہ غلام کی جنایت کی وجہ سے گویا کہ مضارب اور رب المال کی ملکیت سے نکل گیا اور جس کو قتل کیا اس کے وارث کی ملکیت میں چلا گیا ہے، اور فدیہ دینا گویا کہ شروع سے خریدنا ہے، اور اس خریدنے میں ایک چوتھائی مضارب کا ہے، اور تین چوتھائی رب المال کا ہے اس لئے غلام ایک دن مضارب کی خدمت کرے گا، اور تین دن رب المال کی خدمت کرے گا

لغت :ارباعا: ربع سے مشتق ہے، چوتھائی۔ چار حصے کر کے مشترک ہو جائے، اس کو ارباعا، کہتے ہیں

ترجمه:(۹۷۷) اگر مضارب کے پاس ایک ہزار درہم ہیں، اس سے اس نے غلام خریدا، اور ابھی اس کی قیمت بھی نہیں دی تھی کہ ہزار ہلاک ہو گیا، تو رب المال یہ قیمت دوبارہ دے، پھر تیسری بار دیگا، پھر چوتھی مرتبہ بھی دے گا، اور رب المال نے جتنا دیا ہے سب راس المال میں گنا جائے گا (یعنی چار ہزار درہم راس المال ہو جائے گا)

ترجمه :١؎ اس لئے کہ یہ مال اس کے ہاتھ میں امانت ہے اور استیفاء، یعنی ضمان کا مال وہ ہوتا ہے ضمان کے طور پر قبضہ کرتا ہے، اور امانت اس کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے مضارب بار بار رب المال سے مال لے سکتا ہے

لغت : الاستیفاء: یہ اور، مستوفیا، کا لفظ بار بار آئے گا۔ پورا لے لینا، یہ محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا لے لیا، اب نہیں لے سکتا۔ اور اس میں ضمان کا بھی شائبہ ہے

نوٹ: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ یہاں چار باتیں بتا رہے ہیں۔١۔ پہلی بات یہ ہے کہ مضارب کے ہاتھ میں جو مال ہے وہ امانت کا مال ہے، اس کے ہلاک ہونے پر اس کو ضمان لازم نہیں ہوگا۔٢۔ دوسری بات یہ بتا رہے ہیں کہ بار بار ہلاک ہونے کے باوجود مضاربت ختم نہیں ہوگی، بلکہ وہ برقرار رہے گی، جب تک کہ نفع تقسیم نہ ہو جائے

اور٣۔ تیسری بات یہ ہے کہ۔ مضارب اور وکیل بالشری میں فرق یہ ہے کہ وکیل بالشری، ایک مرتبہ خرید لینے کے بعد اس کی وکالت ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ ایک ہی مرتبہ خریدنے کا وکیل ہے۔ اور۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وکیل کے ہاتھ میں جو مال ہے

٢ بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِالشِّرَاءِ إِذَا كَانَ الثَّمَنُ مَدْفُوعًا إِلَيْهِ قَبْلَ الشِّرَاءِ وَهَلَكَ بَعْدَ الشِّرَاءِ حَيْثُ لَا يَرْجِعُ إِلَّا مَرَّةً لِأَنَّهُ أَمْكَنَ جَعْلُهُ مُسْتَوْفِيًا، لِأَنَّ الْوَكَالَةَ تُجَامِعُ الضَّمَانَ كَالْغَاصِبِ إِذَا تَوَكَّلَ بِبَيْعِ

وہ ضمانت کا بھی ہوسکتا ہے

اصول: چیز امانت کی ہواور ہلاک ہوجائے تو مالک سے دوبارہ لی جاسکتی ہے۔اور چیز ضمان کی ہواور ہلاک ہوجائے تو اب دوبارہ نہیں لی جاسکے گی،حق پورا ہوگیا

تشریح : اگر مضارب کے پاس ایک ہزار درہم تھے،اس سے ایک غلام خریدا،ابھی اس کی قیمت ادا نہیں کی تھی کہ ہزار ہلاک ہوگئے،تو مضارب رب المال سے دوبارہ لیگا،لیکن پھر ادا کرنے سے پہلے ہلاک ہوگئے تو تیسری مرتبہ لیگا،اور پھر ہلاک ہوئے تو چوتھی مرتبہ بھی لے سکتا ہے

وجہ : مضارب کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب تک نفع تقسیم نہیں ہوجاتا وہ مضارب رہتا ہے،یا جب تک رب المال اس کو مضاربت سے نہیں ہٹاتا وہ مضارب باقی رہتا ہے،اس لئے وہ بار بار ہلاک ہونے کے باوجود مضارب باقی ہے،اس لئے بار بار رقم لے سکتا ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں جتنی رقم ہے وہ امانت کی ہے،اس لئے اس کے ہلاک ہونے پر اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔اور تیسری بات یہ ہے کہ رب المال جتنی رقم دیتا جائے گا سب راس المال میں جمع ہوگا،اور اب چار ہزار سے زائد ہوگا تب نفع ہوگا،اور دونوں میں نفع تقسیم ہوگا،اس سے پہلے نہیں۔

ترجمہ: ٢ بخلاف خریدنے کے وکیل کے،اگر اس کو خریدنے سے پہلے قیمت دے دی گئی ہو،اور غلام خریدنے کے بعد ہلاک ہوئی ہو تو ایک مرتبہ اور موکل سے وصول کرسکتا ہے،اس لئے کہ اور ایک مرتبہ وصول کرنے کے بعد اپنا پورا حق وصول کر سکتا ہے،اس لئے کہ وکیل بننے میں کبھی ضمان بھی ہوتا ہے،جیسے غاصب ہی کو غصب کی ہوئی چیز کو بیچنے کا وکیل بنادیا جائے تو (تو یہ غاصب مال کا ضامن بھی ہے اور بیچنے کا وکیل بھی ہے) اس لئے اس صورت میں (یعنی خریدنے سے پہلے موکل نے وکیل کو قیمت دے دی ہو) تو ایک مرتبہ اور موکل سے لے سکتا ہے

تشریح: یہاں سے خریدنے کے وکیل اور مضارب میں فرق بیان کررہے ہیں۔

خریدنے کے وکیل کی دو صورتیں ہیں۔ا۔ غلام کے خریدنے سے پہلے موکل نے وکیل کو ایک ہزار دے دیا تو غلام خریدنے کے بعد ابھی قیمت ادا نہیں کی تھی کہ ایک ہزار ہلاک ہوگیا،تو پہلے کا دیا ہوا ہزار وکیل کے ہاتھ میں امانت ہے،اس لئے وہ دوبارہ ایک ہزار موکل سے لے سکتا ہے،اور اتنا ہی لے سکتا ہے دوبارہ نہیں

وجہ ایک ہزار لینے کے بعد وکیل مستوفیا،ہوگیا یعنی پورا لے لیا اب نہیں لے سکتا،اگر یہ ایک ہزار دوبارہ ہلاک ہوگیا تو وکیل پر اس کا ضمان لازم ہوگا

لغت : کالغاصب اذا توکل ببیع المغصوب : زید نے عمر کا غلام غصب کیا،اس کی وجہ سے زید پر ضمان لازم ہے،اب عمر نے زید کو اس غلام کے بیچنے کا وکیل بنادیا،تو زید وکیل بھی ہے اور اس پر غلام کا ضمان بھی ہے،یعنی دونوں جمع ہیں۔مستوفیا:

المَغصُوبِ، ثُمَّ فِي الوَكَالَةِ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ يَرجِعُ مَرَّةً، ٣ وَفِيمَا إِذَا اشتَرَى ثُمَّ دَفَعَ المُوَكِّلُ إِلَيهِ المَالَ فَهَلَكَ لَا يَرجِعُ لِأَنَّهُ ثَبَتَ لَهُ حَقُّ الرُّجُوعِ بِنَفسِ الشِّرَاءِ فَجُعِلَ مُستَوفِيًا بِالقَبضِ بَعدَهُ، أَمَّا المَدفُوعُ إِلَيهِ قَبلَ الشِّرَاءِ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ وَهُوَ قَائِمٌ عَلَى الأَمَانَةِ بَعدَهُ فَلَم يَصِر مُستَوفِيًا، فَإِذَا هَلَكَ رَجَعَ عَلَيهِ مَرَّةً ثُمَّ لَا يَرجِعُ لِوُقُوعِ الِاستِيفَاءِ عَلَى مَا مَرَّ.

فَصلٌ فِي الِاختِلَافِ

(٩٧٨) قَالَ: وَإِذَا كَانَ مَعَ المُضَارِبِ أَلفَانِ فَقَالَ: دَفَعتَ إِلَيَّ أَلفًا وَرَبِحتُ أَلفًا وَقَالَ رَبُّ المَالِ:

پورا لے لیا اب نہیں لے سکتا

ترجمہ: ٣ اور دوسری صورت یہ ہے کہ، وکیل نے غلام خریدا، بعد میں موکل نے اس کو پیسہ دیا، اور وکیل کے ہاتھ سے وہ ہلاک ہوگیا تو وکیل اب نہیں لے سکتا، کیونکہ جب خریدا تھا اسی سے وکیل کو لینے کا حق ہوگیا تھا، اس لئے ایک ہزار لینے سے پورا لینے والا ہوگیا۔ اور جو پہلی صورت تھی کہ خریدنے سے پہلے موکل نے رقم دی تھی وہ وکیل کے ہاتھ میں امانت تھی، اور بعد میں امانت ہی رہی اس لئے، مستوفی، وصول کرنے والا نہیں ہوا اس لئے جب وہ ہلاک ہوا تو تو وکیل دوبارہ موکل سے لے گا، لیکن اس کے بعد نہیں لے سکے گا کیونکہ مستوفی، یعنی وصول کرنے والا ہوگیا، جیسا کہ پہلے گزرا

تشریح: یہ دوسری صورت ہے کہ وکیل نے اپنے پیسے سے غلام خریدا، اس کے بعد موکل نے ایک ہزار دیا، اور وہ ہلاک ہو گیا تو وکیل اب دوبارہ موکل سے نہیں لے سکے گا، یہ اپنا حق وصول کرنے والا ہوگیا

وجہ: وکیل نے اپنے پیسے سے غلام خریدا تو موکل سے وکیل کو لینے کا حق ہوگیا، اور جب اس نے ہزار لے لیا تو اپنا حق وصول کر لیا مستوفیا، ہوگیا، اس لئے اگر یہ رقم ہلاک ہوگئی تو اب موکل سے کچھ نہیں لے سکے گا

فصل فی الاختلاف

ترجمہ: (٩٧٨) مضارب کے پاس دو ہزار ہیں، اب وہ رب المال سے کہتا ہے کہ آپ نے مجھے ایک ہزار ہی دیا، اور ایک ہزار میں نے نفع میں کمایا ہے (گویا کہ پانچ سو میرا ہے)، اور رب المال کہتا ہے میں نے تمکو دو ہزار دیا ہے تو مضارب کی بات مانی جائے گی (قسم کے ساتھ)

تشریح: یہاں مضارب کی جانب سے بھی دعوی ہے، اور رب المال کی جانب سے بھی دعوی ہے، اب کسکو مدعی قرار دیا جائے، اور اس پر گواہ لازم ہو، اور گواہ نہ ہونے کی صورت میں کس کو مدعی علیہ قرار دیا جائے اور قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے۔ تو فرماتے ہیں کہ گواہ نہ ہونے کی صورت میں مضارب کی بات مانی جائے گی

وجہ: مضارب قبضہ کرنے والا ہے، اور مقدار پر قبضہ کے بارے میں قبضہ کرنے والے کی بات مانی جاتی ہے، اس لئے

لَا بَلْ دَفَعْتُ إِلَيْكَ أَلْفَيْنِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُضَارِبِ) ١ وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يَقُولُ: أَوَّلًا الْقَوْلُ قَوْلُ رَبِّ الْمَالِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ، لِأَنَّ الْمُضَارِبَ يَدَّعِي عَلَيْهِ الشَّرِكَةَ فِي الرِّبْحِ وَهُوَ يُنْكِرُ وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكِرِ، ٢ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَا ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ لِأَنَّ الِاخْتِلَافَ فِي الْحَقِيقَةِ فِي مِقْدَارِ الْمَقْبُوضِ وَفِي مِثْلِهِ الْقَوْلُ قَوْلُ الْقَابِضِ ضَمِينًا كَانَ أَوْ أَمِينًا لِأَنَّهُ أَعْرَفُ بِمِقْدَارِ الْمَقْبُوضِ، ٣ وَلَوِ اخْتَلَفَا مَعَ ذَلِكَ فِي مِقْدَارِ الرِّبْحِ فَالْقَوْلُ فِيهِ لِرَبِّ الْمَالِ لِأَنَّ الرِّبْحَ يُسْتَحَقُّ بِالشَّرْطِ وَهُوَ يُسْتَفَادُ مِنْ جِهَتِهِ، ٤ وَأَيُّهُمَا أَقَامَ الْبَيِّنَةَ عَلَى مَا ادَّعَى مِنْ فَضْلٍ قُبِلَتْ لِأَنَّ الْبَيِّنَاتِ لِلْإِثْبَاتِ.

(۹۷۹) قَالَ: (وَمَنْ كَانَ مَعَهُ أَلْفُ دِرْهَمٍ فَقَالَ: هِيَ مُضَارَبَةٌ لِفُلَانٍ بِالنِّصْفِ وَقَدْ رَبِحَ أَلْفًا وَقَالَ

مضارب کی بات مانی جائے گی

ترجمه: ١ امام ابوحنیفہؒ پہلے یہ فرماتے تھے کہ رب المال کی بات مانی جائے گی، اور امام زفرؒ کی رائے بھی یہی ہے، اس لئے کہ مضارب نفع میں شرکت کا دعوی کر رہا ہے، اور رب المال منکر ہے، اور بات منکر کی مانی جاتی ہے۔

تشریح: واضح ہے

ترجمه: ٢ پھر اس بات سے رجوع کر کے وہ بات کہی جو متن میں ہے (کہ مضارب کی بات مانی جائے گی) اس لئے کہ حقیقت میں اختلاف قبضہ کئے ہوئے کی مقدار میں ہے، اور اس بارے میں قبضہ کرنے والے کی بات مانی جاتی ہے، چاہے وہ ضمان کے طور پر قبضہ کرے، یا امانت کے طور پر قبضہ کرے، اس لئے کہ وہ قبضہ کئے ہوئے رقم کی مقدار زیادہ جانتا ہے

وجه مضارب قبضہ کرنے والا ہے، اس لئے اس کی بات مانی جائے گی

ترجمه: ٣ اور اگر اس کے ساتھ نفع کی مقدار میں اختلاف کر لیا تو رب المال کی بات مانی جائے گی، اس لئے کہ مضارب نفع کا مستحق شرط سے ہوگا اور شرط رب المال کی جانب سے لگائی جاتی ہے (اس لئے رب المال کی بات مانی جائے گی

تشریح: واضح ہے

ترجمه: ٤ اور اپنے زیادہ ہونے کے دعوی پر کسی نے بھی گواہ قائم کر دئے تو تو اسی پر فیصلہ ہوگا، اس لئے کہ گواہ ثابت کرنے کے لئے ہوتے ہیں

تشریح: یہاں دونوں مدعی ہیں، اور دونوں منکر ہیں، اس لئے مدعی ہونے کی حیثیت سے دونوں مدعی ہیں، اس لئے اپنے اپنے دعوی پر کسی نے بھی گواہ قائم کر دئے تو اس کی بات مانی جائے گی، کیونکہ گواہ ثابت کرنے کے لئے ہی ہوتے ہیں

ترجمه: (۹۷۹) کسی کے پاس ایک ہزار درہم تھا، اب وہ کہتا ہے کہ یہ فلاں کا مال ہے آدھے نفع پر مضاربت کے طور پر، اور اس نے ایک ہزار نفع بھی کمایا ہے، اور فلاں رب المال کہتا ہے کہ اس کو مزدوری پر دیا، تو رب المال کی بات مانی جائے گی

فُلَانٌ: هِیَ بِضَاعَةٌ فَالْقَوْلُ قَوْلُ رَبِّ الْمَالِ) ١؎ لِأَنَّ الْمُضَارِبَ یَدَّعِی عَلَیْهِ تَقْوِیمَ عَمَلِهِ أَوْ شَرْطًا مِنْ جِهَتِهِ أَوْ یَدَّعِی الشَّرِکَةَ وَهُوَ یُنْکِرُ،

(٩٨٠) وَلَوْ قَالَ الْمُضَارِبُ: أَقْرَضْتَنِی وَقَالَ رَبُّ الْمَالِ: هُوَ بِضَاعَةٌ أَوْ وَدِیعَةٌ فَالْقَوْلُ لِرَبِّ الْمَالِ وَالْبَیِّنَةُ بَیِّنَةُ الْمُضَارِبِ، ١؎ لِأَنَّ الْمُضَارِبَ یَدَّعِی عَلَیْهِ التَّمَلُّکَ وَهُوَ یُنْکِرُ .

(٩٨١)وَلَوِ ادَّعَی رَبُّ الْمَالِ الْمُضَارَبَةَ فِی نَوْعٍ وَقَالَ الْآخَرُ: مَا سَمَّیْتَ لِی تِجَارَةً بِعَیْنِهَا فَالْقَوْلُ

ترجمہ:١؎ اس لئے کہ مضارب یہ دعوی کررہا ہے کہ میرے کام کی قیمت دو نفع دیکر، یا اپنی جانب سے شرط لگا رہا ہے، یا شرکت کا دعوی کر رہا ہے، اور رب المال اس کا انکار کر رہا ہے (اور بات منکر کی مانی جاتی ہے، اس لئے رب المال کی بات مانی جائے گی)

اصول:،مضاربت میں رب المال کی شرط کا اعتبار ہے، کیونکہ وہی جانتا ہے کہ کس شرط پر میں نے اپنی رقم دی ہے

تشریح :زید کے پاس ایک ہزار ہے وہ کہتا ہے کہ یہ مال عمر کا ہے، لیکن مجھے آدھے نفع پر مضاربت پر دیا ہے، اور عمر کہتا ہے کہ میں نے مزدوری پر اس کو کام کرنے کے لئے دیا ہے تو بات رب المال کی مانی جائے گی

وجہ :اس لئے کہ مضارب تین باتوں کا دعوی کر رہا ہے۔ا۔ میں نے جو کام کیا ہے اس کا بدلہ نفع میں دو، اور یہ ممکن ہے نفع مزدوری سے بہت زیادہ ہو۔٢۔مضارب اپنی جانب سے مضاربت کی شرط لگا رہا ہے، حالانکہ یہ حق رب المال کا ہے۔٣۔ایک ہزار نفع میں پانچ سو مضارب کا ہوگا تو گویا کہ مضارب مضاربت میں ایک چوتھائی کی شرکت کا دعوی کر رہا ہے، چونکہ مضارب کے یہ تین دعوی ہیں، اور رب المال منکر ہے اس لئے رب المال کی بات مانی جائے گی

ترجمہ :(٩٨٠)مضارب کہتا ہے کہ آپ نے مجھے یہ ایک ہزار قرض دیا تھا، اور رب المال کہتا ہے کہ میں یہ مال مزدوری پر کام کرنے کے لئے دیا تھا۔ یا امانت کے طور پر دیا تھا، یا مضاربت کے طور پر دیا تھا تو بھی رب المال کی بات مانی جائے گی، اور اگر دونوں نے گواہ پیش کر دی تو مضارب کی گواہی مانی جائے گی

ترجمہ:١؎ اس لئے کہ مضارب یہ کہہ رہا ہے کہ میں قرض لیکر اس مال کا مالک بن گیا ہوں، اور رب المال اس کا انکار کر رہا ہے اس لئے رب المال کی بات مانی جائے گی

تشریح :قرض لینے کے بعد آدمی اس مال کا مالک بن جاتا ہے، اس لئے آدمی جب کہتا ہے کہ میں نے قرض لیا ہے تو مالک بن جانے کا دعوی کر رہا ہے، اور رب المال اس کا منکر ہے، اور رب المال یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے یہ مال مزدوری پر کام کرنے کے لئے دیا ہے، یا امانت کے طور پر دیا ہے، یا مضاربت کے طور پر دیا ہے تو مضارب اس کا مالک نہیں ہے، اس لئے رب المال کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔ لیکن اگر دونوں نے گواہ پیش کر دئے تو چونکہ مضارب مدعی ہے اس لئے مضارب کی گواہی مقبول ہوگی

ترجمہ :(٩٨١) اگر رب المال نے دعوی کیا کہ ایک خاص قسم کی چیز میں مضاربت کرنے کے لئے دیا تھا، اور مضارب نے کہا کہ کوئی خاص چیز کی تجارت کرنے کے لئے نہیں کہا تھا، تو مضارب کی بات مانی جائے گی

لِلْمُضَارِبِ . ١ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهِ الْعُمُومُ وَالْإِطْلَاقُ، وَالتَّخْصِيصُ يُعَارِضُ الشَّرْطَ، بِخِلَافِ الْوَكَالَةِ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهِ الْخُصُوصُ.

(٩٨٢)وَلَوِ ادَّعَى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نَوْعًا فَالْقَوْلُ لِرَبِّ الْمَالِ ١ لِأَنَّهُمَا اتَّفَقَا عَلَى التَّخْصِيصِ، وَالْإِذْنُ يُسْتَفَادُ مِنْ جِهَتِهِ فَيَكُونُ الْقَوْلُ لَهُ، وَلَوْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمُضَارِبِ لِحَاجَتِهِ إِلَى نَفْيِ الضَّمَانِ وَعَدَمِ حَاجَةِ الْآخَرِ إِلَى الْبَيِّنَةِ، ٣ وَلَوْ وَقَّتَتِ الْبَيِّنَتَانِ وَقْتًا فَصَاحِبُ الْوَقْتِ الْأَخِيرِ أَوْلَى لِأَنَّ

ترجمه:١ اس لئے کہ مضاربت میں اصل تو عمول اور اطلاق ہے، اور شرط کی عارض سے تخصیص آتی ہے، بخلاف وکالت کے، اس لئے کہ اس میں اصل خصوصیت ہے

تشریح: رب المال کہتا ہے کہ کسی خاص چیز کی تجارت کرنے کے لئے کہا تھا، اور مضارب کہتا ہے کہ کسی خاص چیز کی تجارت کی بات نہیں ہوئی تھی تو یہاں مضارب کی بات مانی جائے گی

وجه: مضاربت میں اصل یہی ہے کہ عموم ہوتا ہے، ہاں رب المال شرط لگا دے تو خصوص ہوتا ہے اس لئے عموم کا اعتبار کرتے ہوئے مضارب ہی کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔ اس کے برخلاف کسی تجارت کا وکیل بنائے تو وہاں یہی ہے کہ کسی خاص چیز کی تجارت کا وکیل بناتے ہیں، اس لئے وکیل عموم کا دعوی کرے تو موکل کی بات مانی جائے گی

ترجمه: (٩٨٢) رب المال اور مضارب دونوں ایک خاص قسم کی تجارت کرنے کا دعوی کر رہے ہیں تو اس صورت میں رب المال کی بات مانی جائے گی

ترجمه:١ اس لئے دونوں ہی اس بات پر متفق ہیں کہ خاص قسم میں تجارت کی بات ہوئی تھی (البتہ قسمیں الگ الگ ہیں) اور اجازت رب المال ہی کی جانب سے ہوتی ہے، اس لئے رب المال کی بات مانی جائے گی

تشریح: دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ ایک خاص قسم کی تجارت کی بات ہوئی تھی، لیکن رب المال کہتا ہے کہ کپڑے کی تجارت کا کہا تھا، اور مضارب کہتا ہے کہ اناج کی تجارت کی بات ہوئی تھی، تو رب المال کی بات مانی جائے گی

وجه: تخصیص کا دعوی دونوں کا ہے، اور اس کی اجازت رب المال ہی دیں گے، اس لئے اسی کی بات مانی جائے گی

ترجمه:٢ اور اگر دونوں نے گواہ پیش کئے تو مضارب کی گواہی قبول ہوگی، اس لئے کہ ضمان کی نفی کی اسی کو ضرورت ہے، اور ضمان کی نفی کے لئے رب المال کو گواہی کی ضرورت ہی نہیں ہے

تشریح: دونوں نے گواہی پیش کی تو چونکہ مضارب کو اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی قسم ثابت کرے ورنہ اس کے خلاف کرنے پر اس پر چیز کا ضمان لازم ہو جائے گا، اور ضمان کے بارے میں رب المال کو گواہی کی ضرورت ہی نہیں ہے، اس لئے مضارب ہی کی گواہی قبول کی جائے گی

ترجمه:٣ اور اگر دونوں کے گواہوں نے کہا کہ فلاں وقت تک کے لئے ہی مضاربت دی تھی تو جس کے گواہ بعد کی بات

آخِرَ الشَّرْطَيْنِ يَنْقُضُ الْأَوَّلَ.

کرتے ہیں اسی کی قبول کی جائے گی، کیونکہ بعد والی شرط پہلی شرط کو توڑ دیتی ہے

تشریح: مضارب کا گواہ کہتا ہے رمضان تک کے لئے مضاربت تھی، اور رب المال کے گواہ کہتے ہیں کہ شوال تک کے لئے مضاربت تھی، تو شوال تک کی بات مانی جائے گی

وجہ: قاعدہ یہ ہے کہ بعد والا پہلے والے کو ختم کر دیتا ہے، اس لئے شوال والا رمضان والے کو ختم کر دے گا، اور شوال والی گواہی مقبول ہوگی

نوٹ: یہ سب فیصلے اس وقت ہیں جب کہ اس کے خلاف کوئی قرینہ یا شواہد نہ ہوں اور اگر اس کے خلاف قرینہ موجود ہو، یا شواہد موجود ہوں تو قاضی اس پر بھی غور کرے گا، اس کے بعد فیصلہ کرے گا۔

﴿كِتَابُ الْوَدِيعَةِ﴾

(٩٨٣)قَالَ: (الْوَدِيعَةُ أَمَانَةٌ فِي يَدِ الْمُودَعِ إِذَا هَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْهَا) لِقَوْلِهِ ﷺ »لَيْسَ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ غَيْرِ الْمُغِلِّ ضَمَانٌ وَلَا عَلَى الْمُسْتَوْدَعِ غَيْرِ الْمُغِلِّ ضَمَانٌ« وَلِأَنَّ بِالنَّاسِ حَاجَةً إِلَى

﴿ كتاب الوديعة ﴾

ضروری نوٹ :ودیعت کے معنی امانت رکھنا ہے۔کوئی اپنا سامان کسی کے پاس حفاظت کے لئے رکھ دے تو اس کو امانت رکھنا کہتے ہیں۔(١)اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ان اللہ یأمرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا (آیت ٥٨ ،سورۃ النساء٤)اس آیت میں امانت کو واپس لوٹانے کی تاکید کی گئی ہے۔(٢)حدیث میں ہے۔عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ من اودع ودیعۃ فلا ضمان علیہ (ابن ماجہ شریف،باب الودیعۃ،ص ٣٤٣،نمبر ٢٤٠١،دارقطنی ،کتاب البیوع ،ج ثالث،ص ٣٦،نمبر ٢٩٣٨)اس حدیث میں ہے کہ کوئی چیز امانت پر رکھے تو امانت رکھنے والے پر ضمان نہیں ہے۔اس سے امانت کا ثبوت بھی ہوا اور اس کا حکم بھی معلوم ہوا کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہونے پر ضمان نہیں ہے۔(٣)۔ان ابا بکر کان لا یضمن الودیعۃ (مصنف ابن ابی شیبۃ،باب فی المضارب والعاریۃ و الودیعۃ ،ج ٤،ص ٣٩٩،نمبر ٢١٤٦٧)اس قول صحابی میں ہے کہ امانت رکھنے والے پر ضمان نہیں لگاتے تھے

اس باب میں تین الفاظ ہیں (١)امانت رکھنے والا جس کو مودع کہتے ہیں (دال کے کسرہ کے ساتھ)(٢)جس کے پاس امانت رکھی جائے اس کو مودع کہتے ہیں،امین، کہتے ہیں (دال کے فتحہ کے ساتھ اسم مفعول کا صیغہ)(٣)جو چیز امانت رکھی جائے اس کو ودیعت کہتے ہیں،امانت کی چیز، کہتے ہیں۔

ترجمہ :(٩٨٣)ودیعت امانت ہوتی ہے امانت رکھنے والے کے ہاتھ میں۔اگر اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو اس کا ضامن نہیں ہوگا

ترجمہ:١ حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ جو خیانت کرنے والا نہ ہو ایسے عاریت پر رکھنے والے پر ضمان نہیں ہے۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ امانت پر رکھنے کی لوگوں کو ضرورت ہے،پس اگر ہلاک ہونے پر اس کو ضامن بنا دیں تو لوگ امانت قبول کرنے سے رک جائیں گے،اور لوگوں کی مصلحتیں معطل ہو جائیں گی

تشریح:جس کے ہاتھ میں امانت رکھی گئی ہے وہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر اس کا تاوان نہیں ہے۔

وجہ :(١)ابن ماجہ کی حدیث اوپر گزری من اودع ودیعۃ فلا ضمان علیہ (ابن ماجہ شریف،نمبر ٢٤٠١)(٢) صاحب ہدایہ کی حدیث دارقطنی میں یہ ہے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی ﷺ قال لیس علی

اِلاسْتِيدَاعِ، فَلَوْ ضَمِنَاهُ يَمْتَنِعُ النَّاسُ عَنْ قَبُولِ الْوَدَائِعِ فَيَتَعَطَّلُ مَصَالِحُهُمْ .
(٩٨٤)قَالَ: (وَلِلْمُودَعِ أَنْ يَحْفَظَهَا بِنَفْسِهِ وَبِمَنْ فِي عِيَالِهِ) ١ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ يَلْتَزِمُ حِفْظَ مَالِ غَيْرِهِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي يَحْفَظُ مَالَ نَفْسِهِ وَلِأَنَّهُ لَا يَجِدُ بُدًّا مِنَ الدَّفْعِ إِلَى عِيَالِهِ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ مُلَازَمَةُ بَيْتِهِ وَلَا اسْتِصْحَابُ الْوَدِيعَةِ فِي خُرُوجِهِ فَكَانَ الْمَالِكُ رَاضِيًا بِهِ
(٩٨٥)(فَإِنْ حَفِظَهَا بِغَيْرِهِمْ أَوْ أَوْدَعَهَا غَيْرَهُمْ ضَمِنَ) ١ لِأَنَّ الْمَالِكَ رَضِيَ بِيَدِهِ لَا بِيَدِ غَيْرِهِ،

المستعير غير المغل ضمان ولا على المستودع غير المغل ضمان (دارقطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ٣٦، نمبر ٢٩٦١)(٣)قال عمر بن الخطاب العارية بمنزلة الوديعة ولا ضمان فيها الا ان يتعدى (مصنف عبد الرزاق، باب العاریۃ، ج ثامن، ص ١٧٩، نمبر ١٤٧٨٥)اس حدیث اوراوپر کے قول صحابی سے معلوم ہوا کہ امانت بغیر تعدی کے ہلاک ہوجائے توامین پرضمان نہیں ہے۔

ترجمہ:(٩٨٤)امانت رکھنے والے کے لئے جائز ہے کہ خود حفاظت کرے اوران سے حفاظت کرائے جواس کے عیال میں ہیں۔

ترجمہ:١ اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ جس طرح اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح دوسرے کے مال کی بھی حفاظت کرے گا، اور یہ وجہ بھی ہے کہ آدمی کو عیال کو دینے کی ضرورت پڑ جاتی ہے، اس لئے کہ ہر وقت گھر میں نہیں رہ سکتا ہے، اور امانت کے مال کو سفر میں ساتھ بھی نہیں لیجاسکتا ہے، تو گویا کہ مالک عیال کی حفاظت پر راضی ہے

تشریح:امانت کے مال کی خود حفاظت کرسکتا ہے اوران لوگوں سے بھی حفاظت کرواسکتا ہے جواس کے بال بچے ہیں یا جس کی وہ کفالت کرتا ہے۔

وجہ:(١) آدمی ہر وقت گھر میں نہیں رہتا، کبھی باہر بھی جانا پڑتا ہے۔اس لئے اگر اپنے اہل وعیال سے امانت کی حفاظت نہ کرائے گا تو کس سے کرائے گا؟ (٢) حضورؐ نے ہجرت کے موقع پر حضرت علیؓ سے امانت کی حفاظت کروائی ہے۔ بلکہ انہی کے ذریعہ امانت ادا کروائی ہے۔عن عائشة فی هجرة النبی ﷺ قالت امر تعنی رسول الله ﷺ عليا ان يتخلف عنه بمكة حتى يؤدی عن رسول الله ﷺ الودائع التی كانت عنده للناس (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الترغیب فی اداء الامانات، ج سادس، ص ٤٧٢، نمبر ١٢٦٩٦)اس حدیث میں حضرت علیؓ نے حضور کی امانت کی حفاظت کی اوراس کولوگوں کوادا بھی کیا اور حضرت علی آپؐ کے عیال میں سے تھے۔اس لئے اہل وعیال سے بھی حفاظت کرواسکتا ہے۔

ترجمہ:(٩٨٥) پس اگر اہل وعیال کے علاوہ سے حفاظت کروائی تو ضامن ہوجائے گا

ترجمہ:١ اس لئے کہ مالک اس کی حفاظت سے راضی ہے دوسرے کی حفاظت سے راضی نہیں ہے، اور امانت کی حفاظت میں لوگ مختلف ہوتے ہیں

وَالْأَيْدِی تَخْتَلِفُ فِی الْأَمَانَةِ، ٢ وَلِأَنَّ الشَّیْءَ لَا یَتَضَمَّنُ مِثْلَهُ كَالْوَكِیلِ لَا یُوَكِّلُ غَیْرَهُ، وَالْوَضْعُ فِی حِرْزِ غَیْرِهِ إِیدَاعٌ، ٣ إِلَّا إِذَا اسْتَأْجَرَ الْحِرْزَ فَیَكُونُ حَافِظًا بِحِرْزِ نَفْسِهِ .

(٩٨٦) قَالَ (إِلَّا أَنْ یَقَعَ فِی دَارِهِ حَرِیقٌ فَیُسَلِّمَهَا إِلَی جَارِهِ أَوْ یَكُونَ فِی سَفِینَةٍ فَخَافَ الْغَرَقَ فَیُلْقِیَهَا إِلَی سَفِینَةٍ أُخْرَی) ١ لِأَنَّهُ تَعَیَّنَ طَرِیقًا لِلْحِفْظِ فِی هَذِهِ الْحَالَةِ فَیَرْتَضِیهِ الْمَالِكُ،

تشریح: امانت کی چیز کو اپنے اہل وعیال کے علاوہ سے حفاظت کراوئی تو مودع اس کا ضامن بن جائے گا۔

وجه: (١) مالک مودع کی حفاظت سے راضی ہے اس کے علاوہ کی حفاظت سے راضی نہیں ہے۔ اس لئے دوسروں سے حفاظت کروائی اور ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا۔ (٢) اس قول تابعی میں ہے عن شریح قال من استودع ودیعة فاستودعها بغیر اذن اهلها فقد ضمن (مصنف عبد الرزاق، باب الودیعۃ، ج ثامن ص ١٨٢، نمبر ١٤٨٠٠) اس قول تابعی میں ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر امین نے دوسرے کے پاس امانت رکھی اور ہلاک ہوئی تو وہ ضامن ہوگا۔ (٣) عن الشعبی یقول اذا خالف المستودع و المستعیر و المستبضع فهو ضامن۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی المضارب والعاریۃ و الودیعۃ، ج ٤، ص ٣٩٧، نمبر ٢١٤٤٩) اس قول تابعی میں ہے کہ شرط کی خلاف ورزی کی تو ضامن ہو جائے گا

ترجمه: ٢ اور اس لئے کہ چیز اپنے مثل کو شامل نہیں ہوتی، جیسے وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا، اور دوسرے کی حفاظت میں رکھنا امانت پر رکھنا ہے (اس لئے دوسرے کو حفاظت کرنے کے لئے نہیں دے سکتا ہے)

تشریح: یہ دوسری دلیل ہے قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کی ذمہ داری دی ہے وہی کام دوسرے کو نہیں دے سکتا، اب یہاں رب المال نے ایک آدمی کو امانت رکھنے دیا ہے تو اب وہ دوسرے کو امانت رکھنے نہیں دے سکتا ہے، اور دوسرے کو حفاظت کے لئے دینا، گویا کہ دوسرے کے پاس امانت رکھنا ہے اس لئے حفاظت کے لئے بھی نہیں دے سکتا ہے، جیسے کسی کو وکیل بنایا تو وہ وکیل دوسرے کو اس کام کا وکیل نہیں بنا سکتا ہے اسی طرح یہاں دوسرے کو امانت رکھنے نہیں دے سکتا ہے

ترجمه: ٣ مگر اگر حفاظت کی جگہ کرائے پر لے لیا تو خود حفاظت کرنے والا ہو جائے گا

تشریح: گھوڑا امانت پر تھا، اس کے لئے دوسرے کا کمرہ کرایہ پر لے لیا تو یہ کمرہ ہے دوسرے کا لیکن کرایہ پر لیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ خود نے حفاظت کی ہے، اس لئے یہ جائز ہو جائے گا

لغت: حرز: حفاظت کی چیز۔

ترجمه: (٩٨٦) مگر یہ کہ اس کے گھر میں آگ لگ جائے تو اس کو اپنے پڑوسی کے سپرد کر دے یا امانت کشتی میں ہو اور اس کو ڈوبنے کا خوف ہو تو اس کو دوسری کشتی میں ڈال دے۔

ترجمه: ١ اس لئے کہ اس مجبوری کی حالت میں حفاظت کا یہی ایک طریقہ متعین تھا اس لئے مالک اس سے راضی ہوگا

تشریح: لیکن آگ لگ جائے، یا کشتی ڈوبنے لگے اور سامان کشتی میں ہو تو اب دوسری کشتی میں دینا ہی حفاظت ہے، تو اس کے دینے سے امین پر ضمان لازم نہیں ہوگا، کیونکہ گویا کہ مالک اس سے راضی ہے

(٩٨٧)وَلَا يُصَدَّقُ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ ؎ لِأَنَّهُ يَدَّعِي ضَرُورَةً مُسْقِطَةً لِلضَّمَانِ بَعْدَ تَحَقُّقِ السَّبَبِ فَصَارَ كَمَا إِذَا ادَّعَى الْإِذْنَ فِي الْإِيدَاعِ .

(٩٨٨)قَالَ (فَإِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَمَنَعَهَا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى تَسْلِيمِهَا ضَمِنَهَا) ؎ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ بِالْمَنْعِ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَمَّا طَالَبَهُ لَمْ يَكُنْ رَاضِيًا بِإِمْسَاكِهِ بَعْدَهُ فَيَضْمَنُهُ بِحَبْسِهِ عَنْهُ .

(٩٨٩)قَالَ (وَإِنْ خَلَطَهَا الْمُودَعُ بِمَالِهِ حَتَّى لَا تَتَمَيَّزَ ضَمِنَهَا) ؎ ثُمَّ لَا سَبِيلَ لِلْمُودِعِ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي

اصول: یہ اس اصول پر ہے کہ مجبوری ہو اور حفاظت کی غرض سے عیال کے علاوہ سے حفاظت کروائی تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔

لغت: حریق: آگ لگنا، سفینۃ: کشتی۔

ترجمہ: (٩٨٧) اور اس بارے میں بغیر گواہی کے امین کی بات نہیں مانی جائے گی

ترجمہ: ؎ اس لئے کہ امین پر ضمان لازم تھا اس کو ساقط ہونے کا دعوی کر رہا ہے، تو ایسا ہو گیا کہ یہ دعوی کر رہا ہو کہ مجھے دوسرے کے پاس امانت رکھنے کی اجازت تھی

تشریح: امین نے اپنی حفاظت کے بجائے چیز کو دوسری جگہ ڈالی ہے اس لئے اس پر ضمان لازم تھا، اب یہ دعوی کر رہا ہے کہ کشتی کے ڈوبنے، یا گھر میں آگ لگنے کی وجہ سے یہ کیا تھا، اور مجھ پر ضمان نہیں ہے، تو وہ ضمان کے ساقط ہونے کا دعوی کر رہا ہے اس لئے اس کے لئے گواہ چاہئے، بغیر گواہی کے امین کی بات نہیں مانی جائے گی، جیسے یہ دعوی کرے کہ مالک نے مجھے دوسری جگہ امانت پر رکھنے کی اجازت دی تھی، تو اس کو ثابت کرنے کے لئے گواہ چاہئے، اسی طرح اس کو ثابت کرنے کے لئے بھی گواہ چاہئے

ترجمہ: (٩٨٨) اگر مالک نے امین سے اپنا مال مانگا اور دے سکتا ہے لیکن پھر بھی منع کر دیا تو امین ضامن ہو جائے گا

ترجمہ: ؎ اس لئے کہ منع کرنے کی وجہ سے زیادتی کرنے والا ہو گیا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مالک نے مانگ لیا تو وہ اب اس کے پاس رکھنے کے لئے راضی نہیں ہے تو اس سے روکنے کی وجہ سے ضامن ہو جائے گا

وجہ: (١) طلب کرنے کے باوجود نہ دینا تعدی ہے اور پہلے قول صحابی میں گزر چکا ہے کہ تعدی کرے گا تو امین ضامن ہو جائے گا۔قال عمر بن الخطاب العارية بمنزلة الوديعة ولا ضمان فيها الا ان يتعدى (مصنف عبد الرزاق، باب العاریۃ ج ثامن ص ١٧٩ نمبر ١٤٧٨٥) اس قول صحابی میں ہے کہ تعدی کرنے پر امین پر ضمان لازم ہوگا۔

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: (٩٨٩) امانت رکھنے والے نے اپنے مال کے ساتھ ایسے ملا دی کہ الگ نہ ہو سکتی ہو تو اس کا ضامن ہوگا۔

ترجمہ: ؎ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امین پر کوئی راستہ نہیں ہے

اصول: ایسا ملایا کہ چیز کا حلیہ نہ بگڑتا ہو تو اس صورت میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے

تشریح: امانت رکھنے والے نے امانت کی چیز کو اپنے مال کے ساتھ اس طرح ملا دیا کہ اس کو الگ الگ بھی نہیں کر سکتے تو

حَنِیفَةَ ؒ ۲؎ وَقَالَا: إذَا خَلَطَهَا بِجِنْسِهَا شَرِكَهُ إنْ شَاءَ. مِثْلُ أَنْ يَخْلِطَ الدَّرَاهِمَ الْبِيضَ بِالْبِيضِ وَالسُّودَ بِالسُّودِ وَالْحِنْطَةَ بِالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرَ بِالشَّعِيرِ. لَهُمَا أَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ الْوُصُولُ إلَى عَيْنِ حَقِّهِ صُورَةً وَأَمْكَنَهُ مَعْنًى بِالْقِسْمَةِ مَعَهُ فَكَانَ اسْتِهْلَاكًا مِنْ وَجْهٍ دُونَ وَجْهٍ فَيَمِيلُ إلَى أَيِّهِمَا شَاءَ. ۳؎ وَلَهُ أَنَّهُ اسْتِهْلَاكٌ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ لِأَنَّهُ فِعْلٌ يَتَعَذَّرُ مَعَهُ الْوُصُولُ إلَى عَيْنِ حَقِّهِ. ۴؎ وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْقِسْمَةِ لِأَنَّهَا مِنْ مُوجِبَاتِ

امانت رکھنے والا اس امانت کا ضامن ہوجائے گا اور اس کو اس کی قیمت دینی ہوگی۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور کوئی راستہ نہیں ہے، کا مطلب یہ ہے کہ، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شریک ہونے کا راستہ نہیں ہے، صرف ضمان لے سکتا ہے

وجہ: (۱) ملانے کی وجہ سے اب وہ امین نہیں رہا بلکہ ضامن ہوگیا اس لئے اس کو ضمان دینا ہوگا (۲) مالک اب اپنے حق تک نہیں پہنچ سکتا اسلئے یہی صورت ہے کہ اس کو اس کی قیمت مل جائے (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن انس بن مالک قال استودعت مالا فوضعته مع مالی فهلک من بین مالی فرفعت الی عمر فقال انک لامین فی نفسی ولکن هلکت من بین مالک فضمنته** (سنن للبیہقی، باب لا ضمان علی مؤتمن، ج سادس، ص ۴۷۴، نمبر ۱۲۷۰۴) اس اثر میں امانت کو اپنے مال کے ساتھ ملا دیا اور وہ ہلاک ہوگئی تو حضرت عمرؓ نے انس بن مالک کو ضامن بنایا۔

لغت: خلط: ملا دیا۔

ترجمہ: ۲؎ صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر اسی جنس میں ملا دیا تو دوسرا راستہ یہ بھی ہے کہ چاہے تو امین کے ساتھ شریک ہوجائے، مثلا سفید درہم کو سفید درہم کے ساتھ ملا دیا، یا کالے درہم کو کالے درہم کے ساتھ ملا دیا، اور گیہوں کو گیہوں کے ساتھ ملا دیا، یا جو کو جو کے ساتھ ملا دیا (تو امین کے ساتھ شریک ہوسکتا ہے) ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ صورت میں عین حق تک نہیں پہنچ سکتا ہے تو اس کو تقسیم کر کے معنوی طور پر اپنا حق لے سکتا ہے، اس لئے کچھ اعتبار سے ہلاک ہونا ہوا اور کچھ اعتبار سے ہلاک کرنا نہیں ہے، تو مالک جدھر چاہے مائل ہوجائے

تشریح: امانت کی چیز کو ملانے کے بعد صاحبین کے نزدیک دو راستے ہیں، ایک راستہ یہ ہے کہ ضمان لے لے، اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ امین کے ساتھ شریک ہوجائے

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ ملانے کی وجہ سے اپنا اصل حق نہیں لے سکتا ہے تو اس میں شریک ہوکر معنوی طور پر اپنا حق لے لے

ترجمہ: ۳؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ملا کر پورے ہی طور پر ہلاک کر دیا ہے، اس لئے کہ ایسا کام کیا عین حق کو وصول کرنا متعذر ہوگیا،

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ امین نے ایسا ملا دیا کہ اب مالک اپنا عین حق وصول نہیں کرسکتا ہے، اس لئے ضمان ہی لازم ہوگا،

ترجمہ: ۴؎ اور تقسیم کر کے لینے کا اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ یہ شرکت کی قسم ہوجائے گی، اور ودیعت شرکت کی صلاحیت نہیں رکھتی

الشِّرْكَةِ فَلا تَصْلُحُ مُوجِبَةً لَهَا، ۵؎ وَلَوْ أَبْرَأَ الْخَالِطَ لا سَبِيلَ لَهُ عَلَى الْمَخْلُوطِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّهُ لا حَقَّ لَهُ إِلَّا فِي الدَّيْنِ وَقَدْ سَقَطَ، وَعِنْدَهُمَا بِالْإِبْرَاءِ تَسْقُطُ خِيرَةُ الضَّمَانِ فَيَتَعَيَّنُ الشِّرْكَةُ فِي الْمَخْلُوطِ، ۶؎ وَخَلْطُ الْخَلِّ بِالزَّيْتِ وَكُلِّ مَائِعٍ بِغَيْرِ جِنْسِهِ يُوجِبُ انْقِطَاعَ حَقِّ الْمَالِكِ إِلَى الضَّمَانِ، وَهَذَا بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُ اسْتِهْلَاكٌ صُورَةً وَكَذَا مَعْنًى لِتَعَذُّرِ الْقِسْمَةِ بِاعْتِبَارِ اخْتِلَافِ الْجِنْسِ. وَمِنْ هَذَا الْقَبِيلِ خَلْطُ الْحِنْطَةِ بِالشَّعِيرِ فِي الصَّحِيحِ لِأَنَّ أَحَدَهُمَا لا يَخْلُو عَنْ حَبَّاتِ الْآخَرِ فَتَعَذَّرَ التَّمْيِيزُ

تشریح: صاحبین نے فرمایا تھا کہ مالک امین کے ساتھ شریک ہو جائے تو اس کا جواب یہ دے رہے ہیں کہ یہ مسئلہ ہے ودیعت اور امانت کا، اور مالک کو شریک کریں گے تو معاملہ ہو جائے گا شرکت کا، جو ودیعت سے بالکل الگ ہے، اس لئے شریک کرنا مناسب نہیں ہے

لغت: موجبات الشرکۃ: شرکت کے اسباب ہیں۔ فلا تصلح موجبۃ لھا: شرکت کے اسباب کی صلاحیت نہیں رکھتا

ترجمہ: ۵؎ اور اگر مالک نے امین کو ضمان سے بری کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ملانے سے کچھ اور نہیں لے سکے گا، اس لئے مالک کا حق ضمان لینا تھا اور وہ ضمان ساقط کر دیا (تو اب شریک بھی نہیں ہو سکے گا اس لئے اور کوئی حق نہیں ملے گا)، اور صاحبینؒ کے نزدیک ضمان سے بری کرنے سے ضمان کا اختیار ختم ہوا ہے، لیکن ملائی ہوئی چیز میں شرکت تو ہے

تشریح: یہاں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے اصول کے درمیان فرق بیان کر رہے ہیں۔ مالک نے امین کو ضمان سے بری کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اب شرکت کا اختیار نہیں ہوگا، اور امین مکمل بری ہو جائے گا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ ہوگا کہ ضمان سے بری کر دیا تو شرکت کا اختیار باقی رہے گا اور شریک ہو کر مالک اپنا حق وصول کر لے گا، دونوں حضرات کے اصول میں یہ فرق ہوگا

ترجمہ: ۶؎ اگر تل کے تیل کو زیتون کے تیل کے ساتھ ملا دیا، یا ہر بہنے والی چیز کو دوسری جنس کے ساتھ ملا دیا جس سے مالک کا حق منقطع ہو گیا تو ضمان واجب ہوگا، یہ بات بالاجماع ہے، اس لئے صورۃ بھی ہلاک کرنا ہے، اور ایسے ہی معنی بھی ہلاک کرنا ہے، اس لئے اختلاف جنس کی وجہ سے تقسیم کرنا بھی ناممکن ہے، اسی قبیل سے ہے گیہوں کو جو میں ملا دیا، صحیح روایت یہی ہے اس لئے کہ ایک کے دانے دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے، اس لئے الگ الگ کرنا بھی ناممکن ہے اور تقسیم کرنا بھی ناممکن ہے

اصول ملانے سے چیز کا حلیہ بگڑ جائے تو بالاجماع ضمان لازم ہوگا

تشریح: یہ ملانے کی دوسری قسم ہے، اس میں چیز کا حلیہ بگڑ جاتا ہے، اور وہ مقصد کے کام کا نہیں رہتا، اور گویا کہ وہ چیز ہلاک ہو گئی، اور تقسیم کر کے لینا بھی مشکل ہے اس لئے اس صورت میں تمام کے نزدیک ضمان ہی لازم ہے، شریک بنانا صحیح نہیں ہے۔ اس کی تین مثالیں دے رہے ہیں۔ ۱۔ پہلی مثال تل کے تیل کو زیتون کے تیل کے ساتھ ملا دیا، اب تل کے تیل کو زیتون کے تیل سے الگ کرنا ناممکن ہے، اور اس میں مالک کو شریک کریں تو مالک کا تھا تل کا تیل، جو مہنگا ہے، اور بہت سارے کام میں آتا ہے، اور اب اس کو آدھا مل رہا ہے زیتون کا تیل جو سستا ہے، اور تل کے تیل کی جگہ کام نہیں آتا، اس لئے اس میں شریک کرنے کا حکم دینا غیر

وَالْقِسْمَةُ. ۷ وَلَوْ خَلَطَ الْمَائِعَ بِجِنْسِهِ فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ يَنْقَطِعُ حَقُّ الْمَالِكِ إِلَى ضَمَانٍ لِمَا ذَكَرْنَا، ۸ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يُجْعَلُ الْأَقَلُّ تَابِعًا لِلْأَكْثَرِ اعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ أَجْزَاءً، ۹ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ شَرِكَهُ بِكُلِّ حَالٍ لِأَنَّ الْجِنْسَ لَا يَغْلِبُ الْجِنْسَ عِنْدَهُ عَلَى مَا مَرَّ فِي الرَّضَاعِ،

مناسب ہے اس لئے سب کے نزدیک امین پر ضمان ہی لازم ہوگا۔۲۔دوسری مثال ہے ایسے ہی ہر بہنے والی چیز کو دوسری بہنے والی چیز کے ساتھ ملا دیا، مثلا آم کے جوس کو امرود کے جوس کے ساتھ ملا دیا تو اس میں ضمان لازم ہوگا۔۳۔اور تیسری مثال ہے کہ ہے وہ سولڈ اور سخت چیز، لیکن ایک کا دانہ دوسرے میں ایسا مل گیا ہے کہ اس کو الگ کرنا ناممکن ہے، اور خلط ملط کی وجہ سے وہ کسی با مقصد کام کے لئے باقی نہیں رہی، مثلا گیہوں کو جو کے ساتھ ملا دیا، تو یہ کسی کام کا نہیں رہا اس لئے سب کے نزدیک ضمان ہی لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۷ اور اگر بہنے والی چیز کو اسی کی جنس کے ساتھ ملا دیا (مثلا تل کے تیل کو امین نے اپنے تل کے تیل کے ساتھ ملا دیا) تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مالک کا حق چیز سے ختم ہو گیا اور اب صرف ضمان ہی لازم ہوگا، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے پہلے ذکر کیا (کہ یہ چیز کو ہلاک کرنا ہے)

تشریح: بہنے والی چیز کو اسی بہنے والی چیز کے ساتھ ملا دیا، مثلا مالک کا تل کا تیل تھا امین نے اپنے تل کے تیل کے ساتھ ملا دیا، یہاں دونوں کی جنس ایک ہی ہے، تو یہ بھی استہلاک ہے اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ضمان لازم ہوگا، شرکت نہیں، کیونکہ یہ استہلاک ہے

ترجمہ: ۸ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کم کو اکثر کے تابع کر دیا جائے گا، غالب اجزا کا اعتبار کرتے ہوئے

تشریح: مالک کے تل کا تیل ایک کلو تھا، امین نے اپنے دو کلو تل کے تیل میں ملا دیا، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جس کا تیل زیادہ ہے، یہ سب تیل اسی کا ہوگا، اور جس کا کم ہے اس کو اپنے تیل کا ضمان ملے گا، یعنی اس کی قیمت ملے گا، یہاں امین کا تیل زیادہ ہے، اس لئے سب تیل اسی کا ہوگا، اور مالک کو ایک کلو تیل کی قیمت ملے گی

وجہ: ان کے یہاں غالب کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

ترجمہ: ۹ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر حال میں مالک امین کے ساتھ شریک ہو جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جنس اپنی جنس کو غالب نہیں کرتی، جیسا کہ کتاب الرضاع میں گزرا ہے

تشریح: امین نے مالک کے ایک کلو تیل کو اپنے دو کلو تیل میں ملا دیا، تو اس میں مالک امین کے شریک ہو جائے گا ضمان نہیں ملے گا

وجہ: ان کے یہاں جنس جنس کو غالب نہیں کرتی، چاہے زیادہ ہو یا کم، جیسے ایک سو گرام دودھ ایک عورت کا تھا، اور دو سو گرام دودھ دوسری عورت کا تھا، دونوں کو ملا دیا، اور ایک بچے کو پلا دیا تو دونوں سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی، یہاں یہ نہیں دیکھا جائے گا، کہ ایک عورت کا دودھ زیادہ تھا اور دوسری کا دودھ کم تھا، بلکہ دونوں کو برابر کا درجہ دیکر دونوں سے حرمت

١٠ وَنَظِيرُهُ خَلْطُ الدَّرَاهِمِ بِمِثْلِهَا إذَابَةً لِأَنَّهُ يَصِيرُ مَائِعًا بِالْإِذَابَةِ .
(٩٩٠)قَالَ (وَإِنِ اخْتَلَطَتْ بِمَالِهِ مِنْ غَيْرِ فِعْلِهِ فَهُوَ شَرِيكٌ لِصَاحِبِهَا) ١ كَمَا إذَا انْشَقَّ الْكِيسَانِ فَاخْتَلَطَا لِأَنَّهُ لا يَضْمَنُهَا لِعَدَمِ الصُّنْعِ مِنْهُ فَيَشْتَرِكَانِ وَهَذَا بِالِاتِّفَاقِ.
(٩٩١)قَالَ (فَإِنْ أَنْفَقَ الْمُودَعُ بَعْضَهَا ثُمَّ رَدَّ مِثْلَهُ فَخَلَطَهَا بِالْبَاقِي ضَمِنَ الْجَمِيعَ) ١ لِأَنَّهُ خَلَطَ مَالَ

رضاعت ثابت کردی جائے گی، ٹھیک اسی طرح یہاں دونوں کو شریک کر دیا جائے گا، البتہ حصص کا اعتبار کیا جائے، یعنی مالک کو تیل کا ایک حصہ ملے گا، اور امین کو تیل کے دو حصے ملیں گے

ترجمہ: ١٠ اس کی مثال درہم کو پگھلا دیا اور پانی بنا کر ملا دیا، کیونکہ پگھلانے سے درہم بھی پانی کی طرح ہو جاتا ہے

تشریح: مالک کے درہم کو پگھلا دیا، اور امین نے اپنے درہم کو بھی پگھلا دیا اور ملا دیا تو یہ بھی بہنے والی چیز کی طرح ہو گیا، اور اس کا حکم بھی تیل کی طرح ہوگا

لغت: اذابۃ: پگھلانا۔ مائعا: بہنے والی چیز۔ جیسے پانی۔

ترجمہ: (٩٩٠) اور اگر مل گیا مال بغیر امین کے کچھ کئے تو وہ مالک کے ساتھ شریک ہوگا۔

ترجمہ: ١ جیسے تھیلی پھٹ گئی اور دونوں کے درہم مل گئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امین کی کوئی حرکت نہیں تھی اور دونوں شریک ہو جائیں گے، اور یہ مسئلہ بالاتفاق ہے

تشریح: اگر امین کے کچھ کئے بغیر امانت کا مال امین کے مال کے ساتھ خلط ملط ہو گیا تو امین مالک کے ساتھ شریک ہو جائے گا ضمان نہیں ہوگا

وجہ: امین نے ملایا نہیں ہے خود بخود ملا ہے اس لئے ان کی جانب سے تعدی نہیں ہوئی۔ اس لئے ضامن نہیں ہوگا۔ البتہ دونوں کا مال مل گیا ہے اس لئے دونوں شریک ہو جائیں گے۔ (٢) **عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده عن النبى ﷺ قال ليس على المستعير غير المغل ضمان ولا على المستودع غير المغل ضمان** (دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ٣٦، نمبر ٢٩٦١) (٣) **قال عمر بن الخطاب العارية بمنزلة الوديعة ولا ضمان فيها الا ان يتعدى** (مصنف عبد الرزاق، باب العاریۃ، ج ثامن، ص ١٧٩، نمبر ١٤٧٨٥) اس حدیث اور اوپر کے قول صحابی سے معلوم ہوا کہ امانت بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو امین پر ضمان نہیں ہے۔

لغت: انشق: پھٹ گیا۔ کیسان: کیس سے مشتق ہے، درہم رکھنے کی تھیلی۔

ترجمہ: (٩٩١) امانت رکھنے والے نے کچھ رقم خرچ کر دیا، پھر اس کو واپس کر دیا اور باقی رقم کے ساتھ ملا دیا تو تمام کا ضامن بن جائے گا

ترجمہ: ١ اس لئے کہ اپنے مال کے ساتھ دوسرے کے مال کو ملا دیا تو گویا کہ پہلے کی طرح ہلاک کرنے والا ہو گیا

غَيْرِهِ بِمَالِهِ فَيَكُونُ اسْتِهْلَاكًا عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي تَقَدَّمَ.

(۹۹۲)قَالَ: (وَإِذَا تَعَدَّى الْمُودِعُ فِي الْوَدِيعَةِ بِأَنْ كَانَتْ دَابَّةً فَرَكِبَهَا أَوْ ثَوْبًا فَلَبِسَهُ أَوْ عَبْدًا فَاسْتَخْدَمَهُ أَوْ أَوْدَعَهَا عِنْدَ غَيْرِهِ ثُمَّ أَزَالَ التَّعَدِّيَ فَرَدَّهَا إِلَى يَدِهِ زَالَ الضَّمَانُ) ۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَبْرَأُ عَنِ الضَّمَانِ لِأَنَّ عَقْدَ الْوَدِيعَةِ ارْتَفَعَ حِينَ صَارَ ضَامِنًا لِلْمُنَافَاةِ فَلَا يَبْرَأُ إِلَّا بِالرَّدِّ عَلَى الْمَالِكِ. ۲؎ وَلَنَا أَنَّ الْأَمْرَ بَاقٍ لِإِطْلَاقِهِ، وَارْتِفَاعُ حُكْمِ الْعَقْدِ ضَرُورَةُ ثُبُوتِ نَقِيضِهِ، فَإِذَا ارْتَفَعَ عَادَ حُكْمُ الْعَقْدِ، كَمَا إِذَا

تشریح: اوپر کی مثال میں ایک ہزار امانت پر رکھا۔اس میں سے چھ سو درہم امین نے خرچ کر دیئے پھر اپنی جانب سے چھ سو درہم واپس لایا اور باقی درہم کے ساتھ ملا دیا اور تمام درہم ہلاک ہو گئے تو امین اب پورے ایک ہزار کا ضامن ہوگا۔

وجہ: (۱) امین کو اپنے مال کے ساتھ امانت کا مال نہیں ملانا چاہئے تھا، یہ ملا کر تعدی کی ہے، اور استہلاک کیا ہے اس لئے وہ ضامن ہوگا (۲) حضرت حسن کا ایک قول بھی ہے۔عن الحسن فی الرجل یودع الودیعة فیحرکھا یأخذ بعضھا قال کان یقول اذا حرکھا فقد ضمن (سنن للبیہقی، باب لا ضمان علی مؤتمن ج، سادس، ص ۴۷۴، نمبر ۱۲۷۰۵) اس قول تابعی میں ہے کہ اپنے مال کو امانت کے مال کے ساتھ ملا دیا تو امین کو ضامن بنایا۔

ترجمہ: (۹۹۲) اگر امانت رکھنے والے نے امانت میں زیادتی کی، اس طرح کہ جانور تھا اس پر سوار ہو گیا یا، کپڑا تھا اس کو پہن لیا، یا غلام تھا اس سے خدمت لے لی یا اس کو دوسرے کے پاس امانت رکھ دیا پھر تعدی زائل کر دی اور اپنے پاس رکھ لیا تو ضمان زائل ہو جائے گا۔

اصول: امانت میں تعدی کے بعد اس کو ختم کر دیا تو امانت کی ذمہ داری بحال ہو جائے گی

تشریح: تعدی کرنے کے بعد اس کو زائل کر دیا اور پھر سے امانت پر کام کرنا شروع کر دیا تو امانت بحال ہو جائے گا، آگے متن میں اس کی چار مثالیں ہیں

ترجمہ: ۱؎ امام شافعی نے فرمایا کہ، امین ضمان سے بری نہیں ہوگا، اس لئے کہ عقد ودیعت اٹھ گیا جب وہ ضامن بن گیا، ضمان اور امانت میں منافات کی وجہ سے، اس لئے جب تک اپنے مالک کو سپرد نہیں کرے گا امین بری نہیں ہوگا

اصول: شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ ایک مرتبہ ودیعت سے ہٹ جانے کے بعد دوبارہ ودیعت کی طرف واپس نہیں آئے گا

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ تعدی کرنے کی وجہ سے ضمان لازم ہو گیا تو اس کو ٹھیک کرنے کے باوجود بھی وہ ودیعت کی طرف واپس نہیں آئے گا، جب تک کہ اس مال کو مالک کو واپس نہ کر دے

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ موجب ضمان ہو گیا تو اب وہ ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ امانت کا جو حکم تھا وہ مطلق ہونے کی وجہ سے باقی ہے اور امانت کے عقد کا حکم اس کے الٹے کے ثبوت کی وجہ سے اٹھا تھا، اور جب وہ الٹی چیز ختم ہو گئی تو امانت کا حکم واپس آ گیا، جیسے کے ایک مہینہ کے لئے اجرت پر کسی آدمی کو لیا،

اسْتَأْجَرَهُ لِلْحِفْظِ شَهْرًا فَتَرَكَ الْحِفْظَ فِي بَعْضِهِ ثُمَّ حَفِظَ فِي الْبَاقِي فَحَصَلَ الرَّدُّ إِلَى نَائِبِ الْمَالِكِ .
(۹۹۳)قَالَ (فَإِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَجَحَدَهَا ضَمِنَهَا) ١ لِأَنَّهُ لَمَّا طَالَبَهُ بِالرَّدِّ فَقَدْ عَزَلَهُ عَنِ الْحِفْظِ فَبَعْدَ ذَلِكَ هُوَ بِالْإِمْسَاكِ غَاصِبٌ وَمَانِعٌ مِنْهُ فَيَضْمَنُهَا، ٢ فَإِنْ عَادَ إِلَى الِاعْتِرَافِ لَمْ يَبْرَأْ عَنِ الضَّمَانِ لِارْتِفَاعِ الْعَقْدِ، إِذِ الْمُطَالَبَةُ بِالرَّدِّ رَفْعٌ مِنْ جِهَتِهِ وَالْجُحُودُ فَسْخٌ مِنْ جِهَةِ الْمُودَعِ

اس نے بعض تاریخوں میں حفاظت چھوڑ دی، پھر باقی میں حفاظت کی تو مالک کے نائب یعنی خود کی طرف حفاظت واپس آ گیا

تشریح :ہماری دلیل یہ ہے کہ جب مالک نے امانت کا حکم دیا تو اس کے مطلق ہونے کی وجہ سے وہ حکم باقی ہے، پھر درمیان میں اس نے اس کی مخالفت کی تو امانت ختم ہوگئی، لیکن جب اس مخالفت کو ختم کر دیا تو دوبارہ امانت کا حکم واپس آ گیا، اس کی مثال دے رہے ہیں کہ ایک آدمی کو ایک مہینہ حفاظت کرنے کے لئے کرایہ پر لیا، درمیان میں اس نے حفاظت نہیں کی تو یہ حکم رک گیا تھا، لیکن جب مہینہ ختم ہونے سے پہلے وہ حفاظت کرنے لگا تو یہ حفاظت کا حکم واپس آ جائے گا، ایسے ہی یہاں امانت کا حکم واپس آ جائے گا

لغت :ثبوت نقیضہ: یہ منطقی محارہ ہے، یعنی اس کے الٹے کا ثبوت ہوا تو امانت کا حکم ختم ہو گیا نائب المالک: مالک کا نائب سے مراد خود حفاظت کرنے والا کرایہ دار ہے

ترجمہ :(۹۹۳) اگر مالک نے اپنی امانت واپس مانگی اور امین نے اس کا انکار کر دیا (کہ میرے پاس آپ کی امانت نہیں ہے) تو امین ضامن ہو جائے گا

ترجمہ :١ اس لئے کہ جب واپسی کا مطالبہ کیا تو گویا کہ امین کو حفاظت سے معزول کر دیا، اس کے بعد امین کے اپنے پاس روک لینے سے وہ غاصب بن گیا، اور روکنے والا ہو گیا اس لئے ضمان لازم ہو جائے گا

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امین ہونا ختم ہونے کے بعد دوبارہ باضابطہ امین نہیں بنایا تو وہ امین نہیں ہوگا ضامن ہی ہوگا۔

تشریح: مالک نے اپنی امانت واپس مانگی، امین نے کہا کہ آپ کی کوئی امانت میرے پاس نہیں ہے، اور دینے سے انکار کر دیا، تو اس سے امین معزول بھی ہو جائے گا، اور امین پر ضمان بھی لازم ہوگا

وجہ :جب مالک نے مانگا تو گویا کہ امین کو امانت سے معزول کر دیا، اور امین نے انکار کیا تو گویا کہ امین اس چیز کا غاصب بن گیا اور روکنے والا بنا، اس لئے امین پر ضمان لازم ہوگا۔

لغت:جحد :انکار کیا، اعتراف :اقرار کرنا، لم یبرأ: بری نہیں ہوگا۔

ترجمہ :٢ لیکن پھر امین نے اعتراف کر لیا تو بھی ضمان سے بری نہیں ہوگا، اس لئے کہ مالک نے جب واپس کرنے کا مطالبہ کیا تو مالک کی جانب سے امانت سے ہٹا دیا گیا، پھر امین کی جانب سے انکار رہا تو امانت کا عقد فسخ ہو گیا، جیسے وکیل اپنی وکالت سے انکار کر دے، یا بیع عقد کرنے والے میں سے ایک نے انکار کر دیا تو عقد توڑنا مکمل ہو گیا

تشریح :امین نے پہلے تو امانت کی چیز کا انکار کیا، لیکن بعد میں اعتراف کر لیا کہ امانت کی چیز میرے پاس ہے، تو کیا اس

كَجُحُودِ الْوَكِيلِ الْوَكَالَةَ وَجُحُودِ أَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ الْبَيْعَ فَتَمَّ الرَّفْعُ، ٣ أَوْ لِأَنَّ الْمُودَعَ يَنْفَرِدُ بِعَزْلِ نَفْسِهِ بِمَحْضَرٍ مِنَ الْمُسْتَوْدِعِ كَالْوَكِيلِ يَمْلِكُ عَزْلَ نَفْسِهِ بِحَضْرَةِ الْمُوَكِّلِ، وَإِذَا ارْتَفَعَ لَا يَعُودُ إِلَّا بِالتَّجْدِيدِ فَلَمْ يُوجَدِ الرَّدُّ إِلَى نَائِبِ الْمَالِكِ، ٤ بِخِلَافِ الْخِلَافِ ثُمَّ الْعَوْدِ إِلَى الْوِفَاقِ، ٥ وَلَوْ جَحَدَهَا عِنْدَ غَيْرِ صَاحِبِهَا لَا يَضْمَنُهَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ خِلَافًا لِزُفَرَ لِأَنَّ الْجُحُودَ عِنْدَ غَيْرِهِ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ لِأَنَّ فِيهِ قَطْعَ طَمَعِ الطَّامِعِينَ، وَلِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ عَزْلَ نَفْسِهِ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ

اعتراف سے امانت بحال رہے گی، تو فرماتے ہیں کہ امانت بحال نہیں رہے گی

وجہ :اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں دونوں طرف سے امانت کا عقد ختم ہو چکا ہے۔ مالک کی جانب سے اس لئے کہ اس نے امانت کی چیز مانگ لی تو اس کی جانب سے عقد ختم ہو گیا، اور امین نے اس کا انکار کر دیا اس کی جانب سے بھی امانت کا عقد فسخ ہو گیا، اس لئے اعتراف کے باوجود عقد باقی نہیں رہے گا، ہاں دوبارہ امین بنائے تو نئے سرے سے ہوگا۔ اس کی مثال دیتے ہیں کہ وکیل موکل کے سامنے وکالت ختم کر دے، یا بیع کے بائع، یا مشتری دوسرے کے سامنے اپنا عقد ختم کر دے تو بیع ٹوٹ جاتی ہے اور دوبارہ بحال نہیں ہوتی، اسی طرح یہاں دوبارہ بحال نہیں ہوگا

ترجمہ :٣ اور اس وجہ سے بھی کہ، امین امانت رکھنے والے کے سامنے اپنے آپ کو معزول کر سکتا ہے، جیسے وکیل موکل کے سامنے اپنے آپ کو معزول کر سکتا ہے، اور جب امانت ختم ہو گئی تو نئے سرے سے کرنے سے پہلے امانت واپس نہیں ہوگی، اس لئے امین کی طرف واپس نہیں ہوگی،

تشریح :دوسری وجہ یہ ہے کہ امین مالک کے سامنے اپنی امانت ختم کر سکتا ہے، اور امین نے انکار کر کے اپنے آپ کو ختم کر دیا، جیسے وکیل موکل کے سامنے اپنے آپ کو معزول کر سکتا ہے، اس لئے اعتراف کے باوجود بھی امانت واپس نہیں آئے گی،

ترجمہ:٤ بخلاف اگر امانت کے خلاف کیا پھر اتفاق کی طرف لوٹ آیا (تو وہاں امانت باقی رہے گی)

تشریح : پہلے ایک مسئلہ گزرا تھا کہ امین نے امانت کی چیز پر تعدی کی، مثلا گھوڑا امانت کا تھا اس کو استعمال کر لیا، پھر تعدی چھوڑ دی تو وہاں امانت باقی رہتی ہے، اور یہاں باقی نہیں رہتی ہے، ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ تعدی کرنے میں مالک کی جانب سے امانت ختم نہیں ہوئی تھی جاری تھی، اس لئے اعتراف کے بعد بحال ہو گئی، اور یہاں مالک نے امین کے پاس رکھنے سے انکار کر دیا تو امانت بالکل ختم ہو گئی ہے، اس لئے اعتراف کے بعد امانت بحال نہیں ہوگی، دونوں میں یہ فرق ہے

ترجمہ:٥ اور اگر امین نے مالک کے علاوہ کے سامنے امانت کا انکار کیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا (امانت ختم نہیں ہوگی)، خلاف امام زفرؒ کے، اس لئے کہ غیر مالک کے سامنے امانت رکھنے کا انکار کرنا یہ بھی امانت کا باب ہے، تا کہ لالچ کرنے والے کی لالچ ختم ہو جائے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مالک کے علاوہ کے سامنے امین اپنے آپ کو معزول نہیں

مِنْهُ أَوْ طَلَبِهِ فَبَقِيَ الْأَمْرُ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ بِحَضْرَتِهِ.

(۹۹۴)قَالَ: (وَلِلْمُودَعِ أَنْ يُسَافِرَ بِالْوَدِيعَةِ الْوَدِيعَةَ وَإِنْ كَانَ لَهَا حِمْلٌ وَمُؤْنَةٌ) ۱؎ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ۲؎ وَقَالَا: لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ إِذَا كَانَ لَهَا حِمْلٌ وَمُؤْنَةٌ ۳؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ فِي

کرسکتا ہے، یا مالک امانت طلب کرے (اور امین انکار کرے تب معزول ہوتا ہے) اس لئے امانت کا معاملہ باقی رہا، بخلاف اگر مالک کے سامنے امین نے انکار کیا تو (تو امین معزول ہوجائے گا)

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ، مالک کے سامنے امانت کا انکار کیا تب امانت ختم ہوگی، اور مالک کے علاوہ کے سامنے انکار کیا تو امانت ختم نہیں ہوگی

تشریح :امین نے مالک کے علاوہ کے سامنے اپنے پاس امانت ہونے کا انکار کیا تو اس سے امانت ختم نہیں ہوگی، کیونکہ مالک کے سامنے انکار کرے گا تب امانت ختم ہوتی ہے، یا مالک کے مانگنے پر انکار کرے تب امانت ختم ہوتی ہے، امام ابو یوسفؒ کی رائے یہی ہے

وجہ:وہ فرماتے ہیں کہ مالک کے علاوہ کے سامنے میں انکار کیا تو امین کا مقصد یہ ہے کہ میرے پاس کوئی امانت نہیں ہے تا کہ اس امانت کو کوئی چوری کر کے نہ لیجائے، تو یہ انکار ایک قسم کی حفاظت ہے، اس لئے اس سے نہ ضمان لازم ہوگا، اور نہ امانت ختم ہوگی

ترجمہ:(۹۹۴) امین کے لئے جائز ہے کہ سفر کرے ودیعت کے ساتھ اگر چہ اس میں بوجھ ہو، اور خرچ ہو۔

ترجمہ:۱؎ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

تشریح :امین امانت کی چیز کو سفر میں لے جانا چاہے تو لے جاسکتا ہے بشرطیکہ مالک نے منع نہ کیا ہو۔ اور راستے میں ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔ اگر مالک نے سفر کرنے سے منع کیا ہو یا سفر میں مال کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس کو لیکر سفر نہیں کرسکتا۔ اور اگر سفر کیا اور ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا۔

وجہ :(۱) امین ہر وقت گھر میں تو رہے گا نہیں کبھی سفر بھی کرے گا۔ اور مطلق حفاظت حضر اور سفر دونوں کو شامل ہے اس لئے وہ سفر کرسکتا ہے۔

لغت:مونۃ: کسی جگہ لیجانے کا خرچ

ترجمہ :۲؎ صاحبینؒ نے فرمایا کہ چیز کے لیجانے کا بوجھ ہو اور خرچ ہو تو لیجانے کی اجازت نہیں ہوگی (اور خرچ نہ ہو تو لیجانے کی اجازت ہوگی)

وجہ: چیز کو سفر میں لیجانے کا خرچ ہے، اب اگر لیجائے گا تو مالک پر یہ خرچ بلا وجہ بڑھے گا، اس لئے سفر میں لیجانے کی اجازت نہیں ہوگی،

ترجمہ:۳؎ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں (لیجانے کا خرچ ہو یا نہ ہو) لیجانے کی اجازت نہیں ہوگی

الْوَجْهَيْنِ، ٤ لِأَبِي حَنِيفَةَ إِطْلَاقُ الْأَمْرِ، ٥ وَالْمَفَازَةُ مَحَلٌّ لِلْحِفْظِ إِذَا كَانَ الطَّرِيقُ آمِنًا وَلِهَذَا يَمْلِكُ الْأَبُ وَالْوَصِيُّ فِي مَالِ الصَّبِيِّ . ٦ وَلَهُمَا أَنَّهُ تَلْزَمُهُ مُؤْنَةُ الرَّدِّ فِيمَا لَهُ حِمْلٌ وَمُؤْنَةٌ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ لَا يَرْضَى بِهِ فَتَقَيَّدُ، ٧ وَالشَّافِعِيُّ يُقَيِّدُهُ بِالْحِفْظِ الْمُتَعَارَفِ وَهُوَ الْحِفْظُ فِي الْأَمْصَارِ وَصَارَ كَالِاسْتِحْفَاظِ بِأَجْرٍ . ٨ قُلْنَا: مُؤْنَةُ الرَّدِّ تَلْزَمُهُ فِي مِلْكِهِ ضَرُورَةَ امْتِثَالِ أَمْرِهِ فَلَا يُبَالِي بِهِ .

وجه:امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ مالک نے متعارف حفاظت کے لئے دیا ہے،اور وہ اپنی جگہ پر رہتے ہوئے ہوتی ہے،اس لئے چاہے لیجانے کا خرچ نہ ہو پھر بھی لیجانے کی اجازت نہیں ہوگی، ہاں مالک کی رضامندی ہو تو لیجا سکتا ہے

ترجمہ:٤ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک کی حفاظت کا حکم مطلق ہے (اس لئے سفر کی اجازت ہوگی)

تشریح امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک نے مطلقا حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے،اس لئے اس میں سفر،اور حضر دونوں شامل ہیں اس لئے سفر بھی کر سکتا ہے

ترجمہ :٥ اور میدان بھی حفاظت کی جگہ ہے اگر راستہ مامون ہو تو،یہی وجہ ہے کہ باپ اور وصی بچے کے مال کو میدان لیجا سکتے ہیں (اس لئے امین بھی لیجا سکتا ہے

تشریح:واضح ہے

ترجمہ :٦ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر سامان لیجانے کا خرچ ہے تو لیجانے اور واپس لانے میں خرچ ہوگا اور ظاہر ہے کہ مالک اتنے خرچ سے راضی نہیں ہوگا،اس لئے گھر میں ہی حفاظت کرنا مقید ہوگا

تشریح:واضح ہے

ترجمہ :٧ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک نے متعارف حفاظت کے لئے کہا تھا اور وہ گھر میں رہ کر حفاظت ہے (اس لئے سفر میں لیجانے کی اجازت نہیں ہوگی) تو ایسا ہو گیا کہ اجرت سے حفاظت کے لئے کہا

تشریح:اجرت پر کسی آدمی کو حفاظت پر دیا تو اس کا قاعدہ یہ ہے وہ گھر میں حفاظت کر سکتا ہے،سفر میں نہیں لیجا سکتا ہے،اسی طرح یہاں گھر ہی میں حفاظت کر سکتا ہے سفر میں لیجا سکتا ہے

ترجمہ :٨ ہم یہ کہتے ہیں کہ واپس لوٹانے کا جو خرچ ہوگا وہ تو مالک ہی کی ملکیت کی وجہ سے ہوگا، کیونکہ مالک کی بات مانی ہے،اس لئے خرچ کی پرواہ نہیں کی جائے گی

تشریح :یہ صاحبینؒ کو جواب ہے،صاحبین نے فرمایا تھا کہ سفر میں لیجانے کا خرچ ہوگا،تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خرچ اس لئے ہے کہ مالک نے حفاظت کرنے کے لئے کہا ہے اس لئے اس کے حکم کی تعمیل میں یہ خرچ ہوا ہے اس لئے اس کی پرواہ نہیں کی جائے گی

لغت:امتثال امرہ: یہ مثل سے مشتق ہے، کسی کی بات ماننا۔لا یبالی: بال سے مشتق ہے، پرواہ نہیں کی جائے گی

۹ وَالْمُعْتَادُ كَوْنُهُمْ فِي الْمِصْرِ لَا حِفْظُهُمْ، وَمَنْ يَكُونُ فِي الْمَفَازَةِ يَحْفَظُ مَالَهُ فِيهَا، ۱۰ بِخِلَافِ الِاسْتِحْفَاظِ بِأَجْرٍ لِأَنَّهُ عَقْدُ مُعَاوَضَةٍ فَيَقْتَضِي التَّسْلِيمَ فِي مَكَانِ الْعَقْدِ .

(۹۹۵)(وَإِذَا نَهَاهُ الْمُودِعُ أَنْ يُخْرِجَ بِالْوَدِيعَةِ فَخَرَجَ بِهَا ضَمِنَ) ۱ لِأَنَّ التَّقْيِيدَ مُفِيدٌ إِذِ الْحِفْظُ فِي الْمِصْرِ أَبْلَغُ فَكَانَ صَحِيحًا .

(۹۹۶)قَالَ: (وَإِذَا أَوْدَعَ رَجُلَانِ عِنْدَ رَجُلٍ وَدِيعَةً فَحَضَرَ أَحَدُهُمَا وَيَطْلُبُ نَصِيبَهُ لَمْ يَدْفَعْ إِلَيْهِ

ترجمہ: ۹ اور عادت یہی ہے کہ شہر میں حفاظت کے لئے دیتے ہیں، یہ معتاد نہیں ہے کہ حفاظت بھی شہر ہی میں کریں، چنانچہ جو لوگ میدان میں رہتے ہیں تو اس کے مال کی حفاظت میدان ہی میں کریں گے

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب دیا جا رہا ہے، عام عادت یہی ہے کہ لوگ شہر میں حفاظت کے لئے دیتے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شہر ہی میں حفاظت کریں، آگے اس کی مثال دیتے ہیں کہ جو لوگ میدان اور جنگل میں رہتے ہیں ظاہر ہے کہ وہ اپنے مال کی حفاظت میدان ہی میں کریں گے، جس سے معلوم ہوا کہ حفاظت شہر ہی میں نہیں ہوتی، میدان میں بھی حفاظت ہوتی ہے، اگر میدان امن والا ہو، اس لئے امین مال لیکر سفر کر سکتا ہے

ترجمہ: ۱۰ بخلاف اجرت دیکر حفاظت کے لئے دینا، وہ معاوضے کا عقد ہے اور اجیر پر لازم ہے کہ جہاں حفاظت کے لئے دیا ہے مال اسی جگہ مالک کو سپرد کرے

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا اجرت پر حفاظت کرنے والا سفر میں نہیں لیجا سکتا، تو عام امین بھی نہیں لیجا سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اجرت پر حفاظت کرنا ایک مستقل عقد ہے اور اس میں یہی ہے کہ جس جگہ حفاظت کے لئے دیا ہے اسی جگہ مالک کو سپرد کرے اس لئے اس میں سفر نہیں کر سکتا ہے، اور امین عام میں یہ قید نہیں ہے اس لئے وہ سفر کر سکتا ہے۔

ترجمہ: (۹۹۵) اگر امانت رکھنے والے نے امانت کے ساتھ سفر کرنے سے منع کر دیا، پھر بھی امین نکل گیا تو ضامن ہو جائے گا

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ سفر نہ کرنے کی قید مفید ہے اس لئے کہ شہر میں اچھی طرح حفاظت ہو سکتی ہے تو قید لگانا صحیح ہے

وجہ: منع کرنے پر سفر کرے اور ہلاک ہو جائے تو ضامن ہوگا اس کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ان حکیم بن حزام صاحب رسول الله ﷺ كان يشترط على الرجل اذا اعطاه مالا مقارضة يضرب له به ان لاتجعل ما لى كبد رطبة ولا تحمله فى بحر ولا تنزل به فى بطن سيل فان فعلت شيئا من ذلك فقد ضمنت مالى (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۳ نمبر ۳۰۱۴ رسنن للبیہقی، کتاب القراض، ج سادس، ص ۱۸۴، نمبر ۱۱۶۱۰)

ترجمہ: (۹۹۶) دو آدمیوں نے امانت پر رکھا ایک آدمی کے پاس کچھ امانت پھر ان میں سے ایک آیا اور اس سے اپنا حصہ طلب کیا تو اس کو کچھ نہیں دیا جائے گا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جب تک کہ دوسرا نہ آجائے۔اور فرمایا صاحبین نے اس کو اس کا حصہ دیا جائے گا۔

نَصِيبُهُ حَتَّى يَحْضُرَ الْآخَرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: يَدْفَعُ إِلَيْهِ نَصِيبَهُ) ﴿ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: ثَلَاثَةٌ اسْتَوْدَعُوا رَجُلًا أَلْفًا فَغَابَ اثْنَانِ فَلَيْسَ لِلْحَاضِرِ أَنْ يَأْخُذَ نَصِيبَهُ عِنْدَهُ، وَقَالَا: لَهُ ذَلِكَ، وَالْخِلَافُ

تشریح: دوآدمیوں نے ایک آدمی کے پاس کوئی چیز امانت پر رکھی پھر ایک آدمی نے آکر کہا کہ میرا حصہ مجھے دیدیں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو اس کا حصہ نہیں دیا جائے گا بلکہ جب دونوں شامل ہو کر آئیں گے تب دونوں کو پوری چیز دے دی جائے گی۔

وجہ: (۱) دونوں نے مشترک طور پر چیز امانت رکھی ہے اب ایک آدمی اپنا حصہ تقسیم کروا کر لینا چاہتا ہے اور تقسیم کرنے کا حق امین کو نہیں ہے اس لئے وہ اس کو نہیں دے سکتا (۲) ہوسکتا ہے کہ یہ آدمی کچھ چکما دے کر لینا چاہتا ہے اس لئے اس کو اس کا حصہ نہیں دیا جائے گا (۳) قول صحابی میں اس کا اشارہ ہے۔ عن حنش ان رجلین استودعا امرأة من قریش مائة دینار علی ان لا تدفعها الی واحد منها دون صاحبه حتی یجتمعا. فاتاها احدهما فقال ان صاحبی توفی فادفعی الی المال فابت فاختلف الیها ثلاث سنین واستشفع علیها حتی اعطته ثم ان الآخر جاء فقال اعطینی الذی لی فذهب بها الی عمر بن الخطاب فقال له عمر هل بینة ؟ قال هی بینتی فقال ما اظنک الاضامنة (سنن للبیہقی، باب لا ضمان علی مؤتمن، ج سادس، ص ۴۷۳، نمبر ۱۲۷۰۱) اس قول صحابی میں ہے کہ ایک شریک کو دینے سے حضرت عمرؓ نے عورت کو ضامن بنایا۔ اس لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک شریک کو نہیں دے سکتا۔

اور صاحبین فرماتے ہیں کہ شریک کو اس کا حصہ دے دیا جائے گا۔

وجہ: وہ اپنا مال مانگ رہا ہے جو اس نے دیا تھا اس لئے مانگنے پر اس کی امانت اس کو سپرد کر دی جائے گی (۲) آیت ہے ان الله یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اهلها (آیت ۵۸ سورۃ النساء ۴) اس لئے امانت والے کو امانت دے دی جائے گی۔

ترجمہ: ﴿ جامع صغیر میں ہے (باب الودیعۃ، ص ۴۳۱) میں ہے کہ تین آدمیوں نے ایک آدمی کے پاس ایک ہزار درہم امانت رکھے اور ان میں سے دو غائب ہو گئے تو جو حاضر ہے اس کا حق نہیں ہے کہ اس امین کے پاس سے اپنا حصہ لے لے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس کو لینے کا حق ہے۔ اور اختلاف کیلی اور وزنی چیزوں میں بھی ہے، مختصر القدوری میں جو ذکر ہے اس کی مراد بھی یہی ہے

تشریح: جامع صغیر کی عبارت دو وجہ سے لا رہے ہیں۔ ۱۔ ایک تو یہ کہ جامع صغیر میں ایک ہزار کی بات ہے جو درہم کے ساتھ خاص ہے اور قدوری کی عبارت میں ودیعت، کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ، درہم، دینار، کیلی چیز، اور وزنی چیز سب میں ہی یہ اختلاف ہے کہ ایک آدمی آکر اپنا حصہ امین سے لے سکتا ہے، یا نہیں، صاحبینؒ فرماتے ہیں لے سکتا ہے، اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نہیں لے سکتا ہے۔ ۲۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ جامع صغیر کی عبارت میں تین حصہ داروں کا ذکر ہے، اور قدوری کی عبارت میں دو ہی حصے داروں کا ذکر ہے، یعنی دو حصے داروں میں سے ایک بھی لینے آئے گا تب بھی یہی اختلاف ہے۔ یعنی قدوری کی عبارت زیادہ عام ہے۔

فِي الْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ، وَهُوَ الْمُرَادُ بِالْمَذْكُورِ فِي الْمُخْتَصَرِ . ٢ لَهُمَا أَنَّهُ طَالَبَهُ بِدَفْعِ نَصِيبِهِ فَيُؤْمَرُ بِالدَّفْعِ إِلَيْهِ كَمَا فِي الدَّيْنِ الْمُشْتَرَكِ، وَهَذَا لِأَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِتَسْلِيمِ مَا سَلَّمَ إِلَيْهِ وَهُوَ النِّصْفُ، وَلِهَذَا كَانَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ فَكَذَا يُؤْمَرُهُ هُوَ بِالدَّفْعِ إِلَيْهِ . ٣ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ طَالَبَهُ بِدَفْعِ نَصِيبِ الْغَائِبِ لِأَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِالْمُفْرَزِ وَحَقُّهُ فِي الْمُشَاعِ، وَالْمُفْرَزُ الْمُعَيَّنُ يَشْتَمِلُ عَلَى الْحَقَّيْنِ، وَلَا يَتَمَيَّزُ حَقُّهُ إِلَّا بِالْقِسْمَةِ، وَلَيْسَ لِلْمُودَعِ وِلَايَةُ الْقِسْمَةِ وَلِهَذَا لَا يَقَعُ دَفْعُهُ قِسْمَةً بِالْإِجْمَاعِ،

ترجمه: ٢ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنے حصے کے لینے کا مطالبہ کیا ہے اس لئے امین کو حکم دیا جائے گا کہ مالک کو دے دے، جیسے مشترک قرض میں (دینے کا حکم دیا جاتا ہے)، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ایک مالک نے دیا وہی مانگ رہا ہے، اور وہ آدھا ہے، چنانچہ مالک کو حق ہے کہ جب مال ملے تو لے لے، اسی طرح امین کو دینے کا حکم دیا جائے گا

اصول: صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ مشترک امانت میں سے ایک کو اس کا حصہ دے سکتے ہیں

تشریح: صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک مالک نے جو اپنا حصہ امین کو دیا تھا وہی مانگ رہا ہے، اس لئے امین کو حکم دیا جائے گا کہ اس کا حصہ دے دے، چنانچہ سب کے یہاں یہ قاعدہ ہے کہ امین کو کہیں پالیا اور اپنا مال دیکھ لیا تو مالک اپنا حصہ لے لیگا، اسی طرح امین کو حکم دیا جائے گا کہ ایک مالک مانگے تو اس کو اس کا حصہ دے دو۔

لغت: کان لہ ان یاخذہ: مالک اپنا مال کہیں پالے تو اس کو یہ حق ہے کہ اپنا حصہ لے لئے

ترجمہ: ٣ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک مالک نے غائب کے حصے کے لینے کا مطالبہ کیا ہے، اس لئے کہ وہ مطالبہ کر رہا ہے کہ مجھے حصہ کر کے دو، حالانکہ اس کا حق تو مشترک تھا، اور معین تقسیم تو دونوں کے حصوں کو شامل ہے، اور تقسیم کے بغیر دونوں کا حصہ الگ الگ نہیں ہوسکتا، اور امین کو تقسیم کرنے کا حق نہیں ہے، اسی لئے بالاتفاق یہ ہے کہ امین کا دینا بٹوارہ نہیں ہوتا ہے

اصول: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مشترک امانت میں سے کسی کو ایک کو اس کا حصہ نہیں دے سکتے ہیں

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ایک اہم نکتے پر ہے۔ نکتہ یہ ہے کہ امین کے پاس جب دونوں نے مل کر مال رکھنے دیا تھا، تو یہ مشترکہ دیا تھا، جس کو، مشاع، کہتے ہیں، اور ایک مالک لینے آیا ہے تو وہ تقسیم کر کے اپنا حصہ لینا چاہتا ہے، جس کو، مفرز، کہتے ہیں، اور امین کو تقسیم کرنے کا حق نہیں ہے، اس لئے امین ایک مالک کو اس کا حصہ نہیں دے سکتا ہے۔ اس کی ایک مثال دے رہے ہیں کہ اگر امین نے آدھا حصہ ایک مالک کو دے بھی دیا، بعد میں امین کے پاس والا حصہ ہلاک ہو گیا، تو ایک مالک کو جو حصہ دیا تھا، اور وہ اس کے ہاتھ میں موجود ہے، تو اس میں یہ دوسرا مالک بھی لے گا، کیونکہ امین کا کیا حصہ صحیح نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امین کو حق نہیں ہے کہ بٹوارہ کرے، اس لئے اس ایک مالک کو اس کا حصہ دے بھی نہیں سکتا ہے۔

لغت: و لھذا لا یقع قسمۃ بالاجماع: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ امین نے ایک مالک کو حصہ کر کے دے دیا تو یہ تقسیم بالاتفاق صحیح نہیں ہوگی۔

٤ بِخِلَافِ الدَّيْنِ الْمُشْتَرَكِ لِأَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِتَسْلِيمِ حَقِّهِ لِأَنَّ الدُّيُونَ تُقْضَى بِأَمْثَالِهَا . ٥ وَقَوْلُهُ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ .قُلْنَا: لَيْسَ مِنْ ضَرُورَتِهِ أَنْ يُجْبَرَ الْمُودَعُ عَلَى الدَّفْعِ ٦ كَمَا إذَا كَانَ لَهُ أَلْفُ دِرْهَمٍ وَدِيعَةً عِنْدَ إنْسَانٍ وَعَلَيْهِ أَلْفٌ لِغَيْرِهِ فَلِغَرِيمِهِ أَنْ يَأْخُذَهُ إذَا ظَفِرَ بِهِ، وَلَيْسَ لِلْمُودَعِ أَنْ يَدْفَعَهُ إلَيْهِ .

(٩٩٧)قَالَ (وَإِنْ أَوْدَعَ رَجُلٌ عِنْدَ رَجُلَيْنِ شَيْئًا مِمَّا يُقْسَمُ لَمْ يَجُزْ أَنْ يَدْفَعَهُ أَحَدُهُمَا إلَى الْآخَرِ وَلَكِنَّهُمَا يَقْتَسِمَانِهِ فَيَحْفَظُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفَهُ، وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُقْسَمُ جَازَ أَنْ يَحْفَظَهُ

ترجمہ:٤ بخلاف مشترک قرض کے اس لئے کہ وہ اپنے حق کا مطالبہ کرر ہا ہے،اس لئے کہ قرض مثل سے ادا کی جاتی ہے

تشریح :اس عبارت میں صاحبین کو جواب دیا جار ہا ہے۔اور قرض میں اور امانت میں فرق بیان کرر ہے ہیں۔زید اور عمر نے مل کر خالد کو ایک ہزار قرض دیا،تو خالد وہی رقم واپس نہیں کرے گا، کیونکہ وہ تو خرچ کر چکا ہے،اب اپنے پاس سے دوسرا درہم دے گا،تو چونکہ الگ سے درہم دے رہا ہے تو مقروض اس کو حصہ کر کے دے سکتا ہے،اس لئے قرض کی شکل میں ایک قارض مانگنے آئے تو مقروض اس کو اس کا آدھا حصہ دے سکتا ہے

ترجمہ:٥ صاحبین کی دلیل میں یہ عبارت تھی،لہ ان یاخذہ ،کہ مالک کو یہ حق ہے کہ اپنا مال لے لے،ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ، مالک کو لے لینے کا حق ہے،لیکن اس سے لازم نہیں آتا ہے کہ امین کو دینے پر مجبور کیا جائے

تشریح :یہ صاحبینؒ کو جواب ہے،انہوں نے استدلال کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ مالک کو یہ حق ہے کہ امین کے پاس اپنا مال پائے تو اس کو لے لے،لہ ان یاخذہ ، اس کا جواب دیا جار ہا ہے کہ مالک کو اپنا مال لے لینے کا حق ہے،اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ امین کو دینے پر مجبور کیا جائے، لے لینا اور چیز ہے اور اس کو دینے کے لئے کہنا دوسری چیز ہے

ترجمہ :٦ اس کی مثال یہ ہے کہ مالک کا ایک انسان کے پاس (امین) کے پاس ہزار درہم امانت تھے،اور اس امین کے اوپر دوسرے آدمی کا ہزار درہم قرض تھا،تو قارض کو یہ حق ہے کہ جہاں موقع ملے مقروض سے رقم وصول کرلے،لیکن اس مقروض کو یہ حق نہیں ہے جو اس کے پاس امانت کی مشترکہ رقم ہے وہ ایک مالک کو دے۔

تشریح :یہاں عبارت پیچیدہ ہے،مثلا زید،اور ساجد کا ایک ہزار عمر کے پاس امانت کا تھا،اور عمر پر ایک ہزار خالد کا قرض تھا جو کافی دنوں سے خالد کو نہیں دے رہا تھا،تو خالد کو یہ حق ہے کہ جہاں موقع ملے عمر سے اپنی رقم وصول کرلے،لیکن خالد کے وصول کرنے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ عمر کے لئے یہ جائز ہو جائے کہ زید کا حصہ جو مشترک تھا وہ زید کو دے دے

لغت:غریم:قرض دینے والا،ظفر: کامیاب ہو جائے۔مودع: جس کے پاس امانت ہے،امین۔

ترجمہ :(٩٩٧)اگر امانت پر رکھا ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس کوئی ایسی چیز جو تقسیم ہو سکتی ہو تو جائز نہیں ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو دے۔لیکن دونوں تقسیم کریں اور دونوں میں سے ہر ایک اپنے آدھے کی حفاظت کرے۔اور اگر ایسی چیز ہے جو تقسیم نہیں ہو سکتی ہو تو یہ جائز ہے کہ دوسرے کی اجازت سے ایک آدمی حفاظت کے لئے رکھ لے

أَحَدُهُمَا بِإِذْنِ الْآخَرِ) ۱؎ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، ۲؎ وَكَذَلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَهُ فِي الْمُرْتَهِنَيْنِ وَالْوَكِيلَيْنِ بِالشِّرَاءِ إِذَا سَلَّمَ أَحَدُهُمَا إِلَى الْآخَرِ. ۳؎ وَقَالَا: لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَحْفَظَ بِإِذْنِ الْآخَرِ فِي الْوَجْهَيْنِ .لَهُمَا أَنَّهُ رَضِيَ بِأَمَانَتِهِمَا فَكَانَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يُسَلِّمَ إِلَى الْآخَرِ وَلَا يَضْمَنُهُ

ترجمہ:۱؎ یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے

تشریح :اوپر مسئلہ یہ تھا کہ دو آدمیوں نے ایک آدمی کے پاس امانت پر رکھا، اور یہاں مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس امانت پر رکھا۔۔

ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس ایک ایسی چیز امانت رکھی جو تقسیم ہو سکتی ہو۔ مثلا ایک ہزار درہم امانت پر رکھے تو امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ پورے ایک ہزار ایک آدمی کو حفاظت کے لئے نہ دے بلکہ تقسیم کر کے آدھا آدھا دونوں حفاظت کریں۔ اور ایسی چیز ہے جو تقسیم نہیں ہو سکتی ہے، جیسے گائے امانت پر ہے تو چونکہ یہ تقسیم نہیں ہو سکتی ہے، اس لیے دوسرے کی اجازت سے ایک آدمی اپنی حفاظت میں رکھ سکتا ہے

وجہ : مالک نے دونوں آدمیوں کی حفاظت پر اعتماد کیا ہے ایک آدمی پر نہیں۔ اور مال ایسا ہے کہ تقسیم ہو سکتا ہے اس لئے ایک جگہ رکھنے کی مجبوری بھی نہیں ہے اس لئے دونوں تقسیم کر کے آدھے آدھے مال کی حفاظت کریں۔ لیکن تقسیم نہیں ہو سکتی ہے اس لئے مجبوری ہے اس لئے ایک آدمی اپنی حفاظت میں رکھ سکتا ہے

اصول:ان کا اصول یہ ہے کہ دونوں پر اعتماد کیا ہے اس لئے ایک کے پاس نہ رکھے۔ کیونکہ ایک پر مکمل اعتماد نہیں ہوا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ جب دونوں پر اعتماد کیا ہے تو ایک آدمی پر بھی مکمل اعتماد ہے اس لئے ایک کی اجازت سے دوسرے کے پاس پورا ہزار امانت پر رکھ سکتا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ امین کا دونوں پر اعتماد کرنا ایک پر بھی مکمل اعتماد کرنا ہے۔

ترجمہ :۲؎ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسا ہی جواب ہے اگر دو مرتہن کے پاس رہن کی چیز رکھی ہو، یا دو وکیل بالشراء کے پاس مبیع رکھی ہو تو ایک نے دوسرے کے پاس رکھ دیا ہو (ہلاک ہونے پر ضامن ہوگا یا نہیں)

تشریح: دو مرتہن کی صورت یہ ہے کہ زید نے اپنی زیور عمر اور خالد کے پاس گروی رکھا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کو تقسیم کر کے رکھے گا، کیونکہ زیور تقسیم ہو سکتی ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک کے پاس ہی رکھ سکتا ہے۔ وکیل بالشراء کی صورت یہ ہے کہ زید نے عمر اور خالد کو زیور خریدنے کا وکیل بنایا، اب دونوں نے زیور خریدی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں تقسیم کر کے آدھی آدھی زیور رکھے گا، اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک کے پاس پوری زیور رکھ سکتا ہے ہلاک ہونے پر ضامن نہیں ہوگا

ترجمہ :۳؎ صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں ایک آدمی دوسرے کی اجازت سے حفاظت کر سکتا ہے، صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک دونوں کی امانت پر راضی ہوا ہے تو دونوں کو یہ حق ہوگا کہ دوسرے کو سپرد کر دے اور ہلاک ہونے پر اس سے

كَمَا فِيمَا لا يُقْسَمُ. ٤؎ وَلَهُ أَنَّهُ رَضِيَ بِحِفْظِهِمَا وَلَمْ يَرْضَ بِحِفْظِ أَحَدِهِمَا كُلِّهِ لِأَنَّ الْفِعْلَ مَتَى أُضِيفَ إِلَى مَا يَقْبَلُ الْوَصْفَ بِالتَّجَزِّي تَنَاوَلَ الْبَعْضَ دُونَ الْكُلِّ فَوَقَعَ التَّسْلِيمُ إِلَى الْآخَرِ مِنْ غَيْرِ رِضَا الْمَالِكِ فَيَضْمَنُ الدَّافِعُ وَلَا يَضْمَنُ الْقَابِضُ لِأَنَّ مُودِعَ الْمُودَعِ عِنْدَهُ لَا يَضْمَنُ. ٥؎ وَهَذَا بِخِلَافِ مَا لَا يُقْسَمُ لِأَنَّهُ لَمَّا أَوْدَعَهُمَا وَلَا يُمْكِنُهُمَا الِاجْتِمَاعُ عَلَيْهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَمْكَنَهُمَا الْمُهَايَأَةُ كَانَ الْمَالِكُ رَاضِيًا بِدَفْعِ الْكُلِّ إِلَى أَحَدِهِمَا فِي بَعْضِ الْأَحْوَالِ .

ضمان لازم نہیں ہوگا، جیسے ایسی چیز ہو جو تقسیم نہیں ہو سکتی ہو (تو ایک ہی آدمی حفاظت کر سکتا ہے)

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ٤؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک دونوں کی حفاظت سے راضی ہوا ہے اور پوری چیز ایک آدمی حفاظت کرے اس پر راضی نہیں ہوا ہے، اس لئے کہ فعل ایسی چیز کی طرف نسبت کرے جو تقسیم کو قبول کرتی ہو تو بعض کو شامل ہوتا ہے کل کو شامل نہیں ہوتا، اس لئے دوسرے کو سپرد کرنا مالک کی رضامندی کے بغیر ہوا اس لئے سپرد کرنے والا ضامن ہوگا، قبضہ کرنے والا ضامن نہیں ہوگا، اس لئے کہ امانت رکھنے والے کا جو امانت رکھنے والا ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ ضامن نہیں ہوتا

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک دونوں کی حفاظت سے راضی ہے، پورے امانت کی ایک آدمی حفاظت کرے اس سے مالک راضی نہیں ہے

وجہ: قاعدہ یہ ہے کہ ایسی چیز ہو جو تقسیم ہو سکتی ہو اس کی طرف نسبت کریں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ تقسیم کر کے کرو اور ٹکڑا کر کے کرو، اس لئے ایک کو دینے پر مالک راضی نہیں ہے۔ اس لئے جو دے گا چیز کے ہلاک ہونے پر وہی ضامن ہوگا، کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ جو مودع کا مودع ہے، یعنی امین کا بھی امین ہے وہ ضامن نہیں ہوتا، مالک کا جو امین ہے وہ ضامن ہوتا ہے

لغت: لان الفعل متی اضیف الی ما یقبل الوصف بالتجزی یتناول البعض دون الکل: یہ منطقی محارہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فعل کو ایسی چیز کی طرف منسوب کرو جو تقسیم قبول کرتی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تقسیم کر کے، اور ٹکڑا کر کے سپرد کیا جائے، پورا کا پورا سپرد نہ کیا جائے

ترجمہ: ٥؎ یہ بخلاف ایسی چیز جو تقسیم نہیں ہو سکتی ہو، جب اس کو امانت پر دیا تو رات اور دن دونوں امین جمع ہو کر حفاظت نہیں کر سکتا ہے، اس لئے وہ باری باری ہی حفاظت کریں گے، تو گویا کہ بعض احوال میں پوی امانت ایک کو دینے پر مالک راضی ہے (تو ایک کو پورا دینا جائز ہو گیا)

تشریح: مثلا گائے امانت پر ہے تو اس کو تقسیم نہیں کر سکتے، اور دونوں امین جمع ہو کر رات دن اس کی حفاظت کرے یہ مشکل ہے، اس لئے یہی صورت ہوگی پوری چیز کی حفاظت باری باری کرے، اس سے معلوم ہوا کہ پوری امانت ایک آدمی کو دینے پر مالک راضی ہے، اس لئے اس مجبوری کی وجہ سے یہاں ایک کو حفاظت کے لئے دینا جائز ہے

(٩٩٨) (وَإِذَا قَالَ صَاحِبُ الْوَدِيعَةِ لِلْمُودَعِ لَا تُسَلِّمْهُ إِلَى زَوْجَتِكَ فَسَلَّمَهَا إِلَيْهَا لَا يَضْمَنُ. ۱ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: إِذَا نَهَاهُ أَنْ يَدْفَعَهَا إِلَى أَحَدٍ مِنْ عِيَالِهِ فَدَفَعَهَا إِلَى مَنْ لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ لَا يَضْمَنُ) كَمَا إِذَا كَانَتِ الْوَدِيعَةُ دَابَّةً فَنَهَاهُ عَنِ الدَّفْعِ إِلَى غُلَامِهِ، وَكَمَا إِذَا كَانَتْ شَيْئًا يُحْفَظُ عَلَى يَدِ النِّسَاءِ فَنَهَاهُ عَنِ الدَّفْعِ إِلَى امْرَأَتِهِ وَهُوَ مَحْمَلُ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ إِقَامَةُ الْعَمَلِ مَعَ مُرَاعَاةِ هَذَا الشَّرْطِ، وَإِنْ كَانَ مُفِيدًا فَيَلْغُو. (وَإِنْ كَانَ لَهُ مِنْهُ بُدٌّ ضَمِنَ) لِأَنَّ الشَّرْطَ مُفِيدٌ لِأَنَّ مِنَ الْعِيَالِ مَنْ لَا يُؤْتَمَنُ عَلَى الْمَالِ وَقَدْ أَمْكَنَ الْعَمَلُ بِهِ مَعَ مُرَاعَاةِ هَذَا الشَّرْطِ فَاعْتُبِرَ.

(٩٩٩) (وَإِنْ قَالَ احْفَظْهَا فِي هَذَا الْبَيْتِ فَحَفِظَهَا فِي بَيْتٍ آخَرَ مِنَ الدَّارِ لَمْ يَضْمَنْ).

لغت:مھایاۃ: ہایا سے مشتق ہے، باری باری کرنا

ترجمہ:(٩٩٨)اوراگرامانت پررکھنے والے نے امین سے کہا کہ امانت اپنی بیوی کوسپرد نہ کرنا، پس اس نے اس کوسپرد کیا تو ضامن نہیں ہوگا۔وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ امانت کی چیز کی اہل وعیال سے حفاظت کرواسکتا ہے۔کیونکہ اس کی مجبوری ہے۔اب ایسی شرط لگانا جس پرعمل کرنا مشکل ہووہ شرط باطل ہے۔اس لئے بیوی کوسپرد کیااورامانت کی چیز ہلاک ہوگئی توامین پرضمان لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱ جامع صغیر میں ہے کہ مالک نے عیال میں سے کسی ایک کودینے سے منع کیا،اورامین نے ایسے آدمی کودیا جس کو دیناہی پڑا تو ضامن نہیں ہوگا،مثلا امانت کا جانور تھا،اورغلام کودینے سے منع کر دیا، یاایسی چیز تھی جس کی حفاظت عورتیں کرتیں ہیں،اورامین کی بیوی کودینے سے منع کر دیا، جامع صغیر کی عبارت کا مطلب یہی ہے،اس لئے کہ اس شرط کی رعایت کرتے ہوئے عمل کرناممکن نہیں ہے،اگر چہ یہ شرط مفید ہے،لیکن یہ شرط لغو ہوجائے گی،اوراگرحفاظت کرنے کے لئے دینے کی مجبوری نہیں تھی (اوردے دیاتو) ضامن ہوجائے گا اس لئے کہ یہ شرط مفید ہے،اس لئے کہ بعض اولا دایسی ہوتی ہے کہ مال کے بارے میں اس پراعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے،اوراس شرط پرعمل کرتے ہوئے عمل کرناممکن تھااس لئے اس شرط کا اعتبار کیا جائے گا

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اہل وعیال کوحفاظت کے لئے نہ دینے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے۔کیونکہ اس میں مجبوری ہے۔لیکن اگردینے کی مجبوری نہیں ہے،تویہ شرط لگانا صحیح ہوگا،اوردے دینے سے ضمان لازم ہوگا

تشریح:اس لمبی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ بیوی کونہ دینے کی شرط لگائی،اوراس کودینے کی مجبوری ہے،توشرط لغو ہوجائے گی،اوردینے سے ہلاک ہوجائے توضمان لازم نہیں ہوگا۔لیکن دینے کی مجبوری نہیں ہے،اورشرط لگائی کہ نہ دیناتوشرط صحیح ہوگی ،اوردے دیا،اورچیز ہلاک ہوگئی توضمان لازم ہوگا

ترجمہ:(٩٩٩)اگرکہا کہ اس کی حفاظت کریں اس کمرے میں،پس اس کی حفاظت کی گھرکے دوسرے کمرے میں تو ضامن نہیں ہوگا۔اوراگراس کی حفاظت کی دوسرے گھرمیں توضامن ہوگا۔

۱؎ لِأَنَّ الشَّرْطَ غَيْرُ مُفِيدٍ، فَإِنَّ الْبَيْتَيْنِ فِي دَارٍ وَاحِدَةٍ لَا يَتَفَاوَتَانِ فِي الْحِرْزِ .
(١٠٠٠)(وَإِنْ حَفِظَهَا فِي دَارٍ أُخْرَى ضَمِنَ) ۱؎ لِأَنَّ الدَّارَيْنِ يَتَفَاوَتَانِ فِي الْحِرْزِ فَكَانَ مُفِيدًا فَيَصِحُّ التَّقْيِيدُ، ۲؎ وَلَوْ كَانَ التَّفَاوُتُ بَيْنَ الْبَيْتَيْنِ ظَاهِرًا بِأَنْ كَانَتِ الدَّارُ الَّتِي فِيهَا الْبَيْتَانِ عَظِيمَةً وَالْبَيْتُ الَّذِي نَهَاهُ عَنِ الْحِفْظِ فِيهِ عَوْرَةً ظَاهِرَةً صَحَّ الشَّرْطُ .
(١٠٠١)قَالَ (وَمَنْ أَوْدَعَ رَجُلًا وَدِيعَةً فَأَوْدَعَهَا آخَرَ فَهَلَكَتْ فَلَهُ أَنْ يُضَمِّنَ الْأَوَّلَ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُضَمِّنَ

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ شرط مفید نہیں ہے، اس لئے کہ حفاظت کرنے میں دونوں کمروں میں کوئی فرق نہیں ہے

تشریح: مالک نے کہا کہ اس گھر کے فلاں کمرے میں امانت کی حفاظت کریں۔ امین نے اسی گھر کے دوسرے کمرے میں اس کی حفاظت کی اور ہلاک ہوگئی تو ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ: ایک گھر کے سارے کمرے حفاظت کے اعتبار سے ایک ہی طرح ہوتے ہیں۔ اس لئے دوسرے کمرے میں رکھنا حفاظت کے خلاف نہیں ہے اس لئے ضامن نہیں ہوگا۔

اصول: یہ اس اصول پر ہے کہ حفاظت میں دونوں برابر ہوں تو شرط کے قریب قریب کرنا شرط کی مخالفت نہیں ہے۔ ہاں اگر دوسرا کمرہ حفاظت کے اعتبار سے پہلے سے کم ہو۔ مثلا دوسرا کمرہ چور دروازے کے قریب ہو تو پھر اس میں رکھنے سے ضامن بنے گا۔

ترجمہ: (١٠٠٠) اور دوسرے گھر میں حفاظت کے لئے رکھ دیا تو ضامن ہوگا۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ دو گھر حفاظت میں الگ الگ ہوتے ہیں اس لئے قید لگانا صحیح ہے

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ گھر حفاظت کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں اس لئے دوسرے گھر میں رکھنے کی وجہ سے ضامن ہوگا

اصول: یہ اس اصول پر ہے کہ ہر گھر حفاظت کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ اور اگر ہیں تو ایک ہی بڑے گھر کے دو کمرے، لیکن دونوں کی حفاظت میں ظاہر تفاوت ہو، مثلا ایک گھر کے دو کمرے ہیں، ایک بڑا کمرا ہے، اور جس کمرے میں حفاظت سے روکا ہے اس میں کوئی ظاہری رخنہ ہے تو شرط صحیح ہے

تشریح: اوپر آیا کہ ایک ہی گھر کے دو کمروں میں حفاظت سے روکنا صحیح نہیں ہے، یہاں فرما رہے ہیں کہ لیکن دونوں کمروں میں واضح فرق ہو، مثلا ایک میں سوراخ ہو، یا حفاظت کی خامی ہو تو اس میں یہ شرط لگانا کہ اس میں حفاظت کے لئے چیز نہیں رکھنا مفید ہے، اور اگر ہلاک ہوئی تو ضامن ہو جائے گا۔

ترجمہ: (١٠٠١) کسی نے کسی کے پاس امانت رکھی، اس نے دوسرے کے پاس امانت رکھ دی، اور وہ چیز ہلاک ہوگئی تو مالک کے لئے یہ ہے کہ پہلے امین کو ضامن بنائے، اس کو یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے امین کو ضامن بنائے

الثَّانِيَ، ۱؎ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَؒ، ۲؎ وَقَالَا: لَهُ أَنْ يُضَمِّنَ أَيَّهُمَا شَاءَ فَإِنْ ضَمَّنَ الْأَوَّلَ لَا يَرْجِعُ عَلَى الْآخَرِ، فَإِنْ ضَمَّنَ الْآخَرَ رَجَعَ عَلَى الْأَوَّلِ) لَهُمَا: أَنَّهُ قَبَضَ الْمَالَ مِنْ يَدِ ضَمِينٍ فَيُضَمِّنُهُ كَمُودَعِ الْغَاصِبِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْمَالِكَ لَمْ يَرْضَ بِأَمَانَةِ غَيْرِهِ، فَيَكُونُ الْأَوَّلُ مُتَعَدِّيًا بِالتَّسْلِيمِ وَالثَّانِي بِالْقَبْضِ

ترجمہ:۱؎ یہ قاعدہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے

اصول: امین کے ہاتھ سے کوئی لیا ہو تو وہ بھی امین ہے اس لئے اس امین ثانی پر ضمان نہیں ہے

تشریح: مثلا زید نے عمر کو امین بنایا، اور زید کے حکم کے بغیر عمر نے خالد کو امین بنا دیا، اور یہ چیز خالد کے پاس امانت کے طور پر رکھنے دے دیا، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مالک زید، عمر کو ضامن بنائے گا، خالد کو ضامن نہیں بنائے گا

وجہ: زید نے عمر کو امین بنایا تھا خالد کو نہیں، اور عمر نے بغیر کہے خالد کو امین بنا دیا تو یہ زیادتی، اور تعدی عمر امین اول کی ہے اس لئے عمر کو ہی ضامن بنائے گا، خالد کو نہیں، کیونکہ خالد کی کوئی غلطی نہیں ہے

ترجمہ: ۲؎ صاحبین فرماتے ہیں کہ مالک کو یہ حق ہے کہ امین اول یا امین ثانی جس کو چاہے ضامن بنا دے، پس اگر امین اول کو ضامن بنایا تو وہ امین ثانی سے کچھ نہیں لے گا (کیونکہ وہ تو امین ہے، اور اس کے ہاتھ میں یہ مال امانت کی ہے) اور اگر مالک نے امین ثانی کو ضامن بنایا تو امین ثانی امین اول سے وصول کرے گا، صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ امین ثانی نے ایسے آدمی سے مال لیا ہے جو ضمان دے چکا ہے اس لئے امین ثانی کو بھی ضامن بنا سکتا ہے، جیسے غاصب کا امین ہو تو اس امین کو ضامن بنایا جا سکتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مالک دوسرے کی امانت سے راضی نہیں تھا، اس لئے امین اول نے دینے کی وجہ سے تعدی کی، اور امین ثانی نے قبضہ کرنے کی وجہ سے تعدی کی ہے، اس لئے مالک کو اختیار ہوگا کہ جس کو چاہے ضامن بنا دے

اصول: جس پر ضمان لازم ہے اس سے کسی نے امانت پر لیا تو لینے والے پر بھی ضمان لازم ہوگا

تشریح: صاحبین کی رائے یہ ہے کہ مالک کو حق ہے کہ امین اول کو ضامن بنائے، اور یہ بھی حق ہے کہ امین ثانی کو ضامن بنائے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ امین اول کو ضامن بنایا تو وہ امین ثانی سے وصول نہیں کرے گا، کیونکہ وہ تو ابھی بھی امین ہے، اور اس کے ہاتھ میں جو ہے وہ امانت کی چیز ہے، اور امانت کے ہلاک ہونے پر ضمان لازم نہیں ہوتا۔ اور اگر امین ثانی سے مالک نے ضمان لیا تو وہ امین اول سے وصول کرے گا، کیونکہ امین ثانی امین اول کے لئے کام کر رہا تھا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ امین ثانی نے امین اول سے قبضہ کیا ہے، اور امین اول کا حال یہ ہے کہ تعدی کی وجہ سے اس پر ضمان ہے، تو ضمان والے کے ہاتھ سے قبضہ کیا ہے، تو یہ امین ثانی بھی تعدی میں شریک ہو گیا ہے، اس لئے مالک اس سے بھی ضمان لے سکتا ہے

لغت: قبض المال من يد ضمين: امین اول کے لئے جائز نہیں تھا کہ مالک کے حکم کے بغیر امین ثانی کو دے دے، لیکن دے دیا تو یہ تعدی اور زیادتی ہوئی، اس لئے اس پر ضمان لازم ہوا، اس لئے امین اول کا قبضہ اب ضمانت کا قبضہ ہے، امانت کا

فَيُخَيَّرُ بَيْنَهُمَا، ۳؎ غَيْرَ أَنَّهُ إِنْ ضَمَّنَ الْأَوَّلَ لَمْ يَرْجِعْ عَلَى الثَّانِي لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ. فَظَهَرَ أَنَّهُ أَوْدَعَ مِلْكَ نَفْسِهِ، وَإِنْ ضَمَّنَ الثَّانِيَ رَجَعَ عَلَى الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ عَامِلٌ لَهُ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ بِمَا لَحِقَهُ مِنَ الْعُهْدَةِ، ۴؎ وَلَهُ أَنَّهُ قَبَضَ الْمَالَ مِنْ يَدِ أَمِينٍ لِأَنَّهُ بِالدَّفْعِ لَا يَضْمَنُ مَا لَمْ يُفَارِقْهُ لِحُضُورِ رَأْيِهِ فَلَا تَعَدِّيَ مِنْهُمَا فَإِذَا فَارَقَهُ فَقَدْ تَرَكَ الْحِفْظَ الْمُلْتَزَمَ فَيَضْمَنُهُ بِذَلِكَ، وَأَمَّا الثَّانِي فَمُسْتَمِرٌّ عَلَى الْحَالَةِ الْأُولَى وَلَمْ

قبضہ نہیں رہا، اور قاعدہ یہ ہے کہ ضمانت والے سے لے گا تو لینے والے پر ضمان لازم ہوگا، کیونکہ یہ بھی تعدی میں شریک ہو گیا۔۔ کمودع الغاصب : غاصب پر ضمان ہے اس لئے اس سے کسی نے امانت پر لیا تو ضمان والے کے ہاتھ سے لیا تو اس امین پر بھی ضمان لازم ہوگا، اس لئے کہ ،قبض المال من ید ضمین، ہے

ترجمہ :۳؎ یہ اور بات ہے کہ اگر امین اول کو ضامن بنایا تو وہ امین ثانی سے وصول نہیں کر سکتا ہے، اس لئے کہ امین اول ضمان دینے کی وجہ سے اس چیز کا مالک بن گیا ہے تو ظاہر ہوا کہ اپنی چیز کو امانت پر دیا ہے، اور اگر امین ثانی کو ضامن بنایا تو وہ امین اول سے وصول کرے گا، اس لئے کہ وہ امین اول کے لئے کام کر رہا ہے اس لئے امین اول سے اتنا وصول کرے گا جتنا اس کا خرچ ہوا ہے

لغت: من العہدۃ : عہدہ کا مطلب ہوتا ہے جو خرچ ہوا وہ ادا کرے

تشریح : امین اول کو ضامن بنایا تو وہ امین ثانی کو ضامن نہیں بنائے گا، کیونکہ جب اس نے ضمان دیا تو گویا کہ وہ اس چیز کا مالک بن گیا، پھر اپنی چیز کو امین ثانی کو دیا، اس لئے اصل ذمہ دار امین اول ہے، اس لئے وہ امین ثانی سے وصول نہیں کرے گا۔ اور مالک نے امین ثانی کو ضامن بنایا تو چونکہ وہ امین اول کے لئے کام کر رہا ہے اس لئے امین اول سے وصول کرے گا

ترجمہ :۴؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ضمین نہیں امین کے ہاتھ سے قبضہ کیا ہے، اس لئے کہ دینے سے ضمان لازم نہیں ہوگا جب تک کہ امین ثانی سے جدا نہ ہو جائے ، کیونکہ امین اول کی رائے ہو سکتی ہے اس لئے دونوں سے تعدی نہیں ہوئی ، اور جب جدا ہو گیا تو اب جس حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اس کو چھوڑ دیا اس لئے امین اول ہی سے ضمان لے گا، اور امین ثانی تو اپنی پہلی حالت (یعنی امانت) پر برقرار ہے، اور اس سے کوئی حرکت نہیں پائی گئی اس لئے اس کو ضامن نہیں بنائے گا

تشریح: عبارت پیچیدہ ہے، حاصل یہ ہے کہ امین اول نے مالک کی اجازت کے بغیر امین ثانی کو چیز دی اس لئے تعدی اسی سے ہوئی ہے، اس لئے مالک اسی سے ضمان لے گا۔ اور امین ثانی تو ابھی بھی امین ہے، کیونکہ اس کی کوئی تعدی نہیں ہے، اس لئے اس کے قبضے میں امانت کی چیز ہلاک ہوئی تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا

لغت: لانہ بالدفع لا یضمن مالم یفارقہ لحضور رأیہ :اس عبارت میں یہ فرما رہے ہیں کہ امین اول نے امین ثانی کو دیا تو جب تک امین اول امین ثانی کے ساتھ ہے اس وقت تک اس کی زیادتی نہیں ہے، کیونکہ گویا کہ امین اول ہی حفاظت کر رہا، ہاں امین ثانی سے جدا ہوا تو اب یہ سمجھا جائے گا کہ امین اول اب چیز کی حفاظت نہیں کر رہا، اب ضمان لازم ہوگا، تو امین اول

يُوجَدُ مِنْهُ صُنْعٌ فَلا يَضْمَنُهُ . ۵ كَالرِّيحِ إِذَا أَلْقَتْ فِي حِجْرِهِ ثَوْبَ غَيْرِهِ .
(۱۰۰۲)(وَمَنْ كَانَ فِي يَدِهِ أَلْفٌ فَادَّعَاهُ رَجُلَانِ كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنَّهَا لَهُ أَوْدَعَهَا إِيَّاهُ وَأَبَى أَنْ يَحْلِفَ لَهُمَا فَالْأَلْفُ بَيْنَهُمَا وَعَلَيْهِ أَلْفٌ أُخْرَى بَيْنَهُمَا) لِ وَشَرْحُ ذَلِكَ أَنَّ دَعْوَى كُلِّ وَاحِدٍ صَحِيحَةٌ لِاحْتِمَالِهِمَا الصِّدْقَ فَيَسْتَحِقُّ الْحَلِفَ عَلَى الْمُنْكِرِ بِالْحَدِيثِ وَيَحْلِفُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى

حفاظت نہیں کر رہا اس لئے اس پر ضمان ہے، اور امین ثانی تو ابھی بھی امین ہے اور حفاظت کر رہا ہے، کیونکہ اس نے یہ چیز کسی اور کو نہیں دی ہے، اس لئے اس پر ضمان نہیں ہے

ترجمہ :۵ جیسے ہوا کسی کی گود میں دوسرے کا کپڑا اڈال دے (اور کپڑا ہلاک ہو جائے تو وہ آدمی ضامن نہیں ہوتا، کیونکہ اس کی تعدی نہیں ہے)

تشریح : مثلا زید بیٹھا ہوا تھا اس کی گود میں ہوا کی وجہ سے عمر کا کپڑا گر پڑا اور کپڑا ضائع ہو گیا تو زید ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ زید کی کوئی تعدی نہیں ہے، یہ تو ہوا کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسی طرح امین ثانی کی کوئی تعدی نہیں ہے اس لئے وہ ضامن نہیں ہوگا۔

ترجمہ :(۱۰۰۲) کسی کے قبضے میں ایک ہزار ہیں، اس کے بارے میں دو آدمیوں نے دعوی کیا کہ یہ میں نے اس کے پاس امانت پر رکھی ہے، اور قبضے والے نے دونوں کے بارے میں قسم کھانے سے انکار کر دیا تو یہ ہزار دونوں مدعیوں میں آدھا آدھا ہوگا، اور دوسرا ایک ہزار بھی اس پر لازم ہوگا

ترجمہ :لِ اس کی تشریح یہ ہے کہ دونوں آدمیوں کے الگ الگ دعوے صحیح ہیں، اس لئے کہ دونوں کے سچے ہونے کے احتمال ہیں، اس لئے حدیث کی بنا پر انکار کرنے والے پر قسم ہے، (اور چونکہ دعوی دو ہیں) الگ الگ حق کی وجہ سے الگ الگ قسمیں کھائیں گے

اصول : یہ اصول ہے کہ یہاں دو آدمیوں کے الگ الگ دعوے ہیں، اس لئے دو ہزار لازم ہونے چاہئیں، اور قسم کھانے سے انکار کیا تو دو ہزار لازم ہوں گے

تشریح : زید کے قبضے میں ایک ہزار ہے، اب عمر نے دعوی کیا کہ یہ ایک ہزار میں نے زید کے پاس امانت رکھے ہیں، پھر الگ سے دوسرا دعوی خالد نے کیا کہ یہ میں نے زید کے پاس ایک ہزار امانت پر رکھے ہیں، اور زید نے اس کا انکار کیا، اور کہا کہ یہ رقم میری ہے کسی کی امانت نہیں ہے، ان دونوں کے پاس گواہی نہیں تھی، اس لئے قاضی نے زید کو دونوں کے الگ الگ طور پر قسم کھانے کے لئے کہا، زید نے نہ عمر کے لئے قسم کھائی اور نہ خالد کے لئے قسم کھائی تو قاضی یہ فیصلہ کرے گا کہ یہ جو قبضے والے ہزار ہیں یہ تو دونوں کے ہیں، اور دونوں آدھے آدھے لے لیں، اور دوسرا ایک ہزار مزید زید پر لازم ہوگا، اور جب زید یہ دیگا تو عمر اور خالد اس کو آدھے آدھے تقسیم کر لیں گے

وجہ : یہاں دو دعوی ہیں۔ عمر کا بھی ایک ہزار کا دعوی ہے، اور خالد کا بھی ایک ہزار کا دعوی ہے، اور زید نے دونوں کے لئے قسم

الِانْفِرَادِ لِتَغَايُرِ الْحَقَّيْنِ، ٢ وَبِأَيِّهِمَا بَدَأَ الْقَاضِي جَازَ لِتَعَذُّرِ الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا وَعَدَمِ الْأَوْلِيَّةِ. وَلَوْ تَشَاحَّا أَقْرَعَ بَيْنَهُمَا تَطْيِيبًا لِقَلْبِهِمَا وَنَفْيًا لِتُهْمَةِ الْمَيْلِ، ٣ ثُمَّ إِنْ حَلَفَ لِأَحَدِهِمَا يَحْلِفُ لِلثَّانِي، فَإِنْ حَلَفَ فَلَا شَيْءَ لَهُمَا لِعَدَمِ الْحُجَّةِ، ٤ وَإِنْ نَكَلَ أَعْنِي لِلثَّانِي يَقْضِي لَهُ لِوُجُودِ الْحُجَّةِ، ٥ وَإِنْ نَكَلَ لِلْأَوَّلِ يَحْلِفُ لِلثَّانِي وَلَا يَقْضِي بِالنُّكُولِ،

کھانے سے انکار کر دیا اس لئے دونوں کے لئے ایک ایک ہزار دینے ہوں گے

نوٹ : ظاہری عبارت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قبضے والے ایک ہی ہزار میں دونوں کے دعوی ہیں، اس لئے ایک ہزار ہی لازم ہونا چاہئے اور اسی میں دونوں آدھے آدھے لیں گے، لیکن جامع صغیر کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دو الگ الگ دعوی ہیں۔ اس بات کو خوب سمجھ لیں

ترجمہ :٢ اور قاضی دو مدعیوں میں سے کسی کے لئے بھی پہلے قسم لے سکتا ہے، کیونکہ دونوں کے لئے ایک ساتھ قسم نہیں لے سکتا ہے، اور کسی ایک مدعی کی فضیلت نہیں ہے، اور اگر دونوں جھگڑ گئے تو دونوں کو خوش کرنے کے لئے، اور تہمت دور کرنے کے لئے قرعہ ڈال لے

لغت : تشاحا: شح سے مشتق ہے، کوئی چیز چھوٹ نہ جائے اس کے لئے جلدی کرنا۔ المیل: ایک طرف مائل ہونا

تشریح : واضح ہے

ترجمہ :٣ پھر اگر ایک کے لئے قسم کھائی، تو اس کے بعد دوسرے کے لئے قسم لی جائے گی، پس اگر اس دوسرے کے لئے بھی قسم کھالی تو اب دونوں کو کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ دونوں کے پاس گواہ نہیں ہیں (اور امین نے بھی قسم کھا لی ہے)

تشریح : زید سے عمر کے لئے قاضی نے قسم لی اس نے کھالی، پھر دوسرے مدعی خالد کے لئے قسم لی اس پر بھی قسم کھالی، تو چونکہ مدعیوں کے پاس حجت، یعنی گواہ نہیں ہے، اور زید نے قسم بھی کھالی تو یہ ایک ہزار زید کا ہوگا، اور مدعی عمر اور خالد کو کچھ نہیں ملے گا۔

ترجمہ :٤ اور اگر (پہلے کے لئے قسم کھالی کہ میرے پاس اس کی امانت نہیں ہے) اور دوسرے مدعی کے لئے قسم کھانے سے انکار کر دیا (تو پورا ایک ہزار) دوسرے کا ہوگا، کیونکہ اس کی دلیل پائی گئی

تشریح : مدعی زید کو پہلے مدعی کے لئے قسم کھانے کے لئے کہا تو اس نے قسم کھالی، اس لئے پہلے مدعی کو کچھ نہیں ملے گا، اب دوسرے مدعی کے لئے قسم کھانے کے لئے کہا تو قسم کھانے سے انکار کر دیا تو یہ پورا ایک ہزار دوسرے مدعی کو ملے گا

وجہ : دوسرے مدعی کے لئے قسم سے انکار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہزار اسی کا ہے، اس لئے یہ پورا ہزار دوسرے کو ملے گا

ترجمہ :٥ اور اگر پہلے مدعی کے لئے قسم کھانے سے انکار کر دیا (تو قاضی ابھی فوراً فیصلہ نہیں کرے گا) بلکہ دوسرے مدعی کے لئے قسم کھلائے گا، اور پہلے کے انکار کی وجہ سے ابھی فوراً فیصلہ نہیں کرے گا

تشریح : زید مدعی علیہ نے پہلے کے لئے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہزار اسی پہلے کا ہے، لیکن قاضی ابھی

٦ بِخِلافِ مَا إِذَا أَقَرَّ لِأَحدِهِمَا لِأَنَّ الْإِقْرَارَ حُجَّةٌ مُوجِبَةٌ بِنَفْسِهِ فَيَقْضِي بِهِ، أَمَّا النُّكُولُ إِنَّمَا يَصِيرُ حُجَّةً عِنْدَ الْقَضَاءِ فَجَازَ أَنْ يُؤَخِّرَهُ لِيَحْلِفَ لِلثَّانِي فَيَنْكَشِفَ وَجْهُ الْقَضَاءِ، ٧ وَلَوْ نَكَلَ لِلثَّانِي أَيْضًا يَقْضِي بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ عَلَى مَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ لِاسْتِوَائِهِمَا فِي الْحُجَّةِ كَمَا إِذَا أَقَامَا الْبَيِّنَةَ وَيَغْرَمُ أَلْفًا أُخْرَى بَيْنَهُمَا ٨ لِأَنَّهُ أَوْجَبَ الْحَقَّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِبَذْلِهِ أَوْ بِإِقْرَارِهِ وَذَلِكَ حُجَّةٌ

فیصلہ نہیں کریں گے بلکہ ابھی توقف کریں گے، پھر دوسرے مدعی کے لئے قسم کھلوائیں گے، اس کے بعد قاضی فیصلہ کریں گے

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی فیصلہ کردیں تو پورا ہزار پہلے کو مل جائے گا، اور دوسرے کے لئے قسم سے انکار کرے تو دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہو جائے گا، تو دوسرے کے لئے قسم سے انکار پر ہزار کو آدھا آدھا ہونے کی شکل بھی ہے، اس لئے قاضی جب تک دوسرے کے لئے قسم نہ لے، اور صورت حال نہ سامنے آجائے تب تک فیصلہ نہیں کریں گے۔ اس عبارت میں یہ خاص بات بتانا چاہتے ہیں

ترجمہ: ٦ بخلاف اگر کسی ایک کے لئے اقرار کیا تو فوراً فیصلہ کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ اقرار خود ثابت کرنے والی حجت ہے، بہر حال قسم سے انکار کرنا قاضی کے فیصلے کے بعد حجت بنتا ہے، تو قاضی کے لئے گنجائش ہے کہ دوسرے کے لئے قسم تک موخر کرے، تاکہ فیصلے کی شکل واضح ہو جائے

تشریح: یہاں اقرار، اور قسم کھانے سے انکار کے درمیان فرق بیان کر رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ اقرار کرنا حجت کاملہ ہے اس لئے اگر مدعی علیہ نے پہلے آدمی کے لئے ایک ہزار کا اقرار کیا تو ابھی دوسرے مدعی کے لئے قسم نہیں لیا پھر بھی قاضی ایک ہزار کا فیصلہ کرسکتا ہے، لیکن قسم کھانے سے انکار کرنا اس وقت حجت کاملہ ہوتا ہے جب قاضی فیصلہ کردے، اس لئے قسم سے انکار میں دوسرے کے لئے قسم کھلائے، اور صورت حال واضح ہو جائے تب جا کر فیصلہ کرے

ترجمہ: ٧ اور اگر پہلے کے لئے انکار کے بعد دوسرے مدعی کے لئے بھی قسم کھانے سے انکار کردیا تو دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کرے گا جیسا کہ متن میں بیان کیا ہے، کیونکہ دونوں کا حق برابر ہے، جیسا دونوں مدعی گواہ پیش کرتے تو (دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کرتا، اور مزید ایک ہزار مدعی علیہ پر لازم ہوگا

تشریح: یہاں متن میں جو مسئلہ ہے اس کو بیان کر رہے ہیں۔ قاضی نے پہلے مدعی کے لئے قسم کھانے کے لئے کہا تو مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کردیا۔ پھر دوسرے مدعی کے لئے قسم کھانے کے لئے کہا تو بھی قسم کھانے سے انکار کردیا تو اب قاضی یہ فیصلہ کرے گا کہ جو ایک ہزار مدعی علیہ کے قبضے میں ہے وہ دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کردیا جائے، اور مزید ایک ہزار اس پر لازم کیا جائے، کیونکہ دونوں مدعی کا الگ الگ ایک ایک ہزار کا دعوی تھا

ترجمہ: ٨ اس لئے کہ ہر ایک کے لئے مدعی علیہ نے اپنے اوپر حق واجب کیا، یا تو بذل کرکے، یعنی قسم سے انکار کرکے، یا اقرار کرکے، اور یہ مدعی کے حق میں حجت ہے

فِي حَقِّهِ، ٩ وَبِالصَّرْفِ إِلَيْهِمَا صَارَ قَاضِيًا نِصْفَ حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ بِنِصْفِ حَقِّ الْآخَرِ فَيَغْرَمُهُ، ١٠ وَلَوْ قَضَى الْقَاضِي لِلْأَوَّلِ حِينَ نَكَلَ ذَكَرَ الْإِمَامُ عَلِيٌّ الْبَزْدَوِيُّ فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ أَنَّهُ يَحْلِفُ لِلثَّانِي فَإِذَا نَكَلَ يَقْضِي بَيْنَهُمَا لِأَنَّ الْقَضَاءَ لِلْأَوَّلِ لَا يُبْطِلُ حَقَّ الثَّانِي لِأَنَّهُ يُقَدِّمُهُ إِمَّا بِنَفْسِهِ أَوْ بِالْقُرْعَةِ وَكُلُّ ذَلِكَ لَا يُبْطِلُ حَقَّ الثَّانِي. ١١ وَذَكَرَ الْخَصَّافُ أَنَّهُ يَنْفُذُ قَضَاؤُهُ لِلْأَوَّلِ،

تشریح: قسم کھانے سے انکار کر دے، تو یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز ہے تو میری ہی ہے لیکن چلو میں قسم نہیں کھاتا، اور یہ چیز مدعی کو دے دیتا ہوں، اسی کو بذل، کہتے ہیں۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ ہوگا کہ مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ مدعی کے لئے ہزار کا اقرار کیا، اس کو اقرار، کہتے ہیں، بہر حال دونوں حضرات کے نزدیک دونوں مدعی کے لئے ایک ہزار ہو گیا۔

ترجمہ: ٩ اور دونوں مدعیوں کو ایک ہزار دیا تو ہر ایک کا آدھا آدھا، اس لئے مدعی علیہ کو دوسرے ایک ہزار کا ضامن بنایا جائے گا

تشریح: یہاں عبارت منطقی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دونوں کا دعوی ایک ایک ہزار کا تھا، اس لئے قسم سے انکار پر دونوں کا ایک ایک ہزار مدعی علیہ پر لازم ہوا ہے، اور ابھی ایک ہی ہزار دیا گیا ہے اس لئے دوسرا ایک ہزار مدعی علیہ پر لازم ہوگا۔

ترجمہ: ١٠ اور اگر قاضی نے پہلے کے لئے قسم کھانے سے انکار پر پہلے کے لئے فیصلہ کر دیا، تو امام بزدوی نے جامع صغیر کی شرح میں فرمایا کہ ابھی دوسرے کے لئے قسم کھلوائے گا، اور اگر دوسرے کے لئے بھی قسم کھانے سے انکار کر دیا تو یہ ہزار دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا، اس لئے کہ پہلے کے لئے فیصلے سے دوسرے کا حق ختم نہیں ہو جاتا ہے، اس لئے کہ خود قاضی نے پہلے کو پہلے بنایا ہے، یا قرعہ کے ذریعہ بنایا ہے، اور ان دونوں سے دوسرے کا ختم نہیں ہوگا

تشریح: قاضی نے پہلے مدعی کے لئے مدعی علیہ سے قسم کھانے کے لئے کہا، اس نے انکار کر دیا، ابھی دوسرے کے لئے قسم کھلوایا بھی نہیں تھا کہ قاضی نے پہلے کے لئے ہزار کا فیصلہ کر دیا، تو یہ پورا ہزار اس کا ہوگا نہیں، بلکہ دوسرے کے لئے قسم کھلوائے گا، اگر مدعی علیہ نے اس کے لئے بھی قسم کھانے سے انکار کر دیا تو یہ ایک ہزار دونوں میں تقسیم کیا جائے گا (اور دوسرا ایک ہزار کا مدعی علیہ سے ضمان لیا جائے گا

وجہ: یہ تو قاضی نے ایک کو پہلے اور دوسرے کو بعد میں کیا تھا، اس کی وجہ سے دوسرے کا حق ختم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ١١ اور خصافؒ نے فرمایا کہ پہلے کے لئے جو فیصلہ کیا تھا وہ نافذ ہو جائے گا

تشریح: امام خصافؒ نے فرمایا کہ قاضی نے جو پہلے کے لئے ہزار کا فیصلہ کیا یہ نافذ ہو جائے گا، اور یہ ہزار اسی کا ہوگا، دونوں کے درمیان تقسیم کیا جائے گا، اور دوسرے کے لئے قسم سے انکار کیا تو اس کے لئے الگ سے ایک ہزار کا ضمان مدعی علیہ پر ہوگا۔

١٢؎ وَوَضَعَ الْمَسْأَلَةَ فِي الْعَبْدِ وَإِنَّمَا نَفَذَ لِمُصَادَفَتِهِ مَحَلَّ الاجْتِهَادِ لِأَنَّ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ قَالَ يَقْضِي لِلْأَوَّلِ وَلَا يَنْتَظِرُ لِكَوْنِهِ إِقْرَارًا دَلَالَةً. ١٣؎ ثُمَّ لَا يَحْلِفُ لِلثَّانِي مَا هَذَا الْعَبْدُ لِي لِأَنَّ نُكُولَهُ لَا يُفِيدُ بَعْدَمَا صَارَ لِلْأَوَّلِ، وَهَلْ يُحَلِّفُهُ بِاللَّهِ مَا لِهَذَا عَلَيْكَ هَذَا الْعَبْدُ وَلَا قِيمَتُهُ وَهُوَ كَذَا وَكَذَا وَلَا أَقَلَّ مِنْهُ .قَالَ: يَنْبَغِي أَنْ يُحَلِّفَهُ عِنْدَ مُحَمَّدٍؒ . ١٤؎ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَؒ بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْمُودَعَ إِذَا أَقَرَّ

ترجمه :١٢؎ حضرت خصافؒ نے مسئلہ کو غلام میں وضع کیا ہے، پہلے کے لئے غلام ہو جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے، اس لئے کچھ علماء نے فرمایا کہ قاضی پہلے کے لئے فیصلہ کر دے اور دوسرے کے لئے قسم کھانے کا انتظار نہ کرے، اس لئے کہ قسم سے انکار کرنا دلالۃ اقرار ہے

تشریح:حضرت خصافؒ نے اس مسئلے کو درہم کی مثال پر نہیں رکھا، بلکہ اس کی مثال غلام میں رکھی، اور غلام کے بارے میں مدعی علیہ نے پہلے کے لئے قسم کھانے سے انکار کیا تو اس غلام کو پہلے کو دے دیا جائے گا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے، اور بعض علماء نے فرمایا کہ دوسرے مدعی کے لئے قسم کھانے کا انتظار نہ کرے، بلکہ پہلے کے لئے فیصلہ کر دے،

وجه:قسم کھانے سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ دلالۃ اقرار کر رہا ہے کہ یہ غلام مدعی اول کا ہے

لغت:مصادفۃ: صادف سے مشتق ہے، متعلق ہونے کی وجہ سے

ترجمه :١٣؎ دوسرے مدعی کے لئے یوں قسم نہیں کھلوائے گا کہ، یہ غلام میرا نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے انکار کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ یہ غلام پہلے مدعی کے لئے ہو گیا ہے، تو کیا یوں قسم کھلوائے گا، اس مدعی کا نہ غلام میرے اوپر ہے، اور نہ اس کی قیمت میرے اوپر ہے، نہ اس سے کم قیمت، اور نہ زیادہ قیمت میرے اوپر ہے، تو علماء نے فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک یہ قسم کھلوائے

تشریح:جب پہلے مدعی کے لئے قسم کھانے سے انکار کیا، اور قاضی نے اس کے لئے غلام کا فیصلہ کر دیا ہے، اس لئے جب دوسرے مدعی کے لئے مدعی علیہ کو قسم کھلوائے گا تو یوں قسم نہیں کھلوائے گا کہ یہ غلام میرا نہیں ہے، کیوں کہ یہ غلام تو پہلے مدعی کے لئے ہو چکا ہے، اور مدعی علیہ اس قسم کھانے میں سچ ہو جائے گا، بلکہ یوں قسم کھلوائے گا کہ اس غلام کا حق بھی مجھ پر نہیں ہے اور اس کی قیمت کا حق بھی نہیں ہے، یعنی قیمت بھی ساتھ لگا کر قسم کھلوائے گا ،علماء نے فرمایا کہ امام محمدؒ کے نزدیک اس طرح قسم کھلوا سکتا ہے

ترجمه :١٤؎ خلاف امام ابو یوسفؒ کے، اس کی بنیاد یہ ہے کہ امانت رکھنے والا کسی کے لئے امانت کا اقرار کر لے، اور قاضی کے ذریعہ اس کو دے دیا جائے تو امام محمدؒ کے نزدیک اس کو ضامن بنایا جائے گا، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا۔ یہ اس مسئلے کا فروع ہے، اور اس مسئلے میں بعض لمبی چوڑی بحث ہیں

تشریح:امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیاں کیا اختلاف ہے اس کا بیان ہے۔

مدعی علیہ نے پہلے مدعی کے لئے قسم کھانے سے انکار کیا تو گویا کہ اس نے پہلے مدعی کے لئے غلام کا اقرار کر لیا، اور اس کی وجہ سے

بِـالْـوَدِيـعَةِ وَدَفَـعَ بِالْقَضَاءِ إِلَى غَيْرِهِ يَضْمَنُهُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ خِلَافًا لَهُ وَهٰذِهِ فُرَيْعَةُ تِلْكَ الْمَسْأَلَةِ وَقَدْ وَقَعَ فِيهِ بَعْضُ الْإِطْنَابِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

دوسرے مدعی کا حق مارا گیا تو چونکہ مدعی علیہ کے قسم نہ کھانے سے دوسرے مدعی کا حق مارا گیا ہے، اس لئے امام محمدؒ کے نزدیک مدعی علیہ دوسرے مدعی کے لئے ضامن ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ صرف قسم نہ کھانے سے دوسرے مدعی کا حق نہیں گیا ہے، بلکہ اس کے بعد قاضی نے فیصلہ کیا اور قاضی نے غلام کو پہلے مدعی کو حوالہ کرنے پر مجبور کیا ہے، اور گویا کہ قاضی کے حکم کی وجہ سے دوسرے مدعی کا حق ختم ہوا، اس لئے مدعی علیہ دوسرے مدعی کے لئے ضامن نہیں ہوگا۔ دونوں اماموں کے درمیان یہ فرق ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿كِتَابُ الْعَارِيَةِ﴾

(١٠٠٣)قَالَ: (الْعَارِيَةُ جَائِزَةٌ)؛ لِ لِأَنَّهَا نَوْعُ إِحْسَانٍ وَقَدِ »اسْتَعَارَ النَّبِيُّ ﷺ دُرُوعًا مِنْ صَفْوَانَ«

(١٠٠٤)(وَهِيَ تَمْلِيكُ الْمَنَافِعِ بِغَيْرِ عِوَضٍ) لِ وَكَانَ الْكَرْخِيُّ يَقُولُ: هِيَ إِبَاحَةُ الِانْتِفَاعِ بِمِلْكِ

﴿ كتاب العاریۃ ﴾

ضروری نوٹ عاریت کے معنی ہیں کسی چیز کے نفع کو مفت استعمال کرنے کے لئے دے اور بعد میں اس چیز کو واپس لے لے۔(١)اس کا ثبوت آیت میں ہے ویمنعون الماعون (آیت ۷سورۃ الماعون ۱۰۷)اس آیت میں کافروں کی صفت بیان کی ہے کہ وہ ماعون یعنی عاریت کی چیز سے بھی روکتے ہیں (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ابوطلحہ سے گھوڑا عاریت پر لیا اور سوار ہوئے۔قال سمعت أنسا یقول کان فزع بالمدینة فاستعار النبی ﷺ فرسا من أبی طلحة یقال له المندوب فرکبه فلما رجع قال مارأینا من شیء وان وجدناه لبحرا (بخاری شریف، باب من استعار من الناس الفرس،ص ۳۵۷،نمبر۲۶۲۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو عاریت پر لینا جائز ہے۔

لغت :اس میں جو شخص مالک بنائے اس کو'معیر ' کہتے ہیں۔اور جس کو مالک بنایا گیا اس کو' مستعیر'اور منفعت کو عاریت اور'مستعار' کہتے ہیں۔

ترجمہ:(١٠٠٣)عاریت جائز ہے

ترجمہ:لِ اس لئے کہ عاریت پر دینا ایک قسم کا احسان ہے،اور حضور ﷺ نے حضرت صفوانؓ سے زرہ عاریت پر لی تھی

تشریح:بغیر کسی عوض کے کسی چیز کو دیدیں کہ اس سے فائدہ اٹھا کر چیز مجھے واپس دیدیں اس کو عاریت کہتے ہیں۔یہ ایک قسم کا احسان ہے

وجہ:حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ گھوڑے کی منفعت سے فائدہ اٹھا کر آپؐ نے گھوڑا واپس دیدیا (۲)

صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے ۔عن صفوان بن یعلی عن ابیه قال قال لی رسول الله ﷺ اذا اتتک رسلی فاعطهم ثلاثین درعا وثلاثین بعیرا قال قلت یا رسول الله اعاریة مضمونة او عاریة مؤداة قال بل مؤداة (ابوداؤد شریف،باب فی تضمین العاریۃ،ص ۱۴۵،نمبر ۳۵۶۶رترمذی شریف،باب ماجاء فی ان العاریۃ مؤداۃ،ص ۲۳۹،نمبر ۱۲۶۶)اس حدیث میں ہے کہ حضور نے زرہ عاریت پر لی تھی

ترجمہ:(١٠٠٤)اور وہ منافع کا مالک بنانا ہے بغیر عوض کے۔

تشریح:واضح ہے

ترجمہ:لِ امام کرخیؒ نے فرمایا کہ،عاریت دوسرے کی ملک سے نفع اٹھانے کو مباح کرنا ہے،یہی وجہ ہے کہ اباحت کے لفظ

الْغَيْرِ، لِأَنَّهَا تَنْعَقِدُ بِلَفْظَةِ الْإِبَاحَةِ، وَلَا يُشْتَرَطُ فِيهَا ضَرْبُ الْمُدَّةِ، وَمَعَ الْجَهَالَةِ لَا يَصِحُّ التَّمْلِيكُ وَلِذَلِكَ يَعْمَلُ فِيهِ النَّهْيُ، وَلَا يَمْلِكُ الْإِجَارَةَ مِنْ غَيْرِهِ. ٢ وَنَحْنُ نَقُولُ: إِنَّهُ يُنْبِئُ عَنِ التَّمْلِيكِ، فَإِنَّ الْعَارِيَّةَ مِنَ الْعَرِيَّةِ وَهِيَ الْعَطِيَّةِ وَلِهَذَا تَنْعَقِدُ بِلَفْظِ التَّمْلِيكِ، وَالْمَنَافِعُ قَابِلَةٌ لِلْمِلْكِ كَالْأَعْيَانِ. ٣ وَالتَّمْلِيكُ نَوْعَانِ: بِعِوَضٍ، وَبِغَيْرِ عِوَضٍ. ثُمَّ الْأَعْيَانُ تَقْبَلُ النَّوْعَيْنِ، فَكَذَا

سے عاریت ہو جاتی ہے، اس میں مدت کی بھی شرط نہیں ہے، اور اگر تملیک ہوتی تو مدت کی جہالت تملیک نہیں ہوتی ہے، اسی طرح اس میں کبھی منع کر سکتا ہے، اس کو دوسرے کو اجرت پر نہیں دے سکتا ہے

تشریح : یہاں یہ اختلاف ہے کہ عاریت میں نفع کا مالک بننا ہے، یا نفع کو مباح کرنا ہے، تو امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ نفع کو مباح کرنا ہے، اس کی ۴ دلیلیں دی ہیں ۱۔ مباح کے لفظ سے عاریت ہو جاتی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ نفع کو مباح کرنا ہے، مالک بنانا نہیں۔ ۲۔ عاریت پر دینے کے لئے کوئی مدت متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور مالک بنانا ہوتا تو مدت متعین کرنا ضروری ہوتا ہے، جیسے اجرت میں مدت متعین کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ۳۔ جب چاہے مالک روک سکتا ہے اور چیز واپس لے سکتا ہے، اگر مالک بنانا ہوتا تو جب چاہے مالک واپس نہیں لے سکتا ہے، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ اباحت ہے، تملیک نہیں ہے۔ ۴۔ عاریت والا اس چیز کو دوسرے کو اجرت پر نہیں دے سکتا ہے، یہ بھی وجہ ہے کہ یہ نفع کو مباح کرنا ہے، نفع کو مالک بنانا نہیں ہے، ان چار دلیلوں سے ثابت ہوا کہ عاریت میں نفع کو مباح کرنا ہے، مالک بنانا نہیں ہے

ترجمہ : ۲ ہم یہ کہتے ہیں کہ عاریت کا ترجمہ ہی ہے مالک بنانا، اس لئے کہ عاریت عاریت سے مشتق ہے، اور اس کا معنی ہے عطیہ، (یعنی مالک بنا دینا) اور یہی وجہ ہے کہ تملیک کے لفظ سے بھی عاریت ہو جاتی ہے، اور عین چیز کی طرح نفع بھی مالک بننے کے قابل ہے

تشریح : صاحب ہدایہ نے متن میں فرمایا کہ تملیک المنافع، منافع کا مالک بنانا، کہ عاریت نفع کا مالک بنانا ہے، مباح کرنا نہیں ہے، اس کے لئے تین دلیلیں دے رہے ہیں۔ ۱۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ عاریت، عریۃ سے سے مشتق ہے، جس کا ترجمہ ہے عطیہ دینا، یعنی نفع کا مالک بنانا، اس لئے عاریت میں نفع کا مالک بنانا ہے۔ ۲۔ عاریت تملیک کے لفظ سے منعقد ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس میں تملیک ہے۔ ۳۔ نفع بھی عین چیز کی طرح مالک بننے کے قابل ہے اس لئے عاریت میں نفع کا مالک بنانا ہے، ان تین دلیلوں سے معلوم ہوا کہ عاریت میں مالک بنانا ہے

ترجمہ : ۳ اور مالک بنانے کی دو قسمیں ہیں، ایک بدلہ لیکر مالک بنانا دوسرا بغیر بدلے کے مالک بنانا، پھر عینی چیز دونوں قسموں کو قبول کرتی ہے تو ایسے ہی نفع بھی دونوں قسموں کو قبول کرے گا، اور دونوں کو جمع کرنے والی چیز ضرورت پوری کرنی ہے

تشریح : عینی چیز کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ بدلہ لیکر عینی چیز کا مالک بنانا، اس کو بیع، کہتے ہیں۔ ۲۔ دوسرا ہے بغیر بدلے کے عینی چیز کو مالک بنانا، اس کو 'ہبہ' کہتے ہیں، اسی طرح نفع کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک ہے بدلہ لیکر نفع کا مالک بنانا، اس کو اجرت، کہتے

الْـمَـنَافِعُ، وَالْجَامِعُ دَفْعُ الْحَاجَةِ.۴ وَلَـفْـظَةُ الْـإِبَاحَةِ اُسْتُعِيرَتْ لِلتَّمْلِيكِ، كَمَا فِي الْإِجَارَةِ، فَإِنَّهَا تَنْعَقِدُ بِلَفْظَةِ الْإِبَاحَةِ، وَهِيَ تَمْلِيكٌ .۵ وَالْجَهَالَةُ لَا تُفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ؛ لِعَدَمِ اللُّزُومِ فَلَا تَكُونُ ضَائِرَةً . وَلِأَنَّ الْـمِـلْـكَ اِنَّمَا يَثْبُتُ بِالْقَبْضِ وَهُوَ الِانْتِفَاعُ .وَعِنْدَ ذَلِكَ لَا جَهَالَةَ، ۶ وَالنَّهْيُ مَنْعٌ عَنِ التَّحْصِيلِ فَلَا يَتَحَصَّلُ الْمَنَافِعَ عَلَى مِلْكِهِ . ۷ وَلَا يَمْلِكُ الْإِجَارَةَ لِدَفْعِ زِيَادَةِ الضَّرَرِ عَلَى مَا

ہیں۔دوسرا ہے بغیر بدلہ لئے نفع کا مالک بنانا،اسی کو عاریت، کہتے ہیں،حاصل یہ ہے کہ نفع کی بھی عین کی طرح دو قسمیں ہیں، اوران سب میں مالک بنانا ہوتا ہے،کیونکہ سب میں اس کی ضرورت ہے

ترجمہ: ۴ اور اباحت کے لفظ کو مالک بنانے کے لئے عاریت پر لیا گیا ہے،جیسے کہ اجرت میں ہوتا ہے،کیونکہ اجرت بھی اباحت کے لفظ سے منعقد ہو جاتی ہے،حالانکہ اس میں نفع کا مالک بنانا ہوتا ہے

تشریح: یہ امام کرخیؒ کے پہلے اشکال کا جواب ہے،کہ اباحت کا لفظ تملیک کے لئے آتا ہے،چنانچہ اجرت میں نفع کا مالک بنانا ہوتا ہے، پھر بھی اباحت کے لفظ سے اجرت منعقد ہو جاتی ہے

ترجمہ:۵ عاریت میں مدت کی جہالت ہو تو یہ جھگڑے تک نہیں پہنچاتی ہے،کیونکہ عاریت لازم نہیں ہوتی،اس لئے مدت کی جہالت نقصان دہ نہیں ہے،دوسری بات یہ ہے کہ نفع پر قبضے کے بعد ملکیت ثابت ہوتی ہے،اوراس وقت کوئی جہالت نہیں ہے

تشریح: یہ امام کرخیؒ کے دوسرے اشکال کا جواب ہے،انہوں نے فرمایا تھا کہ عاریت میں مدت کی جہالت ہے تو ملکیت کیسے ہوگی،اس کے دو جواب ہیں،ایک یہ کہ زید عمر کو عاریت پر دے تو جب چاہے واپس لے سکتا ہے،بہت دیر تک رکھنا زید پر لازم نہیں ہے،اس لئے عاریت میں مدت کی جہالت جھگڑے کی طرف پہنچانے والی نہیں ہے،اس لئے یہ ملکیت سے مانع نہیں ہے۔اور دوسرا جواب یہ ہے کہ عاریت میں پہلے سے ملکیت نہیں ہوتی ہے، بلکہ نفع پر قبضہ کرنے کے بعد ملکیت ہوتی ہے،،اور اس وقت جہالت نہیں ہے،عاریت پر لینے والے کو معلوم ہے کہ کتنا نفع لیا ہے،اور ملکیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے

ترجمہ:۶ اور عاریت میں کسی وقت بھی مستعیر کو روکنا ہے وہ اس لئے کہ عاریت پر دینے والے کی ملکیت کا نفع حاصل نہ کرے

تشریح: یہ امام کرخیؒ کے تیسرے اشکال کا جواب ہے،انہوں نے کہا تھا کہ عاریت پر دینے والا جب چاہے عاریت پر لینے والے کو روک دے تو یہ اس میں ملکیت کہاں ہوئی۔اس کا جواب یہ ہے کہ مالک نے جیسے ہی منع کیا تو یہ چیز اوراس کا نفع مالک کی ملکیت ہوگئی،اب عاریت پر لینے والا مالک کی ملکیت سے نفع نہ اٹھائے اس لئے روکا جاتا ہے،اس لئے اس سے پہلے عاریت پر لینے والے کی ملکیت ہوئی۔یہ عبارت تھوڑی پیچیدہ ہے

ترجمہ: ۷ اور مستعیر دوسرے کو اجرت پر دینے کا مالک اس لئے نہیں ہے تا کہ مالک کو زیادہ نقصان نہ ہو جائے،بعد میں اس بحث کو ذکر کروں گا

تشریح: یہ امام کرخیؒ کے چوتھے اشکال کا جواب ہے،انہوں نے کہا تھا مستعیر دوسروں کو اجرت پر نہیں دے سکتا ہے تو نفع کا

نَذْكُرُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

(١٠٠٥)قَالَ (وَتَصِحُّ بِقَوْلِهِ أَعَرْتُكَ) ؛ لِأَنَّهُ صَرِيحٌ فِيهِ (وَأَطْعَمْتُكَ هَذِهِ الْأَرْضَ) ؛ لِأَنَّهُ مُسْتَعْمَلٌ فِيهِ (وَمَنَحْتُكَ هَذَا الثَّوْبَ وَحَمَلْتُكَ عَلَى هَذِهِ الدَّابَّةِ إِذَا لَمْ يُرِدْ بِهِ الْهِبَةَ) ؛ لِأَنَّهُمَا لِتَمْلِيكِ الْعَيْنِ، وَعِنْدَ عَدَمِ إِرَادَتِهِ الْهِبَةَ تُحْمَلُ عَلَى تَمْلِيكِ الْمَنَافِعِ تَجَوُّزًا .

(١٠٠٦)قَالَ (وَأَخْدَمْتُكَ هَذَا الْعَبْدَ) ؛ لِأَنَّهُ أَذِنَ لَهُ فِي اسْتِخْدَامِهِ (وَدَارِي لَكَ سُكْنَى) ؛ لِأَنَّ مَعْنَاهُ سُكْنَاهَا لَكَ (وَدَارِي لَكَ عُمْرَى سُكْنَى) ؛ لِ لِأَنَّهُ جَعَلَ سُكْنَاهَا لَهُ مُدَّةَ عُمْرِهِ . وَجَعَلَ قَوْلَهُ

مالک کیسے ہوا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اگر مستعیر دوسروں کو اجرت پر دے دے تو اس سے مالک کو زیادہ نقصان ہوگا، اس لئے یہ دوسروں کو اجرت پر نہیں دے سکتا ہے

ترجمہ :(١٠٠٥)اور صحیح ہوتی ہے عاریت ان الفاظ کے کہنے سے، (اعرتک) میں نے تم کو عاریت پر دیا۔[یہ جملہ عاریت میں صریح ہے]، (اطعمتک ھذہ الارض) اور میں نے تم کو یہ زمین کھانے لئے دی[یہ جملہ عاریت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔(منحتک ھذ الثوب) اور میں نے تم کو یہ کپڑا بخش دیا۔(حملتک علی ھذہ الدابۃ) اور میں نے تم کو اس جانور پر سوار کیا جب کہ وہ اس سے ہبہ کی نیت نہ کرے[اس لئے کہ یہ دونوں جملے عین چیز کے ہبہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں، اور ہبہ کا ارادہ نہ ہو تو مجازا نفع کے مالک بنانے پر حمل کیا جائے گا]۔

تشریح :مصنفؒ نے یہاں سات الفاظ استعمال کئے ہیں جن کے کہنے سے عاریت ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ اور بھی الفاظ ہیں جن سے عاریت کا مفہوم سمجھ میں آئے تو ان سے بھی عاریت منعقد ہوگی۔

ہر ایک جملے کی تشریح پیش خدمت ہے۔ **اعرتک** کا لفظ عاریت کے لئے صریح استعمال ہوا ہے۔ **اطعمتک ھذہ الارض**، زمین کھانے کے لئے نہیں دی جاتی بلکہ اس کا غلہ کھانے کے لئے دیا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ نکلا کہ زمین کے غلے سے تم کو استفادہ کرنے کا حق ہے۔ **منحتک ھذا الثوب** کے دو مطلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کپڑے کو مکمل دے دیا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کپڑے کو وقتی طور پر پہننے کے لئے دیا۔ اس لئے اگر ہبہ کی نیت نہ ہو تو عاریت ہی مراد ہوگی۔ اسی طرح **حملتک علی ھذہ الدابۃ** کے بھی دو مطلب ہیں۔ ایک مطلب ہے پورا گھوڑا ہبہ کر دیا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وقتی طور پر یہ گھوڑا سوار ہونے کے لئے دے رہا ہوں۔ اس لئے مکمل طور پر گھوڑا دینے کی نیت نہ ہو تو عاریت مراد ہوگی

ترجمہ:(١٠٠٦)(اخدمتک ھذ العبد) اور تم کو یہ غلام خدمت کے لئے دیا[اس جملے میں غلام کو خدمت کی اجازت دی ہے]۔(داری لک سکنی) اور میرا گھر تیرے رہنے کے لئے ہے[اس جملے کا معنی ہے آپ کو یہ گھر رہنے کے لئے دیا]۔(داری لک عمری سکنی) اور میرا گھر تیرے عمر بھر رہنے کے لئے ہے۔

ترجمہ:لہ اس لئے کہ پوری عمر اس کو رہنے کے لئے کر دیا۔ اور لفظ سکنی، لک کی تفسیر، اس لئے کہ اس لفظ میں تملیک کا بھی

سُكْنَى تَفْسِيرًا لِقَوْلِهِ لَکَ؛ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ تَمْلِيكَ الْمَنَافِعِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ بِدَلَالَةِ آخِرِهِ.

(١٠٠٧)قَالَ: (وَلِلْمُعِيرِ أَنْ يَرْجِعَ فِي الْعَارِيَّةِ مَتَى شَاءَ) ١ لِقَوْلِهِ ﷺ: »الْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ وَالْعَارِيَّةُ مُؤَدَّاةٌ« ٢ وَلِأَنَّ الْمَنَافِعَ تُمْلَكُ شَيْئًا فَشَيْئًا عَلَى حَسَبِ حُدُوثِهَا فَالتَّمْلِيكُ فِيمَا لَمْ يُوجَدْ لَمْ يَتَّصِلْ بِهِ الْقَبْضُ فَصَحَّ الرُّجُوعُ عَنْهُ.

(١٠٠٨)قَالَ: (وَالْعَارِيَّةُ أَمَانَةٌ إِنْ هَلَكَتْ مِنْ غَيْرِ تَعَدٍّ لَمْ يَضْمَنْ)

احتمال ہے،اس لئے آخری لفظ یعنی،سکنی، سے نفع پر حمل کیا گیا ہے

تشریح:اخدمتک هذا العبد میں توصاف ہے کہ یہ غلام وقتی طور پر خدمت کے لئے عاریت پر دے رہا ہوں۔ داری لک سکنی میں بھی میرا گھر تمہارے رہنے کے لئے ہے اس میں عاریت ہے۔اور داری لک عمری سکنی میں اگر صرف داری لک عمری کا جملہ ہوتا تو اس سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ گھر کو ہبہ کر دیا۔لیکن سکنی کے لفظ نے واضح کر دیا کہ گھر ہبہ نہیں ہے بلکہ صرف عمر بھر رہنے کے لئے عاریت ہے۔اس لئے ان جملوں سے عاریت ہو جائے گی۔

ترجمہ:(١٠٠٧)عاریت پر دینے والے کو حق ہے کہ عاریت کو واپس کر لے جب چاہے۔

ترجمہ:١ حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ دی ہوئی چیز واپس کی جائے گی،اور مانگی ہوئی چیز واپس پہنچائی جائے گی

وجہ:(١)چونکہ چیز مالک کی ہے اس لئے جب چاہے اس کو واپس لے سکتا ہے(٢)۔صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ سمعت ابا امامة یقول: العارية موداة و المنحة مردودة (ابن ماجہ شریف،کتاب الصدقات،باب العاریۃ،ص٣٤٣، نمبر ٢٣٩٨رترمذی شریف،باب ماجاء لا وصیۃ لوارث،ص٤٨٦،نمبر ٢١٢٠)اس حدیث میں ہے کہ عاریت کو واپس کیا جا سکتا ہے (٣)اور دوسری حدیث میں ہے۔عن صفوان بن يعلى عن ابيه قال قال لی رسول الله ﷺ اذا اتتک رسلی فاعطهم ثلاثين درعا و ثلاثين بعيرا قال قلت يا رسول الله اعارية مضمونة او عارية مؤداة قال بل مؤداة (ابو داؤد شریف،باب فی تضمین العاریۃ ص١٤٥ نمبر ٣٥٦٦رترمذی شریف،باب ماجاء فی ان العاریۃ مؤداۃ ص٢٣٩ نمبر ١٢٦٦) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عاریت ادا کی جائے گی اس لئے مالک اس کو جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔

ترجمہ:٢ اور اس وجہ سے کہ نفع کا مالک تھوڑا تھوڑا کر کے ہوتا ہے جیسے جیسے وہ پیدا ہوتا جائے تو جو نفع ابھی پایا نہیں گیا اس پر قبضہ نہیں ہے اس لئے اس سے رجوع صحیح ہے

تشریح:یہ دلیل عقلی ہے کہ،نفع آہستہ آہستہ وجود میں آتا ہے،اس لئے جو نفع ابھی وجود میں نہیں آیا اس سے رجوع کر سکتا ہے،یعنی اس چیز کو واپس لے سکتا ہے

ترجمہ:(١٠٠٨)عاریت لینے والے کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے۔اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو عاریت لینے والا ضامن نہیں ہوگا

تشریح:جس شخص کو چیز عاریت پر دی اس کے قبضہ میں عاریت کی چیز امانت ہوتی ہے۔اور امانت کا قاعدہ گزر چکا ہے کہ

ا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَضْمَنُ؛ لِأَنَّهُ قَبَضَ مَالَ غَيْرِهِ لِنَفْسِهِ لا عَنْ اسْتِحْقَاقٍ فَيَضْمَنُهُ، وَالْإِذْنُ ثَبَتَ ضَرُورَةَ الِانْتِفَاعِ فَلا يَظْهَرُ فِيمَا وَرَائَهُ، وَلِهَذَا كَانَ وَاجِبَ الرَّدِّ وَصَارَ كَالْمَقْبُوضِ عَلَى سَوْمِ الشِّرَاءِ. ٢ وَلَنَا أَنَّ اللَّفْظَ لا يُنْبِئُ عَنِ الْتِزَامِ الضَّمَانِ؛ لِأَنَّهُ لِتَمْلِيكِ الْمَنَافِعِ بِغَيْرِ عِوَضٍ أَوْ

بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

وجه: (١) قلت يا رسول الله اعارية مضمونة او عارية مؤداة (ابوداؤد شریف، نمبر ٣٥٦٦) جس سے معلوم ہوا کہ عاریت کی چیز امانت ہوتی ہے ضمانت نہیں ہوتی (٢)۔ عن علی قال ليست العارية مضمونة انما هو معروف الا ان يخالف فيضمن (مصنف عبد الرزاق، باب العاریۃ، ج ثامن، ص ١٧٩ نمبر ١٤٧٨٨)۔ قال عمر بن الخطاب : العارية بمنزلة الوديعة ولا ضمان فيها الا ان يتعدى (مصنف عبد الرزاق، باب العاریۃ، ج ثامن، ص ١٧٩ نمبر ١٤٧٨٥) ان دو قول صحابی سے بھی معلوم ہوتا ہے عاریت امانت ہے بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو مستعیر پر ضمانت نہیں ہے۔

ترجمہ: ١ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ضمان لازم ہوگا، انکی دلیل یہ ہے کہ غیر کے مال کو اپنے لئے بغیر استحقاق کے قبضہ کیا ہے اس لئے ضامن ہوگا، اور قبضہ کرنے کی اجازت نفع حاصل کرنے کی ضرورت سے ہے، اس لئے اس کے علاوہ میں ظاہر نہیں ہو گا، یہی وجہ ہے کہ امانت کی چیز واپس کرنا واجب ہوتا ہے، اور بھاو کر کے لینے کی طرح ہو گیا

اصول: امام شافعی کا اصول یہ ہے کہ دوسرے کی چیز پر قبضہ کیا ہے اس لئے ہلاک ہونے پر ضمان لازم ہوگا

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ عاریت کی چیز بغیر تعدی کے بھی ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان لازم ہوگا۔ اس کے لئے وہ چار دلیلیں دے رہے ہیں۔ ا۔ غیر کی چیز کو بغیر حق کے اپنے لئے قبضہ کیا ہے، اس لئے ہلاک ہوئی تو ضمان لازم ہوگا۔ ٢۔ مالک نے صرف نفع اٹھانے کے لئے قبضے کی اجازت دی تھی ہلاک ہونے کے لئے نہیں، اس لئے ہلاک ہوئی تو ضمان لازم ہو گا۔ ٣۔ عاریت کی چیز کو واپس کرنا واجب تھا، اور ہلاک ہونے کی وجہ سے واپس نہیں کیا اس لئے اس کا بدلہ واپس کرنا واجب ہوگا، یعنی ضمان لازم ہوگا۔ ٤۔ کوئی بھاو کرنے کے لئے چیز لے اور ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان لازم ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی چیز لی ہے اور ہلاک ہوئی ہے تو ضمان لازم ہوگا

وجه: (١) اس حدیث میں ہے کہ عاریت مضمون ہوتی ہے۔ عن صفوان بن امية ان رسول الله استعار منه ادرعا يوم حنين فقال اغصب يا محمد ؟ فقال لا بل عارية مضمونة (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ، ص ١٤٥ نمبر ٣٥٦٢ / دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ٣٥، نمبر ٢٩٣٢) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عاریت بغیر تعدی کے بھی ہلاک ہو جائے تو اس کا تاوان لازم ہوگا کیونکہ وہ مضمون ہے۔

ترجمہ: ٢ ہماری دلیل یہ ہے کہ عاریت کے لفظ سے ضمان واجب ہونے کا پتہ نہیں چلتا ہے، اس لئے کہ عاریت بغیر بدلے کے نفع کا مالک بننے کے لئے ہے، یا نفع کے مباح کرنے کے لئے ہے۔

لِإِبَاحَتِهَا، ٣؎ وَالْقَبْضُ لَمْ يَقَعْ تَعَدِّيًا لِكَوْنِهِ مَأْذُونًا فِيهِ، وَالْإِذْنُ وَإِنْ ثَبَتَ لِأَجْلِ الِانْتِفَاعِ فَهُوَ مَا قَبَضَهُ إلَّا لِلِانْتِفَاعِ فَلَمْ يَقَعْ تَعَدِّيًا، ٤؎ وَإِنَّمَا وَجَبَ الرَّدُّ مُؤْنَةً كَنَفَقَةِ الْمُسْتَعَارِ فَإِنَّهَا عَلَى الْمُسْتَعِيرِ لَا لِنَقْضِ الْقَبْضِ. ٥؎ وَالْمَقْبُوضُ عَلَى سَوْمِ الشِّرَاءِ مَضْمُونٌ بِالْعَقْدِ؛ لِأَنَّ الْأَخْذَ فِي الْعَقْدِ لَهُ حُكْمُ الْعَقْدِ عَلَى مَا عُرِفَ فِي مَوْضِعِهِ.

تشریح :ہماری دلیل یہ ہے کہ عاریت کے لفظ سے یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس کا ضمان لازم ہو، کیونکہ بغیر عوض کے نفع کے مالک بننے کے لئے ہے، یا نفع کے مباح ہونے کے لئے عاریت ہوتی ہے، اس لئے ہلاک ہونے سے ضمان لازم نہیں ہوگا

ترجمہ :٣؎ اور دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے سے ضمان لازم نہیں ہوگا، کیونکہ مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے، اور اجازت اگر چہ نفع حاصل کرنے کے لئے ثابت ہے، تو مستعیر نے نفع ہی کے لئے قبضہ کیا ہے اس لئے تعدی نہیں ہوئی

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ تعدی نہیں ہے تو ضمان لازم نہیں ہوگا

تشریح: یہ امام شافعی کو جواب ہے، امام شافعیؒ نے دلیل دی تھی کہ دوسرے کے مال پر قبضہ کیا ہے تو ہلاک ہونے پر ضمان لازم ہوگا، اس کا جواب ہے کہ مالک کی اجازت سے نفع اٹھانے کے لئے قبضہ کیا ہے، اس لئے اس قبضہ میں تعدی نہیں ہے، اس لئے ضمان لازم نہیں ہوگا

ترجمہ :٤؎ واپس کرنا اس لئے واجب ہے کہ اس کا خرچ مستعیر پر پڑے گا، جیسے امانت کی چیز کا خرچ مستعیر پر ہوتا ہے، قبضہ توڑنے کے لئے نہیں ہے

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ امانت کی چیز کو واپس کرنا پڑتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کے ہلاک ہونے پر ضمان ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چیز اس لئے واپس کرنا پڑتا ہے کہ اگر گائے امانت پر ہو تو اس کے کھانے کا خرچ مستعیر پر لازم ہوگا، اور گائے واپس نہیں کرے گا تو اس کے کھانے کا خرچ بلا وجہ مستعیر پر ہوتا رہے گا، اس لئے اس کو واپس کرنا واجب ہوتا ہے، اس لئے یہ ضمان لازم ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ چیز مالک کی ہے اس لئے اس کو واپس کرنا ہی چاہئے

لغت: مونۃ: خرچہ۔ المستعار: مانگی ہوئی چیز۔

ترجمہ :٥؎ اور بھاو کے طور پر قبضہ کرنے میں بیع کے عقد کی وجہ سے ہی ضمان لازم ہوتا ہے، اس لئے عقد کی وجہ سے قبضہ کیا ہے اس لئے اس کا حکم بھی عقد ہی کا حکم ہوگا، اس بات کو اس کی جگہ میں بیان کیا جائے گا

تشریح: یہ بھی امام شافعی کو جواب ہے، انہوں نے دلیل دی تھی کہ بھاو کے طور پر لینے میں ہلاک ہو جائے تو ضمان لازم ہوگا، اسی طرح یہاں بھی لازم ہوگا۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ۔ یہ بیع کی وجہ سے قبضہ کیا ہے، اور بیع میں قبضہ کرنے سے قیمت دینا پڑتا ہے، اس لئے بھاو کے طور پر لیا ہے تو بیع کی طرح ضمان دینا ہوگا۔ اور عاریت میں مفت لیا ہے، اس لئے ہلاک ہو جائے تو مفت ہی رہے گا۔

(۱۰۰۹)قَالَ (وَلَيْسَ لِلْمُسْتَعِيرِ أَنْ يُؤَاجِرَ مَا اسْتَعَارَهُ؛ فَإِنْ آجَرَهُ فَعَطِبَ ضَمِنَ) ؛ ۱ لِأَنَّ الْإِعَارَةَ دُونَ الْإِجَارَةِ وَالشَّيْءُ لَا يَتَضَمَّنُ مَا هُوَ فَوْقَهُ، وَلِأَنَّا لَوْ صَحَّحْنَاهُ لَا يَصِحُّ إلَّا لَازِمًا؛ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ بِتَسْلِيطٍ مِنَ الْمُعِيرِ، وَفِي وُقُوعِهِ لَازِمًا زِيَادَةُ ضَرَرٍ بِالْمُعِيرِ لِسَدِّ بَابِ الِاسْتِرْدَادِ إلَى انْقِضَاءِ مُدَّةِ الْإِجَارَةِ فَأَبْطَلْنَاهُ، ۲ فَإِنْ آجَرَهُ وَضَمِنَهُ حِينَ سَلَّمَهُ؛ لِأَنَّهُ إذَا لَمْ تَتَنَاوَلْهُ الْعَارِيَّةُ كَانَ غَصْبًا، ۳ وَإِنْ شَاءَ الْمُعِيرُ ضَمَّنَ الْمُسْتَأْجِرَ؛ لِأَنَّهُ قَبَضَهُ بِغَيْرِ إذْنِ الْمَالِكِ لِنَفْسِهِ،

ترجمه :(۱۰۰۹)عاریت پر لینے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ چیز کو جس کو عاریت پر لیا ہو اس کو اجرت پر رکھے۔ پس اگر اجرت پر رکھا اور ہلاک ہو گئی تو ضامن ہو گا۔

ترجمه :۱ اس لئے کہ عاریت اجرت سے کم ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ چیز اپنے سے اوپر کو شامل نہیں ہوتی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ہم اجرت پر دینا صحیح کر دیں، تو اجرت لازم ہو جائے گی، اور اس وقت معیر کے مسلط کرنے سے ہو گا، اور اس کے لازم کرنے میں معیر کو زیادہ نقصان ہے، کیونکہ اجرت کی مدت کے ختم ہونے تک واپس کرنا مشکل ہے، اس لئے ہم نے اجرت پر دینے کو باطل کر دیا

تشریح :جس چیز کو عاریت پر لیا اس کو اجرت پر نہیں رکھ سکتا۔ اور اگر اجرت پر رکھ دیا اور ہلاک ہو گئی تو عاریت پر لینے والا اس کا ضامن ہو جائیگا۔

وجه :(۱)اس لئے کہ اجرت اعلی درجہ کا معاملہ ہوا اور عاریت ادنی درجہ کا معاملہ ہے اس لئے ادنی درجہ کا معاملہ اعلی درجے کو شامل نہیں ہو گا (۲) مثلا عاریت کو تین دن کے لئے اجرت پر رکھ دیا تو وہ تین دن سے پہلے واپس نہیں دے گا اور عاریت والا مثلا ابھی فورا واپس مانگ لے گا تو تین دن تک کیسے رکھ سکے گا، اس میں مالک کو نقصان ہے۔ اس لئے بھی عاریت والا اجرت پر نہیں رکھ سکتا۔

لغت :معیر :عاریت پر دینے والا، مالک۔ مستعیر :عاریت پر لینے والا۔ مستاجر :اجرت پر لینے والا۔ آجر :اجرت پر دینا۔

ترجمه :۲ پس اگر عاریت والے نے اجرت پر رکھ دی، جس وقت اجرت پر دیا اس وقت ضمان لازم ہو گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عاریت اجرت کو شامل نہیں ہے تو یہ غصب ہوا (اس لئے مستعیر پر ضمان لازم ہو گا)

تشریح :عاریت پر لینے والے کو اجرت پر دینے کا حق نہیں تھا، لیکن اجرت پر دے دیا تو یہ غصب کرنا ہوا اس لئے چیز کے ہلاک ہونے پر ضمان لازم ہو گا، اور جس وقت اجرت پر دیا اس وقت ضمان لازم ہو گا، اس سے پہلے نہیں کیونکہ اس سے پہلے عاریت باقی ہے

ترجمه :۳ معیر چاہے تو مستاجر کو ضامن بنا دے، اس لئے کہ مالک کی اجازت کے بغیر اپنے لئے قبضہ کیا ہے، (اور چاہے تو خود مستعیر کو ضامن بنا دے)

تشریح :جب مستعیر نے مالک کی اجازت کے بغیر اجرت پر دے دیا تو مستعیر کو بھی ضامن بنا سکتا ہے، اور مستاجر نے معلوم تھا کہ یہ چیز عاریت کی ہے اس کے باوجود اس نے غیر کی چیز کو اپنے لئے قبضہ کیا، اور ہلاک کر دیا تو اس سے بھی ضمان لیا جا سکتا ہے

٤ ثُمَّ إِنْ ضَمِنَ الْمُسْتَعِيرُ لَا يَرْجِعُ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ؛ لِأَنَّهُ ظَهَرَ أَنَّهُ آجَرَ مِلْكَ نَفْسِهِ، وَإِنْ ضَمِنَ الْمُسْتَأْجِرُ يَرْجِعُ عَلَى الْمُؤَاجِرِ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهُ كَانَ عَارِيَّةً فِي يَدِهِ دَفْعًا لِضَرَرِ الْغُرُورِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا عَلِمَ .

(١٠١٠)قَالَ (وَلَهُ أَنْ يُعِيرَهُ إِذَا كَانَ لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ) ١ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَيْسَ لَهُ أَنْ

ترجمہ:٤ پھر اگر مستعیر کو ضامن بنایا تو وہ مستاجر سے نہیں لے گا اس لئے کہ ضمان دینے کے بعد ظاہر ہوا کہ اس نے اپنی چیز اجرت پر دی ہے، اور اگر مستاجر کو ضامن بنایا تو وہ مستعیر سے واپس لے گا، اگر اس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ مستعیر کے قبضے میں یہ عاریت کی چیز ہے، دھوکے کے نقصان کو دفع کرنے کے لئے، بخلاف مستاجر کو علم ہو تو (وہ مستعیر سے وصول نہیں کرے گا)

تشریح: مستعیر نے جب چیز کا ضمان دے دیا تو یہ چیز اب اس کی ہوگئی، اور گویا کہ اپنی چیز اجرت پر دی ہے اس لئے یہ اب مستاجر سے ضمان نہیں لے گا۔ اور اگر مستاجر سے ضمان لیا، اور اس کو معلوم نہیں تھا کہ یہ چیز عاریت کی ہے تو چونکہ اس کو دھوکا ہوا ہے، اس لئے یہ ضمان کی رقم مستعیر سے وصول کرے گا۔ اور اگر اس کو معلوم تھا کہ یہ چیز عاریت کی ہے اس کے باوجود اس نے اجرت پر لے لی، اور ہلاک کر دی تو وہ بھی ہلاک کرنے میں شریک ہے اور اس کو کوئی دھوکا بھی نہیں ہوا ہے، اس لئے وہ اب مستعیر سے وصول نہیں کرے گا

ترجمہ: (١٠١٠) اور عاریت پر لینے والے کے لئے جائز ہے کہ اس کو دوسرے کو عاریت پر دے دے جبکہ استعمال کرنے والے کے استعمال کرنے سے مستعار چیز متغیر نہ ہوتی ہو۔

تشریح: اگر استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے چیز میں خرابی پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو تو عاریت لینے والا دوسرے کو استعمال کرنے کے لئے دے سکتا ہے۔

وجہ: (١) جیسے کودال یا تلوار اس کے استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے کوئی زیادہ فرق نہیں پڑتا ہے اس لئے خود استعمال کرے یا مزدور کو استعمال کرنے کے لئے دے کوئی فرق نہیں پڑے گا (٢) حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت صفوان سے جنگ حنین کے وقت تیس سے چالیس زرہیں عاریت پر لیں اور ان کو صحابہ کو عاریت کے طور پر استعمال کرنے کے لئے دیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے عن اناس من آل عبد الله بن صفوان ... فاعاره مابين الثلاثين الى الاربعين درعا وغزا رسول الله حنينا فلما هزم المشركون جمعت دروع صفوان ففقد منها ادراعا (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ، ص ١٤٥، نمبر ٣٥٦٣) اس حدیث میں حضرت صفوان سے زرہ لیکر صحابہ کو عاریت پر استعمال کرنے کے لئے آپ ﷺ نے دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عاریت لینے والا دوسروں کو عاریت پر دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ١ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مستعیر کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسروں کو عاریت پر دے اس کی وجہ یہ ہے کہ عاریت میں منافع کو مباح کرنا ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا ہے، اور مباح چیز کو دوسروں کو مالک نہیں بنا سکتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ

يُعِيرَهُ؛ لِأَنَّهُ إِبَاحَةُ الْمَنَافِعِ عَلَى مَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ، وَالْمُبَاحُ لَهُ لَا يَمْلِكُ الْإِبَاحَةَ، وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْمَنَافِعَ غَيْرُ قَابِلَةٍ لِلْمِلْكِ لِكَوْنِهَا مَعْدُومَةً، وَإِنَّمَا جَعَلْنَاهَا مَوْجُودَةً فِي الْإِجَارَةِ لِلضَّرُورَةِ وَقَدْ انْدَفَعَتْ بِالْإِبَاحَةِ هَاهُنَا. ٢ وَنَحْنُ نَقُولُ: هُوَ تَمْلِيكُ الْمَنَافِعِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا فَيَمْلِكُ الْإِعَارَةَ كَالْمُوصَى لَهُ بِالْخِدْمَةِ، ٣ وَالْمَنَافِعُ اُعْتُبِرَتْ قَابِلَةً لِلْمِلْكِ فِي الْإِجَارَةِ فَتُجْعَلُ كَذَلِكَ فِي الْإِعَارَةِ دَفْعًا لِلْحَاجَةِ، ٤ وَإِنَّمَا لَا تَجُوزُ فِيمَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ دَفْعًا لِمَزِيدِ الضَّرَرِ عَنِ الْمُعِيرِ؛ لِأَنَّهُ رَضِيَ بِاسْتِعْمَالِهِ لَا بِاسْتِعْمَالِ غَيْرِهِ. قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَهَذَا إِذَا صَدَرَتْ الْإِعَارَةُ مُطْلَقَةً

منافع مالک بنانے کے قابل نہیں ہوتا اس لئے یہ وہ معدوم ہوتا ہے، ہم نے اجرت میں ضرورت کی وجہ سے موجود مانا ہے، اور مباح کرنے سے یہاں پوری ہوگئی ہے

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ مستعیر کو یہ حق نہیں ہے کہ دوسروں کو عاریت پر دے

وجہ: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ منافع ایسی چیز نہیں ہیں کہ اس کا مالک بنائے، وہ صرف مباح کرنے کے لئے ہے، اور کوئی چیز مباح ہو تو اس کو دوسروں کو مالک نہیں بنا سکتے، اس لئے مستعیر کو یہ حق نہیں ہے کہ کسی کو عاریت پر دے

ترجمہ: ۲ ہم یہ کہتے ہیں کہ عاریت میں منافع کا مالک بنانا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا اس لئے وہ عاریت پر دینے کا بھی مالک بنے گا، جیسے کسی کو خدمت کے لئے وصیت کی تو وہ دوسروں کو بھی عاریت پر دے سکتا ہے

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ عاریت میں منافع کا مالک بنانا ہوتا ہے، جیسے پہلے گزر چکا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ زید نے عمر کے لئے یہ وصیت کی کہ میرا غلام اس کی خدمت کرے گا تو عمر کو یہ بھی حق ہے کہ اس غلام کو دوسروں کی خدمت کے لئے دے، اسی طرح جس کو عاریت پر دیا تو اس کو یہ بھی حق ہے کہ دوسروں کو استعمال کے لئے دے

ترجمہ: ۳ اور اجرت کو منافع کو مالک بنانے کے قابل سمجھا گیا ہے اس لئے ضرورت پوری کرنے کے لئے عاریت میں بھی ایسا ہی کیا جائے گا

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ اجرت میں ضرورت کی وجہ سے منافع کو مالک بنانے کے قابل مانا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ عاریت میں بھی ضرورت ہے، اس لئے یہاں بھی منافع کو مالک بنانے کے قابل مان لیا جائے، اور دوسروں کو عاریت پر دینے کا حق ہو۔

ترجمہ: ۴ استعمال کرنے والے کے بدلنے سے چیز متغیر ہو جائے تو عاریت پر دینا اس لئے جائز نہیں ہے کہ مالک کو زیادہ نقصان نہ ہو جائے، اس لئے کہ مالک اس کے استعمال سے راضی ہوا ہے دوسرے کے استعمال سے راضی نہیں ہوا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ جب ہے کہ مطلق عاریت پر دیا ہو

تشریح: مثلا اعلی قسم کی مشین ہے جو ہر کوئی نہیں چلا سکتا، اس کو زید نے عمر ماہر فن کو چلانے کے لئے دیا تو عمر دوسرے کو یہ

۵؎ وَهِيَ عَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ: أَحَدُهَا أَنْ تَكُونَ مُطْلَقَةً فِي الْوَقْتِ وَالِانْتِفَاعِ فَلِلْمُسْتَعِيرِ فِيهِ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهِ أَيَّ نَوْعٍ شَاءَ فِي أَيِّ وَقْتٍ شَاءَ عَمَلًا بِالْإِطْلَاقِ. وَالثَّانِي أَنْ تَكُونَ مُقَيَّدَةً فِيهِمَا فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُجَاوِزَ فِيهِ مَا سَمَّاهُ عَمَلًا بِالتَّقْيِيدِ إلَّا إذَا كَانَ خِلَافًا إلَى مِثْلِ ذَلِكَ أَوْ إلَى خَيْرٍ مِنْهُ وَالْحِنْطَةُ مِثْلُ الْحِنْطَةِ. وَالثَّالِثُ أَنْ تَكُونَ مُقَيَّدَةً فِي حَقِّ الْوَقْتِ مُطْلَقَةً فِي حَقِّ الِانْتِفَاعِ. وَالرَّابِعُ عَكْسُهُ وَلَيْسَ

مشین عاریت پر نہیں دے سکتا، کیونکہ دوسروں کو دینے سے مشین خراب ہوسکتی ہے اور زید کو بہت نقصان ہوسکتا ہے

ترجمہ:۵؎ عاریت کی چار قسمیں ہیں۔۱۔پہلی یہ ہے کہ وقت بھی مطلق ہو اور نفع حاصل کرنا بھی مطلق ہو، تو مستعیر کے لئے جائز ہے کہ جون سا نفع حاصل کرنا چاہے، اور جس دن چاہے کرسکتا ہے اطلاق پر عمل کرتے ہوئے۔۲۔اور دوسری یہ ہے کہ وقت بھی متعین ہو اور نفع حاصل کرنے کی قسموں میں بھی قید ہو، تو جتنا متعین کیا ہے اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے تقید پر عمل کرتے ہوئے (جیسے دو دن کے لئے گیہوں لادنے کے لئے گھوڑا عاریت پر لیا ہو)، ہاں اسی کی مثل یا اس سے بہتر ہو تو اس کی گنجائش ہے، اور گیہوں گیہوں کی مثل ہے (جیسے پچاس کلو گیہوں لادنے کے لئے دو دن کے لئے گھوڑا لیا اور اس پر پچاس کلو روئی لاد دیا تو جائز ہوگا)۔۳۔اور تیسری صورت یہ ہے کہ وقت کے بارے میں مقید ہو اور نفع حاصل کرنے کے بارے میں مطلق ہو۔اور چوتھی صورت یہ ہے کہ اس کا الٹا ہو (یعنی نفع کے بارے میں مقید ہو اور وقت کے بارے میں مطلق ہو، تو مستعیر کے لئے جائز نہیں ہے جتنا مقید کیا ہے اس سے تجاوز کرے

تشریح : یہاں عاریت پر دینے کی چار صورتیں بیان کر رہے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں کہ اگر وقت کی نفع حاصل کرنے کی قسموں کے بارے میں کوئی قید نہیں لگائی ہے تو مستعیر کے لئے جائز ہے جب جب چاہے، اور جیسا چاہے نفع اٹھائے، لیکن اگر وقت متعین کیا ہے، یا نفع حاصل کرنے کی قسم کو متعین کیا ہے تو اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے، اور کر گیا، اور چیز خراب ہوگئی تو ضمان لازم ہوگا۔البتہ اتنا اصول بتا رہے ہیں کہ جس قسم کے نفع کی اجازت دی ہے اس سے ہلکا استعمال کیا ہے تو اس کی گنجائش ہے، مثلا گھوڑے پر پچاس کلو گیہوں لادنے کی اجازت دی ہے، تو پچاس کلو روئی لاد سکتا ہے، کیونکہ وہ ہلکی ہوتی ہے، لیکن پچاس کلو لوہا گھوڑے پر نہیں لاد سکتا کیونکہ اس سے اس کی پیٹھ چھل جائے گی۔

۱۔وقت بھی مطلق ہو، اور نفع کی قسم بھی مطلق ہو۔جیسے گھوڑا عاریت پر دیا، اور وقت بھی متعین نہیں کیا، اور اس پر کیا لادے گا یہ بھی متعین نہیں کیا

۲۔ وقت بھی متعین ہو، اور نفع کی قسم بھی متعین ہو، جیسے گھوڑا عاریت پر دیا، اور وقت بھی دو دن متعین کیا، اور اس پر گیہوں لادے گا یہ بھی متعین کیا

۳۔وقت متعین کیا، اور نفع متعین نہیں کیا۔جیسے گھوڑا عاریت پر دیا، اور وقت بھی دو دن متعین کیا، اور اس پر کیا لادے گا یہ متعین نہیں کیا

لَـهُ أَنْ يَتَعَدَّى مَا سَمَّاهُ، ٦ فَـلَـوُ اسْتَـعَارَ دَابَّةً وَلَمْ يُسَمِّ شَيْئًا لَهُ أَنْ يَحْمِلَ وَيُعِيرَ غَيْرَهُ لِلْحَمْلِ؛ لِأَنَّ الْحَمْلَ لَا يَتَفَاوَتُ .٧ وَلَهُ أَنْ يَرْكَبَ وَيُرْكِبَ غَيْرَهُ وَإِنْ كَانَ الرُّكُوبُ مُخْتَلِفًا؛ لِأَنَّهُ لَمَّا أُطْلِقَ فِيهِ فَلَـهُ أَنْ يُعَيِّـنَ، حَتَّى لَوْ رَكِبَ بِنَفْسِهِ لَيْسَ لَهُ أَنْ يُرْكِبَ غَيْرَهُ؛ لِأَنَّهُ تَعَيَّنَ رُكُوبُهُ، وَلَوْ أَرْكَبَ غَيْرَهُ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَرْكَبَهُ حَتَّى لَوْ فَعَلَهُ ضَمِنَهُ؛ لِأَنَّهُ تَعَيَّنَ الْإِرْكَابُ .

(١٠١١)قَالَ: (وَعَارِيَّةُ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ وَالْمَعْدُودِ قَرْضٌ)؛ ١ لِأَنَّ الْإِعَارَةَ تَمْلِيكُ الْمَنَافِعِ، وَلَا يُمْكِنُ الِانْتِفَاعُ بِهَا إِلَّا بِاسْتِهْلَاكِ عَيْنِهَا فَاقْتَضَى تَمْلِيكُ الْعَيْنِ ضَرُورَةً

٤۔ وقت متعین نہیں کیا، اور نفع متعین کیا، جیسے گھوڑا عاریت پر دیا، اور وقت متعین نہیں کیا، اور اس پر گیہوں لادے گا یہ متعین کیا

ترجمہ: ٦ پس اگر جانور کو عاریت پر لیا اور کوئی چیز متعین نہیں کی تو مستعیر کو اختیار ہے کہ خود لادے، اور یہ بھی اختیار ہے کہ دوسرے کو لادنے کے لئے دے، اس لئے کہ لادنے میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا،

تشریح: عاریت پر لیا اور مطلق تھا تو گھوڑے پر کوئی سامان لادے تو اس میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے، اس لئے خود بھی سامان لادسکتا ہے اور خادم کو بھی سامان لادنے کا کہہ سکتا ہے، کیونکہ حکم مطلق ہے

ترجمہ: ٧ اور اس کو یہ حق ہے کہ خود سوار ہو اور دوسروں کو سوار ہونے کے لئے دے، چاہے سوار ہونا مختلف انداز کا ہوتا ہے، اس لئے کہ جب مطلق اجازت دی تو مستعیر کو اختیار ہے کہ متعین کرے، یہاں تک کہ اگر خود سوار ہوا تو اب دوسروں کو سوار نہیں کرسکتا ہے، اس لئے کہ اس کی سواری کو متعین کردیا ہے، اور اگر دوسرے کو سوار کردیا تو اب خود سوار نہیں ہوسکتا ہے، یہاں تک کہ اگر ایسا کیا تو ضامن ہوجائے گا، اس لئے کہ سوار کو متعین کردیا ہے۔

اصول: سوار سوار میں فرق ہوتا ہے، اس لئے مطلق عاریت میں سوار کے متعین کرنے کا اختیار مستعیر کو ہوگا، اور ایک مرتبہ متعین کرنے کے بعد اب اس کو بدل نہیں سکتا ہے

تشریح: سوار ہونے میں فرق ہوتا ہے، کوئی ماہر ہوتا ہے تو اس سے جانور کو تکلیف نہیں ہوتی ہے، اور کوئی ماہر نہیں ہوتا ہے تو اس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے، اس لئے اگر گھوڑا مطلق عاریت پر دیا تو مستعیر کو سوار کو متعین کرنے کا اختیار ہوگا، لیکن سوار متعین کرنے کے بعد اب دوسرے سوار کو گھوڑے پر سوار نہیں کرسکتا ہے۔ اب اگر خود سوار ہوا تو دوسرے کو سوار نہیں کرسکتا ہے، اور دوسرے کو ایک دفعہ سوار کردیا تو اب خود سوار نہیں ہوسکتا ہے، اور اگر خود سوار ہوا تو ضامن بن جائے گا، کیونکہ اب سوار متعین ہوچکا ہے

ترجمہ: (١٠١١) درہم، دینار اور کیلی چیز اور وزنی چیز کی عاریت قرض ہے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ عاریت کا مطلب منافع کا مالک بنانا ہے، اور درہم وغیرہ سے چیز کو ہلاک کئے بغیر نفع نہیں اٹھا سکتا ہے، اس لئے مجبوراً عین کے مالک بنانے کا تقاضہ کرتا ہے، اور یہ ہبہ سے ہوگا یا قرض سے ہوگا، اور قرض ادنی درجے کا ہے، (اس لئے قرض شمار کیا جائے گا) اور اس لئے کہ عاریت کا قضیہ یہ ہے کہ نفع حاصل کرے اور عین چیز واپس کردے، تو مثل کو اصل کے قائم مقام کردیا گیا ہے

وَذٰلِکَ بِالْهِبَةِ أَوْ بِالْقَرْضِ وَالْقَرْضُ أَدْنَاهُمَا فَيَثْبُتُ . أَوْ؛ لِأَنَّ مِنْ قَضِيَّةِ الْإِعَارَةِ الِانْتِفَاعَ وَرَدَّ الْعَيْنِ فَأُقِيمَ رَدُّ الْمِثْلِ مَقَامَهُ . ٢ قَالُوا: هَذَا إِذَا أَطْلَقَ الْإِعَارَةَ .أَمَّا إِذَا عَيَّنَ الْجِهَةَ بِأَنِ اسْتَعَارَ دَرَاهِمَ لِيُعِيرَ بِهَا مِيزَانًا وَيُزَيِّنَ بِهَا دُكَّانًا لَمْ تَكُنْ قَرْضًا وَلَا يَكُونُ لَهُ إِلَّا الْمَنْفَعَةُ الْمُسَمَّاةُ، وَصَارَ كَمَا إِذَا اسْتَعَارَ آنِيَةً يَتَجَمَّلُ بِهَا أَوْ سَيْفًا مُحَلًّى يَتَقَلَّدُهُ .

(١٠١٢) قَالَ (وَإِذَا اسْتَعَارَ أَرْضًا لِيَبْنِيَ فِيهَا أَوْ لِيَغْرِسَ جَازَ

تشریح :عاریت کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز بحال ہی رہے اور عاریت پر لینے والا صرف اس کے نفع سے فائدا اٹھائے پھر وہ چیز بعینہ واپس کردے۔ جیسے تلوار سے قتال کرلے اور تلوار بعینہ واپس کردے۔لیکن درہم اور دینار اور کیلی اور وزنی چیز سے فائدہ اٹھانے کی صورت یہ ہوگی کہ وہ چیز ہی ختم ہو جائے گی۔مثلا درہم اور دینار خرچ ہو جائیں گے اور گیہوں اور کھجور کھا جائیں گے۔اور اس کے مثل واپس کریں گے اس لئے یہ چیزیں عاریت کہہ کرلے تو وہ قرض ہوں گی۔

وجه: کیونکہ قرض میں عین چیز ہلاک کرکے اس کا مثل واپس کرتے ہیں۔

ترجمه:٢ علماء نے فرمایا یہ اس وقت ہے جبکہ عاریت مطلق ہو،لیکن اگر عاریت کی جہت متعین کردے،مثلا درہم کو عاریت پر لیا تا کہ باٹ ٹھیک کرے، یا دکان کو مزین کرے تو قرض نہیں ہوگا،اور مستعیر کے لئے یہ ہوگا متعین نفع حاصل کرے، جیسے برتن عاریت پر لے تا کہ اس سے گھر مزین کرے، یا قلادہ ڈالنے کے لئے جڑاو والی تلوار عاریت پر لے

لغت :: یعیر :عاور سے مشتق ہے، پیمانے کا اندازہ کرنا۔میزان: پیمانہ، باٹ۔ یتجمل :تجمل سے مشتق ہے خوبصورت بننا۔محلی : حلی سے مشتق ہے زیور والا ہونا، آراستہ ہونا۔یتقلد : قلادہ ڈالنا، قلادہ: یہ ایک پٹی ہوتی ہے جس کو گلے میں لٹکاتے ہیں،جس میں تلوار ڈالتے ہیں

تشریح :درہم اور دینار کے بارے میں یہ دوسری صورت عاریت کی بھی ہے جس میں اس سے فائدہ اٹھا کر بعینہ وہی درہم واپس کرسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ درہم کو باٹ کا موزنہ کے لئے ، یا شادی کے موقع پر گھر کی زینت کے لئے لے گیا تو یہ قرض کی صورت نہیں ہوگی، بلکہ عاریت کی صورت ہوگی، اور وہی درہم واپس کرسکتا ہے

ترجمه:(١٠١٢) اگر زمین عاریت پر لی تا کہ اس پر عمارت بنائے یا درخت لگائے تو جائز ہے۔

تشریح:زمین کو عاریت پر لے کر اس پر عمارت بنانا یا درخت لگانا جائز ہے۔

وجه کیونکہ مالک کی اجازت سے عمارت بنا رہا ہے اور درخت لگا رہا ہے (٢) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال لان یمنح الرجل اخاه ارضه خیر له من ان یأخذ علیها خرجا معلوما (مسلم شریف، باب الارض تمنح ،ص ١٤،نمبر ١٥٥٠/ابو داؤد شریف، باب فی المزارعة ،ص ١٢٤،نمبر ٣٣٨٩) اس حدیث میں ترغیب دی گئی ہے کہ زمین بونے کے لئے عاریت پر دینا چاہئے۔

ترجمه :(١٠١٣) عاریت پر دینے والے کے لئے جائز ہے کہ اس کو واپس لے لے اور مستعیر کو مکلّف بنائے گا عمارت

(١٠١٣)وَلِلْمُعِيرِ أَنْ يَرْجِعَ فِيهَا وَيُكَلِّفَهُ قَلْعَ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ) ١؎ أَمَّا الرُّجُوعُ فَلِمَا بَيَّنَّا، وَأَمَّا الْجَوَازُ فَلِأَنَّهَا مَنْفَعَةٌ مَعْلُومَةٌ تُمْلَكُ بِالْإِجَارَةِ فَكَذَا بِالْإِعَارَةِ .٢؎ وَإِذَا صَحَّ الرُّجُوعُ بَقِيَ الْمُسْتَعِيرُ شَاغِلًا أَرْضَ الْمُعِيرِ فَيُكَلَّفُ تَفْرِيغَهَا، ٣؎ ثُمَّ إنْ لَمْ يَكُنْ وَقَّتَ الْعَارِيَّةَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّ الْمُسْتَعِيرَ مُغْتَرٌّ

توڑنے کا اور درخت اکھاڑنے کا۔

ترجمہ:١؎ زمین واپس لینے کا حق اس وجہ سے ہے جو ہم نے بیان کیا، (کہ اس کی چیز ہے واپس لے سکتا ہے)، اور زمین عاریت پر لینا جائز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معلوم منفعت ہے اور اجرت میں مالک بن سکتا ہے تو ایسے ہی عاریت سے بھی مالک بن سکتا ہے

تشریح :اگر عاریت پر دینے والے نے عاریت کے لئے کوئی وقت متعین نہیں کیا تھا تو اپنی زمین کسی بھی وقت واپس لینے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔اور کہہ سکتا ہے کہ اپنی عمارت توڑ لو اور اپنا درخت اکھیڑ لو اور بالکل خالی کر کے میری زمین واپس کرو۔اور چونکہ کوئی وقت متعین نہیں تھا اس لئے توڑنے اور درخت اکھیڑنے کے نقصان کا ضمان بھی زمین والے پر لازم نہیں ہوگا۔

وجہ : کیونکہ کوئی وقت متعین نہیں تھا اس لئے زمین والے نے مکان بنانے والے یا درخت لگانے والے کو دھوکا نہیں دیا۔اس لئے زمین والے پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا۔اور اگر وقت متعین تھا اور وقت متعینہ سے پہلے عمارت توڑنے اور درخت کاٹنے کے لئے کہا تو چونکہ دھوکا دیا اس لئے زمین والا عمارت ٹوٹنے کے نقصان کا ضمان دے گا اور درخت کٹنے کے نقصان کا ضمان ادا کرے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر زمین والے نے دھوکا نہیں دیا ہے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔اور اگر دھوکا دیا ہو تو اس پر ضمان لازم ہوگا۔

لغت:معیر : عاریت پر دینے والا، قلع، اکھیڑنا، وقت: وقت متعین کرنا۔

ترجمہ:٢؎ اور جب مالک کا رجوع کرنا صحیح ہے تو یوں ہوا کہ مستعیر نے معیر کی زمین کو مشغول کئے رکھا ہے، اس لئے اس کو خالی کرنے کا حکم دیا جائے گا

تشریح:واضح ہے

ترجمہ :٣؎ پس اگر عاریت کی مدت متعین نہیں کی تو معیر پر ضمان نہیں ہے۔اس لئے کہ مستعیر نے خود دھوکا کھایا ہے کہ (ہمیشہ کے لئے درخت لگا دیا) اس کو معیر نے دھوکا نہیں دیا ہے، اس طرح کہ عقد کے مطلق ہونے پر اعتماد کر لیا، جبکہ معیر کی جانب سے ہمیشہ کا کوئی وعدہ نہیں ہے

تشریح :معیر کی جانب سے وقت متعین نہیں تھا اور مستعیر نے اپنے خیال میں سمجھا کہ سو سال کے لئے مجھے زمین دے دی، اور دیر تک رہنے والے درختوں کو لگا دیا تو یہ غلطی مستعیر کی ہے، مالک کی نہیں ہے، اس لئے درخت اکھاڑنے میں یا عمارت گرانے کا جو نقصان ہوگا وہ مالک نہیں دے گا

غَيْـرُ مَغْرُورٍ حَيْثُ اعْتَمَدَ إِطْلَاقَ الْعَقْدِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَسْبِقَ مِنْهُ الْوَعْدُ ۴؎ وَإِنْ كَانَ وَقَّتَ الْعَارِيَّةَ وَرَجَعَ قَبْـلَ الْـوَقْـتِ صَحَّ رُجُوعُهُ لِمَا ذَكَرْنَاهُ وَلَكِنَّهُ يُكْرَهُ لِمَا فِيهِ مِنْ خُلْفِ الْوَعْدِ . ۵؎ (وَضَمِنَ الْمُعِيرُ مَا نَـقَـصَ الْبِـنَاءَ وَالْغَرْسَ بِالْقَلْعِ)؛ لِأَنَّـهُ مَـغْـرُورٌ مِـنْ جِهَتِـهِ حَيْـثُ وَقَّتَ لَهُ، وَالظَّاهِرُ هُوَ الْوَفَاءُ بِالْعَهْدِ وَيَرْجِعُ عَلَيْهِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْ نَفْسِهِ . كَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ فِي الْمُخْتَصَرِ . ٦؎ وَذَكَرَ الْحَاكِمُ الشَّهِيدُ أَنَّـهُ يَضْمَنُ رَبُّ الْأَرْضِ لِلْمُسْتَعِيرِ قِيمَةَ غَرْسِهِ وَبِنَائِهِ وَيَكُونَانِ لَهُ، إلَّا أَنْ يَشَاءَ الْمُسْتَعِيرُ أَنْ يَرْفَعَهُمَا

لغت:مغتر :خود دھوکا کھایا ہے۔غیر مغرور:کسی نے دھوکا نہیں دیا ہے

ترجمہ:۴؎ اور اگر عاریت کا وقت متعین کیا اور وقت سے پہلے واپس لیا، تو اس کا واپس لینا صحیح ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے ذکر کی (کہ اس کی چیز ہے واپس لے سکتا ہے)، لیکن یہ مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں وعدہ خلافی ہے

تشریح:واضح ہے

ترجمہ :۵؎ لیکن عاریت پر دینے والا عاریت پر لینے والے کا ذمہ دار ہوگا جتنا نقصان ہوا دیوار ٹوٹنے کا اور درخت اکھیڑنے کا۔اس لئے کہ مالک کی جانب سے اس کو دھوکا ہوا ہے، کیونکہ مالک نے وقت متعین کیا تھا، اور ظاہر یہی ہے کہ وہ وعدہ کو پورا کرے گا، اس لئے اپنی ذات سے ضرر دفع کرنے کے لئے مستعیر مالک سے ضمان لیگا قدوری میں یہی ذکر کیا ہے

تشریح :مالک کی جانب سے عاریت کا وقت مثلا پانچ سال تھے، اور مستعیر نے درخت لگائے، اب مالک تین سال ہی میں زمین واپس مانگ رہا ہے تو مستعیر کو درخت کاٹنے ہوں گے، تو درخت کاٹنے کا جو نقصان ہوگا وہ مالک کو دینا ہوگا

وجہ: کیونکہ مالک نے دھوکا دیا ہے جس کی وجہ سے مستعیر کو نقصان ہوا ہے، اس لئے مستعیر مالک سے نقصان وصول کرے گا

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مالک کے وعدہ سے نقصان ہوا ہو مستعیر اس کو وصول کرے گا

ترجمہ:٦؎ اور حاکم شہیدؒ نے فرمایا کہ مالک پر درخت کی قیمت، اور عمارت کی قیمت لازم ہوگی، اور مستعیر کو قیمت ادا کرنے کے بعد یہ مکان اور درخت مالک کے ہوں گے، ہاں اگر مستعیر یہ چاہے کہ دونوں کو ہٹالے اور مالک کو اس کی قیمت کا ضامن نہ بنائے تو مستعیر کو اس کا بھی اختیار ہے، کیونکہ یہ مکان اور درخت مستعیر کی ملکیت ہے

تشریح : حاکم شہید نے یوں فرمایا کہ مالک زمین کو یہ بھی اختیار ہے کہ مکان اور درخت کی قیمت مستعیر کو ادا کردے، اور مکان اور درخت اپنے پاس رکھ لے، تا کہ بنی بنائی چیز کو توڑنے اور اکھاڑنے کی نوبت نہ آئے، ہاں یہ صورت بھی ہے کہ مستعیر خود درخت کاٹ لے، مکان توڑ دے اور مالک پر نقصان کا ضمان نہ لگائے تو ایسا بھی کرسکتا ہے، کیونکہ درخت اور مکان اس کی ملکیت ہے اس لئے وہ ایسا بھی کرسکتا ہے

لغت: الحاکم الشھید: ابوالفضل محمد بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن عبدالمجید بن اسماعیل بن الحاکم مروزی ہیں یہ حنفی ہیں اور مشہور حافظ حدیث ہیں

وَلا يُضَمِّنُهُ قِيمَتَهُمَا فَيَكُونَ لَهُ ذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ مِلْكُهُ .ے قَالُوا: إِذَا كَانَ فِي الْقَلْعِ ضَرَرٌ بِالْأَرْضِ فَالْخِيَارُ إِلَى رَبِّ الْأَرْضِ؛ لِأَنَّهُ صَاحِبُ الْأَصْلِ وَالْمُسْتَعِيرُ صَاحِبُ تَبَعٍ وَالتَّرْجِيحُ بِالْأَصْلِ،

(۱۰۱۴)وَلَوْ اسْتَعَارَهَا لِيَزْرَعَهَا لَمْ تُؤْخَذْ مِنْهُ حَتَّى يَحْصُدَ الزَّرْعَ وَقَّتَ أَوْ لَمْ يُوَقِّتْ .؛ ا لِأَنَّ لَهُ نِهَايَةً مَعْلُومَةً، وَفِي التَّرْكِ بِالتَّبَعِ مُرَاعَاةُ الْحَقَّيْنِ، بِخِلَافِ الْغَرْسِ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ نِهَايَةٌ مَعْلُومَةٌ فَيُقْلَعُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْ الْمَالِكِ.

(۱۰۱۵)قَالَ (وَأُجْرَةُ رَدِّ الْعَارِيَةِ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ)؛ ا لِأَنَّ الرَّدَّ وَاجِبٌ عَلَيْهِ لِمَا أَنَّهُ قَبَضَهُ لِمَنْفَعَةِ نَفْسِهِ وَالْأُجْرَةُ مُؤْنَةُ الرَّدِّ فَتَكُونُ عَلَيْهِ.

ترجمه :ے علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر اکھاڑنے میں زمین کو نقصان ہے تو زمین والے کو اختیار ہے (کہ درخت اکھاڑ کر نقصان ادا کرے، یا رہنے دے اور درخت کی قیمت مستعیر کو دے) اس لئے کہ مالک اصل ہے اور مستعیر تابع ہے اور ترجیح اصل کو ہوتی ہے

تشریح :درخت کو کاٹنے میں، یا مکان کو توڑنے میں زمین کا نقصان ہے تو زمین والے کو دونوں باتوں کا اختیار ہے، چاہے درخت کی قیمت ادا کرے، اور درخت رکھ لے کاٹے نہیں، اور یہ بھی اختیار ہے کہ درخت کو کاٹنے کے لئے کہے، کیونکہ وہ اصل ہے، اس کی زمین ہے

ترجمہ :(۱۰۱۴) اگر زمین کو کھیتی کرنے کے لئے عاریت پر لی تو کھیتی کٹنے تک مالک واپس نہیں لے سکتا ہے چاہے مالک زمین نے وقت متعین کیا ہو یا نہ کیا ہو

ترجمہ :اِاس کی وجہ یہ ہے کہ کھیتی پکنے کی ایک معلوم نہایت ہے (تین مہینے)، اور اجرت لیکر چھوڑ دے تو دونوں کے حقوق کی رعایت ہوگی، بخلاف درخت لگانے کے اس لئے کہ اس کی نہایت نہیں ہے (سوسال بھی درخت لگا رہے)، اس لئے مالک سے نقصان دفع کرنے کے لئے درخت اکھاڑ دیا جائے گا

تشریح:مالک نے دو مہینے کے لئے زمین گیہوں بونے کے لئے عاریت پر دی، اور گیہوں اس مدت میں پکی نہیں تو مالک کھیتی کٹوا نہیں سکتا ہے البتہ اس کی صورت یہ ہے کہ مستعیر ایک مہینے کے لئے زمین کو اجرت پر لے لے، اور گیہوں کٹنے تک زمین کو رکھے، اس میں مالک کو اجرت مل جائے گی، اور مستعیر کی کھیتی رہ جائے گی، کیونکہ کھیتی کی مدت تین ماہ معلوم ہے

ترجمہ:(۱۰۱۵) عاریت کے لوٹانے کی اجرت عاریت لینے والے پر ہے۔

ترجمہ :اِاس لئے کہ مستعیر پر چیز کو گھر تک چھوڑنا واجب ہے، اس لئے کہ اس نے اپنے فائدے کے لئے قبضہ کیا ہے، اور واپس کرنے کی اجرت لوٹانے کا خرچ ہے اس لئے مستعیر پر ہوگی

تشریح :دو قسم کی چیزیں ہیں۔ایک ہے چیز پر قبضہ ہے اس کو چھوڑ دے، ایسی صورت میں اس پر گھر تک پہنچانا واجب نہیں، اب

(١٠١٦)(وَأُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمُسْتَأْجَرَةِ عَلَى الْمُؤَجِّرِ) ‎لِ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ التَّمْكِينُ وَالتَّخْلِيَةُ دُونَ الرَّدِّ، فَإِنَّ مَنْفَعَةَ قَبْضِهِ سَالِمَةٌ لِلْمُؤَجِّرِ مَعْنًى فَلَا يَكُونُ عَلَيْهِ مُؤْنَةُ رَدِّهِ
(١٠١٧)(وَأُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوبَةِ عَلَى الْغَاصِبِ) ‎لِ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ الرَّدُّ وَالْإِعَادَةُ إِلَى يَدِ الْمَالِكِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ فَتَكُونَ مُؤْنَتُهُ عَلَيْهِ.

یہ مالک کی ذمہ داری ہے کہ اپنی چیز خود لیجائے ،اس صورت میں گھر تک لیجانے کی اجرت قابض پر نہیں ہے مالک پر ہے، جیسے اجرت کی چیز، دوسری ہے کہ لینے والے پر چیز کو مالک کے گھر تک پہنچانا ضروری ہے، ایسی صورت میں گھر تک پہنچانے کی اجرت قابض پر ہے، جیسے عاریت کی چیز کو مستعیر پر گھر تک چھوڑنے کی ذمہ داری ہے اس لئے لوٹانے کی اجرت مستعیر پر ہے

وجه: مستعیر نے اپنے فائدے کے لئے مفت عاریت کی چیز لائی تھی اب اس کو لوٹانا اور مالک کو سپرد کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے اس لئے واپس لوٹانے میں اجرت لگتی ہو تو یہ اجرت عاریت پر لینے والے پر ہوگی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کی ذمہ داری ہے اجرت اسی پر لازم ہوگی۔

ترجمه: (١٠١٦) اور اجرت پر لی ہوئی چیز کی اجرت اجرت پر دینے والے پر ہوگی۔

ترجمه: ‎لِ اس لئے کہ اجرت پر لینے والے کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ اپنا قبضہ چھوڑ دے، واپس گھر تک چھوڑنا اس کی ذمہ داری نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مستاجر کے قبضے کا نفع مالک کو معنی (اجرت کی شکل میں مل چکا ہے) اس لئے مستاجر پر واپس کرنے کا خرچہ نہیں ہوگا

وجه: اجرت پر لینے والے پر اجرت کی چیز واپس کرنا لازم نہیں ہوتا بلکہ صرف تخلیہ کر دینا کافی ہے تاکہ مالک اس کو خود واپس لے جائے۔ کیونکہ اس نے مفت میں چیز استعمال کرنے نہیں دی ہے بلکہ اجرت پر دی ہے، تو گویا کہ واپس کرنے کی اجرت اس کو مل چکی ہے۔ اس لئے واپس لے جانا بھی مالک ہی کے ذمہ ہے۔ اس لئے مالک ہی پر واپس کرنے کی اجرت لازم ہوگی۔ مستاجر پر نہیں

اصول: مستاجر پر قبضہ چھوڑنا ہے چیز کو گھر تک پہنچانا نہیں۔

لغت: المؤجر: اجرت پر دینے والا۔ المستاجر: اجرت پر لینے والا۔ تمکین: قدرت دینا۔ تخلیہ: تخلیہ کرنا چھوڑ دینا۔

نوٹ شرط کر لے تو مستاجر پر بھی اس کی اجرت ہوگی۔

ترجمه: (١٠١٧) غصب شدہ چیز کے لوٹانے کی اجرت غاصب پر ہوگی۔

ترجمه: ‎لِ اس لئے کہ غاصب پر واجب ہے کہ مالک کے گھر تک پہنچانا، مالک سے نقصان کو دفع کرنے کے لئے اس لئے اس کا خرچہ بھی غاصب پر ہوگا

وجه: غاصب زبردستی سامان لے کر گیا ہے اس لئے مالک تک پہنچانا اسی کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے واپس لوٹانے کی اجرت غاصب پر ہوگی۔

(۱۰۱۸)قَالَ: (وَإِذَا اسْتَعَارَ دَابَّةً فَرَدَّهَا إِلَى إِصْطَبْلِ مَالِكِهَا فَهَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْ) لـ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ، وَفِي الْقِيَاسِ يَضْمَنُ؛ لِأَنَّهُ مَا رَدَّهَا إِلَى مَالِكِهَا بَلْ ضَيَّعَهَا. وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ أُتِيَ بِالتَّسْلِيمِ الْمُتَعَارَفِ؛ لِأَنَّ رَدَّ الْعَوَارِيِّ إِلَى دَارِ الْمَالِكِ مُعْتَادٌ كَآلَةِ الْبَيْتِ تُعَارُ، ثُمَّ تُرَدُّ إِلَى الدَّارِ، وَلَوْ رَدَّهَا إِلَى الْمَالِكِ فَالْمَالِكُ يَرُدُّهَا إِلَى الْمَرْبِطِ فَصَحَّ رَدُّهُ. ٢ (وَإِنْ اسْتَعَارَ عَبْدًا فَرَدَّهُ إِلَى دَارِ الْمَالِكِ وَلَمْ يُسَلِّمْهُ إِلَيْهِ لَمْ يَضْمَنْ) لِمَا بَيَّنَّا

(۱۰۱۹)(وَلَوْ رَدَّ الْمَغْصُوبَ أَوْ الْوَدِيعَةَ إِلَى دَارِ الْمَالِكِ وَلَمْ يُسَلِّمْهُ إِلَيْهِ ضَمِنَ)؛ لـ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى

ترجمہ:(۱۰۱۸)اگر جانور عاریت پر لیا پھر اس کو اس کے مالک کے اصطبل تک لوٹا دیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح : جانور کو عموما اصطبل کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور اصطبل میں لوٹانا مالک کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے۔اس لئے عاریت لینے والے نے جانور کو مالک کے اصطبل کی طرف لوٹایا اور جانور ہلاک ہو گیا تو عاریت لینے والا ضامن نہیں ہوگا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایسی جگہ عاریت کی چیز رکھ دی جہاں مالک کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے تو اس سے وہ بری ہو جائے گا۔

ترجمہ :لـ یہ استحسان کا تقاضہ ہے، اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مستعیر ضامن ہو جائے گا، مالک کو نہیں پہنچایا، بلکہ جانور کو ضائع کر دیا، لیکن استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جو متعارف سپرد کرنا ہے وہ کر دیا، اس لئے کہ عادت یہی ہے کہ عاریت کی چیز مالک کے گھر پہنچاتے ہیں، جیسے گھر کا سامان عاریت پر لیتے ہیں، پھر مالک کے گھر پر پہنچا دیتے ہیں، اور اگر مالک کو ہی دیتا تو پھر مالک گھوڑے کو اصطبل ہی میں ڈالتا، اس لئے مستعیر کا واپس کرنا صحیح ہے

تشریح:گھوڑا عاریت پر لیا، پھر اس کو مالک کے ہاتھ میں نہیں دیا بلکہ اصطبل میں جا کر باندھ دیا تب بھی واپس کرنا شمار کیا جائے گا، کیونکہ عام عادت میں گھوڑے کو اصطبل ہی میں لیجا کر باندھتے ہیں، اس لئے اس سے مالک کا قبضہ شمار کیا جائے گا

لغت:المربط: ربط سے مشتق ہے، باندھنے کی جگہ، اصطبل۔العواری: عاریت سے مشتق ہے، عاریت کی چیز

ترجمہ :٢ اگر غلام کو عاریت پر لیا اور اس کو مالک کے گھر پر پہنچا دیا اور مالک کو سپرد نہیں کیا تب بھی ضامن نہیں ہوگا، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی ہے

وجہ:عاریت کو عام طور پر گھر پر پہنچایا جاتا ہے اس لئے غلام کو گھر پر پہنچا دیا تو سپرد کرنا ہو گیا، اس لئے ضمان لازم نہیں ہوگا

ترجمہ (۱۰۱۹) اگر غصب کی ہوئی چیز کو اور امانت کی چیز مالک کے گھر پر پہنچایا اور مالک کو سپرد نہیں کیا تو ہلاک ہونے پر ضامن ہوگا

ترجمہ :لـ اس کی وجہ یہ ہے کہ غاصب پر اپنے فعل کو ختم کرنا واجب ہے، اور یہ مالک کو سپرد کرنے سے ہوگا، دوسرے کو دینا کافی نہیں ہے

الْغَاصِبِ فَسْخُ فِعْلِهِ، وَذَلِكَ بِالرَّدِّ إلَى الْمَالِكِ دُونَ غَيْرِهِ، ٢ وَالْوَدِيعَةُ لا يَرْضَى الْمَالِكُ بِرَدِّهَا إلَى الدَّارِ وَلا إلَى يَدِ مَنْ فِي الْعِيَالِ؛ لِأَنَّهُ لَوْ ارْتَضَاهُ لَمَا أَوْدَعَهَا إيَّاهُ، بِخِلافِ الْعَوَارِيِّ؛ لِأَنَّ فِيهَا عُرْفًا، ٣ حَتَّى لَوْ كَانَتِ الْعَارِيَّةُ عُقْدَ جَوْهَرٍ لَمْ يَرُدَّهَا إلَّا إلَى الْمُعِيرِ؛ لِعَدَمِ مَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ الْعُرْفِ فِيهِ.

(١٠٢٠)قَالَ: (وَمَنْ اسْتَعَارَ دَابَّةً فَرَدَّهَا مَعَ عَبْدِهِ أَوْ أَجِيرِهِ لَمْ يَضْمَنْ) ١ وَالْمُرَادُ بِالْأَجِيرِ أَنْ يَكُونَ مُسَانَهَةً أَوْ مُشَاهَرَةً؛ لِأَنَّهَا أَمَانَةٌ، فَلَهُ أَنْ يَحْفَظَهَا بِيَدِ مَنْ فِي عِيَالِهِ كَمَا فِي الْوَدِيعَةِ، بِخِلافِ

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ غصب اور عاریت کی چیز گھر پر پہنچانا کافی نہیں مالک کے ہاتھ میں سپرد کرنا ضروری ہے

تشریح: اگر غصب کی چیز غاصب نے، یا امانت کی چیز کو امین نے مالک کے گھر پر پہنچایا، لیکن مالک کے ہاتھ میں سپرد نہیں کیا اور چیز ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا

وجہ: اس کی وجہ یہ کہ غاصب پر غصب کا چھوڑنا ضروری ہے، اور وہ اسی وقت ہوگا جب مالک کے ہاتھ میں سپرد کرے اور وہ نہیں کیا ہے اس لئے ضامن ہوگا

ترجمہ: ٢ اور امانت کا معاملہ یہ ہے کہ مالک گھر میں واپس کرنے یا اولاد وعیال میں واپس کرنے سے راضی نہیں ہے، کیونکہ اگر اس سے راضی ہوتا تو امین کے پاس امانت کیوں رکھتا، بخلاف عاریت کی چیز کے، اس لئے کہ اس عرف کا اعتبار ہے

تشریح: امانت کا معاملہ یہ ہے کہ گھر میں واپس کیا، یا مالک کے کسی اہل وعیال کو دے آیا تو یہ کافی نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عیال پر اعتماد ہوتا تو اس امین کے پاس کیوں امانت رکھتا، امین کے پاس امانت رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ عیال کے پاس امانت رکھنے سے راضی نہیں ہے، اس لئے امین نے عیال کے پاس واپس کیا اور ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا، اس کے برخلاف عاریت کی چیز کے، اس میں عرف کا اعتبار ہے، عرف میں جہاں رکھنا کافی سمجھا جاتا ہے وہاں رکھ آیا تو کافی ہے ضمان لازم نہیں ہوگا

وجہ: آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ان الله یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اهلها (الف) (آیت ۵۸ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ امانت مالک کو پہنچاؤ۔ اس لئے گھر والوں کو پہنچانے سے بری نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ٣ چنانچہ اگر عاریت جوہر ہے تو مالک کو ہی سپرد کرنا ہوگا، اس لئے یہ قیمتی چیز ہے، اس میں عرف نہیں ہے

تشریح: جوہر قیمتی پتھر ہوتا ہے، اگر اس کو عاریت پر لیا ہے تو چونکہ اس کے لوٹانے میں کوئی عرف نہیں ہے اس لئے مالک کے ہاتھ ہی میں دینے سے ضمان لازم نہیں ہوگا

ترجمہ: (١٠٢٠) کسی نے جانور عاریت پر لایا پھر اس کو غلام کے ساتھ واپس کیا، یا اپنے نوکر کے ساتھ واپس کیا تو ضامن نہیں ہوگا

ترجمہ: ١ اس نوکر سے مراد سال والا نوکر، یا مہینہ والا نوکر ہے، اس لئے یہ امانت کی چیز ہے اور مستعیر کو اختیار ہے کہ جو عیال میں ہے اس کے ہاتھ سے اس کی حفاظت کرے، جیسا کہ امانت میں ہوتا ہے، بخلاف یومیہ مزدور کے اس لئے کہ وہ اس

الْأَجِيرِ مُيَاوَمَةً؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي عِيَالِهِ .

(١٠٢١)(وَكَذَا إذَا رَدَّهَا مَعَ عَبْدِ رَبِّ الدَّابَّةِ أَوْ أَجِيرِهِ) ؛ ١ لِأَنَّ الْمَالِكَ يَرْضَى بِهِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ رَدَّهُ إلَيْهِ فَهُوَ يَرُدُّهُ إلَى عَبْدِهِ، ٢ وَقِيلَ هَذَا فِي الْعَبْدِ الَّذِي يَقُومُ عَلَى الدَّوَابِّ، وَقِيلَ فِيهِ وَفِي غَيْرِهِ وَهُوَ الْأَصَحُّ؛ لِأَنَّهُ إنْ كَانَ لَا يُدْفَعُ إلَيْهِ دَائِمًا يُدْفَعُ إلَيْهِ أَحْيَانًا .

(١٠٢٢)(وَإِنْ كَانَ رَدَّهَا مَعَ أَجْنَبِيٍّ ضَمِنَ) ١ وَدَلَّتِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى أَنَّ الْمُسْتَعِيرَ لَا يَمْلِكُ الْإِيدَا عَ

کے عیال میں نہیں ہے

اصول: عاریت کی چیز ان لوگوں کے ہاتھ سے واپس کر سکتا ہے جو اس کے عیال میں ہو

تشریح: سالانہ نوکر، یا ماہانہ نوکر آدمی کے عیال میں ہوتا ہے اس لئے عاریت کی چیز اس کے ہاتھ سے واپس کر سکتا ہے، ہلاک ہونے پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (١٠٢١) ایسے ہی اگر عاریت کے جانور کو جانور کے مالک کے غلام کے ساتھ واپس کیا، یا اس کے نوکر کے ساتھ واپس کیا تو ضامن نہیں ہوگا

ترجمہ: ١ اس لئے کہ مالک اس پر راضی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ اگر مالک کو دیا تو مالک غلام کو ہی دے گا

تشریح: مالک کا غلام اس کے عیال میں ہے، اور جانور کی حفاظت وہی کرتا ہے، اس لئے مالک کے غلام کے ساتھ عاریت کے جانور کو واپس کیا، اور جانور ہلاک ہو گیا تو مستعیر ضامن نہیں ہوگا

ترجمہ: ٢ بعض لوگوں نے یوں فرمایا کہ یہاں غلام سے مراد وہ غلام ہے جو جانور کی خدمت کے لئے ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جانور کی خدمت میں ہو یا نہ ہو دونوں غلام مراد ہیں (یعنی دونوں غلام میں سے کسی ایک کے ساتھ بھیج دیا تب بھی ضامن نہیں ہوگا) اور یہی روایت صحیح ہے اس لئے کہ غیر خدمت والے غلام کو جانور ہمیشہ تو نہیں دیتا ہے، لیکن کبھی کبھار تو دیتا ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: (١٠٢٢) اور اگر مستعیر نے اجنبی کے ساتھ جانور بھیج دیا تو ضامن ہوگا

وجہ: اجنبی آدمی مالک کے عیال میں نہیں ہے اس لئے اس کے ساتھ بھیجنے سے ہلاک ہونے پر مستعیر ضامن ہوگا

ترجمہ: ١ اس مسئلے سے یہ پتہ چلا کہ مستعیر کو دوسرے کے پاس قصدا امانت پر رکھنے کا حق نہیں ہے، جیسا کہ بعض مشائخ نے کہا، اور بعض نے فرمایا کہ امانت پر رکھنے کا حق ہے اس لئے امانت پر رکھنا عاریت سے کم ہے

تشریح: عاریت پر لینے والا عاریت کی چیز کو دوسرے کے پاس امانت پر رکھ سکتا ہے، اس بارے میں علما کا اختلاف ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ نہیں رکھ سکتا ہے، اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ متن میں ہے کہ عاریت پر لینے والا اجنبی کے ساتھ جانور نہیں بھیج سکتا ہے، کیونکہ دوسرے کو جانور کو دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس جانور کو امانت پر دیا، اور بھیج نہیں سکتا ہے، اس کا مطلب

قَصْـدًا كَمَا قَالَهُ بَعْضُ الْمَشَايِخِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يَمْلِكُهُ لِأَنَّهُ دُونَ الْإِعَارَةِ، ۲ وَأَوَّلُوا هَذِهِ الْمَسْأَلَةَ بِانْتِهَاءِ الْإِعَارَةِ لِانْقِضَاءِ الْمُدَّةِ.

(۱۰۲۳)قَالَ: (وَمَنْ أَعَارَ أَرْضًا بَيْضَاءَ لِلزِّرَاعَةِ يَكْتُبُ إِنَّكَ أَطْعَمْتَنِي عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: يَكْتُبُ إِنَّكَ أَعَرْتَنِي)؛ ۱ لِأَنَّ لَفْظَةَ الْإِعَارَةِ مَوْضُوعَةٌ لَهُ وَالْكِتَابَةُ بِالْمَوْضُوعِ أَوْلَى كَمَا فِي إِعَارَةِ الدَّارِ . ۲ وَلَهُ أَنَّ لَفْظَةَ الْإِطْعَامِ أَدَلُّ عَلَى الْمُرَادِ؛ لِأَنَّهَا تَخُصُّ بِالزِّرَاعَةِ وَالْإِعَارَةُ تَنْتَظِمُهَا وَغَيْرَهَا كَالْبِنَاءِ وَنَحْوِهِ فَكَانَتِ الْكِتَابَةُ بِهَا أَوْلَى، بِخِلَافِ الدَّارِ؛ لِأَنَّهَا لَا تُعَارُ إِلَّا لِلسُّكْنَى، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

یہ نکلا کہ مستعیر جانور کو امانت پر نہیں رکھ سکتا ہے۔اور جن حضرات نے فرمایا کہ رکھ سکتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ عاریت امانت سے اعلی درجے کی ہے،اور امانت ادنی درجے کی ہے، پس جب وہ عاریت پر رکھ سکتا ہے تو امانت پر بھی رکھ سکتا ہے

ترجمہ: ۲ اورانہوں نے یہ تاویل کی کہ مدت ختم ہونے کی وجہ سے عاریت ختم ہوگئی ہے اس لئے اب وہ امانت پر رکھ سکتا ہے

تشریح : جن علماء نے کہا کہ امانت پر نہیں رکھ سکتا ہے انہوں نے اوپر میں متن کے مسئلے کی یہ تاویل کی مسئلہ یہ تھا کہ متعین وقت تک عاریت تھی اور اب وہ وقت ختم ہو گیا اور عاریت کے لوٹانے کی بات ہے، اس لئے اب امانت پر رکھ سکتا ہے

ترجمہ :(۱۰۲۳) کسی نے خالی زمین کھیتی کے لئے لی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی دستاویز یوں لکھے گا، انک اطعمنی الارض ،اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ لکھے گا، انک اعرتنی الارض ،

ترجمہ ۱ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ،اعارۃ، عاریت کے لئے ہے،اور جس موضوع کی چیز ہے وہ لکھنا زیادہ بہتر ہے، جیسے گھر کو عاریت پر دینا ہو تو ،اعرتنی، لکھتے ہیں

تشریح:واضح ہے:

ترجمہ :۲ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اطعام کا لفظ کاشتکاری کی مراد پر زیادہ دلالت کرتا ہے، کیونکہ یہ لفظ کاشتکاری کے ساتھ خاص ہے،اور عاریت کا لفظ کاشتکاری کو بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ عمارت بنانے کے لئے بھی شامل ہے،اس لئے انک اطعمنی الارض، لکھنا زیادہ بہتر ہے، بخلاف گھر کو عاریت پر دینے کے،اس لئے کہ گھر تو صرف رہنے کے لئے ہی عاریت پر دیا جاتا ہے

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے گھر صرف رہنے کے لئے ہے اس لئے وہاں اعرتنی لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن زمین کھیتی کے لئے بھی ہوتی ہے اور مکان بنانے کے لئے بھی ہوتی ہے، پس اگر اعرتنی ،لکھ دیا تو مستعیر بہت بعد میں گھر بنانے کا دعوی نہ کر دے،اس لئے انک اطعمتنی ، لکھے تو صاف ہو جائے گا کہ صرف کاشتکاری کے لئے دی ہے گھر بنانے کے لئے نہیں واللہ اعلم بالصواب

﴿كِتَابُ الْهِبَةِ﴾

(۱۰۲۴) اَلْهِبَةُ عَقْدٌ مَشْرُوعٌ ۱؎ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: تَهَادَوْا تَحَابُّوا، وَعَلَى ذٰلِكَ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ.

(۱۰۲۵)(وَتَصِحُّ بِالْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ وَالْقَبْضِ) ۱؎ أَمَّا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ فَلِأَنَّهُ عَقْدٌ، وَالْعَقْدُ يَنْعَقِدُ

﴿كتاب الهبه﴾

ترجمه:(۱۰۲۴) ہبہ مشروع عقد ہے

ترجمه:۱؎ حضور نے فرمایا ہدیہ دو محبت بڑھے گی، اور اسی پر اجماع منعقد ہوا ہے

تشریح: ہبہ مفت دینے کو کہتے ہیں۔(۱) اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔﴿لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین﴾ (آیت ۸ سورۃ الممتحنۃ ۸) اس آیت میں ہے کہ کفار کے ساتھ بھی بر اور نیکی کا معاملہ کرو اور ہدیہ وغیرہ دو تو اللہ اس سے منع نہیں کرتا، بلکہ پسند کرتا ہے۔(۲) حضرت امام بخاریؒ نے اس آیت سے مشرکین کو ہدیہ دینے پر استدلال کیا ہے۔حدیث میں ہے۔عن عائشة قالت كان رسول الله يقبل الهدية و يثيب عليها (بخاری شریف، باب المکافات فی الھبۃ، ص ۳۵۲، نمبر ۲۵۸۵) اس حدیث سے بھی ہبہ کا ثبوت ملتا ہے(۳) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی هريرة عن النبی عليه السلام قال تهادوا تحابوا (سنن للبیھقی، باب التحریص علی الھبۃ والھدیۃ صلۃ بین الناس، ج سادس، ص ۲۸۰، نمبر ۱۱۹۴۶) اس حدیث سے بھی ہبہ کی ترغیب معلوم ہوتی ہے۔

ترجمه:(۱۰۲۵) ہبہ صحیح ہوتا ہے ایجاب اور قبول سے اور قبضہ سے۔

ترجمه:۱؎ ایجاب اور قبول اس لئے ہیں کہ یہ عقد ہے، اور عقد ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتے ہیں، اور ملکیت کے ثبوت کے لئے قبضہ ضروری ہے

تشریح: ہبہ مکمل ہونے کے لئے تین اجزاء ہیں۔ایک تو ہبہ کرنے والا ایجاب کرے اور ہبہ کرے۔ اور دوسرا ہے لینے والا اس کو قبول کرے، اور تیسرا ہے کہ ہدیہ کی چیز پر قبضہ کر لے

وجه: اوپر گزر گیا کہ ہبہ عقد ہے اس لئے اس میں ایجاب اور قبول کرنے کی ضرورت ہوگی (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے کہ ایجاب اور قبول کرنا ہوگا۔عن انس قال انفجنا ارنبا بمر الظهران فسعى القوم فلغبوا فادركتها فاخذتها فاتيت بها ابا طلحة فذبحها وبعث الى رسول الله بوركها او فخذيها،قال فخذيها لا شك فيه فقبله قلت واكل منه؟ قال واكل منه ثم قال بعد قبله (بخاری شریف، باب قبول ہدیۃ الصید، ص ۳۵۰، نمبر ۲۵۷۲) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے خرگوش کا گوشت قبول فرمایا۔جس سے معلوم ہوا کہ ہبہ میں قبول کرنا ضروری ہے (۲) اوپر کی حدیث عائشہ میں تھا کان رسول الله يقبل الهدية ويثيب عليها جس سے معلوم ہوا کہ ہدیہ میں قبول کرنا ضروری ہے۔

اور تیسرا جز ہے کہ ہبہ پر قبضہ کرے گا یعنی ہبہ پر قبضہ کرے گا تو ہبہ مکمل ہوگا اور موہوب لہ کی ملکیت ہوگی۔اور قبضہ نہیں کیا تو اس

بِالْإِيجَابِ، وَالْقَبُولِ، وَالْقَبْضُ لَا بُدَّ مِنْهُ لِثُبُوتِ الْمِلْكِ. ٢ وَقَالَ مَالِكٌ: يَثْبُتُ الْمِلْكُ فِيهِ قَبْلَ الْقَبْضِ اعْتِبَارًا بِالْبَيْعِ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الصَّدَقَةُ . ٣ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ «لَا تَجُوزُ الْهِبَةُ إِلَّا مَقْبُوضَةً» وَالْمُرَادُ نَفْيُ الْمِلْكِ، لِأَنَّ الْجَوَازَ بِدُونِهِ ثَابِتٌ، ٤ وَلِأَنَّهُ عَقْدُ تَبَرُّعٍ، وَفِي إِثْبَاتِ

کی ملکیت نہیں ہوگی اور ہبہ باطل ہو جائے گا۔

وجہ:(۱) ہبہ کے بدلے کچھ آتا نہیں ہے اس لئے موہوب لہ کے قبضہ سے پہلے واہب کی ہی ملکیت ہوگی اس لئے وہ انکار کر سکتا ہے (۲) قول صحابی میں ہے کہ قبضہ سے پہلے موہوب لہ کی ملکیت نہیں ہوگی۔ **عن ابی موسی الأشعری قال قال عمر بن الخطاب الانحال میراث مالم یقبض وعن عثمان وابن عمر وابن عباس قالوا لا تجوز صدقة حتی تقبض وعن معاذ بن جبل وشریح انهما کانا لا یجیز انها حتی تقبض** (سنن للبیھقی، باب شرط القبض فی الھبۃ، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۱۱۹۵۱) ان اقوال میں ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے موہوب لہ کی ملکیت نہیں ہوگی بلکہ اگر واہب مر گیا تو اس کے ورثہ میں تقسیم ہوگی (۳) بلکہ ہبہ کا معاملہ تو اتنا کمزور ہے کہ قبضہ کرنے کے بعد اگر موہوب لہ نے ہبہ کے بدلے واہب کو کچھ نہیں دیا اور ہبہ کی چیز بعینہ موہوب لہ کے پاس موجود ہے تو ہبہ کی چیز موہوب لہ سے واپس لے سکتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ **عن ابی هریرة قال قال رسول الله الواهب احق بهبته مالم یثب منها** (دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۳۹، نمبر ۲۹۵۲ رسنن للبیھقی، باب المکافاۃ فی الھبۃ، ج سادس، ص ۱۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے موہوب لہ کی ملکیت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ٢ امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہبہ کی چیز پر قبضہ سے پہلے بھی اس پر ملکیت ثابت ہوتی ہے، جیسے بیع میں ہوتی ہے، اور اسی اختلاف پر صدقہ کا مال بھی ہے

تشریح: حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ ایجاب اور قبول ہو گئے تو ہبہ کی چیز پر موہوب کی ملکیت ثابت ہو جائے گی، چاہے ابھی اس پر قبضہ نہیں کیا ہو، جیسے بیع ہو جانے سے مشتری کی ملکیت ہو جاتی ہے، چاہے اس پر مشتری کی ملکیت نہیں ہوئی ہو

ترجمہ: ٣ ہماری دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ قبضہ کئے بغیر ہبہ جائز نہیں ہے، اور اس سے مراد ہے کہ ملکیت کی نفی، کیونکہ ہبہ تو بغیر قبضے کے بھی جائز ہے

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابی کا قول ہے کہ بغیر قبضے کے ہبہ جائز نہیں ہے، اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بغیر قبضے مالک نہیں ہوگا، کیونکہ قبضہ کئے بغیر بھی ہبہ تو جائز ہے

وجہ: صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ **عن ابی موسی الأشعری قال قال عمر بن الخطاب الانحال میراث مالم یقبض وعن عثمان وابن عمر وابن عباس قالوا لا تجوز صدقة حتی تقبض وعن معاذ بن جبل وشریح انهما کانا لا یجیز انها حتی تقبض** (سنن للبیھقی، باب شرط القبض فی الھبۃ، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۱۱۹۵۱) ان اقوال میں ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے موہوب لہ کی ملکیت نہیں ہوگی

ترجمہ: ٤ اور اس لئے کہ یہ تبرع کا عقد ہے اور قبضہ کرنے سے پہلے تبرع کی چیز کو لازم کرنا ایسا ہے کہ جس چیز کا تبرع

الْمِلْكِ قَبْلَ الْقَبْضِ إِلْزَامُ الْمُتَبَرِّعِ شَيْئًا لَمْ يَتَبَرَّعْ بِهِ، وَهُوَ التَّسْلِيمُ فَلَا يَصِحُّ، ۵ بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ؛ لِأَنَّ أَوَانَ ثُبُوتِ الْمِلْكِ فِيهَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَا إِلْزَامَ عَلَى الْمُتَبَرِّعِ؛ لِعَدَمِ أَهْلِيَّةِ اللُّزُومِ، وَحَقُّ الْوَارِثِ مُتَأَخِّرٌ عَنْ الْوَصِيَّةِ فَلَمْ يَمْلِكْهَا.

(۱۰۲۶)قَالَ: (فَإِنْ قَبَضَهَا الْمَوْهُوبُ لَهُ فِي الْمَجْلِسِ بِغَيْرِ أَمْرِ الْوَاهِبِ جَازَ) اسْتِحْسَانًا (وَإِنْ قَبَضَ

نہیں کیا ہے وہ لازم کر دیا، اور وہ سپرد کرنا ہے اس لئے صحیح نہیں ہوگا

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ یہ تبرع اور احسان کا معاملہ ہے اور قبضہ کرنے سے پہلے مالک قرار دے دیا جائے تو واہب جس چیز کا ہبہ نہیں کرنا چاہتا ہے اس کو ہبہ پر مجبور کر رہے ہیں، اس لئے قبضہ سے پہلے مالک نہیں ہوگا

ترجمہ: ۵ بخلاف وصیت کے اس لئے کہ وصیت میں ملکیت کا ثبوت مرنے کے بعد ہوتا ہے، اس لئے تبرع کرنے والے پر الزام نہیں ہے، اور وارث کا حق وصیت سے بھی موخر ہے، اس لئے وارث ابھی مالک نہیں بنا ہے

تشریح: صاحب ہدایہ ہبہ میں اور وصیت میں فرق بیان کر رہے ہیں، وصیت میں آدمی کے مرنے کے بعد میت موصی لہ کو قبضہ نہ بھی دے تب بھی وہ مالک ہو جاتا ہے حالانکہ وہ بھی تبرع ہے، تو اس میں فرق یہ بیان کر رہے ہیں کہ وصیت میں موصی لہ میت کے مرنے کے بعد مالک بنتا ہے، اور اس وقت میت مر چکا ہے اس لئے اس وقت اس کی ملکیت نہیں رہی، اور وارث کی ملکیت میں بھی وہ چیز نہیں ہے، کیونکہ وارث کی ملکیت وصیت کے بعد ہوتی ہے، تو چونکہ اس مال پر کسی کی ملکیت نہیں ہے، اس لئے میت، یا وارث کے قبضہ دئے بغیر بھی موصی لہ مالک ہو جائے گا۔ اور ہبہ کا حال یہ ہے کہ واہب زندہ ہے اور یہ چیز واہب کی ملکیت میں ہے اس لئے وہ قبضہ دے گا تب موہولہ مالک ہوگا ورنہ نہیں، صرف ایجاب اور قبول سے موہوب لہ مالک نہیں ہوگا

ترجمہ: (۱۰۲۶) پس اگر موہوب لہ نے واہب کے حکم کے بغیر مجلس میں قبضہ کیا تو استحسانا جائز ہے۔ اور اگر جدائیگی کے بعد قبضہ کیا تو صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ ہبہ کرنے والا اس کو اجازت دے قبضہ کرنے کی۔

تشریح: جس کو ہبہ کیا اس نے قبول کیا مجلس میں بغیر ہبہ کرنے والے کی اجازت کے قبضہ کر لیا تو ٹھیک ہے۔ اور مجلس ختم ہوگئی اس کے بعد موہوب لہ قبضہ کرنا چاہتا ہے تو واہب دوبارہ اجازت دے گا تو قبضہ کر سکے گا۔ اور اگر دوبارہ اجازت نہ دے تو قبضہ کرنا درست نہیں ہے۔ اس صورت میں دوبارہ اجازت کی ضرورت ہوگی۔

وجہ: واہب نے مجلس میں ایجاب اسی لئے کیا ہے کہ موہوب لہ قبضہ کر لے، ایجاب کرنا ہی اجازت ہے، صراحت کے ساتھ اجازت دینا ضروری نہیں ہے اس لئے وہ قبضہ کر سکتا ہے، صراحت کے ساتھ اجازت دینا ضروری نہیں ہے۔ لیکن مجلس ختم ہوگئی تو ایجاب والی اجازت مجلس ختم ہونے کے ساتھ ختم ہوگئی۔ اس لئے اب قبضہ کے لئے صراحت کے ساتھ اجازت کی ضرورت ہوگی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایجاب کی اجازت مجلس تک رہتی ہے اور مجلس ختم ہونے پر وہ اجازت ختم ہو جاتی ہے۔

بَعْدَ الِافْتِرَاقِ لَمْ يَجُزْ إلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ الْوَاهِبُ فِي الْقَبْضِ) ١ؕ وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجُوزَ فِي الْوَجْهَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ؛ لِأَنَّ الْقَبْضَ تَصَرُّفٌ فِي مِلْكِ الْوَاهِبِ، إذْ مِلْكُهُ قَبْلَ الْقَبْضِ بَاقٍ فَلَا يَصِحُّ بِدُونِ إذْنِهِ، ٢ؕ وَلَنَا أَنَّ الْقَبْضَ بِمَنْزِلَةِ الْقَبُولِ فِي الْهِبَةِ مِنْ حَيْثُ إنَّهُ يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ ثُبُوتُ حُكْمِهِ وَهُوَ الْمِلْكُ، وَالْمَقْصُودُ مِنْهُ إثْبَاتُ الْمِلْكِ فَيَكُونُ الْإِيجَابُ مِنْهُ تَسْلِيطًا لَهُ عَلَى الْقَبْضِ، بِخِلَافِ مَا إذَا قَبَضَ بَعْدَ الِافْتِرَاقِ؛ لِأَنَّا إنَّمَا أَثْبَتْنَا التَّسْلِيطَ فِيهِ إلْحَاقًا لَهُ بِالْقَبُولِ، وَالْقَبُولُ يَتَقَيَّدُ بِالْمَجْلِسِ، فَكَذَا مَا يُلْحَقُ بِهِ، ٣ؕ بِخِلَافِ مَا إذَا نَهَاهُ عَنْ الْقَبْضِ فِي الْمَجْلِسِ؛ لِأَنَّ الدَّلَالَةَ لَا تَعْمَلُ فِي مُقَابَلَةِ الصَّرِيحِ.

(١٠٢٧) قَالَ: (وَتَنْعَقِدُ الْهِبَةُ بِقَوْلِهِ وَهَبْت وَنَحَلْت وَأَعْطَيْت)؛ ١ؕ لِأَنَّ الْأَوَّلَ صَرِيحٌ فِيهِ وَالثَّانِي

ترجمه :١ؕ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں (مجلس میں، اور مجلس ختم ہونے کے بعد) قبضہ کرنا جائز نہ ہو، اور امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قبضہ کرنا واہب کی ملکیت میں تصرف کرنا ہے، اس لئے کہ قبضہ سے پہلے واہب کی ملکیت باقی ہے، اس لئے اس کی اجازت کے بغیر قبضہ جائز نہیں ہے

تشریح :امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ مجلس میں بھی اور مجلس کے بعد بھی واہب صراحت کے ساتھ اجازت دے گا تب ہی موہوب لہ قبضہ کرسکتا ہے ورنہ نہیں

وجه:ان کی دلیل یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے پہلے واہب کا قبضہ باقی ہے اس لئے اس کی صراحت کے ساتھ اجازت ضروری ہے

ترجمه :٢ؕ ہماری دلیل یہ ہے کہ ہبہ میں قبضہ کرنا قبول کے درجے میں ہے، کیونکہ قبضہ ہی پر ہبہ کے ثبوت کا حکم، یعنی ملک کا حکم موقوف ہے، اور ہبہ کا مقصد ملک کو ثابت کرنا ہے اس لئے واہب کا ایجاب ہی قبضے پر مسلط کرنا ہے، بخلاف جدا ہونے کے بعد اس لئے کہ قبول مجلس کے ساتھ مقید ہے، اس لئے قبضے کی اجازت بھی مجلس کے ساتھ ہی مقید ہوگی،

تشریح:ہماری دلیل یہ ہے کہ ہبہ میں قبضہ کرنا قبول کرنے کے درجے میں ہے، کیونکہ قبضہ سے ہبہ مکمل ہوتا ہے، اور قبول مجلس کے ساتھ خاص ہے اس لئے قبضہ بھی مجلس کے ساتھ خاص ہوگا، اور جدا ہونے کے بعد قبول نہیں کرسکتا ہے، اس لئے جدا ہونے کے بعد قبضہ بھی نہیں کرسکتا ہے،

ترجمه :٣ؕ بخلاف اگر مجلس میں قبضے سے روک دیا (تو قبضہ نہیں کر سکے گا) اس لئے صراحت سے انکار کے بعد دلالت کا اعتبار نہیں ہے

تشریح:اگر واہب نے صراحت کے ساتھ مجلس میں قبضہ کرنے سے روک دیا تو اب موہوب لہ قبضہ نہیں کر پائے گا، کیونکہ اجازت صرف دلالۃ تھی، اور انکار صراحۃ کر دیا، اس لئے صراحت کا اعتبار ہوگا

ترجمه:(١٠٢٧) ہبہ یہ الفاظ کہنے سے منعقد ہوگا، یہ کہنے سے کہ میں نے ہبہ کر دیا، میں نے دے دیا، میں نے بخش دیا،

ترجمه :١ؕ اس لئے کہ پہلا لفظ (وہبت) ہبہ کے بارے میں صریح ہے، اور دوسرا لفظ (نحلت) ہبہ کے بارے میں

مُسْتَعْمَلٌ فِيهِ .قَالَ ﷺ »أَكُلَّ أَوْلَادِكَ نَحَلْتَ مِثْلَ هَذَا؟« وَكَذَا الثَّالِثُ، يُقَالُ: أَعْطَاكَ اللَّهُ وَوَهَبَكَ اللَّهُ بِمَعْنًى وَاحِدٍ .

(۱۰۲۸)(وَكَذَا تَنْعَقِدُ بِقَوْلِهِ أَطْعَمْتُكَ هَذَا الطَّعَامَ وَجَعَلْتُ هَذَا الثَّوْبَ لَكَ وَأَعْمَرْتُكَ هَذَا الشَّيْءَ وَحَمَلْتُكَ عَلَى هَذِهِ الدَّابَّةِ إذَا نَوَى بِالْحَمْلِ الْهِبَةَ) لِ أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ الْإِطْعَامَ إذَا أُضِيفَ إلَى مَا يُطْعَمُ عَيْنُهُ يُرَادُ بِهِ تَمْلِيكُ الْعَيْنِ. بِخِلَافِ مَا إذَا قَالَ: أَطْعَمْتُكَ هَذِهِ الْأَرْضَ حَيْثُ يَكُونُ عَارِيَّةً؛ لِأَنَّ عَيْنَهَا لَا تُطْعَمُ فَيَكُونُ الْمُرَادُ أَكْلَ غَلَّتِهَا.

استعمال ہوتا ہے، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا اکل اولادک نحلت ،مثل کذا کذا، اور ایسے ہی تیسرا لفظ (اعطیت) بھی ہبہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، کہتے ہیں اعطاک اللہ، ووھبک اللہ، ایک معنی میں ہے

تشریح :اس عبارت میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کن کن جملوں سے ہبہ کا انعقاد ہوجاتا ہے۔جس کے لئے مصنفؒ نے سات جملے استعمال کئے ہیں۔ ہر جملہ کی تصریح اور دلیل پیش خدمت ہے (۱) وھبت کا جملہ ہبہ کے لئے صریح ہے۔اس لئے اس سے ہبہ منعقد ہوجائے گا (۲) نحلت کے جملہ سے بھی ہبہ منعقد ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث ہے جو صاحب کی ہے۔ **عن نعمان بن بشیر ان اباہ اتی بہ الی رسول اللہ ﷺ فقال انی نحلت ابنی ھذا غلاما فقال اکل ولدک نحلت مثلہ قال لا قال فارجعہ** (بخاری شریف، باب المکافات فی الھبۃ ،ص ۳۵۲،نمبر ۲۵۸۶) اس حدیث میں نحلت کے جملہ سے لڑکے کو ہبہ کیا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ نحلت کے لفظ سے ہبہ منعقد ہوتا ہے (۳) اعطیت کا جملہ بھی ہبہ کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے،لوگ کہتے ہیں **اعطاک اللہ وھبک اللہ** کے معنی میں

ترجمہ :(۱۰۲۸) میں نے یہ کھانا تم کو کھلا دیا، میں نے یہ کپڑا تیرے لئے کر دیا، عمر بھر کے لئے تم کو یہ چیز دے دی، اس سواری پر تم کو سوار کر دیا اگر سوار کرنے سے ہبہ کی نیت ہو۔

ترجمہ: لِ اس میں سے پہلا لفظ (اطعمتک) کی وجہ یہ ہے کہ اطعام کا لفظ عین چیز کے کھانے کی طرف منسوب کیا جائے تو اس سے اس کا مالک ہونا مراد ہوتا ہے، بخلاف اطعمتک ھذہ الارض ،تو عاریت مراد ہوگی اس لئے کہ عین زمین نہیں کھائی جاتی تو اس سے مراد اس کے غلے کو کھلانا ہے

اصول : یہاں کچھ الفاظ وہ ہیں جن میں حقیقت میں ہبہ کا معنی ہے،اور کچھ الفاظ وہ ہیں جن میں حقیقت میں عاریت کا معنی ہے،لیکن مجاز کے طور پر اس کو ہبہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں

تشریح :اطعمتک کا لفظ دو طرح استعمال ہوتا ہے، چنانچہ اگر اطعمتک کا لفظ غلے کی طرف منسوب ہو تو ہبہ مراد ہوتی ہے ،کیونکہ عین غلہ کھایا جاتا ہے، جو ہبہ ہوتا ہے،اور اگر زمین کی طرف منسوب ہو تو چونکہ زمین نہیں کھائی جاتی بلکہ اس کا غلہ کھایا جاتا ہے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ زمین کو عاریت کے طور پر غلہ اگانے کے لئے دیا ہے،

٢ وَأَمَّا الثَّانِي فَلِأَنَّ حَرْفَ اللَّامِ لِلتَّمْلِيكِ. ٣ وَأَمَّا الثَّالِثُ فَلِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – »فَمَنْ أَعْمَرَ عُمْرَى فَهِيَ لِلْمُعَمَّرِ لَهُ وَلِوَرَثَتِهِ مِنْ بَعْدِهِ« وَكَذَا إِذَا قَالَ جَعَلْت هَذِهِ الدَّارَ لَك عُمْرَى لِمَا قُلْنَا . ٤ وَأَمَّا الرَّابِعُ فَلِأَنَّ الْحَمْلَ هُوَ الْإِرْكَابُ حَقِيقَةً فَيَكُونُ عَارِيَّةً لَكِنَّهُ يَحْتَمِلُ الْهِبَةَ، يُقَالُ حَمَلَ الْأَمِيرُ فُلَانًا عَلَى فَرَسٍ وَيُرَادُ بِهِ التَّمْلِيكُ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ نِيَّتِهِ.

ترجمه:٢ اوردوسرالفظ (جعلت ھذ الثوب لک) تواس میں لک کا لفظ مالک بنانے کے لئے ہے

تشریح: دوسرالفظ یعنی (۵) جعلت ھذا الثوب لک میں لفظ لک ملکیت کے لئے آتا ہے۔اس لئے اس سے بھی ہبہ ثابت ہوجائے گا

ترجمه: ٣ اور تیسرالفظ (٦) اعمرتک ھذا الشیء) ہبہ کے لئے ہے، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ کسی نے عمری کیا تو یہ چیز اس کے لئے ہے جس کے لئے عمری کیا ہے، اوراس کے بعد اس کے ورثہ کے لئے ہے

تشریح: (اعمرتک ھذا الشیء) سے بھی ہبہ ہوجائے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عمری کا ترجمہ ہے تمہارے عمر بھر کے لئے ہے اوراس کے بعد اس کے ورثہ کے لئے ہوگا چنانچہ حدیث میں ہے کہ کوئی اعمر عمریٰ له ولعقبه کہے تو اگرچہ عمری کے معنی عمر بھر کا ہے لیکن اس سے وہ چیز مکمل اس کے ہاتھ سے چلی جائے گی اور جس کے لئے عمر بھر کے لئے دی اس کے ورثہ میں وہ چیز تقسیم ہوگی۔

وجه: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن جابر بن عبد الله ان رسول الله ﷺ قال ایما رجل اعمر عمری له ولعقبه فانها للذی اعطیها لا ترجع الی الذی اعطاها لانه اعطی عطاء وقعت فیه المواریث (مسلم شریف، باب العمری، ص ۳۷، نمبر ۱۶۲۵/۴۱۸۸) اس حدیث میں لفظ عمری ہبہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے

ترجمه: ٤ اور چوتھالفظ یعنی (حملتک علی ھذه الدابة) آپ کو اس جانور پر سوار کیا، تو حقیقت میں اس لفظ سے عاریت ہوتی ہے، لیکن ہبہ کا احتمال رکھتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں، حمل الامیر فلانا علی فرس، اس مراد یہ ہے کہ امیر نے یہ جانور فلاں کو ہبہ کے طور پر دے دیا، اس لئے ہبہ کی نیت کرے تو ہبہ ہوجائے گا

تشریح: (حملتک علی ھذه الدابة) کے دو معنے ہیں ایک حقیقی معنی ہے کہ وقتی طور پر عاریت کے طور پر اس جانور کو سواری کے لئے آپ کو دے رہا ہوں۔اور دوسر مجازی معنی ہے کہ مکمل اس جانور کو آپ کو حوالے کر رہا ہوں اور ہبہ کر رہا ہوں۔اس لئے اگر دوسرے معنی کی نیت کی تو دوسرا معنی ملحوظ ہونگے۔اوراس جملہ سے ہبہ کا انعقاد ہوجائے گا۔لوگ حمل الامیر فلانا علی فرس بولتے ہیں اوراس سے مراد لیتے ہیں کہ امیر نے فلاں کو گھوڑا مکمل دے دیا اور ہبہ کر دیا۔اس لئے اس جملے سے بھی گھوڑے کا ہبہ ثابت ہوجائے گا۔

وجه: حدیث میں ہے، حملت علی فرس فی سبیل الله سے پورا گھوڑا صدقہ کرنا مراد لیا گیا ہے۔قال عمر حملت

(١٠٢٩)(وَلَوْ قَالَ كَسَوْتُكَ هَذَا الثَّوْبَ يَكُونُ هِبَةً) ؛ لِ لِأَنَّهُ يُرَادُ بِهِ التَّمْلِيكُ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿أَوْ كِسْوَتُهُمْ﴾ (المائدة:) وَيُقَالُ كَسَا الْأَمِيرُ فُلَانًا ثَوْبًا: أَيْ مَلَّكَهُ مِنْهُ.

(١٠٣٠) (وَلَوْ قَالَ مَنَحْتُكَ هَذِهِ الْجَارِيَةَ كَانَتْ عَارِيَةً) لِمَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ.

(١٠٣١)(وَلَوْ قَالَ دَارِي لَكَ هِبَةً سُكْنَى أَوْ سُكْنَى هِبَةً فَهِيَ عَارِيَةٌ) ؛ لِ لِأَنَّ الْعَارِيَةَ مَحْكَمَةٌ فِي

على فرس في سبيل الله فرأيته يباع فسألت رسول الله ﷺ فقال لا تشتروه ولا تعد في صدقتك (بخاری شریف، باب اذا حمل رجل علی فرس فھو کالعمری والصدقۃ، ص ۴۵۹، نمبر ۲۶۳۶)اس حدیث میں حمل على فرس بول کر پورے گھوڑے کا صدقہ مراد لیا گیا ہے۔

ترجمہ:(۱۰۲۹) اور اگر کہا(کسوت ھذ الثوب)تو یہ ہبہ ہوگا

ترجمہ:لے اس لئے کہ یہ لفظ مالک بنانے کا مقصد ہوتا ہے،اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا،اوکسوتھم ،،اور محاورے میں کہتے ہیں،کسی الامیر فلانا ثوبا،یعنی امیر نے اس کپڑے کا مالک بنا دیا

تشریح:،کسوتک ھذ الثوب، کہا،تو اس کا معنی ہے وقتی طور پر کپڑا پہنا دینا ہے،لیکن محاورے میں اس کا معنی ہے اس کو کپڑا ہبہ کر دیا اس لئے اس لفظ سے کپڑے کا ہبہ مراد ہوگا

وجہ:قرآن کریم میں ہے(۱) فكفارته اطعام عشرة مساكين من اوسط ما تطعمون اهليكم او كسوتهم (سورت المائدۃ ۵،آیت ۸۹)اس آیت میں کفارے میں کپڑا پہنانا نہیں ہے، بلکہ اس کو ہبہ کر دینا ہے (۲) محاورے میں بھی، كسى الامير فلانا ثوبا،اور اس کا ترجمہ ہے کہ امیر نے کپڑا ہبہ کر دیا،اس لئے اس لفظ ہبہ مراد ہوگا

ترجمہ:(۱۰۳۰) اور اگر کہا منحتک ھذہ الجاریۃ،اس باندی کو تم کو عطا کر دیا،تو یہ عاریت ہوگی

ترجمہ:لے اس حدیث کی بنا پر جو ہم نے پہلے بیان کی

تشریح:منح کا معنی ہے عطیہ دینا،اور حدیث میں ہے کہ بکری کو عطیہ دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بکری کو دودھ پینے کے لئے دی، پھر واپس لے لیگا،اسی پر قیاس کرتے ہوئے باندی کو عطیہ دیا تو یہ خدمت کے لئے عاریت ہوگی، پھر مالک واپس لے گا

وجہ:صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ المنحة مردودة (مسند البزار، باب مسند ابن عباس، ج ۱۲،ص ۲۳۲،نمبر ۵۴۰۸)اس حدیث میں ہے کہ دودھ پینے کے لئے دی ہوئی بکری کو واپس کرنا ہوگا، اسی پر قیاس کرتے ہوئے خدمت کے لئے دی ہوئی باندی کو واپس کرنا ہوگا،اس لئے یہ عاریت ہوئی

ترجمہ:(۱۰۳۱)اور اگر کہا، داری لک ہبۃ سکنی، سکنی ہبۃ،تو عاریت ہوگی

ترجمہ:لے اس لئے کہ منفعت کے مالک بنانے میں عاریت طے ہے،اور ہبہ کا صرف احتمال ہے،اور عین چیز کے مالک بنانے کا صرف احتمال ہے،اس لئے اس جملے کو اس پر حمل کریں جو مضبوط ہے

تَمْلِيكِ الْمَنْفَعَةِ وَالْهِبَةُ تَحْتَمِلُهَا وَتَحْتَمِلُ تَمْلِيكَ الْعَيْنِ فَيُحْمَلُ الْمُحْتَمَلُ عَلَى الْمُحْكَمِ، (١٠٣٢)وَكَذَا إذَا قَالَ عُمْرَى سُكْنَى أَوْ نَحْلِي سُكْنَى أَوْ سُكْنَى صَدَقَةً أَوْ صَدَقَةٌ عَارِيَّةً أَوْ عَارِيَّةٌ هِبَةً لِ لِمَا قَدَّمْنَاهُ .

(١٠٣٣)(وَلَوْ قَالَ هِبَةٌ تَسْكُنُهَا فَهِيَ هِبَةٌ) ؛ لِ لِأَنَّ قَوْلَهُ تَسْكُنُهَا مَشْوَرَةٌ وَلَيْسَ بِتَفْسِيرٍ لَهُ وَهُوَ تَنْبِيهٌ عَلَى الْمَقْصُودِ، بِخِلَافِ قَوْلِهِ هِبَةٌ سُكْنَى ؛ لِأَنَّهُ تَفْسِيرٌ لَهُ

اصول:ایک ہی جملے میں دولفظ ہوں تو ادنی معنی مراد لی جائے گی۔

تشریح: یہاں ایک ہی ساتھ دو الفاظ استعمال کررہے ہیں، ایک لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ پوری چیز ہی دے دی، یعنی ہبہ کردیا، اور دوسرے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ صرف نفع اٹھانے کے لئے دیا، اور عاریت کی، تو مصنف یہ فرماتے ہیں کہ عاریت ہوگی، ہبہ نہیں ہوگا، کیونکہ عاریت کم درجے کی ہے۔ اب دیکھیں کہ ،داری لک ھبۃ سکنی ، میں ہبہ کا لفظ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہبہ ہے، لیکن ساتھ ہی، سکنی، کا لفظ ہے کہ گھر صرف رہنے کے لئے دیا ہے اور عاریت ہے، اس لئے عاریت کو ترجیح دی جائے گی۔ اسی طرح، سکنی ھبۃ ، میں پہلے سکنی ہے یعنی نفع اٹھانے کے لئے عاریت ہے، اور بعد میں ہبہ ہے کہ پورا گھر دے دیا، تو چونکہ عاریت ہونا مضبوط ہے اور کم درجے کی چیز ہے، اس لئے ہبہ نہیں ہوگا، عاریت ہوگی

ترجمہ:(١٠٣٢) ایسے ہی اگر کہا پوری عمر رہنے کے لئے گھر دیا ہے، یا عطیہ دیا ہے رہنے کے لئے جو صدقہ ہے، یا عاریت کے طور پر صدقہ ہے، یا عاریت کے طور پر ہبہ ہے

ترجمہ:لِ تو عاریت ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے کہا

تشریح: یہاں بھی ایک ہی جملے دو الفاظ ہیں، ایک سے عاریت ثابت ہوتی ہے جو کم درجے کی چیز ہے، اور دوسرے سے ہبہ ثابت ہوتا ہے، جو اعلی درجے کی چیز ہے تو ادنی یعنی عاریت مراد ہوگی۔ اب ہر جملے کی تشریح دیکھیں۔ عمری سکنی، میں سکنی کا لفظ موجود ہے جو صرف رہنے کے لئے دیا جارہا ہے، اور عاریت ہے۔ نحلی سکنی، میں بھی سکنی کا لفظ موجود ہے، صدقۃ عاریۃ ، میں عاریت کا لفظ موجود ہے، یعنی عاریت ہے، عاریۃ ہبۃ ، میں بھی عاریت کا لفظ موجود ہے اگر چہ جبہ کا لفظ بھی موجود ہے، لیکن عاریت کم درجے کی چیز ہے اس لئے عاریت ہی مراد ہوگی، ہبہ نہیں۔

ترجمہ:(١٠٣٣) اور اگر کہا کہ، ہبہ تسکنھا ،تو ہبہ ہی ہوگا

ترجمہ:لِ اس کہ تسکنھا ہبہ کی تفسیر نہیں ہے، بلکہ رہنے کا مشورہ ہے، اور مقصود پر تنبیہ ہے، بخلاف ہبۃ سکنی، کے وہاں سکنی ہبۃ کی تفسیر ہے، یعنی صرف رہنے کے لئے دے رہا ہوں

تشریح: ہبہ تسکنھا ، کہا تو ہبہ ہوگا، اس لئے کہ تسکنھا ، کہ آپ اس میں رہیں، اور کرایہ پر نہ دیں یہ ایک مشورہ ہے، اس لئے ہبہ کیلفظ سے ہبہ ہی ہوگا، اور اوپر، ہبہ سکنی، میں سکنی ہبہ کی تفسیر ہے، یعنی صرف رہنے کے نفع ہبہ ہے، جس کو عاریت کہتے ہیں اس لئے اس سے عاریت ہوگی

(۱۰۳۴)قَالَ: (وَلَا تَجُوزُ الْهِبَةُ فِيمَا يُقَسَّمُ إِلَّا مَحُوزَةً مَقْسُومَةً، وَهِبَةُ الْمُشَاعِ فِيمَا لَا يُقَسَّمُ جَائِزَةٌ)

ترجمه:(۱۰۳۴)نہیں جائز ہے ہبہ قابل تقسیم چیزوں میں مگر یہ کہ حقوق سے فارغ ہوں اور تقسیم کیا ہوا ہو۔

اصول:ہبہ میں کلی طور پر موہوب پر قبضہ کرنا ضروری ہے،اس لئے چیز تقسیم شدہ ہو،تا کہ کلی طور پر قبضہ ہو سکے

لغت:حوز:جمع کرنا۔ اکٹھا کرنا، یہاں مراد ہے کہ حقوق سے فارغ ہوتا کہ موہوب لہ اس کو اپنے لئے جمع کر سکے۔
المشاع:شائع سے مشتق ہے،مشترک ہونا۔

تشریح:اگلے چند مسئلوں کا مدار اس پر ہے کہ موہوب لہ ہبہ کی چیز پر مکمل قبضہ کرے تب اس کی ملکیت ہوگی ورنہ نہیں۔اور مکمل قبضہ کرنے کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ اگر وہ چیز مشترک ہے لیکن تقسیم ہو سکتی ہے تو تقسیم کی ہوئی ہو۔اور دوسروں کے دین اور حقوق سے فارغ ہو تب اس پر موہوب لہ کا قبضہ مکمل شمار کیا جائے گا۔اس لئے مصنف نے فرمایا کہ جو چیز تقسیم ہو سکتی ہو اس میں ہبہ جائز نہیں ہے۔مگر حقوق سے فارغ ہو اور تقسیم شدہ ہو۔اور جو چیز تقسیم نہیں ہو سکتی ہو جیسے چکی کے دو پاٹ،تو وہاں مجبوری ہے اس لئے بغیر تقسیم کئے ہوئے بھی ہبہ کر سکتا ہے

وجه:اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔کتب عمر بن عبد العزيز انه لا يجوز من النحل الا ما عزل وافرد واعلم (مصنف عبد الرزاق، باب النحل ج تاسع ص ۱۰۴ نمبر ۱۶۵۱۴)اس قول تابعی میں ہے کہ نحل یعنی ہبہ اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کو الگ نہ کیا گیا ہو۔علیحدہ نہ کیا گیا ہو۔اور جان پہچان کے لئے نشان نہ لگا دیا گیا ہو(۲)عن ابن شبرمة قال ان لم يجز كل واحد منهما ما وهب له صاحبه فليس بشيء (مصنف عبد الرزاق، باب حیازة ما وهب احدهما لصاحبه ج تاسع ص ۱۱۶ نمبر ۱۶۵۷۰)اس قول تابعی میں بھی ہے کہ شیء موہوب کو محوز یعنی تقسیم نہیں کیا تو قبضہ نہیں ہے(۳)سنن بیہقی میں عمر بن الخطاب کا یہ قول ہے۔لا نحلة يحوزها الولد دون الوالد(سنن للبیہقی، باب یقبض للطفل ابوه، ج سادس ص ۲۸۲، نمبر ۱۱۹۵۳)جس سے معلوم ہوا کہ ہبہ اس وقت نہیں ہے جب تک کہ اس کو حقوق سے الگ نہ کر دے۔

اور مشترک کا ہبہ اس چیز کا جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو جائز ہے۔

تشریح:جو چیز تقسیم نہیں ہو سکتی مثلا حمام اور غسل خانہ جو تقسیم نہیں ہو سکتا ہو اور وہ تقسیم کرنے سے کسی کام کا نہیں رہے گا اس کو بغیر تقسیم کئے بھی ہبہ کرنا جائز ہے۔

وجه:(۱)جو چیز تقسیم نہیں ہو سکتی اور تقسیم کرنے سے وہ کسی کام کی نہیں رہے گی۔اس کو ہبہ میں تقسیم کرنے کی شرط لگائیں گے تو وہ چیز ضائع ہو جائے گی۔اس لئے اس کے قبضے کے لئے جتنا ممکن ہو سکا اتنا ہی کریں گے۔اور تقسیم کی شرط نہیں لگے گی(۲) حضرت ابو قتادہ نے وحشی گدھا شکار کر کے سب صحابہ کو مشترکہ ہبہ کیا۔اس کو تقسیم کر کے ہبہ نہیں کیا اور حضورؐ نے اس کو جائز قرار دیا۔کیونکہ تقسیم کر کے گوشت پکانا مشکل تھا۔اس لئے مشترکہ ہبہ ہی جائز قرار دیا گیا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن عبد الله بن ابی قتادة السلمی عن ابیه ... فشددت على الحمار فعقرته ثم جئت به وقد مات فوقعوا فيه يأكلونه ثم انهم شكوا في اكلهم اياه وهم حرم (بخاری شریف، باب من استوهب من اصحابه شیئا ص نمبر ۲۵۷۰)اس حدیث

۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تَجُوزُ فِي الْوَجْهَيْنِ؛ لِأَنَّهُ عَقْدُ تَمْلِيكٍ فَيَصِحُّ فِي الْمُشَاعِ وَغَيْرِهِ كَالْبَيْعِ بِأَنْوَاعِهِ، وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْمُشَاعَ قَابِلٌ لِحُكْمِهِ، وَهُوَ الْمِلْكُ فَيَكُونُ مَحَلًّا لَهُ، ۲؎ وَكَوْنُهُ تَبَرُّعًا لَا يُبْطِلُهُ الشُّيُوعُ كَالْقَرْضِ وَالْوَصِيَّةِ. ۳؎ وَلَنَا أَنَّ الْقَبْضَ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ فِي الْهِبَةِ فَيُشْتَرَطُ كَمَالُهُ وَالْمُشَاعُ لَا يَقْبَلُهُ

میں سب صحابہ کو مشترکہ طور پر گدھے کا گوشت ہبہ کیا گیا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ جو چیز تقسیم نہ ہو سکتی ہو اس کو مشترکہ ہبہ کرنا بھی جائز ہے۔اوپر بھی کئی احادیث مشترکہ ہبہ کی گزری۔

ترجمہ:۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تقسیم شدہ ہو یا تقسیم شدہ نہ ہو دونوں صورتوں میں ہبہ جائز ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہبہ کا عقد مالک بنانے کے لئے ہے اس لئے مشترک میں بھی صحیح ہے،اور غیر مشترک میں بھی صحیح ہے، جیسے بیع کی تمام قسموں میں مشترک بھی بیچنا جائز ہے،اور غیر مشترک بھی بیچنا جائز ہے،اوراس کی وجہ یہ ہے کہ مشترک چیز بھی مالک بننے کے قابل ہے اس لئے ملکیت کا محل ہوگا۔

تشریح:امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ ہبہ کی چیز تقسیم شدہ ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں ہبہ کرنا جائز ہے،ان کی چار دلیلیں ہیں

وجہ:(۱) ہبہ مالک بنانے کے لئے ہوتا ہے تو جس طرح بیع میں کسی چیز کو بیچ کر مشتری کو مالک بنانا ہے تو مبیع تقسیم شدہ ہو یا مشترک ہو دونوں صورتوں میں بیچنا جائز ہے،اسی طرح ہبہ میں بھی مالک بنانا ہے اس لیے دونوں صورتوں میں جائز ہوگا۔(۲) ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔**وقد وهب النبی ﷺ واصحابه لهوازن ما غنموا منهم وهو غير مقسوم** (بخاری شریف، باب الھبۃ المقبوضۃ وغیر المقبوضۃ والمقسومۃ وغیر المقسومۃ ص ۴۵۴ نمبر ۲۶۰۳) کہ قبیلہ ہوازن کے لوگوں کو صحابہ نے قید کیا تھا اور ان سے مال غنیمت حاصل کی تھی۔پھر وہ تمام کو قبیلہ ہوازن کی طرف واپس کیا۔حالانکہ واپس کرتے وقت غنیمت اور قیدی مشترک تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ بغیر تقسیم شدہ بھی ہبہ کر سکتا ہے(۳)۔**عن قيس بن ابی حازم الاحمسی ، قال اتی رسول الله رجل بكبة من الغنيمة فقال يا رسول الله ﷺ هبها لی فانا اهل بيت يعالج الشعر ، قال ؐ نصيبی منها لک** (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی عدل الوالی وقسمۃ، ج ۶ ص ۴۵۸، نمبر ۳۲۹۰۴) اس حدیث میں ہے کہ مشترکہ چیز کو حضورؐ نے ہبہ کیا

ترجمہ:۲؎ اور مشترک ہونے سے احسان باطل نہیں ہوگا، جیسے قرض اور وصیت احسان ہے،اور مشترک بھی جائز ہے

تشریح: ہبہ میں احسان کرنا ہے اس لئے وہ مشترک جائز نہ ہو،ایسا نہیں ہے، کیونکہ قرض دینے میں بھی احسان ہوتا ہے،اور مشترک چیز کا قرض دینا جائز ہے،اسی طرح وصیت کرنا احسان ہے اور مشترک چیز کی وصیت کرنا جائز ہے،اسی طرح مشترک چیز کا ہبہ کرنا بھی جائز ہوگا

ترجمہ:۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ ہبہ میں قبضہ کرنا حدیث میں منصوص ہے اس لئے پورا قبضہ کرنا شرط ہوگا،اور مشترک چیز میں دوسروں کی چیز کو ملائے بغیر قبول نہیں کرے گا اور وہ چیز ہبہ کی ہوئی نہیں ہے

تشریح:عبارت پیچیدہ ہے،حدیث سے ثابت ہے کہ ہبہ میں پورے طور پر موہوب پر قبضہ ہو،اور مشترک چیز ہوگی تو دوسرے کی چیز کو ملا کر قبضہ ہوگا،تو پورے طور پر قبضہ نہیں ہوا،اس لئے مشترک چیز کا ہبہ ہی درست نہیں ہوگا

إِلَّا بِضَمِّ غَيْرِهِ إِلَيْهِ، وَذَلِكَ غَيْرُ مَوْهُوبٍ، ۴ وَلِأَنَّ فِي تَجْوِيزِهِ اِلْزَامُهُ شَيْئًا لَمْ يَلْتَزِمْهُ وَهُوَ الْقِسْمَةُ، وَلِهٰذَا امْتَنَعَ جَوَازُهُ قَبْلَ الْقَبْضِ، كَيْلَا يَلْزَمُهُ التَّسْلِيمِ ۵ بِخِلَافِ مَا لَا يُقَسَّمُ؛ لِأَنَّ الْقَبْضَ الْقَاصِرَ هُوَ الْمُمْكِنُ فَيُكْتَفَى بِهِ؛ ۵ وَلِأَنَّهُ لَا تَلْزَمُهُ مُؤْنَةُ الْقِسْمَةِ . ٦ وَالْمُهَايَأَةُ تَلْزَمُهُ فِيمَا لَمْ يَتَبَرَّعْ بِهِ وَهُوَ

وجه ہبہ پر قبضہ کرنا ضروری ہے اس کے لئے یہ قول صحابی ہے۔ عن ابی موسی الأشعری قال قال عمر بن الخطاب الانحال میراث مالم یقبض وعن عثمان وابن عمر وابن عباس قالوا لا تجوز صدقة حتی تقبض وعن معاذ بن جبل وشریح انهما کانا لا یجیز انها حتی تقبض (سنن للبیہقی، باب شرط القبض فی الھبۃ، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۱۱۹۵۱) ان اقوال میں ہے کہ ہبہ پر قبضہ کرنا ضروری ہے تب ملکیت ہوگی

ترجمہ: ۴ اور مشترک کا ہبہ اس وجہ سے بھی جائز نہیں ہے کہ، اس کو جائز کرنے میں واہب پر ایسی چیز لازم ہوجائے گی جو اس نے لازم نہیں کیا ہے، یعنی بٹوارہ کرنا، یہی وجہ ہے کہ قبضہ سے پہلے ہبہ ممتنع ہے تاکہ اس کو سپرد کرنا لازم نہ ہو

تشریح: مشترک چیز کا ہبہ جائز نہیں ہے اس کی یہ دوسری دلیل ہے، اگر مشترک چیز کا ہبہ جائز قرار دے دیں تو واہب کو تقسیم کر کے دینا ہوگا، حالانکہ اس نے اپنے اوپر تقسیم کرنا لازم نہیں کیا ہے، پھر دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ قبضہ دینے سے پہلے ہبہ مکمل نہیں ہوتا ہے، کیونکہ ہبہ مکمل ہوجائے تو واہب کو سپرد کرنا لازم ہوگا، جو اس نے اپنے اوپر لازم نہیں کیا ہے،، اسی طرح مشترک چیز کا ہبہ جائز نہیں ہوگا تاکہ واہب پر بٹوارہ کرنا لازم نہ ہو

لغت: الزامه شیئا لم یلتزمْ: یہ ایک محارہ ہے، کوئی چیز اپنے اوپر لازم نہیں کیا پھر بھی وہ لازم ہو رہا ہے، جو ٹھیک نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵ بخلاف جو چیز تقسیم نہیں ہوسکتی ہو (اس کا ہبہ بغیر تقسیم کے بھی جائز ہے) کیونکہ یہاں قاصر قبضہ ہی ممکن ہے اس لئے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا

تشریح: یہ جملہ امام شافعیؒ کے اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ جب تقسیم کے بغیر ہبہ جائز ہی نہیں ہے تو جو چیز تقسیم نہیں ہوسکتی ہو اس کا ہبہ جائز قرار کیوں دیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مجبوری ہے کہ وہ چیز تقسیم ہو ہی نہیں سکتی ہے، اس لئے یہاں قاصر قبضہ پر ہی اکتفاء کیا جائے گا

ترجمہ: ۵ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تقسیم کرنے کا خرچ واہب کو لازم نہ ہو

تشریح: مشترک ہبہ جائز نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر مشترک ہبہ جائز قرار دے دیا جائے تو واہب کو تقسیم کرنا پڑے گا، اور بلا وجہ تقسیم کرانے کا خرچ واہب پر پڑے گا، اس لئے مشترک چیز کا ہبہ جائز نہیں ہونا چاہئے

ترجمہ: ٦ اور باری باندھنا ایسی چیز میں لازم ہوتا ہے جو اس نے ہبہ نہیں کیا ہے، ہبہ تو عین چیز کو کیا ہے

تشریح: یہ جملہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ ایسی چیز جو تقسیم نہیں ہوتی ہو اس کو ہبہ کرنے میں اس کے نفع کو حاصل کرنے کے لئے باری متعین کرنی ہوگی، یہ بھی تو واہب پر لازم ہوئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ واہب نے چیز ہبہ کی ہے

الْـمَـنْفَعَةُ، وَالْهِبَةُ لَاقَتُ الْعَيْنَ، ۷ وَالْـوَصِيَّةُ لَيْـسَ مِـنْ شَرْطِهَا الْقَبْضُ، ۸ وَكَـذَا الْبَيْعُ الصَّحِيحُ، وَالْبَيْـعُ الْـفَـاسِـدُ وَالـصَّرْفُ وَالسَّلَمُ فَالْقَبْضُ فِيهَا غَيْرُ مَنْصُوصٍ عَلَيْهِ، وَلِأَنَّهَا عُقُودُ ضَمَانٍ فَتُنَاسِبُ لُزُومَ مُؤْنَةِ الْقِسْمَةِ، ۹ وَالْقَرْضُ تَبَرُّعٌ مِنْ وَجْهٍ وَعَقْدُ ضَمَانٍ مِنْ وَجْهٍ، فَشَرَطْنَا الْقَبْضَ الْقَاصِرَ فِيهِ دُونَ الْقِسْمَةِ عَمَلًا بِالشُّبْهَيْنِ، عَلَى أَنَّ الْقَبْضَ غَيْرُ مَنْصُوصٍ عَلَيْهِ فِيهِ.

(۱۰۳۵)وَلَوْ وَهَبَ مِنْ شَرِيكِهِ لَا يَجُوزُ؛ ۱ لِأَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى نَفْسِ الشُّيُوعِ.

نفع ہبہ نہیں کی ہے،اس لئے اگر نفع کے تقسیم کی ذمہ داری لازم ہوئی تو یہ دوسری چیز کی ذمہ داری ہے، ہبہ کی ذمہ داری نہیں ہے۔

لغت:المہایاۃ: نفع اٹھانے کے باری متعین کرنا۔الھبۃ لاقت العین: عین چیز کو ہبہ کیا ہے، ہبہ عین چیز کو شامل ہے

ترجمہ:۷ اور وصیت میں قبضہ کرنا شرط نہیں ہے

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ مشترک چیز کی وصیت جائز ہے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ وصیت میں چیز پر قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے اس لئے مشترک چیز کی وصیت جائز ہے

ترجمہ :۸ ایسے ہی صحیح بیع اور فاسد بیع، اور بیع صرف، اور بیع سلم میں بھی مبیع پر قبضہ کرنا نص میں نہیں ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ سب عقد ضمان کا عقد ہے اس لئے تقسیم کا خرچ مناسب ہے

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا کہ مشترک چیز کی بیع جائز ہے، اس لئے مشترک چیز کا ہبہ جائز ہے، اس کے دو جواب دئے جا رہے ہیں، ایک یہ کہ بیع صحیح میں، بیع فاسد میں، بیع صرف میں، نص میں یعنی حدیث میں قبضہ کرنے کی شرط نہیں ہے، اس لئے وہاں مشترک چیز کی بیع جائز ہے، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ان سب عقدوں میں پیسہ لیتا ہے، ہبہ کی طرح احسان نہیں ہے اس لئے ان سب میں بٹوارہ کرنے کا خرچ پڑے تو کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ مناسب ہے، اس سے ہبہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے

ترجمہ :۹ اور قرض کا معاملہ یہ ہے کہ ایک اعتبار سے وہ تبرع ہے اور ایک اعتبار سے ضمان ہے، کیونکہ قرض کا بدلہ واپس لینا ہے، اس لئے ہم نے قاصر قبضہ کی شرط لگائی ہے تقسیم کی شرط نہیں لگائی دونوں شبہوں پر عمل کرتے ہوئے، پھر دوسری بات یہ ہے کہ قرض میں بھی قبضہ کرنا نص میں نہیں ہے۔

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ مشترک چیز کا قرض دینا جائز ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرض کی دو حیثیت ہیں، قرض دینے کے بعد اس کا بدلہ رقم واپس لے گا، اس اعتبار سے وہ عقد ضمان ہے۔لیکن قرض دینا تبرع ہے، دینا واجب نہیں ہے۔ چونکہ قرض ناقص تبرع ہے اس لئے اس میں ناقص قبضہ، یعنی مشترک چیز پر قبضہ کافی ہو جائے گا ، اور دوسری بات یہ ہے کہ قرض میں قبضہ کرنا ضروری ہو یہ حدیث میں نہیں ہے، اس لئے مشترک چیز کا قرض دینا جائز ہوگا

ترجمہ:(۱۰۳۵) اور اگر مشترک چیز شریک ہی کو ہبہ کر دیا تب بھی جائز نہیں ہے

ترجمہ:۱ اس لئے حکم کا مدار نفس اشتراک پر ہے (یعنی ہبہ مشترک تو ہے اس لئے جائز نہیں ہوگا)

(١٠٣٦) قَالَ (وَمَنْ وَهَبَ شِقْصًا مُشَاعًا فَالْهِبَةُ فَاسِدَةٌ) لِمَا ذَكَرْنَا (فَإِنْ قَسَّمَهُ وَسَلَّمَهُ جَازَ)؛ ا لِأَنَّ تَمَامَهُ بِالْقَبْضِ وَعِنْدَهُ لَا شُيُوعَ .

(١٠٣٧) قَالَ: (وَلَوْ وَهَبَ دَقِيقًا فِي حِنْطَةٍ أَوْ دُهْنًا فِي سِمْسِمٍ فَالْهِبَةُ فَاسِدَةٌ، فَإِنْ طَحَنَ وَسَلَّمَه لَمْ يَجُزْ) وَكَذَا السَّمْنُ فِي اللَّبَنِ؛ ا لِأَنَّ الْمَوْهُوبَ مَعْدُومٌ، وَلِهَذَا لَوْ اسْتَخْرَجَهُ الْغَاصِبُ يَمْلِكُهُ، وَالْمَعْدُومُ لَيْسَ بِمَحَلٍّ لِلْمِلْكِ فَوَقَعَ الْعَقْدُ بَاطِلًا، فَلَا يَنْعَقِدُ إلَّا بِالتَّجْدِيدِ، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ؛ لِأَنَّ الْمُشَاعَ مَحَلٌّ

تشریح : شریک کو ہی ہبہ کیا تب بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ چیز مشترک ہے، اور مشترک چیز کو ہبہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے شریک ہی کو ہبہ کیا تب بھی جائز نہیں ہوگا

ترجمہ: (١٠٣٦) اگر ہبہ کیا مشترک چیز کا کچھ حصہ تو ہبہ فاسد ہے۔ پس اگر اس کو تقسیم کر دیا اور سپرد کر دیا تو جائز ہے۔

ترجمہ: ا اس لئے کہ ہبہ مکمل ہوگا قبضے سے، اور اس وقت شرکت نہیں ہے

تشریح: مشترک چیز کے کچھ حصے کو ہبہ کر دیا تو اوپر کے قول صحابی کی بنا پر تقسیم کر کے ہبہ کرنا چاہئے۔ لیکن بغیر تقسیم کئے ہوئے ہی ہبہ کر دیا تو ہبہ فاسد ہوگا۔ لیکن اگر بعد میں تقسیم کر کے موہوب لہ کو قبضہ دے دیا تب بھی جائز ہو جائے گا۔

وجہ: (١) اصل یہ ہے کہ قبضہ کرتے وقت ہبہ کی چیز تقسیم شدہ ہونی چاہئے۔ چاہے اس سے پہلے تقسیم شدہ نہ ہو۔ اس لئے قبضہ کرتے وقت چیز کو تقسیم کر کے دے دیا تو ہبہ جائز ہو جائے گا (٢) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ **سألت ابن شبرمة عنه فقال اذا سمى فجعل له مائة دينار من ماله فهو جائز وان سمى ثلثا او ربعا لم يجز حتى يقسمه** (مصنف عبد الرزاق، باب الھبات ج تاسع ص ١٠٨ نمبر ١٦٥٣١) اس قول تابعی میں اشارہ ہے کہ تقسیم کر دے تو ہبہ جائز ہو جائے گا۔

نوٹ قبضہ کے وقت بھی تقسیم نہیں کرے گا تو ہبہ فاسد ہی رہے گا۔

لغت: شقصا: ایک حصہ۔ مشاعا: مشترک۔

ترجمہ: (١٠٣٧) اگر ہبہ کیا آٹے کا گیہوں میں یا تیل کو تلوں میں تو ہبہ فاسد ہے، پس اگر اس کو پیس دیا اور ہبہ کیا تو جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ا اس لئے کہ ہبہ کی ہوئی چیز معدوم ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر غاصب نے اس کو نکالا تو وہ مالک ہو جائے گا، اور معدوم چیز ملکیت کا محل نہیں ہے، اس لئے ہبہ باطل ہو گیا، اس لئے نیا کرنے سے ہبہ منعقد نہیں ہوگا، بخلاف جو مسئلے پہلے گزرے (مشترک چیز کا ہبہ کرنا) تو مشترک چیز ملک کا محل ہے (اس لئے مشترک چیز کو تقسیم کر کے دے دیا تو ہبہ جائز ہو جائے گا)

تشریح: آٹا ہبہ کیا اس حال میں کہ وہ گیہوں کے اندر ہے یا تل کا تیل ہبہ کیا اس حال میں کہ وہ ابھی تل کے دانے کے اندر ہے تو یہ ہبہ جائز نہیں ہے۔ پس اگر گیہوں پیس کر آٹا بنا دیا اور ہبہ کیا تب بھی درست نہیں ہے یا تل پیس کر تیل نکال لیا اور ہبہ کیا تب بھی درست نہیں ہوگا۔ ہاں دوبارہ از سر نو آٹا اور تیل ہبہ کرے تو درست ہوگا اور یہ دوسرا ہبہ ہوگا۔

لِلتَّمْلِيكِ، ٢ وَهِبَةُ اللَّبَنِ فِي الضَّرْعِ وَالصُّوفِ عَلَى ظَهْرِ الْغَنَمِ وَالزَّرْعِ وَالنَّخْلِ فِي الْأَرْضِ وَالتَّمْرِ فِي النَّخِيلِ بِمَنْزِلَةِ الْمُشَاعِ؛ لِأَنَّ امْتِنَاعَ الْجَوَازِ لِلاتِّصَالِ وَذٰلِكَ يَمْنَعُ الْقَبْضَ كَالشَّائِعِ.

(۱۰۳۸)قَالَ: (وَإِذَا كَانَتِ الْعَيْنُ فِي يَدِ الْمَوْهُوبِ لَهُ مَلَكَهَا بِالْهِبَةِ وَإِنْ لَمْ يُجَدِّدْ فِيهَا قَبْضًا)؛ ا لِأَنَّ الْعَيْنَ فِي قَبْضِهِ وَالْقَبْضُ هُوَ الشَّرْطُ، ٢ بِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَهُ مِنْهُ؛ لِأَنَّ الْقَبْضَ فِي الْبَيْعِ مَضْمُونٌ فَلَا

وجه: یہاں آٹا اور تیل ہبہ کرتے وقت مشاع اور مشترک نہیں ہے بلکہ آٹا اور تل کا تیل معدوم ہیں۔اور یہ دونوں پیسنے کے بعد وجود میں آئے ہیں۔اور معدوم چیز کا ہبہ ہی درست نہیں ہے۔اس لئے بعد میں پیسنے کے بعد بھی ہبہ درست نہیں ہوگا۔ اور اوپر کے مسئلے میں مشترک چیز کا ہبہ تقسیم کے بعد اس لئے جائز ہو گیا تھا کہ وہ ہبہ کے وقت موجود ہے صرف تقسیم شدہ نہیں ہے۔اور موجودہ مسئلے میں آٹا اور تیل ہبہ کے وقت موجود ہی نہیں ہیں معدوم ہیں۔اس لئے بعد میں آٹا اور تیل بننے کے بعد بھی ہبہ درست نہیں ہوا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ معدوم چیز کا ہبہ درست نہیں ہے۔

لغت: دقیق: آٹا۔دہن: تیل۔سمسم: تل۔طحن: پیسا۔سمن: گھی

ترجمہ: ٢ اور تھن کے اندر دودھ کا ہبہ،اور بھیڑ کی پیٹھ پر اون کا ہبہ،اور زمین میں رہتے ہوئے کھیتی اور درخت پر رہتے ہوئے کھجور کا ہبہ مشترک ہبہ کی طرح ہے(یعنی یہ ہبہ جائز نہیں ہے)اس لئے کہ سب چیزیں دوسرے کے ساتھ متصل ہیں،اس سے مشترک چیز کی طرح قبضہ نہیں ہوگا

تشریح: یہ تمام چیزیں دوسرے کے ساتھ متصل ہیں اس لئے ان پر پورا قبضہ نہیں ہوگا،اس لئے ان چیزوں کا ہبہ جائز نہیں ہے

لغت: ضروع: تھن۔صوف: اون۔النخیل: کھجور کا درخت

ترجمہ: (۱۰۳۸)اگر ہبہ کی ہوئی چیز موہوب لہ کے ہاتھ میں ہو تو وہ مالک ہو جائے گا ہبہ کرنے سے اگر چہ اس پر نیا قبضہ نہ کیا ہو۔

ترجمہ: ا اس لئے کہ عین چیز موہوب ہی کے قبضے میں ہے،اور قبضہ ہی شرط ہے

وجہ: (۱) پہلے سے موہوب لہ کے قبضہ میں ہے۔اس لئے دوبارہ نیا قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔کیونکہ قبضہ جو شرط ہے وہ پہلے سے ہی ہے (۲) عبد اللہ بن عمر مضبوط اونٹ پر سوار تھے۔اس کو حضورؐ نے خریدا پھر حضورؐ نے اس پر قبضہ نہیں کیا اور عبد اللہ بن عمر کو ہبہ کر دیا۔اور عبد اللہ بن عمر کو ہبہ مکمل کرنے کے لئے نیا قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔جس سے معلوم ہوا کہ ہبہ کی چیز موہوب لہ کے قبضہ میں پہلے سے ہو تو ہبہ کی ملکیت کے لئے دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عمر قال كنا مع النبي ﷺ في سفر وكنت على بكر صعب فقال النبي ﷺ لعمر بعنيه فابتاعه فقال النبي ﷺ هو لك يا عبد الله** (بخاری شریف،باب اذا وهب بعيرا لرجل وهو راكبه فهو جائز ص ۴۵۶ نمبر ۲۶۱۱)

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پہلے سے قبضہ ہو تو دوبارہ قبضہ کی ضرورت نہیں۔

ترجمہ: ٢ بخلاف جس کے قبضے میں مبیع تھی اسے ہاتھ میں بیچا(تو مشتری کو دوبارہ قبضہ کرنا ہوگا)اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع میں

يَنُوبُ عَنْهُ قَبْضُ الْأَمَانَةِ، أَمَّا قَبْضُ الْهِبَةِ فَغَيْرُ مَضْمُونٍ فَيَنُوبُ عَنْهُ

(۱۰۳۹) (وَإِذَا وَهَبَ الْأَبُ لِابْنِهِ الصَّغِيرِ هِبَةً مَلَكَهَا الِابْنُ بِالْعَقْدِ)؛ ل لِأَنَّهُ فِي قَبْضِ الْأَبِ فَيَنُوبُ

قبضہ کرنا ضروری ہے، اس لئے امانت کا قبضہ کافی نہیں ہوگا، لیکن ہبہ کا مضمون نہیں ہے اس لئے پہلے کا قبضہ کا نائب بن جائے گا

تشریح :ایک آدمی کے قبضے میں گائے ہے تو یہ امانت کا قبضہ ہے جو کم درجے کا ہے، اب اس کو قبضے والے نے ہی خرید لیا تو یہ قبضہ ضمان کا قبضہ ہوگا، جو اعلی درجے کا ہے، اس لئے امانت کا قبضہ بیع کے قبضے کے لئے کافی نہیں ہوگا، دوبارہ گائے پر قبضہ کرنا ہوگا۔ اور ہبہ کا قبضہ امانت کے قبضے کی طرح ادنی درجے کا ہے، اس لئے موہوب لہ کے پاس چیز موجود ہو تو پہلا ہی قبضہ ہبہ کے قبضے کے لئے کافی ہوگا، دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے

ترجمہ:(۱۰۳۹) اگر ہبہ کیا باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کوئی چیز تو بیٹا اس کا مالک بن جائے گا عقد کرنے سے اگر چہ اس پر قبضہ نہ پایا گیا ہو۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ وہ چیز باپ کے قبضے میں ہے، اس لئے یہ قبضہ ہبہ کے قبضے کا نائب بن جائے گا

تشریح :باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی تو جیسے ہی عقد کیا تو چھوٹا بیٹا اس کا مالک ہو جائے گا، الگ سے باپ کا نیا قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

وجہ:(۱) چھوٹے بیٹے کی جانب سے تو خود باپ ہی قبضہ کرے گا۔ کیونکہ بچے کا ولی وہی ہے، اور باپ کے قبضے میں پہلے سے وہ چیز موجود ہے اس لئے دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے عقد ہبہ کرتے ہی بچہ ہبہ کی چیز کا مالک ہو جائے گا (۲) **عن ابن عمر قال كنا مع النبى ﷺ.. فباعه من رسول الله ﷺ فقال النبى ﷺ هو لک یا عبد الله بن عمر تصنع به ما شئت** (بخاری شریف، کتاب البیوع، باب اذا اشتری شیئا فوہب من ساعۃ قبل ان یتفرقا، ص ۳۳۹، نمبر ۲۱۱۵) اس حدیث میں حضرت عبد اللہ کے پاس اونٹ تھا، حضورؐ نے اس کو دیا تو دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑی (۳) اس کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ **عن عثمان بن عفان انل قال من نحل ولدا له صغيرا لم يبلغ ان يحوز نحله فاعلن بها واشهد عليها فهى جائزة وان وليها ابوه** ۔(۳) دوسری روایت میں ہے۔ **فشكى ذلك الى عثمان فرأى ان الوالد يحوز لولده اذا كانوا صغارا** (سنن للبیہقی، باب یقبض للطفل ابوہ، ج سادس، ص ۲۷۲، نمبر ۱۱۹۵۲ / مصنف عبد الرزاق، باب النحل، ج تاسع، ص ۱۰۳ نمبر ۱۶۵۱۰ / ۱۶۵۱۱) اس قول صحابی سے پتہ چلا کہ باپ چھوٹے بیٹے کی جانب سے قبضہ کریں گے۔ اور چیز پہلے سے اسی کے قبضے میں ہے اس لئے نئے قبضے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے ہبہ کا عقد کرتے ہی چھوٹا بیٹا ہبہ کا مالک ہو جائے گا۔

اصول: مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چھوٹے بچے کی جانب سے باپ یا اس کا ولی قبضہ کرے گا۔

عَنْ قَبْضِ الْهِبَةِ، ۲ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا كَانَ فِي يَدِهِ أَوْ فِي يَدِ مُودِعِهِ؛ لِأَنَّ يَدَهُ كَيَدِهِ، ۳ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ مَرْهُونًا أَوْ مَغْصُوبًا أَوْ مَبِيعًا بَيْعًا فَاسِدًا؛ لِأَنَّهُ فِي يَدِ غَيْرِهِ أَوْ فِي مِلْكِ غَيْرِهِ، ۴ وَالصَّدَقَةُ فِي هَذَا مِثْلُ الْهِبَةِ،

(۱۰۴۰)وَكَذَا إِذَا وَهَبَتْ لَهُ أُمُّهُ وَهُوَ فِي عِيَالِهَا وَالْأَبُ مَيِّتٌ وَلَا وَصِيَّ لَهُ، وَكَذَلِكَ كُلُّ مَنْ يَعُولُهُ.

ترجمہ: ۲ اور کوئی فرق نہیں ہے کہ ہبہ کی چیز باپ کے قبضے میں ہو، یا اس کے امین کے قبضے میں ہو اس لئے کہ امین کا قبضہ بھی باپ ہی قبضہ ہے

تشریح: باپ نے بیٹے کے لئے ہبہ کیا، لیکن وہ چیز باپ کے امین کے پاس تھی، اب امین کا قبضہ باپ کا ہی قبضہ ہے اس لئے ہبہ کے لئے دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بیٹے کے لئے قبضہ ہو گیا۔

ترجمہ: ۳ بخلاف اگر ہبہ کی چیز اگر رہن پر ہو، یا غصب کی ہوئی ہو، یا بیع فاسد کی وجہ سے مشتری کے قبضے میں ہو (تو دوبارہ قبضہ کرنا ہوگا) اس لئے یہ چیز غیر کے قبضے میں ہے، یا غیر کی ملکیت میں ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ رہن، غصب، اور بیع فاسد پر دی ہوئی چیز دوسرے کے قبضے میں، باپ کے قبضے میں نہیں ہے اس لئے بیٹے کے ہبہ کے لئے دوبارہ قبضہ کرنا ہوگا

تشریح: رہن پر دی ہوئی چیز باپ کے قبضے میں نہیں ہے، بلکہ غیر کے قبضے میں ہے۔ غصب کر لیا تو یہ چیز غاصب کے قبضے میں ہے، باپ نے بیع فاسد میں ہبہ کی چیز مشتری کو دے دی تو مشتری کی ملکیت ہے، اس لئے باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کے لئے ہبہ کیا تو اس پر دوبارہ قبضہ کرنا ہوگا۔

ترجمہ: ۴ اور صدقہ ہبہ کی طرح ہے

تشریح: باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کو صدقہ کیا تو اس کی تفصیل بھی وہی ہیں جو ہبہ کرنے کے ہیں، یعنی باپ نے چھوٹے بیٹے کو صدقہ کیا اور وہ چیز باپ کے قبضے میں ہے تو باپ کا قبضہ کرنا کافی ہے، دوبارہ قبضے کرنے کی ضرورت نہیں ہے

ترجمہ: (۱۰۴۰) اگر ماں نے اپنے چھوٹے بچے کو ہبہ کیا، اور بچہ ماں کے عیال میں ہے، اور باپ کا انتقال ہو چکا ہے، اور بچے کا کوئی وصی نہیں ہے، اور یہی حال ہے ان لوگوں کا جو بچے کی کفالت کرتے ہوں

تشریح: ماں نے اپنے چھوٹے بچے کے لئے ہبہ کیا، اور بچہ کا باپ نہیں، اور اس کا کوئی وصی بھی نہیں ہے، اور بچہ ماں کی کفالت میں ہے تو ماں کا قبضہ ہی بیٹے کا قبضہ ہے اس لئے دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آگے یہ حکم بتایا کہ کسی اجنبی کے عیال میں بچہ ہو اس کا قبضہ بھی بچے کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے، اس لئے اگر پہلے سے اس کے قبضے میں ہو تو دوبارہ قبضے کی ضرورت نہیں ہے

اصول:: عورت ناقص العقل ہے اس لئے کوئی مرد ولی نہ ہو تب جا کر ماں کو یتیم کی ولایت ملتی ہے

اصول: یہ سب مسئلے اس اصول پر ہیں کہ جو بچے کا ولی ہو اس کے قبضہ کرنے سے ہبہ مکمل ہو جائے گا۔

(١٠۴١)(وَإِنْ وَهَبَ لَهُ أَجْنَبِيٌّ هِبَةً تَمَّتْ بِقَبْضِ الْأَبِ)؛ ل لِأَنَّهُ يَمْلِكُ عَلَيْهِ الدَّائِرَ بَيْنَ النَّافِعِ وَالضَّائِرِ فَأَوْلَى أَنْ يَمْلِكَ الْمَنَافِعَ.

(١٠۴٢)قَالَ (وَإِذَا وَهَبَ لِلْيَتِيمِ هِبَةً فَقَبَضَهَا لَهُ وَلِيُّهُ وَهُوَ الْوَصِيُّ الْأَبُ أَوْ جَدُّ الْيَتِيمِ أَوْ وَصِيُّهُ جَازَ)؛ ل لِأَنَّ لِهَؤُلَاءِ وِلَايَةً عَلَيْهِ لِقِيَامِهِمْ مَقَامَ الْأَبِ ٢ (وَإِنْ كَانَ فِي حِجْرِ أُمِّهِ فَقَبْضُهَا لَهُ جَائِزٌ)؛ لِأَنَّ لَهَا الْوِلَايَةَ فِيمَا يَرْجِعُ إِلَى حِفْظِهِ وَحِفْظِ مَالِهِ .وَهَذَا مِنْ بَابِهِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَبْقَى إِلَّا بِالْمَالِ فَلَا بُدَّ مِنْ

ترجمہ:(١٠۴١)اوراجنبی نے بچے کو ہبہ کیا تو باپ کے قبضہ کرنے سے ہبہ مکمل ہو جائے گا۔

ترجمہ:ل اس لئے کہ باپ نقصان اور نفع دونوں کا مالک ہے،تو جو صرف نفع ہے اس کا بدرجہ اولی مالک ہوگا

تشریح :کسی اجنبی نے چھوٹے بچے کو ہبہ کیا اور بچہ باپ کی ولایت میں ہے تو باپ ہی بچے کی جانب سے قبضہ کرے گا اور اسی کے قبضہ سے بچہ مالک بن جائے گا، بچہ کوالگ سے قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ:(١)باپ اس بات کا مالک ہے کہ نفع کا کام کرے،اور نقصان کو دور کرے،اس لئے جو چیز صرف نفع کی چیز اس کا بدرجہ مالک ہوگا(٢) اس کے لئے قول صحابی یہ ہے۔فرأى عثمان بن عفان ان الوالد يحوز لولده اذا كونوا صغارا (سنن للبیھقی ،ج سادس،ص٢٨٢،نمبر١١٩۵۴)اس میں ہے کہ باپ بچے کی چیز پر قبضہ کرے گا

ترجمہ :(١٠۴٢)اگر یتیم کو کوئی چیز ہبہ کی گئی اور قبضہ کیا اس کو اس کے ولی نے،اور وہ ولی باپ کا وصی ہے،یا یتیم کا دادا ہے، یا دادا کا وصی ہے تو جائز ہے۔

ترجمہ:ل اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو یتیم پر ولایت ہے،اس لئے کہ یہ باپ کے قائم مقام ہیں

تشریح :باپ نہیں ہے،لیکن یہ لوگ یتیم کا ولی ہے،مثلا باپ کا وصی ہے،یا دادا ہے،یا دادا کا وصی ہے تو یہ لوگ باپ کے قائم مقام ہیں اس لئے کسی نے یتیم کو ہبہ کیا اور ان لوگوں میں سے کسی ایک نے قبضہ کر لیا تو یتیم کی جانب سے ہبہ پر قبضہ ہو جائے گا

وجہ :یتیم چھوٹا ہونے کی وجہ سے ہبہ پر قبضہ نہیں کر سکتا اور باپ ہے نہیں جو قبضہ کرے۔اس لئے یتیم کا جو ولی ہے یا وصی ہے اس کا قبضہ ہی یتیم کی ملکیت کے لئے کافی ہے(٢) پہلے قول صحابی گزر چکا ہے۔ان وليها ابوه (سنن للبیھقی ،باب يقبض للطفل ابوه،ج سادس،ص٢٨٢،نمبر١١٩۵٢) جس سے معلوم ہوا کہ جو ولی ہو اس کا قبضہ کرنا ہبہ مکمل ہونے کے لئے کافی ہے۔

ترجمہ :٢ پس اگر یتیم ماں کی گود میں ہو تو ماں کا قبضہ کرنا یتیم کے لئے جائز ہے۔،اس لئے کہ جس میں یتیم کے مال کی حفاظت ہو اس میں اس کی ولایت ہے اور یہ اسی باب میں آتا ہے،اس لئے کہ اس حفاظت کے بغیر مال باقی نہیں رہے گا،اس لئے نفع حاصل کرنے کے لئے یہ ولایت ضروری ہے

تشریح:ماں کی ولایت یتیم کے مال کی حفاظت کے لئے ہے اس لئے جہاں بچے کے مال کی حفاظت کا معاملہ ہے وہاں ماں بچے کے مال کی حفاظت کرے گی،اور ماں کا قبضے کا قبضہ شمار کیا جائے گا

وِلَايَةِ التَّحْصِيلِ ٣؎ (وَكَذَا إِذَا كَانَ فِي حِجْرِ أَجْنَبِيٍّ يُرَبِّيهِ)؛ لِأَنَّ لَهُ عَلَيْهِ يَدًا مُعْتَبَرَةً .أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا يَتَمَكَّنُ أَجْنَبِيٌّ آخَرُ أَنْ يَنْزِعَهُ مِنْ يَدِهِ فَيَمْلِكُ مَا يَتَمَحَّضُ نَفْعًا فِي حَقِّه

(١٠٤٣) (وَإِنْ قَبَضَ الصَّبِيُّ الْهِبَةَ بِنَفْسِهِ جَازَ) مَعْنَاهُ إِذَا كَانَ عَاقِلًا؛ ١؎ لِأَنَّهُ نَافِعٌ فِي حَقِّهِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِهِ.

(١٠٤٤) وَفِيمَا وَهَبَ لِلصَّغِيرَةِ يَجُوزُ قَبْضُ زَوْجِها لَهَا بَعْدَ الزِّفَافِ ١؎ لِتَفْوِيضِ الْأَبِ أُمُورَهَا إِلَيْهِ

وجه: پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ جو ولی ہو بچے کے لئے اس کا قبضہ کرنا کافی ہے، یہاں ماں ولیہ ہے اس لئے اس کا قبضہ کرنا کافی ہے۔

ترجمہ: ٣؎ ایسے ہی اگر یتیم اجنبی کی گود میں ہو جو اس کی پرورش کرتا ہو (تو اس کا قبضہ یتیم کے لئے جائز ہے۔) اس لئے کہ اس کا قبضہ معتبر ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ کوئی دوسرا اجنبی اس سے چھین نہیں سکتا ہے، اس لئے جس میں یتیم کے حق میں خالی نفع ہے اس کا وہ مالک ہوگا

تشریح: یتیم اجنبی کی پرورش میں ہے تو وہ اجنبی یتیم کو دئے ہوئے ہبہ پر قبضہ کر لے تو یہ اس کا حق ہے

وجہ: اجنبی چونکہ ولی بن گیا اس لئے ہبہ پر اجنبی ولی کے قبضے سے یتیم کی ملکیت مکمل ہو جائے گی۔

ترجمہ: (١٠٤٣) اور اگر بچے نے خود ہبہ پر قبضہ کیا اور وہ سمجھدار ہے تو جائز ہے۔

ترجمہ: ١؎ اس کا معنی یہ ہے کہ یتیم نابالغ تو ہے، لیکن عقلمند ہے اس لئے یہ اس کے حق میں نفع ہے، اور وہ اس کا اہل ہے

تشریح: بچہ سمجھدار ہے اور اس نے ہبہ پر قبضہ کیا تو جائز ہو جائے گا اور بچہ مالک ہو جائے گا۔

وجہ: سمجھدار ہونے کی وجہ سے اس کو خرید و فروخت میں وکیل بنا سکتے ہیں اس لئے ہبہ پر اس کا قبضہ بھی ملکیت کے لئے کافی ہوگا (٢) یہ اس کے فائدے کے لئے ہے اس لئے فائدہ کا کام وہ کر سکتا ہے (٣) حدیث میں ہے کہ سمجھدار لڑکے نے حضورؐ سے کہا میں آپؐ کے جھوٹے کو کسی کو نہیں دے سکتا اور حضورؐ نے اس کو اپنا جھوٹا ہبہ کیا اور وہ خود قبضہ کر کے اس کا مالک بنا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سمجھدار بچہ ہبہ پر خود قبضہ کر سکتا ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن سهل بن سعد ... فقال ما كنت لاوثر بنصيبي منك يا رسول الله احدا فتله في يده** (بخاری شریف، باب ھبۃ الواحد للجماعۃ ص ٣٥٤ نمبر ٢٦٠٢) پوری حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سمجھدار بچے کو بھی قبضہ کا حق ہے۔

ترجمہ: (١٠٤٤) کسی چھوٹی بچی کو ہبہ کیا تو بچی کے لئے اس کے شوہر نے قبضہ کیا شب زفاف کے بعد اس کا قبضہ کرنا جائز ہے،

ترجمہ: ١؎ کیونکہ باپ نے اس کے معاملے کو شوہر کو دلالۃ سونپ دیا ہے، بخلاف شب زفاف سے پہلے،

تشریح: شب زفاف کے بعد باپ نے بچی کو ذمہ دار بنا دیا ہے، اس لئے شوہر کا قبضہ کرنا جائز ہے، البتہ شباب سے پہلے باپ نے بچی کی ذمہ داری شوہر کو نہیں سونپی ہے، اس لئے وہ بچی کے ہبہ پر قبضہ نہیں کر سکتا ہے

دَلَالَةً، بِخِلَافِ مَا قَبْلَ الزِّفَافِ ٢؎ وَيَمْلِكُهُ مَعَ حَضْرَةِ الْأَبِ، بِخِلَافِ الْأُمِّ وَكُلِّ مَنْ يَعُولُهَا غَيْرِهَا حَيْثُ لَا يَمْلِكُونَهُ لَا بَعْدَ مَوْتِ الْأَبِ أَوْ غَيْبَتِهِ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً فِي الصَّحِيحِ؛ لِأَنَّ تَصَرُّفَ هَؤُلَاءِ لِلضَّرُورَةِ لَا بِتَفْوِيضِ الْأَبِ، وَمَعَ حُضُورِهِ لَا ضَرُورَةَ.

(۱۰۴۵) قَالَ: (وَإِذَا وَهَبَ اثْنَانِ مِنْ وَاحِدٍ دَارًا جَازَ)؛ ١؎ لِأَنَّهُمَا سَلَّمَاهَا جُمْلَةً وَهُوَ قَدْ قَبَضَهَا جُمْلَةً فَلَا شُيُوعَ

(۱۰۴۶) (وَإِنْ وَهَبَهَا وَاحِدٌ مِنْ اثْنَيْنِ لَا يَجُوزُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا يَصِحُّ)؛

ترجمہ: ٢؎ شوہر باپ کی موجودگی میں بچی کے ہبہ پر قبضہ کرسکتا ہے، بخلاف ماں کے، اور جو بھی بچی کی رکھوالی کرتے ہیں تو وہ بھی قبضہ نہیں کر سکتے ہیں مگر باپ کے مرنے کے بعد، یا غیب منقطعہ ہو صحیح روایت یہی ہے، اس لئے کہ ان لوگوں کا تصرف ضرورت کی بنا پر ہے، باپ کے سونپنے کی وجہ سے نہیں ہے، اور باپ کی موجودگی میں کوئی ضرورت نہیں ہے

تشریح: یہاں شوہر اور دوسرے والوں کے درمیان فرق بیان کر رہے ہیں۔ شوہر کا قبضہ باپ کے سونپنے کی وجہ سے ہے، اس لئے باپ موجود ہو تب بھی شوہر بچی کے مال پر قبضہ کرسکتا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کی جو رکھوالی ہے وہ ضرورت کی بنا پر ہے، اس لئے باپ مر چکا ہو، یا بہت دور رہتا ہو تب جا کر ماں، یا اجنبی رکھوالا قبضہ کرسکتا ہے

ترجمہ: (۱۰۴۵) اگر ہبہ کیا دو آدمیوں نے ایک شخص کو ایک مکان تو جائز ہے۔

ترجمہ: ١؎ اس لئے کہ دونوں نے ایک ساتھ ہبہ کیا، اور ایک آدمی نے پورے مکان پر قبضہ کیا تو شرکت نہیں ہوئی اس لئے ہبہ جائز ہے

وجہ: دو آدمیوں نے ایک آدمی کو ایک مکان ہبہ کیا تو اس میں شرکت اور شیوع نہیں پائی گئی جو ہبہ کے لئے مانع ہے اس لئے یہ ہبہ جائز ہے۔

ترجمہ: (۱۰۴۶) اور اگر ہبہ کیا ایک آدمی نے دو آدمیوں کو ایک گھر تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ صحیح ہے۔

تشریح: ایک آدمی کا ایک گھر ہے۔ اس نے دو آدمیوں کو مشترکہ طور پر آدھا آدھا ہبہ کیا تو جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) دو آدمیوں کو ایک مکان ہبہ کیا تو ان دونوں کے درمیان شیوع اور اشتراک پایا گیا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ شیوع کے ساتھ ہبہ درست نہیں ہے۔ اس لئے یہ ہبہ صحیح نہیں ہوگا (۲) قول تابعی میں ہے۔ کتب عمر بن عبد العزیز انه لا یجوز من النحل الا ما عزل و افرد و اعلم (مصنف عبد الرزاق، باب النحل ج تاسع ص ۱۰۴ نمبر ۱۶۵۱۴) (۳) سألت ابن شبرمة عنه فقال اذا سمی فجعل له مائة دینار من ماله فهو جائز و ان سمی ثلثا او ربعا لم یجز حتی یقسمه (مصنف عبد الرزاق، باب الهبات، ج تاسع، ص ۱۰۸ نمبر ۱۶۵۳۱) ان دونوں قول تابعی سے معلوم ہوا کہ مشترکہ چیز کو

١ لِأَنَّ هٰذِهِ هِبَةُ الْجُمْلَةِ مِنْهُمَا، إِذْ التَّمْلِيكُ وَاحِدٌ فَلَا يَتَحَقَّقُ الشُّيُوعُ كَمَا إِذَا رَهَنَ مِنْ رَجُلَيْنِ. ٢ وَلَهُ أَنَّ هٰذِهِ هِبَةُ النِّصْفِ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، وَلِهٰذَا لَوْ كَانَتِ الْهِبَةُ فِيمَا لَا يُقَسَّمُ فَقَبِلَ أَحَدُهُمَا صَحَّ، ٣ وَلِأَنَّ الْمِلْكَ يَثْبُتُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي النِّصْفِ فَيَكُونُ التَّمْلِيكُ كَذٰلِكَ؛

ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے۔اور یہاں چونکہ دوآدمیوں کوایک گھر مشترکہ طور پر ہبہ کیا تھا اس لئے جائز نہیں ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ایک آدمی دوآدمیوں کوایک گھر ہبہ کریں تو جائز ہے۔

وجہ : ہبہ کرتے وقت ایک ہی جائداد ہے اور ایک ہی عقد ہے۔البتہ تقسیم اور اشتراک ہبہ کے بعد واقع ہوئے ہیں اس لئے ہبہ درست ہے (۲) احادیث میں اس کا ثبوت ہے۔**وقالت اسماء للقاسم بن محمد وابن ابی عتیق ورثت عن اختی عائشة بالغابة وقد اعطانی به معاویة مائة الف فهو لکما** (بخاری شریف، باب ھبۃ الواحد للجماعۃ ص ۴۵۴ نمبر ۲۶۰۲) اس قول تابعی میں حضرت اسماء نے ایک لاکھ کو دوآدمیوں میں مشترکہ طور پر ہبہ کیا (۳)۔حدیث میں ہے۔**عن سهل بن سعد ان النبی ﷺ اتی بشراب فشرب وعن یمینه غلام وعن یساره الاشیاخ فقال للغلام ان اذنت لی اعطیت هؤلاء فقال ما کنت لاوثر بنصیبی منک یا رسول الله احد فتله فی یده** (بخاری شریف، باب ھبۃ الواحد للجماعۃ ص ۴۵۴ نمبر ۲۶۰۲) اس حدیث میں مشترکہ طور پر شربت ہبہ کیا۔جس سے مشترکہ طور پر ہبہ کرنے کے جواز کا پتہ چلتا ہے (۴) حضرت ابوقتادہ نے وحشی گدھا شکار کر کے سب صحابہ کو مشترکہ طور پر ہبہ کیا تھا جس کا ثبوت حدیث میں ہے (بخاری شریف نمبر ۲۵۷۰)

اصول: صاحبین کے نزدیک مشترکہ ہبہ کی گنجائش ہے۔

ترجمہ : ١ اس لئے کہ یہ مجموعی طور پر دوآدمیوں کو ہبہ ہے اس لئے کہ ایک نے ہبہ کیا ہے تو شرکت متحقق نہیں ہوئی، جیسا کہ ایک آدمی نے ایک گھر کو دوآدمیوں کے پاس رہن رکھا تو جائز ہے

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے ایک آدمی نے جب ہبہ کیا تو ایک ہی ملکیت ہے اس لئے شرکت نہیں ہوئی اس لئے ہبہ جائز ہوگا، اس کی مثال دیتے ہیں کہ زید نے اپنا ایک مکان دوآدمیوں سے قرض لیکر دوآدمیوں کے پاس رہن پر رکھا تو جائز ہے، حالانکہ یہ مکان رہن میں مشترک ہوگیا، اسی طرح ایک آدمی کا مکان ہو اور دوآدمیوں کو ہبہ پر رکھا تو جائز ہوگا

ترجمہ ٢ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس ہبہ میں دونوں کو آدھا آدھا ملا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر یہ چیز ایسی ہو جو تقسیم ہی نہیں ہوسکتی ہو اور ایک آدمی قبول کرلے تو صحیح ہے۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے کہ، اس ہبہ میں دوآدمی شریک ہوگئے، اور دونوں آدمیوں کو آدھا آدھا ملا ہے، اس لئے یہ مشترک ہبہ ہے اس لئے جائز نہیں ہوگا، اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر یہ چیز ایسی ہوتی جو تقسیم نہیں ہوسکتی ہو اور ایک آدمی قبول کرلیتا تو ہبہ صحیح ہوجاتا، یہ دلیل ہے کہ یہ مشترک ہبہ ہے جو جائز نہیں ہے

ترجمہ : ٣ اور اس لئے کہ ہر ایک کو آدھے میں ملکیت ثابت ہوگی، اس لئے مالک بنانا بھی اسی طرح مشترک ہوا، اس لئے کہ اسی کا حکم ہے، اور اس اعتبار سے شرکت متحقق ہوگئی

لِأَنَّهُ حُكْمُهُ، وَعَلَى هَذَا الِاعْتِبَارِ يَتَحَقَّقُ الشُّيُوعُ، ٤ بِخِلَافِ الرَّهْنِ؛ لِأَنَّ حُكْمَهُ الْحَبْسُ، وَيَثْبُتُ لِكُلٍّ مِنْهُمَا كَمَلًا، فَلَا شُيُوعَ وَلِهَذَا لَوْ قَضَى دَيْنَ أَحَدِهِمَا لَا يَسْتَرِدُّ شَيْئًا مِنْ الرَّهْنِ ٥ (وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: إذَا تَصَدَّقَ عَلَى مُحْتَاجِينَ بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ أَوْ وَهَبَهَا لَهُمَا جَازَ، وَلَوْ تَصَدَّقَ بِهَا عَلَى غَنِيَّيْنِ أَوْ وَهَبَهَا لَهُمَا لَمْ يَجُزْ، ٦ وَقَالَا: يَجُوزُ لِلْغَنِيَّيْنِ أَيْضًا) جَعَلَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَجَازًا

تشریح: یہ صاحبینؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ مالک بنانے والا ایک ہے، اس لئے مالک بنانے میں شرکت نہیں ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں موہوب لہ کو آدھا آدھا مکان ملا تو مالک بننے میں شرکت ہوگئی، اور ایسا واہب کی جانب سے ہوا ہے، تو مالک بنانے میں بھی شرکت ہوگئی

لغت: تملیک: مالک بنانا۔ ملک: مالک بننا۔

ترجمہ: ٤ بخلاف رہن کے اس لئے کہ اس کا حکم قبضہ کرنا نہیں ہے، بلکہ محبوس کرنا ہے، اور یہ دونوں کامل کامل طور پر حاصل ہے اس لئے شرکت نہیں ہوئی، یہی وجہ ہے کہ ایک راہن نے کو قرضہ ادا کر دیا تو دوسرے سے رہن کی آدھی چیز واپس نہیں لے سکتے ہیں

تشریح: یہ بھی صاحبینؒ کو جواب ہے۔انہوں نے کہا تھا مشترک رہن جائز ہے تو مشترک ہبہ بھی جائز ہوگا۔اس کا جواب یہ ہے کہ رہن میں قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ رہن کی چیز کو محبوس رکھنا کافی ہے، اور وہ پورا پورا دونوں کے حبس میں ہے اس لئے مشترکہ چیز رہن پر رکھنا جائز ہے ، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ زید نے عمر اور خالد سے پانچ سو پانچ سو پونڈ قرض لیا، اور بدلے میں ایک مکان رہن پر رکھ دیا، اب عمر کے قرض کو ادا کیا تو آدھا حصہ خالد سے نہیں لے سکتا ہے، بلکہ اب پورا مکان خالد کے پاس رہن رہے گا، جس کا مطلب یہ ہے کہ عمر کے پاس بھی مکان رہتے ہوئے خالد کے حبس میں پورا مکان تھا

ترجمہ: ٥ جامع صغیر میں ہے کہ دو محتاجوں پر دس درہم صدقہ کئے، یا دونوں محتاجوں کو دس درہم ہبہ کئے تو جائز ہے، اور اگر دو مالداروں پر صدقہ کیا، یا ہبہ کیا تو جائز نہیں ہے

تشریح: دو محتاجوں پر دس درہم صدقہ کئے، یا ہبہ کئے تو جائز ہے، لیکن دو مالداروں پر صدقہ کئے، یا ہبہ کئے تو جائز نہیں ہے

وجہ: (١) اس کی وجہ یہ ہے کہ صدقہ، اور ہبہ یہ دونوں پہلے اللہ کے ہاتھ میں جاتے ہیں، اور وہ ایک ہی ہے اس لئے ملکیت میں شرکت نہیں رہی اس لئے جائز ہو جائے گا۔ اور مالداروں کو دئے تو یہاں مقصود مالدار کو غنی بنانا ہے، اور وہ دو ہیں اس لئے ملکیت میں شرکت ہوگئی اس لئے جائز نہیں ہوگا (٢) دوسری وجہ یہ ہے کہ درہم ایسی چیز ہے جو آسانی سے تقسیم ہو جاتا ہے، اس لئے اس میں شرکت کا معاملہ اتنا نہیں ہے، اسی لئے بعض حضرات نے جائز کہا ہے، اور بعض حضرات نے ناجائز کہا ہے

ترجمہ: ٦ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مالدار کے لئے بھی ہبہ اور صدقہ جائز ہے، انہوں نے ہبہ اور صدقہ کو ایک دوسرے کے لئے مجاز قرار دیا ہے، اور اس کی صلاحیت ثابت ہے، اس لئے کہ دونوں میں بغیر بدلے مالک بنانا ہے

تشریح: صاحبینؒ نے ہبہ کو مجازا صدقہ کے معنی میں، اور صدقہ کو ہبہ کے معنی میں لیا ہے،، کیونکہ دونوں میں بغیر بدلہ لئے

عَنْ الْآخَرِ، وَالصَّلَاحِيَّةُ ثَابِتَةٌ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَمْلِيكٌ بِغَيْرِ بَدَلٍ، وَفَرَّقَ بَيْنَ الصَّدَقَةِ وَالْهِبَةِ فِي الْحُكْمِ. ٧ وَفِي الْأَصْلِ سَوَّى فَقَالَ: وَكَذَلِكَ الصَّدَقَةُ؛ لِأَنَّ الشُّيُوعَ مَانِعٌ فِي الْفَصْلَيْنِ لِتَوَقُّفِهِمَا عَلَى الْقَبْضِ. ٨ وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى هَذِهِ الرِّوَايَةِ أَنَّ الصَّدَقَةَ يُرَادُ بِهَا وَجْهُ اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ وَاحِدٌ، وَالْهِبَةُ يُرَادُ بِهَا وَجْهُ الْغَنِيِّ وَهُمَا اثْنَانِ. وَقِيلَ هَذَا هُوَ الصَّحِيحُ، ٩ وَالْمُرَادُ بِالْمَذْكُورِ فِي الْأَصْلِ الصَّدَقَةُ عَلَى غَنِيَّيْنِ ١٠ وَلَوْ وَهَبَ لِرَجُلَيْنِ دَارًا لِأَحَدِهِمَا ثُلُثَاهَا وَلِلْآخَرِ ثُلُثُهَا لَمْ يَجُزْ عِنْدَ

ہوئے دوسرے کو مالک بنانا ہے، اور یوں فرمایا کہ مالدار کو بھی ہبہ اور صدقہ مشترک دے تب بھی جائز ہوگا

ترجمہ: ٧ اور جامع صغیر میں ہبہ اور صدقہ کے حکم میں فرق بیان کیا، اور مبسوط میں دونوں کو برابر رکھا، اور مبسوط میں یوں فرمایا کہ صدقہ بھی دو پر جائز نہیں ہے اس لئے کہ دونوں فصلوں (ہبہ اور صدقہ) میں شرکت مانع ہے اس لئے کہ دونوں کی ملکیت اس وقت تام ہوگی جبکہ اس پر قبضہ ہو جائے

تشریح: عبارت پیچیدہ ہے۔ جامع صغیر میں مشترک ہبہ اور صدقہ میں فرق کیا ہے،، چنانچہ مشترک ہبہ جائز نہیں ہے، اور مشترک صدقہ جائز ہے۔ لیکن مبسوط میں ہبہ اور صدقہ دونوں کو برابر رکھا ہے، اور دونوں کے بارے میں فرمایا کہ مشترک ہبہ، اور مشترک صدقہ جائز نہیں ہے۔ تلاش کرنے سے مبسوط میں یہ مسئلہ مجھے نہیں ملا ہے

ترجمہ: ٨ جامع صغیر کی روایت (ہبہ مشترک جائز نہیں صدقہ جائز ہے) کہ صدقہ کا مقصد اللہ کو راضی کرنا ہے اور اللہ ایک ہے (اس لئے ایک کی ملکیت میں صدقہ گیا شرکت نہیں ہوئی) اس لئے مشترک صدقہ جائز ہے۔ اور ہبہ میں مالدار کی رضا مندی مقصود ہے اور وہ دو ہیں (اس لئے شرکت ہوگئی) اس لئے جائز نہیں ہے، اور فرمایا کہ وہی صحیح ہے

تشریح: جامع صغیر میں جو ہبہ اور صدقہ میں فرق کیا ہے، اس کی وجہ بیان کرر ہے ہیں کہ، صدقہ میں اللہ کی رضا مندی مقصود ہے اور وہ ایک ہے اس لئے صدقہ جائز ہوگیا، اور ہبہ میں مالدار کی رضا مندی مقصود ہے اور وہ دو ہیں، اس لئے ملکیت مشترک ہوگئی اس لئے جائز نہیں ہے

ترجمہ: ٩ اور مبسوط میں جو ذکر ہے وہ دو مالداروں پر صدقہ کرنا ہے

تشریح: مبسوط میں دو باتیں ہیں۔ ایک بات یہ ہے کہ صدقہ کو ہبہ کے معنی میں اور ہبہ کو صدقہ کے معنی میں لیا گیا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ صدقہ دو مالداروں پر کیا گیا ہے، اس لئے وہ جائز نہیں ہے

ترجمہ: ١٠ اگر ایک آدمی نے دو آدمیوں کو گھر ہبہ کیا، ایک کو دو تہائی، اور دوسرے کو ایک تہائی تو امام ابو حنیفہؒ، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے

تشریح: امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ شرکت کا ہبہ ہے، جیسا کہ متن میں گزرا۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ایک آدمی کی جانب سے دو آدمیوں کو ہبہ ہے تو مالک بنانے والا ایک ہے، اور ایک ملکیت ہے اس لئے

أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يَجُوزُ. ١١ وَلَوْ قَالَ لِأَحَدِهِمَا نِصْفُهَا وَلِلْآخَرِ نِصْفُهَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ فِيهِ رِوَايَتَانِ، فَأَبُو حَنِيفَةَ مَرَّ عَلَى أَصْلِهِ، وَكَذَا مُحَمَّدٌ. ١٢ وَالْفَرْقُ لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ بِالتَّنْصِيصِ عَلَى الْأَبْعَاضِ يَظْهَرُ أَنَّ قَصْدَهُ ثُبُوتُ الْمِلْكِ فِي الْبَعْضِ فَيَتَحَقَّقُ الشُّيُوعُ، وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ إِذَا رَهَنَ مِنْ رَجُلَيْنِ وَنَصَّ عَلَى الْأَبْعَاضِ

مالک بنانے میں شرکت نہیں ہے اس لئے جائز ہے

ترجمہ: ١١ اور اگر کہا کہ ایک کو گھر کا آدھا ہبہ ہے اور دوسرے کو آدھا ہے تو امام ابو یوسفؒ کی اس میں دو روایتیں ہیں، تو امام ابو حنیفہؒ اپنے اصول پر رہے، اور امام محمدؒ بھی اپنے اصول پر رہے

تشریح: اوپر کے مسئلے میں اور اس مسئلے میں فرق یہ ہے کہ اوپر میں ایک کو زیادہ دیا تھا، اور دوسرے کو کم دیا تھا۔ اور یہاں دونوں کو برابر دیا ہے، اور دوسرا فرق یہ ہے کہ، وہب لرجلین، میں دو آدمیوں کو پہلے اجمالا ہبہ کیا ہے، اس کے بعد دو حصے اور ایک حصے دئے جو پہلے جملے کی تفصیل ہے۔ اور یہاں کے مسئلے میں پہلے ہی ایک کو آدھا، اور دوسرے کو آدھا دے دیا ہے، اس میں اجمال کے بعد تفصیل نہیں ہے

ان باتوں کو سمجھنے کے بعد یہ سمجھیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے پہلے کی طرح یہاں بھی کہہ دیا کہ اس ہبہ میں بھی شرکت ہے، اس لئے جائز نہیں ہے۔ اور امام محمدؒ نے پہلے کی طرح یہاں بھی کہا کہ ہبہ کرنے والا مالک ایک ہے اس لئے شرکت نہیں ہوئی اس لئے جائز ہے

ترجمہ: ١٢ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت (کہ یہ صورت میں ہبہ جائز ہے) کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ کرنے کے بعد ٹکڑوں کی تصریح کر دے تو مالک کا ارادہ یہ ہے کہ ٹکڑوں میں ملکیت ثابت ہو تو اس میں شرکت ہوگئی اس لئے جائز نہیں ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ دو آدمیوں کو ایک ہی گھر رہن پر رکھ دے اور یہ صرتح کر دے کہ آدھا گھر اس کے رہن میں اور دوسرا آدھا گھر دوسرے کے رہن میں تو جائز نہیں ہوتا، اسی طرح ہبہ میں ٹکڑے کی تصریح کر دے تو ہبہ جائز نہیں ہوگا

تشریح: عبارت پیچیدہ ہے، امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت کے مطابق بعد والی صورت جائز ہوگئی اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ پہلی صورت میں ہبہ اس لئے جائز نہیں ہوا کہ پہلے، وہب لرجلین دارا، کہا، یعنی پہلے اجمالا گھر ہبہ کیا، پھر، لاحدھما ثلثا، کہہ کر اس کے ٹکڑے کی تصریح کی تو گویا کہ صراحت کے ساتھ ٹکڑے کا مالک بنانا ہے، اس لئے شرکت ہوئی اس لئے اوپر کی صورت جائز نہیں ہوئی، اس کی ایک مثال دی ہے کہ ایک گھر دو آدمیوں کے پاس رہن رکھے، اور یہ تصریح کر دے کہ آدھا گھر اس کے قرض کے بدلے، اور آدھا گھر دوسرے کے قرض کے بدلے تو رہن جائز نہیں ہوگا، کیونکہ ٹکڑے کی تصریح کر دی۔ لیکن اگر پورا گھر دو آدمیوں کے پاس رہن پر رکھے، لیکن ٹکڑے کی تصریح نہ کرے تو رہن جائز ہوتا ہے، اسی طرح ہبہ کرتے وقت ٹکڑے کی تصریح نہ کرے ہبہ جائز ہو جائے گا

باب ما يصح رجوعه وما لا يصح

(١٠۴٧) قَالَ: (وَإِذَا وَهَبَ هِبَةً لِأَجْنَبِيٍّ فَلَهُ الرُّجُوعُ فِيهَا) ١ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا رُجُوعَ فِيهَا لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - » لَا يَرْجِعُ الْوَاهِبُ فِي هِبَتِهِ إِلَّا الْوَالِدُ فِيمَا يَهَبُ لِوَلَدِهِ « ٢ وَلِأَنَّ الرُّجُوعَ

باب ما یصح رجوعہ ومالا یصح

ترجمہ:(١٠۴٧) اگر ہبہ کیا اجنبی کو کوئی ہبہ تو اس کے لئے جائز ہے واپس لے لینا۔

تشریح: کسی اجنبی کو کوئی چیز ہبہ کی تو ہبہ کرنے والے کو حق ہے کہ اس چیز کو واپس کر لے۔لیکن (١) اگر وہ چیز ہلاک ہو گئی (٢) یا اس کا بدلہ دے دیا، (٣) یا موہوب لہ رشتہ دار ہے، (۴) یا اس چیز کو بیچ دیا تو ان صورتوں میں تو واپس نہیں لے سکتا۔

الحاصل ہبہ واپس لینے کا حق ان سات وجہ سے ساقط ہو جائے گا (١) بدلہ دیدے (٢) ہبہ میں زیادتی ہو جائے (٣) متعاقدین میں سے کوئی مر جائے (۴) ہبہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جائے (۵) ذی رحم محرم کو ہبہ کرے (٦) بیوی شوہر کو یا شوہر بیوی کو ہبہ کرے (٧) اجنبی ہبہ کا بدلہ دیدے تو حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔

وجہ: اس حدیث میں ہے کہ بدلہ دے دے تو واپس نہیں لے سکتا، لیکن اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ ہبہ کی چیز کو واپس لے سکتا ہے حدیث یہ ہے۔**عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ الرجل احق بهبته مالم یثب منها** (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ٣٩ نمبر ٢٩۵١ رسنن للبیهقی، باب المکافاة فی الهبة، ج سادس، ص ٣٠٠، نمبر ١٢٠٢۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کی چیز واپس لے سکتا ہے۔(٢) البتہ ہبہ واپس لینا مکروہ ہے۔حدیث میں ہے۔**عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال العائد فی هبته کالعائد فی قیئه** (ابوداؤد شریف، باب الرجوع فی الهبة ج ثانی ص ١۴٣ نمبر ٣۵٣٨ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کراهیة الرجوع فی الهبة ص ٢۴٢ نمبر ١٢٩٨) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کو واپس لے تو سکتا ہے لیکن لینا مکروہ ہے۔

ترجمہ: ١ امام شافعی نے فرمایا کہ ہبہ کی چیز کو واپس نہیں کر سکتا، حضورؐ کے اس قول کی وجہ سے ہبہ کرنے والا واپس نہیں لے سکتا، سوائے والد کے اگر اپنی اولاد کو ہبہ کیا،

وجہ: (١) والد ہبہ کی چیز واپس لے سکتا ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عمر و ابن عباس عن النبی ﷺ قال لا یحل لرجل ان یعطی عطیة او یهب هبة فیرجع فیها الا الوالد فیما یعطی ولده ومثل الذی یعطی العطیة ثم یرجع فیها کمثل الکلب یأکل فاذا شبع قاء ثم عاد فی قیئه** (ابوداؤد شریف، باب الرجوع فی الهبة ص ١۴٣، نمبر ٣۵٣٩ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کراهیة الرجوع فی الهبة، ص ٢۴٢، نمبر ١٢٩٨) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کو واپس لینا حلال نہیں ہے۔صرف والد کے لئے حلال ہے کہ وہ اپنے بچے کو دیئے ہوئے ہبہ کو واپس لے۔

ترجمہ: ٢ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ واپس لینا مالک بنانے کی ضد ہے، اور عقد ضد کا تقاضہ نہیں کرتا، بخلاف والد اپنی اولاد کو

يُضَادُّ التَّمْلِيكَ، وَالْعَقْدُ لا يَقْتَضِي مَا يُضَادُّهُ، بِخِلَافِ هِبَةِ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ عَلَى أَصْلِهِ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَتِمَّ التَّمْلِيكُ؛ لِكَوْنِهِ جُزْءًا لَهُ. ٣ وَلَنَا قَوْلُهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - »الْوَاهِبُ أَحَقُّ بِهِبَتِهِ مَا لَمْ يُثَبْ مِنْهَا« أَيْ مَا لَمْ يُعَوَّضْ ٤ وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ بِالْعَقْدِ هُوَ التَّعْوِيضُ لِلْعَادَةِ فَثَبَتَ وِلَايَةُ الْفَسْخِ عِنْدَ فَوَاتِهِ، إذْ الْعَقْدُ يَقْبَلُهُ، ٥ وَالْمُرَادُ بِمَا رُوِيَ نَفْيُ اسْتِبْدَادِ الرُّجُوعِ وَإِثْبَاتُهُ لِلْوَالِدِ؛ فَإِنَّهُ يَتَمَلَّكُهُ لِلْحَاجَةِ وَذَلِكَ يُسَمَّى رُجُوعًا .وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ فَلَهُ الرُّجُوعُ لِبَيَانِ الْحُكْمِ، ٦ أَمَّا الْكَرَاهَةُ فَلَازِمَةٌ لِقَوْلِهِ

ہبہ کرے تو وہ اپنی اصل پر ہے اولاد جز ہونے کی وجہ سے اولاد کی ملکیت ہی تام نہیں ہوئی تھی

تشریح :امام شافعیؒ کی یہ دلیل عقلی ہے، ہبہ کا مطلب ہے مالک بنانا، اور واپس لینا اس کا ضد ہے، اور کوئی عقد ضد کا تقاضہ نہیں کرتا، اس لئے ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔ اور حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ، اولاد والد کا جز ہے، اس لئے باپ نے جب ہبہ کیا تو اولاد جز ہونے کی وجہ سے اولاد کا قبضہ ہی مکمل نہیں ہوا، اور ہبہ ہی تام نہیں ہوا اس لئے والد واپس لے سکتا ہے

ترجمہ :٣ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب تک بدلہ نہ دے واہب ہبہ کا زیادہ حقدار ہے

تشریح : صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ الرجل احق بهبته مالم يثب منها (دار قطنی ، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۹ نمبر ۲۹۵۱ رسنن للبیھقی ، باب المکافاۃ فی الھبۃ ، ج سادس ،ص ۳۰۰،نمبر ۱۲۰۲۴)اس حدیث میں ہے کہ ہبہ والا ہبہ کی چیز کو واپس لے سکتا ہے

ترجمہ :٤ دوسری دلیل یہ ہے کہ عقد کا عادۃ مقصد ہوتا ہے بدلہ وصول کرنا، اس لئے ثابت ہوا کہ بدلہ نہ ملے تو فسخ کرنے کا حق ہے، کیونکہ عقد فسخ کو قبول کرتا ہے

تشریح :یہ حنفیہ کی دلیل عقلی ہے۔عقد کا عام طور مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا بدلہ ملے، اس لئے ہبہ کرنے کا بھی مقصد ہے کہ بدلہ ملے، اور بدلہ نہیں ملا تو ہبہ کو فسخ کرنے کا حق ہوگا

ترجمہ :٥ اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بغیر قضا کے واپس کرنے کا حق صرف والد کو ہے، اس لئے کہ ضرورت کے وقت وہ ہبہ واپس کرنے کا مالک ہے، جس کو رجوع کہا ہے، اور متن میں جو ہے کہ والد کو رجوع کرنے کا حق ہے وہ حکم کا بیان ہے

تشریح :ہبہ کا عام حکم یہ ہے کہ بغیر قاضی کے فیصلے کے ہبہ واپس نہیں کر سکتا ہے، البتہ والد کو ضرورت کی بنا پر حدیث میں یہ حق دیا ہے کہ وہ بغیر قاضی کے خود بھی واپس کر سکتا ہے، متن میں صرف یہ بیان کیا ہے کہ رجوع کا حق ہے، یعنی قاضی کے فیصلے کے بعد عام لوگوں کو یہ حق ہے

لغت :استبداد الرجوع: خود واپس کرنے کا حق ہو

ترجمہ :٦ بہر صورت ہبہ واپس کرنا مکروہ ہے، حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ ہبہ کو واپس لینے والا ایسا ہے، جیسے قی کرلے پھر اس کو واپس چاٹ لے، یعنی یہ قبیح ہے۔ آگے یہ بیان کر رہے ہیں کچھ موانع کی وجہ سے ہبہ واپس لینا ناممکن ہے

– عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – »الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ« وَهَذَا لِاسْتِقْبَاحِهِ ثُمَّ لِلرُّجُوعِ مَوَانِعُ ذَكَرَ بَعْضَهَا

(١٠٤٨) فَقَالَ (إلَّا أَنْ يُعَوِّضَهُ عَنْهَا) لِ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ

(١٠٤٩) (أَوْ تَزِيدَ زِيَادَةً مُتَّصِلَةً) ؛لِ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إلَى الرُّجُوعِ فِيهَا دُونَ الزِّيَادَةِ؛ لِعَدَمِ الْإِمْكَانِ وَلَا

تشريح: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال العائد فی هبته کالعائد فی قیئه (ابوداؤد شریف، باب الرجوع فی الھبۃ ج ثانی ص ۱۴۳ نمبر ۳۵۳۸ رترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ الرجوع فی الھبۃ ص ۲۴۲ نمبر ۱۲۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کو واپس لے تو سکتا ہے لیکن لینا مکروہ ہے (۲)۔ عن ابن عمر و ابن عباس عن النبی ﷺ قال.... ومثل الذی یعطی العطیة ثم یرجع فیها کمثل الکلب یأکل فاذا شبع قاء ثم عاد فی قیئه (ابوداؤد شریف، باب الرجوع فی الھبۃ ص ۱۴۳ نمبر ۳۵۳۹ رترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ الرجوع فی الھبۃ ص ۲۴۲ نمبر ۱۲۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کو واپس لینا مکروہ ہے

ترجمہ: (۱۰۴۸) یہ کہ ہبہ کا بدلہ دے دے۔

ترجمہ: لِ کیونکہ مقصد حاصل ہو گیا

تشریح: ہبہ کا کچھ بدلہ دیدے تو واہب اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے۔

وجہ: (۱) بدلہ دینے کے بعد بیع کی صورت ہو گئی۔ اور بدلہ مل گیا تو ہبہ کیسے واپس کر سکتا ہے (۲) اوپر حدیث گزری جس میں تھا کہ مالم یثب منها کہ جب تک بدلہ نہ دے تو ہبہ واپس لے سکتا ہے۔

ترجمہ: (۱۰۴۹) یا اس میں ایسی زیادتی کر دے جو متصل ہو۔

ترجمہ: لِ اس لئے زیادتی کو چھوڑ کر اپنی چیز واپس نہیں لے سکتا ہے، کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے، اور زیادتی کے ساتھ بھی واپس نہیں لے سکتا ہے اس لئے کہ وہ عقد میں داخل نہیں ہے

تشریح: ہبہ کی چیز میں کوئی ایسی زیادتی ہو جائے جو ہبہ کے ساتھ متصل ہو تو اب ہبہ کی چیز کو ہبہ کرنے والا واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ: (۱) جو چیز زیادہ ہو گئی اس کو الگ کر کے واپس نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ تو ہبہ کی چیز کے ساتھ متصل ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی واپس نہیں لے سکتا۔ کیونکہ وہ تو واہب کی چیز نہیں ہے۔ وہ تو موہوب لہ کے یہاں زیادہ ہوئی ہے (۲) اس قول تابعی میں ہے۔ عن طاؤس عن الشعبی قالا فی الهبة اذا استهلکت فلا رجوع منها (مصنف عبد الرزاق، باب الھبۃ اذا استھلکت، ج تاسع، ص ۱۱۲، نمبر ۱۶۵۵۱ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۱۱ فی الرجل یھب الھبۃ فیرید ان یرجع فیھ، ا ج خامس، ص ۴۲۵، نمبر ۲۱۷۰۲) زیادت متصلہ ہو گئی تو گویا کہ وہ چیز ہلاک ہو گئی اس لئے واپس نہیں لے سکتا ہے

اور استہلاک کی تفسیر یہ ہے۔ عن سفیان قال تفسیر استهلاک الهبة... یقول اذا تغیرت اواحدث فیها حدثا

مَعَ الزِّيَادَةِ؛ لِعَدَمِ دُخُولِهَا تَحْتَ الْعَقْدِ
(١٠٥٠)قَالَ: (أَوْ يَمُوتَ أَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ)؛ ل لِأَنَّ بِمَوْتِ الْمَوْهُوبِ لَهُ يَنْتَقِلُ الْمِلْكُ إِلَى الْوَرَثَةِ فَصَارَ كَمَا إِذَا انْتَقَلَ فِي حَالِ حَيَاتِهِ، وَإِذَا مَاتَ الْوَاهِبُ فَوَارِثُهُ أَجْنَبِيٌّ عَنِ الْعَقْدِ إِذْ هُوَ مَا أَوْجَبَهُ.
(١٠٥١) (أَوْ تَخْرُجَ الْهِبَةُ عَنْ مِلْكِ الْمَوْهُوبِ لَهُ)؛ ل لِأَنَّهُ حَصَلَ بِتَسْلِيطِهِ فَلَا يَنْقُضُهُ،

فلا رجوع فيها من نحو ارض وهبت له فزرع فيها زرعا او ثوبا صبغه او دارا بناها او جارية ولدت او بيهمة ولدت (مصنف عبد الرزاق، باب الهبة اذا استهلكت ج تاسع ص١١٢ نمبر ١٦٥٥١) اس قول تابعی میں ہے کہ ہبہ کی چیز ہلاک ہو جائے پھر ہلاکت کی تفصیل میں بیان کیا۔۔ یا ہبہ کی چیز میں کوئی تبدیلی آجائے۔ اور تبدیلی کی تفسیر میں بتایا کہ مثلا زمین میں کھیتی لگا دے یا کپڑا رنگ دے یا زمین میں گھر بنا دے یا باندی بچہ دیدے یا جانور بچہ دے دے تو سب صورتیں ہبہ کی چیز میں تبدیلی ہونا ہے اور زیادتی ہونا ہے

ترجمہ: (١٠٥٠) یا متعاقدین میں سے ایک کا انتقال ہو جائے۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ اگر موہوب لہ کا انتقال ہو جائے تو ہبہ کی چیز ورثاء کی طرف منتقل ہو گئی (تو ورثہ سے واپس نہیں لے سکتا) کیونکہ ایسا ہو گیا کہ موہوب لہ کی زندگی میں ورثاء کی طرف منتقل ہو گئی، اور اگر واہب کا انتقال ہو گیا تو واہب کا وارث اس عقد ہی سے اجنبی ہے، کیونکہ ورثاء نے ہبہ نہیں کیا ہے (اس لئے ہبہ کو واپس نہیں لے سکتا ہے)

تشریح: یعنی ہبہ کرنے والے یا موہوب لہ میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو واہب ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ: اگر موہوب لہ کا انتقال ہو گیا تو ہبہ کی چیز اس کے ورثاء کی ملکیت ہو گئی۔ اور ملکیت دوسرے کی طرف منتقل ہو گئی۔ اور اوپر گزر گیا کہ ہبہ میں ملکیت بدل گئی تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔ اس لئے موہوب لہ کے مرنے پر ہبہ کی چیز واہب واپس نہیں لے سکتا۔ اور اگر واہب کا انتقال ہو گیا تو اب ہبہ کو واپس اس کے ورثاء کریں گے، اور ورثاء عقد ہبہ سے اجنبی ہیں، انہوں نے موہوب لہ کو نہیں دیا تھا کہ وہ واپس لیں۔ اس لئے وہ واپس نہیں لے سکتے (۲) قول صحابی میں بھی اس کا تذکرہ ہے کہ۔ عن عمر مثله یعنی مثل حديثه الذى ذكرنا فى الفصل الذى قبل هذا الفصل وزاد يستهلكها او يموت احدهما (شرح معانی الآثار (طحاوی) ج ثانی ص٢٢٣) اس قول صحابی میں ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

ترجمہ: (١٠٥١) یا ہبہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جائے۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ واہب کے مسلط کرنے سے موہوب کی ملکیت سے نکلی ہے، اس لئے اس کو توڑ نہیں سکتا ہے

تشریح: ہبہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جائے تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

٢ وَلِأَنَّهُ يَتَجَدَّدُ الْمِلْكُ بِتَجَدُّدِ سَبَبِهِ.

(١٠٥٢) قَالَ: (فَإِنْ وَهَبَ لِآخَرَ أَرْضًا بَيْضَاءَ فَأَنْبَتَ فِي نَاحِيَةٍ مِنْهَا نَخْلًا أَوْ بَنَى بَيْتًا أَوْ دُكَّانًا أَوْ آرِيًّا وَكَانَ ذَلِكَ زِيَادَةً فِيهَا فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِي شَيْءٍ مِنْهَا) ١ لِأَنَّ هَذِهِ زِيَادَةٌ مُتَّصِلَةٌ. ٢ وَقَوْلُهُ وَكَانَ ذَلِكَ زِيَادَةً فِيهَا؛ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ الدُّكَّانَ قَدْ يَكُونُ صَغِيرًا حَقِيرًا لَا يُعَدُّ زِيَادَةً أَصْلًا، وَقَدْ تَكُونُ الْأَرْضُ عَظِيمَةً يُعَدُّ ذَلِكَ زِيَادَةً فِي قِطْعَةٍ مِنْهَا فَلَا يَمْتَنِعُ الرُّجُوعُ فِي غَيْرِهَا.

وجہ :(١) موہوب لہ کے پاس ہبہ رہا ہی نہیں تو واپس کیا کریں گے (٢) پہلے قول تابعی میں گزر چکا ہے ہلاک ہو جائے تو واپس نہیں لے سکتا ہے۔ عن طاؤس عن الشعبی قالا فی الهبة اذا استهلكت فلا رجوع فيها (مصنف عبد الرزاق، باب الھبۃ اذا استھلکت ج تاسع ص ١١٢ نمبر ١٦٥٥٠) (٢)۔ عن سفيان قال تفسير استهلاك الهبة ان يبيعها او يأكلها او يخرج من يده الى غيره استهلاك (مصنف عبدالرزاق، باب الھبۃ اذا استھلکت ج تاسع ص ١١٢ نمبر ١٦٥٥١) اس قول تابعی میں ہے کہ ہبہ ہلاک ہو جائے تو واپس نہیں لے سکتا۔ اور وہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل گئی تو ہلاک ہونا ہی ہوا، یوں بھی ہلاک ہونے کی تفسیر گزر چکی ہے کہ ہبہ کی چیز کو بیچ دیا، یا ہبہ کر دیا، یا کھالیا تب بھی ہلاک ہونا ہی ہے۔ جس کی وجہ سے ہبہ واپس نہیں لے سکتا

ترجمہ: ٢ اگر سبب نیا ہو تو ملکیت بھی نئی ہو جاتی ہے

تشریح : ہبہ کی چیز موہوب لہ کی ملکیت سے نکل گئی، اب دوبارہ جو آئے گی وہ نئے سبب سے آئے گی، تو گویا کہ نئی چیز آئی، اور نئی چیز لانے کا حقدار نہیں ہے، اس لئے ہبہ کی چیز موہوب لہ کے ہاتھ سے نکل گئی تو اب اس کو واہب واپس نہیں لے سکتا ہے

ترجمہ :(١٠٥٢) اور اگر خالی زمین کسی کو ہبہ کی، پھر اس نے زمین کے ایک کنارے پر درخت لگایا، یا گھر بنایا، یا دکان بنایا، یا جانور کا گوہال بنایا تو اس سے زمین میں زیادتی ہوئی اس لئے اب واہب واپس نہیں لے سکتا ہے

ترجمہ: ١ کیونکہ ان چیزوں سے زمین میں زیادتی متصلہ ہوئی ہے

تشریح: بڑی زمین کے ایک کنارے پر یہ سب چیزیں بنائی، اور کافی زمین خالی رہی تب بھی زیادتی متصلہ شمار کی جائے گی، اور واہب اب زمین کے اتنے حصے کو واپس نہیں لے سکے گا جتنے حصے میں یہ چیزیں بنی ہیں

ترجمہ: ٢ مصنف کا یہ قول کہ، کان ذالک زیادۃ فیھا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کبھی دکان بہت چھوٹی ہوتی ہے تو لوگ اس کو زیادتی شمار نہیں کرتے، یا زمین بہت بڑی ہوتی ہے، پھر اس کے ایک ٹکڑے میں گھر بنانا، ایک ٹکڑے میں زیادتی ہوئی اس لئے دوسرے ٹکڑے میں رجوع کرنا ممتنع نہیں ہوگا

تشریح : بہت بڑی زمین ہبہ کی، اب موہوب لہ نے اس کے ایک ٹکڑے میں مکان اٹھایا، اور بہت بڑا حصہ باقی رہ گیا تو واہب کو یہ حق ہوگا، اس بہت بڑے حصے کو واپس لے، کیونکہ اس میں زیادتی نہیں ہوئی ہے۔ متن میں، کان زیادة فيها، سے

(١٠٥٣)قَالَ: (فَإِنْ بَاعَ نِصْفَهَا غَيْرَ مَقْسُومٍ رَجَعَ فِي الْبَاقِي)؛ ١ لِأَنَّ الِامْتِنَاعَ بِقَدْرِ الْمَانِعِ ٢ (وَإِنْ لَمْ يَبِعْ شَيْئًا مِنْهَا لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِي نِصْفِهَا)؛ لِأَنَّ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِي كُلِّهَا فَكَذَا فِي نِصْفِهَا بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى .
(١٠٥٤) (وَإِنْ وَهَبَ هِبَةً لِذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَلَا رُجُوعَ فِيهَا) ١ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – »إذَا كَانَتْ الْهِبَةُ لِذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لَمْ يَرْجِعْ فِيهَا « وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ فِيهَا صِلَةُ الرَّحِمِ وَقَدْ حَصَلَ

اسی طرف اشارہ ہے

ترجمہ:(١٠٥٣) موہوب لہ نے آدھی زمین بیچ دی جو تقسیم کی ہوئی نہیں تھی تو باقی زمین کو واہب واپس لے سکتا ہے

ترجمہ:١ اس لئے کہ واپس لینے سے رکنا مانع کے مقدار ہے

تشریح زمین کو ہبہ کیا، اس میں سے آدھی زمین موہوب لہ نے بیچ دی، اور وہ زمین تقسیم کر کے نہیں بیچی تھی تو جتنی زمین باقی ہے اس کو واہب واپس لے سکتا ہے،

وجہ :جتنی زمین بیچی وہ تو ہاتھ سے نکل گئی ہے، لیکن جتنی زمین باقی ہے یہ ہاتھ سے نہیں نکلی ہے اور اس میں کوئی مانع نہیں ہے اس لئے اس کو واپس لے سکتا ہے

ترجمہ :٢ اور اگر زمین میں سے کچھ نہیں بیچا تو آدھی زمین بھی واپس لے سکتا ہے، اس لئے کہ واہب پوری زمین واپس لے سکتا ہے تو آدھی زمین بدرجہ اولی واپس لے سکتا ہے

تشریح:موہوب لہ نے زمین بیچی نہ ہو تو آدھی زمین بھی واپس لے سکتا ہے، اور پوری زمین بھی واپس لے سکتا ہے

وجہ: زمین ہاتھ سے نکل گئی ہو تو واپس نہیں لے سکتا ہے، لیکن ہاتھ سے نکلی نہ ہو تو آدھی زمین بھی واپس لے سکتا ہے، اور پوری زمین بھی واپس لے سکتا ہے

ترجمہ:(١٠٥٤) اور اگر ہبہ کیا کوئی چیز ذی رحم محرم کو تب بھی اس میں رجوع نہیں ہے۔

ترجمہ :١ حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ ذی رحم محرم کو ہبہ کیا تو واپس نہیں لے سکتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس ہبہ کا مقصد صلہ رحمی ہے اور وہ حاصل ہوگئی (تو گویا کہ بدلہ مل گیا اس لئے واپس نہیں لے سکتا ہے)

تشریح:اگر اپنے ذی رحم محرم رشتہ دار کو ہبہ کیا تب بھی اس سے واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ :(١) اس ہبہ کا مقصد صلہ رحمی ہے اور وہ حاصل ہوگئی، اس لئے واپس نہیں لے سکتا (٢) حدیث میں ہے کہ ذی رحم محرم کو ہبہ کرے تو واپس نہیں لے سکتا صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن سمرة عن النبی ﷺ قال اذا كانت الهبة لذی رحم لم یرجع فیها (دار قطنی، کتاب البیوع ص ۳۹، نمبر ۲۹۷۳ رسنن للبیھقی، باب المکافات فی الھبۃ، ج

(۱۰۵۵)(وَ كَذٰلِكَ مَا وَهَبَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ لِلْآخَرِ)؛ ا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ فِيهَا الصِّلَةُ كَمَا فِي الْقَرَابَةِ، ۲ وَإِنَّمَا يُنْظَرُ إِلَى هَذَا الْمَقْصُودِ وَقْتَ الْعَقْدِ، حَتَّى لَوْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَمَا وَهَبَ لَهَا فَلَهُ الرُّجُوعُ فِيهَا، وَلَوْ أَبَانَهَا بَعْدَمَا وَهَبَ فَلَا رُجُوعَ.

(۱۰۵۶)قَالَ: (وَإِذَا قَالَ الْمَوْهُوبُ لَهُ لِلْوَاهِبِ خُذْ هَذَا عِوَضًا عَنْ هِبَتِكَ أَوْ بَدَلًا عَنْهَا أَوْ فِي مُقَابَلَتِهَا فَقَبَضَهُ الْوَاهِبُ سَقَطَ الرُّجُوعُ)؛ ا لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ، وَهَذِهِ الْعِبَارَاتُ تُؤَدِّي مَعْنًى وَاحِدًا

سادس،ص۳۰۰،نمبر ۱۲۰۲۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم کو ہبہ دے تو واپس نہیں لے سکتا۔

ترجمہ (۱۰۵۵)ایسے ہی اگر ہبہ کیا بیوی شوہر میں سے ایک نے دوسرے کو۔

ترجمہ ا اس لئے کہ اس میں بھی صلہ رحمی کرنا ہے جیسا کہ رشتہ دار میں ہوتا ہے

تشریح:اگر بیوی نے شوہر کو یا شوہر نے بیوی کو ہبہ کیا تو کوئی کسی سے ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ :(۱)اس ہبہ کا مقصد صلہ رحمی ہے اور وہ حاصل ہوگئی اس لئے ہبہ واپس نہیں کر سکتا ہے(۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے کہ اگر خوشی سے ہبہ کرے تو واپس نہیں لے سکتی۔آیت میں ہے۔وآتوا النساء صدقتهن نحله فان طبن لكم عن شيء منه نفسا فكلوه هنيئا مريئا (آیت ۴ سورۃ النساء۴)اس آیت میں ہے کہ خوشی سے ہبہ کرے تو کھا سکتا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت اس کو واپس نہیں لے سکتی(۳) قول تابعی میں اس کا فیصلہ ہے۔قال ابراهيم جائزة وقال عمر بن عبد العزيز لا يرجعان (بخاری شریف، باب ھبۃ الرجل لامرأته والمرأة لزوجها ص نمبر ۲۵۸۸)اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے سے ہبہ واپس نہیں لے سکتے۔اور حضرت ابراہیم کا قول جاز کا مطلب بھی یہی ہے کہ جائز ہے کہ واپس نہ لے۔

ترجمہ ۲ عقد کے وقت یہ مقصد دیکھا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر ہبہ کرنے کے بعد نکاح کیا تو ہبہ واپس کر سکتا ہے، اور اگر ہبہ کرنے کے بعد اس کو بائنہ طلاق دی تو واپس نہیں کر سکتا ہے

تشریح : یہ دیکھا جائے گا کہ ہبہ کرتے وقت عورت بیوی ہے یا نہیں، اگر ہبہ کرتے وقت عورت بیوی ہے تو واپس نہیں لے سکتا ہے، اور ہبہ کرتے وقت بیوی نہیں ہے، بعد میں بیوی بنی ہے تو واپس لے سکتا ہے، کیونکہ ہبہ کرتے وقت وہ اجنبیہ عورت تھی

ترجمہ (۱۰۵۶)اگر موہوب لہ نے واہب سے کہا کہ یہ اپنے ہبہ کے عوض میں لو یا بدلے میں لو یا اس کے مقابلہ میں لو، پس واہب نے اس پر قبضہ کر لیا تو حق رجوع ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ ا اس لئے کہ مقصد حاصل ہو گیا کہ بدلہ مل گیا، اور ان عبارتوں کا مطلب ایک ہی ہے

تشریح : موہوب لہ نے ہبہ کرنے والے کو باضابطہ کہا کہ یہ ہبہ کا بدلہ ہے اس کو لے لو۔اور اس پر ہبہ کرنے والے نے بدلے کی چیز لے لی تو اب ہبہ واپس لینے کا حق ساقط ہو گیا۔

وجہ:(۱)جب بدلہ پر قبضہ کر لیا تو واپس لینے کا حق ساقط ہو گیا(۲)اوپر حدیث گزر چکی ہے۔عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ الرجل احق بهبته مالم يثب منها (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۹ نمبر ۲۹۵۱/سنن للبیہقی، باب المکافاۃ فی

(١٠٥٧)(وَإِنْ عَوَّضَهُ أَجْنَبِيٌّ عَنِ الْمَوْهُوبِ لَهُ مُتَبَرِّعًا فَقَبَضَ الْوَاهِبُ الْعِوَضَ بَطَلَ الرُّجُوعُ)؛ ١؎ لِأَنَّ الْعِوَضَ لِإِسْقَاطِ الْحَقِّ فَيَصِحُّ مِنَ الْأَجْنَبِيِّ كَبَدَلِ الْخُلْعِ وَالصُّلْحِ:

(١٠٥٨) (وَإِذَا اسْتَحَقَّ نِصْفَ الْهِبَةِ رَجَعَ بِنِصْفِ الْعِوَضِ)؛ ١؎ لِأَنَّهُ لَمْ يُسَلِّمْ لَهُ مَا يُقَابِلُ نِصْفَهُ

(١٠٥٩)(وَإِنِ اسْتَحَقَّ نِصْفَ الْعِوَضِ لَمْ يَرْجِعْ فِي الْهِبَةِ إِلَّا أَنْ يَرُدَّ مَا بَقِيَ ثُمَّ يَرْجِعُ)

الھبۃ، ج سادس، ص۳۰۰، نمبر۱۲۰۲۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کا بدلہ دے دیا جائے تو اس کو واپس نہیں لے سکتا۔

ترجمہ (١٠٥٧)اور اگر موہوب لہ کی جانب سے اجنبی نے احسان کے طور پر ہبہ کا بدلہ دیا اور ہبہ کرنے والے نے عوض پر قبضہ کر لیا تو رجوع کا حق ساقط ہو گیا۔

ترجمہ ١؎ اس لئے کہ حق کو ساقط کرنے کے لئے بدلہ ہوتا ہے اس لئے اجنبی سے بھی صحیح ہے، جیسے خلع کا بدلہ ہو، اور صلح کی رقم ہو

تشریح :خود موہوب لہ نے واہب کو ہبہ کا بدلہ نہیں دیا بلکہ دوسرے اجنبی آدمی نے موہوب لہ کی جانب سے تبرعا اور احسانا ہبہ کا بدلہ دیا اور واہب نے قبول کر لیا تب بھی واپس لینے کا حق ساقط ہو جائے گا۔

وجہ :(۱)واہب کو ہبہ کا بدلہ چاہئے چاہے کوئی بھی دے۔اس لئے اجنبی کے بدلہ دینے سے بھی واپس لینے کا حق ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ بدلہ تو واہب کو مل گیا۔ حدیث اوپر گزر گئی ہے۔

اصول:یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ہبہ کا بدلہ کوئی بھی دے سکتا ہے، وہ حق رجوع کو ساقط کرنے کے لئے کافی ہے۔

ترجمہ(١٠٥٨)اگر حقدار نکل آئے آدھے ہبہ کا تو آدھا عوض واپس لے سکتا ہے۔

ترجمہ ١؎ اس لئے کہ موہوب لہ نے جو کچھ دیا تھا اس کا آدھا اس کے لئے سالم نہیں رہا (اس لئے آدھا بدلہ واپس لے گا)

تشریح :موہوب لہ نے ہبہ کے بدلے میں واہب کو کچھ چیز دی تھی جو مثلا ایک ہزار درہم کی تھی۔ بعد میں موہوب لہ کے پاس جو ہبہ تھا اس میں سے آدھا اور کا نکل گیا تو موہوب لہ کو حق ہے کہ واہب سے اپنی دی ہوئی چیز کا آدھا لے لے جو مثال مذکور میں پانچ سو درہم کی مقدار ہو گی۔

وجہ:موہوب لہ نے ہبہ کا بدلہ دیا تو ایک قسم کی خرید وفروخت ہو گئی۔ اور اس لئے دیا تا کہ ہبہ اس کے ہاتھ مین سالم رہے اور یہاں آدھا ہبہ دوسرے کا نکل گیا اس لئے اپنا آدھا دیا ہوا عوض واپس لے سکتا ہے۔

اصول:یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بدلہ دینے کے بعد ہبہ بیع کی طرح ہو گیا۔

ترجمہ(١٠٥٩)اور اگر آدھے عوض کا کوئی حقدار نکل گیا تو ہبہ سے کچھ بھی واپس نہیں لے گا مگر یہ کے لوٹائے باقی عوض کو پھر کل ہبہ واپس لے لے۔

تشریح :واہب نے موہوب لہ سے ہبہ کے بدلے میں مثلا ایک ہزار درہم کی گائے لی تھی۔ بعد میں اس عوض یعنی آدھی گائے کا کوئی حقدار نکل گیا تو واہب کو یہ حق نہیں ہے کہ آدھا ہبہ موہوب لہ سے واپس لے لے، ہاں! یہ کر سکتا ہے کہ باقی آدھی

۱؎ وَقَالَ زُفَرُ : يَرْجِعُ بِالنِّصْفِ اعْتِبَارًا بِالْعِوَضِ الْآخَرِ . ۲؎ وَلَنَا أَنَّهُ يَصْلُحُ عِوَضًا لِلْكُلِّ فِي الِابْتِدَاءِ، وَبِالِاسْتِحْقَاقِ ظَهَرَ أَنَّهُ لَا عِوَضَ إلَّا هُوَ، إلَّا أَنَّهُ يَتَخَيَّرُ؛ لِأَنَّهُ مَا أَسْقَطَ حَقَّهُ فِي الرُّجُوعِ إلَّا لِيَسْلَمَ لَهُ كُلُّ الْعِوَضِ فَلَمْ يَسْلَمْ لَهُ فَلَهُ أَنْ يَرُدَّهُ.

(١٠٦٠)قَالَ (وَإِنْ وَهَبَ دَارًا فَعَوَّضَهُ مِنْ نِصْفِهَا) رَجَعَ الْوَاهِبُ فِي النِّصْفِ الَّذِي لَمْ يُعَوِّضْ؛ ۱؎ لِأَنَّ الْمَانِعَ خَصَّ النِّصْفَ.

گائے جو واہب کے پاس ہے اس کو موہوب لہ کی طرف واپس کرے پھر پورا ہبہ واپس لے لے۔

وجہ:(۱) شروع میں اگر موہوب لہ آدھی گائے بھی ہبہ کے بدلے مین دیتا تب بھی ہبہ کا بدلہ ہو جاتا۔اس لئے درمیان میں آدھی گائے ہوگئی تب بھی وہ ہبہ کا بدلہ ہے۔اس لئے واہب آدھا ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔لیکن چونکہ عوض کی لالچ میں ہبہ کیا ہے اس لئے اس کے لئے گنجائش دی گئی کہ حقدار نکلنے کے بعد جو حصہ باقی رہ گیا وہ بھی موہوب لہ کی طرف واپس کرے، اب چونکہ ہبہ بغیر بدلے کے رہ گیا اس لئے اب پورا ہبہ واپس لے سکتا ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کچھ بدلہ بھی واہب کے پاس موجود ہو تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔البتہ پورا عوض ہی اس کے ہاتھ سے نکل جائے تو اب ہبہ واپس لے سکتا ہے۔

ترجمہ۱؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ واہب آدھا ہبہ واپس کرلے دوسرے عوض پر قیاس کرتے ہوئے

تشریح:امام زفرؒ نے فرمایا کہ واہب کے پاس سے آدھا بدلہ گیا ہے،اورآدھا بدلہ باقی ہے اس لئے جتنا بدلہ گیا ہے اتنا ہبہ واپس کرسکتا ہے

ترجمہ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ آدھا بدلہ بھی شروع میں کل ہبہ کا بدلہ بن سکتا ہے،اور مستحق نکلنے کی وجہ سے یہ ظاہر ہوا کہ یہی آدھا پورے ہبہ کا بدلہ ہے،لیکن یہ اختیار دیا گیا کہ (باقی آدھا عوض واپس کرے،اور پورا ہبہ واپس لے لے)اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک پورا حق نہ مل جائے ہبہ چھوڑ دینے کا حق ساقط نہیں ہوگا،اور پورا حق سالم نہیں رہا اس لئے واپس لینے کا حق رہے گا

تشریح :عبارت پیچیدہ ہے۔ہماری دلیل یہ ہے کہ آدھا عوض جو باقی ہے شروع میں وہ بھی ہبہ کا عوض بن سکتا تھا،اور جب آدھا عوض کسی اور کا نکل گیا تو پتہ چلا کہ آدھا عوض ہی ہبہ کا بدلہ ہے،لیکن واہب کی نیت یہ ہے کہ پورا عوض میرے پاس رہے گا تب ہی ہبہ دوں گا،اور پورا عوض رہا نہیں اس لئے اس کو یہ اختیار دیا گیا جو آدھا واہب کے پاس ہے وہ واپس کرے اور اپنا پورا ہبہ واپس لے لے

ترجمہ (۱۰۶۰)اگر گھر ہبہ کیا اور موہوب لہ نے اس کے آدھے کا بدلہ دے دیا تو،جس آدھے کا بدلہ نہیں دیا ہے واہب اپنا وہ آدھا گھر واپس لے سکتا ہے

ترجمہ۱؎ اس لئے کہ آدھے کا بدلہ نہیں دیا ہے

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے جس آدھے کا بدلہ دیا ہے اس کو واپس نہیں لے سکتا،لیکن جس آدھے کا بدلہ نہیں دیا ہے اس کو واپس لے سکتا ہے

(١٠٦١)قَالَ: (وَلَا يَصِحُّ الرُّجُوعُ إِلَّا بِتَرَاضِيهِمَا أَوْ بِحُكْمِ الْحَاكِمِ)؛ ١ لِأَنَّهُ مُخْتَلَفٌ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ وَفِي أَصْلِهِ وَهَاءٌ وَفِي حُصُولِ الْمَقْصُودِ وَعَدَمِهِ خَفَاءٌ، فَلَا بُدَّ مِنَ الْفَصْلِ بِالرِّضَا أَوْ بِالْقَضَاءِ، ٢ حَتَّى لَوْ كَانَتِ الْهِبَةُ عَبْدًا فَأَعْتَقَهُ قَبْلَ الْقَضَاءِ نَفَذَ، وَلَوْ مَنَعَهُ فَهَلَكَ لَا يَضْمَنُ؛ لِقِيَامِ مِلْكِهِ فِيهِ، وَكَذَا إِذَا هَلَكَ فِي يَدِهِ بَعْدَ الْقَضَاءِ؛ لِأَنَّ أَوَّلَ الْقَبْضِ غَيْرُ مَضْمُونٍ، وَهَذَا دَوَامٌ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْ يَمْنَعَهُ

تشریح:واضح ہے

ترجمہ(١٠٦١)اور ہبہ میں رجوع صحیح نہیں ہے مگر دونوں کی رضا مندی سے یا قاضی کے فیصلے سے۔

تشریح : واہب اور موہوب لہ دونوں ہبہ واپس کرنے پر راضی ہوں تب ہی ہبہ واپس لے سکتا ہے۔یا پھر قاضی کے ذریعہ واپس کروانے کا فیصلہ کروالے تب واپس لے سکتا ہے ورنہ نہیں۔

ترجمہ١ اس لئے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے(اس لئے قاضی کا فیصلہ ہو یا دونوں کی رضا مندی ہو) ہبہ کے واپس کرنے کی اصلیت میں کمزوری ہے،اور مقصد کے حاصل ہونے اور نہ ہونے میں پوشیدگی ہے،اس لئے واپس کرنے کے لئے فیصلہ، یا رضا مندی ہونی ضروری ہے

تشریح :ہبہ واپس کرنے کے لئے یا قاضی کا فیصلہ ہونا چاہئے ،یا واہب اور موہوب لہ کی رضا مندی چاہئے ،اس کی تین وجہ بیان کر رہے ہیں

وجہ:(١) پہلی وجہ یہ ہے کہ ہبہ کو واپس کرنا مختلف فیہ ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک واپس کر ہی نہیں سکتا ہے۔واپس کی کراہیت کے لئے حدیث بھی گزری ہے اس لئے واپس کرنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک چاہئے ، یا تو دونوں راضی ہوں یا پھر قاضی کا فیصلہ ہو تب واہب ہبہ واپس لے سکتا ہے۔(٢) دوسری دلیل یہ کہ ہے۔کہ واپس کرنے کی جو حدیث ہے وہ کمزور ہے، (٣) تیسری دلیل یہ ہے کہ۔واہب کا مقصد کیا ہے بدلہ وصول کرنا یا ثواب حاصل کرنا یہ معلوم نہیں اس لئے ہبہ واپس کرنے کے لئے یا دونوں راضی ہوں، یا قاضی کا فیصلہ ہو۔

ترجمہ ٢ یہی وجہ ہے کہ ہبہ غلام ہو اور قاضی کے فیصلے سے پہلے موہوب لہ آزاد کر دے تو نافذ ہو جائے گا،اور اگر قاضی کے فیصلے سے پہلے نہ دے اور غلام ہلاک ہو جائے تو موہوب لہ ضامن نہیں ہوگا اس لئے کہ ہبہ میں اس کی ملکیت ہے،اسی طرح فیصلے کے بعد موہوب لہ کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو (ضامن نہیں ہوگا) اس لئے کہ شروع کے قبضے میں ضامن نہیں تھا،اور ابھی تو اس پر دوام ہے، ہاں واہب کے طلب کے بعد ہلاک ہو جائے تو ضامن ہوگا،اس لئے کہ اب موہوب لہ کی تعدی اور زیادتی ہوئی

تشریح :یہاں اس بات کی چار مثالیں دے رہے ہیں کہ قضا سے پہلے اس ہبہ پر موہوب لہ کی ملکیت ہے،اس لئے ہلاک ہونے پر ضامن نہیں ہوگا۔(١) پہلی مثال۔قاضی کے فیصلے سے پہلے موہوب لہ نے ہبہ کے غلام کو آزاد کر دیا تو یہ آزادگی نافذ ہو جائے گی ، کیونکہ اس وقت اسی کی ملکیت ہے۔(٢) دوسری مثال۔قاضی کے فیصلے سے پہلے موہوب لہ نے واہب کو دینے

بَعْدَ طَلَبِهِ؛ لِأَنَّهُ تعَدٍّ، ٣ وَإِذَا رَجَعَ بِالْقَضَاءِ أَوْ بِالتَّرَاضِي يَكُونُ فَسْخًا مِنَ الْأَصْلِ حَتَّى لَا يُشْتَرَطُ قَبْضَ الْوَاهِبِ ٤ وَيَصِحُّ فِي الشَّائِعِ؛ لِأَنَّ الْعَقْدَ وَقَعَ جَائِزًا مُوجِبًا حَقَّ الْفَسْخِ مِنَ الْأَصْلِ، فَكَانَ بِالْفَسْخِ مُسْتَوْفِيًا حَقًّا ثَابِتًا لَهُ فَيَظْهَرُ عَلَى الْإِطْلَاقِ ٥ بِخِلَافِ الرَّدِّ بِالْعَيْبِ بَعْدَ الْقَبْضِ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ هُنَاكَ فِي وَصْفِ السَّلَامَةِ لَا فِي الْفَسْخِ فَافْتَرَقَا.

سے انکار کر دیا، غلام ہلاک ہو گیا تو موہوب لہ ضامن نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس وقت ہبہ پر اسی کی ملکیت ہے، فیصلے کے بعد اس کی ملکیت ختم ہو گی، اس لئے غلام ہلاک ہوا تو اس کا غلام ہلاک ہوا ہے، واہب کا نہیں۔ (۳) قاضی کے فیصلے کے بعد ابھی واہب نے مانگا نہیں تھا اور غلام ہلاک ہو گیا تب بھی موہوب لہ ضامن نہیں ہوگا، اس لئے کہ جب تک واہب مانگے نہیں، اور موہوب لہ دے نہیں، موہوب لہ کی ملکیت ہے اس لئے ہلاک ہونے پر ضامن نہیں ہوگا۔ (۴) چوتھی بات، ہاں قاضی کا فیصلہ ہو چکا ہو، اس کے بعد واہب ہبہ کی چیز کو مانگے، اور اب موہوب لہ نہ دے اور ہلاک ہو جائے تو موہوب لہ ضامن ہوگا، کیونکہ واہب کے مانگنے کے بعد نہ دینا ہبہ پر تعدی اور زیادتی ہے اس لئے اب ضامن ہوگا

ترجمہ: ٣ اگر قاضی کے فیصلے کے بعد، یا رضامندی سے واپس لیا تو یہ اصل سے فسخ ہوگا یہی وجہ ہے کہ واہب کے قبضے کی شرط نہیں ہے

تشریح: چونکہ قاضی کے فیصلے سے ہبہ فسخ ہوا ہے، تو ایسا سمجھا جائے گا کہ ہبہ کیا ہی نہیں تھا، اس لئے فسخ ہوتے ہی واہب کی ملکیت ہو جائے گی، اور واہب کو دوبارہ اس پر قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی

ترجمہ ٤ اور ہبہ مشترک ہو چکا ہو تب بھی واپس لینا جائز ہے، اس لئے کہ عقد جائز واقع ہوا ہے، اور بنیاد سے فسخ کے حق کا بھی سبب ہے، اس لئے فسخ کا مطلب یہ ہے کہ جو حق ثابت ہوا ہے اس کو پورا لینا ہے، اس لئے علی الاطلاق ظاہر ہوگا

تشریح: اس عقد میں واہب کو بنیاد سے فسخ کرنے کا حق ہے، اس لئے جب فسخ کیا تو علی الاطلاق ظاہر ہوگا، یعنی اگر موہوب لہ نے اس کو مشترک کر دیا ہے تب بھی ہبہ واپس ہو جائے گا،

ترجمہ ٥ بخلاف مبیع پر قبضے کے بعد عیب کی وجہ سے واپس کرنا، اس لئے کہ یہاں مشتری کا حق یہ ہے کہ مبیع کا وصف سالم رہے، فسخ کرنے کا حق نہیں ہے، اس لئے ہبہ، اور مبیع کے عیب میں فرق ہو گیا۔

تشریح: یہاں مصنف یہ فرق بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ہبہ میں واپس لے، اور مبیع میں عیب کی وجہ سے مشتری بائع کی طرف مبیع واپس کرے، ان میں دو فرق ہیں۔ پہلا فرق یہ ہے کہ۔ ہبہ میں یہ واہب کو مکمل فسخ کرنے کا حق ہے، اور مبیع پر مشتری نے قبضہ کر لیا، پھر اس میں عیب کا پتہ چلا، جس کی وجہ سے مشتری مبیع کو بائع کی طرف واپس کرنا چاہتا ہے، تو اگر قاضی کے فیصلے سے واپس کیا تو اصل بیع فسخ ہو جائے گی، اور اگر بائع کی رضامندی سے فسخ کیا تو ان دونوں کے حق میں بیع جدید ہو جائے گی۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ہبہ جو فسخ ہوتا ہے وہ واہب کا حق ہے اس لئے اصل سے فسخ ہوگا۔ اور مشتری کا حق بیع فسخ کرنے کا نہیں ہے، بلکہ ا

(۱۰۶۲)قَالَ: (وَإِذَا تَـلِفَتُ الْعَيْنُ الْمَوُهُوبَةُ فَاسُتَحَقَّهَا مُسُتَحِقٌّ وَضَمِنَ الْمَوُهُوبُ لَهُ لَمُ يَرُجِعُ عَلَى الْوَاهِبِ بِشَيْءٍ)؛ لِ لِأَنَّهُ عَقُدُ تَبَرُّعٍ فَلَا يَسْتَحِقُّ فِيهِ السَّلَامَةَ، وَهُوَ غَيْرُ عَامِلٍ لَهُ، وَالْغُرُورُ فِي ضِمْنِ عَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ سَبَبٌ لِلرُّجُوعِ لَا ضِمْنَ فِي غَيْرِهِ.

(۱۰۶۳)قَالَ: (وَإِذَا وَهَبَ بِشَرُطِ الْعِوَضِ اُعْتُبِرَ التَّقَابُضُ فِي الْمَجْلِسِ فِي الْعِوَضَيْنِ، وَتَبْطُلُ بِالشُّيُوعِ)؛ لِ لِأَنَّهُ هِبَةٌ ابْتِدَاءً (فَإِنْ تَقَابَضَا صَحَّ الْعَقْدُ وَصَارَ فِي حُكْمِ الْبَيْعِ يُرَدُّ بِالْعَيْبِ وَخِيَارِ

س کا حق یہ ہے کہ مبیع عیب سے سالم رہے۔ ہبہ اور عیب کی وجہ سے واپس کرنے میں یہ دو فرق ہیں

ترجمہ (۱۰۶۲)اگر ہبہ کی ہوئی چیز تلف ہو جائے پھر اس کا کوئی حقدار نکل آئے اور موہوب لہ کو ضامن بنا دے تو واہب سے کچھ نہیں لے سکتا

ترجمہ ل اس کی وجہ یہ ہے کہ احسان والا عقد ہے اس لئے سالم رہنے کا مستحق نہیں ہے، پھر موہوب لہ واہب کے لئے کچھ کر بھی نہیں رہا ہے، اور دھوکے کی وجہ سے عقد معاوضہ میں رجوع کا سبب ہوتا ہے، دوسرے (عقد تبرع) ضمن میں رجوع کا سبب نہیں ہوتا ہے

تشریح : موہوب لہ کے پاس ہبہ کی چیز تھی وہ ہلاک ہوگئی بعد میں اس چیز کا کوئی حقدار نکل آیا اور موہوب لہ کو اس کا ضامن بنایا، کیونکہ وہ چیز ہلاک ہوگئی تھی تو موہوب لہ اس ضمان کو واہب سے وصول نہیں کر سکتا ہے۔

وجہ : قاعدہ یہ ہے کہ عقد میں بدلہ دے، یا واہب کے لئے کوئی کام کرے تب تو خامی نکلنے میں ذمہ دار ہوتا ہے، مثلا بیع میں مشتری بدلہ دیتا ہے تو کوئی نقص نکلے تو بائع ذمہ دار ہوتا ہے، یہاں تو واہب نے صرف تبرع کیا ہے اس لئے موہوب لہ پر کوئی ضمان آئے تو وہ واہب سے نہیں لے سکتا ہے

اصول: تبرع اور احسان میں چیز کی سلامت کا ذمہ دار احسان کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔ اس اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

لغت: تلف: تلف ہو جائے، ہلاک ہو جائے۔

ترجمہ (۱۰۶۳) ہبہ کیا بدلے کی شرط پر تو ضروری ہوگا دونوں عوضوں پر قبضہ ہونا، اور جب اور ہبہ مشترک ہو تو یہ ہبہ باطل ہو جائے گا۔

ترجمہ ل اس لئے کہ یہ ابتداء میں ہبہ ہے، پس اگر دونوں نے قبضہ کر لیا تو عقد صحیح ہو جائے گا اور یہ بیع کے حکم میں ہوگا، چنانچہ خیار عیب اور خیار رویت کی وجہ سے کہ واپس ہو سکے گا اور شفعہ کا مستحق ہوگا، اس لئے کہ یہ انتہاء بیع ہے۔

تشریح : واہب نے اس شرط پر ہبہ کیا کہ اس کا بدلہ دو گے تو اس ہبہ کی دو جہتیں ہو گئیں۔ لفظ کے اعتبار سے یہ ہبہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ بیع ہے۔ اس لئے اس ہبہ میں دونوں کی رعایت ضروری ہے۔ چنانچہ ہبہ ہونے کے اعتبار سے دونوں عوضوں پر قبضہ ضروری ہے، قبضہ کرے گا تو عقد صحیح ہوگا ورنہ نہیں، پھر دوسری جانب سے بھی ہبہ ہی ہے اس لئے معاوضہ پر بھی

الـرُّؤْيَةِ وَتُسْتَحَقُّ فِيهِ الشُّفْعَةُ)؛ لِأَنَّـهُ بَيْعٌ انْتِهَاءً. ۲ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: هُوَ بَيْعٌ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً؛ لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْبَيْعِ وَهُوَ التَّمْلِيكُ بِعِوَضٍ، وَالْعِبْرَةُ فِي الْعُقُودِ لِلْمَعَانِي، وَلِهَذَا كَانَ بَيْعُ الْعَبْدِ مِنْ نَفْسِهِ إعْتَاقًا. ۳ وَلَنَا أَنَّهُ اشْتَمَلَ عَلَى جِهَتَيْنِ فَيُجْمَعُ بَيْنَهُمَا مَا أَمْكَنَ عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ، وَقَدْ أَمْكَنَ؛ ۴ لِأَنَّ الْهِبَةَ مِنْ حُكْمِهَا تَأَخُّرُ الْمِلْكِ إلَى الْقَبْضِ، وَقَدْ يَتَرَاخَى عَنْ الْبَيْعِ الْفَاسِدِ وَالْبَيْعُ مِنْ حُكْمِهِ اللُّزُومُ، وَقَدْ تَنْقَلِبُ الْهِبَةُ لَازِمَةً بِالتَّعْوِيضِ فَجَمَعْنَا بَيْنَهُمَا، ۵ بِخِلَافِ

مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہبہ کی چیز مشترک ہوتو یہ ہبہ جائز نہیں ہوگا، اور چونکہ یہ بعد میں بیع ہو جائے گی، اس لئے اس میں بیع کے احکام جاری ہوں گے، چنانچہ ہبہ میں عیب ہوتو عیب کی وجہ سے واپس ہوگا، ہبہ کو دیکھا نہ ہو تو، اس میں خیار رویت ہوگی، زمین ہبہ کی ہے تو اس میں حق شفعہ جاری ہوگا

وجه: قبضہ کرنا ضروری ہے اس کے لئے یہ قول صحابی ہے۔ عن ابن عباس قالوا لا تجوز صدقة حتی تقبض (سنن للبیھقی، باب شرط القبض فی الھبۃ، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۱۱۹۵۱) اس سے معلوم ہوا کہ ہبہ پر قبضہ ضروری ہے۔

اصول: لفظ اور معنی دونوں کا اعتبار حتی الامکان کیا جائے گا۔

ترجمه ۲ اور امام شافعیؒ اور امام زفرؒ نے فرمایا یہ ابتداء میں بھی بیع ہے اور انتہاء میں بھی بیع ہے اس لئے کہ اس میں معاوضہ کی وجہ سے بیع کا معنی ہے، اور وہ ہے بدلے کی وجہ سے مالک بننا، اور عقد میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ غلام کو اسی سے بیچنا آزاد کرنا ہے

تشریح: امام شافعی اور امام زفر یہاں معنی کا اعتبار کرتے ہیں اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ یہ ابتدا اور انتہا دونوں اعتبار سے صرف بیع ہے۔ چنانچہ ان کے یہاں مجلس میں قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ آقا غلام کو یہ کہے کہ تم کو میں تمہیں سے بیچتا ہوں تو یہ روپیہ لیکر آزاد کرنے کے معنی میں ہوگا بیع کے معنی میں نہیں ہوگا، یہاں بیچنا لفظ استعمال کیا ہے، لیکن معنی کا اعتبار کرتے ہوئے آزاد کرنے کے معنی میں ہوگا

ترجمه ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ عقد دو جہتوں پر شامل ہے، اس لئے جتنا ممکن ہو دونوں کو جمع کیا جائے گا، دونوں شبہ پر عمل کرتے ہوئے۔، اور یہ ممکن ہے، اس لئے کہ ہبہ کا حکم ہے کہ قبضے تک ملک موخر ہو، اور ایسا ہوتا ہے کہ بیع فاسد میں (قبضے تک) ملک موخر ہوتا ہے

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ عوض کے بدلے میں ہبہ کیا ہے تو اس میں دو وجہ جمع ہو گئے ہیں، اس لئے دونوں وجہوں پر عمل کیا جائے گا۔ مثلا ہبہ کا حکم ہے کہ قبضہ کرنے تک ملک موخر ہوتو یہاں قبضہ تک ملک موخر ہوگا۔ جیسا کہ بیع فاسد ہوتو جب تک مشتری مبیع پر قبضہ نہ کرے اس کی ملکیت نہیں ہوتی، تو اس ہبہ میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

ترجمه: ۴ اور بیع کا حکم، اور ہبہ بدلے کے ساتھ ہوتو وہ بیع کی طرح لازم ہو جاتا ہے، اس لئے ہم نے دونوں کو جمع کیا ہے

تشریح: عوض کے بدلے میں ہبہ ہوتو یہ ہبہ بیع کی طرح لازم ہو جاتا ہے، چنانچہ یہاں ایسا ہوگا کہ ہبہ لازم ہو جائے گا۔

بَيْعِ نَفْسِ الْعَبْدِ مِنْهُ؛ لِأَنَّهُ لا يُمْكِنُ اعْتِبَارُ الْبَيْعِ فِيهِ، إِذْ هُوَ لَا يُصْلَحُ مَالِكًا لِنَفْسِهِ.

﴿فَصْل﴾

(۱۰۶۴) قَالَ: (وَمَنْ وَهَبَ جَارِيَةً إِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتْ الْهِبَةُ وَبَطَلَ الِاسْتِثْنَاءُ)؛ لِأَنَّ الِاسْتِثْنَاءَ لَا يَعْمَلُ إِلَّا فِي مَحَلٍّ يَعْمَلُ فِيهِ الْعَقْدُ، وَالْهِبَةُ لَا تَعْمَلُ فِي الْحَمْلِ لِكَوْنِهِ وَصْفًا عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فِي الْبُيُوعِ فَانْقَلَبَ شَرْطًا فَاسِدًا، وَالْهِبَةُ لَا تَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ، ۲ وَهَذَا هُوَ الْحُكْمُ فِي النِّكَاحِ

ترجمہ: ۵ بخلاف غلام ہی کی ذات کو اس سے بیچنا، تو اس میں بیع کا اعتبار کرنا ممکن نہیں ہے، اس لئے اپنی ذات کا مالک بنے یہ ممکن نہیں ہے

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ معنی کا اعتبار کیا جائے گا، اور اس کے لئے بیع العبد من نفسہ، کی مثال دی تھی، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہاں بیع ہونا ناممکن ہے، کیونکہ کوئی آدمی اپنی ذات کو نہیں خرید سکتا، اس لئے یہی مراد لی جائے گی، کہ رقم کے بدلے میں آقا آزاد کر رہا ہے

﴿فصل﴾

ترجمہ: (۱۰۶۴) کسی نے باندی ہبہ کی مگر اس کا حمل تو ہبہ صحیح ہے اور استثناء باطل ہے۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ استثناء وہاں عمل کرتا ہے جہاں عقد عمل کرتا ہے، اور ہبہ حمل میں عمل نہیں کرتا، اس لئے حمل ایک قسم کا باندی کی صفت ہے، جیسا کہ میں نے کتاب البیوع میں بیان کیا ہے، اس لئے حمل کا استثناء کرنا شرط فاسد ہو گئی، اور ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا (اس لئے ہبہ باقی رہے گا، اور شرط بے کار ہو جائے گی)

تشریح: کسی نے باندی ہبہ کی لیکن کہا کہ اس کا حمل ہبہ نہیں کرتا ہوں تو پوری باندی کا ہبہ ہو گا اور حمل کی نفی کرنا اور اس کا استثناء کرنا صحیح نہیں ہو گا۔

وجہ: حمل باندی کا جز ہے اور جز کل سے علیحدہ ہبہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے باندی ہبہ کی تو حمل بھی ہبہ ہو جائے گا، اسی کو مصنف نے فرمایا کہ حمل باندی کی صفت کے درجے میں ہے (۲) بیع میں گزرا کہ باندی بیچے اور حمل کا استثناء کرے تو جائز نہیں ہے اسی طرح ہبہ کا معاملہ ہے۔ تاہم وہاں بیع فاسد ہو جاتی ہے لیکن ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا اس لئے ہبہ درست رہے گا (۳) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال نهى رسول الله ﷺ عن المزاينة وعن المحاقلة وعن الثنيا الا ان يعلم. (ابوداؤد شریف، باب فی المخابرة، ص ۱۲۷، نمبر ۳۴۰۵ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی النهی عن الثنیا ص ۲۴۲، نمبر ۱۲۹۰) اس حدیث میں مجہول استثناء سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے حمل کو ہبہ سے مستثنی کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲ یہی حکم ہے نکاح، خلع، دم عمد کی صلح کا (شرط باطل جائے گی اور باندی لازم ہو جائے گی) اس لئے کہ یہ چیزیں

وَالْخُلْعِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ؛ لِأَنَّهَا لَا تَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ وَالْإِجَارَةِ وَالرَّهْنِ؛ لِأَنَّهَا تَبْطُلُ بِهَا.

(۱۰۶۵)وَلَوْ أَعْتَقَ مَا فِي بَطْنِهَا ثُمَّ وَهَبَهَا جَازَ؛ ١ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ الْجَنِينُ عَلَى مِلْكِهِ فَأَشْبَهَ الِاسْتِثْنَاءَ، (۱۰۶۶)وَلَوْ دَبَّرَ مَا فِي بَطْنِهَا ثُمَّ وَهَبَهَا لَمْ يَجُزْ؛ ١ لِأَنَّ الْحَمْلَ بَقِيَ عَلَى مِلْكِهِ فَلَمْ يَكُنْ شَبِيهَ الِاسْتِثْنَاءِ وَلَا يُمْكِنُ تَنْفِيذُ الْهِبَةِ فِيهِ لِمَكَانِ التَّدْبِيرِ فَبَقِيَ هِبَةُ الْمُشَاعِ أَوْ هِبَةُ شَيْءٍ هُوَ مَشْغُولٌ

شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتیں۔۔بخلاف بیع اور اجرت، اور رہن کے، اس لئے کہ یہ چیزیں شرط فاسد سے فاسد ہو جاتی ہیں

تشریح: نکاح کیا، اور مہر میں باندی دی، پھر کہا کہ لیکن اس کا حمل مہر میں نہیں دوں گا تو باندی اور حمل دونوں لازم ہوں گے، اور نکاح بھی ہو جائے گا، باطل نہیں ہوگا۔ اسی طرح عورت نے خلع کیا اور خلع میں باندی دی، اور کہا کہ مگر اس کا حمل نہیں دوں گی، تو خلع ہو جائے گا، اور حمل اور باندی دونوں لازم ہوں گے، اسی طرح قتل عمد ہوا تھا اس میں صلح میں باندی دی لیکن کہا کہ اس کا حمل نہیں دوں گا تو صلح ہو جائے گی، اور باندی اور حمل دونوں لازم ہوں گے، کیونکہ یہ چیزیں شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتی ہیں۔ لیکن باندی بیچی اور کہا کہ اس کا حمل نہیں بیچتا ہوں تو بیع ہی فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ شرط فاسد سے بیع باطل ہو جاتی ہے، اسی طرح باندی کو اجرت پر دی اور کہا کہ مگر اس کے حمل کو اجرت پر نہیں دیتا ہوں تو اجرت فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح قرض کے بدلے میں باندی رہن پر رکھا، اور کہا کہ مگر اس کے حمل کو رہن پر نہیں رکھتا ہوں تو رہن فاسد ہو جائے گا، کیونکہ یہ چیزیں شرط فاسد سے فاسد ہو جاتی ہے

ترجمہ: (۱۰۶۵) پہلے باندی کے حمل کو آزاد کر دیا پھر اس کو ہبہ کیا تو ہبہ جائز ہے

ترجمہ: ١ اس لئے کہ بچہ واہب کی ملکیت میں نہیں رہا، تو استثناء کی طرح ہو گیا

تشریح: شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ آزادگی فوراً نافذ کرتی ہے، اس لئے جب واہب نے حمل آزاد کیا تو حمل آزاد ہو گیا، اب واہب کی ملکیت میں صرف باندی باقی رہی اس لئے جب اس کو ہبہ کیا مشترک ہبہ نہیں ہوا، اس لئے ہبہ جائز ہو گیا، جس طرح استثناء کرتا تو ہبہ جائز ہوتا

ترجمہ: (۱۰۶۶) اگر حمل کو مدبر بنایا پھر اس کو ہبہ کیا تو ہبہ جائز نہیں ہوگا

ترجمہ: ١ اس لئے کہ مدبر بنانے کی وجہ سے حمل واہب کی ملکیت میں رہ گیا، اس لئے یہ استثناء کے مشابہ نہیں ہوا۔ اب باندی کے ہبہ کو نافذ نہیں کر سکتے، اس لئے کہ باندی کے پیٹ میں مدبر حمل موجود ہے، تو یہ شرکت والا ہبہ ہو گیا، یا ایسا ہبہ ہو گیا جو مالک کی ملکیت کے ساتھ مشغول ہے

تشریح: مدبر کا مطلب ہے کہ میرے مرنے کے بعد حمل آزاد ہے، اس صورت میں حمل میں آزادگی کا شائبہ آتا ہے، لیکن حمل مالک کی ملکیت ہی میں رہ جاتا ہے، اب اس کو مالک کی ملکیت سے نکال نہیں سکتے۔ اب مالک نے ہبہ کیا تو گویا کہ

بِمِلْكِ الْمَالِكِ.

(١٠٦٧) (فَإِنْ وَهَبَهَا لَهُ عَلَى أَنْ يَرُدَّهَا عَلَيْهِ أَوْ عَلَى أَنْ يُعْتِقَهَا أَوْ يَتَّخِذَهَا أُمَّ وَلَدٍ أَوْ وَهَبَ دَارًا أَوْ تَصَدَّقَ عَلَيْهِ بِدَارٍ عَلَى أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْهَا أَوْ يُعَوِّضَهُ شَيْئًا مِنْهَا فَالْهِبَةُ جَائِزَةٌ وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ) ا لِأَنَّ هَذِهِ الشُّرُوطَ تُخَالِفُ مُقْتَضَى الْعَقْدِ فَكَانَتْ فَاسِدَةً، وَالْهِبَةُ لَا تَبْطُلُ بِهَا، ٢ أَلَا تَرَى «أَنَّ النَّبِيَّ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَجَازَ الْعُمْرَى وَأَبْطَلَ شَرْطَ الْمُعَمِّرِ ٣ « بِخِلَافِ الْبَيْعِ »؛ لِأَنَّهُ -

مشترک ہبہ کیا جو جائز نہیں ہے، اس لئے ہبہ باطل ہو جائے گا، یا ایسا ہبہ کیا جو مالک کی ملکیت سے ساتھ ہے اس لئے ہبہ جائز نہیں ہوگا

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ہبہ واہب کی ملکیت کے ساتھ مشغول ہے تو یہ مشترک ہبہ ہوا اس لئے یہ جائز نہیں ہوگا

ترجمہ: (١٠٦٧) اگر اس شرط پر باندی ہبہ کی اس کو واپس کرے گا، یا ہبہ کی باندی کو آزاد کرے گا، یا اس باندی کو ام ولد بنائے گا، یا گھر ہبہ کیا، یا گھر صدقہ کیا اس شرط پر کہ اس میں سے کچھ ٹکڑا واپس دے گا، یا اس کا کچھ بدلہ دے گا، تو ہبہ جائز ہے اور یہ شرطیں باطل ہیں

ترجمہ: ا اس لئے کہ شرطیں عقد کے تقاضے کے خلاف ہیں، اس لئے شرط فاسد ہو جائیں گی، اور ہبہ باطل نہیں ہوگا،

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ ہبہ کرتے وقت واہب شرط فاسد لگائے تو ہبہ باقی رہتا ہے اور شرط ختم ہو جاتی ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ٢ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ حضورؐ نے عمری کو جائز کیا، اور معمر کی شرط کو باطل قرار دیا

تشریح: عرب میں ایک جملہ ہے، عمری، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ گھر موہوب لہ کے عمر بھر کے لئے دیا، اور جب وہ مر جائے گا تو یہ گھر واہب کی طرف لوٹ آئے گا، گویا کہ لوٹنے کی شرط پر ہبہ کیا، تو حضور ﷺ نے اس شرط کو باطل قرار دیا، اور فرمایا کہ عمری، میں گھر واہب کی طرف نہیں لوٹے گا، بلکہ موہوب لہ کے مرنے کے بعد موہوب لہ کے ورثاء میں تقسیم ہو جائے گا، اس حدیث میں حضور نے شرط کو باطل قرار دیا، اسی طرح اوپر کے تمام شرط باطل ہوں گی اور ہبہ صحیح ہو جائے گا

وجہ: صاحب ہدایہ کی عمری کی حدیث یہ ہے۔ **عن جابر بن عبد الله ان رسول الله ﷺ قال ايما رجل اعمر عمری له ولعقبه فانها للذی اعطيها لا ترجع الى الذی اعطاها لانه اعطی عطاء وقعت فيه الموارث** (مسلم شریف، باب العمریٰ، ص ۷۳، نمبر ۱۶۲۵/۴۱۸۸/ابو داؤد شریف، باب فی العمریٰ، ص ۱۴۴، نمبر ۳۵۵۱) اس حدیث میں حضور ﷺ نے واپس لینے کی شرط کو باطل قرار دیا ہے

ترجمہ: ٣ بخلاف بیع کے (وہ شرط فاسد سے فاسد ہو جائے گی) اس لئے کہ حضور نے بیع کرے اور شرط لگائے اس سے منع فرمایا ہے

عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – نَهَى عَنْ بَيْعٍ وَشَرْطٍ « ٣ وَلِأَنَّ الشَّرْطَ الْفَاسِدَ فِي مَعْنَى الرِّبَا، وَهُوَ يَعْمَلُ فِي الْمُعَاوَضَاتِ دُونَ التَّبَرُّعَاتِ.

(١٠٦٨)قَالَ: (وَمَنْ كَانَ لَهُ عَلَى آخَرَ أَلْفُ دِرْهَمٍ فَقَالَ إِذَا جَاءَ غَدٌ فَهِيَ لَكَ أَوْ أَنْتَ بَرِيءٌ مِنْهَا بَرِيءٌ. أَوْ قَالَ: إِذَا أَدَّيْتَ إِلَيَّ النِّصْفَ فَلَكَ النِّصْفُ أَوْ أَنْتَ بَرِيءٌ مِنْ النِّصْفِ الْبَاقِي فَهُوَ بَاطِلٌ)؛

تشریح: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن عائشة قالت ...ثم قال ﷺ اما بعد ما بال رجال يشترطون شروطا ليست فى كتاب الله ؟ ما كان من شرط ليس فى كتاب الله فهو باطل وان كان مائة شرط قضاء الله احق وشرط الله اوثق (بخاری شریف، باب اذا اشترط فی البیع شروطا لاتحل ص ۲۹۰ نمبر ۲۱۶۸ رمسلم شریف، باب بیان ان الولاء لمن اعتق ج اول ص ۴۹۳ نمبر ۱۵۰۴ ر ۳۷۷۷) اس حدیث میں بتایا گیا ہے شریعت کے خلاف جو بھی شرط لگائے اس کا اعتبار نہیں ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے عبد الله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ لا يحل سلف و بيع ولا شرطان فى بيع (ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ ج ثانی ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۰۴) اس حدیث میں ہے کہ دو شرطیں لگانا ممنوع ہے۔اور خاص طور پر جس شرط لگانے سے جھگڑے کا خطرہ ہو اس سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٣ اور اس لئے بھی بیع فاسد ہوگی کہ شرط فاسد لگانا سود کے معنی میں ہے، اور یہ بدلے والے عقد میں تو ہوتا ہے، تبرع والے معاملے میں نہیں ہوتا

تشریح: شرط فاسد سود کے معنی میں اس طرح ہے کہ مبیع کے بدلے میں قیمت ہوگئی، اب جو فائدے کے لئے زیادہ شرط لگا رہا ہے، یہ الگ سے زیادہ چیز ہے جو سود کے معنی میں ہے، اب بیع وغیرہ میں تو ان شرطوں سے بیع فاسد ہو جائے گی، لیکن ہبہ تبرع اور احسان ہے، اس میں ان شرطوں سے ہبہ فاسد نہیں ہوگا، وہ جائز ہو جائے گا، اور شرط بیکار ہو جائے گی

ترجمہ: (۱۰۶۸) کسی کا دوسرے پر ایک ہزار درہم قرض تھا، اب اس نے کہا کل آجائے تو یہ ہزار تیرے لئے ہے،، یا تو اس ہزار سے بری ہے، یا کہا کہ مجھے آدھا ہزار دے دو باقی آدھا ہزار تمہارے لئے ہے، یا کہا کہ تم باقی سے بری ہو تو یہ شرطیں باطل ہیں (اور مقروض پر ایک ہزار فوری طور پر لازم ہوگا)

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ مشروط شرط کے ساتھ ہبہ کیا تو، یا بری کیا تو ہبہ ہی باطل ہے

تشریح: مثلا زید کا ایک ہزار درہم عمر پر قرض تھا، زید نے یہ چار صورتوں میں ہبہ کیا۔ا۔پہلی صورت کل آجائے تو یہ ہزار تمہارا ہے۔۲ دوسری صورت کل آجائے تو تم اس ایک ہزار ادا کرنے سے بری ہو۔۳ تیسری صورت۔تم آدھا ہزار ادا کر دو باقی آدھا ہزار تمہارا ہے۔۴ چوتھی صورت تم آدھا ادا کر دو باقی آدھا ہزار سے تم بری ہو، تو یہاں شرط کے ساتھ ہبہ کیا یا بری کیا، اس لئے ہبہ نہیں ہوگا، اور مقروض پر ہزار لازم ہو جائے گا

وجہ: :اگر واہب درہم ہبہ کے طور پر دیتا اور فاسد شرط لگاتا تو ہبہ درست ہو جاتا، اور شرط باطل ہو جاتی۔ یہاں قرض جو ذہنی

ل لِأَنَّ الْإِبْرَاءَ تَمْلِيكٌ مِنْ وَجْهٍ إِسْقَاطٌ مِنْ وَجْهٍ، وَهِبَةُ الدَّيْنِ مِمَّنْ عَلَيْهِ إِبْرَاءٌ، وَهَذَا؛ لِأَنَّ الدَّيْنَ مَالٌ مِنْ وَجْهٍ وَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ كَانَ تَمْلِيكًا،وَوَصْفٌ مِنْ وَجْهٍ وَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ كَانَ إِسْقَاطًا، وَلِهَذَا قُلْنَا: إِنَّهُ يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ، وَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى الْقَبُولِ وَالتَّعْلِيقُ بِالشَّرْطِ يَخْتَصُّ بِالْإِسْقَاطَاتِ الْمَحْضَةِ الَّتِي يُحْلَفُ بِهَا كَالطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ فَلَا يَتَعَدَّاهَا.

(۱۰۶۹)قَالَ: (وَالْعُمْرَى جَائِزَةٌ لِلْمُعَمَّرِ لَهُ حَالَ حَيَاتِهِ وَلِوَرَثَتِهِ مِنْ بَعْدِهِ) لِ مَا رَوَيْنَاهُ. وَمَعْنَاهُ أَنْ يَجْعَلَ دَارِهِ لَهُ عُمْرَهُ. وَإِذَا مَاتَ تُرَدُّ عَلَيْهِ فَيَصِحُّ التَّمْلِيكُ، وَيَبْطُلُ الشَّرْطُ لِمَا رَوَيْنَا وَقَدْ بَيَّنَّا أَنَّ

طور پر ہے(کیونکہ دیا ہوادرہم تو خرچ ہو چکا ہے)اس کوشرط لگا کر ہبہ کرر ہا ہےاس لئے ہبہ باطل ہو جائے گا، ہاں بغیر شرط کے معاف کر دے تو معاف ہو جائے گا

ترجمہ :ل اس لئے کہ بری کرنا من وجہ ما لک بنانا ہے،اور من وجہ ساقط کرنا ہے،اور جس پر قرض ہے اسی کو ہبہ کرنا بری کرنا ہے(اور دو جہتیں ہونے کی وجہ یہ ہے کہ) قرض من وجہ مال ہے،اوراس وجہ سے ما لک بنانا ہے،اور من وجہ صفت ہے،اوراس اعتبار سے ساقط کرنا ہے،یہی وجہ ہے کہ موہوب لہ لینے سے انکار کر دے تو انکار ہو جائے گا۔اور قبول پر موقوف نہیں ہوگا،اور شرط پر معلق کرنا خالص جو ساقط کرنا ہےاسی کے ساتھ خاص ہے،جس کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے،جیسے طلاق دینا ہے،یا آزاد کرنا ہے،ان سے آگے نہیں

تشریح :اس لمبی عبارت میں یہ بتا رہے ہیں، کہ قرض سے بری کرنے کی دو حیثیتیں ہیں،ایک اعتبار سے یہ چیز ہے،اس اعتبار سے قرض کا ما لک بنانا ہے،لیکن سامنے کوئی چیز موجود نہیں ہے، دیا ہوا درہم تو خرچ ہو چکا ہے،اس لئے قرض ایک صفت ہے،اس اعتبار سے قرض کو ہبہ کرنا گویا کہ بری کرنا،اور قاعدہ یہ ہے کہ طلاق، یا آزادگی جو محض ساقط کرنا ہوتا ہے وہاں تو بری کرنا ہوتا ہے،قرض محض ساقط کرنا نہیں ہے،اس لئے شرط کے ساتھ ساقط کرنا بے کار جائے گا اور فوری طور پر قرض کوادا کرنا لازم ہوگا

﴿ عمریٰ کا بیان ﴾

ترجمہ:(۱۰۶۹)عمری جائز ہے معمرلہ کے لئے،اس کی زندگی میں ہوگا اور معمرلہ کے مرنے کے بعداس کے ورثاء کے لئے ہوگا۔

ترجمہ :ل اس حدیث کی بنا پر جو ہم نے پہلے بیان کیا،اور عمری، کا معنی یہ ہے کہ، موہوب لہ کی زندگی تک گھر اس کو دے دیا،اور جب وہ مر جائے تو گھر واہب کی طرف واپس آ جائے ،تو گھر کا ما لک بنانا صحیح ہے، اور شرط باطل ہو جائے گی، اس حدیث کی بنا پر جو ہم نے روایت کی ہے،اور یہ بھی بیان کیا ہے ہبہ شرط باطل سے باطل نہیں ہوتا ہے

تشریح :عمری کا لفظی معنی تو ہے کہ تمہاری زندگی تک یہ چیز تمہارے لئے دیتا ہوں لیکن تمہارے مرنے کے بعد میں اس کو واپس لے لوں گا۔ یہ چیز تمہارے ورثاء میں تقسیم نہیں ہوگی۔لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عمری کا لفظ سے ہبہ کر دیا تو وہ چیز مکمل موہوب لہ جس کو معمرلہ کہتے ہیں اس کی ہو جائے گی۔اور معمرلہ کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء میں یہ چیز تقسیم ہوگی۔

وجہ:(۱)حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد الله ان رسول الله ﷺ قال ايما رجل اعمر عمرى له ولعقبه

الْهِبَةَ لَا تَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ

(١٠٧٠) (وَالرُّقْبَى بَاطِلَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: جَائِزَةٌ)؛

فانها للذى اعطيها لا ترجع الى الذى اعطاها لانه اعطى عطاء وقعت فيه المواريث (مسلم شریف، باب العمریٰ ص۳۷، نمبر ۱۶۲۵/۴۱۸۸/ابوداؤد شریف، باب فی العمریٰ ص۱۴۴، نمبر ۳۵۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمریٰ کرنا جائز ہے اور معمرلہ کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگی (۲) اسی راوی سے دوسری حدیث میں ہے۔عن جابر عن النبی ﷺ انه قال العمری میراث لاهلها (مسلم شریف، باب العمریٰ ص۳۷ نمبر ۱۶۲۵/۴۱۸۹/بخاری شریف، باب ما قیل فی العمری والرقبیٰ ص۳۵۷، نمبر ۲۶۲۵) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عمریٰ کی چیز معمرلہ کے ورثاء میں تقسیم ہوگی۔

ترجمہ:(١٠٧٠) رقبیٰ باطل ہے ابو حنیفہ کے نزدیک اور محمد کے نزدیک اور کہا ابو یوسف نے کہ جائز ہے۔

تشریح :رقبیٰ، مراقبہ سے مشتق ہے، اس کا لفظی ترجمہ ہے انتظار کرنا، اس کی صورت یہ ہے کہ واہب کہے یہ چیز ہبہ کرتا ہوں اس طرح کہ اگر میں پہلے مر گیا تو یہ چیز تیری رہے گی۔اور آپ پہلے مر گئے تو یہ چیز میری ہوگی۔چونکہ اس صورت میں پہلے کون مرے اس کا انتظار رہتا ہے۔اس لئے اس کو رقبیٰ کہتے ہیں۔چونکہ اس صورت میں واہب موہوب لہ کے پہلے مرنے کا انتظار کرتا ہے تا کہ وہ چیز اس کو مل جائے اور موہوب لہ واہب کے پہلے مرنے کا انتظار کرتا ہے تا کہ یہ چیز موہوب لہ کو مل جائے۔یہ ایک دوسرے کے موت کی تمنا کا طریقہ ہے اس لئے امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔لیکن اگر رقبیٰ کر دیا تو یہ گھر رقبیٰ والے کے لئے عاریت پر ہوگا، اور زندگی بھر فائدہ اٹھا سکے گا، لیکن گھر پر ملکیت واہب کی ہوگی۔اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک رقبیٰ جائز ہے، اور شرط ختم ہو جائے گی اور گھر کا مالک موہوب لہ ہوگا، اور اس کے مرنے کے بعد یہ گھر موہوب لہ کے ورثاء میں تقسیم ہوگا

وجہ:امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ حدیث ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ سمع طاوسا قال رسول الله : لا تحل الرقبى ، فمن ارقب رقبى فهو سبيل الميراث (نسائی شریف، باب ذکر اختلاف علی ابی زبیر، ج۶ ص۲۷۰، نمبر ۳۷۱۴) اس حدیث مرسل میں ہے کہ رقبیٰ حلال نہیں، (۲) اور رقبیٰ کرنا مکروہ ہے اس کے لئے حدیث یہ ہے۔عن زيد بن ثابت قال قال رسول الله ﷺ من اعمر شيئا فهو لمعمره محياه ومماته ولا ترقبوا فمن ارقب شيئا فهو سبيله (ابوداؤد شریف، باب فی الرقبیٰ ص۱۴۵، نمبر ۳۵۵۹/نسائی شریف، کتاب الرقبیٰ ص۱۱۹، نمبر ۳۷۴۸) اس حدیث میں رقبیٰ کرنے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک رقبیٰ جائز نہیں ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک رقبیٰ جائز ہے۔

وجہ:ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن جابر قال قال رسول الله ﷺ العمرىٰ جائزة لاهلها والرقبىٰ جائزة لاهلها (ابوداؤد شریف، باب فی الرقبیٰ ص۱۴۵، نمبر ۳۵۵۸/نسائی شریف، کتاب الرقبیٰ ص۱۱۹، نمبر ۳۷۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رقبیٰ کرنا جائز ہے۔اور رقبیٰ کے معنی ان کے یہاں یہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ چیز تیری ہے۔اور یہ جائز

ل لِأَنَّ قَوْلَهُ دَارِي لَكَ تَمْلِيكٌ .وَقَوْلُهُ رُقْبَى شَرْطٌ فَاسِدٌ كَالْعُمْرَى .٢ وَلَهُمَا »أَنَّهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أَجَازَ الْعُمْرَى وَرَدَّ الرُّقْبَى « ٣ وَلِأَنَّ مَعْنَى الرُّقْبَةِ عِنْدَهُمَا إنْ مِتَّ قَبْلَكَ فَهُوَ لَكَ، وَاللَّفْظُ مِنْ الْمُرَاقَبَةِ كَأَنَّهُ يُرَاقِبُ مَوْتَهُ، وَهَذَا تَعْلِيقُ التَّمْلِيكِ بِالْخَطَرِ فَبَطَلَ .وَإِذَا لَمْ تَصِحَّ تَكُونُ عَارِيَّةً عِنْدَهُمَا؛ لِأَنَّهُ يَتَضَمَّنُ إطْلَاقَ الِانْتِفَاعِ بِهِ.

فَصْلٌ فِي الصَّدَقَةِ

(١٠٧١) قَالَ: (وَالصَّدَقَةُ كَالْهِبَةِ لَا تَصِحُّ إلَّا بِالْقَبْضِ)؛ ل لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ كَالْهِبَةِ (فَلَا تَجُوزُ فِي

کی صورت ہے۔اور جو یہ شرط لگائی کہ مرنے کے بعد میری ہے یہ شرط فاسد ہے اس لئے یہ شرط خود باطل ہو جائے گی

ترجمہ :ل اس لئے کہ جب مالک نے کہا، داری لک، تو موہوب لہ مالک بن گیا، اور آگے جو رقبی کی شرط لگائی وہ فاسد ہے اس لئے ،لفظ عمری، کی شرط کی طرح باطل ہو جائے گی

تشریح : یہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب واہب نے کہا، داری لک، رقبی، تو اس میں پہلا لفظ، داری لک، اس سے موہوب لہ مالک ہو گیا، اور گھر موہوب لہ کا ہو گیا، اس کے بعد ہے، رقبی، تو یہ شرط فاسد ہے، تو جس طرح ،عمری، شرط فاسد ہے اور وہ خود ہی ختم ہو جاتا ہے اسی طرح ،رقبی، بھی شرط فاسد ہے اس لئے وہ خود ہی ختم ہو جائے گا، اور گھر موہوب لہ کا ہو جائے گا۔

ترجمہ :٢ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل حضور ﷺ کا قول عمری کی اجازت دی اور رقبی کو رد کر دیا

تشریح : صاحب ہدایہ کی حدیث تقریبا یہ ہے۔ **سمع طاوسا قال رسول الله : لا تحل الرقبی** ، (نسائی شریف، باب ذکر اختلاف علی ابی زبیر، ج ٦ ص ٢٧٠، نمبر ٣٧١٤) اس حدیث مرسل میں ہے کہ رقبی حلال نہیں ہے

ترجمہ :٣ اور یہ وجہ بھی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک رقبی کا معنی یہ ہے کہ اگر میں تم سے پہلے مر گیا تو یہ گھر تمہارا ہے، اور یہ لفظ مراقبت، یعنی دوسرے کی موت کے انتظار سے ہے، گویا کہ مالک کی موت کا انتظار کر رہا ہے، اور یہ مالک بننے کو خطرے پر معلق کر رہا ہے اس لئے رقبی ہی باطل ہو گا، اور جب رقبی صحیح نہیں ہوا تو ان حضرات کے نزدیک گھر عاریت پر ہو جائے گا، اس لئے مطلق نفع حاصل کرنے پر شامل ہے

تشریح : اس عبارت میں تین باتیں بتا رہے ہیں۔ ١۔ رقبی مراقبت سے مشتق ہے، اس میں دوسرے کی موت کا انتظار کرنا ہے جو مکروہ ہے۔ ٢۔ دوسری بات یہ ہے کہ گھر کے مالک بننے کو کسی کی موت پر معلق کیا ہے اس لئے یہ تعلیق باطل ہو گی۔ ٣۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ رقبی باطل ہو گئی تو یہ عاریت ہو گئی، یعنی گھر کا مالک واہب رہے گا، اور موہوب لہ زندگی بھر گھر سے فائدہ اٹھا سکے گا

صدقہ کا بیان

ترجمہ :(١٠٧١) صدقہ ہبہ کی طرح ہے، نہیں صحیح ہوتا ہے مگر قبضہ کے بعد۔

مُشَاعٍ يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ) لِمَا بَيَّنَّا فِي الْهِبَةِ

(١٠٧٢) (وَلَا رُجُوعَ فِي الصَّدَقَةِ) ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الثَّوَابُ وَقَدْ حَصَلَ.

ترجمہ: لے اس لئے کہ یہ بھی ہبہ کی طرح تبرع ہے اس لئے جو چیز تقسیم ہو سکتی ہو اس میں شرکت ہو تو صدقہ جائز نہیں ہوگا جیسے ہبہ میں جائز نہیں ہوتا ہے

تشریح :(۱) جس طرح ہبہ کا حکم ہے اسی طرح صدقہ کا بھی حکم ہے۔ یعنی ہبہ قبضہ کے بعد مکمل ہوتا ہے اسی طرح صدقہ پر قبضہ کے بعد مکمل ہوگا۔ (۲) اور ایسی چیز جو تقسیم ہو سکتی ہو اس کو مشترک صدقہ کیا تو ہبہ کی طرح یہ بھی جائز نہیں ہوگا۔ لیکن صدقہ کی چیز کو واپس نہیں لے سکتا ہے، جبکہ ہبہ کی چیز کو واپس لے سکتا ہے

وجہ :(۱) صدقہ بھی ہبہ کی طرح تبرع اور احسان ہوتا ہے اور مفت لینا ہوتا ہے۔ اس لئے اگر صدقہ دینے والے نے کہہ دیا کہ میں آپ کو صدقہ دوں گا تو صرف اس سے صدقہ لینے والا صدقے کا مالک نہیں ہوگا جب تک صدقے پر قبضہ نہ کرے (۲) قول صحابی میں ہے کہ صدقہ پر قبضہ کئے بغیر مالک نہیں ہوگا۔ عن عثمان وابن عمر وابن عباس انهم قالوا لا تجوز صدقة حتى تقبض وعن معاذ بن جبل وشريح انهما كانالا يجيز انها حتى تقبض (سنن للبیہقی، باب شرط القبض فی الھبۃ، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۱۱۹۵۱) اس قول صحابی میں ہے کہ صدقہ پر قبضہ کئے بغیر صدقہ جائز نہیں ہوگا۔ (۳) اور مشترک چیز کا صدقہ جائز نہیں ہے اس کے لئے یہ قول تابعی ہے۔ کتب عمر ابن عبد العزيز انه لا يجوز من النحل الا ماعزل وافرد واعلم (مصنف عبد الرزاق، باب النحل ج تاسع ص ۱۰۴ نمبر ۱۶۵۱۴) (۴) عن ابن شبرمة قال ان لم يجز كل واحد منهما ما وهب له صاحبه فليس بشيء (مصنف عبد الرزاق، باب حیازۃ ما وھب احدھما لصاحبہ ج تاسع ص ۱۱۶ نمبر ۱۶۵۷۰) ان دونوں قول تابعی سے معلوم ہوا کہ جب تک تقسیم نہ کیا جائے تو ہبہ جائز نہیں ہے اور یہی حال صدقہ کا بھی ہے کہ وہ تقسیم کئے بغیر جائز نہیں۔

نوٹ اگر چیز تقسیم کرنے سے برباد ہو تو پھر مجبوری ہے۔ بغیر تقسیم کئے بھی صدقہ جائز ہوگا۔ جیسا کہ ہبہ میں ہوتا ہے

ترجمہ: (۱۰۷۲) قبضے کے بعد صدقہ کو واپس لینا صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ صدقہ کرنے کا مقصد ثواب حاصل کرنا ہے اور وہ حاصل ہو گیا (اس لئے صدقہ کی چیز کو واپس لینا جائز نہیں ہے۔ ہبہ اور صدقہ میں یہ فرق ہے)

وجہ :(۱) صدقہ کرنے کا مقصد ثواب حاصل کرنا ہے۔ اس لئے اس کو ثواب حاصل ہو گیا تو گویا کہ صدقہ کا بدلہ مل گیا تو اس کو واپس لینا جائز نہیں ہے (۲) ہبہ کو واپس لینے کے بارے میں یہ حدیث گزری۔ عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ العائد فی هبته كالعائد فی قيئه (بخاری شریف، باب لا یحل لاحد ان یرجع فی ھبتہ وصدقتہ، ص، نمبر ۲۶۲۱ / مسلم شریف، باب تحریم الرجوع فی الصدقۃ بعد القبض الا ما وھبہ لولدہ وان سفل ص، نمبر ۱۶۲۲) اس حدیث کی بنا پر صدقہ واپس لینا جائز نہیں

(۱۰۷۳)وَكَذٰلِكَ إِذَا تَصَدَّقَ عَلَى غَنِيٍّ اسْتِحْسَانًا؛ ١ لِأَنَّهُ قَدْ يَقْصِدُ بِالصَّدَقَةِ عَلَى الْغَنِيِّ الثَّوَابَ وَقَدْ حَصَلَ. ٢ وَكَذَا إِذَا وَهَبَ لِفَقِيرٍ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الثَّوَابُ وَقَدْ حَصَلَ.

(۱۰۷۴)قال: (وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِمَالِهِ يَتَصَدَّقُ بِجِنْسِ مَا يَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ،

ہے۔(۳)۔قال عمر حملت على فرس فى سبيل الله فرأيته يباع فسألت رسول الله ﷺ فقال لا تشتره ولا تعد فى صدقتك (بخاری شریف، باب اذا حمل رجل علی فرس فھو کالعمری والصدقۃ ص نمبر ۲۶۳۶)اس حدیث میں صدقہ واپس لینے سے منع فرمایا ہے اس لئے اس کو واپس لینا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ:(۱۰۷۳)ایسے ہی اگر مالدار پر صدقہ کیا تو واپس نہیں لے سکتا ہے

ترجمہ:١ اس لئے کہ مالدار پر صدقہ کرنے کا مقصد کبھی ثواب حاصل کرنا بھی ہوتا ہے اور وہ حاصل ہو گیا (اس لئے مالدار پر صدقہ کیا تب بھی صدقہ کی چیز واپس نہیں لے سکتا ہے)

تشریح:واضح ہے

ترجمہ:٢ اور ایسے فقیر پر ہبہ کیا تو واپس نہیں لے سکتا ہے، اس لئے کہ یہاں بھی ثواب مقصود ہے اور وہ حاصل ہو گیا

تشریح :پہلے ہبہ کے باب میں آیا کہ سات باتیں نہ ہوں تو ہبہ کی چیز کو واپس بھی لے سکتا ہے، اب فرما رہے ہیں کہ فقیر کو ہبہ کیا تو صدقہ کے درجے میں ہے اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے،

وجہ :اس کا بدلہ ثواب ہے جو مل گیا، اور بدلہ مل جانے کے بعد ہبہ واپس نہیں لے سکتا ہے، اس لئے فقیر کو ہبہ کیا تو اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے

ترجمہ :(۱۰۷۴) کسی نے نذر مانی کہ اپنے مال کو صدقہ کرے گا تو اس پر لازم ہے کہ جس قسم کے مال میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اس قسم کے مال کو صدقہ کرے

تشریح :کسی نے نذر مانی کہ میں اپنا مال صدقہ کروں گا تو ان مالوں کو صدقہ کرنا واجب ہوگا جن میں اس پر زکوۃ واجب تھی۔ جن مالوں میں اس پر زکوۃ واجب نہیں تھی ان کو صدقہ کرنا لازم نہیں ہوگا۔

وجہ :(۱) مال تو محاورے میں کسی بھی مال کو کہتے ہیں۔لیکن شریعت میں جب مال بولا جاتا ہے تو اس مال کو مال کہتے ہیں جن میں زکاۃ واجب ہو(۲) آیت میں اس کا اشارہ موجود ہے۔خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم (آیت ۱۰۳ سورۃ التوبۃ ۹)(۳) دوسری آیت میں ہے۔وفى اموالهم حق للسائل والمحروم (آیت ۱۹ سورۃ الذاریات ۵۱)ان دونوں آیتوں میں مال بول کر زکوۃ مراد لیا ہے۔اس لئے مطلق مال سے شریعت میں مال زکوۃ مراد ہوگا اور اسی کو صدقہ کرنا ہوگا

(١٠٧٥) وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِمِلْكِهِ لَزِمَهُ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِالْجَمِيعِ لِ وَيُرْوَى أَنَّهُ وَالْأَوَّلَ سَوَاءٌ، وَقَدْ ذَكَرْنَا الْفَرْقَ .وَوَجْهُ الرِّوَايَتَيْنِ فِي مَسَائِلِ الْقَضَاءِ

(١٠٧٦)(وَيُقَالُ لَهُ أَمْسِكْ مَا تُنْفِقُهُ عَلَى نَفْسِكَ وَعِيَالِكَ إِلَى أَنْ تَكْتَسِبَ مَالًا، فَإِذَا اكْتَسَبَ يَتَصَدَّقُ بِمِثْلِ مَا أَنْفَقَ) لِ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ

نوٹ کوئی اور علامت نہ ہوتو قضا میں یہ فیصلہ کیا جائے گا، ورنہ عموما کوئی بھی مال مراد لیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ:(١٠٧٥) کسی نے نذر مانی کہ اپنی ملکیت کوصدقہ کرے گا تو اس پر لازم ہے کہ تمام مال کوصدقہ کرے۔

وجہ: ملکیت میں تمام ہی مال شامل ہو جاتا ہے۔سبھی اس کی ملکیت میں ہیں اس لئے اگر نذر مانی کہ اپنی ملکیت کوصدقہ کرے گا تو تمام مال صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

اصول: ملکیت میں تمام ملکیت شامل ہے۔

ترجمہ: لِ ایک روایت یہ بھی ہے کہ، بمالہ،اور بملکہ، دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ میں نے کتاب القضاء میں دونوں کا فرق بیان کیا ہے

تشریح: ، بمالہ،اور بملکہ، مال سے مراد عام محاورے میں عام مال ہے، لیکن شریعت میں زکوۃ کا مال ہوتا ہے۔اور بملکہ، سے مراد تمام ملکیت ہوتی ہے، دونوں لفظوں میں یہ فرق ہے

ترجمہ :(١٠٧٦) نذر ماننے والے سے کہا جائے گا کہ اپنی ذات پر اور اپنے بال بچوں پر خرچ ہو اتنی مقدار روک لیں اس وقت تک کہ آپ مال کمالیں، پس جب مال کمالے تو جو اپنے لئے روکا تھا اتنا وہ صدقہ کرے۔

ترجمہ: لِ پہلے کتاب القضاء میں اس کا ذکر کر دیا

تشریح :پوری ملکیت صدقہ کرنے کی نذر کی وجہ سے پورا مال صدقہ کرنا پڑے گا جس سے اس کے بال بچے ہلاک ہو جائیں گے۔اس لئے اتنا مال صدقہ روک لے جس سے اس کی ذات اور بال بچے کا خرچ چل سکے۔ پھر جب مال کمائے تو اتنا مال صدقہ کر دے جتنا پہلے اپنے لئے روکے رکھا تھا۔

وجہ: کیونکہ نذر کی وجہ سے پورا مال صدقہ کرنا لازم تھا۔

تمت بالخیر

سبحان ربک رب العزة عما یصفون و سلام علی المرسلین و الحمد لله رب العالمین

ثمیر الدین قاسمی

الحمد للہ، آج ٢٣ر فروری ٢٠٢١ کو اثمار الهدایہ کی دسویں جلد پوری ہوئی، فللّٰہ الحمد